واعظین و مقررین خطباء و ائمہ مساجد
کے لئے بے نظیر تحفہ

تصنیف: حضرت شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ باہتمام: مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی

مصدقہ: حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

دار الاشاعت
اردو بازار، کراچی ۱ فون ۲۶۳۱۸۶

ملنے کا پتہ
دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی ۱
ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

عرضِ مُرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارشات

الحمدللہ وکفیٰ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تاامروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اللہ رب العلمین کے انسان پر انعامات واحسانات تو بے حساب ہیں، اور ان میں سب سے بڑا انعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور سب سے بڑا احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق کا عطا کرنا ہے اس توفیق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کو انسان اپنا طریق عمل بنائے، اور قرآن وسنت کی تعلیمات کو عملی وعلمی ہر لحاظ سے حرزجاں بنائے رکھے۔ یہ کام شکرگزاری کے ساتھ دنیا وآخرت میں مزید عظیم انعامات کا ذریعہ بنے گا۔ صحابہ کرام رضؓ اور تابعین کے عہد سے بزرگان دین نے قرآن کریم کے ساتھ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت واشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کرڈالیں، اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور انشاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور ہر دور میں ایک جماعت اس کار خیر کے لیے مصروف کار رہے گی۔

شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مجالس الابرار" احیاء وحفاظت سنت کے اسی کار خیر کا ایک حصہ ہے۔ مصنف ؒ نے اس میں نہایت محتاط اور محققانہ انداز سے احادیث مصابیح کی شرح کی ہے کہ رطب ویابس روایات جمع نہیں کیں، اور سنت نبویہ کی محبت اور بدعت سے نفرت اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ عقائد، فقہ اور تصوف وطریقت کے ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے، کتاب کو سو مجلسوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر مجلس کی بنا حدیث شریف پر رکھی گئی ہے، تشریح میں قرآن کریم، احادیث شریفہ، فقہ، سلوک وتصوف کے مسائل اور بزرگوں کے تجربات کو اس پیرایہ میں جمع فرمایا ہے کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے، اصل کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، امام الہند خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز اس کتاب کی نہایت بلیغ انداز میں توصیف فرماتے تھے۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اندیری سورتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کو سلیس اور بامحاورہ کرکے عام اردو داں حضرات کے لیے صحیح دینی معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ فراہم کردیا، مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی فرمائی، وعظ وتبلیغ کرنے والوں اور خطباء حضرات کے لیے بلاشبہ ایک نادر تحفہ ہے۔

موجودہ صورت میں کتاب کی ہر مجلس کے مضامین مسلسل تھے، نہ ضمنی عنوانات تھے اور نہ ایک بات کے ختم ہونے اور دوسری بات شروع ہونے کا پتہ چلتا تھا، طباعت کا انداز بھی بدل گیا ہے اور لوگوں کی سہل پسندی بھی عام ہوگئی، جس کی بنا پر اس کتاب سے پوری طرح استفادہ قدرے مشکل نظر پڑتا تھا۔

احقر کی رائے میں بزرگان دین کی کتابیں زبان کی قدامت کے باوجود نئی لکھی جانیوالی کتابوں سے کہیں زیادہ اثر انگیز ہیں۔ البتہ ان قدیم کتب کو جدید طرز طباعت کے مطابق کر کے شائع کرنا چاہیے، اس کام میں نہ تو عبارت میں کمی بیشی کی جائے اور نہ الفاظ و عبارت میں تغیر و تبدل، بلکہ صرف پیراگراف بنا کر اور ہر مضمون کی عبارت پر ضمنی عنوانات قائم کر کے اس کو جدید مذاق کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔

محترم جناب محمد رضی عثمانی صاحب مالک دارالاشاعت کراچی کی فرمائش پر احقر نے اپنے مذکورہ خیال کے مطابق اس کتاب "مجالس الابرار" کو بھی "جدید بنانے" کا کام شروع کیا، نئی چیز بنا کر اس کو سجانا آسان ہے مگر اپنے انداز پر پہلے سے تیار شدہ چیز کی اپنی خواہش کے مطابق آرائش مشکل کام ہے۔ احقر کو بھی اس کتاب کی ترتیب جدید میں کافی محنت اٹھانا پڑی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مضامین کو کسی خاص ترتیب سے جمع نہیں کیا گیا، بلکہ وعظ و نصیحت کے انداز میں ایک بات سے دوسری بات نکلتی چلی آتی ہے۔ جو اپنے موضوع میں نہایت مناسب اور جچی تلی ہوتی ہے مگر اس کو کسی علیحدہ مستقل عنوان کے تحت رکھنا بڑا دشوار ہوتا ہے، پھر مختلف مجلسوں میں بعض مضامین کا تکرار ہے۔ جو فی نفسہ ضروری تھا۔ مگر تقسیم مضامین کرنے والے کے لیے دشواری پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک بات کو ختم کر کے دوسری بات شروع ہونے کا یقین کرنا بھی مذکورہ دشواری کا سبب بنتا ہے، کیونکہ ہر مجلس کے مضامین کا ربط باہم اتنا گہرا ہوتا ہے کہ یہ یقین کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ کہاں بات ختم ہوئی اور کہاں سے نئی بات شروع ہوئی ہے۔

بنام خدا اس کام کو شروع کر دیا اور بڑی سست روی کے ساتھ کام جاری رہا، تقریباً پونے سات صد صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک سال سے زائد عرصہ میں حسب خواہش جدید ترتیب کے ساتھ تیار ہوگئی۔ موجودہ ترتیب جدید میں ہماری کوشش کس حد تک کامیاب رہی ہے اور کتاب کی افادیت میں کس قدر اضافہ ہوا ہے اس کا اندازہ تو قارئین ہی کریں گے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عجز و انکسار کے ساتھ عرض گذار ہوں کہ جس طرح کتاب کے اصل مصنف، مترجم اور اس کی سابقہ اشاعت کرنے والوں کی سعی مشکور ہوئی ہے۔ اس عاجز مرتب اور کتاب کی موجودہ اشاعت کا اہتمام کرنے والوں کو بھی اخلاص کی دولت نصیب فرمائے، اور اس معمولی خدمت کو قبول فرمائے آمین۔ وباللہ التوفیق

ناکارۂ خلائق
حسین احمد نجیب
رفیق دار التصنیف، دار العلوم کراچی
۸/ رجب ۱۳۹۸ ہجری۔

تفصیلی فہرست مضامین مجالس الابرار

تمہید ترجمہ و تذکرۂ مصنّف علیہ الرحمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی من علینا اذ بعث فینا رسولاً من انفسنا یتلو علینا آیاتہ ویزکینا ویعلمنا الکتاب والحکمۃ وان کنا من قبل لفی ضلال مبین۔ والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامی المکی المدنی الہاشمی الصادق الامین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

امابعد ارباب بصیرت پر مخفی نہ رہے کہ حضرت حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے اپنی بیشمار مخلوق میں سے جن وانس کو اس فضیلتِ عظمیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کہ یہ عقل وعلم کے ذریعہ سے حضرت باری جل مجدہ کی کبریائی اور عظمت و جلال وتقدس وکمال کو پہچانیں اور اس کے سامنے اپنے عجز واحتیاج کے اظہار کیلئے سربسجود ہوں اپنی پیشانی اس احکم الحاکمین رب العالمین کے جلال وجبروت کے سامنے زمین پر رکھدیں جس کے بیشمار احسانات میں ان کا بال بال اور رونگٹا رونگٹا بندھا ہوا ہے اور کوئی دم ایسا نہیں گزرتا جس میں اس کی بے انتہا رحمت سے غیر متناہی نعمتوں کی بارش نہ ہوتی ہو۔ انسان اگر ذرا بھی غور کرے تو جس وقت سے کہ یہ اپنے والد کی پیٹھ میں ایک ناپاک قطرے کی شکل میں تھا اپنی زندگی کے آخری دم تک ایک دقیقہ بھی اسے ایسا نظر نہ آئیگا جس میں یہ حضرت حق کے بیشمار احسانات میں متغرق نہ ہو۔ پس ناممکن ہے کہ یہ اس کی قسموں کے لاکھویں بلکہ کروڑویں حصے کا شکر بھی ادا کرسکے۔ سچ ہے ؎ از دست وزبان کہ بر آید کز عہدہ شکرش بدر آید۔

عقل وانصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کا ایک منٹ بھی ایک سیکنڈ بھی ایسے محسن ایسے مربی ایسے مالک حقیقی کی عبادت سے خالی نہ گزرتا مگر یہ اس کی قدرت وطاقت سے باہر تھا اور حق تعالیٰ کی مقدس ذات نے بھی جو انسان پر ماں باپ سے بھی بدرجہا زیادہ رحیم ہے اس پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا جسے یہ برداشت نہ کرسکتا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی نماز فرض کی جسے نہایت اطمینان اور فراغت سے ادا کرسکتا ہے۔ سال بھر میں صرف ایک مہینے کے روزوں کا حکم دیا جو ہنسی خوشی سے رکھے جاسکتے ہیں۔ صاحب نصاب ہونیکی صورت میں چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے امر فرمایا۔ جس میں سلیم الطبع انسان کو ذرا بھی پس وپیش نہیں ہوسکتا، استطاعت ہو تو عمر بھر میں ایک بار اپنے گھر کی زیارت کا حکم دیا جہاں ہر وقت انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے غرض اس کی رحمت کے قربان جائیے کہ اس نے باوجود ہمارے رگ وریشہ کے مالک ہونے اور ہماری زندگی اور موت پر پوری قدرت رکھنے کے بھی ہمارے ساتھ اس نرمی اس ملاطفت اس آسانی کا معاملہ کیا کہ اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو سب اس کی رحمت پر قربان کردینے کے قابل ہیں۔

بعثت انبیاء کرام علیہم السلام | پھر رحمت پر رحمت اور شفقت پر شفقت یہ فرمائی کہ جاری ہدایت کے لئے حضرات

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ہم کو مولائے حقیقی کی راہ پر لگائیں اور شیطانی و نفسانی گمراہیوں سے بچائیں۔ پیغمبروں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا جو ہر زمانے میں اور ہر قوم میں خدائے برتر کے قاصد بنکر ایمان و ہدایت کی مشعلیں ہاتھوں میں لیے ہوئے آتے رہے اور بچھڑے ہوئے بندوں کو مولا سے ملاتے رہے۔ کیا ہی خوش قسمت تھے وہ لوگ جنہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کی باتوں پر کان دھرے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کیا اور کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کی طرف سے منہ موڑا اور ان کی تعلیم کو نہ سنا نہ مانا نہ کان دھرے اور ہمیشہ کیلئے خدا تعالیٰ کے غضب اور غصے کو اپنے سر لیا۔ ایک نیک بخت انسان کی اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کے مقدس اور پاک پیغمبروں کی ذات کو اپنے لئے نمونہ بنالے اور ہر خوشی اور رنج میں ان کے قدم بہ قدم چل کر خدا کی خوشنودی اور رضامندی کا تمغہ حاصل کرے۔ دنیا میں کروڑوں انسان پیدا ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے مگر صرف دنیا میں پیدا ہونا اور کھانا پینا زندگی کے مزے حاصل کر کے چلا جانا کمال انسانیت کی دلیل نہیں۔ کامل وہ ہے کہ اس سرائے فانی میں پیدا ہونے کی اصلی غرض کو سمجھے اور اس کے مطابق کاربند ہو کر قیامت کی سرخروئی حاصل کرے۔

دنیا میں ہمارے آنے کی اصلی غرض یہ ہے کہ ہم اپنے حقیقی آقا سچے مولا کو پہچانیں اور اس کی عبادت کریں، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

اگر ہم نے اس کی معرفت اور عبادت میں ذرا برابر بھی کمی کی تو اپنی پیدائش کے اصلی غرض سے بھی جاہل رہے۔ مولائے حقیقی کی معرفت اور عبادت کے صحیح طریقوں کا علم بغیر مشکوٰۃ نبوت سے نکلی ہوئی تعلیمات کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ رسول پاک کی تعلیم پر عبور حاصل کرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھ کر اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا واسطہ جان کر اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ محبوب رکھے۔ قرآن پاک کو نجات کا پروانہ اور حدیث شریف کو اس پروانہ کی شرح سمجھ کر حرز جان بنائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی پہچان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ کا کامل اتباع کیا جائے۔ بدون کامل اتباع کے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور جس قدر اتباع میں نقصان ہوگا اسی قدر محبت ناقص ہوگی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین محبت نبویہ کے نشے میں ایسے سرشار تھے کہ اپنی جان کی بھی خبر نہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے مرتبے امت محمدیہ میں بہت بڑے ہیں۔ مسلمانو اگر قیامت کے ہولناک دن میں حضور انورؐ کی شفاعت کی خواہش رکھتے ہو، اگر حوض کوثر سے سیراب ہونے کی تمنا ہے، اگر اس دن کہ آفتاب کی گرمی سے انسانوں کے دماغ ہانڈی کی طرح ابلنے لگیں گے، عرش خداوندی کا سایہ درکار ہے، اگر جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔ اگر خدا تعالیٰ کے دیدار اور محبوب حقیقی کی رضامندی حاصل کرنے کا اشتیاق ہے تو اس کا صرف ایک راستہ اور واحد ذریعہ ہے۔ اور وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع اور بدعات سے اجتناب ہے۔

یاد رکھو کہ صرف سنتِ نبویہ کی روشنی میں منزلِ مقصود طے ہو سکتی ہے۔ منزلِ آخرت کے دشوار گزار مرحلوں میں سنتِ نبویہ کے علاوہ کسی فانوس کی روشنی نہیں۔ اور بدعت انسان کے دل کو تاریک اور بصیرت کو تباہ کر دیتی ہے۔

کتاب مجالس الابرار کی خصوصیات

اتباعِ سنت کی ترغیب اور فضائل اور اجتناب بدعات کی تاکید اور بدعت کے قبائح کے بیان میں بہت سی کتابیں علماءِ ربانی نے تصنیف کیں اور خدا نے ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا مگر کتاب مجالس الابرار اس بارے میں نہایت مفید اور بے انتہا خوبیوں سے لبریز تھی۔ اس کے مصنف کا اخلاص اس سے ظاہر ہے کہ اس نے اپنا نام تک ظاہر نہیں فرمایا کہ ریا کا وہم ہو سکتا اور سنتِ نبویہ کی محبت اور بدعت سے نفرت کتاب کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ احادیث پر وسعت نظری فقہ فی الدین مضامین کتاب سے عیاں ہے۔ غرض ہر مضمون سفینۂ فلاح اور ہر مضمون حرزِ جان ہے۔

ایک محبِ سنت کیلئے یہ کتاب مونس انیس اور رفیق نفیس ہے اسی لئے علماءِ محققین نے اس کی مدح و ثنا زبانی ہے اور واعظین مخاطبین نے اس کے مضامین سے استفادہ کیا۔ کیونکہ اور کتب وعظ کی طرح اس میں رطب و یابس روایات جمع نہیں کی گئی ہیں بلکہ نہایت محققانہ طرز پر احادیث مصابیح کی شرح کی گئی ہے۔ اور عمدہ عمدہ بحثیں درج فرمائی ہیں۔ خدا تعالیٰ مصنف کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے آمین

نفائس الازہار ترجمہ مجالس الابرار کی خصوصیات

یہ کتاب اگرچہ اردو ترجمہ کیساتھ چھپی ہوئی تھی۔ یعنی اصل عربی کے ساتھ اردو ترجمہ بھی بین السطور میں تھا۔ مگر عاشقِ سنت ماحی بدعت اخی فی اللہ المولوی الحکیم محمد ابراہیم صاحب راندیری سورتی نے یہ دیکھ کر کہ کم استعداد والے اردو خواں مسلمانوں کو اس سے کما حقہ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اول تو عربی عبارات ساتھ ہونے کی وجہ سے گھبراتے ہیں دوسرے ترجمہ بھی پورا با محاورہ نہ ہونے سے الجھن ہوتی ہے، یہ چاہا کہ ترجمہ کو با محاورہ کر کے صرف ترجمہ ہی چھاپا جائے تاکہ اردو خواں حضرات بے تکلف مسلسل اسے پڑھ سکیں۔ اس لئے مولانا موصوف کے فرمانے پر اول اس کے ترجمے کو ایک لائق عالم سے درست کرایا گیا اور عربی عبارت علیحدہ کر کے صرف ترجمہ ہی چھپوایا گیا۔ مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب کی یہ سعی فی اللہ اور سنتِ نبویہ کی محبت کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دینی و دنیوی ترقیات و کمالات سے بہرہ اندوز فرمائے اور اس کتاب کے ترجمہ و طبع کے تمام معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

تذکرۂ مصنفِ مجالس الابرار

از مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی

مضمون سابق میں بیان ہوچکا ہے کہ مجالس الابرار کے مصنف نے غایت اخلاص و تواضع کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں فرمایا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہوجائیں۔ مگر افسوس کہ کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف وہی معلوم ہوسکا جو خود اسی کتاب مجالس الابرار کے طبع سابق میں اس کے آخری صفحے پر مرقوم ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔

حضرت خاتم المحدثین حجۃ اللہ فی الارضین آیۃ من آیات اللہ فی العالمین امام ہمام ثقۃ الاسلام منتہائے روایت حدیث فی الہند حضرت شیخ شاہ عبدالعزیز العمری الدہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ نے اس کتاب کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے: "کتاب مجالس الابرار علم و وعظ و نصیحت میں اسرار شریعت و ابواب فقہ و ابواب سلوک و رد بدعات و عادات شنیعہ کے فوائد کثیرہ پر شامل ہے۔ ہمیں اس کے مصنف کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں، جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کا مصنف ایک عالم متدین متورع اور علوم شرعیہ کے فنون مختلفہ پر حاوی تھا۔ اور کیا اچھی بات کسی نے کہی ہے کہ کہنے والے کو نہ دیکھو بلکہ اس کے کلام کو دیکھو، کیونکہ آدمیوں کی پہچان حق بات سے ہوتی ہے نہ حق بات کی پہچان آدمیوں سے"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور کشف الظنون میں ہے کہ کتاب مجالس الابرار کی سو مجلسیں ہیں جن میں مصابیح کی سو حدیثوں کی شرح ہے۔ اور مصنف اس کے شیخ احمد رومی ہیں۔ فقط

اس سے زیادہ مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوسکا۔ نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی اپنی کتاب "اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین" میں مجالس الابرار کے بیان میں صرف انہی دو نقلوں پر اکتفا کیا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور کشف الظنون سے اوپر نقل کی گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہٗ خاکسار محمد کفایت اللہ غفرلہٗ
مدرس اول مدرسہ امینیہ دہلی

حرفِ آغاز تمام تعریفیں خاص اُس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے علماء کے مرتبے بقدر اُن کے علمِ قرآنی کے بلند فرمائے پھر محدثین کو ہدایت کی کہ روشن چراغوں (یعنی رسولِ پاک کی حدیثوں) کے ذریعہ سے شبہات کی تاریکیوں سے بچیں۔ اور قرآن پاک کے علم کو پہلی گذری ہوئی امتوں کے لئے مثل نشان کے قرار دیا۔ اور اُن کو اپنی معرفت کی کامل نعمتیں سنت اور عرفان قدیم کے چراغوں سے عطا فرمائیں۔ اور دونوں جہان میں اُن کو عزت دی اور اُن کا اکرام واحترام کیا اور تمام اہلِ عالم پر اُن کو ازل میں قرآن پاک کے سبب سے فضیلت بخشی۔ پس فرمایا الذین یجتنبون کبائرالاثم والفواحش الا اللمم
"یعنی جو لوگ بڑے گناہوں اور فحش باتوں سے بچتے ہیں مگر کچھ صغیرہ گناہ (اُن سے بتقاضائے انسانیت ہوجاتے ہیں تو خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ اُن کو بخشدیگا) پس پاک ہے وہ ذاتِ مقدس جو پہلوں اور پچھلوں کو حکمت سکھاتا ہے۔ میں اُس کی ایسی تعریف کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز بندہ اپنے آقا کی عطا کی ہوئی

نعمتوں کے شکریہ میں آقا کی تعریفیں بیان کرتا ہے اور گواہی دیتا ہوں میں کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور برگزیدہ پیغمبر ہیں جو تمام امتوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ ہمارے نامۂ اعمال کو اسی کلمۂ شہادت پر ختم فرمائے جب کہ ہمارا خاتمہ ہو۔ خدا تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے اُن پر اور اُن کے آل واصحاب پر جو فضل وحکمت والے ہیں جب تک کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی جاتی رہے جو سب سے زیادہ تعریف اور بزرگی والا ہے۔

کتاب مجالس الابرار کا تعارف | یہ کتاب مجالس الابرار کتاب مصابیح الظلم کی بعض صحیح اور بعض حسن حدیثوں کی شرح ہے۔ کتاب مصابیح رنج والم کی دفع کرنے والی ہے۔ میں نے اس شرح کو بعض دینی بھائیوں کے لئے جمع کیا اور تفسیر وحدیث وفقہ وکلام اور بزرگوں کے تصوف کی معتبر کتابوں سے لیکر بعض مضامین اس میں شامل کردئے۔ میں اس میں صحیح اعتقاد اور آخرت کے اعمال بیان کروں گا۔ اور قبروں وغیرہ سے مدد مانگنے سے روکوں گا کہ یہ کافروں اور گمراہوں اور گمراہ کرنیوالوں کے کام ہیں۔ جبکہ میں نے دیکھا کہ اس زمانے میں بہتیرے لوگوں نے قبروں کو بُت بنا رکھا ہے اُن کے سامنے نماز پڑھتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں اور ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو ایماندار کو زیبا نہیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس بارے میں شریعت کے احکام بیان کردوں تاکہ اُن لوگوں پر حق اور باطل کھل جائے جو اپنا ایمان درست کرنا اور شیطان کے مکر سے بچنا اور عذاب الٰہی سے نجات پانا اور جنت میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور اللہ ہی ہدایت کرنے والا ہے اور اُسی پر بھروسہ ہے۔ میں نے اس میں بعض باتیں مکرر ہوجانے کی پرواہ نہیں کی کیونکہ بزرگوں کی نصیحت میں ایسا ہوجاتا ہے۔ اور اس کتاب میں میں وہ حالات بھی بیان کروں گا جن کو عام لوگ خیر اور شر اور شگون اور فال کہتے ہیں اور اس کا نام میں نے مجالس الابرار ومسالک الاخیار ومحائق البدع ومقامع الاشرار رکھا اور سَو مجلسوں پر اسے مرتب کیا۔

مجالس اور اُن کی تفصیل

پہلی مجلس اس بیان میں کہ اللہ کو یاد کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور جو اللہ کو یاد نہ کرے وہ مثل مُردے کے ہے اور ذکرِ الٰہی کی پہچان کے بیان میں ......

دوسری مجلس اس بیان میں کہ ذکرِ الٰہی تمام نیک اعمال سے افضل ہے اور اس کی قسموں کے بیان میں۔

تیسری مجلس ایمان اور مومن کی فضیلت کے بیان میں۔

چوتھی مجلس اس بیان میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ماں باپ اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت رکھنی لازم ہے۔

پانچویں مجلس اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں سب پر ایمان لانا چاہیئے اور اُس

ہیں مخالفت درست نہیں۔

چھٹی مجلس اس بیان میں کہ جو شخص راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے سچے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے پر، اس کو ایمان کا مزہ آگیا۔

ساتویں مجلس اُن چیزوں کے بیان میں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ کہ صحیح مذہب میں اُن چیزوں پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے اور بعض کے نزدیک تفصیلاً ایمان لازم ہے۔

آٹھویں مجلس اس بیان میں کہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ جنتی ہے اور انکا مخالف جنت سے محروم ہے۔

نویں مجلس اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں پہ ایمان لانا لازم ہے اور اسمیں ایک اچھی تحقیق ہے۔

دسویں مجلس اس بیان میں کہ مومن اور مسلم میں اور مجاہد اور مہاجر میں کیا فرق ہے۔

گیارھویں مجلس اس بیان میں کہ افضل ذکر اور افضل دعا کیا ہے۔

بارھویں مجلس اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا قیامت کے دن سب سے زیادہ کون مستحق اور کامیاب ہوگا۔

تیرھویں مجلس اس بیان میں کہ خالص توحید دوزخ کی آگ حرام ہونے کا سبب ہے۔

چودھویں مجلس اس بیان میں کہ کونسا ایمان قیامت میں ذریعہ نجات ہوگا۔

پندرھویں مجلس اس بیان میں کہ ہر بچہ فطرت اسلامی پہ پیدا کیا جاتا ہے اور اس کی عمدہ تفصیل۔

سولھویں مجلس نیک بخت اور بدبخت کی تحقیق اور اقسام کفر وغیرہ کے بیان میں۔

سترھویں مجلس اس بیان میں قبروں کے پاس نماز پڑھنا اہل قبور سے مدد مانگنا قبروں پہ چراغ اور موم بتیاں جلانا جائز نہیں ہے۔

اٹھارھویں مجلس بدعت کے اقسام اور اُس کے احکام اور ضروری باتوں کے بیان میں۔

انیسویں مجلس اس بیان میں کہ نماز نفل باجماعت ادا کرنا مثل صلوٰۃ رغائب وغیرہ کے بدعت ہے۔

بیسویں مجلس حج مقبول کے فضائل اور اُس کی بدعتوں کے بیان میں۔

اکیسویں مجلس زکوٰۃ کی فضیلتوں اور زکوٰۃ نہ دینے کی آفتوں کے بیان میں۔

بائیسویں مجلس مطلقاً روزوں کی فضیلتوں کے بیان میں۔

تئیسویں مجلس شعبان کے روزوں کی فضیلت کے بیان میں۔

چوبیسویں مجلس شب برأت میں سنت کے موافق جاگنے اور بدعات مکروہہ سے بچنے کے بیان میں

پچیسویں مجلس اس بیان میں کہ رمضان کا چاند دیکھنا ضروری ہے اور یوم الشک میں روزہ رکھ،

مکروہ ہے۔

چھبیسویں مجلس رمضان کی فضیلت اور اُس کے حق کی رعایت اور تعظیم شان کے بیان میں۔

ستائیسویں مجلس نیت کی کیفیت اور روزہ توڑنے والی اور نہ توڑنے والی چیزوں کے بیان میں اور اُس چیز کے بیان میں جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور جس سے واجب نہیں ہوتا۔

اٹھائیسویں مجلس تراویح کی کیفیت اور فضیلت کے بیان میں۔

انتیسویں مجلس دیر کرکے سحری کھانے اور افطار میں جلدی کرنے کی فضیلت وغیرہ کے بیان میں۔

تیسویں مجلس اُس شخص کے گناہ کے بیان میں جس نے رمضان کا روزہ اس طرح توڑ ڈالا کہ اُس پر کفارہ واجب ہو جائے۔

اکتیسویں مجلس اعتکاف اور شب قدر کی تلاش مسنون ہونے اور شب قدر کی فضیلت کے بیان میں۔

بتیسویں مجلس صدقۂ فطر اور احکام عیدین اور عید کی بدعتوں کے بیان میں۔

تینتیسویں مجلس شوال کے روزوں کی فضیلت اور اس بات کے بیان میں کہ شوال کو منحوس سمجھنا جائز نہیں ہے۔

چونتیسویں مجلس بقرعید کے پہلے عشرہ کی فضیلت کے بیان میں۔

پینتیسویں مجلس ایامِ قربانی میں قربانی کرنے کی فضیلت اور قربانی کے جانوروں کی قسموں اور ذبح کرنے کی کیفیت کے بیان میں۔

چھتیسویں مجلس خدا کے مہینے یعنی محرّم کی فضیلت اور عاشورے کے روزے کے بیان میں۔

سینتیسویں مجلس روزِ عاشورا کی فضیلت اور اُن بدعات کے بیان میں جو اس روز کی جاتی ہیں۔

اڑتیسویں مجلس کسی کی بیماری کسی کو نہ لگنے اور شگونِ بد کے ناجائز ہونے اور بھوت پریت کے نہ ہونے کے بیان میں۔

اُنتالیسویں مجلس شگون اور فالِ بد کی بُرائی اور اُس کے اقسام اور فالِ مسنون کی تعریف اور اُس کے اقسام کے بیان میں۔

چالیسویں مجلس اعمالِ آخرت کے علاوہ دنیا کے کاموں میں دیر کرنے کی خوبی کے بیان میں۔

اکتالیسویں مجلس بلاؤں کے اُترنے کے اسباب اور اُن کے دفع ہونے کے اسباب یعنی توبہ اور دُعا کے بیان میں۔

بیالیسویں مجلس اس بیان میں کہ دُعا بلا کو اُترتے وقت بھی اور بعد اترنے کے بھی دفع کر دیتی ہے۔

تینتالیسویں مجلس اس بیان میں کہ جب کوئی امر خوفناک ظاہر ہو تو اُس وقت نماز پڑھنا اور ایسے امر

باسٹھویں مجلس اس حدیث کہ "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو" آلخ کی تحقیق اور اس کی تفریعات کے بیان میں۔
ترسیٹھویں مجلس قیامت کے دن بندہ سے حساب ہونے اور حساب میں مناقشہ ہونے کے بیان میں ہے۔
چونسٹھویں مجلس اس بیان میں کہ آدمی کو چاہیئے کہ اپنے نفس سے خود محاسبہ کرتا رہے اس سے پہلے کہ قیامت کا حساب اور مناقشہ پیش آئے اور ہلاکت کو پہنچائے۔
پینسٹھویں مجلس اُمت کو توبہ کی رغبت دینے اور توبہ کے فوراً واجب ہونے اور توبہ کے تینوں معنوں کی تحقیق کے بیان میں۔
چھیاسٹھویں مجلس اس حدیث کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک وہ نزع کو نہ پہنچے۔
سڑسٹھویں مجلس عقلمند اور احمق کے حال کے بیان میں۔
اڑسٹھویں مجلس تقویٰ اور حُسن خلق کی فضیلت اور ان دونوں کی حقیقت کے بیان میں۔
انہترویں مجلس اس بیان میں کہ حلال کمائی طلب کرنا لازم ہے اور کونسا پیشہ اچھا اور کونسا بُرا ہے
سترویں مجلس احتکار[1] کی حُرمت کے بیان میں اور جو جو احکام شرعی اس سے متعلق ہوں۔
اکہترویں مجلس اس بیان میں کہ کونسا تاجر قیامت میں بدکاروں میں اُٹھایا جائے گا اور کونسا صادق۔
بہترویں مجلس تاجروں کو اس بات کی ترغیب دینے میں کہ اپنے تمام اقوال و افعال میں سچائی اور امانت داری کو لازم سمجھیں۔
تہترویں مجلس سُود کی حقیقت اور اس کے نقصانوں کے بیان میں۔
چوہترویں مجلس بیع سلم کی حقیقت اور اُس کے احکام اور دوسرے معاملات کے بیان میں۔
پچھترویں مجلس اس بیان میں کہ سوال حرام ہے اور اس میں سزا کی وعید ہے اور یہ کہ کس مقام پہ سوال جائز ہے۔
چھہترویں مجلس آقا پر غلاموں کے حقوق اور اُس کے احکام کے بیان میں۔
ستترویں مجلس لواطت کی حُرمت اور اُس کے عذاب وغیرہ کے بیان میں۔
اٹھترویں مجلس شراب پینے کی حُرمت اور اس کے عذاب اور جملہ ممنوعات کے بیان میں۔
اُناسویں مجلس غلول[2] کے حرام ہونے کے بیان میں اور یہ کہ مالِ غنیمت کا مجاہدین میں تقسیم کردینا

---

[1] احتکار کے معنے یہ ہیں کہ غلہ کو ایسی طرح روکا جائے کہ مخلوقِ خدا کو تکلیف پہنچے، اور یہ ناجائز ہے ۱۲

[2] غلول کہتے ہیں غنیمت کے مال میں سے چرانے کو ۱۲

ضروری ہے۔
اسی مجلس فتنوں اور خلاف شرع باتوں کے ظاہر ہونے کے بیان میں اور یہ کہ اُس وقت کیا کرنا چاہیئے۔
اکیاسویں مجلس قاضی بننے بنانے کے احکام میں اور یہ کہ رشوت دے کر منصب قضا حاصل کرنیکا کیا حکم ہے اور جھوٹی گواہیوں پر فیصلہ کرنا کیسا ہے۔
بیاسویں مجلس اس بیان میں کہ کس شخص کو وعظ کرنا جائز ہے اور کس کو جائز نہیں ہے اور اُس کے تفریعات
تراسویں مجلس اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر اس امت کیلئے ایک مجدد پیدا کرتا ہے۔
چوراسویں مجلس سلام کی کیفیت اور پہلے سلام کرنے والے کی فضیلت کا بیان۔
پچپاسویں مجلس مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ روٹھے رہنے کے بیان میں۔
چھیاسویں مجلس بدگمانی کرنے سے ڈرانے کے بیان میں اور اس بدگمانی سے مراد دوسرے کے عیوب کی جستجو میں رہنا ہے۔
ستاسویں مجلس۔ اس بیان میں کہ بدکار اور فاسق کے ساتھ رہنا اور کھانا پینا منع ہے۔
اٹھاسویں مجلس اس بیان میں کہ خدا کی راہ میں محبت کرنا اور خدا کی راہ میں عداوت کرنا افضل الاعمال ہے۔
نواسویں مجلس اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امر و نہی میں فرمانبرداری کرنا اور آپکی مخالفت سے بچنا لازم ہے
نوّے مجلس اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اُسکے غضب پر غالب ہے اور رحمت اور غضب کی حقیقت کا بیان۔
اکیانوے مجلس اس بیان میں کہ شیطان انسان کے خون کی جگہ اس کے بدن میں پھرتا ہے۔
بانوے مجلس اس بیان میں کہ وسوسہ کا مواخذہ نہیں جبتک اُس پر عمل نہ کرے یا منہ سے نہ کہے۔
ترانوے مجلس اس بیان میں کہ بنی آدم پر شیطانی اثر بھی ہوتا ہے اور فرشتے کا اثر بھی ہوتا ہے۔
چورانوے مجلس اس بیان میں کہ اسلام پیدا ہونے کی حالت میں بھی بے یار و مددگار تھا اور پھر ایسا ہی بے یار و مددگار ہو جائے گا۔
پچانوے مجلس اس بیان میں کہ تندرستی اور فارغ البالی نعمت ہے اور یہ کہ بہت سے تندرست اور فارغ البال اس نعمت کو ضائع کر کے نقصان اُٹھاتے ہیں۔
چھیانوے مجلس اس بیان میں کہ جو شخص بدبودار چیز کھائے تو اُسے مسجد میں نہ جانا چاہیئے۔
ستانوے مجلس اس بیان میں کہ بے فائدہ قول اور فعل کا چھوڑنا ضروری ہے۔
اٹھانوے مجلس عورتوں کے ساتھ گزارا کرنے کے طریقوں کا بیان۔
ننانوے مجلس۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تحقیق میں کہ عورتوں کیساتھ بھلائی کرنے کی وصیت حاصل کرو۔
سو مجلس۔ اس بیان میں کہ بی بی کو اپنے خاوند کی حق شناسی لازم ہے اور ناحق شناسی کی حالت میں سزا کا بیان۔

پہلی مجلس

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنیوالا مثل زندہ کے ہے اور یاد نہ کرنیوالا مثل مُردے کے اور ذکرِ الٰہی کی پہچان کے بیان میں

ذکر اللہ کرنیوالا زندہ اور نہ کرنے والا مثل مُردہ کے ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل الذی یذکر ربہ کمثل الحی والمیت۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے سے روایت کیا ہے۔ یعنی جو شخص خدا کا ذکر کرتا ہے وہ مثل زندہ کے ہے اور جو خدا کا ذکر نہیں کرتا وہ مثل مُردہ کے ہے۔

تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یاد کرنیوالے کو مثل زندہ کے فرمایا حالانکہ وہ زندہ ہے اس لئے کہ زندہ سے مُراد وہ ہے جس کو حقیقی اور دائمی زندگی حاصل ہو اور ایسی زندگی بغیر یادِ الٰہی کے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ذکرِ الٰہی ذاکرین کے دلوں کو زندہ رکھتا ہے اور اُن کیلئے رب العالمین کی پہچان کا سامان تیار کر دیتا ہے اور بہشت کی ہمیشہ کی زندگی کے لائق بنا دیتا ہے اور جو شخص یادِ الٰہی نہیں کرتا وہ مُردے کے مانند ہے کیونکہ وہ اس چیز سے خالی ہے جس سے اُس کا دل زندہ ہو اور خدا کی معرفت اور دائمی زندگی حاصل ہو۔ کیونکہ انسان کی وہ شرافت جس سے تمام اقسام مخلوقات پر فضیلت رکھتا ہے صرف اسی وجہ سے ہے کہ اُس میں خدا کو پہچاننے کی لیاقت اور استعداد ہے اور اس معرفت کی استعداد کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہے۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا سے اسے کچھ علاقہ نہیں بلکہ تمام اعضا، دل کے تابع اور خدمت گذار ہیں دل اُن اعضا سے اس طرح کام لیتا ہے جس طرح بادشاہ رعیت سے اور اس طرح خدمت لیتا ہے جس طرح آقا اپنے غلاموں سے اور دل کو اطمینان صرف یادِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (ترجمہ) "یعنی خبردار ہو کہ صرف خدا کی یاد سے دل اطمینان پاتے ہیں۔"

اور سب سے بہتر ذکر جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لا الٰہ الا اللہ، تو ہر عاقل بالغ شخص پر ضروری ہے کہ اس ذکر میں مشغول رہے تاکہ اُس کا دل مطمئن ہو جائے اور معرفت الٰہی کی استعداد حاصل کرے۔ معرفت الٰہی کے لئے علم کا حصول واجب ہے لیکن اس میں مشغول ہونے سے پہلے اُسپر واجب ہے کہ عقائد کا اتنا علم حاصل کرے جس سے اُس کا اعتقاد موافق مذہب اہلسنت والجماعت کے ٹھیک

ہو جائے اور اہل بدعت کے شبہات سے بچ سکے کیونکہ جب تک دل میں اعتقادی بدعت کی تاریکی رہتی ہے اُس وقت اُس میں عبادت کی روشنی نہیں چمکتی۔

اور یہ بھی واجب ہے کہ اتنا علم فقہ بھی سیکھ لے جس سے اُس کے اعمال پاک شریعت کے موافق صحیح اور درست ہو جائیں اور نہیں تو بغیر جڑ مضبوط کئے ہوئے اور ٹھیک راستہ دریافت کئے ہوئے بڑا کام کر بیٹھنا شیطانی جلدی اور نفسانی خواہش ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل کرتی ہے کیونکہ ایسا جاہل کبھی دھوکے میں پڑ کر نادانی سے خیالات نفسانی اور شبہات شیطانی کو کرامت سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ اصل میں وہ استدراج[۱] ہوتا ہے اور اُس کے حق میں طرح طرح کی گمراہی بڑھ جاتی ہے۔

بغیر علم کے ریاضت کرنے کے نقصانات کیونکہ جو شخص ذکر اور ریاضت میں مشغول ہو جاتا ہے اور اُسے عقائد کا اتنا علم نہیں ہوتا کہ اُس کا اعتقاد اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق صحیح ہو جائے، اور بدعتیوں کے شبہات سے بچ سکے اور فقہ کا اس قدر علم نہیں ہوتا کہ اُس کے اعمال پاک شریعت کے مطابق صحیح اور درست ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں کہ اس پر محسوسات کا کشف ہونے لگے یا کوئی بات مثل کرامت کے اُس کی ریاضت یا شیطانی دھوکے کی وجہ سے ظاہر ہو جائے چنانچہ اس قسم کی بہت سی باتیں بعض ریاضت کرنے والے کفار سے منقول ہیں پھر یہ نادان خیال کرتا ہے کہ یہ ولایت اور کرامت ہے حالانکہ اصل میں وہ مکر اور استدراج ہوتا ہے نہ کرامت اور ولایت، اس لئے کہ کشف اور خلاف عادت باتیں کبھی کبھی بعض راہبوں وغیرہ کو جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں حاصل ہو جاتی ہیں باوجودیکہ اُن کے عمل اور اعتقاد خراب ہوتے ہیں پس اس کشف وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ریاضت کو دلوں کی صفائی کا سبب بنا دیا ہے جس سے کشف اور کشف کے مانند اور خوارق[۲] ہونے لگتے ہیں مگر کشف وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کا سبب کشف سے راضی ہونا یقیناً ثابت نہیں ہوتا اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ خوارق کو معجزے اور کرامت کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ بعضے وقت استدراج بھی ہوتا ہے پس اگر یہ امر خوارق ایسے شخص سے ظاہر ہو جس کے عمل یا اعتقاد میں خرابی ہے تو وہ استدراج ہی سمجھا جائیگا کرامت نہیں۔ کیونکہ کرامت وہ ہے کہ کوئی بات عادت کے خلاف کسی نیک آدمی کے ہاتھ سے ظاہر ہو جس کی نیکی ظاہر ہونے کی قید کرامت کو استدراج سے علیحدہ

---

[۱] استدراج لغت میں ڈھیل دینے کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ گنہگاروں کو خدا کی طرف سے بطور ڈھیل دینے کے بعضی نعمتیں مل جاتی ہیں جنکا سبب مقبولیت نہیں ہوتی بلکہ اُس سے اُس شخص کو دھوکہ لگ جاتا ہے اور زیادہ گناہ کرنے لگتا ہے ۱۲

[۲] امر خارق اور خارق اور خوارق عادات ایسی باتوں کو کہتے ہیں جو عادت جاریہ کے خلاف ظاہر ہوں جیسے کسی شخص کا ہوا پر اڑنا یا پانی پر خشکی کی طرح چلنا یا شیر پر سوار ہو جانا اور اسی قسم کی باتیں ۱۲

کرنے کے لئے لگائی ہے کیونکہ استدراج وہ ہے کہ بداعمال اور بداعتقاد لوگوں سے کوئی بات خلافِ عادت ظاہر ہو جیسے دجال اور فرعون اور گمراہ کرنے والے جاہل لوگ پس خوارق جیسے پرہیزگاروں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں بدوں کے ہاتھ پر بھی ہوتے ہیں تو جو امرِ خارق ایسے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو شرعی حکومت کا مطیع ہے تو اس کے لئے عبادت میں زیادہ کوشش کرنے کا سبب ہو جاتا ہے اور جو امرِ خارق ایسے شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو جو شرعی حکومت کا مطیع نہیں تو اس کی رحمتِ الٰہی سے دوری اور دھوکے کو زیادہ کر دیتا ہے اور شیطان ہمیشہ اس کو بہکاتا رہتا ہے یہانتک کہ حدودِ شرعیہ اور احکامِ الٰہیہ اور حلال و حرام کا منکر بنا کر اُسے اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اس لئے خدا کی یاد کرنے والے شخص پر واجب ہے کہ پہلے اپنے تمام اعمال جب تک ہوش و حواس میں ہے احکامِ شرعی کے موافق رکھے اور ہرگز یہ جائز نہیں کہ کسی وقت بھی احکامِ شرعی کے مخالف کوئی کام کرے۔

احکامِ شریعت کی قسمیں اور شرع کے احکام دو قسم پر ہیں۔ ایک[1] قسم ظاہر یعنی بدن سے علاقہ رکھتی ہے اور دوسری قسم باطن یعنی دل سے تعلق رکھتی ہے پھر ان دونوں قسموں کی دو دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ جس کا کرنا واجب ہے دوسری وہ جس کا ترک واجب ہے پس تمام احکامِ شرعی چار طرح کے ہوتے۔ اوّل وہ احکام جو بدن سے متعلق ہیں اور اُن کا کرنا واجب ہے دوسرے وہ احکام جو بدن سے متعلق ہیں اور اُن کا چھوڑنا واجب ہے۔ تیسرے وہ احکام جو دل سے متعلق ہیں اور اُن میں کوئی فعل واجب ہے چوتھے وہ احکام جو دل سے متعلق ہیں اور اُن میں ترکِ فعل واجب ہے۔

پس پہلی قسم جو بدن سے متعلق اور اس کا عمل میں لانا واجب ہے، شہادت کے دونوں کلمے زبان سے پڑھنا (اور دل سے خدا کو ایک اور رسولؐ کو برحق جاننا) اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے اور خانۂ کعبہ کا حج کرنا اور کفار پر جہاد اور نیک بات کا حکم کرنا اور بدی سے روکنا اور اس کے علاوہ اور فرائض و واجبات ہیں۔

اور دوسری قسم جو بدن سے متعلق اور اُس کا ترک واجب ہے خونریزی اور بدکاری اور اغلام اور چوری اور شراب خوری اور غیبت اور سخن چینی[1] اور جھوٹ بولنا اور ایسی چیز کا دیکھنا جس کیطرف نظر حرام ہے اور ایسی آواز سننی جس کا سننا حرام ہے اور اس کے علاوہ اور حرام اور مکروہ چیزیں۔ اور تیسری قسم جو دل سے متعلق ہیں اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، توبہ اور اخلاص اور توکل اور صبر اور شکر اور خوف اور امید واری اور اس کے علاوہ اور نیک عادتیں اور پسندیدہ خصلتیں ہیں۔

اور چوتھی قسم جو دل سے متعلق ہیں اور اُس میں ترکِ فعل واجب ہے، تکبر اور خود پسندی اور

---

[1] چغلی کھانا۔ لگائی بجھائی کرنا ۱۲

اور ریا یعنی دکھلاوا اور حسد اور اس کے علاوہ اور بری عادتیں اور خصلتیں ہیں۔

خدا کا نافرمان اور اس کا انجام پس جو شخص ان چاروں قسموں کے حکموں میں سے کسی ایک حکم کا بھی خلاف کرے وہ خدا کا نافرمان ہے اور اس کے عذاب کا مستحق ہے اور ایسا شخص ولی اور صاحب کرامت نہیں ہوسکتا۔

توہین دین کے مرتکب لوگ بعضے لوگ اس زمانہ میں تین دن یا کچھ زیادہ کا چلّہ کھینچ کر خلوت خانہ سے نکل آتے ہیں اور ایک یا دو بار ایسا چلّہ کرکے دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ ہم کو سب حالات کھل گئے اور اولیاء اللہ کے مقامات حاصل ہوگئے، حالانکہ شرع شریف کے خلاف کام کرتے ہیں اور جب اُن سے اُن کے اعمال کی برائی بیان کرو تو کہنے لگتے ہیں میاں یہ علم ظاہر میں حرام ہے اور ہم تو باطنی علم والے ہیں اور یہ باتیں علم باطن میں حلال ہیں اور خدا کا تقرب بدون چھوڑنے علم ظاہر کے حاصل نہیں ہوتا تم قرآن اور حدیث سے احکام حاصل کرتے ہو اور ہم چلّے اور تنہائی اور پیر کی مدد سے خدا تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم پر سارے علوم کھل جاتے ہیں ہم کو کتابوں کے مطالعہ کی اور استاد سے پڑھنے کی کچھ حاجت نہیں ہے اور اگر ہم سے کوئی مکروہ یا حرام کام ہوجاتا ہے تو خواب میں ہم کو ممانعت ہوجاتی ہے اُس سے ہم حلال اور حرام کو سمجھ لیتے ہیں اور جس چیز کو تم حرام بتاتے ہو اُس سے ہم کو خواب میں منع نہیں کیا گیا اس لئے ہم نے جان لیا کہ حرام نہیں ہے اور اسی طرح کی خرافات باتیں جو سراسر بے دینی اور گمراہی کی ہیں بکتے ہیں کیونکہ اس میں ملت حنیفیہ اور شریعت نبویہ کی توہین ہے اور قرآن و حدیث اور اجماع امت پر بے اطمینانی ہے۔

پس جو شخص یہ باتیں سُنے اُس پر واجب ہے کہ بے تامل اور بلا تردد اور بغیر توقف ان باتوں کا انکار کرے اور اس کلام کو بیہودہ اور واہیات سمجھے اور نہیں تو وہ بھی اسی گروہ میں داخل ہوگا اور اس پر بھی زندیقی کا حکم لگ جائے گا کیونکہ جن لوگوں کا اعتقاد اس درجہ تک پہنچ جائے تو سمجھو کہ اُن میں اور شیطان میں ایک تعلق اور لگاؤ پیدا ہوگیا ہے اور شیطان اُن کو بعض دفعہ کچھ تجلّی وغیرہ دکھا دیتا ہے جس سے یہ لوگ دھوکہ کھا کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارے اعمال نیک ہیں اور ہم خدا رسیدہ ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ہماری عزت ہے اور نہیں جانتے کہ شیطان ہمیشہ اہل خلوت و ریاضت کے دلوں میں اس بات کی خوبی بٹھا دیتا ہے کہ اپنے توہمات اور خوابوں پر عمل کریں اور شریعت کے احکام کا لحاظ نہ کریں۔ پھر یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب دل خدا کی طرف لگ جاتا ہے تو اس کے خیالات غلطی سے محفوظ ہوجاتے ہیں، حالانکہ یہ بات ان کے حق میں بڑا شیطانی دھوکہ ہے کیونکہ،

خطرات قلبی کی اقسام اور ان کی حقیقت خطرات تین طرح کے ہوتے ہیں رحمانی اور شیطانی اور نفسانی۔ پس اگر انسان ریاضت اور مجاہدہ کے انتہائی درجے پر پہنچ جائے تاہم اُس کا شیطان اور نفس اس کے ہمراہ ہیں جو موت تک اُس سے جدا نہ ہوں گے اور شیطان اس کے جسم میں ایسا پھرتا ہے جیسا

کہ بدن میں خون۔ اور گناہوں سے معصوم ہونا صرف پیغمبروں کا حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے درمیان احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور وعدہ و وعید کے سنانے میں واسطے ہیں اور سوا اِنکے کوئی معصوم نہیں۔ اور جو شخص یہ خیال کرے کہ اُس کو رسول کے لائے ہوئے احکام کی حاجت نہیں ہے اور اپنے خیالات کو کافی سمجھے تو وہ اعلیٰ درجے کا کافر ہے۔

کیونکہ جو خطرہ دل میں آتا ہے اُس میں احتمال ہے کہ نفسانی ہو یا شیطانی، اس لئے وہ قابلِ اعتبار نہیں نہ قابلِ توجہ ہے تاوقتیکہ احکامِ نبویہ پر پیش کرکے اُس کی موافقت جانچ نہ لی جائے اسلئے کہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ انسان عالمِ خواب یا بیداری میں دیکھے ہمیشہ صحیح ہوا کرے بلکہ بعض اوقات بعض باتیں خطراتِ نفسانی ہوتے ہیں اور بعض وسوسۂ شیطانی اور بعض بذریعۂ فرشتۂ خواب کے اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام ہوتے ہیں پس ان تینوں میں کوئی تمیز ہونا ضرور ہے جس سے معلوم ہوسکے کہ جو چیز خواب یا بیداری میں دیکھی گئی ہے وہ کس قسم کی بات ہے اور جب یہ ثابت کہ وہ من جانب اللہ ہے تو پھر کوئی ایسا عالم ہونا چاہیئے جو اُس کے مطلب کو سمجھ سکے کیونکہ اگر اُس کا مطلب ظاہر ہے تو تاویل کی ضرورت نہ ہوگی مگر تنبیہ کی پھر بھی حاجت ہوگی اور اگر مطلب ظاہر نہ ہو بلکہ تاویل کی حاجت ہو تو وہ عالم اُس کی صحیح تاویل کردے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ قرآن و حدیث جس کے خدا اور رسول کے کلام ہونے میں شک نہیں لیکن اُن کا مطلب کبھی ظاہر ہوتا ہے کہ تاویل کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور کبھی ظاہر نہیں ہوتا تو تاویل کی حاجت ہوتی ہے اور علماء اس امر کی تصریح کرچکے ہیں کہ الہام یا خواب احکامِ الٰہی کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں خصوصاً وہ الہام یا خواب جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ اہلِ الہام اور محدثین[1] کے سردار تھے جب کبھی آپ کے دل میں خطرات آتے آپ اُس طرف التفات نہ کرتے نہ اُس پر کوئی حکم لگاتے اور نہ اُس پر عمل کرتے، تاوقتیکہ قرآن و حدیث سے مقابلہ نہ کرلیتے اور ان جاہلوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی نے کبھی کوئی ادنےٰ درجہ کی چیز دیکھ بھی لی تو اپنے خطرات کو قرآن و حدیث پر ترجیح دیتا ہے اور کتاب و سنت کی طرف طریقت شریعت کے تابع کچھ توجہ نہیں کرتا اور طریقت کے علماءِ محققین نے قرآن و حدیث ہی کو سند سمجھا ہے اور اپنے افعال اور مجاہدات اور مکاشفات کو قرآن و حدیث سے مقابلہ کیا ہے جس بات

---

[1] محدثین دال کے زبر سے محدَّث کی جمع ہے محدَّث اُسے کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام خاص الہام کے ذریعہ سے آئے یہ لوگ بعض علماء کے نزدیک ادنیٰ درجہ کے نبی بعض کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ کے ولی ہوتے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے محدَّث کو اعلیٰ درجہ کا ولی قرار دے کر حضرت عمرؓ کو سید المحدثین کہا ہے ۱۲ محمد کفایت اللہ

کو انہوں نے قرآن و حدیث کے خلاف پایا اور ان دونوں میں اس کا ثبوت نہ دیکھا تو اُس کا اعتبار نہیں کیا اور نہ اس کی جانب التفات۔

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اکثر تصوف کے بعض نکتے آتے ہیں لیکن میں ان کو قبول نہیں کرتا تا وقتیکہ میں اُس کی دو عادل گواہوں یعنے قرآن و حدیث سے تصدیق نہ کر لوں۔

اور ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں جو باطن کہ ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے یعنی تصوف کی جو بات قرآن و حدیث کے ظاہری احکام کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اور

ابو حفص کبیرؒ کا قول ہے کہ جو شخص اپنے افعال اور اقوال اور احوال کو کتاب اور سنت کی ترازو میں نہ تولے اور اپنے خطرات قلبی کو مشکوک نہ سمجھے اُس کو مردانِ خدا میں شمار نہ کرو۔ اور

ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم دیکھو کہ کسی شخص کو طرح طرح کی کرامتیں دی گئی ہیں یہاں تک کہ ہوا میں چارزانو بیٹھا ہو یا پانی پر چلتا ہو تو ان باتوں سے دھوکہ نہ کھانا، تا وقتیکہ یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر اور نہی اور حدِ شرعی کی نگہداشت اور احکامِ شریعت کی پابندی میں پورا ہے یا نہیں۔ اور

جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ سے ملنے کے راستے اتنی کثرت سے ہیں جتنے مخلوق کے انفاس ہیں لیکن وہ سب بند ہیں یعنی کوئی شخص اُن راستوں سے خدا تک نہیں پہنچ سکتا سوائے اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے اور کہتے ہیں کہ انہوں نے (منصور) حلاج کے قتل کا فتویٰ صرف اس بات پر دیا تھا کہ اُس نے انا الحق کہا تھا۔

پس طالبِ حق عقلمند کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ تمام بزرگ باوجودیکہ بڑے بڑے مشائخ طریقت اور اہلِ حقیقت کے سردار تھے پھر بھی شریعت ہی سے سند پکڑتے اور کسی چیز میں شریعت کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ پس اسی طرح ہر بندۂ ذاکر شاغل پر واجب ہے کہ اپنے تمام اقوال اور افعال و احوال میں پابندیٔ شریعت کرے اور ہرگز کسی بات میں اس کے خلاف نہ کرے۔

ثمراتِ ذکر کے حصول کیلئے ضروری شرط لیکن یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ذکر مؤثر اور نافع وہی ہے جو ہمیشہ ہو اور دلی توجہ کے ساتھ کیا جائے جس ذکر میں دل غافل رہے اُس سے بہت کم فائدہ ہوتا ہے اس لئے کہ ہر ذکر کی ایک ابتدائی حالت ہوتی ہے اور ایک انتہائی۔ ابتدائی حالت یہ ہے کہ ذکر سے محبتِ الٰہی پیدا کی جائے اور انتہائی حالت یہ ہے کہ محبت الٰہی سے خود بخود ذکر جاری ہو جائے اور مقصود یہی محبت اور انس ہے اسلئے کہ ذاکر ابتدا میں تو اپنے دل کو بہ تکلف وسوسوں سے پھیرتا ہے اور یادِ الٰہی میں لگاتا ہے پھر اگر اُس کو ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق ہوئی تو ذکرِ الٰہی سے اُسے اُنس ہو جاتا ہے اور محبت

ف چارزانو بیٹھنا آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کو کہتے ہیں ۱۲

اس کے دل میں جڑ پکڑ لیتی ہے اور کثرت ذکر کے لئے ایسا بے قرار رہتا ہے کہ بغیر اُس کے صبر نہیں آتا۔ اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اُس کو بہت یاد کیا کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز کا بہت ذکر کرتا ہے گو تکلف سے ہی ہو تو اُس کے دل میں اُس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذکر کے ثمرات خلاصہ یہ کہ ابتدائے ذکر میں تکلف ہوتا ہے آخر الذکر خدا سے اُنس و محبت ہو جاتی ہے پھر اُس کی یاد سے صبر محال ہو جاتا ہے۔ پس سبب[1] مسبب اور ثمر مثمر بن جاتا ہے۔

پھر جب ذاکر کو یادِ الٰہی سے اُنس ہو جاتا ہے تو وہ غیر خدا سے الگ ہو جاتا ہے اور ذکر کا پورا فائدہ مرنے کے بعد پاتا ہے کیونکہ وہ ماسوی اللہ سے مرنے کے بعد جدا ہو جاتا ہے اور قبر میں اُس کے ساتھ نہ اہل ہوتا ہے نہ مال صرف یادِ خدا ہی اُس کے ساتھ رہ جاتی ہے پس اگر وہ اُس سے مانوس ہے تو فائدہ اُٹھائے گا اور اُن تعلقات کے چھوٹ جانے سے جو یادِ خدا میں اُس کو مانع تھے لذت پائے گا کیونکہ دنیا کی ضروری حاجتیں اُس کو اللہ کے ذکر سے روکتی تھیں اور بعد مرنے کے کوئی مانع باقی نہیں رہتا پس گویا اُس کو اپنے محبوب کے ساتھ تخلیہ ہو گیا اور اس قید خانہ سے چھوٹ گیا جس میں رہ کر اپنے پیارے سے نہ مل سکتا تھا اور بندہ اس اُنس سے موت کے بعد مزہ لیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے پاس بُلا لیا جاتا ہے اور ذکر سے ترقی کر کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوتا ہے کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے اُس کا مقصود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ تھا۔ اس لئے کہ ہر مقصود معبود ہے اور ہر معبود الٰہ ہے۔ اور لا الٰہ الا اللہ کے دائمی ذکر سے تمام جھوٹے معبود فنا ہو جاتے ہیں اسی لئے اس ذکر کو تمام ذکروں پر فضیلت ہے اور بعض حدیثوں میں ذکر مطلق ہے۔

اور بعض میں صدق اور اخلاص کی بھی شرط ہے جیسا کہ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصاً دخل الجنۃ۔ ترجمہ "جس نے سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنتی ہے۔"

اور اخلاص کے معنے یہ ہیں کہ جو بات زبان سے کہے دل میں بھی وہی ہو۔ پس جو کوئی زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہے اور دل میں نہ ہو تو اُس ذکر میں اخلاص بالکل نہیں ہے اور اُس کا قبول ہونا نہ ہونا مشیتِ الٰہی پر ہے اور اُس کی حالت اندیشہ سے خالی نہیں۔

---

[1] یعنی ذکر اپنی ابتدائی حالت میں محبت الٰہی پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے پھر جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ محبت ذکر الٰہی کا سبب بن جاتی ہے تو ذکر جو پہلے محبت کا سبب تھا اخیر میں محبت کا مسبب بن جاتا ہے اسی طرح ثمر کا مثمر ہو جانا سمجھو کہ محبت ذکر الٰہی سے پیدا ہوئی تو گویا ذکر الٰہی کا پھل ہوئی پھر ذکر محبت سے پیدا ہوا تو گویا محبت کا پھل ذکر ہوا تو محبت جو پہلے ذکر کا پھل تھی اب ذکر اُس کا پھل بن گیا ۱۲ محمد کفایت اللہ عفی عنہ۔

دوسری مجلس اس بیان میں کہ ذکرِ الٰہی تمام نیک کاموں سے بہتر ہے اور اس کے اقسام کا بیان

سب سے بہتر اور پاکیزہ عمل | فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جو تمہارے تمام اعمال سے بہتر ہو اور تمہارے مالکِ حقیقی کے نزدیک بہت پاکیزہ ہو اور جس سے تمہارے درجے بہت بلند ہوں اور تمہارے لئے چاندی سونا خرچ کرنے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی اچھا ہو کہ تم دشمنانِ خدا سے لڑو اور انہیں قتل کرو اور خود شہید ہو جاؤ۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں حضور ارشاد فرمائیے!

آپ نے فرمایا کہ وہ کام ذکر اللہ ہے

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔

اور ذکرِ الٰہی کا تمام عبادتوں سے بڑھ کر ہونا اور سونا چاندی خرچ کرنے سے اور دشمنانِ خدا کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہونا اس وجہ سے ہے کہ تمام عبادتیں صرف ذکرِ الٰہی کا وسیلہ ہیں اور ذکر اللہ اصلی مطلوب اور انتہائی مقصود ہے۔ لیکن

ذکر کی قسمیں | ذکر کی دو قسمیں ہیں، ایک ذکر زبانی دوسرا ذکر قلبی۔ زبانی ذکر تو یہ ہے کہ زبان سے ادا کیا جائے اور کانوں سے سنا جا سکے حروف اور آواز سے حاصل ہو۔ اور دلی ذکر نہ زبان سے ادا کیا جاتا ہے نہ کانوں سے سنائی دیتا ہے بلکہ وہ صرف فکر اور دلی غور ہے اور ذکر کا یہی سب سے بڑا مرتبہ ہے اور عجب نہیں کہ اس حدیث میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ذکر سے یہی ذکر قلبی فکری ہو کیونکہ یہی ذکر ایسا ہے جس کو جان و مال خرچ کرنے پر بھی فضیلت ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ ذکرِ قلبی اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے بلکہ حضورِ دل کے ساتھ ذکرِ زبانی کی مداومت کی جائے تاکہ ذکر اس کے دل میں جم جائے اور اس پر ایسا غالب ہو جائے کہ غیر اللہ کی طرف دل کو متوجہ کرنے میں تکلف ہو جیسا کہ شروع میں دل کے اندر ذکر جمانے میں تکلف ہوتا تھا لیکن اس بات کا دل میں جمنا اللہ تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے کیونکہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہی نہیں وہ دل و زبان سے کیا ذکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کے دو طریقے ہیں ایک تو اُن لوگوں کا طریقہ جو عقل اور دلیل سے خدا کو پہچانتے ہیں اور دوسرا اہلِ ریاضت اور مجاہدہ کا طریق ہے۔ پھر عقل و دلیل سے پہچاننے والے اگر انبیاء علیہم السلام کے مذاہب میں سے کسی مذہب کے متبع ہوں تو وہ متکلمین کہلاتے ہیں ورنہ وہ حکمائے مشائین ہیں اور یہ فلسفیوں میں ایک گروہ ہے جنہوں نے ارسطو کا طریقہ اور اُس کی طرح بحث و دلیل و برہان قائم کرنا اختیار کیا ہے اور یہ لوگ اہلِ ایمان نہ تھے۔ اور ریاضت و مجاہدہ کا طریقہ رکھنے والے اگر موافق احکامِ شریعت کے ریاضت و مجاہدہ کریں تو وہ صوفی با شرع ہیں ورنہ حکمائے اشراقین ہیں اور یہ فلسفیوں کا دوسرا گروہ ہے جس نے افلاطون کے انداز پر کشف اور مشاہدہ کا طریقہ اختیار کیا ہے اور یہ لوگ بھی اہلِ ایمان نہ تھے۔

معرفتِ الٰہی کے طریقے

پس اس بنا پر ہر طریق کے دو گروہ ہوئے اور مؤمنین عارف باللہ دو قسم کے ہوئے ایک دلیل و برہان والے (یعنی متکلمین) اور دوسرے اہلِ مشاہدہ و عیاں والے (یعنی با شرع صوفی) کیونکہ جن لوگوں کی خداشناسی عقلی و نقلی دلیلوں کے ذریعے سے ہو تو وہ علم باطن اور عیان والے ہیں اور طریقِ اوّل کا حاصل یہ ہے کہ قوتِ نظریہ سے کمال حاصل کر کے اُس کے مراتب میں ترقی کی جائے۔

اور دوسرے طریقہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قوتِ عملیہ سے کمال حاصل کیا جائے اور اس کے مدارج میں ترقی کی جائے اور یہی وہ حقیقی کرامت ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ کرامت کا فائدہ یہ ہے کہ استقامت حاصل ہو اور کمالِ استقامت تک رسائی نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس سے بڑھ کر کرامت نہیں بخشی کہ اُس کو تقوے اور استقامت کے اُس راستے پر چلنے کی توفیق بخشے جسکو وہ پسند کرتا ہے۔ رہی وہ کرامت جو خلافِ عادت امور ظاہر ہونے کے معنے میں ہے تو محققین اولیاء اللہ کے نزدیک وہ بالکل قابلِ اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ کرامت کفار اور دوسرے ریاضت کرنے والے لوگوں سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے باوجودیکہ اُن کا عمل اور عقیدہ دونوں فاسد ہوتے ہیں۔

خرقِ عادت امور کی حقیقت

اور بعض اہلِ تدقیق کی رائے کے موافق اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اسباب اور اُن کے آثار مقرر فرما دیئے ہیں اور عادتِ الٰہی یوں جاری ہے کہ ہر سبب اپنے مسبّب یعنی اثر سے جدا نہیں ہوتا جیسے آگ کو سبب اور جلانے کو اُس کا اثر بنا دیا ہے اور آگ کبھی اپنے اثر یعنی جلانے سے جدا نہیں ہوتی اور انہی اسباب میں سے ریاضت بھی ہے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے صفائیٔ قلب کا ذریعہ بنایا ہے اور اُس کا اس سے ایسا علاقہ قائم کیا ہے کہ اس سے کشف اور خلافِ عادت امور صادر ہوا کریں۔

لیکن یہ کشف وغیرہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا تعالیٰ اس ریاضت سے راضی ہے جس سے یہ کشف حاصل ہوا کیونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ خوارق عادت معجزہ اور کرامت ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات استدراج بھی ہوتا ہے۔

پس جس وقت کہ یہ ایسے شخص سے صادر ہوں جس کے عمل اور عقیدہ میں خلل ہو تو اُسکو استدراج ہی کہیں گے اس لئے کہ کرامت تو اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی کام خلاف عادت ایسے نیک بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہو جس کی پرہیزگاری ظاہر ہو اور اس آخری قید سے استدراج خارج ہوتا ہے اسلئے کہ استدراج اس کو کہتے ہیں کہ کوئی امر خارق عادت اشقیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہو جائے جیسے کہ دجال اور فرعون اور گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے جہلاء، اسلئے کہ پرہیزگاروں سے جیسے کہ خوارق ظاہر ہوتے ہیں ویسے ہی اشقیاء سے بھی ہوتے ہیں۔

پس جو ایسے شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو جو مطیع فرمانِ شرع ہے تو یہ اُس کی عبادت میں زیادہ کوشش کرنے کا سبب سمجھا جائے گا اور جب کوئی ایسی بات اُس شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو جو تابع شرع نہیں ہے تو وہ خدا سے اس کی دُوری بڑھ جانے کا سبب ہو جائے گی۔ اور شیطان اُس کو ہمیشہ لوٹ دیتا رہے گا یہاں تک کہ حلال و حرام اور حدود و احکام کے انکار کی وجہ سے اُس کو حلقۂ اسلام سے نکال دے گا۔

اسی لئے حضرت ابو یزید بسطامیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی پر چلتا ہو یا ہوا میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائے لیکن پھر بھی تم جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور پابندیٔ شریعت میں کیسا ہے اُس کے فریب میں نہ آجانا۔

کسی نے اُن سے کہا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ معظمہ پہنچ جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ شیطان ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ ملعون و مردود ہے اس بناء پر ہر شخص کو جس سے کچھ بھی خوارق ظاہر ہوں خدا کا دوست اور ولی سمجھ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ جسطرح اُس کا خدا کا دوست ہونا ممکن ہے اُسی طرح دشمنِ خدا بھی ہونا ممکن ہے اسی لئے کہ شاید وہ امر نفس ریاضت یا شیطان کے فریب سے ہوا ہو کیونکہ بسا اوقات شیطان بعض اُمور کو اس طرح سے انسان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ فی الواقع ویسے نہیں ہوتے اور باطل چیزیں حق کی صورت میں دکھاتا ہے۔

اللہ کے دوست اور دشمن بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے پاس کوئی شخص آتا ہے اور اُن سے اس طرح باتیں کرتا ہے کہ وہ اُس کو فرشتۂ آسمانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جن اور شیاطین ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کا سب سے پہلا شخص مختار بن ابی عبد اللہ ثقفی ہوا ہے جس کی خبر خود حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحیح حدیث میں دی ہے اور اس طرح فرمایا ہے کہ عنقریب ثقیف میں ایک جھوٹا پیدا ہوگا، کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ مختار کا یہ خیال ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ میں نہیں بتا دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں حالانکہ فی الواقع اُن کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں ایسے لوگ جیسا جیسا اُن کا شیطان سے ربط اور جسقدر خدائے رحمٰن سے عداوت بڑھتی ہے ہے اُن کو ان شیطانی حالات میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور مخلوق کے حق میں باعث فتنہ ہوتے جاتے ہیں

اور بعضے ایسے ہیں کہ وہ اگرچہ اپنے معاملہ میں سچے ہیں اور عبادت اور مجاہدۂ عملی بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ ایمان کی حقیقتوں سے کماحقہٗ واقف نہیں ہوتے اور نہ شیطانی اور رحمانی باتوں کی تمیز کر سکتے ہیں اس لئے شبہ میں پڑ کر شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور ایسے کشف کا دعوے کرنے لگتے ہیں جو عقل اور شرع دونوں کے خلاف ہوتا ہے اور ایسی باتوں کا اپنے کشف سے ظاہر ہونا بیان کرتے ہیں جو عقل و شرع دونوں کے صریح مخالف ہوتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قصداً جھوٹ نہیں بولتے لیکن چونکہ اُن کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو خارج میں نادر الوجود ہوتی ہیں اس لئے وہ اُن کو صُلحاء کی کرامت خیال کر بیٹھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ شیاطین کے فریب ہیں کیونکہ ایسے لوگ بہت ہیں جو اپنے آپ کو خدا کا دوست اور ولی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خدا کے دوست نہیں ہوتے بلکہ وہ شیطان کے دوست ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ

اللہ کے دوست اور ولی وہی ہیں جن کی تعریف خداوند عالم نے قرآن شریف میں کی ہے، اور فرمایا ہے کہ "خبردار رہو کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ کسی طرح کا غم" (جن کی شان یہ ہے کہ) وہ ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس سے ڈرتے ہیں"۔ دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے "اُس کے دوست وہی لوگ ہیں جو اُس سے ڈرتے ہیں"۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ اُس کے دوست وہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور ظاہر میں اُن کے لئے مباح چیزوں میں سے کوئی خاص چیز معین نہیں ہے جس سے وہ اوروں سے ممتاز ہوں، نہ یہ کہ دو مختلف مباح لباسوں میں سے ایک کو اپنے لئے خاص کر لیں بلکہ یہ لوگ امتِ محمدی کے ہر گروہ میں پائے جاتے ہیں بشرطیکہ بدعتی اور بدکار نہ ہوں۔

اور ولی کے لئے یہ شرط بھی نہیں کہ وہ معصوم ہو کہ نہ اُس سے غلطی ہو اور نہ خطا کرے اور اسی

لئے اُس کو یہ جائز نہیں کہ جو خطرہ دل میں گذرے یا جو بات اُس کو اپنے خیال کے مطابق الہام یا خطاب الٰہی سے معلوم ہو اُس پر بھروسہ کر بیٹھے، بلکہ اُس پر واجب ہے کہ اِس قسم کی باتوں کو احکام شریعت سے جانچے، اگر اُن کے مطابق ہوں تو قبول کرے اور مخالف ہوں تو ہرگز قبول نہ کرے لیکن اگر موافقت یا مخالفت کا پتہ نہ چلے تو توقف کرے۔

اولیاء اللہ کے بارے میں ایک بڑی غلطی اور اُس کے نتائج

عام لوگ اس معاملہ میں بڑی غلطیاں کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو ولی سمجھ لیتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ولی کا ہر قول قبول کرنے کے لائق اور اُس کا ہر فعل ماننے کے قابل ہے خواہ قرآن و حدیث کے مخالف ہی کیوں نہ ہو یہ لوگ اس شخص کی فرمانبرداری تو ضرور کرتے ہیں لیکن اُن اُمور کی جس کے لئے اللہ نے اپنے پیارے رسولؐ کو بھیجا اور اُس کی خبروں کو سچ جاننے اور اس کے ارشاد کی تعمیل کرنے کو تمام عالم پر فرض کیا ہے مخالفت کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کی مخالفت اور اُس شخص کی پیروی پہلے تو بدعت اور نافرمانی کی طرف اور آخرکار کفر اور سرکشی تک پہنچا دیتی ہے اور اُن لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کی نسبت خداوند عالم یوں ارشاد فرماتا ہے "اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہیگا کاش میں نے رسول کا طریقہ اختیار کیا ہوتا، ہائے افسوس کاش میں فُلاں کو اپنا دوست نہ بناتا جس نے مجھ کو بھٹکا دیا ذکر خدا سے جبکہ مجھ کو اُس کی خبر پہنچ چکی تھی اور شیطان آدمی کو بڑا دغا دینے والا ہے"

بلکہ وہ لوگ اُن نصاریٰ کی طرح ہیں جن کے بارے میں جناب باری نے یوں ارشاد فرمایا ہے "بجائے اللہ کے اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا (اس آیت کے متعلق دریافت کرتے وقت) عدی بن حاتمؓ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ نصاریٰ نے اُن کی پرستش تو کی نہیں (پھر اس ارشاد کا کیا مطلب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُن کی اطاعت تو کی ہے اور خدا کے حکم کے خلاف کسی کی اطاعت کرنا گویا اُس کی پرستش کرنا اور اُس کو اپنا معبود ٹھہرانا ہے

پس اب جو شخص پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد کے کچھ بھی خلاف کرے اور کسی دوسرے کو ولی سمجھے اور یہ خیال کرکے کہ ولی کا کوئی قول و فعل خلاف نہیں ہوتا پیروی کرے تو وہ گمراہ ہے اور ان لوگوں کی اس بارہ میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کو بعض حالات کا کشف ہو جاتا ہے یا کوئی امر خارق ظاہر ہوتا ہے مثلاً وہ شخص ہوا میں اُڑتا ہے یا پانی پر چلتا ہے یا غائب شخص کا حال بتلا دیتا ہے یا چوری وغیرہ کا پتہ دیتا ہے تو ایسی باتوں سے اُس کو ولی قرار دیتے ہیں اور اُس کی مخالفت جائز نہیں سمجھتے باوجودیکہ اس قسم کی باتیں بعض اوقات ایسے شخص میں بھی پائی جاتی ہیں جو نہ شرعی پاکی سے پاک ہوتا ہے اور نہ دین و مذہب کے موافق پاک و صاف رہتا

ہے حالانکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ خود پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے" اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اللہ طیب ہے اور طیب کو کو قبول کرتا ہے"۔

لیکن جو شخص نہ کبھی نہاتا ہے نہ وضو کرتا ہے نہ فرض نماز پڑھتا ہے بلکہ ہر وقت نجاست میں لتھڑا رہتا ہے کتوں سے میل جول رکھتا ہے اور کوڑے وغیرہ نجس مقامات میں پڑا رہتا ہے جنکو جنات اور شیطان کے سوا کوئی پسند نہیں کرتا بھلا کیونکر ولی ہوسکتا ہے اس لئے کہ کتب عقائد کے مطابق ولی وہی ہے جو خدا اور اُس کے صفات کو جانتا ہو عبادتِ الٰہی سے کبھی غافل نہ رہتا ہو اور گناہوں اور حرام باتوں سے بچتا رہتا ہو، لذات اور شہواتِ نفسانی میں پھنسنے سے پُرحذر ہو، نہ نجاست سے آلودہ ہو اور نہ کتوں سے میل جول رکھے نہ نماز اور دیگر عبادات کا تارک ہو نہ مجنون و بے عقل ننگ دھڑنگ کہ بدن پر لتا نہیں۔

اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان کی شناخت نہ کرسکنے کی وجہ سے عوام مُبتلائے بلا ہوگئے اور ہر نئی بات کو ولایت اور کرامت سمجھنے لگے اور کرامات اولیاء اور شیطانی حالات میں جو بظاہر مشابہ ہیں فرق نہ کرسکے حالانکہ ان دونوں میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ عام لوگ بلا میں نہ پھنس جائیں اور وہ یوں کہ

اولیاء اللہ کی کرامتیں ایمان اور تقوے کے سبب سے ہوتی ہیں چنانچہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے "خبردار رہو کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی ڈر ہے اور نہ اُن کو کوئی غم ہوگا" (جن کی شان یہ ہے کہ) وہ ایمان لائے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ لیکن

شیطانی حالات حرام کام کرنے کی وجہ سے ہوتے ہیں جن کو اللہ اور رسول نے منع فرمایا ہے کیونکہ جو امورِ خارق عادت شیطان کے پسندیدہ شرک اور ظلم اور فحش کی وجہ سے ہوں وہ بیشک احوالِ شیطانی ہیں کراماتِ رحمانی نہیں۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ اور خدا کے دوست وہی ہیں جو مؤمن متقی عارف باللہ پیرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ لوگ وہی کام کرتے ہیں جن کا حکم کیا گیا ہے اور اُن باتوں سے بچتے ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور اُن ہی سے کرامتیں ہوتی ہیں اور اُنہی کی کرامت دین میں حجت بھی ہے کیونکہ ان کرامات کا ظہور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے حاصل ہوتا ہے اور فی الحقیقت یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہوتے ہیں برخلاف شیطانی حالات کے جو محض جن اور شیطان کی پیروی سے حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات بہت سے لوگوں کو حاصل ہوئی جن کی حکایتیں مشہور ہیں۔

اولیائے شیطان

اُن ہی میں سے ایک عبداللہ بن صیاد ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہوا تھا اور بعض صحابہؓ نے اُس کو دجال بھی خیال کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے باب میں توقف فرمایا تھا بالآخر آپ کو ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ دجال نہیں ہے بلکہ ایک کاہن ہے اور کاہنوں کے مددگار شیطان ہوتے ہیں جو اُن کو غیب کی خبریں چوری سے سُن کر جھوٹ سچ ملا کر بتایا کرتے ہیں۔

اُن میں سے ایک اسود بن عنسی ہے جس نے دعوئ نبوت کیا تھا اُس کا بھی ایک شیطان مددگار تھا جو اُس کو بعض اُمورِ غیب کی خبریں دیا کرتا تھا لیکن جب مسلمان اُس کے قتل پر آمادہ ہوئے تو اندیشہ ہوا کہ شیاطین کہیں اُس کو اس ارادہ سے آگاہ نہ کر دیں یہاں تک کہ اُس کی جورو نے یہ معلوم کر کے کہ یہ کافر ہے مسلمانوں کو مدد دی اور وہ قتل کیا گیا۔

اُن ہی میں سے ایک مسیلمہ کذاب ہے۔ اُس کا مددگار بھی ایک شیطان تھا جو غیب کا حال بتایا کرتا تھا اور بعض ضرورتوں میں اُس کی مدد بھی کرتا تھا۔

انہی میں سے ایک حارث دمشقی ہے جو عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ملکِ شام میں ظاہر ہوا تھا اور نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اُس کا مددگار شیطان تو اُس کا پاؤں بھی زنجیر میں سے نکال دیتا تھا اور کسی ہتھیار کا اُس کے جسم پر اثر نہیں ہونے دیتا تھا اور چند لوگوں کو ہوا پر سوار دکھا کر کہتا تھا کہ یہ فرشتے ہیں اور درحقیقت وہ جن و شیاطین ہوتے تھے جب مسلمانوں نے اُس کو بغرض قتل گرفتار کیا تو ایک شخص نے برچھی ماری لیکن ذرا بھی اثر نہ ہوا اس پر عبدالملک نے کہا کہ تم نے بسم اللہ نہیں کہی آخر اُس شخص نے بسم اللہ کہہ کر برچھی چبھو دی اور مار ڈالا۔

اِن لوگوں کے سوا جن کا ذکر ہوا ایک اور شخص تھا جس کو اس کا مددگار شیطان شب عرفہ کو عرفات پہنچا دیتا تھا لیکن وہ حج شرعی جس کا حکم خدا اور رسول نے دیا ہے ادا نہ کرتا تھا کیونکہ نہ تو وہ میقات سے احرام باندھتا تھا نہ لبیک کہتا تھا اور نہ مزدلفہ میں ٹھیرتا تھا نہ بیت اللہ کا طواف کرتا تھا اور نہ مابین صفا و مروہ دوڑتا تھا نہ رمی جمار کرتا تھا بلکہ تھوڑا سا توقف کر کے اُسی رات کو واپس آجاتا تھا اُس کی حالت بعینہٖ ایسی تھی جیسے کوئی شخص جمعہ میں تو حاضر ہو لیکن بلا وضو نماز پڑھے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مخلوق سے فریاد کرتے ہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ، مسلمان ہو یا کافر اس سے شیطان کو موقع ملتا ہے اور وہ اُس شخص کی صورت بن کر آتا ہے اور مستغیث کی ضرورت پوری کر دیتا ہے جاہل مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی ہے جس سے فریاد کی تھی۔ حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ وہ شیطان ہے جو حتی الامکان گمراہ کرنے کی کوشش میں تو لگا ہی رہتا ہے اب اُس نے موقع پا کر گمراہ کر دیا کیونکہ جب وہ انسان کی اُس کے مقصد میں مدد کرتا ہے تو نفع سے بدرجہا زیادہ نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ جو شخص اسلام کی طرف منسوب ہو کر ایسے مانتے ہوئے پیروں

شیطان کے گمراہ کرنیکا ایک طریقہ

سے جن سے اُس نے حُسنِ اعتقاد کیا ہے، فریاد کرتا ہے تو شیطان اُس کے پاس اُسی شیخ کی صورت میں آتا ہے کیونکہ شیطان بسا اوقات صلحاء کی صورت بن کر آجاتا ہے۔

مگر ہاں اُس کی یہ مجال نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل بن سکے۔

اب اگر وہ پیر جس سے فریاد کی تھی ذی علم ہے تو شیطان اُس سے فریاد کرنیوالے معتقدین کا حال بیان نہیں کرتا اور اگر جاہل ہے تو اُس سے اُن کے اقوال بیان کر دیتا ہے اور اُن کو پیر کا پُورا کلام سُنا دیتا ہے جاہلوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شیخ نے ہماری بات سُن کر خود باوجود اس قدر فاصلہ کے جواب دیا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سوال وجواب شیطان کے واسطہ سے ہوتا ہے۔

چنانچہ خود اُن بعض مشائخ سے جن کو یہ معاملہ مکاشفہ اور مخاطبہ کے صورت میں پیش آیا مروی ہے کہ مجھ کو کبھی کوئی چمکتی ہوئی چیز مثل پانی یا شیشہ کے نظر آتی ہے اور جو باتیں مجھ سے دریافت کی جاتی ہیں وہ اُس میں منقش ہوجاتی ہیں اور میں لوگوں کو بتا دیتا ہوں اور اسی طرح فریادی کی بات مجھ تک پہنچ جاتی ہے اور میں جو جواب دیتا ہوں وہ اُن کو پہنچ جاتا ہے۔

علیٰ ھذا القیاس اسی قسم کے اور بہتیرے خوارق اکثر اُن مشائخ کو حاصل ہوجاتے ہیں جو نہ قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں نہ اُن پر عمل کرتے ہیں کیونکہ شیطان تو لوگوں سے بسا اوقات ایسے ہی تماشے کیا کرتا ہے اور اُن کو باطل چیزیں حق کے پیرایہ میں دکھایا کرتا ہے۔

لیکن جو شخص ایمان کی حقیقتوں سے واقف ہیں اور احکامِ دینی سے آگاہی رکھتے ہیں اُنہیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شیطان کا مکر ہے اور ایسی باتوں پر اعوذ باللہ کہتے ہیں اور جنہیں معرفتِ الٰہی اور یقین نہیں ہے وہ دھوکہ کھاتے اور ہلاک ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز جس سے یہ شیطانی حالات اور بھی قوت پکڑ جاتے ہیں گانا سننا ہے اس لئے کہ سماع اُن مشرکین کا | گانا وغیرہ کا سماع شیطانی عمل ہے | کلام ہے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اُن کی نماز بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ بیت اللہ کے پاس تالیاں اور سیٹی بجانا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نیز دیگر صالحین فرماتے ہیں کہ تصدیہ کے معنی تالی بجانا اور مکاء کے معنی سیٹی کے ہیں اور اسی کو مشرکوں نے عبادت قرار دے رکھا تھا تو اب جو کوئی راگ سُننا اختیار کرے گا تو یہ اُس کے شیطان کا دوست ہونے کی نشانی ہے نہ کہ خدا کا دوست ہونے کی۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کو کبھی گانا سُننے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ تمام صحابہؓ اور تابعین اور تمام اکابر ائمہ دینؒ میں سے کسی نے بھی اس کو اللہ سے ملنے کا ذریعہ نہیں بتایا اور نہ اُس کو خدا کی نزدیکی کا سبب اور نہ عبادتوں میں شمار کیا بلکہ بدعت اور گناہوں میں شمار کیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ غنا قلب میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے

جس طرح پانی سے ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔

پس جو لوگ اُس معرفت سے ممتاز ہیں جس کا نام کمال ولایت ہے انہیں معلوم ہے کہ گانے میں کسقدر شیطانی اثر ہے لیکن جو لوگ معرفت سے بہت دور ہیں اُن پر شیطان کا اور زیادہ اثر ہوتا ہے کیونکہ گانا شراب کی طرح بلکہ اُس سے کچھ بڑھ کر نفوس میں اثر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب اُن کی یہ حالت بہت ترقی کر جاتی ہے تو اُن پر شیطان نازل ہوتا ہے اور کسی کے مُنہ سے بولتا ہے اور کسی کو ہوا میں معلق اٹھا لیتا ہے اور جُہلا اس کو اولیاء کی کرامت کہتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ محض شیطانی ڈھکوسلے ہیں اسی لئے اگر اُس وقت اُس جگہ وہ آیتیں پڑھی جائیں جن سے شیطان بھاگتا ہے مثلاً آیۃ الکرسی وغیرہ تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور وہ شخص گر پڑتا ہے چنانچہ چند لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا ہے کیونکہ توحید شیطان کو بھگا دیتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اسی طرح ہوا میں معلق ہو رہا تھا اتفاقیہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ کہنا تھا کہ فوراً گر پڑا۔ نظر براں خوارق

خوارق کے بارے میں اہل اللہ کا طریقہ سے چونکہ اکثر آدمی کا درجہ گر جاتا ہے اس لئے اکثر بزرگ اس سے بھاگتے ہیں اور اللہ سے اس طرح استغفار و توبہ کرتے ہیں جس طرح گناہوں سے توبہ و استغفار کی جاتی ہے اور اگر بعضوں کو ایسی حالت پیش آتی تھی تو دعا کرتے تھے کہ خداوندا اس کو سلب کر لے۔ اور تمام مشائخ اپنے مریدین سالکین کو اس طرف توجہ کرنے سے غایت درجہ نفرت دلاتے تھے کیونکہ جو سالک کشف اور کرامات کا طالب ہوتا ہے وہی شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے لہذا سالک کو لازم ہے کہ اس خواہش سے اپنے نفس کو روکے اس لئے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اگر یہ حالت بلا خواہش ہو جب بھی استدراج کا اندیشہ ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے تو یہانتک فرمایا ہے کہ اگر کسی سالک کا گذر کسی باغ میں ہو اور اُس باغ کے درختوں کے پرند فصیح زبان سے اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یا ولی اللہ کہیں اور وہ اسکو مکر نہ سمجھے تو بیشک وہ اس دھوکے میں آگیا اور اُس کو خبر نہ ہوئی۔

بزرگوں کی یہ نفرت اُس وقت ہے جبکہ وہ اس حالت کو کرامت جانتے ہوں چہ جائیکہ اس حالت کا شیطانی اثر ہونا یقینی طور سے معلوم ہو جائے لیکن بہتیرے لوگ یہ نہ سمجھ کر کہ وہ جن اور شیطان کی جانب سے ہے اس کو بزرگوں کی کرامتیں سمجھ کر فتنے میں پھنستے اور خسارہ اُٹھاتے ہیں۔

اور حقیقی کرامت کو تو جانتے ہی نہیں جو کہ استقامت فی الدین حاصل ہونا اور اُسکے کمال تک پہنچنا ہے اور جس کی بنا دو باتوں پر ہے ایک ایمان کی صحت پر دوسرے رسول کی ظاہری اور باطنی فرمان کی پیروی کرنا لہذا بندے پر واجب ہے کہ سوا ان دونوں کے کسی اور چیز کی خواہش نہ کرے اور اپنی کوشش ان ہی کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور وہ کرامت جس کے معنے امر خلاف

کا ظاہر ہونا ہے اُس کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ وہ مردوں کا حیض ہے اور جس شخص کو یہ بات حاصل نہ ہو وہ اُس شخص سے جسکو حاصل ہے مرتبہ میں کم نہیں ہوتا بلکہ وہ اُس سے افضل اور اولیٰ ہوتا ہے کیونکہ ایسے عجائبات کی طرف وہی توجہ کرتا ہے جو ایمان کا کمزور ہے اور جب اُس کو یہ حالت حاصل ہو جاتی ہے تو اُس کا یقین قوی ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ کامل الایمان ہیں وہ چونکہ ان چیزوں سے مستغنی ہوتے ہیں اس لیے وہ اس جانب متوجہ نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ بہ نسبت صحابہؓ کے تابعین میں خوارق زیادہ پائے جاتے تھے ۔

تیسری مجلس ایمان اور مؤمن کی بزرگی کے بیان میں

مؤمن کا مقامِ بلند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت والوں کو جھروکوں والے اوپر سے ایسے نظر آئیں گے جیسے چمکتے ہوئے ستارے پورب پچھم کے انتہائی کنارے میں دکھائی دیتے ہیں تاکہ اُن کی فضیلت معلوم ہو جائے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے محل ہوں گے اُن کے سوا تو کوئی اور وہاں تک نہ پہنچ سکے گا ۔ آپ نے فرمایا ہاں بیشک ملیں گے اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں ۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ ہیں ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے سے اونچے محل والوں کی طرف ایسا دیکھیں گے جیسا کہ تم سپیدۂ صبح پھیل جانے کے وقت مشرق اور مغرب کے کناروں پر چمکتے ہوئے ستارے دیکھتے ہو اور اُن لوگوں کا ایسے اُونچے محلوں میں ہونا اس لیے ہے کہ اُن کا مرتبہ اوروں سے بلند ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مرتبے اس طرح بیان فرمائے اور موجودہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ جھروکے تو انبیاء علیہم السلام کے محلات کے ہوں گے جن کے سوا اُن کے اور کوئی نہ پائے گا تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ محل اُن لوگوں کو ملیں گے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسول کی تصدیق کی ہے ۔ اس لیے کہ بلا اثبات نفی کے لئے ہوتا ہے یعنی صحابہؓ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ یہ محل انبیاء کے سوا کسی اور کو نہ ملیں گے بلکہ اور کو بھی ملیں گے اور وہ وہی ہیں جن کی آپ نے خود تصریح فرمائی اور قسم بھی اس واسطے کھائی کہ سامعین اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ ایمانداروں کو نبیوں کا رتبہ ملے ۔

اور اس فرمان میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کا مرتبہ پانے والے صرف امت محمدی ہی کے لوگ ہوں گے کیونکہ تمام پیغمبروں کی تصدیق ان ہی نے کی ہے نہ اُن لوگوں نے

جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پر ایمان جو اس امت کے مومنین کی صفت ہے دو جُزء سے مرکب ہے ایک اللہ پر ایمان لانا دوسرے تمام انبیاء پر ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان لانے کا تو یہ مطلب ہے کہ یہ یقین کرے کہ وہ موجود ہے قدیم ہے ایک ہے قدرت اور ارادہ اور علم والا ہے اور زندہ ہے اور تمام وہ صفات جو اُس کی شان کے مناسب ہیں کیونکہ اللہ کے وجود کا علم گو یوں بھی آدمی میں وقتِ پیدائش سے اُس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے جیسے کہ مضمونِ آیت ہے۔

صفتِ ایمان کے اجزاءِ ترکیب

" اللہ کی وہ فطرت جس پر اُس نے لوگوں کو بنایا " لیکن پھر بھی اللہ نے اور آیتوں میں اپنے وجود کی طرف ہدایت فرمائی ہے اُس میں سے ایک یہ ہے کہ فرماتا ہے۔ " آسمان وزمین کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں"۔ ایک یہ کہ فرمایا " بھلا دیکھو تو سہی جو پانی تم ٹپکاتے ہو اُس کو تم بناتے ہو یا ہم"۔ ایک یہ قول " بھلا دیکھو تو تم جو بوتے ہو اُس کو تم اگاتے ہو یا ہم"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے " کیا تمہیں خبر ہے کہ یہ پانی جس کو تم پیتے ہو اُس کو بادل سے تم نے برسایا ہے یا ہم نے "۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جو وجودِ الٰہی پر دلالت کرتی ہیں پس جو شخص ان آیتوں کے مضمون اور زمین وآسمان کی بناوٹ اور اُس کے اندر کی عجیب وغریب مخلوقات میں غور وفکر کریگا اُس کو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ اُن کے لئے ایک ایسی ذات کا ہونا ضروری ہے جو اُن کو پیدا کرتا ہے اور اُن کی غور و پرداخت کرتا ہے اور یہی تمام دنیا کا اعتقاد ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے بنائے تو کہیں گے اللہ نے " اور کفار کا کفر اگر ہے تو صرف شرک کی وجہ سے ہے اور اسی لئے انبیاء کا یہ کام تھا کہ لوگوں کو توحید سکھلائیں اور اُن سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرائیں یہ کام نہ تھا کہ وہ یہ سکھلاتے کہ عالم کا کوئی پروردگار بھی ہے کیونکہ طبیعت انسانی اور آیت قرآنی کے ہوتے ہوئے وجود باری پر دلیل قائم کرنے کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ لیکن علماء نے وجودِ باری کے ثبوت میں ایک عقلی دلیل بھی بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ " خدا کے وجود کی دلیل عالم کا حادث ہونا ہے اور اُس کے حادث ہونے کا بیان یوں ہے کہ عالم یا تو اعیان ہیں یا اعراض ہیں اعیان وہ اجسام ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں اور اعراض اُن صفات کو کہتے ہیں جو بذاتِ خود قائم نہیں ہو سکتیں بلکہ اُن کا قیام اجسام کے سہارے سے ہے اور اجسام کو وہ اس طرح لازم ہیں کہ کبھی اُن سے جُدا نہیں ہوتیں اور یہ دونوں حادث ہیں۔

وجودِ باری کی عقلی دلیل

بعض اعراض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے جیسے حرکت سکون کے بعد اور

ﻋﻪ مراد اس سے اس جگہ منی ہے۔ یعنی منی کے خالق تم ہو یا ہم؟ "

اُجالا اندھیرے کے بعد اور سیاہی سفیدی کے بعد۔

اور بعض کا حدوث دلیل سے معلوم ہوتا ہے اور وہ ہست سے نیست ہو جانا ہے جیسا کہ اُن مذکورات کی ضدوں پر۔

اور اجسام کے حدوث کی یہ دلیل ہے کہ وہ حوادث سے کبھی خالی نہیں رہتے اور جو چیز کہ حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے۔ حوادث سے خالی نہ ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اجسام حرکت اور سکون سے خالی نہیں ہوتے اور یہ ظاہر ہے بداہۃً معلوم ہوتا ہے کسی طرح غور و فکر کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جو شخص یہ خیال کرے کہ کوئی جسم ایسا بھی ہو سکتا ہے جو نہ ساکن ہو اور نہ متحرک تو وہ عقل کے نزدیک گمراہ اور جاہل ہے۔

اور حرکت اور سکون دونوں حادث ہیں اُن کے حدوث کی یہی دلیل ہے کہ دونوں آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اور جب ایک آتا ہے تو دوسرا نا ہو جاتا ہے۔ بعض اجسام میں تو اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے اور جس میں یہ مشاہدہ نہیں ہوتا تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر ساکن باعتبار تجویز عقل کے متحرک ہو سکتا ہے اور متحرک کا ساکن ہونا بھی عقل کے نزدیک ممکن ہے پس نو پیدا تو حادث ہی ہے کیونکہ ابھی پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے والا بھی حادث ہے کیونکہ اگر قدیم ہوتا تو اُس کا عدم محال ہوتا اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو اُس کے حدوث کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ حادث نہ ہوگا تو قدیم اور ازلی ہوگا تو حادث کا ثبوت ازل سے لازم ہوگا اور یہ محال ہے کہ ہر حادث سے پہلے چند حوادث مرتبہ ہوں جن کی ابتدا نہ ملے جیسا کہ فلسفی لوگ افلاک کی حرکت اور اشخاص حیوانات وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہ لوگ اور ان کے تابع جو اپنے آپ کو مسلمان بتلاتے ہیں اور فی الحقیقت اسلام سے بے بہرہ ہیں کہتے ہیں کہ عالم بالا اپنی ذات و صفات

فلاسفہ کا عقیدہ قدیم و حادث اور انکا بطلان

دونوں اعتبار سے قدیم ہے رہی حرکت سو وہ گو اپنے افراد کے اعتبار سے حادث ہے مگر اپنی نوع کے اعتبار سے وہ بھی قدیم ہے لہذا کوئی حرکت ایسی نہیں کہ اُس سے پہلے کوئی اور حرکت نہ ہو۔

اور عالم سفلی جو عالم کون و فساد کہلاتا ہے اور فلک قمر کے نیچے ہے اس کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ اُس کا ہیولےٰ قدیم ہے مگر اُس کے صور اور اعراض جزئیہ سب حادثات اور نوع قدیم ہیں۔ لہذا ہر بیٹا باپ سے اور ہر انڈا مرغی سے اور ہر مرغی انڈے سے ہے اور کوئی کھیتی بغیر تخم کے نہیں ہو سکتی جو کھیتی ہوگی وہ تخم سے اور جو تخم ہوگا وہ کھیتی سے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

پس اُن کے قول پر لازم آتا ہے کہ ایسے حوادث موجود ہوں جن کی ابتدا نہیں ہے اس لئے کہ اُن کے قول کے موافق ہر حادث سے پہلے ایک حادث ہے اور کوئی سب سے اول

نہیں جس پر یہ سلسلہ ختم ہوا اور حوادث غیر متناہی کے موجود ہوتے ہوئے جن کی کہیں ابتدا نہیں۔ لازم آتا ہے کہ ہر حرکت فلکی اور ہر فرد حیوانات وغیرہ سے پہلے حوادث مرتب ہوں جن کی کہیں ابتدا نہ ہو پس جب تک وہ حوادث نہ گذر جائیں گے اُس وقت تک حادث موجود کے وجود کی نوبت نہ آئے گی اسلئے کہ حرکت یومیہ اس امر پر موقوف ہے کہ اُس سے پہلے کی حرکت گذر جائے اور اسی طرح اس سے پہلے کی حرکت بھی اسی بات پر موقوف ہے۔

اس کی تفصیل یوں سمجھو کہ اگر تم موجود حادث کو غور کرو اور پھر اُس کے ماقبل کی طرف متوجہ ہو اور دیکھو اور اسی طرح برابر ماقبل کی طرف بڑھتے جاؤ تو ایسی حد کو کبھی نہ پہنچو گے جہاں کوئی صورت حاضر کے وجود کی ملے اور اس سے لازم آتا ہے کہ حادث حاضر کا وجود محال ہو لیکن چونکہ حادث حاضر کا وجود تو ثابت ہے اس لئے وجود حوادث غیر متناہی کا باطل ہے اور جب وجود حوادث غیر متناہی کا باطل ہے تو اُن اشیاء کا قدیم و ازلی ہونا بھی جو حوادث سے خالی نہیں ہیں باطل ہے اور جب اُن کا قدیم و ازلی ہونا باطل ہے تو ثابت ہوا کہ وہ حادث ہیں اور اس سے ثابت ہو گیا کہ عالم اپنے تمام اجزائے ارضی و سماوی کے ساتھ حادث ہے اور کسی ایسے پیدا کرنے والے کا محتاج ہے جو اُن کو عدم سے وجود میں لائے۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پیدا کرنے والا قدیم واحد قادر صاحب علم و ارادہ اور حی ہو، کیونکہ اگر وہ خود قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو پھر وہ اپنے پیدا کرنیوالوں کا محتاج ہوگا اور دور و تسلسل لازم آئے گا یعنی حوادث غیر متناہی کا موجود ہونا اور یہ دونوں محال ہیں۔

اچھا اور اگر ایک نہ ہو بلکہ ایک سے زیادہ ہوں تو ایسی روک ٹوک واقع ہوگی جو عالم کا وجود نہ ہونے دے گی اور اگر قادر، علیم اور حی نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا کیونکہ کسی شئے کا پیدا کرنا قدرت ہی کے اثر سے ہوتا ہے اور کسی شئے میں قدرت اُس وقت کام کرتی ہے جب ارادہ بھی ہو اور ارادہ بغیر علم کے ہو نہیں سکتا کیونکہ کسی شئے کے ایجاد کا ارادہ بے سوچے سمجھے محال ہے اور یہ تینوں صفتیں حیات کی مقتضی ہیں اسلئے کہ یہ صفتیں حیات کے بغیر پائی نہیں جا سکتیں۔

اب اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ عالم بلکہ اس کے ہر ہر ذرے کا وجود جناب باری کے وجود اور اُس کے قدیم اور یکتا اور چاروں صفات سے موصوف ہونے کی قطعی دلیل ہے اور اسی بنا پر بعض اہل عقل اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود پر دلیل لا کر کہتے ہیں کہ ہم نے جب کسی چیز کو دیکھا تو فوراً اس کے بعد اللہ کو دیکھا کیونکہ ہر ہر ذرہ کائنات کا بلحاظ اپنی حدوث و احتیاج خالق ہمیشہ زبانِ حال سے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز بتلاتا ہے کہ میرا ایک خالق ہے جو قدیم اور یکتا صاحب قدرت و ارادہ والا اور حی اور ایسی صفتوں والا ہے جو اُس کی شان کے لائق ہیں اور ہر ہر ذرہ کا

یہ کلام سب کانوں والے سنتے ہیں ہاں جن کے کان ہی نہیں ہیں وہ نہیں سنتے ہیں اور سماعت سے مراد باطنی سماعت ہے جس کے ذریعہ سے وہ کلام سُنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ عجمی ہے نہ عربی۔ ظاہری سماعت مراد نہیں ہے جس سے صرف آوازیں سُنائی دیتی ہیں اور جن میں بہائم اور انسان سب برابر ہیں کیونکہ اُس چیز کی عزت ہی کیا جس میں انسان اور چوپائے سب شریک ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ انسان صفاتِ الٰہی میں سے بذریعۂ عقل صرف وہی صفات دریافت کرسکتا ہے جس کا افعالِ خداوندی سے پتہ ملتا ہے اور جن صفات کا پتہ افعال سے نہیں ملتا جیسے سننا دیکھنا اور بولنا ان کا ثبوت کبھی عقل سے اور کبھی نقل سے نکلتا ہے۔

ان صفات کے ثبوت کی دلیل عقلی تو یہ ہے کہ وہ کامل صفتیں ہیں اور اُن کی ضدیں ناقص صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے موصوف ہونا اور صفات ناقصہ سے بری ہونا لازمی ہے پس اللہ تعالیٰ ان صفات سے ضرور موصوف ہے۔

اور دلیل نقلی ان صفات کے ثبوت کی یہ ہے کہ شریعت میں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے پس اس کے ثابت ہونے پر ایمان لانا واجب ہے۔

اور اس مسئلہ میں دلیل نقلی دلیل عقلی سے بہتر ہے کیونکہ ان صفات پر افعالِ خداوندی موقوف نہیں ہیں کہ بذریعہ افعال ان صفات کا پتہ لگایا جائے اور اللہ کی ذات کا کسی کو علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ اللہ کی وہ صفاتِ کاملہ ہیں جن کا ثبوت ایسا ضروری ہے کہ اگر ان سے موصوف نہ ہو گا تو ان کے اضداد سے موصوف ہوگا۔ اور ان صفات کا کمالی ہونا ہمارے اعتبار سے ہے۔ اور

صفاتِ باری کا کمالی ہونا ہمارے اعتبار سے ہے | ہمارے حق میں کمال ہونے سے یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جناب باری کے حق میں بھی کمال ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ راحت و تکلیف اگرچہ ہمارے لئے کمالی صفات ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے عیب ہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفتیں ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ان صفات کا ثبوت ذات باری کے لئے اُن انبیاء سے نقل کیا جائے جن کی نبوت ایسے معجزہ سے ثابت ہو جو قائم مقام اس ارشاد خداوندی کے ہے کہ "میرا بندہ جو احکام میری طرف سے بیان کرتا ہے خواہ تبلیغ زبانی ہو خواہ عملی یا خموشی سے سب سچ ہے"۔ کیونکہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کے حق میں عملی تصدیق ہے اس

معجزہ کی حقیقت | لئے کہ معجزہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ایک خلاف عادت فعل ہوتا ہے جو صریح اس قول کی طرح ہے کہ میرا بندہ دعویٰ رسالت میں سچا ہے" کیونکہ جب کسی پیغمبر نے دعویٰ نبوت کیا اور اللہ نے اس کے ہاتھ پر معجزہ دکھایا تو گویا اللہ نے یوں فرمادیا کہ میرا بندہ میری طرف سے جو پیغام پہنچاتا ہے وہ سب سچ ہے یہ پیغام رسانی خواہ زبانی ہو خواہ عملی یا سکوتی۔

علماء نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں کھڑے ہو کر سب

کے سامنے یوں کہے کہ میں اُس بادشاہ کا ایلچی ہوں جس نے مجھے تمہارے پاس فلاں فلاں حکم پر عمل درآمد کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اُس جماعت نے اس سے تصدیق کے لئے حجت طلب کی تو اُس نے کہا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے عرض کرتا ہوں کہ خلافِ عادت اپنی جگہ سے تین بار کھڑا ہو اور بیٹھ جائے۔ بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا ہی کیا تو کچھ شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل ایسا ہے کہ گویا اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص میری طرف سے جو حکم بیان کرے وہ سچا ہے۔

اب بادشاہ کا یہ فعل جس نے دیکھا ہوگا اُس کو تو ایسا یقین ہوگا کہ دلیل کی مطلق حاجت نہیں، اور جس نے نہیں دیکھا بلکہ یہ خبر اُس کو بذریعۂ تواتر پہنچی اُس کو بھی ایسا ہی یقین ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حال کے بالکل مطابق ہے کہ اُن کے معجزے سے بھی اُن لوگوں کو پوری تصدیق ہو جاتی ہے جنہوں نے معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا اگر خود نہیں دیکھا ہے لیکن بہت سے آدمیوں سے سُنا ہے۔ جب تمہیں یہ معلوم ہوگیا تو یاد رکھو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہے اور رسولوں کی تصدیق کی ہے اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اہلِ غرفہ میں داخل ہو | اطاعتِ الٰہی اور اُس کے ثمرات | تو اُس کو ضرور ہے کہ طاعتِ الٰہی میں مشغول ہو اور گناہوں سے بچے اس لئے کہ صرف ایمان اگرچہ اُنکو دائمی عذاب سے نجات دیگا لیکن حصولِ درجات کے لئے صرف یہی کافی نہیں بلکہ اُس کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ آیاتِ قرآنی کا بھی یہی مضمون ہے منجملہ اُس کے ایک آیت یہ ہے

ترجمہ: "تمہارے مال اور اولاد ایسی چیزیں نہیں کہ تمہارا مرتبہ ہمارے قریب کردیں لیکن جو کوئی ایمان لایا اور نیک کام کئے اُن کو اپنے کئے کا دونا ثواب ملے گا۔ اور وہ جنت کے جھروکوں میں بے ملکے ہوں گے"۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عملِ نیک میں چونکہ اللہ کی توجہ اور اس کی طاعت میں مولی ہوتی ہے اس لئے بندہ کو اللہ سے نزدیک کر دیتا ہے لیکن مال اور اولاد تو چونکہ ہر ایک انمیں سے انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے اسلئے کسی کو اللہ سے نزدیک نہیں کرتے سوائے ان صلحاء مومنین کے جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں اور صلاحیت ان کی تربیت کرتے ہیں۔

پس اُن کو ان اوصاف سے موصوف ہونے کے سبب آخرت میں کئی گنا اجر ملے گا اس طرح کہ ان کی نیکیاں بڑھا دی جائیں گی اور ایک ایک نیکی دس دس بلکہ اس سے زائد ہو جائے گی اور وہ جنت کے جھروکوں میں اپنی نیکوکاریوں کی بدولت تمام مکروہات سے محفوظ ہونگے۔ خداوند عالم اپنے الطاف وکرم سے ہم پر بھی آسانی فرمائے۔

چوتھی مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ اپنے ماں باپ اور اولاد نیز تمام لوگوں سے زیادہ محبت کرنیکے بیان میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ مجھ کو اپنے ماں باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت انسؓ اس کے راوی ہیں۔ اور محبت سے مراد یہاں وہ محبت نہیں ہے جو طبعی ہے اور خواہش نفسانی کے تابع ہوتی ہے اس لئے کہ یہ محبت اختیار سے خارج ہوتی ہے پس بے اختیاری کی وجہ سے اس پر انسان کی گرفت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے " نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو مگر اُس کی طاقت بھر"۔

بلکہ اس سے مراد محبت عقلی اختیاری ہے یعنی اُس چیز کا اختیار کرنا جس کو عقل بہتر سمجھے اور اختیار کرنا پسند کرے اگرچہ طبیعت کے خلاف ہی ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ مریض کڑوی دوا کو بُرا سمجھتا ہے اور اُس کی طبیعت کو اُس سے نفرت ہوتی ہے اس پر بھی اس کی طرف اپنے اختیار سے مائل ہوتا ہے اور بمقتضائے عقل اُسی کو کھانا چاہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری تندرستی اسی میں ہے۔ اسی طرح مومن جب یہ جان لیتا ہے کہ رسولؐ کی تمام وہ باتیں جن کا وہ ہم کو حکم کرتا ہے یا منع کرتا ہے وہی ہیں جن میں ہماری دین و دنیا کی بھلائی ہے تو ضرور ہے کہ وہ تمام دنیا پر رسولؐ کو ترجیح دے کر اُس کا حکم بجا لاتا ہے اور اُس کی منع کی ہوئی بات سے بچتا ہے اور یہ وہ بات ہے جس کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔

ایمان کا معنی اور مفہوم مرادی | کیونکہ ایمان لغت میں اگرچہ مطلق تصدیق کو کہتے ہیں لیکن شریعت میں ایک امر مخصوص کے ساتھ مقید تصدیق کو ایمان کہتے ہیں اور وہ امر مخصوص رسولؐ کی اُن سب باتوں میں جن کا اس کے دین سے ہونا معلوم ہو جاتے تصدیق کرنا ہے۔ اور تصدیق میں یقین معتبر ہے اور لفظ یقین مشترک ہے، دو معنے میں مستعمل ہے ایک شک کا نہ ہونا اس بنا پر ہر علم کہ جس میں شک نہ ہو وہ یقین ہے اور اس معنی کے لحاظ سے قوت اور ضعف کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شک کی نفی میں کچھ فرق نہیں ہے لہٰذا جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی اُن چیزوں کے متعلق شک ہو جن کا بداہتہً آپ کے دین سے ہونا ثابت ہے تو وہ ہرگز مومن نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے دل میں اس معنی کا یقین ہونا ضروری ہے تاکہ اُس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہو اور اُن کے حکم کو بجا لاتے اور اُن کی نہی سے بچے۔

لیکن کبھی وہ ظنِ غالب بھی جس میں نقیض کا گمان دل میں نہ آئے ایمان حقیقی ہونے میں یقین ہی کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر عوام کا ایمان اسی قسم کا ہوتا ہے۔ اس امر کی تحقیق امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس طرح کی ہے کہ نفس کے تصدیق کی جانب میلان کے چار درجے ہیں:۔

نفس کے تصدیق کی جانب میلان کے چار درجے ہیں

ایک یہ کہ جانبین کا خیال برابر ہو مثلاً ایک شخص کی نسبت جس کے حال سے تم واقف نہیں ہو اور تم سے پوچھیں کہ آیا آخرت میں اُس پر عذاب ہوگا یا نہیں تو تم اُس کی بابت نفی یا اثبات کی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے بلکہ تمہارے نزدیک دونوں پہلو یکساں ممکن ہیں اور اس حالت کو شک کہتے ہیں

دوسرے یہ کہ تمہارے خیال میں ایک پہلو راجح ہو اور دوسرے پہلو کے امکان کا بھی ایسا خیال رہے جس سے جانب اوّل کا غلبہ فوت نہ ہوتا ہو، مثلاً ایک شخص کی نسبت جو تمہارے خیال میں پرہیزگار ہے تم سے سوال کریں کہ اگر اسی حالت پر مرجائے تو اُس پر عذاب ہوگا یا نہیں تو تمہاری رائے عذاب نہ ہونے کی طرف زیادہ ہوگی بہ نسبت عذاب ہونے کے: کیونکہ تمہارے عندیہ میں اُسکی صلاحیت کی نشانیاں ظاہر ہیں تاہم ممکن ہے کہ اُس کے دل میں کوئی ایسی بات مخفی ہو جس سے عتاب ہو جائے۔ مگر اس سے جانب اوّل کا رُجحان نہیں جاتا۔ ایسے وقت میں جانب راجح کو ظن کہتے ہیں اور جانب مغلوب کو وہم۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شے کا تم کو اس درجہ یقین آجائے کہ اُس کی نقیض کا وہم بھی دل میں نہ آئے اور اگر آئے بھی تو طبیعت اُس کے قبول کرنے سے انکار کرے لیکن یہ یقین تحقیقی نہ ہو بلکہ محض سننے سے پیدا ہوا ہو اس کو اعتقاد قریب الیقین کہتے ہیں اور امورِ شرعی میں عوام کا اعتقاد اسی طرح کا ہوا کرتا ہے کہ سنتے سنتے اُن کے دل میں بیٹھ جاتا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے مذہب کی سچائی اور اپنے امام کی صحت رائے پر یقین رکھتا ہے اور اگر کوئی اُس سے کہے کہ امام سے غلطی ممکن ہے تو نہ مانے گا لیکن اگر غور سے کام لے تو البتہ دل اس بات کو قبول کرلے گا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ کسی چیز کی نسبت ایسا قطعی یقین ہو کہ شک کا اُس کے ساتھ نام بھی نہ ہو اور نہ اس میں شک ڈالنا ممکن ہو پس جو علم اس درجہ کا ہوگا اُس کو یقین کہیں گے۔ کیونکہ کسی چیز کو یقینی کہنے کے لئے یہی شرط ہے کہ بالکل شک باقی نہ ہو۔ پس جس امر میں شک جاتا رہے وہ یقینی ہے خواہ یہ یقین حس کے ذریعہ سے حاصل ہو مثلاً اشیائے محسوسہ کا علم یا بذریعۂ عقل کے ہو جیسے اس بات کا علم کہ حادث بدون محدث کے پایا نہیں جاسکتا۔ یا تواتر سے ثابت ہو، مثلاً مکہ شریف کے ہونے کا علم، یا تجربہ سے مثلاً مطبوخ کے دست آور ہونے کا علم یا دلیل سے مثلاً ایک ذات قدیم کے موجود ہونے کا علم مثلاً تم سے پوچھا جائے کہ آیا کوئی قدیم ذات موجود ہے تو فوراً ہی اُس کا بتا دینا ناممکن ہے کیونکہ قدیم

آفتاب و ماہتاب کی طرح محسوس تو ہے نہیں کہ فوراً دیکھ کر بتلا دیا جائے اور نہ ایسا بدیہی ہے جیسے ایک کو دو کا آدھا ہونا کہ بے سوچے بتلا دیا جائے بلکہ اس موقع پر عقل کا کام یہ ہے کہ از روئے بداہت کوئی بات نہ کہہ ڈالے۔

اب لوگ بھی مختلف ہیں بعض تو سنتے ہی یقین کر لیتے ہیں اور اسی پر جم جاتے ہیں اور اُسی کا نام اعتقاد ہے اور سارے عوام کا یہی حال ہے۔ اور بعض لوگ دلیل و برہان سے اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں کہ اگر موجودات میں کوئی ذات قدیم نہ ہوتی اور کل موجودات پیدا ہو جاتے تو سب کی پیدائش بغیر سبب ہوتی اور یہ بات محال ہے اور جس بات سے محال لازم آتا ہو وہ بھی محال ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ بات خیال میں نہیں آتی کہ حادث خود بخود پیدا ہو جائے بلکہ اپنے وجود

قدرتِ الٰہیہ

میں غیر کا محتاج ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اسی طرح یہ بھی خیال میں نہیں آتا کہ ایک حادث دوسرے کو پیدا کر دے، اسلئے کہ پیدا کرنا وجود کی فرع ہے۔ تو اگر وجود حادث ہی میں منحصر ہو جائے تو لازم آئے گا کہ موجودات بالکل پائے نہ جائیں اور اس سے ضرورتاً لازم آتا ہے کہ عقل ایک ایسی شے کے وجود کا حکم کرے جو قدیم اور صاحب قدرت و ارادہ اور ذی علم اور ذی حیات ہو تاکہ تمام محدثات کا پیدا کرنا ممکن ہو۔

کیونکہ اگر اُس میں یہ صفات موجود نہ ہونگے تو کائنات میں سے ایک شے بھی پیدا نہ کر سکے گا اس لئے کہ ایجادِ قدرت کا اثر ہے اور قدرت اپنا اثر نہیں کر سکتی تاوقتیکہ اُس شے کا ارادہ نہ ہو اور کسی شے کا ارادہ اُس کے علم پر موقوف ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ جس چیز کے پیدا کرنے کا قصد کیا جائے وہ معلوم نہ ہو اور کوئی شخص بدون حیات کے ان تینوں صفات سے موصوف نہیں ہو سکتا کیونکہ ان سب میں حیات شرط ہے۔

پس اس بیان کے موافق تمام عالم کا وجود اور آسمان اور جو کچھ اُس میں ہے اور زمین اور جو کچھ اُس پر ہے اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ وہ ذات قدیم جس میں یہ چاروں صفتیں پائی جائیں ضرور موجود ہے اور وہ ذاتِ قدیم حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض اہل یقین اثر سے مؤثر پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا کسی چیز کو دیکھنا گویا اللہ کو دیکھنا ہے اسلئے کہ عالم کا ہر ہر ذرہ اپنے حدوث اور محدث کا محتاج ہونے کے سبب سے ہمیشہ زبانِ حال سے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز، کہتا ہے کہ ہمارا ایک موجد ہے جو قدیم ہے اور یگانہ اور صاحب قدرت و ارادہ اور علیم اور حی اور تمام اُن صفات والا ہے جو اُس کے شایانِ شان ہیں ۔۔۔ صفت ہے اس ذرہ کی باتیں سُننے والے ہی سُنتے ہیں وہ لوگ نہیں سُن سکتے جن کی سماعت بیکار اور ۔۔۔ سے مراد سمع باطنی ہے جس کے ذریعہ سے وہ باتیں سُنی جاتی ہیں جن میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ ۔۔۔

زبان ہے نہ عجمی۔ یہ سماعت ظاہری مراد نہیں جس سے سوائے آواز کے کچھ نہیں معلوم ہوتا اور جس میں بہائم اور انسان سبھی شریک ہیں اسلیئے کہ اُس چیز کی کیا قدر ہے جس میں بہائم بھی انسان کے شریک ہوں غرضکہ حاصل یہ ہے کہ عقل صفاتِ الٰہی میں سے وہ باتیں دریافت کرسکتی ہے جن پر افعالِ الٰہی دلالت کرتے ہوں اور جن صفات پر اُس کے افعال دلالت نہیں کرتے مثلاً سمع و بصر و کلام۔ اُن کے ثبوت کے لئے کبھی عقل اور کبھی نقل سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اچھا ان کے ثبوت کی دلیل عقلی تو یہ ہے کہ یہ صفات کمالیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال اُن کے اضداد نقصان کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے موصوف ہونا اور صفاتِ نقصان سے بری ہونا واجب ہے لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ ان صفات سے موصوف ہو۔

اور نقلی دلیل اُن کے ثبوت پر یہ ہے کہ شریعت نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ صفات مذکورہ اللہ کے لئے ثابت ہیں اس لئے ان کو ثابت ماننا واجب ہے۔

اور اس مسئلہ میں نقلی دلیل عقلی دلیل سے بہتر ہے کیونکہ ان صفات پر افعال خداوندی موقوف نہیں ہیں جن سے اُن کے ثبوت پر استدلال ہوسکے اور اللہ کو کسی نے دیکھا نہیں جس سے یہ معلوم کہ یہ صفتیں اُس کے حق میں صفاتِ کمال ہیں کہ اگر اُن سے موصوف نہ ہوگا تو اُن کے اضداد سے موصوف ہوگا رہا اُن کا کمال ہونا سو ہمارے اعتبار سے ہے اور کچھ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ہمارے لئے صفتِ کمالیہ ہو وہ اللہ کے لئے بھی صفت کمالیہ ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ راحت و تکلیف کا ادراک باوجودیکہ ہمارے لئے کمالی صفت ہے لیکن اللہ کی طرف اُن کی نسبت کرنا ممتنع ہے کیونکہ یہ اجسام کے صفات ہیں پس انبیاء کرام کیلئے معجزہ کی حیثیت اس بیان کی رُو سے ضروری ہے کہ ان صفات کے ثابت کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کے اُن پیغمبروں کے قول سے استدلال کیا جائے جن کی نبوت معجزہ سے ثابت ہو چکی ہو جو خداوندِ عالم کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ "میرا بندہ جو احکام میری طرف سے بتلاتا ہے خواہ زبانی یا عملاً یا سکوتاً سب سچ ہیں"، اسلیئے کہ معجزہ اللہ کی طرف سے رسول کے لئے تصدیقِ عملی ہے اس لئے کہ معجزہ چونکہ خدائے تعالیٰ ہی کا خلافِ عادت ایک فعل ہے جو اپنے رسول کی تصدیق رسالت کے بارہ میں صریح قول کا قائم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی امرِ خارقِ عادت کو دعویٰ رسالت کے زمانہ میں رسول کے ہاتھ پر ظاہر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ یہ فرمائے کہ میرا رسول تمام اُن احکام میں جو میری جانب سے بیان کرتا ہے، سچا ہے خواہ وہ تبلیغ قولاً ہو یا فعلاً یا خموشی کے ساتھ۔

علماء نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں ایک مجلس کو خطاب کر کے یوں کہے کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں جس نے مجھ کو تمہارے پاس فلاں فلاں حکم دے کر بھیجا ہے اس پر اہل مجلس نے اس سے ثبوت مانگا اُس نے کہا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست

کرتا ہوں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف تین مرتبہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو اور بیٹھ جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے اُس کی درخواست کے موافق ویسا ہی کیا پس بے شک بادشاہ کا یہ فعل ایسا ہی ہے کہ گویا اُس نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص میری طرف سے، جو کچھ کہے وہ سچ ہے اور ہر اُس شخص کے لئے جس نے بادشاہ کو ایسا کرتے ہوئے خود دیکھا ہے یا خود نہیں دیکھا بلکہ اوروں سے بطریق تواتر سُنا ہے، علم یقینی حاصل کرا دیگا۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال معجزہ سے قطعی یقین پیدا ہو جانے کے بارے میں رسول کے حال کے بالکل مطابق ہے اس شخص کے حق میں جس نے معجزہ خود دیکھا ہو یا خود نہ دیکھا ہو مگر اُس کو خبر متواتر پہنچی ہو۔ اور یقین کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ شک نہ ہونے کا بھی خیال نہ کریں بلکہ یقین ہی کا غلبہ قلب پر اس قدر ہو کہ دل پر کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں اُسی کا قابو ہو اور اسی معنی کے لحاظ سے یقین کو قوی اور ضعیف کہتے ہیں۔ مثلاً جو شخص موت کے سامان میں غفلت کرتا ہے تو کہتے ہیں فلاں شخص موت کے متعلق ضعیف الیقین ہے باوجودیکہ موت آنے میں اُس کو شک نہیں ہوتا اس لئے کہ موت کا یقین تو سب کو برابر ہے اور کسی کو شک نہیں لیکن چونکہ بعض لوگ اُس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور نہ اُس کا کچھ سامان کرتے ہیں تو گویا اُس پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور بعضے ایسے ہوتے ہیں جن پر موت کا خوف ایسا غالب آجاتا ہے کہ اپنی ساری توجہ اُس کی تیاری میں صرف کر دیتے ہیں اور اسی فکر میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ دوسری چیز کی گنجائش نہیں رہتی۔ دوزخ سے ڈرنے والوں اور بہشت کے امیدواروں کی یہی شان ہے لہذا عقلمند کو مناسب ہے کہ ان دونوں طرح کا یقین حاصل کرنے میں پوری کوشش صرف کرے اور وہ دونوں قسمیں اپنے نفس سے اوّل شک کا دور کرنا اور پھر اس پر یقین کا غالب کرنا ہے۔

لیکن اس کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ شک کا رفع کرنا اور یقین کا غالب کرنا اس کے متعلقات اور نفس سے جہاد کے طریقوں کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتا اور وہ متعلقات و طرق جہاد معلومات ہیں جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔

پس جو شخص اُن کو سچا جانے گا وہ مومن ہے اور اس ایمان کے ساتھ اگر اُس کے دل سے شک بھی جاتا رہا تو یقین کے پہلے معنی بھی حاصل ہو گئے اور اگر دل پر یقین بھی غالب آگیا تو اُس کو یقین کے دوسرے معنی بھی حاصل ہو گئے اور اسی سے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے بچنے کی توفیق ملتی ہے۔

کیونکہ جس شخص کے دل پر اس آیت کا مضمون چھا گیا کہ "جس نے ذرہ برابر نیکی کی اُس کے آگے آئے گی اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ بھی اُس کے آگے آئے گی"۔ اور اس بات کا یقین بھی ہو گیا کہ عبادت کا لگاؤ ثواب سے ایسا ہے جیسے غذا کو پیٹ بھرنے سے۔ تو کچھ شک نہیں

اور وہ جیسے پیٹ بھرنے کے لئے کھانے کی فکر کرتا ہے اور تھوڑا بہت جو کچھ ہو اُس کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ ثواب حاصل کرنے کے لئے بھی عبادتوں کی حرص کریگا اور قلیل و کثیر کو محفوظ رکھےگا۔

ایمان حقیقی اور مومن کامل — اور جس کسی کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ نافرمانی کو عذاب کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زہر کو ہلاکت سے ہے تو کوئی شک نہیں کہ جس طرح وہ تھوڑے بہت زہر سے ہلاکت کے خوف سے بچتا ہے اسی طرح تھوڑی بہت نافرمانی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے عذاب سے ڈر کر بچیگا اسلئے کہ گناہ اور بدکاری کا سبب لاعلمی کے سوا اور کچھ نہیں کیونکہ جو شخص یہ اچھی طرح جان لے گا کہ گناہ کرنے کا اتنا عذاب ہے تو وہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ دیکھو کھانا کتنا ہی مزے دار کیوں نہ ہو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں سنکھیا ملی ہوئی ہے تو وہ کبھی نہیں کھائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان وہی ہے جو مومن کو ایسے کاموں پر آمادہ کرے جو آخرت میں کام آنیوالے اور اُن کاموں سے باز رکھے جو آخرت میں نقصان پہنچانے والے ہیں۔ لیکن اگر ایسے کام نہ کرے جو آخرت میں کام آئیں اور اُن باتوں سے باز نہ آئے جو وہاں نقصان رساں ہیں تو وہ کامل مومن نہیں ہے بلکہ زبانی مومن ہے واقعی نہیں ہے اس لئے کہ جو دوزخ پر حقیقی ایمان رکھتا ہے حتیٰ کہ گویا اسے دیکھتا ہے وہ ایسا راستہ ہرگز نہ چلیگا جو اُس کو دوزخ میں گرا دے چہ جائیکہ اُس کے دخول کی کوشش کرے۔ اسی طرح جو جنت پر حقیقی ایمان رکھتا ہے گویا جنت دیکھ رہا ہے تو وہ اس کی طلب میں کبھی کوتاہی نہ کرے گا بلکہ اس کے دخول کی کوشش کرے گا اور یہ حالت ہر شخص اپنے دل میں پاتا ہے دنیاوی اُمور میں سعی کرتے ہوئے پاتا ہے کہ مضرتوں سے کیسے بچتا ہے اور طلب منفعت میں کیسی کوشش کرتا ہے۔ اللہ ہم کو وہ کام کرنے کی توفیق دے جو اُس کی رضامندی کے موافق ہوں۔

پانچویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر ایمان ضروری ہونے اور اُس سے مخالفت ناجائز ہونیکا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا شرط ہے — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ جو شخص اس اُمت کا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر سن کر میری شریعت پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ یقیناً دوزخی ہوگا۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں۔ اس مقام پر اُمت سے مراد امتِ اجابت نہیں ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کا بھی اس میں ذکر ہے۔ بلکہ اس

سے اُمتِ دعوت مُراد ہے۔ اس صورت میں اُس میں تمام باطل مذہب والے بھی شامل ہیں اور یہود و نصاریٰ کی تخصیص یہاں اس لئے ہے کہ یہ دونوں قومیں باوجود اہلِ کتاب و صاحبِ شریعت ہونے کے جبکہ شریعتِ اسلامیہ پر ایمان نہ لانے سے دوزخی ہیں تو اور لوگ جو نہ صاحبِ کتاب ہیں نہ کوئی شریعت رکھتے ہیں بطریقِ اولیٰ دوزخی ہیں۔

پس گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص میری نبوت کو سنے گا اور مرتے وقت تک میری شریعت پر ایمان نہ لے آئے گا تو وہ دوزخی ہو گا۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اگرچہ از روئے لغت مطلق تصدیق کا نام ہے لیکن شریعت میں رسول کے اُن احکام میں تصدیق کا نام ہے جو بداہۃً معلوم ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے ہیں اور اُن کا دین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا مشہور ہو چکا ہو کہ ہر شخص کھلے طور پر جانتا ہو نہ عقلی دلیل کی ضرورت ہو نہ نقلی کی۔ گو فی نفسہٖ اُس کی شناخت کسی دلیل عقلی یا نقلی پر موقوف ہو مثلاً صانع کا موجود ہونا اور نماز کا فرض ہونا اور شراب کی حرمت اور آخرت کے حالات ان میں سے اگرچہ ہر ایک کی حقیقت کا سمجھنا استدلال پر موقوف ہے خواہ دلیلِ عقلی سے جیسے وجودِ باری خواہ دلیلِ نقلی سے جیسے فرضیتِ نماز اور حرمتِ شراب اور احوالِ آخرت، لیکن اِن امور کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا سب بداہۃً جانتے ہیں اس کے جاننے میں کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔

ایمان کے معنی

اور نیز جن احکام کا اجمالاً اعتبار ہوتا ہے وہاں اجمال کافی ہے اور جو احکام تفصیلاً ملحوظ ہوتے ہیں اُن کی تفصیل شرط ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص فرضیتِ نماز اور شراب کی حرمت کا اس سے سوال کئے جانے کے وقت تصدیق نہ کرے تو وہ مومن نہیں بلکہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں حکم بہ تواتر معلوم ہو چکے ہیں کہ دینِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص مومن ہونے کے قصد سے اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اور دل سے اُس کی تصدیق کرے وہ مومن ہے اگرچہ وہ حرام اور فرض سے واقف نہ ہو لیکن پھر جب اُس کو یہ بتلایا جائے کہ تجھ پر پانچ وقت کی نماز ہر شبانہ روز میں فرض ہے تو اگر اُس نے اس کی بھی تصدیق کی اور قبول کر لیا تو وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم ہے اور اگر انکار کیا اور نہ مانا تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا اور علیٰ ھذا القیاس تمام وہ فرائض اور محرمات جو بدلیل قطعی کتاب و سنت و اجماعِ امت سے ثابت ہیں اور اگر کسی ایمان کے مسئلہ میں شبہ واقع ہو تو اُس پر اجمالاً یہ عقیدہ رکھے کہ جو عند اللہ صحیح ہو وہ ٹھیک ہے اور یوں کہے کہ اللہ کے نزدیک جو حق ہے اس پر میرا اعتقاد ہے اور یہ حالت اُسی وقت تک کافی ہے جب تک کوئی ایسا عالم نہ ملے کہ مسائلِ ایمان جانتا ہو

جب مل جائے تو اُس سے اس مشکل مسئلہ کو حل کر لینا چاہیئے اور پھر اس کی دریافت میں تاخیر جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "عالموں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو" اور اس مشکل کے حل کرنے میں اگر وہ توقف کرے گا تو معذور نہ سمجھا جائے گا بلکہ توقف کرنے سے کافر ہو جائے گا بشرطیکہ وہ مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے ہو اسلئے کہ اُس چیز کے بارے میں جس پر ایمان لایا جاتا ہے توقف کرنے سے تصدیق نہیں ہو سکتی اور یہی تو کفر ہے۔

مثلاً کسی کو وحدانیتِ خدائے تعالیٰ میں یا کسی شے پر اُس کے قادر ہونے میں یا یہ کہ وہ دانائے جزو کل ہے یا یہ کہ بعد مرنے کے پھر جسم زندہ ہونگے یا عالم کے حادث ہونے یا اور اسی قسم کے اُمور میں اگر شبہ پیدا ہوا اور اُس پر اُس نے کہہ دیا کہ جو کچھ اللہ کے نزدیک حق ہو اُسی پر میرا اعتقاد ہے تو اُس کا ایمانِ اجمالی تو ثابت ہے کیونکہ تسلیم اور قبول اجمالاً موجود ہے۔ لیکن اگر اُس نے اس مشکل کو حل نہ کیا بلکہ پوچھنے میں دیر کی یا پوچھا ہی نہیں تو صرف یہ قول اجمالی کہ جو اللہ کے نزدیک حق ہے اُس پر میرا ایمان ہے، کافی نہ ہوگا۔ اور وہ اس نہ پوچھنے کی وجہ سے مومن نہ رہے گا بلکہ کافر ہو جائیگا کیونکہ یہ تمام اُمور جو اوپر مذکور ہوئے دین کی ضروریات میں سے ہیں اور ان کو ہر سمجھدار جو مسلمانوں میں بڑھا پلا ہو جانتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ خداوندِ عالم ایک ہے یا کئی ہیں اور اُن میں سے کسی ایک بات پر اُس کا دل نہ ٹھیرا ہو تو اُس پر واجب ہے کہ فوراً یہ کہے کہ عنداللہ جو امر حق ہے اُسی پر میرا اعتقاد ہے۔ اس کے بعد اُسپر واجب ہے کہ وہ بلا توقف کسی عالم سے اُس کو پوچھے اور کسی قسم کی سُستی نہ کرے حتیٰ کہ اگر اُس نے تاخیر کی یا پوچھا ہی نہیں اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لایا تو وہ مومن نہ ہوگا بلکہ کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح وہ شخص بھی جو قیامت اور جنت اور دوزخ اور میزان اور حساب اور پلصراط اور نامۂ اعمال جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت میں شک اور توقف کرے تو وہ مومن نہ رہے گا بلکہ کافر ہو جائے گا اسلئے کہ توقف اور تردد تصدیق کے منافی ہے جس کو شریعت میں ایمان کہتے ہیں۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ ایمان لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں یعنی مخبر کے حکم کو سچ جاننا اور اُس کو قبول کرنا اور اس کو سچائی معلوم ہو جانے کے بعد اُسے سچا قرار دینا اور شرع میں اُس کے کوئی اور معنی منقول نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ عرب کو اسی سے خطاب فرمایا اور اُن میں سے جن کو مطیع ہونا تھا انہوں نے بغیر کسی قسم کے سوال اور بیان کی حاجت کے سوائے اُن چیزوں کے متعلق جن پر ایمان لایا جاتا ہے اطاعت کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن چیزوں کو بیان فرما کر کچھ تفصیل بھی کر دی

ایمان تصدیق کا نام ہے

جبکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مردِ مسافر کی صورت میں آتے اور ایمان کو پوچھا کہ اے محمدؐ بتلاؤ ایمان کیا چیز ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایمان معتبر یہ ہے کہ اللہ اور اس کے ملائکہ اور کتب آسمانی اور جملہ پیغمبروں پر ایمان ہو، آخر حدیث تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے معنی ان لفظوں میں اسی خیال سے بیان فرمائے کہ ان الفاظ کے معانی یہ لوگ بخوبی جانتے ہیں اور پھر جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے اور تم کو تمہارا دین سکھلانے کے لئے آئے تھے۔

پس اگر ایمان کے معنی سوائے تصدیق کے کچھ اور ہوتے تو وہ بھی مشہور ہوتے جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ کے معنی مشہور ہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام ایسا ہوتا جس کو وہ سمجھتے ہی نہ تھے اور نہ یہ تعلیم صحیح ہوتی اور نہ وہ لوگ بغیر پوچھے مان لیتے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں شرعاً لغوی معنے سے زیادہ صرف خصوصیتِ متعلق ہی کا اعتبار ہے جس کو فارسی میں گرویدن اور ترکی میں انا نمق کہتے ہیں۔ پھر یہ کہ تصدیق بیقین اور معرفت کے لئے ضروری ہے اور اس بنا پر تصدیق رسول اُس وقت تصدیق بیقین اور معرفت کے لئے ضروری ہے | تک ثابت نہ ہوگی تاوقتیکہ اُس کی پیغمبری کسی معجزہ سے ثابت نہ ہو جائے جو اُس کی سچائی پر دلالت کرے اور معجزہ کی دلالت رسول کی سچائی پر اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ معجزہ خدائے تعالیٰ ہی کا ایک فعل خلافِ عادت ہے جس کو خدا نے پیغمبر کے ہاتھوں دعوئ رسالت کے وقت اُس کی تصدیق کے لئے ظاہر کیا ہے پس اللہ تعالیٰ کا اس معجزہ کو اُس کے ہاتھ پر ظاہر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ یہ فرماتا کہ میرا رسول جو کچھ میری طرف سے بیان کرتا ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا سکوتاً سب سچ ہے۔

اور علماء نے اس کی یہ مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں ایک جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اُس بادشاہ کا ایلچی ہوں جس نے مجھ کو تمہارے پاس فلاں حکم کی تعمیل کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیسے معلوم ہو کہ تم سچے ہو تو اُس نے کہا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی خلافِ عادت تین مرتبہ اپنی جگہ سے اُٹھے۔ پس بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا ہی کیا تو بے شک بادشاہ کا یہ فعل ایسا ہی ہے کہ گویا اُس نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص میری طرف سے جو کہتا ہے وہ سب سچ ہے اور اُس شخص کے حق میں جس نے خود بادشاہ کا یہ فعل دیکھا ہو یا اُس تک اس واقعہ کی خبر بذریعہ تواتر پہنچی اس شخص کی سچائی کے بارے میں یقینی علم کا ذریعہ ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بالکل مطابق ہے کہ معجزہ سے آپ کی سچائی کا ہر اُس شخص کو جس نے خود معجزہ دیکھا ہو یا بذریعہ تواتر سنا ہو علم

یقینی حاصل ہوتا ہے اور ہم تک چونکہ بطریق تواتر یہ خبر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ پیغمبری کیا اور معجزہ دکھلایا ہے حتیٰ کہ یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہے اس لئے ہم پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تکلیفی احکام کی تصدیق کریں۔ جیسے واجبات کو واجب سمجھنا اور مستحبات کو مستحب ماننا اور مباح چیزوں کو مباح سمجھنا اور حرام چیزوں کو حرام خیال کرنا اور مکروہات کو کریہہ جاننا۔ بعض ان میں سے وہ امور ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے

آخرت پر ایمان | جن کی سب سے پہلی منزل قبر ہے پھر اُس میں مُردہ کا زندہ کرنا، نکیرین کا سوال اور یا تو باغ جنت کا ایک چمن ثابت ہونا یا دوزخ کا ایک گڑھا ہونا پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ قیامت کو جانا اور وہاں نامۂ اعمال جس میں بندوں کے سب اعمال لکھے ہوں گے دیا جانا اور کسی کو داہنے ہاتھ میں دیا جانا اور کسی کو بائیں ہاتھ میں اور کسی کو پسِ پُشت سے پھر حساب وکتاب ہونا پھر اعمال تولنے کے لئے ترازو کا قائم ہونا پھر جس کی نیکیاں بھاری اور گناہ ہلکے ہوں اُس کا مزے اور چین سے ہونا اور جس کی نیکیاں ہلکی اور گناہ بھاری ہوں اُس کا جہنمی ہونا پھر دوزخ کی پُشت پر پلصراط کا لوگوں کے چلنے کے لئے قائم کرنا اور اُس پر سے بعض کا ایسے گذر جانا جیسے بجلی کوندتی ہے اور بعض کا جیسے تیز آندھی اور بعض کا جیسے تیز گھوڑے اور کسی کا دوڑتے ہوئے اور کسی کا معمولی چال سے اور کسی کا گھسٹتے ہوتے جانا اور دوزخ میں کسی کا گرنا اور موکلانِ عذاب کا اُس کو طوق وزنجیر میں جکڑ لینا۔

غرضکہ یہ تمام وہ امور ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان تمام ہولوں سے محفوظ رکھے۔ اس تمام تقریر سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ تصدیقِ رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس

اللہ کی پہچان کا طریقہ۔ استدلال | وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک آپ کی رسالت کسی ایسے معجزہ سے ثابت نہ ہو جو آپ کی سچائی پر دلالت کرتا ہو اور معجزہ کی دلالت رسالت پر اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ یہ معجزہ بھی خدائے تعالیٰ ہی کا ایک فعل ہے اور اس کا علم اس بات پر موقوف ہے کہ اوّل یہ علم ہو کہ خداوند تعالیٰ موجود اور قدیم اور یکتا اور قادر اور ارادہ والا اور حی ہے۔ کیونکہ معجزہ جبکہ فعلِ خدا ٹھیرا تو معجزہ کا وجود وجودِ الٰہی اور ان تمام صفات سے موصوف ہونے پر موقوف ٹھیرا اور وجودِ باری تعالیٰ کا علم حسِ ظاہری سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ چاند اور سورج کی طرح نہیں ہے کہ اس کا وجود ظاہری حواس سے معلوم کیا جائے اور نہ علمِ وجودِ الٰہی کا ایسا بدیہی ہے جیسا کہ دو کا ایک سے زائد ہونا تاکہ بداہۃً اُس کا وجود معلوم ہو جائے بلکہ اُس کا وجود مصنوع سے صانع اور اثر سے مؤثر پر استدلال کے طریقہ سے معلوم ہوگا۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک گنوار سے پوچھا گیا کہ خدا کے ہونے کی کیا دلیل ہے تو اُس نے کہا کہ مینگنی سے اونٹ کا پتہ ملتا ہے اور لید سے گدھے کا اور نقشِ پا سے چلنے والے کا تو کیا

یہ بُرجوں والے آسمان اور راستوں والی زمین اور موجوں والے دریا صانع قدیر پر دلالت نہیں کرتے۔

روایت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دہریوں کے حق میں ایک شمشیر برہنہ تھے اور دہریے ہر وقت اُن کو قتل کرنے کی تاک میں لگے رہتے تھے چنانچہ ایک دن امام ممدوح تنہا مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ دہریوں کا ایک غول ننگی تلواریں کھینچے ہوئے آپ کو قتل کرنے کے لئے چڑھ آیا اور آپ کے شہید کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا اول میرے ایک سوال کا جواب دیدو اس کے بعد تم جو چاہو وہ کرو۔ اس پر وہ بولے اچھا بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے۔ آپ نے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میں نے ایک ایسی کشتی مال سے بھری ہوئی اسباب سے لدی ہوئی دیکھی ہے جس پر منجدھار میں موجوں کے تھپیڑے اور باد مخالف کے زبردست جھونکے پڑ رہے تھے لیکن وہ بے کھٹکے سیدھی چلی جارہی ہے نہ کوئی ملاح ہے کہ اُسے تدبیر سے چلائے نہ کوئی اور جو اُس کا بندوبست کرے تو آیا یہ بات عقلاً ممکن ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں عقل اسکو ہرگز قبول نہیں کرتی۔ اسپر امام صاحبؒ نے فرمایا سبحان اللہ جبکہ صرف ایک کشتی عقل کے نزدیک بغیر ملاح کے سیدھی نہیں چل سکتی تو پھر عقل یہ بات کیونکر قبول کرتی ہے کہ دنیا جس میں مختلف حالتیں اور ایک معیار معینہ پر کاموں کا ہونا لمبے چوڑے اطراف اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا نہایت بُعد ہو بغیر ایسے صانع کے جو اُس کی تدبیر کرتا ہے اور بغیر ایسے نگہبان کے جو اُس کی نگرانی کرے کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ وہ لوگ آپ کی یہ بات سُن کر رو پڑے اور کہنے لگے کہ بیشک آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اپنی اپنی تلواریں میان میں کرلیں اور توبہ کرکے آپ کے سامنے فوراً مسلمان ہو گئے۔

یہ بھی روایت ہے کہ کسی زندیق نے حضرت امام جعفر صادقؓ کے سامنے خدا کا انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کبھی دریا کا سفر کیا ہے اس نے کہا، ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا اُس کی سختیاں بھی جھیلیں ہیں کہنے لگا ہاں ایک روز ایسی آندھی چلی کہ کشتی ٹوٹ گئی ملاح بھی ڈوب گئے۔ میں ایک تختہ میں لپٹ رہا پھر وہ تختہ بھی چھوٹ گیا اور میں موجوں میں غوطے کھاتے کھاتے ایک دفعہ کنارے جا لگا۔ امام جعفر صادقؓ نے فرمایا کہ پہلے تجھے کشتی اور ملاح پر بھروسہ تھا پھر تختہ پر کہ یہ بچا لیگا جب یہ تینوں چیزیں تیرے ہاتھ سے جاتی رہیں تو تُو نے اپنی جان موت کے حوالے کردی تھی یا پھر بھی نجات کی اُمید باقی تھی؟ بولا ہاں نجات کی امید باقی تھی۔ آپ نے فرمایا کس سے امید تھی؟ تو وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس سے تجھ کو امید تھی وہی خدا ہے گو تجھ کو شعور نہ تھا۔ اور اسی نے تجھ کو غرق ہو جانے سے بچایا۔ اُس نے یہ بات سنی تو اُس کے دل نے مان لیا اور وہ آپ کے سامنے فوراً مسلمان ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے پہچاننے کا طریقہ استدلال یعنی دلیل میں غور و فکر کرنا ہے

معرفت الٰہی کیلئے غور و فکر کا حکم | لہذا غور و فکر واجب ہے کیونکہ اللہ نے اس کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے، کہہ دو غور کریں کہ زمین و آسمان میں کیا ہے اب جو شخص اُس کو ترک کرے گا گنہگار ہوگا کیونکہ اللہ نے انسان کو عقل کی نعمت اسی لئے دی ہے کہ وجودِ الٰہی پر اور اُس کے قدیم اور یکتا ہونے اور تمام اُن اوصاف پر جو افعالِ الٰہی ثابت ہوتے ہیں یعنی قدرت اور ارادہ اور علم اور حیوٰۃ پر استدلال کیا کرے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو نعمتِ عقل کا شکر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ پس اگر اللہ اُس کے گناہ معاف نہ کرے تو اگرچہ آخر کار بہشت ملے گی لیکن اُس وقت جبکہ اپنے گناہ کا عذاب بھگت چکے گا۔ اس بنا پر ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے پہچاننے اور تمام اعتقادی اُمور کے سمجھنے کے لئے استدلال اور نظر سے کام لیا کرے تاکہ اہلِ تقلید سے نکل کر اہلِ یقین میں داخل ہو جائے کیونکہ مقلد کو یقین کا مرتبہ بالکل نہیں حاصل ہوتا اسلئے کہ یہ تو وہی ہے جو آسمان و زمین کی پیدائش اور رات و دن کی تغیرات پر غور ہی نہیں کرتا جس سے اپنے خالق کو اور دوسرے امورِ اعتقادی کو سمجھ سکے بلکہ اُس سے تو کسی نے کہہ دیا ہے اور اسی پر وہ ایمان لے آیا ہے۔ علماء کا ایسے لوگوں کے ایمان میں اختلاف ہے۔ لیکن جو لوگ دارالاسلام میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صحت ایمان | کے معجزات سنے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش اور رات و دن کے اختلاف میں غور کرتے ہیں اُن کے ایمان کی صحت میں کسی کو گفتگو نہیں کیونکہ وہ اہلِ نظر و استدلال ہیں اور اسمیں یہ ضروری نہیں کہ تحریر و تقریر اور بے دینوں کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اُن کے اعتراضات کا جواب دینے پر بھی قادر ہوں۔

چھٹی مجلس اس بیان میں کہ جس شخص نے اللہ کو رب اور اسلام کو اپنا مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق مان لیا ہے اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا ہے

ایمان کا مزا | رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایمان کا مزہ اُس شخص نے چکھا جس نے خوشی سے اللہ کو پروردگار اور اسلام کو سچا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ برحق مان لیا"۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کا دل اللہ کی ربوبیت پر اس طرح مطمئن ہو جائے کہ پھر دوسرے رب کی جستجو نہ رہے اور اسلام کو کافی دین سمجھ کر دوسرے مذہب کیطرف نہ جھکے اور محمد صلی اللہ علیہ

کی رسالت پر ایسا اڑ جائے کہ دوسرے کی طلب نہ ہو تو وہ پورا مسلمان ہے اور جو شخص کہ ان میں سے کسی ایک پر بھی دل سے آمادہ نہ ہو تو وہ ایمان سے خالی ہے اس لئے کہ ایمان شریعت میں بھی لغت کی طرح تصدیق کو کہتے ہیں یعنی مخبر کے حکم کا یقین کرنا اور اس کو ماننا اور اس کی سچائی ظاہر ہونے کے بعد اس کو صادق بھی قرار دینا۔ محض سچائی کے جاننے کو ایمان نہیں کہتے ورنہ لازم آئیگا کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی معلوم ہو وہ مومن ہو حالانکہ یہ غلط ہے اسلئے کہ اکثر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے باوجودیکہ وہ آپ کی سچائی کو جانتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد جو بعض کفار کے بارے میں ہے، اس پر دلالت کرتا ہے "اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ تصدیق محض جاننے کا نام نہیں ہے بلکہ اس جانے ہوئے پر یقین کرنے اور انکار و مخالفت چھوڑ کر اس کے قبول کرنے کا نام تصدیق ہے اور اسی پر سب کاموں کی بنیاد ہے اور یہ امر علم پر کچھ زیادتی ہے اور اکثر علم کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور علم نفس الامر کے مطابق یقین کرنے کو کہتے ہیں بشرطیکہ وہ یقین کسی سبب سے پیدا ہوا ہو اور لیکن جو یقین کہ بلا سبب ہو اس کو علم نہیں کہتے بلکہ وہ اعتقاد ہے اور اس کی تحقیق امام تفتازانیؒ کی تقریر کے مطابق یہ ہے کہ کسی شے پر حکم پانچ چیزوں سے ہوتا ہے اوّل علم دوم اعتقاد سوم ظن چہارم وہم اور پنجم شک۔

علم اور اس کی اقسام

کیونکہ جو شخص کسی چیز پر اثبات یا نفی کا حکم لگاتا ہے تو وہ یا تو اپنے دل میں اس حکم کا یقین رکھتا ہے یا نہیں۔ پہلی یعنی یقین کی صورت اگر کسی سبب یعنی ہدایت یا دلیل سے ہو تو وہ علم ہے اور اس کا نام معرفت و یقین بھی ہے اور اگر کسی سبب سے نہیں بلکہ محض تقلید کے طور سے ہے تو وہ اعتقاد کہلاتا ہے اور دوسری یعنی یقین کامل نہ ہونے کی صورت اگر دوسرے پر غالب رہے تو ظن ہے اور اگر مغلوب ہے تو وہم ہے اور اگر دونوں پہلو برابر ہیں تو وہ شک ہے۔

پس ایمان اگر آخر کی تین قسموں سے یعنی ظن اور وہم و شک سے حاصل ہو تو وہ بالاتفاق باطل ایمان ہے اور اگر یقین کی دو قسموں میں سے پہلی قسم سے حاصل ہو یعنی علم و معرفت سے تو بالاتفاق صحیح ہے۔

لیکن یقین کی دوسری قسم یعنی اعتقاد سو اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ مطابق نفس الامر کے ہو اور اس کا نام اعتقاد صحیح ہے جیسا کہ عام مومنین کا اعتقاد ہے جو ائمۂ دین کے پیرو ہیں اور دوسرے یہ کہ نفس الامر کے مطابق نہ ہو اور اس کو اعتقاد فاسد اور جہل مرکب کہتے ہیں۔ جیسا کہ تمام کفار کا اعتقاد ہے جو کفر کے پیشواؤں کے پیرو ہیں پس فاسد اعتقاد والے کے کفر پر اور

اور ہمیشہ جہنم میں رہنے پر اجماع ہے۔
اور اس اعتقاد صحیح میں جو محض تقلید سے حاصل ہوتا ہے اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس اعتقاد والا مومن تو ہے لیکن نظر اور استدلال چھوڑ دینے کی وجہ سے گنہگار ہے اب آئندہ اللہ کی مرضی چاہے تو معاف کرکے بلا عذاب جنت میں داخل کر دے اور چاہے تو بقدر گناہ عذاب دیکر جنت میں داخل کرے۔ اس بنا پر مسلمان پر واجب ہے کہ عقائد ایمان کا ہر ہر مسئلہ کم سے کم ایک ہی ایک دلیل سے سیکھے تاکہ اپنے مذہب میں صاحب بصیرت ہو جائے اس لئے کہ جو عقائد تقلید سے حاصل ہوتے ہیں شبہات پیش آنے کے وقت ایسے شخص کے شک میں پڑ جانے کا خوف ہے کیونکہ بغیر دلیل حاصل کئے ہوئے عقائد کی پختگی کا ادنیٰ شبہ کے بھی پیش آجانے سے زائل ہو جانا کچھ بعید نہیں اور یہ مانا کہ اُس شک اور زوال کے مقابلے میں گو زبانی پختگی ظاہر کرتا رہے لیکن اُس سے کیا فائدہ جبکہ دل ہی جو کہ ایمان کا مرکز ہے حیران ہو کر کہے کہ میں نہیں جانتا۔ پس وہ منافقین کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا جو مُنہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہیں۔ اسی لئے

نفاق کی قسمیں اور منافقوں کا انجام | بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔
ایک تو وہ نفاق جس کو منافق خود بھی اپنے دل میں معلوم کرتا ہے اور یہ اُن لوگوں کا نفاق ہے جو لوگوں سے گو اسلام ظاہر کرتے ہیں لیکن دل سے پوشیدہ طور پر وہ کافر ہیں جیسے وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے یا اور دیگر زندیق اور ملحد۔
دوسرا نفاق وہ ہے کہ اُس کو منافق خود بھی نہیں پہچانتا اور یہ اُن لوگوں کا نفاق ہے جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں اور اُن سے ایمان کی باتیں سُن سُن کر خود بھی جیسا سُنا تقلیداً وہی کہنے لگتے ہیں حتیٰ کہ وہ یہود و نصاریٰ کے گھر پیدا ہوتے تو تقلیداً اُن ہی جیسی کہتے اور اُن ہی جیسے کام کرتے ہیں نہ اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ہم کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں جس سے وہ اپنے خالق اور اُس کے اوامر و نواہی کو جو اُس نے کتابیں نازل کرکے اور پیغمبر بھیج کر ہم کو بتائے ہیں اُن کو پہچانیں۔ اور ان لوگوں کا بھی وہی انجام ہوگا جو اور لوگوں کا ہوگا جو کہ مرنے کے بعد جب قبر میں رکھے جائیں گے اور منکر نکیر ان سے سوال کریں گے تو کہیں گے "ہم کچھ نہیں جانتے لوگ جو کہتے تھے وہی ہم بھی کہتے تھے" کیونکہ اُن کے پاس بھی جب قبر میں منکر و نکیر آئیں گے تو بے کم وکاست اپنے دل کی بات کہدیں گے اس لئے کہ وہاں آدمی کو یہ قدرت نہ ہوگی کہ وہ کوئی ایسی بات جو اُس کے دل میں نہ ہو کہے بلکہ اگر حق جانتا ہوگا تو حق کہے گا اور اگر اُس میں تھا یقین نہ تھا تو کہے گا میں نہیں جانتا جیسا کہ دنیا میں اپنے دل میں کہا کرتا تھا کہ میں نہیں جانتا یہی وہاں کہے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن

ایک منادی پکارے گا کہ جس کی پوجا کرتا تھا اُسی کے ساتھ ہولے پس جو شخص آفتاب کو پوجتا تھا وہ اُس کے ساتھ ہولے گا اور جو قبر کو پوجتا تھا وہ اُس کے ہمراہ ہولے گا اور جو بتوں کو پوجتا تھا وہ اُن کے ہمراہ ہولے گا حتیٰ کہ یہ امت مع اپنے منافقین کے باقی رہ جائے گی۔ اس حدیث میں منافقین سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو اپنے گھروں میں بت پرستی کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ تو بتوں کے ساتھ ہولیں گے جن کے وہ پیرو تھے اور اُن ہی کے ہمراہ دوزخ میں جائیں گے۔

بلکہ یہاں منافق سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں شک تھا اور غلبۂ تقلید کی وجہ سے اُن کو اس کا ادراک نہیں ہوا۔ کیونکہ اکثر عوام تو درکنار بلکہ بہتیرے وہ لوگ ہیں جو علماء کی صورت میں ہیں اپنے حال سے آگاہ نہ ہو کر سمجھتے ہیں کہ ہم کو معرفت اور یقین کا درجہ حاصل ہوگیا ہے حالانکہ اُن کا ایمان بھی پختہ نہیں ہے اگرچہ تقلیدی ہی کے درجہ کا کیوں نہ ہو۔

بلکہ بعضے مقلدین کی حالت تو یہانتک گری ہوئی ہے کہ کلمہ زبان سے پڑھتے ہیں لیکن نہ اُس کے معنی سے واقف ہیں اور نہ اللہ اور رسول میں فرق کر سکتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کو ایمان تقلیدی بھی ٹھیک ٹھیک اور مطابق نفس الامر ہو حاصل نہیں ہے بلکہ اُن کا ایمان تقلیدی بھی فاسد اور غیر مطابق نفس الامر ہے۔ اور یہ خرابی صرف اس سبب سے پیدا ہوگئی ہے کہ علم والے علماء گم ہوگئے ہیں اور دجال صفت خود گمراہ اور گمراہ کرنے والے کثرت سے پیدا ہوگئے جو مسلمانوں کے دین میں رہزنی کرنے کے لئے شیطانی جال بچھا کر صوفی بن بیٹھے ہیں۔

علماء سوء اور اُن کا کام

چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "آخر زمانہ میں بہتیرے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے اور ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سُنی ہوں گی اُن سے بچیو کہ تم کو گمراہ اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے کہ آخر زمانہ میں مکاروں اور دغابازوں کی ایک جماعت علماء کی صورت میں پیدا ہوگی لوگوں سے کہیں گے کہ ہم علماء و مشائخ ہیں تم کو دین سکھلاتے اور راہ حق دکھاتے ہیں حالانکہ وہ جھوٹے ہوں گے اور جھوٹی حدیثیں بیان کریں گے اور فاسد عقیدے سکھلائیں گے اور تمہارے لئے نئے نئے باطل احکام گھڑ دیں گے اُن سے بچیو اور اُن کے پاس بھی نہ پھٹکیو، ایسا نہ ہو کہ تم کو گمراہ کر دیں اور فتنہ میں مبتلا کر دیں۔ پس اس ارشاد کی رُو سے جو شخص اس زمانہ میں علم دین سیکھنے کے لئے کوشش نہ کرے گا تو وہ قیامت کے اندھیرے میں نور والے اور نور سے محروم لوگ طرح طرح کی بدعتوں اور کفریات کی حالت

طرح طرح کی بدعتوں اور کفریات کی حالت

ہیں مرے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی اور اس گروہ میں داخل ہوگا جو قیامت کے دن ایسی باتیں
کرے گا جن کو خداوند عالم یوں بیان فرماتا ہے جس دن منافق مرد و زن ایمان والوں سے کہیں
گے ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اُٹھائیں۔[۱]

سو وہ لوگ ایسا اس لئے کہیں گے کہ وہ پیادہ ہونگے اور مومنین تیز سواریوں پر سوار
ہوں گے جو ان کو جنت کی طرف لئے جاتے ہوں گے اور اُن کی داہنی جانب اور سامنے نور
ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" جس دن تو دیکھے کہ ایماندار مرد اور عورتوں کے داہنے اور آگے
نور دوڑتا ہوگا[۲]۔ اس نور کے معنی میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اس نور سے مراد وہ روشنی ہے
نور سے مراد روشنی ہے یا معرفت الٰہی | جس سے پلصراط پر روشنی ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن
مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ مومنین کو بقدر اُن کے اعمال کے
نور ملے گا بعضوں کو درخت کھجور کے برابر اور بعضوں کو قد آدم کے برابر اور کم سے کم وہ نور والا
ہوگا جس کے پاؤں کے انگوٹھے پر روشنی ہوگی کہ کبھی بجھ جائے گی اور کبھی روشن ہو جائے گی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے اللہ کی معرفت مراد ہے اور اس بنا پر نور کی مقدار
قیامت کے دن اُسی قدر ہوگی جس قدر بندہ نے دنیا میں معرفت الٰہی حاصل کی ہوگی اور سوائے
اس نور کے قیامت کے دن کوئی اور نور نہ ہوگا جو اُس نے معارف ربانی حاصل کرنے کے
لئے اعضائے بدنی اور قوی جسمانی یعنی حواس ظاہری و باطنی کو دنیا میں کام میں لاکر حاصل
کئے ہوں گے۔ پس ہر شخص کو قیامت کے دن اُسی قدر نور ملے گا جتنے کہ معارف یقینی اُس
نے دنیا میں حاصل کئے ہوں گے اور جس نے معارف دینیہ سے یہاں کچھ حاصل نہ کیا ہوگا،
وہ قیامت کے دن اندھیرے میں بے نور رہ جائے گا۔

چنانچہ ابی امامہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اوّل
لوگوں کو ایک سخت تاریکی ڈھانک لے گی اس کے بعد نور تقسیم ہوگا اور ہر مومن کو بقدر معرفت
الٰہی اور علم الٰہی کے نور عطا ہوگا۔ اور کافر اور منافق اندھیرے میں چھوڑ دیئے جائیں گے اُن
کو کچھ نور نہ ملے گا بلکہ اُن کے اور مومنین کے درمیان جہنم کے پُل کے دُوسری جانب ایک
دیوار کے ذریعہ سے فصل کر دیا جائے گا۔

اور آیت سابقہ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منافقین سے جن کا آیت
میں ذکر ہے وہ لوگ مراد ہیں جو مبتلائے شک و تردد ہیں اور مسجدوں میں نماز پڑھتے اور
ایمانداروں کے ساتھ تمام اسلامی باتوں میں داخل ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

---

[۱] الحدید [۲] الحدید

اُن کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے ہاں (ضرور تھے) لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور انتظار کرتے رہے اور شک کرنے لگے اور بے جا امیدوں نے تم کو دھوکہ دیا۔ یہاں تک کہ موت آگئی اور تم کو شیطان نے اللہ سے بہکایا

عرفانِ علم واجب اور مقلد مومن | یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اُنہوں نے بُت پرستی نہیں کی تھی بلکہ مومنین کے ساتھ تھے لیکن جس چیز کا علم اُن پر واجب تھا اُس کے عارف نہ تھے یہاں تک کہ حکمِ خداوندی یعنی قضا آگئی۔ پھر ان کو قیامت کے دن یہ حکم ہوگا اب نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ اُن لوگوں سے جو کافر ہیں، تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور بُری جگہ ہے۔

پھر جبکہ یہ حالت ہے تو مقلد مومن کو چاہیئے کہ ہرگز سستی نہ کرے اور اپنی پختگی کی قوت اور کثرتِ عبادت سے یہ نہ سمجھے کہ وہ حق پر ہے ورنہ پھر اُس پر یہ اعتراض ہوگا کہ یہود و نصاریٰ بھی تو اپنے گمراہ باپ دادوں کے باطل مذہب پر اڑے رہتے ہیں تو چاہیئے کہ وہ بھی حق پر ہوں اسلیئے کہ کسی مقلد کے کسی مذہب کی حقیقت پر ایسے جم جانے سے بھی کہ اگر وہ آرے سے چیرا جائے جب بھی اُس مذہب سے نہ ٹلے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب حق ہی ہو کیونکہ اُس کا یقین کسی شئے کے حق ہونے پر اڑ جانا اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اُسے اُس کی حقیقت کی معرفتِ یقینی حاصل ہو گئی ہے بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا نشو و نما ایسی قوم میں ہوا ہے جن کا مذہب یہی ہے اور پیدائش اور صحبت کو کسی خیال میں پختگی میں بڑا اثر ہوتا ہے خواہ وہ خیال حق ہو یا ناحق۔ دیکھو اور سمجھو اس قسم کی پختگی تو تمام یہود و نصاریٰ میں بھی موجود ہے جن کو جہلِ مرکب میں مبتلا کہنا چاہیئے۔

اسی واسطے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کسی بات کو حق سمجھتا ہو اور اُس یقین کے لئے کوئی دلیل خاص نہ ہو جس سے استدلال کرے تو اس کا دین بصیرت سے خالی ہے کیونکہ اعتقادی یقین سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کو وہ حق سمجھا ہے وہ حق بھی ہے جبکہ ان میں کوئی تلازم نہیں ہے تو اُس پر واجب ہے کہ ایسی کوئی دلیل لائے جس سے اُن دونوں میں ایسی ملازمت پیدا ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ آیا میرا دین حق ہے یا نہیں۔ تاکہ اُس کو اپنے دین میں بصیرت حاصل ہو۔

اور یہ تمیز نظرِ صحیح اور بُرہان کے سوا محض بداہت سے حاصل نہیں ہو سکتی اسلیئے کہ عادتِ الٰہی یوں ہی جاری ہے کہ یہ تمیز دلائل ہی سے حاصل ہو نہ محض بداہت سے، کیونکہ اگر یہ بدیہی طور پر حاصل ہو جاتی تو اُس کو ہر سمجھدار سمجھ لیتا۔

اور مکلف کے تقلید سے نکلنے کے لئے اجمالی دلیل بھی کافی ہے جس سے عقائد ایمان میں فی الجملہ اس قدر علم اور اطمینان حاصل ہو جائے کہ اپنے دل میں یوں نہ کہے کہ میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ اوروں سے سنتا رہا، کہتا رہا۔ اور یہ شرط بھی نہیں کہ دلیل کو اس طرح ترتیب دینے کی لیاقت پیدا کرے جس طرح علماء کر سکتے ہیں اور نہ یہ شرط ہے کہ بدعتیوں کے اعتراضات دفع کرنے کی قدرت ہو اور نہ یہ ضرورت ہے کہ اپنے عقائد بیان کر دینے کی استعداد حاصل ہو بلکہ جب اتنا سمجھ لیگا تقلید سے پاک ہو کر عارف بن جائے گا۔ اگرچہ اس اجمالی دلیل کو بیان نہ کر سکتا ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ بدعتی جو اعتراضات اُس پر وارد کریں اُن کو رد کر سکے کیونکہ اکثر علماء اپنے مافی الضمیر بیان کرنے سے قاصر ہوتے ہیں تو پھر عوام کی کیا اصل ہے۔ حاصل یہ کہ

عقائد ایمانی کی جانچ کا طریقہ جو شخص اپنے نفس کی حالت معلوم کرنا چاہے کہ اُس کو اپنے عقائد ایمانی میں معرفت کا مرتبہ حاصل ہے یا تقلید کا اور آیا وہ اپنے عقائد میں صواب پر ہے یا خطا پر۔ تو اُس کو چاہیئے کہ معرفت اور تقلید کی حقیقت دریافت کرے تاکہ ایک دوسرے سے تمیز کر سکے اور معلوم کر سکے کہ ان میں سے کون اس کو حاصل ہے۔

سو معرفت وہ یقین ہے کہ علم الٰہی کے موافق ہو بشرطیکہ وہ یقین دلیل سے حاصل ہوا ہو۔ اور جو یقین بلا دلیل حاصل ہوا ہو اُس کو معرفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام اعتقاد ہے۔ خواہ وہ علم الٰہی کے موافق ہو یا نہ ہو اور کسی غیر کے کہنے پر بلا دلیل یقین کر لینے کا نام تقلید ہے۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل۔ اور مقلد کو معرفت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے کے کہنے پر یقین ہوتا ہے خواہ وہ حق ہو یا باطل۔

پس جو شخص ان دونوں حقیقتوں کو جان کر پھر اپنے دل کو دیکھے گا تو اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کو ان دونوں میں سے کونسی حقیقت حاصل ہے۔ پس اگر اس کو تقلید حاصل ہے اور معرفت حاصل نہیں ہے تو اُس پر واجب ہے کہ ایمان کے عقائد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے پہلے دلیل قائم کرے پھر صحیح عقیدوں پر بحث کرے تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنے عقائد میں حق پر تھا یا نہیں۔

پس اگر وہ اپنے آپ کو حق پر پائے تو اللہ کی اس نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ ادا کرے اس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور اگر اپنے آپ کو حق پر نہ پائے تو اُس پر فرض ہے کہ عقائد کے درست کرنے کے لئے بذریعہ دلائل کوشش کرے تاکہ اُس کو عذاب جہنم سے نجات ملے اور جنت میں داخل ہونے کا موقع ملے۔ اللہ اپنے فضل سے ہم کو بھی عنایت کرے۔

ساتویں مجلس اُن چیزوں کے بیان میں جن پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ کہ اصح مذہب کی رُو سے مجملاً اور بعض کے نزدیک تفصیلاً اس پر ایمان لانا ضروری ہے

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جواب میں جبکہ **ایمان کیا ہے؟** انہوں نے آپ کے پاس ایک اجنبی شخص کی صورت میں حاضر ہو کر ایمان کے متعلق سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور ملائکہ اور کتابوں اور پیغمبروں اور روزِ قیامت اور تقدیر نیک و بد پر ایمان لاؤ۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت عمرؓ بن الخطاب ہیں اور یہ حدیث تمام اصولِ دین اور اُن چیزوں کو جن پر ایمان لانا چاہیئے سب کی جامع ہے کیونکہ اعتقاد میں اصل شے دُنیا اور آخرت کا پہچاننا ہی ہے۔ ملائکہ اور نیز اُسکے بعد دیگر چیزوں کا ذکر بس اسی لئے ہے کہ تم کو آخرت کا حال معلوم ہو کیونکہ دنیا کی معرفت تو سلیم عقلوں کو خود حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ تو بنی آدم کی اصل فطرت ہی میں ابتداءِ آفرینش سے موجود ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

لیکن آخرت کی معرفت اور اُس کے لئے توفیق الہٰی کے سوا اور کوئی سبیل نہیں جو ان انبیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جن کو خود اس کا علم ملائکہ اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے یہ سب اُمورِ ایمان ہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس حدیث میں یہ سب مذکور ہیں پس جو شخص کہ اس کے معنی کا جویا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ ان چھیوں چیزوں پر ایمان لانے کی حقیقت کو دریافت کرے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے تاکہ اس کو اپنے دین میں بصیرت حاصل ہو۔ پہلی وہ چیز جس پر ایمان لانا واجب **ایمان باللہ** ہے اللہ پر ایمان لانا ہے اور اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وجود اور قِدم اور وحدت اور قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات اور باقی تمام اُن اوصاف کے ساتھ جو اُس کی شانِ کے شایاں ہیں متصف ہونے کا علم الیقین ہو۔

لیکن اُس کے وجود کا علم بذریعۂ حواس حاصل ہونا ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مثل

چاند سورج کے نظر نہیں آتا جس کو حسِ ظاہری سے معلوم کر لینا ممکن ہو۔ اور نہ اُس کا وجود ایسا بدیہی ہے جیسے دو کا ایک سے زیادہ ہونا کہ اس کا علم بھی بالبداہت حاصل ہو جائے۔ بلکہ اُس

وجودِ اللہ پر استدلال

کے وجود کا علم دلیل سے حاصل ہوتا ہے اور وہ دلیل عالم کا وجود ہے کیونکہ عالم حادث ہونے کی وجہ سے کسی خالق کی طرف محتاج ہونے کے سبب سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ وہ پیدا کرنے والا قدیم، یکتا قدرت اور ارادہ والا علیم اور حی ہو کیونکہ اگر قدیم نہ ہوگا بلکہ حادث ہوگا تو وہ خود کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا جس کا نتیجہ یا دور ہوگا یا تسلسل، اور یہ دونوں محال ہیں اور اور اگر ایک نہ ہو بلکہ کئی ہوں تو انتظامِ عالم میں باہم ایسی روک ٹوک ہوگی کہ عالم کا وجود نہ ہو سکے گا اور اگر صاحبِ قدرت و ارادہ اور علیم و حی نہ ہو تو دنیا کی ایک چیز بھی پیدا کرنے سے عاجز ہوگا اس لئے کہ پیدا کرنا قدرت پر موقوف ہے اور قدرت اُسی وقت کسی شے میں کام کرتی ہے کہ جب ارادہ ہو کسی چیز کا اور ارادہ اسکے علم کو چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ تو ہو لیکن اُس کا علم نہ ہو۔ اور ان تینوں صفتوں کے لئے حیات لازمی ہے۔ کیونکہ حیات ان کے لئے شرط ہے۔

پس اس بیان کی رُو سے عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرّے کا وجود وجودِ باریتعالیٰ اور اُس کی قِدامت اور وحدت اور چاروں صفات سے موصوف ہونے کیلئے قطعی دلیل ہے اس لئے کہ عقل سے وہی صفات پہچانے جا سکتے ہیں جن پر اُس کے افعال موقوف ہیں لیکن

صفاتِ باری پر استدلال

جن پر اس کے افعال موقوف نہیں جیسے سننا دیکھنا بولنا، تو ان کے ثبوت پر کبھی عقلی اور کبھی نقل سے استدلال کرنا جائز ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ صفتیں کمالی ہیں اور اُن کی ضدیں صفاتِ نقصان ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ کا صفاتِ کمال سے متصف ہونا اور صفاتِ نقصان سے بری ہونا ضروری ہے جس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ ان صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے۔

اور نقلی دلیل اُن کے ثبوت کی یہ ہے کہ شریعت میں اُن کا ثبوت اللہ تعالے

---

۵ دور کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز کا وجود خود اپنے اوپر موقوف ہو اور تسلسل یہ ہے کہ ایک غیر متناہی سلسلہ چلے جس کی کہیں انتہا نہ ہو۔ فرض کرو کہ اگر خداوند تعالیٰ کو حادث مانا جائے تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو کسی اور نے پیدا کیا ہوگا۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس اور کو جو خداوند تعالیٰ کا نعوذ باللہ خالق ہے کس نے پیدا کیا۔ اب اس کو یا دوسرے اور نے پیدا کیا ہوگا یا خود اُس نے جس کو اس نے پیدا کیا تھا تو اگر یہ صورت نکلے کہ خدا کو اس نے پیدا کیا ہو اور اُس کو خدا نے تو اُس کو دور کہتے ہیں اور اگر یہ سلسلہ اسیطرح چلا جائے اور کوئی فرد ایسا نہ ملے جس پر یہ سلسلہ قائم ہو جائے تو اسکا نام تسلسل ہے ۱۲

کے لئے موجود ہے اور اس وجہ سے اُن کے ثبوت کا یقین کرنا واجب ہے اور اس مسئلہ میں دلیل عقلی سے دلیل نقلی بہتر ہے اس لئے کہ ان صفات پر افعالِ الٰہی موقوف نہیں ہیں، تاکہ اُن افعال سے اِن صفات کے اللہ تعالیٰ کے لئے ثبوت پر استدلال کیا جائے اور ذات الٰہی کا کسی کو علم نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی صفات کمال ہیں جن سے اُس کا موصوف ہونا ضروری ہو۔ کہ اگر اُن کے ساتھ موصوف نہ ہوگا تو اُنکے اضداد کے ساتھ موصوف ہوگا۔ رہا ان صفات کو کمالی کہنا تو وہ ہمارے اعتبار سے ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو صفت ہمارے لئے کمال ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی کمال ہو۔ اور اُن چیزوں میں سے جن پر ایمان لانا واجب ہے امرِ ثانی فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔

ایمان بالملائکہ

اور ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے وجود کا قائل ہو۔ لیکن اُن کا وجود ثابت کرنے کے لئے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُنکے وجود پر اجماع ہوچکا ہے اور قرآن اور حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کیونکہ ظاہر قرآن وحدیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں اور ایک لطیف نورانی جسم والے علم میں کامل اور مشکل کاموں کے کرنے پر اور مختلف صورتیں بدلنے پر قادر ہیں۔ نہ نر ہیں نہ مادہ، دن رات اُن کا شغل عبادت ہے اور اُن کا جائے قیام آسمان ہے اور وہ اللہ کی طرف سے رسولوں کے پاس پیغام لاتے ہیں اور وحیِ خداوندی کے امین ہیں جن فرشتوں کے نام کی تصریح ثابت ہے جیسے جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ ان پر تو نام بنام ایمان ہونا واجب ہے اور جن کے نام معلوم نہیں اُن پر اجمالی ایمان واجب ہے۔ اور تیسری چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے، کتابیں ہیں اور اُن پر ایمان

آسمانی کتابوں پر ایمان

لانے کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے کلام اللہ اور رسولوں پر نازل ہونے کا یقین کیا جائے۔ کُل نازل شدہ کتابیں ایک سو چار ہیں جن میں سے دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اور پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر اور تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت ابراھیم علیہ السلام پر اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت اور حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر زبور اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر انجیل اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل ہوا۔

پس جن کتابوں کے نام معیّن ہیں اُن پر نام بنام اور جن کے نام کی تعیین ثابت نہیں ہے اُن پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ چوتھی چیز جس پر ایمان لانا ضروری

انبیاءؑ پر ایمان | ہے، انبیاء پر ایمان لانا ہے۔ اُن پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بیان کرتے ہیں اُن میں اُن کو سچا سمجھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے بندوں کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ اُس کے امر و نہی اور وعدہ و وعید سنائیں، اور ایسے معجزات سے اُن کی تائید کی جو اُن کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی کل تعداد مذکور نہیں ہے بلکہ جن کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے بعض مفسروں نے اُن کی تعداد اٹھائیس شمار کی ہے اور وہ یہ ہیں حضرت آدمؑ اور ادریسؑ وہودؑ وصالحؑ وابراہیمؑ و اسماعیلؑ واسحٰقؑ ویعقوبؑ ویوسفؑ ولوطؑ وموسیٰؑ وہارونؑ وشعیبؑ و زکریاؑ ویحییٰؑ وعیسیٰؑ وداودؑ وسلیمانؑ والیاسؑ والیسعؑ وذوالکفلؑ وایوبؑ ویونسؑ ومحمدؐ اور ذوالقرنینؑ اور عزیرؑ اور لقمانؑ بھی اس قول کی بنا پر جو ان تینوں کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان سب پہ خدا کی طرف سے رحمت اور سلام ہو۔

بعض علماء نے یوں فرمایا ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے بچوں اور عورتوں اور خدمتگاروں کو اُن پیغمبروں کے جن کا خدا نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے نام سکھائیں تاکہ وہ ان سب پر ایمان لائیں اور تصدیق کریں اور اسی خیال پر پڑے نہ رہ جائیں، کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ مکلف کو سب انبیاءؑ پر ایمان لانا ضروری ہے خواہ اُن کا نام قرآن مجید میں مذکور ہو یا نہ ہو۔ ہاں جن کا نام بہ تصریح مذکور ہے اُن پر تو نام بنام اور جن کا نام مذکور نہیں اُن پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔

ایمان بالآخرت | پانچویں چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے روزِ قیامت ہے اور اُسپر ایمان لانے کا یہ مقصد ہے کہ اُن حالاتِ اُخروی پر یقین کیا جائے جن کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل قبر ہے پھر مردہ کا اُس میں زندہ کیا جانا اور نکیرین کا سوال۔

نکیرین دو ہیبت ناک فرشتے ہیں جو قبر میں بندہ کو بٹھلا کر اس کے رب اور مذہب اور پیغمبر کو دریافت کرتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے، اور تیرا مذہب کیا ہے اور تیرے پیغمبر کا کیا نام ہے۔ مرنے کے بعد ان کا سوال سب سے پہلی مصیبت ہے اُس وقت جس کو جواب کی توفیق عطا ہو جاتی ہے اُس کی قبر تو باغ بہشت کا ایک چمن ہوتی ہے اور جسے جواب کی توفیق نہیں ہوتی تو اُس کی قبر دوزخ کا ایک گڑھا بن جاتی ہے۔ پھر جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو

اعمالناموں کا دیا جانا وہاں جب تک اللہ کی مرضی ہوگی ننگے پاؤں ننگے بدن کھڑے رہیں گے اور جب حساب کا وقت آئیگا تو کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے اعمال نامے طلب کیے جائیں گے اس لئے کہ لوگ جب قبروں سے نکلیں گے تو اُن کو اپنے اعمال یاد نہ ہوں گے لہذا اُن کو اُن کے اعمالنامے دیئے جائیں گے کہ اپنے اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں۔ بعضوں کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دئے جائیں گے اور یہ خوش نصیب ہوں گے کیونکہ نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ہونا جنت میں جانے اور دوزخ میں ہمیشہ نہ رہنے کی علامت ہے۔ اور بعضوں کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں یا پسِ پشت سے دئے جائیں گے وہ بدبخت لوگ ہونگے اور جب لوگ اپنے اپنے اعمال سے آگاہ ہو جائیں گے تو پھر اُن سے حساب لیا جائے گا۔ اور جب حساب ہو جائے گا تو اعمال تولنے کے لئے ترازو قائم کی جائے گی

اعمال کا وزن اس لئے کہ حساب سے بندہ کو معلوم ہوگا کہ اُس کے نیک عملوں میں سے کونسا مقبول ہے اور کونسا مردود ہے اور برے کاموں میں سے کونسا بخش دیا گیا اور کس کس پر گرفت ہوگی اور تولنے سے معلوم ہوگا کہ کس عمل پر ثواب ملے گا اور کس عمل پر عذاب اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اعمال صالحہ میں سے جو مقبول ہیں اُن پر کس قدر ثواب ملے گا اور اعمالِ بد کا کس قدر عذاب ہوگا۔ اسی سبب سے ترازو حساب کے بعد کھڑی کی جائے گی اور اور حدیث میں آیا ہے کہ ترازو کا ایک پلہ نور کا ہوگا اور دوسرا تاریکی کا، روشنی کا پلہ تو نیکیوں کے لئے ہوگا اور تاریکی کا پلہ برائیوں کے لئے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ آخرت میں تین

آخرت میں لوگوں کی قسمیں قسم کے لوگ ہوں گے کفار اور خالص پرہیزگار اور مخلوط العمل۔ کفار کا کفر تاریک پلہ میں رکھا جائے گا اور چونکہ اُن کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی کہ دوسرے پلہ میں رکھی جائے اس لئے وہ خالی رہے گا اور اپنے خالی اور ہلکا ہونے کی وجہ سے اونچا ہو جائے گا جسپر اللہ تعالیٰ اُن کو دوزخ میں لے جانے کا حکم دے گا۔ اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جن سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوئے اُن کی نیکیاں نور کے پلے میں رکھی جائیں گی اور اگر اُن سے صغیرہ گناہ ہوئے ہوں گے تو دوسرے پلے میں رکھے جائیں گے لیکن اللہ محض اپنے فضل سے ان چھوٹے گناہوں کو بے وزن کر دیگا اور وہ نور کا پلہ اسقدر بھاری ہو جائے گا کہ زمین سے اُٹھ نہ سکے گا اور تاریک پلہ اس قدر اونچا ہو جائے گا جیسے خالی ہو۔ اور مخلوط الاعمال لوگ جنہوں نے گناہ کبیرہ بھی کئے ہیں اور توبہ بھی نہیں کی ہے اُن کی نیکیاں نور کے پلہ میں اور بدیاں تاریک پلہ میں رکھی جائیں گی اور اُن کے کبیرہ گناہوں میں بھی بوجھ ہوگا پس جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی اگرچہ لیکھ

ہی برابر بھی وہ جنتی ہے اور جس کی بدی بھاری ہو گی اگرچہ لیکھ ہی برابر بھی وہ جہنمی ہے ہاں اگر خدائے تعالیٰ معاف فرما دے یہ اور بات ہے۔ اسلئے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اگر بندہ پہاڑوں کے برابر بھی نیکیاں کرے اور پھر اُس سے کوئی نافرمانی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو اب اختیار ہے چاہے اُس ایک گناہ کی سزا دے کر اُس کی عبادتوں کا ثواب دے اور چاہے یوں ہی بخش دے اور کچھ بھی سزا نہ دے۔

یہ سب باتیں اُس وقت ہیں جبکہ یہ گناہ حق اللہ ہوں۔ لیکن اگر اُسپر حقوق العباد ہیں اور نیکیاں بھی زیادہ ہوں تو حق العباد کے برابر اول اُن نیکیوں کے ثواب میں سے وضع کیا جائے گا اور پھر اگر حقوق العباد کی کثرت کی وجہ سے اگر اُس کی نیکیاں تمام پوری ہو جائیں گی تو اُس پر ان لوگوں کے گناہ لاد دیے جائیں گے جن پر اُس نے ظلم کیا ہے۔ پھر سب کے عوض میں عذاب بھگتے گا اس لئے کہ بعضوں کا قول ہے کہ اگر کسی نے ستر نبیوں کے برابر ثواب حاصل کیا ہو اور اُس پر کوئی نصف دانگ کا دعویٰ دار بھی ہو تو جبتک اُس کو راضی نہ کرلے گا بہشت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ایک دانگ کے عوض میں ستر مقبول نمازوں کا ثواب ضبط کر کے مدعی کو دلایا جائے گا علامہ قشیریؒ نے تحبیر میں اس کا ذکر کیا ہے

اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ قرآن میں صرف پہلی دو قسمیں مذکور ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے وزن کی آیتوں میں صرف زیادہ وزن اور کم وزن والوں کا ذکر فرمایا ہے اور قطعی فیصلہ کر دیا کہ جس کا وزن بھاری ہوگا وہ کامیاب اور اچھے عیش میں ہوگا اور جس کا وزن ہلکا اُترے گا اُس پر کفر کا حکم لگا کر ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم فرمایا ہے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے عمل نیک اور بد ملا جُلا کر کئے ہیں سو اُن کو نبی کریم علیہ السلام نے بیان کر دیا جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ وزن کے بعد پلصراط دوزخ پر قائم کیجائے گی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا ایک سرا میدانِ قیامت میں ہوگا اور دوسرا سرا جنت کی زمین میں اور قیامت کا میدان دوزخ کے اوپر واقع ہو گا اور ساری خلقت اسی پر جمع ہو گی اور آگ اس قدر جوش مارے گی کہ اُس کے کناروں سے لپٹیں اٹھیں گی اور قیامت والوں کو اس طرح گھیر لیں گی کہ پلصراط کے سوا جنت میں جانے کا کوئی راستہ نہ رہے گا اور پلصراط پر چلنے کے سوا کوئی صورت جنت میں جانے کی نہ ہو گی اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور لوگ اُسپر

پلصراط

سے اپنے اپنے اعمال کے موافق گذریں گے۔ بعضے کوندنی بجلی کی طرح گذر جائیں گے اور بعضے تیز آندھی کی طرح، کوئی تیز گھوڑے جیسا کوئی خوب دوڑتا ہوا اور بعضے معمولی چال سے جائیں گے یہاں تک کہ سب سے آخر والا وہ ہوگا کہ گھسٹتا ہوا جائے گا اور کہے گا خدایا تو نے مجھے دیر میں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے نہیں دیر کی بلکہ تیرے اعمال نے دیر لگائی۔ بعضے دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے اپنے پیر کھینچتے ہوں گے۔ بعضے منہ کے بل دوزخ میں گر جائیں گے اور جہنم کے موکل زنجیر دل اور طوق میں اُن کو جکڑ دیں گے اور کہیں گے کیا تجھ کو بُرے کاموں سے منع نہ کیا گیا تھا، کیا تجھ کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا نہ گیا تھا۔

سو اے مسکین اب دنیا میں ذرا اُس وقت کو غور کر جب کہ تو جہنم کو دیکھے گا، اور صراط پہ ہوگا تیری حالت ضعیف اور گناہوں کا بوجھ تیری پیٹھ پر اور ساری خلقت تیرے سامنے کیونکر اُترتی اور دوزخ میں گرتی ہوگی کہ پیر اوپر اور سر نیچے۔ اور آخرت کے دن جو حالات پیش آئیں گے اُن میں سے ایک حوض سے پانی کا پینا بھی ہے۔

حوضِ کوثر اور اُس کے پینے والوں کے احوال

کیونکہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا جس سے وہ اپنی اُمت کو پانی پلائے گا اور ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوض سب سے بڑا ہوگا جس کے گوشے خوب وسیع ہوں گے اور ایک کنارہ سے دوسرا ایک مہینہ کی راہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے حوض کی وسعت ایک مہینے کے سفر کے برابر ہے اور اُس کے گوشے برابر ہیں اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں اور مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور آبخورے اتنے ہوں گے جتنے آسمان میں ستارے۔ جو شخص اُس میں سے ایک بار پانی پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص اُس کا پانی پی لیگا اس کے لئے پیاس کا عذاب کبھی نہ ہوگا۔

لیکن حوض سے ہر وہ شخص واپس کر دیا جائے گا جس نے دین میں تغیر و تبدل کیا ہوگا۔ کیونکہ حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حوضِ کوثر پر میں تمہارا امیر منزل ہوں گا اور جو شخص میرے پاس آئے گا وہ پیئے گا، اور جو پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور یقیناً میرے پاس کچھ لوگ ایسے بھی آئینگے جنکو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے لیکن میرے اور ان کے درمیان حجاب حائل ہو جائے گا اس پر میں کہوں گا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں تو جواب ملیگا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے

بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں کیں۔ تو میں بھی کہوں گا دُور ہو دُور ہو جس نے میرے بعد میری شریعت میں تغیر کیا"۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس وجہ سے پہچان لینگے کہ اُن لوگوں کے ہاتھ منہ وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ چنانچہ حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا حوض برف سے زیادہ سفید اور شہد سے کہیں زیادہ شیریں ہے اور اُن کے برتن ستاروں کی تعداد سے بہت زیادہ ہیں اور میں غیر آدمیوں کو اس طرح روکوں گا جس طرح لوگ غیروں کے اونٹ کو اپنے حوض میں آنے سے روکتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس روز آپ ہم کو پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں تمہاری علامت ایسی ہوگی کہ کسی اُمت کی نہ ہوگی۔ تم لوگ میرے سامنے اس شکل میں آؤ گے کہ تمہارے اعضاء وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کے دن حوض کا ہونا یقینی ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وہ صراط سے پہلے ہے یا اس کے بعد، نیز اعمال تولنے سے پہلے یا بعد کو۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ صراط کے بعد ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ میدان حشر میں ہو تو چاہیئے کہ جو شخص اس میں سے پانی پی لے وہ پھر دوزخ میں نہ جا سکے اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس میں سے پی لیگا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور یہ ثابت ہے کہ بعض گنہگار دوزخ میں جائیں گے پھر اپنے ایمان کے باعث اُس میں سے نکلیں گے تو پھر یہ اس میں سے کیونکر پی سکیں گے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ حوض صراط اور میزان سے پہلے میدان محشر میں ہوگا اس لئے کہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے پیاسے اُٹھیں گے اور اس کا اقتضا یہی ہے کہ حوض ان دونوں سے پہلے ہی ہو۔

حوض کوثر کا محل وقوع

اور بخاریؒ نے ابو ہریرہؓ سے یوں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس اثنا میں کہ میں حوض پر کھڑا ہوں گا یکایک ایک گروہ آئیگا جب میں اُن کو پہچان لوں گا تو میرے اور اُن کے درمیان سے ایک شخص نکلے گا اور اس گروہ سے کہے گا چلو، میں کہوں گا، کدھر۔ تو وہ جواب دیگا کہ بخدا دوزخ کو، میں پوچھوں گا کیوں ان کی حالت کیا ہے۔ وہ کہے گا یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور اُلٹے پاؤں پس پشت رجعت کی تھی۔ اتنے میں ایک اور گروہ آجائیگا جب میں اُن کو پہچان لونگا تو پھر میرے اور اُن کے درمیان ایک شخص آجائیگا اور اُن لوگوں سے بھی کہے گا کہ چلو، میں پوچھوں گا کدھر، تو کہیگا خدا کی قسم دوزخ میں، پھر میں پوچھوں گا کہ ان کی کیا حالت ہے۔ وہ کہے

گا بہ مرتد ہو گئے تھے تو ان میں سے کوئی مجھے بچتا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر شاید کوئی گم شدہ اونٹ کیطرح بچ جائے"۔ یعنی اس میں سے نجات پانیوالے مثل اونٹ گم شدہ کے تھوڑے ہی ہوں گے اس لئے کہ لفظ ہمل بفتحین ہامل کی جمع ہے اور ہامل گم شدہ اونٹ کو کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی اپنے تذکرے میں اپنے استاد کا قول یوں نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس امر کی قوی دلیل ہے کہ حوض کوثر میدان حشر میں صراط سے پہلے ہوگا اس لئے کہ صراط دوزخ پر کھینچا ہوگا جس پر سے گذرنے والے گذریں گے جو گذر جائے گا وہ دوزخ سے بچ جائیگا پھر وہ ادھر کبھی لوٹ کر نہ آئے گا اس صورت میں اس کو پانی پینے کیلئے حوض پر بلانا کیونکر ممکن ہوگا۔ اسی طرح اور انبیاء کے حوض بھی میدان حشر میں ہوں گے

میدان حشر میں انبیاء کے حوض | اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ آیا میدان حشر میں پانی بھی ملیگا آپ نے فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وہاں پانی ملیگا اور اللہ کے دوست انبیائ کے حوضوں پر پانی پینے کو آئیں گے اور خداوند عالم ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جن کے ہاتھوں میں عصائے آتشیں ہوں گے جن سے وہ کفار کو حوضوں کے پاس سے ہٹائیں گے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائ کے حوض میدان حشر میں ہونگے اور اس سے لازم آیا کہ ہمارے نبیؐ کا حوض بھی میدان حشر ہی میں ہوگا۔

یہ اعتراض کہ اگر میدان حشر میں ہو تو چاہیئے کہ جو شخص اس میں سے پانی پی لے وہ دوزخ میں نہ جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ والوں میں سے جو شخص اس حوض سے پانی پیئے گا اگر وہ مشیت الہٰی سے دوزخ میں داخل بھی ہوگا تو اس کو پیاس کا عذاب نہیں ہوگا اور آگ اس کے پیٹ کو نہ جلائے گی اور وہ لوگ جنہوں نے مذہب کو تغیر و تبدل کیا اور نئی باتیں پیدا کیں جو شریعت اسلامیہ میں نہیں تھیں، تو اگر تبدل و تغیر صرف اعمال میں ہو اعتقادات میں نہ ہو تو یہ لوگ پہلے تو حوض سے ہٹائے جائیں گے لیکن بعد از مغفرت ان کو پھر پانی پینے کا موقع دیا جائیگا۔ اور اگر تغیر و تبدل اعتقاد میں ہو تو ان کے دائمی دوزخی ہونے میں اختلاف ہے، لیکن یہ امر قطعاً معلوم ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ صرف کافر ہی رہیں گے۔ اور یہ تو پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ حوض سے ہنکاتے ہوئے

دوزخ سے ہنکائے ہوئے لوگ | لوگ کئی قسم کے ہوں گے ایک منافق جو ایمان ظاہر تو کرتے ہیں لیکن دلوں سے پوشیدہ طور پر کافر ہیں۔ دوسرے کفار، تیسرے بدعتی اور ہواپرست اور کھلم کھلا گناہ کبیرہ کرنے اور بدکا جاننے والے اور ظالم اور ان کے مددگار۔

چنانچہ حضرت کعبؓ ابن عجرہ سے روایت ہے کہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا اے کعب ابن عجرہ تجھ پر اُن امیروں سے خدا کی پناہ رہے جو میرے بعد ہونگے اسلئے کہ جو شخص اُن کے دروازہ پڑا رہا اور اُن کے جھوٹ میں اُن کی تصدیق کی اور اُنکے ظلم میں اُن کا مددگار ہوا تو نہ وہ میرا ہے اور نہ میں اُس کا اور نہ وہ حوض پر آسکے گا اور جو شخص نہ اُن کے دروازہ پہ پڑا رہا اور اُن کی جھوٹی باتوں کی تصدیق کی اور نہ اُن کے ظلم پر اُن کی مدد کی تو وہ میرا ہے اور میں اُس کا اور وہ حوض پر بھی آئے گا" خداوندا ہمارے لئے حوض پر جانا آسان کیجیو اور دوزخ سے نجات دلائیو۔ اور چھٹی شئے جس پر ایمان لانا واجب ہے تقدیر پر ایمان لانا ہے اور اُس پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اِس بات پر یقین کرے کہ بھلائی اور برائی اور نفع اور ضرر اور کفر و اسلام اور عبادت و عصیان اور نفع و نقصان اور ارادہ اور خیالاتِ نفسانی اور حرکات و سکنات جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے سب اللہ کے قضاء و قدر سے ہوتا ہے۔

قضاء اور تقدیر پر ایمان

اور اس بنا پر چاہیے تھا کہ حدیث میں قضا پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہوتا لیکن اُس کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ تقدیر پر ایمان لانے کو قضا پر ایمان لانا لازم ہے اس لیے کہ تمام موجودات کے لوحِ محفوظ میں اجمالاً مذکور ہونے کا نام قضا ہے اور قضاءِ سابق کی تفصیل کا نام تقدیر ہے اس طرح کہ تمام موجودات مادۂ خارجی میں ایک ایک کرکے پیدا کئے جائیں گے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ قضا تو ارادۂ قدیم اور مقصودِ الٰہی کا نام ہے جس سے موجودات کا انتظام ایک خاص ترتیب سے ہوتا ہے اور تقدیر اُسی ارادہ کا تمام اشیاء کے ساتھ اُن کی اوقاتِ مخصوصہ میں متعلق ہونے کو کہتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ سورۂ یوسف کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ جاننے کی بات ہے کہ انسان کو اس عالم میں اسباب کی رعایت رکھنے کا حکم ہے کیونکہ اس کو اکثری طور پر یہی حکم ہے کہ مہلک چیزوں اور مضر غذاؤں سے بچتا رہے اور حتی الامکان منفعت اور دفع مضرت کیلئے کوشاں رہے اس کے ساتھ ہی اُس کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیئے کہ مجھکو وہی ملیگا جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھا ہے اور وہی حاصل ہوگا جو اللہ میرے لئے چاہیگا حضرت یعقوبؑ نے جو اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے اندر جانا یہ اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ اس عالم میں اسباب ظاہری کالحاظ ضروری ہے اور پھر اُن کا یہ فرمانا کہ میں تم کو اللہ کی کسی چیز سے بچا نہیں سکتا

خالص توحید اور ظاہری اسباب پر دل سے توجہ نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کی کتاب شکر میں ایک سوال ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں ورنہ ہم برے ہیں اور نافرمانی کا ہم پر عذاب ہوگا حالانکہ اطاعت و نافرمانی سب اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے تو پھر ہماری یہ مذمت اور ہم پر عذاب کیوں ہوگا؟

پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یہ دھمکی اللہ کی طرف سے اس لئے ہے کہ ہم کو اعتقاد حاصل ہو اور اعتقاد حاصل ہونے سے خوف کا غلبہ حاصل ہوتا ہے اور خوف کی وجہ سے انسان بری خواہشیں چھوڑ دیتا ہے اور جب بری خواہشیں چھوٹ جاتی ہیں تو اللہ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب اور ان کا ترتیب دینے والا ہے۔ جس کی قسمت میں ازل سے سعادت لکھی ہوئی ہے اس کو اس کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں، اور انہی اسباب کا سلسلہ اس کو نیکی کی طرف لیجاتا ہے اور جس کی قسمت میں سعادت مقدر نہیں ہے تو وہ شروع ہی سے اللہ و رسول اور علماء کی بات سننے سے دور بھاگتا ہے اور جب نہ سنے گا تو کیا جانے گا اور جب نہ جانے گا تو کیا خوف ہوگا اور جب خوف خدا نہ ہوگا تو دنیا کی رغبت اور اس کی بری خواہشیں نہ چھوڑیں گی اور جب دنیا کی رغبت اور اس کی بے جا خواہشیں ترک نہ ہوں گی تو شیطان کے گروہ میں داخل ہوگا اور ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔

آٹھویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع اور نافرمان کے بیان میں کہ ان میں سے کون جنت میں جائیگا اور کون نہ جائیگا

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری کل امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو خود نہ چاہے۔ لوگوں نے پوچھا یا حضرتؐ خود نہ چاہنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا، اس طرح کہ جو شخص میری اطاعت کریگا وہ جنتی ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے گا گویا اس نے خود نہ چاہا۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اسکے راوی ہیں۔ اس حدیث میں امت سے مراد شاید امت دعوت ہے اور اس بنا پر منکر سے مراد کافر ہی ہونگے تو اب حدیث کے یہ معنے ہوں گے کہ جو شخص ان احکام

امت محمدیؐ سے مراد

پر ایمان لائے گا جن کو میں اللہ کیطرف سے لایا ہوں تو وہ جنت میں جائے گا خواہ عذاب جہنم سے پہلے یا اُس سے نکلکر، اور جو شخص منکر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے احکام پر ایمان نہ لائے گا وہ ہرگز جنت میں نہ جانے پائیگا بلکہ ابدالآباد تک دوزخ ہی میں رہیگا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت ہو اور اس صورت میں منکر سے مراد گنہگاران اُمت محمدی ہونگے۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ جس نے مجھ پر ایمان لانے کے بعد میری اطاعت کی اور میری سُنت پر عمل کیا اور میری شریعت کی پیروی کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور دوزخ سے بالکل محفوظ رہیگا اور جو شخص مجھ پہ ایمان لانے کے بعد نافرمان ہوگیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چاہے تو معاف کر کے بلاعذاب کے جنت میں لیجائے اور چاہے دوزخ میں داخل کرکے بقدر گناہ عذاب دے کر جنت میں داخل کرے۔

حاصل یہ کہ جس نے اپنے مولا کی فرمانبرداری کی اور اپنے نفس اور خواہش نفسانی کو روکا اور شیطان اور دنیائے دنی کی مخالفت کی تو اس کا گھر اور ٹھکانا جنت ہے اور جو نفس کجروی و نافرمانی کیطرف بڑھتا اور اپنی نافرمانی کی باگ دنیا میں ڈھیلی کرتا رہا اور اپنی خواہش نفس اور لذت و شہوت میں پڑ گیا تو اُس کے لئے دوزخ ہی مناسب ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس جس نے نافرمانی کی اور دنیا کو اختیار کیا تو اُس کا ٹھکانا بہشت ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں شقی کے سوا کوئی نہ جائے گا۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ شقی کون ہے آپ نے فرمایا جس نے خدا کے لئے عبادت نہ کی اور نہ اُس کے خوف سے گناہ کو ترک کیا وہی شقی ہے۔

عاقل اور نادان اور آخرت کا پچھتاوا | اور شداد بن اوس سے روایت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عاقل وہ ہے جس نے اپنے نفس کو ذلیل رکھا اور آخرت کے لئے کچھ کرلیا۔ اور عاجز اور نادان وہ ہے کہ جس کا نفس بُری خواہشوں کے تابع ہوگیا اور اللہ سے بے جا تمنا رکھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کر کے فرمان الٰہی کے تابع کردے اور دنیا میں اُس سے اپنے اعمال کا اس سے پہلے کہ آخرت میں حساب ہو حساب لیا کرے۔ پس اگر دیکھے کہ اُس نے اچھے کام کئے ہیں تو اللہ کا شکر کرے اور اگر دیکھے کہ اُس نے بُرے کام کئے ہیں تو توبہ کرے اور اللہ سے بخشش چاہے اور اپنی عمر کے ضائع ہو جانے پر افسوس کرے اور

آئندہ اپنی عاقبت درست کرنے کیلئے مستعد ہو جائے یعنی نیک کاموں کیطرف متوجہ ہو اور اپنی پچھلی لغزشوں سے بیزار ہو اور ہر حال میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور یہی توشۂ آخرت ہے۔ اور احمق وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے حکم میں کوتاہی کرے اور اپنی خواہشِ نفسانی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہے اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوتاہی کرتا ہے اور خواہش نفسانی کے تابع ہے پھر بھی اللہ سے بے جا آرزو کرے اور یہی دھوکا ہے اس لئے کہ خدا نے اوّل امر و نہی ذکر کر کے پھر یہ بھی فرمایا کہ انسان کے لئے وُہی ہے جو اُس نے کوشش کی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو مرنے کے بعد نہ پچھتائے۔ لوگوں نے عرض کیا ندامت کیا ہو گی آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نیکوکار ہے تو وہ یوں پچھتائے گا کہ میں نے اور نیکیاں کیوں نہ کیں اور اگر بدکار ہے تو اُس کو یہ ندامت ہو گی کہ بُرے کاموں سے کیوں باز نہ رہا۔ پس اے عاقل اپنی عمر کو غفلت میں ضائع نہ کر اور آخرت کا سامان مہیا کرنے میں کوشش کر اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جبکہ تو سامان کی تحصیل پر قادر نہ ہو گا اور وہ دن تو بہت جلد دیکھے گا اور اپنی عمر ضائع ہونے پر پچھتائے گا لیکن اُس وقت پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

امام غزالیؒ اپنے رسالہ ایہا الولد میں لکھتے ہیں کہ "میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ مردہ سے اتنے ہی عرصہ میں کہ چارپائی پر رکھ کر قبر کے کنارے رکھا جائے اللہ تعالےٰ اُس سے اپنی بڑائی کی وجہ سے چالیس سوال کرتا ہے پہلے یہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تُو نے اپنے ظاہری جسم کو تو لوگوں کے دکھانے کیلئے برسوں پاک و صاف کیا لیکن جس پر میری نظر ہے یعنی دل اس کو ایک لحظہ بھی پاک نہ کیا کیونکہ اللہ ہر روز تمہارے دل کیطرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو غیروں سے کیا اُلجھا ہوا ہے حالانکہ تو میری بھلائی سے گھرا ہوا ہے کیا تو بہرا ہے جو نہیں سُنتا۔"

اور ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ "اگر سمجھدار اپنی باقی عمر اس فوت شدہ عمر پر جس میں اُس نے کچھ عبادت نہیں کی توبہ و بکا نہ کرے تو یہ ایسی بات ہے کہ اس پر اسکو مرتے دم تک رنجیدہ رہنا چاہیئے۔"

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ "یہ اسلئے کہا ہے کہ عاقل کے پاس اگر کوئی قیمتی موتی ہو اور وہ بے فائدہ تلف ہو جائے تو وہ اُس پر ضرور روتا ہے اور اگر موتی ضائع ہو جائے اور اُس کا ضائع ہونا اُس کی تباہی کا سبب بھی ہو تو وہ اور بھی پھوٹ پھوٹ کر روئیگا۔ پس عمر کی

ہر گھڑی بلکہ ہر ہر سانس ایک ایسا نفیس جوہر ہے جس کا عوض اور بدل نہیں کیونکہ وہ اس قابل ہے جس سے تم سعادتِ ابدی تک پہنچ سکتے ہو اور دائمی بدبختی سے بچ سکتے ہو تو پھر اس جوہر سے زیادہ نفیس کونسا جوہر ہوگا۔" پس اگر تم نے اس کو غفلت اور گناہوں میں صرف کیا تو تم نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا اور کھلی ہوئی تباہی میں پڑ گئے اور پھر اس پر بھی تم اگر اس گناہ پر نہ روئے تو یہ تمہاری سخت نادانی ہے اور تمہاری یہ مصیبت تمہاری نادانی کی وجہ سے نہایت عظیم الشان مصیبت ہے لیکن جہالت خود ایک ایسی مصیبت ہے کہ مصیبت زدہ اس کو مصیبت نہیں سمجھتا کیونکہ غفلت کی نیند حائل ہو کر اس کو سمجھنے نہیں دیتی اور لوگوں کی یہ زندگی نہیں ہے نیند ہے۔ جب مریں گے اسوقت ہوش آئے گا اور پھر ہر مفلس کو اپنا افلاس اور ہر مصیبت زدہ کو اپنی مصیبت معلوم ہوجائیگی کیونکہ آخرت میں لوگ کئی قسم کے ہوں گے۔

آخرت میں لوگ کئی قسم کے ہونگے

پہلی قسم کے تو وہ لوگ ہیں جو بامراد ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی شان میں خداوند عالم یوں ارشاد فرماتا ہے "کسی شخص کو نہیں معلوم کہ اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے اُن کی نیکوکاریوں کے بدلے میں کیا کیا سامان پوشیدہ طور پر کیا گیا ہے"۔ حضور علیہ السلام اللہ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ سامان کئے ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا ہے نہ کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی آدمی کو اُن کا وہم ہوا ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو ہلاک ہونے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا اور اُس کی تصدیق نہیں کی کیونکہ سعادتِ اُخروی صرف قربِ الٰہی اور اُسکے دیدار ہی میں ہے اور یہ باتیں معرفت کے بغیر جس کو ایمان اور تصدیق کہتے ہیں حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اور چونکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اُس پر ایمان نہ لائے اس لئے اس سعادت سے دُور ہوگئے اور وہ اُس دن اپنے رب سے پوشیدہ ہوں گے اور جو محجوب ہوگا وہ تباہ ہوگا اور ابد الآباد تک اُس پر جدائی اور جہنم کا عذاب ہوتا رہے گا۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر عذاب ہوگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان تو لائے لیکن مقتضائے ایمان کی طرح عمل نہیں کئے۔ اسلئے کہ اصل ایمان توحید یعنی شرک کا دُور کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد کرے کہ اللہ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں یکتا ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اُسی کے علم اور ارادے اور پیدا کرنے سے ہوتا ہے۔ اور اُس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے اس بنا پر ہر وہ شخص جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی ذات اور صفات اور افعال

میں یکتا ہے اور عالم میں جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ اُسی کے علم اور ارادہ اور پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور میں نے اُس کی عبادت اپنے ذمہ کر لی اور صرف اُسی کی عبادت کروں گا۔ پس اس اقرار کے بعد جس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی اُس نے گویا اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود قرار دے لیا اور وہ فقط زبانی موحد رہ گیا اور جب تک اس اقرار پر استقامت نہ اختیار کرے توحید کامل نہیں ہوتی اور جو شخص اس پر قائم رہا اگرچہ ادنیٰ امر ہی میں ہو بلکہ اپنے نفس کی پیروی کرنے لگا ہو خواہ چھوٹے سے کام ہی میں ہو وہ سیدھی راہ سے نکل گیا اور سیدھی راہ سے نکل جانا توحید میں بٹا لگانا ہے

آخرت میں گنہگاروں کی نجات اور چونکہ غالباً کوئی آدمی اس سے بچا ہوا نہیں اسلئے خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُس پر نہ گذرے پس ہر شخص کا دوزخ پر گذرنا تو یقینی ہوا ہاں شک صرف اس بات میں رہا کہ اُس سے نجات کس کس کو ہوگی۔ بعض حدیثوں کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ سے سب سے آخر میں جو شخص نکلیگا وہ سات ہزار برس کے بعد نکلیگا اور بعضے اُس پر سے چمکتی بجلی کی طرح گذر جائیں گے اور انہیں بالکل نہ ٹھہریں گے اور بعضے اُس میں ایک لحظہ ٹھہریں گے اور ایک لحظہ اور سات ہزار برس میں کئی مختلف درجات حائل ہیں جیسے دن، ہفتہ، مہینہ، سال دو سال۔

اور باقی تمام عدد رہا سختی سزا کا اختلاف، تو عذاب کے اعلیٰ درجہ کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ ہاں سب سے ادنیٰ درجہ حساب فہمی کی گرفت کا عذاب ہے۔ کیونکہ آخرت کے عذاب و ثواب کا تفاوت ایمان کے قوت و ضعف اور عبادت کی کمی و زیادتی اور گناہوں کی کمی و بیشی کے لحاظ سے ہوگا اور اُس کی دلیل بارشادِ الٰہی قرآن مجید میں اس طرح ہے۔ "آج جس نے جو کیا ہے اُس کا بدلہ پائے گا کسی پر آج ظلم نہ ہوگا" اور دوسری جگہ یُوں فرماتا ہے "آدمی کو وہی ملے گا جو اُس نے کیا ہے"۔ پھر یوں ارشاد ہوا "جس نے ذرّہ بھر بھلائی کی اُس کے آگے آئے گی اور جس نے ذرّہ برابر بُرائی کی ہے وہ اُس کے آگے آئے گی"۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں قرآن و حدیث میں اس مضمون کی وارد ہیں کہ ثواب اور عذاب سب اپنے اپنے اعمال کی جزا ہے۔

پس اس بنا پر جس نے اپنے ایمان کی جڑ مضبوط کر لی اور تمام فرائض یعنی اسلام کے پانچوں ارکان اچھی طرح ادا کئے یعنی کلمۂ شہادت پڑھا نماز پڑھی زکوٰۃ دی اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کیا اور کبیرہ گناہوں سے بچا اور صرف چند چھوٹے چھوٹے گناہ اُس سے ہوئے اور اُن پر بھی اصرار نہ کیا اور گناہ کبیرہ کرنے اور چھوٹے گناہوں

اصرار کرنے کا ادنیٰ مطلب یہ ہے کہ کثرت سے اُن میں مبتلا رہے۔ خواہ وہ گناہ ایک قسم کے ہوں یا مختلف قسم کے، تو غالب یہ ہے کہ ایسے شخص کا عذاب صرف حساب و کتاب میں سختی ہی سے ہو اور حساب کے بعد اُس کی نیکیاں برائیوں پر غالب آجائیں۔ اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ "پنجوقتی نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اُن گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوں بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور اسی طرح کبیرہ گناہوں سے بچنے سے بھی صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں قرآن مجید میں صاف صاف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو چھوٹے گناہ ہم خود مٹا دیں گے"۔ اور کفارہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر حساب موقوف نہ ہو تو کم از کم یہ کہ عذاب دور کرایا جائے اور جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ اُن لوگوں میں سے ہوگا جن کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ بھاری ہوں گی اور جو خاطر خواہ عیش میں رہیں گے اور یہ اُس شخص کا حال ہوگا جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا رہا اور تمام فرائض ادا کرتا رہا اور جس شخص نے کچھ گناہ کبیرہ کئے اور کچھ فرائض بھی ترک کئے ہیں تو اگر اس نے موت سے پہلے دل سے توبہ کرلی ہے تو اُن لوگوں میں شامل ہو جائے گا جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا اسلئے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں یا دُھلا ہوا کپڑا اس کپڑے کے ساتھ جو ابھی میلا ہی نہیں ہوا۔ اور اگر توبہ نہیں کی اور بغیر توبہ کئے مرگیا تو اُس کی حالت مرنے کے وقت خطرہ سے خالی نہیں اسلئے کہ اکثر اوقات آدمی اصرار گناہ کے خیال پر مرتا ہے جس سے ایمان جاتا رہتا ہے اس کا انجام بد ہے اور وہ ابدالآباد تک جہنم میں رہے گا اور اگر اس کا خاتمہ اچھا ہوا اور ایمان پر مرا تو اگر خدا اس کے گناہ معاف نہ کرے تو اس کو سختیٔ حساب سے زیادہ عذاب بھگتنا ہوگا۔ عذاب میں زیادتی زیادہ دیر تک عذاب میں مبتلا رہنے کے لحاظ سے کثرتِ اصرار کی وجہ سے ہوگی اور عذاب میں سختی گناہوں کی بُرائی کے اعتبار سے ہوگی (یعنی جتنا ہی زیادہ گناہ بُرا ہوگا اُسی قدر عذاب سخت ہوگا) اور عذاب کا اختلاف نوعیت گناہوں کے اختلاف نوع کے اعتبار سے ہو عذاب کی مختلف نوعیتیں | گا (یعنی جس قسم کا گناہ ہوگا اُسی طرح کا عذاب ہوگا جیسا کہ خود قرآن شریف میں مذکور ہے کہ "جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے اُن کا سونا چاندی گرم کرکے داغا جائیگا" یا حدیث شریف میں ہے کہ "جن کے پاس اونٹ ہوں گے اور وہ زکوٰۃ نہ دینگے تو وہ اونٹ اُن کو روندیں گے الیٰ آخر الحدیث" اور عذاب کی مدت ختم ہوجانے کے بعد وہ اُن لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دئے گئے۔

تھے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے آخر میں جو شخص دوزخ سے نکلے گا اُس کو ساری دُنیا سے دس گنا سامان بخشا جائے گا اور موحّد کے سوا دوزخ سے کسی کو رہائی نہ ہوگی اور موحّد اس کو نہیں کہتے جو صرف زبانی لا الٰہ الا اللہ کہے اس لئے کہ زبان اس جہان کی چیز ہے جس کو عالمِ ملک و شہادت کہتے ہیں اس لئے زبان سے کہنے کا فائدہ صرف اسی عالم تک ہے یعنی اُس کی وجہ سے مسلمان اُس کی گردن پر تلوار نہ ماریں گے اور غنیمت والے اُس کا مال نہ لوٹیں گے لیکن یہ گردن اور مال صرف اسی عالم تک ہیں اور جب یہی نہ رہیں گے تو زبان سے کہنا بھی مفید نہ ہوگا بلکہ توحید کو سچے دل سے ماننا وہاں مفید ہوگا اور توحید کا کمال تو یہ ہے کہ احکام شریعت کی پابندی اور ممنوعات سے بچنے میں استقامت اختیار کرے اور استقامت نہیں حاصل ہوتی تاوقتیکہ دل سے شک دُور ہو کر یقین غالب نہ ہو جائے۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں اس بات کا یقین ہو جائے کہ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کے سامنے آئے گی اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے وہ اُس کے سامنے آئے گی تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس سے جہانتک بنے گا عبادتیں کرے گا اور ہر چھوٹی بڑی عبادت کی حفاظت کریگا اور گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ دیگا اور چھوٹے بڑے تھوڑے بہت سب گناہوں سے بچتا رہیگا اور یہی ایمان حقیقی اور توحید یقینی ہے۔

یقینی اور حقیقی توحید

اس توحید میں بھی لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں بعض کی توحید پہاڑوں کے برابر ہے اور بعض کی دینار کے برابر ہے اور بعض کی توحید رائی کے دانہ اور ذرہ کے برابر ہوگی۔ پس جس شخص کے دل میں دینار کے برابر ایمان ہے دوزخ سے سب سے پہلے وہی نکلے گا اور سب سے آخر میں وہ نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

اور اکثر موحدین محض اُن ظلموں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے جو اُنہوں نے لوگوں پر کئے ہوں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک بندہ اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اُس کی نیکیاں پہاڑوں کے برابر ہوں گے اگر وہ سب اس کو مل جائیں تو اُس کے جنتی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ پھر مظلوم لوگ کھڑے ہونگے کسی کو اُسنے گالی دی تھی کسی کو مارا تھا کسی سے بیگار لی تھی کسی کا مال چھین لیا تھا پھر اُن میں سے ہر ایک کو اُس کی نیکیاں تقسیم ہونی شروع ہونگی یہانتک کہ اُس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہ رہے گی اُس وقت فرشتے کہیں گے خداوند اس کی نیکیاں تو سب ختم ہوگئیں اور مدعی بہت

بانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان کے گناہ اس کے گناہوں پر لادتے جاؤ اور اُس کے لیے ایک دروازہ دوزخ کا کھول دو اور جسطرح ظالم دوسرے کے عوض میں بطریق قصاص مارا جاتا ہے اسیطرح مظلوم ظالم کی نیکیوں کے ذریعہ سے نجات پا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ظلموں کے عوض میں اس کی نیکی مظلوم کو مل جاتی ہے۔" جب یہ بات قرار پائی تو ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے

محاسبۂ نفس

نفس کا حساب سمجھنے میں جلدی کرتا رہے جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "اپنے نفس سے اُس روز سے پہلے حساب لیتے رہو جس دن تمسے لیا جائیگا اور اپنے نفسوں کو قبل اس کے کہ تم تولے جاؤ تولتے رہو اسلئے کہ اگر تم بالفعل اپنا حساب خود لیتے رہوگے اور اپنے اعمال کو سب سے بڑی پیشی کے لئے تولتے رہوگے تو کل قیامت کے دن کا حساب تم پر آسان ہو جائے گا اور سب باتیں پیش کرسکوگے اور تم پر کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔"

اور محاسبۂ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے حال پر غور کیا کرے کہ آیا مجھ پر اللہ کا یا بندہ کا کوئی حق تو نہیں ہے۔ پھر اللہ کے فرائض میں سے جو باقی رہ گیا ہو اُس کو ادا کرے اور بندوں کا حق ایک ایک پیسہ ادا کردے اور جس کو اپنے ہاتھ سے یا دل سے یا زبان سے تکلیف دی ہو، دل سے ستانے کا یہ مطلب ہے کہ کسی کیطرف بدگمانی کی ہو تو اُس سے معافی مانگ لے اور ان کا دل خوش کردے یہاں تک کہ جب مرے تو اُس پر اللہ یا بندے کا کوئی حق باقی نہ ہو اور جنت میں بے حساب چلا جائے۔

خدایا اپنے فضل سے ہم پر آسانی کیجیو۔

نویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی، تمام آپ کے لائے ہوئے احکام کے بیان میں اور اُسمیں ایک تحقیق ہے

خواہش نفسانی کی پیروی اور اُس کے نتائج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سے ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی مرضی کو میرے حکم کے تابع نہ کردے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی نفسانی خواہشوں کی مخالفت اور حق کی پیروی نہ کرے اور اپنے ہوا و ہوس کو حق پر غالب نہ ہونے دے بلکہ وہ حق جس کو میں لایا ہوں ہوا و ہوس پر غالب ہو۔ کیونکہ جو شخص

اپنے نفس کی خواہش پر عمل کرتا ہے تو اس کا نفس جس بات کو چاہتا ہے وہ اسی کو کرنے لگتا ہے اور اپنے مولیٰ کی مخالفت کرتا ہے اور اپنے ہوا و ہوس کا ایسا تابع ہو جاتا ہے کہ گویا انہی کو معبود بنا کر پوجتا ہے اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "آسمان کے نیچے ہوائے نفس سے زیادہ بُرا اللہ کے نزدیک کوئی معبود نہیں ہے" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "سب سے بڑا معبود زمین پر اللہ کے نزدیک ہوائے نفس ہے"۔

اور فی الواقع جو شخص ذرا بھی غور کرے اس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جو بتوں کو پوجتا ہے وہ درحقیقت بتوں کو نہیں پوجتا بلکہ اپنے ہوائے نفس ہی کو پوجتا ہے کیونکہ اس کا نفس اپنے آبائی دین کی طرف مائل ہے اور وہ اسی میل کا پیرو ہے جسکو خواہش نفس کہتے ہیں اسلئے کہ اہلِ ہوا کی عادت ہے کہ جو بات اُن کی خواہش نفس کے موافق ہو اُسی کو اچھا سمجھتے ہیں اگرچہ وہ تمام بُرائیوں اور وبالوں کا سبب بن جائے اور جو بات اُن کے ہوائے نفس کے خلاف ہو اُس کو بُرا جانتے ہیں اگرچہ اس میں اُن کیلئے بھلائی ہی بھلائی ہو۔

پس سعید وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کے خلاف اپنے مولیٰ کی اطاعت کرے اور شقی وہ ہے جو اپنے مولا کے خلاف اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہوتا ہے اسلئے کہ جو شخص اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے تو وہ ایسے کام کرتا ہے جو مضر ہوتے ہیں اور جس سے اُس کا حال اور مآل دونوں تباہ ہو جاتے ہیں اور اُسکی اُس کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو اپنی حماقت سے موجودہ لذت کو جو رہنے والی نہیں ہے اُن بڑے بڑے عذابوں پر ترجیح دیتا ہے جن کی انتہا نہیں ہے اور اپنے اندھے پن اور شدتِ حماقت سے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے خوب مزے اُڑائے لیکن احمق یہ نہیں جانتا کہ وہ دنیا سے جس دن نکلے گا اُس وقت معلوم ہوگا کہ اُس نے کچھ بھی لطف نہیں اُٹھایا نہ دنیاوی لذتوں سے نہ آخرت کی نعمتوں سے، بلکہ اُس نے اپنے نفس کی اُن چیزوں میں پیروی کی جو کسی شمار میں نہیں کیونکہ دنیا کی لذتیں تو اُس سے جاتی رہیں گی اور آخرت کی لذتوں تک اُس کی رسائی نہ ہو سکے گی اُس وقت پھر پچھتائے گا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "قرآن میں ہوائے نفس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے جس جگہ بھی کیا ہے ہمیشہ برائی سے کیا ہے ایک جگہ فرماتا ہے" بلکہ ظالم لوگوں نے اپنی اپنی خواہشوں کی پیروی بے جانے بُوجھے کی"۔ دوسری جگہ فرماتا ہے" اور بہتیرے لوگ

بے جانے بوجھے اپنی ہوائے نفس کے سبب سے گمراہ کرتے ہیں"۔ دوسری جگہ فرماتا ہے" اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کی راہ کے سوا اپنے نفس کی خواہش پر چلتا ہے"۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ خواہش نفس کی پیروی اکثر امر حق کی بے علمی سے ہوتی ہے لہٰذا مومن کے لئے ضروری ہے کہ حق کو پہچانے اور باطل سے

حق و باطل کی پہچان اور سعادتمند اور بدبخت لوگ

اس کو تمیز کرے کے اس پر عمل کرے اور باطل پر اس کو ترجیح دے۔ کیونکہ جو شخص حق کو نہ پہچانے تو وہ گمراہ ہے اور جو شخص حق کو پہچان کر غیر حق کو ترجیح دے تو اس پر خدا کا غضب ہے اور جو حق کو پہچانے اور اس پر عمل بھی کرے تو اس پر خدا کا انعام ہے۔

اور خدا نے ہم کو حکم بھی دیا ہے کہ ہم اس سے دن رات میں کئی بار اس بات کی دعا مانگا کریں کہ ہم کو ان لوگوں کا راستہ دکھلائیے جن پر اس کا انعام ہے۔ نہ ان لوگوں کا جن پر اس کا غضب ہے اور نہ گمراہوں کا۔ اور اسی کے ضمن میں یہ بھی بیان فرما دیا، کہ سعادتمند وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچانکر اس کی پیروی کی اور ہدایت پانے والوں میں شمار ہوئے اور بدبخت وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو نہ پہچانا بلکہ اس سے ناواقف رہے اور اس سے نکل کر گمراہ ہوگئے ہیں یا حق کو پہچان تو لیا لیکن اس کی مخالفت کر کے عمل نہ کیا اور غیر حق کی پیروی کر کے خدا کے غضب میں آگئے۔

اور حدیث میں ثابت ہے کہ مغضوب علیہم تو یہودی ہیں اور گمراہ نصاریٰ اور یہود کو صرف مغضوب اور نصاریٰ کو صرف گمراہ فرمانا حالانکہ ان میں سے ہر ایک گمراہ اور مغضوب ہے اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو بلحاظ غلبۂ جہل و عناد کے ایک ایک چیز سے خصوصیت ہے۔ چونکہ یہود اہل عناد تھے اس لئے ان کو غضب سے خصوصیت ہے اور چونکہ نصاریٰ اہل جہالت تھے اسلئے وہ گمراہی سے خصوصیت رکھتے ہیں۔

اسی لئے سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے جو شخص بگڑ جائے وہ یہودیوں سے مشابہ ہے اسلئے کہ یہود نے جان بوجھ کر پیروی نہیں کی بلکہ اس سے منہ پھیر لیا اور خدا کے غضب میں مبتلا ہوگئے اور ہم میں کا جو عابد بگڑ جاتے تو وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے اسلئے کہ نصاریٰ نے حق کو پہچانا ہی نہیں اس سے ناواقف رہنے کی وجہ سے گمراہ بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو ثواب کا اور گناہ کو عذاب کا سبب قرار دیا ہے۔

پس جو شخص ثواب کا آرزومند ہے اور عذاب سے ڈرتا ہے تو اسکو ضروری ہے کہ عبادت اور گناہ کو معلوم کرے تاکہ عبادت کر کے ثواب پائے اور گناہ سے بچکر

عذاب سے چھوٹے۔ اس لئے کہ جو شخص ان دونوں باتوں کو معلوم نہ کریگا اور نہ ان دونوں میں فرق کر سکے گا وہ بڑے خسارہ میں رہیگا۔ اور یہ اس لئے کہ انسان کے قلب میں دو قوتیں

قلبِ انسانی کی دو قوتیں اور ان کا نام

ہیں قوتِ علم اور قوتِ ارادہ اور یہ نہ کبھی بیکار رہ سکتی ہیں اور نہ کوئی کام بُرا ہو یا اچھا ان کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے ارادہ کے بغیر کر ہی نہیں سکتا اور ارادہ اُس کے علم بغیر نہیں ہو سکتا پس انسان کا کمال ان ہی دو قوتوں کے کام لانے پر ہے جو اُسکو دونوں جہاں میں نفع رساں اور دونوں دولتیں حاصل کرنے میں معاون ہیں اس لئے ضروری ہے کہ قوتِ علم حق کے معلوم کرنے اور باطل سے تمیز کرنے میں استعمال کرے اور قوتِ ارادہ کو طلبِ حق اور باطل پر اُسکو ترجیح دینے میں کام لائے کیونکہ اگر اپنی قوتِ علمیہ کو حق کے پہچاننے اور معلوم کرنے میں استعمال نہ کریگا تو لامحالہ اس کو باطل اور اسکے لواحقات کے معلوم کرنے میں استعمال کریگا اور اگر اپنی قوتِ ارادی سے حق طلبی اور عملِ نیک کا کام نہ لیگا تو کوئی شک نہیں کہ اُس کو باطل کی جستجو اور عملِ بد میں صرف کرے گا۔ انسان خلقی طور پر اپنے خالق کے ماننے پر بھی مجبور ہے

معرفت اور عبادت وہی معتبر ہے جو شریعت کے موافق ہو

اور اس کی طبیعت اپنے خالق کی عبادت اور اس کی نزدیکی کو بھی بمقتضائے اُس فطرت کے جس پر انسان پیدا کیا گیا چاہتی ہے لیکن یہ خلقی معرفت اور طبعی عبادت قابلِ اعتبار نہیں اس لئے کہ وہ بمقتضائے نفس و خواہش نفسانی ہوا کرتی ہے لہذا وہ شرک کی آمیزش سے خالی نہیں ہو سکتی۔ معرفت اور عبادت وہی معتبر ہے جو شریعت کے موافق ہو نہ وہ جو طبعی ہو۔

کیا تم نہیں جانتے کہ ابلیس کی طبیعت بھی اسی کی مقتضی تھی کہ اپنے رب کو سجدہ کرے چنانچہ بعض روایتوں میں ثابت ہے کہ اُس نے اسی ہزار برس اللہ کی پرستش کی ہے اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے مقرب فرشتوں میں شامل ہو گیا لیکن جب وہ اپنی خلافِ طبیعت سجدہ کرنے کے لئے مامور ہوا تو اُس نے از راہِ تکبر انکار کر دیا اور کافروں سے ہو گیا اور یہ اس لئے کہ جو شخص اپنی ہوا، نفس اور طبیعت پر کاربند ہوتا ہے تو وہ حسنات میں سے وہی کام کرتا ہے جو اُس کی خواہشِ نفس کے مطابق ہوں، اور اُنہی حرام چیزوں کو چھوڑتا ہے جو اُس کی مرضئ نفس کے خلاف ہوں اور اس بارہ میں بعض متقدمین کا یہ قول ہے کہ جو شخص وہی عملِ نیک کرے جو اُس کی مرضی کیموافق ہوں اور اُنہی اعمالِ بد کو ترک کرے جو اُس کے خلافِ مزاج ہوں تو اُس کو نہ اس عمل نیک کا ثواب ملے گا اور نہ اس حرام کے ترک کرنے سے وہ عذاب سے بری ہوگا بلکہ

اس کی یہ عادت اُس کے خاتمہ کے بُرے ہونے اور عاقبت کی خرابی کا سبب ہوگی۔

خاتمہ کی خرابی کے اسباب

۱۔ عقیدے کی خرابی | کیونکہ خاتمہ کی خرابی کے بہت سے اسباب ہیں جن سے مومن کو بچنا ضروری ہے منجملہ اُن کے ایک عقیدے کی خرابی ہے خواہ زہد و تقویٰ کیسا ہی اعلیٰ درجہ پر ہو کیونکہ جس شخص کا عقیدہ فاسد ہو اور اپنے اس عقیدۂ فاسد پر اتنا یقین کامل رکھتا ہو کہ اپنی غلطی کا اُس کو گمان بھی نہ ہو تو اُس کو جان کنی کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ میرا یہ اعتقاد باطل تھا اور اس بنا پر اگر اس کو اس باطل اور دوسرے حق عقیدوں میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہوا تو حق عقیدوں کی نسبت بھی یہی خیال ہو گا کہ وہ بھی اس کیطرح باطل اور بے اصل ہیں اور ایک عقیدے کی غلطی ظاہر ہونے سے باقی عقیدے بھی زائل ہو جائیں گے اور پھر اگر اسی حال میں اس کی روح بھی نکل گئی اور وہ اپنے ایمان کو لوٹا کر درست نہ کر سکا تو اس کا خاتمہ خراب ہو کر دنیا سے بے ایمان جائے گا اور اُن لوگوں میں شمار ہو گا جن کی نسبت خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے" اور اللہ کی طرف سے اُن کو وہ بات ظاہر ہوئی جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔" اور دوسری آیت میں فرماتا ہے" کہو کہ آیا ہم تم کو بتا دیں کہ کن کے عمل اکارت گئے، وہ لوگ جن کی سعی دنیا میں ضائع ہوئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں"۔

اور واقعی ہے بھی یوں ہی کہ جو شخص واقع کے خلاف اپنی رائے و عقل سے یا کسی اور سے جس کا خود یہی حال ہو سُن سنا کر کسی بات کا اعتقاد کرے تو وہ اسی اندیشہ میں ہے۔ رہی پرہیزگاری اور نیکی سو وہ اس اندیشہ کو دفع نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ اندیشہ صرف اُس عقیدۂ صحیح ہی سے دُور ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ دینی عقائد وہی معتبر ہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ سے ماخوذ ہوں۔

۲۔ گناہوں پر اصرار | بُرے خاتمہ کا ایک سبب گناہوں پر اڑا رہنا بھی ہے کیونکہ جو آدمی گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے اُس کے دل میں گناہ کی اُلفت بیٹھ جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ انسان زندگی میں جس چیز سے محبت رکھتا ہے موت کے وقت اُسی کی یاد آجاتی ہے اگر اُس کی توجہ زیادہ تر عبادتوں کی طرف تھی تو اُس کو مرتے وقت اکثر عبادتوں ہی کا خیال رہے گا۔ اور اگر اس کو اکثر گناہوں کیطرف رغبت تھی تو مرتے وقت اُسکو زیادہ تر گناہوں ہی کی یاد آئے گی۔ سو اکثر اوقات مرتے وقت توبہ سے پہلے اس پر کوئی

خواہش نفس یا کوئی گناہ ایسا غالب ہو جاتا ہے کہ اُس کا دل اُسی میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور وہ گناہ اُس کے اور پروردگار کے درمیان پردہ اور آخر زندگی میں اُس کی بدبختی کا سبب بن جاتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ کفر کا قاصد ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا یا کر کے توبہ کر لی ہے سو وہ تو اس خطرہ سے دور ہے رہا وہ شخص جس نے اس کثرت سے گناہ کیے ہیں کہ اُس کی عبادتوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اور اُن سے توبہ کی نہیں بلکہ اُنہی پر اَڑا رہا تو اُس کے حق میں یہ خطرہ یقیناً بہت بڑا ہے اسلئے کہ بعض اوقات گناہوں سے محبت بڑھ جانا اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ اُس کے دل میں گناہ کی صورت بیٹھ جاتی ہے اور اُسی کیطرف ایک رغبت سی ہو جاتی ہے پھر اُسی حالت پر اُس کی روح قبض کی جاتی ہے تو اُس کی یہ حالت اُسکے خاتمہ کی خرابی کا سبب بن جاتی ہے۔
یہ بات ایک مثال میں یوں سمجھو کہ اس میں تو شک نہیں کہ انسان خواب میں وہی چیزیں دیکھتا ہے جن سے وہ زندگی بھر مالوف رہا ہے مثلاً جس کی عمر علم کے شغل میں گذری ہے وہ علم اور علماء کے متعلق خواب دیکھتا ہے اور جس کی عمر درزی گری میں گذری اُس کو درزی گری اور سلائی کے خواب دکھائی دیتے ہیں اسلئے کہ سونے میں وہی باتیں سامنے آتی ہیں جن سے اُس کے دل کو بلحاظِ محبت زیادہ تعلق رہا ہے اور موت اگرچہ سونے سے بڑھ کر ہے لیکن اس کی سکرات اور مرنے سے پہلے جو غشی وغیرہ ہو جاتی ہے وہ قریب قریب سونے ہی کے ہوتی ہے پس گناہوں سے محبت کی زیادتی اس کی مقتضی ہے کہ مرتے وقت اُن کی یاد اور اُن کا خیال اور اُن کا نقشہ دل میں ضرور آئے اور دل اُسی طرف متوجہ ہو جاتے پس اگر اسی حال میں روح قبض ہو گئی تو خاتمہ بُرا ہو گا۔ بُرے

۳۔ استقامت فی الدین سے منہ پھیرنا خاتمہ کا ایک سبب استقامت فی الدین سے منہ پھیرنا ہے کیونکہ جو شخص ابتداء میں مستقیم رہا پھر اپنی اُس حالت سے پلٹ کر جس طریقہ پر ابتداء میں تھا اُس سے نکل گیا تو یہ اُس کے بُرے خاتمہ کا سبب ہو جائے گا جیسا کہ ابلیس شروع میں فرشتوں کا سردار اور معلم تھا اور سب سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ ساتوں زمین اور آسمانوں میں اُس نے کہیں بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ چھوڑی تھی جس پر اُس نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن جب اُس کو حضرت آدمؑ کے سجدہ کا حکم دیا گیا تو از راہِ تکبر انکار کر کے کافر ہو گیا۔
اور جیسے بلعام بن باعورا جس کو اللہ نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن اُس نے اُن کو چھوڑ کر دنیا میں ہمیشہ رہنے کو اختیار کیا اور اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کر کے

گمراہ ہوگیا۔

اور جیسے برصیصا عابد کہ اُس سے پہلے تو شیطان نے کہا کہ تُو کافر ہوجا۔ جب وہ کافر ہوگیا تو کہا میں تجھ سے بری الذمہ ہوں میں اُس خدا سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ شیطان نے پہلے تو اُسے کفر پر اُبھارا اور جب کافر ہوگیا تو اُس خوف سے کہ کہیں اُس کے ساتھ میں بھی عذاب میں گرفتار نہ ہوجاؤں برأت بھی کرلی لیکن اُس سے اُس کو کوئی نفع نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ بُرے خاتمہ کا ایک سبب ضعف ایمان بھی ہے کیونکہ جس شخص کا

ضعفِ ایمانی | ایمان ضعیف ہوتا ہے اُس کے دل میں اللہ کی محبت کمزور ہوتی ہے اور دنیا کی محبت اسقدر قوی اور غالب ہوجاتی ہے کہ اللہ کی محبت کا اُس کے دل میں ذرا سا بھی ٹھکانا نہیں رہتا اور اگر ہوتی بھی ہے تو وہ بھی محض ایک نفسانی خیال کی طرح جسکا خواہشات نفسانی کے خلاف نہ کوئی پتہ چلتا ہے اور نہ گناہوں سے روکنے اور عبادت کیطرف آمادہ کرنے میں اس کا کوئی تأثر ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شہوتوں اور گناہوں میں پھنسا رہتا ہے جس سے تیرگی روز بروز اُس کے قلب پر بڑھتی جاتی ہے اور نورِ ایمان کو جو پہلے ہی ضعیف تھا بجھاتی جاتی ہے حتیٰ کہ جب موت کی سکرات شروع ہوتی ہے تو اللہ کی محبت جو پہلے ہی سے اُسکے دل میں ضعیف تھی اب ضعیف تر ہوجاتی ہے۔

اور یہ اسلئے کہ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا جو اس کی محبوبہ تھی اُس کو جس سے محبت بھی زیادہ تھی اور اُس کا چھوڑنا بھی نہ چاہتا تھا اب اُس سے چھوٹ رہی ہے تو اُس کی جدائی سے رنجیدہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کیطرف سے ہوتا ہے اس لیے ڈرتا ہے کہ کہیں بجائے محبت اُس کے دل میں اللہ کیطرف سے بغض نہ آجائے اور وہ تھوڑی سی محبت بغض نہ ہوجائے۔ پس اگر اس کی روح اسی کشمکش و پیچ و گومگو کی حالت میں نکل گئی تو اُس کا خاتمہ بُرا ہوگا۔ اور ہمیشہ کے لئے تباہی میں پڑجائے گا۔ اور اسی انجام بد کا باعث صرف یہی دنیا کی محبت اور اس کیطرف رغبت اور باوجود ضعفِ ایمان کے جو خود خدا سے محبت کے ضعف کا باعث ہے دنیا پر خوش ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت سخت بیماری ہے جس میں اکثر مخلوق مبتلا ہے۔

کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں مرتے وقت دنیا کی باتیں اگر ایسی طرح جما جائیں اور اُس کے دل میں اُن کی صورت اس طرح بندھ جائے اور ایسا مستغرق کردے کہ غیر کیلئے گنجائش ہی نہ رہے اور اسی حالت میں اُس کی روح نکل جائے تو اُس کے دل کا

سر دنیا کی طرف جھکا ہوا ہوگا اور منہ اسی کیطرف ہوگا اور اس کے اور اس کے اللہ کے درمیان ایک پردہ پڑ جائے گا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ مرنے کے بعد کوئی ایسی صفت حاصل کر سکے جو اس صفت کو جبکا اس کے دل پر غلبہ ہے دفع کر دے اسلئے کہ قلب پر جو کچھ تصرف ہو سکتا ہے وہ اعمال ظاہری سے ہو سکتا ہے اور مرنے کے بعد تمام ظاہری اعضاء اور انکے افعال باطل ہو جاتے ہیں اور نہ پھر دنیا میں آنے ہی کی کوئی امید رہتی ہے کہ اس کا کچھ تدارک ممکن ہو بلکہ حسرت اور ندامت میں پڑا رہیگا۔

پس جو شخص کہ اس ہلاکت سے بچنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے دل سے دنیا کی محبت دور کر کے اپنے ظاہری اعضاء کو گناہوں سے بچائے اور اپنے دل کو گناہ کے خیال سے روکے اور اہل دنیا کے دیکھنے سے بھی پرہیز کرے کہ اس کا بھی قلب پر اثر ہوتا ہے اور اپنی ساری توجہ اس طرف لگا دے کہ عبادت پر مداومت کر سکے کیونکہ خدا کی محبت کا یہی ثمرہ ہے کہ اللہ کی محبت اس کو پہچانے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ انسان اس چیز سے محبت نہیں کیا کرتا جس کو جانتا ہی نہ ہو۔ بلکہ اس سے محبت کرتا ہے جسکو جانتا ہو۔ پس جس شخص نے اللہ کو پہچان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ جو نعمتیں مجھ کو یا اوروں کو ملی ہیں وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں تو لا محالہ وہ اس سے محبت کریگا اور جب اس سے محبت کریگا تو برے کاموں سے بچکر اور نیک کاموں میں مشغول رہ کر اس کی رضا جوئی کی کوشش کریگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ علوم اور اعمال سے خدا دانی مقصود ہے تاکہ معرفت سے محبت پیدا ہو اور کسی شخص کو یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ دنیا سے اللہ کے سوا کسی اور کی محبت یا ملاقات کی تمنا لیکر جائے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کا دیدار چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور ہر شخص کو اپنے محبوب سے ملکر جتنی ہی زیادہ محبت ہوتی ہے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے دنیا کی محبت یہاں سے ساتھ لیکر جائے کیونکہ اب دنیا چھوٹ رہی ہے اور محبوب شے سے چھوٹنے کا رنج اور تکلیف بہت ہوتی ہے پس جبکہ اولاد اور مال اور زمین اور مکان کی محبت غالب ہوگی تو گویا کہ اس شخص کی تمام پسندیدہ چیزیں دنیا ہی میں ہیں اور یہی اس کی جنت ہے تو ایسی حالت میں اس کا مرنا کیا ہوگا۔ جنت سے نکلنا اور اپنے محبوب سے جدا ہونا ہوگا اور ظاہر ہے کہ محبوب کی جدائی کس درجہ رنج دہ ہوتی ہے۔

لیکن اگر اللہ کے سوا کوئی اور محبوب ہی نہ ہو تو دنیا اس کے حق میں دوزخ ہوگی اور اس کا مرنا گویا دوزخ سے نکلنا اور محبوب سے ملنا ہوگا۔ مرنے کے بعد علاوہ ان دائمی نعمتوں کے جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کر رکھی ہیں یا وہ دردناک

عذاب جو اُن لوگوں کے لئے بنائے گئے ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور اسی پر شاداں ہیں یہ مذکورہ غم یا خوشی سب سے پہلے پیش آئے گی۔ سلیمان بن عبدالملک کا قصہ ہے کہ جب وہ بغرض حج مدینہ میں آئے تو پوچھا یہاں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے کسی صحابیؓ کو دیکھا ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں ابو حازمؒ ہیں۔ یہ سُن کر انکو بلا بھیجا اور جب وہ تشریف لائے تو کہا اے ابو حازم ہم کو موت کیوں بُری لگتی ہے۔ آپنے فرمایا چونکہ تم نے اپنی دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو ویران اسلئے تم آبادی سے نکل کر ویرانہ میں جانا پسند نہیں کرتے۔ سلیمان نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر کہا یہ تو فرمائیے کہ آخرت میں ہمارا کیا حال ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو کتاب اللہ سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ اُسنے پوچھا اچھا یہ مضمون ہم کو کس مقام پر ملیگا" آپنے فرمایا" اللہ یوں فرماتا ہے" نیکو کار جنت میں ہونگے اور بدکار دوزخ میں"۔ پھر پوچھا کہ" اللہ کی رحمت کہاں ہوگی" آپ نے فرمایا کہ" اللہ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہوگی"۔ پھر کہا" یہ بتلائیے کہ اللہ کا سامنا کسطرح ہوگا" آپ نے جواب دیا کہ" نیک لوگ تو اسطرح آئینگے جیسے کوئی بچھڑا ہوا اپنے گھر والوں سے ملتا ہے اور بدکار اسطرح آئیگا جس طرح بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس آتا ہے"۔

سلیمان اور ابو حازمؒ کی ایمان افروز گفتگو

یہ سُنتے ہی سلیمان رو پڑے یہاں تک کہ اُن کی آواز بلند ہو گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے پھر کہنے لگے کہ" مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے" آپ نے فرمایا کہ" اس سے بچتے رہو کہ خدا تمہیں اُن کاموں کو جن کی اُس نے تمکو ممانعت کی ہے کرتے دیکھے اور اُن کاموں سے جن کا حکم کیا ہے غافل پائے۔

دسویں مجلس مومن اور مسلم اور مجاہد و مہاجر کے فرق کے بیان میں

مومن کامل

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ سے لوگوں کی جان اور مال امن میں رہے اور مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی جان لڑا دے اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی فضالۃؓ بن عبید ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن وہ نہیں ہے جو صرف ایمان کا مدعی ہے بلکہ مومن کامل الایمان وہ ہے جس کی امانت اور استقامت ایسی ظاہر ہو کہ لوگ اُس سے بے کھٹکے ہوں اور اس بات کا خوف نہ کھائیں کہ وہ ہم کو قتل کر ڈالے گا یا ظلماً ہمارا مال لے لیگا اور مسلم وہ نہیں

ہے جو صرف دونوں کلمے شہادت کے پڑھتا ہے بلکہ مسلم کامل الاسلام وہ ہے جو کسی مسلمان کو نہیں ستاتا نہ زبان سے گالی دیکر نہ غیبت کر کے نہ چغلی کھا کے نہ بہتان باندھ کے نہ ہاتھ سے کسی کو مار کر نہ قتل کر کے نہ ناحق کسی کا مال چھین کر۔

اور سارے اعضاء میں سے خاص زبان اور ہاتھ ہی کی ایذا کو اسوجہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ گو ایذا جیسی ہاتھ اور زبان سے ہوتی ہے ویسے ہی اور اعضاء کان آنکھ پیر وغیرہ سے بھی ہوتی ہے اس طرح کہ آدمی دوسرے شخص کے گھر میں جھانکے یا قائل کی مرضی کے بغیر اُس کی بات سُننے یا کسی کی ملک میں اُسکی اجازت کے بغیر داخل ہو، کہ اکثر ایذا ان ہی دونوں سے پہنچتی ہے اور اُن دونوں کو جمع اس لئے کیا ہے کہ ہاتھ تو ممکن ہے کہ ضعف یا عدم قدرت کی وجہ سے رُک جائے لیکن جب اُس کے ساتھ زبان کا روکنا بھی شامل کر دیا گیا تو یہ بات متعین ہو گئی کہ ہاتھ کا روکنا اسلام ہی کیلئے ہے اور مجاہد صرف وہ نہیں ہے جو کفار سے

مجاہد کامل لڑے بلکہ مجاہد کامل وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑے اور اُس کو اللہ کی عبادت پر اُبھارے اور گناہ سے روکے اسلئے کہ نفسِ انسانی کفار سے زیادہ مسلمان کا دشمن ہے اس لئے کہ کفار تو اُس سے دُور رہتے ہیں جن سے لڑنے اور ملنے کا کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے اور اُس کا نفس ہمیشہ ہر آن اُس کے ساتھ لگا ہوا اُس سے لڑتا رہتا ہے اور اُس کو نیکیوں اور عبادتوں سے روکتا ہے اور اُس کو گناہوں اور طرح طرح کے فسادات پر اُبھارتا رہتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر وقت ساتھ رہنے والے دشمن سے لڑنا دور کے دشمن کی لڑائی سے زیادہ دشوار ہے۔

اس کا شاہد خود خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے" اے ایمان والو اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ پہلے پاس والے کفار سے مقابلہ کرو اور جب اُن سے فراغت پالو تو دُور والوں سے لڑو۔ اور مہاجر وہ نہیں جو مکے سے

مہاجر کامل قبل فتح مکہ مدینہ کو چلا گیا ہو کیونکہ بعد فتح مکہ تو ہجرت کا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا تھا بلکہ ہجرت قیامت تک جاری رہیگی اور وہ اس طرح کہ کفر سے ایمان میں اور دار الحرب سے دار الاسلام میں اور برائیوں سے نیکیوں کی طرف آنے کا نام بھی ہجرت ہی ہے اور یہ باتیں قیامت تک جاری رہیں گی۔ پس کامل مہاجر وہ ہے جو تمام گناہوں کو جو ممنوعات خداوندی ہیں ترک کر دے اور اللہ کے حکموں میں جو خود نیک اعمال ہیں مشغول ہو۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ" مہاجر کامل وہی ہے جسنے اللہ کے منع کئے ہوئے کاموں کو چھوڑ دیا" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں

بیان فرما دیا ہے کہ ہجرت کاملہ اور تامہ فحش کاموں اور ممنوعات کو چھوڑ دینے اور عبادت اور بندگی میں کوشش کرنے کا نام ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عبادت اور اطاعت اور پرستش کی صحت اعتقاد کی صحت پر موقوف ہے کیونکہ ایمان جڑ ہے اور عمل اس کی شاخیں ہیں اور جب بندہ یہ نہ جانتا ہوگا کہ ایمان اور ہدایت کیا چیز ہے تو وہ یہ بھی نہیں جان سکتا کہ کفر اور گمراہی کیا چیز ہے تو ایسی حالت میں بے سمجھے بوجھے اور بغیر اعتقاد کے عادتاً اس کی زبان سے کلمۂ توحید نکل جائیگا اور کبھی کلمات کفر ادا ہو کر اس کو مرتد بنا دیں گے اور جس کے اعتقاد کا یہ حال ہو وہ اگر ہزار برس تک بھی روزہ اور نماز ادا کرتا رہے جب بھی اس کو یہ اعتقاد قیامت کے دن کچھ بھی فائدہ نہ بخشے گا بلکہ اس کا انجام دوزخ ہی ہوگا۔

طاعت عمل کیلئے صحتِ اعتقاد شرط ہے

اور جو شخص یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں مسلمان ہوں اُن عقائد ایمانی کے سیکھنے میں غفلت کرے جنکا سیکھنا فرض عین ہے تو ایسے شخص میں دعویٰ ایمان کے سوا خود ایمان کا پتہ بھی نہیں ہوگا اور اس قسم کا ایمان صرف دنیا میں تو مفید ہے کہ اس سے کفار کیطرح قید نہ کیا جاویگا لیکن آخرت میں اُس کو نیک لوگوں کا درجہ ملنا دشوار ہے کیونکہ بندہ کا صرف زبان سے کلمہ شہادت کہنا اور ایمان کے الفاظ بطورِ عادت پڑھنا اور اپنے آپ کو بے سمجھے بوجھے مومن سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کو مومن نہیں بناتا تاوقتیکہ دل سے تمام شرعی احکام کی تصدیق کرکے اُن کا فرمانبردار نہ ہو جائے اور کسی بات میں شک و تردد نہ رہے۔ اور دل میں اس تصدیق اور اطاعت کے پائے جانے کی چند علامتیں ہیں:۔

دل میں تصدیق اور اطاعت کے وجود کی علامات

ایک تو یہ ہے کہ دینی اُمور سے غافل نہ ہو بلکہ دینداروں سے سیکھتے رہنے اور عمل کرتے رہنے سے اُسکی اصلاح میں کوشاں رہے۔

دوسرے یہ کہ اگر اُس کو کسی امرِ دینی کی اطلاع ہو تو اگرچہ وہ کتنا ہی حکم سخت اور بیان کرنیوالا کیسا ہی ذلیل و خوار کیوں نہ ہو وہ حکم اس کو نہ تو گراں گذرے اور نہ ہی وہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھ کر سرکشی کرے بلکہ اُس کو مان لے اور اطاعت کرے۔

تیسرے یہ کہ اُس کی خواہش نفس غالب اور شریعت مغلوب نہ ہو، احکامِ شریعت میں سے وہی باتیں اختیار کرے جو اُس کے نفس کے موافق ہوں بلکہ ضروری ہے کہ شریعت کو ایسا سمجھے جیسے حاکم اور خواہشات نفسانی کو محکوم تاکہ کسی ایسی بات کو جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا ہے اختیار کرے اور اُس میں خود اُسکے مال آبرو و مرتبہ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کو پرواہ نہ ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی ہے کہ "کوئی بھی

شخص مومن نہیں ہوسکتا تا وقتیکہ اُس کی نفسانی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کی تابع ہو جائے۔"

پس جس وقت بندہ میں یہ نشانیاں پائی جائیں تو وہ بیشک سچا مومن ہے اور یہی ایمان ہے بشرطیکہ اس کی بگاڑنے والی کھونے والی تمام باتوں سے جو قلب اور زبان اور دیگر اعضاء سے صادر ہو کر موجب کفر ہوتی ہیں بچتا رہے عذاب ابدی سے بچانیوالا ہے کیونکہ ایمان کفر کے سوا کسی اور چیز سے زائل نہیں ہوتا اور کفر کی تین قسمیں ہیں۔

کفر کی قسمیں | پہلی قسم کفر جہلی ہے اور اس کا سبب دلائل اور آیات کو نہ سننا اور توجہ نہ کرنا اور غور نہ کرنا ہے جیسے عوام کا کفر کہ ان میں سے بہتیرے عقائد ایمانی کو جن کا جاننا فرض ہے نہیں جانتے ہیں بلکہ بعضے تو ایسے ہیں کہ منہ سے تو کلمۂ شہادت کہتے ہیں لیکن اُس کے معنی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ اللہ اور رسول میں فرق کر سکتے ہیں۔

دوسری قسم کفر انکاری ہے اور اس کا سبب یا تو تکبر ہے جیسے فرعون اور اُس کے آدمیوں کا کفر یا ریاست کے تلف ہو جانے یا نہ ملنے کا خوف جیسے ہرقل شاہِ روم کا کفر یا مذمت اور شرم کے خیال سے جیسے ابی طالب کا کفر۔

اور تیسری قسم کفر حکمی ہے اور وہ یہ ہے جس کو شریعت نے بے ایمانی کی علامت قرار دیا ہے مثلاً جنیو ڈالنا اور بتوں کو سجدہ کرنا یا قابلِ تعظیم چیزوں کی اہانت کرنا، جیسے قرآن مجید کو کوڑا میں ڈالدینا یا علم اور علماء سے یا اور دیگر امورِ دین سے تمسخر کرنا یا حرامِ عین چیزوں کو جن کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے حلال سمجھنا جیسے زنا و شرابنوشی ان باتوں میں سے جو شخص کسی ایک کا مرتکب ہوا اُس کے تمام دینی اعمال سوخت ہو جائیں گے اور اُس کو پھر تجدیدِ نکاح کرنا ہوگی اور اگر قدرت رکھتا ہو تو دوبارہ حج بھی کرنا ہوگا۔ ان گناہوں

گناہوں سے توبہ کا حکم | کے علاوہ اور گناہ خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ اُن کے کرنے سے ایماندار ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہو جاتا ہے لیکن نزع کے وقت اگر وہ ان پر اڑا رہا اور توبہ نہ کی تو نہایت اندیشہ کی بات ہے، اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "گناہ کفر کے قاصد ہیں"۔ اس بنا پر ہر مومن پر واجب ہے کہ سب گناہوں سے فوراً توبہ کرے کیونکہ گناہوں سے توبہ کرنا صغیرہ ہوں یا کبیرہ فی الفور واجب ہے صرف وجوب کی دلیل تو باری تعالیٰ کا یہ قول ہے" اے ایمان والو سب کے سب خدا کے سامنے توبہ کرو"۔ اور نیز یہ قول "اے ایمان والو اللہ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو"۔ اللہ تعالےٰ نے ان دونوں آیتوں میں توبہ کا امر فرمایا ہے اور چونکہ امر وجوب کیلئے ہوتا ہے لہٰذا توبہ

واجب ہوگی لیکن فوراً واجب ہونا اسلئے ہے کہ تاخیر کرنے سے کہیں وہ اصرار حرام جو تباہی کا باعث ہے پیدا نہ ہوجائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "تباہ ہوگئے تاخیر کرنے والے" اور تاخیر کرنیوالے وہ لوگ ہیں جو کہا کرتے ہیں کہ اب توبہ کرلینگے اب توبہ کرلینگے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمام بنی آدم بڑے ہی گناہگار ہیں لیکن سب سے اچھے گناہگار وہ ہیں جو توبہ بھی کر لیتے ہیں" لہذا مومن کو ضروری ہے کہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے تاکہ توبہ کرنے والوں میں شامل رہے اسلئے کہ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو گناہ کے بعد توبہ کرنے کی ہدایت کی ہے اور اس کا حکم کیا ہے اور اُن کا مومن نام رکھ کر یہ بیان کیا ہے کہ اُن کے لئے کیسی کچھ بخشش اور عزت ہے پس فرماتا ہے "قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ کرکے تم کو ایسے باغوں میں لیجائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں" اور ایک آیت میں یوں فرمایا ہے "اور وہ لوگ جبکہ وہ کوئی بیہودہ بات کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو خدا کا ذکر کرکے استغفار کرتے ہیں"۔

اور اللہ کے سوا ایسا کون ہے جو گناہ بخشے اور وہ لوگ اپنے گناہوں پر اَڑے بھی نہیں رہتے ہیں ایسے لوگوں کا بدلہ اللہ کیطرف سے بخشش اور وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے اور عمل کرنے والوں کیلئے کیا ہی عمدہ اجر ہے پھر یہ بھی بتلا دیا کہ اللہ اُن کو اس سبب سے کہ توبہ کرکے گناہوں کی نجاست سے پاک ہوجاتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ "اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں کو" جب یہ بات ہے تو مومن کیونکر توبہ نہ کیا کرے اور کیونکر اُس سے الگ رہے لیکن اس کیلئے چار شرطیں ہیں اگر اُن میں سے ایک میں بھی خلل پڑا تو توبہ صحیح نہ ہوگی اوّل

توبہ کیلئے شرائط

توبہ کہ اپنے پہلے کئے ہوئے گناہ پر دل سے شرمندہ ہو دوسرے فوراً گناہ کو ترک کردے تیسرے یہ کہ آئندہ ایسا کام پھر کبھی نہ کرے عزم مصمم کرے چوتھے یہ کہ توبہ خدا کے خوف کے سوا کسی اور وجہ سے نہ ہو۔

کیونکہ اگر کوئی شخص شراب پینے سے اسوجہ سے نادم ہو کہ اس سے دردِ سر ہوتا ہے اور عقل جاتی رہتی ہے اور مال واسباب خراب ہوتا ہے تو وہ شرعاً تائب نہ کہا جائے گا اور نہ اُس کو وہ ثواب ملے گا جس کا توبہ کرنیوالوں کے لئے وعدہ ہے۔

اور ایسے ہی جو شخص زبان سے استغفر اللہ کہے اور دل اُسکا ویسا ہی گناہ پر اَڑا

ہو تو خود اس استغفر اللہ سے شرمندہ ہو کر توبہ کرنے کی ضرورت ہے اسلئے کہ :۔
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جوں ہی نماز سے فارغ ہوا اُس نے جلدی سے کہا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْكَ اسپر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے شخص جلدی جلدی استغفار کہہ جانا جھوٹوں کی توبہ ہے اور تیری یہ توبہ خود توبہ کے قابل ہے۔
اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "ہماری توبہ خود توبہ کے لائق ہے"۔
قرطبیؒ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بات اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اب اس زمانہ کا تو کیا کہنا جس میں آدمی ظلم پر ہر وقت تلے ہوتے ہیں اور اُس کے حریص ہو رہے ہیں اور اس سے باز نہیں آتے اور تسبیح ہاتھ میں لیکر سمجھتے ہیں کہ میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں حالانکہ وہ محض مسخرا پن اور تحقیر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "صرف زبان سے اور اعضاء سے گناہ پر اڑا رہنے والا گویا اپنے پروردگار سے دل لگی کرتا ہے"۔ اور توبہ

توبہ کی حقیقت اور قبولیت

تو وہی ہے کہ زبان سے مغفرت مانگے اور دل میں یہ نیت کرے کہ اب پھر کبھی گناہ نہ کروں گا تو ایسی توبہ جب کوئی کرتا ہے اللہ اس کا گناہ معاف کر دیتا ہے اگرچہ وہ گناہ کیسا ہی بڑا ہو اسلئے کہ کوئی گناہ کفر سے بڑھ کر نہیں اور خود کافروں کے حق میں اللہ یوں فرماتا ہے" جو لوگ کافر ہو گئے ہیں اُن سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے کفر سے باز آجاؤ تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دئے جائینگے تو پھر اس سے کم درجے کے گناہوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔
اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" اگر تم میں سے کوئی شخص اتنے گناہ کرے کہ زمین سے آسمان تک بھر جائیں، پھر توبہ کر ڈالے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے"۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "بندہ جب گناہ کا اقرار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ اُس کی توبہ قبول کرتا ہے" یعنی اس نے جب اپنے گنہگار ہونے کا اقرار کیا اور اپنے کئے ہوئے گناہ اور اپنی کمائی ہوئی برائیوں سے شرمندہ ہوا اور یہ ارادہ کر لیا کہ پھر ایسا نہ کروں گا تو اللہ اُس کی توبہ قبول کریگا اور اُسکے گناہوں سے درگذر کریگا۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں ایک گناہ تو وہ ہے

گناہ کی قسمیں

جو اُس کے اور خدا کے درمیان ہے اور دوسرا گناہ وہ ہے جو اُس کے اور بندگانِ خدا کے درمیان ہے۔ سو جو گناہ کہ اُسکے اور اللہ کے درمیان ہے اُس میں زبان

ـے استغفار کرنا اور دل سے نادم ہونا اور یہ ارادہ کرنا کہ اب نہ کروں گا کافی ہے اور بندہ جب ایسی توبہ کرے گا تو وہ اپنی جگہ سے ابھی ہٹا نہ ہوگا کہ اُس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

لیکن اگر اس کے ذمہ خدا کے کچھ فرض رہ گئے ہیں تو شریعت صرف توبہ کو کافی نہیں سمجھتی بلکہ بعض کا قضا کرنا مثلاً نماز روزہ وغیرہ اور بعضوں میں کفارہ دینا بھی اسی میں شامل ہے۔

رہے آدمیوں کے حقوق تو وہ جکسے ہیں اُسی کو دینے ہوں گے اور اگر وہ نہ مل سکے تو اس نیت سے کہ وہ حق اللہ کے یہاں امانت رہیں صدقہ کر دینا لازمی امر ہے کہ خداوند تعالیٰ اہل حقوق کو قیامت کے روز دیدے اور جس کو بسبب اپنی تنگدستی کے حق العباد سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو اُس کو چاہیئے کہ کثرت سے نیک اعمال کرے اور اکثر اوقات اُن مومنین اور مومنات کیلئے دُعائے مغفرت کرتا رہے جن پر اُس نے ظلم کیا ہے کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو خدا سے امید ہے کہ وہ اُس کے مدعیوں کو اپنے لطف و کرم سے قیامت کے دن راضی کر دے گا۔

گیارھویں مجلس افضل ذکر اور افضل دُعا کے بیان میں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے بہتر ذکر لا الٰہ الّا اللہ اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

افضل دعا یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت جابرؓ ہیں اور حدیث میں الحمد للہ کو سب دعاؤں سے افضل اسلئے بتایا گیا ہے کہ دعا بندہ کا اپنے اللہ کو یاد کرکے اُس سے اُس کے فضل کی درخواست کرنے کا نام ہے اور الحمد للہ میں یہ معنی موجود ہیں کیونکہ اس میں اللہ کی یاد بھی ہے اور زیادتی کی دُعا بھی ہے کیونکہ الحمد للہ شکر کی جڑ اور شکر کا نہایت عمدہ طریقہ ہے اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الحمد للہ شکر کا سر ہے جو بندہ الحمد للہ نہ کہے اُسنے گویا خدا کا شکر ہی نہیں کیا اور شکر سے نعمت بڑھتی ہے اسلئے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ " اگر تم شکر کروگے تو میں اور دونگا" پس جس شخص نے الحمد للہ کہا اُس نے گویا اللہ کی تعریف کرکے اُس سے زیادتی فضل کی درخواست کی۔ اور لا الٰہ الّا اللہ

افضل ذکر تمام ذکروں میں بہتر اسلئے ہے کہ اس کے معنی میں وہ بات پائی جاتی ہے جو اور ذکروں میں نہیں ہے اور اس معنی کے معلوم ہونے سے گویا مکلّف کو وہ سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو اللہ کے پہچاننے کے لئے ضروری ہیں یعنی ذات باری کی اُلوہیت ثابت کرنا اور غیر خدا سے اُلوہیت کی نفی کرنا۔ اور الوہیت کے معنی میں وہ سب باتیں داخل

ہیں جن کا باری تعالیٰ کے لئے وجوب یا جواز یا جن کی خداوند تعالیٰ سے نفی بندے کو جاننا ضروری ہے اس لئے کہ الوہیت دو معنوں کو شامل ہے ایک یہ کہ اللہ کا تمام ماسوا سے بے نیاز ہونا خدا کی تنزیہی اور وجوبی صفات دوسرے یہ کہ ماسوا کا اس کیطرف محتاج ہونا اور اب اس بنا پر کلمۂ توحید کے یہ معنی ہونگے کہ کوئی ذات اللہ کے سوا ایسی نہیں ہے جو خود سب سے بے نیاز ہو اور جس کے سب محتاج ہوں اور اُس کی یہ بے نیازی جمیع ماسوا سے اُسکے وجود اور قدامت اور بقا کو واجب کرتی ہے اسلئے کہ اگر یہ صفات خداوندی کیلئے واجب نہ ہوں تو وہ خود کسی پیدا کرنیوالے کا محتاج ہوگا اسلئے کہ ان صفات میں سے کسی ایک کے نہ ہونیسے بھی اُس کا حدوث لازم آتا ہے اور حادث پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔

اور اسی طرح خدا کا تمام برائیوں سے پاک ہونا بھی ضروری ہے اور نقصان سے پاک ہونے میں سُننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کی صفتیں بھی ضرور شامل ہیں کیونکہ اگر یہ صفتیں ضروری نہ ہوتیں تو اللہ میں نقص پائے جاتے اور کسی ایسی چیز کیطرف محتاج ہوتا جو اُس سے ان نقصوں کو دور کرتی۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال واحکام میں اغراض سے پاک ہو اسلئے کہ اگر وہ اغراض سے پاک نہیں تو گویا وہ ایسی چیز کیطرف محتاج ہے جس سے اُس کی غرض حاصل ہو۔

اسی طرح خداوند عالم پر کسی چیز کا کرنا نہ کرنا کچھ بھی واجب نہیں ہے اسلئے کہ اگر اُن میں سے اُس پر کوئی چیز بھی واجب ہو تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کامل ہونے کے لئے اُس شے کیطرف محتاج ہے اس لئے کہ خدا پر وہی صفات واجب ہیں جو اُس کے لئے کمال ہیں۔

رہا کل ماسوا کا اُس کیطرف محتاج ہونا تو یہ خداوند تعالیٰ کے لئے قدرت اور علم اور ارادہ اور حیات کو لازم کرتا ہے کیونکہ اگر اللہ کے لئے یہ صفات لازم نہ ہوں تو وہ عالم امکان کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا اسی طرح اُس کے لئے وحدانیت بھی واجب ہے کیونکہ اگر اللہ کے لئے وحدانیت کی صفت ضروری نہ ہو بلکہ اُس کی خدائی میں کوئی اور بھی شامل ہو تو اُن دونوں کے عجز کی وجہ سے اس کیطرف کوئی چیز محتاج نہ ہوگی اور چونکہ تمام چیزیں اُسکی طرف محتاج ہیں اس لئے لازم آتا ہے کہ کل عالم حادث ہو اسلئے کہ اگر کوئی چیز قدیم ہوگی تو وہ خدا سے بے نیاز ہوگی اور اُس کیطرف اُسے کچھ حاجت نہ ہوگی۔

اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مخلوقات میں سے کسی چیز کو کسی اثر میں

کوئی دخل نہیں اس لئے کہ اگر مخلوقات میں سے کوئی چیز کسی اثر میں کوئی تاثیر رکھتی ہوگی تو وہ اثر اللہ کا محتاج نہ ہوگا بلکہ بے نیاز ہوگا۔ اس تقریر کی رُو سے واضح ہوا کہ جو شخص لا آلہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ گویا یہ کہتا ہے کہ سوائے اللہ کے نہ کوئی واجب الوجود ہے نہ کوئی قدیم اور باقی ہے اور نہ تمام ممکنات کے پیدا کرنے پر کوئی قادر ہے اور نہ معلومات غیر متناہی کا کوئی عالم ہے نہ کوئی نقائص سے بَری ہے نہ اپنے افعال واحکام میں اغراض سے پاک ہے نہ کسی مخلوق میں کوئی مؤثر حقیقی ہے اسی طرح اور تمام وہ صفات جو اللہ کے لئے واجب یا محال یا جائز ہیں کوئی ان میں خدا کا شریک نہیں اس سے ظاہر ہوا کہ توحید کے معنی سمجھنے معرفت الٰہی پر موقوف ہے

توحید کے معنی سمجھنے کے لئے فکر ونظر ضروری ہے

اور اللہ کی معرفت ایسی ظاہر نہیں ہے کہ لوگ بداہۃً سمجھ لیں جیسا کہ ایک کو دو کا آدھا سمجھتے ہیں، بلکہ محض استدلال یعنی دلیل پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے لہذا نظر واجب ٹھہری اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے "کہدو کہ دیکھیں آسمان اور زمین میں کیا ہے" اور جو شخص غور نہ کرے گا وہ گنہگار ہوگا اس لئے کہ خدا نے انسان کو عقل کی نعمت اسی واسطے دی ہے کہ اُس کے وجود اور قدامت اور وحدت اور تمام اُن صفات پر جن پر اُس کے افعال دلالت کرتے ہیں جیسے قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات ان سب پر دلالت کرے اور اگر استدلال نہ کرے گا تو گویا اُس نے نعمت عقل کا شکر یہ نہیں ادا کیا جس سے وہ گنہگار ہوگا اور اللہ کے اختیار میں ہوگا چاہے یوں ہی بخش کر بلا عذاب جنت میں داخل کر دے اور چاہے نہ بخشے اور بقدر گناہ عذاب دیکر جنت میں داخل کرے۔

لہذا اس بنا پر ہر مومن پہ واجب ہے کہ معرفت الٰہی میں کوشش کیا کرے تاکہ اس کو کلمۂ توحید کے معنی سمجھنا آسان ہوں اور یہی کلمۂ توحید جنت کی قیمت اور عذاب ابدی سے رہائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور علماء نے صاف کہہ دیا ہے کہ اس کے معنی سمجھنا ضروری ہے ورنہ محض زبان سے کہنے میں عذاب ابدی سے بچنے کیلئے کوئی فائدہ نہیں اسلئے کہ اس کی فضیلت صرف زبان بلانے سے نہیں ہے چاہے اس کے معنی دل میں خاک بھی نہ سمجھے، بلکہ اُس کی فضیلت اس سبب سے ہے کہ اُس کے معنی معرفت الٰہی کے ذریعہ دل سے حاصل ہوں اور معرفت الٰہی سے مراد یہ نہیں ہے کہ ذات الٰہی کو معلوم کرے، اس لئے کہ ذات الٰہی کو تو بشر جان ہی نہیں سکتا بلکہ مراد یہ ہے کہ صرف یہ جان لے کہ کونسے صفات خدا کیلئے ضروری ہیں اور کون محال ہیں اور کون اس کیلئے جائز ہیں تاکہ کلمہ گو کو یہ معلوم ہو سکے کہ کس وصف کی اُس نے نفی کی ہے اور کس کو اُس کیلئے ثابت کرے

معرفت الٰہی سے مراد

اسلئے کہ کلمہ تو اثبات و نفی دونوں سے مرکب ہے یعنی اللہ کے سوا ہر فرد کو حقیقتِ اللہ کے افراد میں سے نفی کرنا اور اس میں سے صرف ایک فرد یعنی اللہ تعالیٰ کو ثابت کرنا اور اللہ کے معنی واجب الوجود اور مستحق عبادت کے ہیں اور یہ معنی کلی ہیں ممکن ہے کہ محض اپنے معنی کے لحاظ سے افرادِ کثیر پر صادق آسکے لیکن دلیل قطعی اس پر دال ہے کہ اس میں تعداد محال ہے اور یہ ذاتِ الٰہی کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور اس کی دلیل عالم کا حدوث ہے اسلئے کہ عالم حادث ہونے کی وجہ سے ایک محدِث کا محتاج ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ایک پیدا کرنے والا بھی ضرور ہے جو قدیم یکتا موصوف بقدرت و ارادہ و حیات و علم ہے کیونکہ اگر وہ قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو وہ خود کسی محدِث کیطرف محتاج ہوگا جس سے دور و تسلسل لازم آئے گا اور یہ دونوں محال ہیں۔ اور اگر ایک نہ ہو بلکہ کئی ہوں تو اُن میں باہم روک ٹوک ہوگی جس سے عالم کا وجود ہی نہ ہو سکے گا اور اگر قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات سے متصف نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا اس لئے بغیر قدرت کے ایجاد نہیں ہو سکتی اور کسی شے کو پیدا کرنے کی قدرت اسی وقت کام کرتی ہے جب ارادہ بھی ہو اور ارادہ علم پر موقوف ہے۔ کیونکہ کسی شے کے پیدا کرنے کا قصد بغیر اُس کے علم کے محال ہے اور ان تینوں صفتوں سے موصوف ہونا حیات پر موقوف ہے کیونکہ اس کے لئے حیات شرط ہے پس اس تقریر کی رُو سے عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر جُز کا وجود اللہ کے وجود اور اس بات پر کہ وہ قدیم یکتا اور چاروں صفات مذکورہ سے متصف اور ان صفتوں کے برعکس صفات کے اس کیلئے محال ہونے پر یقینی دلیل ہے۔

وجودِ اللہ اور اس کی صفات پر تکوینی دلائل

اور اسی وجہ سے بعض موحد اثر سے مؤثر پر استدلال کر کے کہتے تھے کہ ہم نے کسی ایسی چیز کو نہیں دیکھا کہ اُس کے بعد ہی خدا کو نہ دیکھ لیا ہو کیونکہ عالم کا ہر ہر جُز بوجہ اپنے حادث ہونے کے اپنے موجد اور مربی کا محتاج ہے ہمیشہ ایسے کلام سے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز یہ کہتا رہتا ہے کہ اُس کا ایک موجد ہے جو قدیم واحد قدیر صاحب ارادہ علیم اور حی ہے سُننے والے اُس کی باتیں سنتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سُن سکتے جن کی سماعت بیکار ہے اور اس جگہ سمع سے مراد سمع باطنی ہے جس سے وہ کلام سُنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز نہ عربی ہے نہ عجمی۔ وہ سمع ظاہری مراد نہیں جو صرف آواز ہی سُن سکتی ہیں اور جس

ف کلی اس مفہوم کو کہتے ہیں کہ اگر کوئی خیال ہمارے ذہن میں آئے تو وہ اگر ایک سے زیادہ پر صادق آسکے تو کلی ہے ورنہ جزئی جیسے انسان کا خیال کہ جتنے آدمی دنیا میں پائے جاتے ہیں سب پر صادق ہو سکتا ہے بخلاف جزئی کے جیسے زید کی یہ خیال جس وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے تو اُس شخص کے سوا جس کا نام زید ہے کسی اور پر صادق نہیں آسکتا۔ ۱۲

ہیں انسان اور چوپائے سب شریک ہیں۔ اس لئے کہ اُس چیز کی قدر ہی کیا جس میں انسان اور چوپائے سب برابر ہوں۔ اور حاصل یہ ہے کہ آدمی عقل سے صرف وہی صفات جان سکتا ہے جن پر اُس کے افعال موقوف ہیں اور جن پر اُس کے افعال موقوف نہیں ہیں مثلاً سمع اور بصر اور کلام سوان کے ثبوت کیلئے کبھی عقل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقل سے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ وہ صفات کمال ہیں اور اُس کی ضدیں نقصان کی صفتیں ہیں اور صفات کمال سے اللہ کا موصوف ہونا اور صفات نقصان سے پاک ہونا اللہ کیلئے واجب ہے پس اُن صفات سے اللہ کا موصوف ہونا بھی ضروری ہے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت سے اُن کا ثبوت خدا کیلئے صراحۃً ثابت ہے پس اُن کے ثبوت کا یقین کرنا واجب ہوا۔

صفات باری پر نقلی وعقلی دلائل

اور اس مسئلہ میں دلیل نقلی دلیل عقلی سے بہتر ہے اس لئے کہ اُن صفات پر افعال الٰہی موقوف نہیں ہیں جن سے اُس کے ثبوت پر استدلال کیا جا سکے اور ذات باری کسی کو معلوم نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ صفتیں اللہ کے حق میں کمال کی صفتیں ہیں تاکہ اس کا موصوف ہونا ضروری ہو کہ اگر اُن سے متصف نہ ہوا تو لازم آئے گا کہ اُن کی ضدوں سے موصوف ہو۔

اور ان صفتوں کو کمال کہنا ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جو صفتیں ہمارے لئے کمال ہوں وہ اللہ کے لئے بھی کمال ہوں کیا تم نہیں دیکھتے کہ راحت و تکلیف باوجودیکہ ہمارے لئے صفات کمال ہیں لیکن اللہ کے لئے عوارض جسمانی ہونے کی وجہ سے محال ہیں۔

اور اس بنا پر ان صفات کو اللہ کے واسطے ثابت کرنے کیلئے اُن انبیاء کے بیان سے دلیل نقلی تلاش کرنا چاہیئے جن میں سے ہر ایک کی سچائی اور امانت اور نبوت ایسے معجزہ سے ثابت ہو چکی ہو جو خداوند عالم کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرا رسول جو کچھ میری طرف سے تبلیغ کرے خواہ اُس کی تبلیغ قول سے ہو یا فعل سے یا سکوت سے سب سچ ہے۔

معجزہ کی حقیقت

اسلئے کہ معجزہ اللہ کیطرف سے اپنے رسول کے حق میں عملی تصدیق ہے کیونکہ معجزہ خداوند تعالیٰ ہی کا ایک خلاف عادت فعل ہے جو اپنے رسول کے دعوئ رسالت میں صریح قولی تصدیق کے قائم مقام ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کا دعوی رسالت کے وقت رسول کے ہاتھ پر کسی خارق عادت امر کا ظاہر کرانا گویا یوں فرمانا ہے کہ میرا رسول میری طرف سے قولاً یا فعلاً یا سکوتاً جو کچھ بیان کرتا ہے سب سچ ہے۔

علماء نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ اگر ایک شخص بادشاہ کی مجلس میں ایک جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اُس بادشاہ کا ایلچی ہوں جس نے مجھ کو یہ احکام

دیکر تمہاری طرف بھیجا ہے اس پر اگر لوگ اُس سے اُس کی سچائی کی دلیل مانگیں اور وہ یہ کہے کہ میری سچائی کی دلیل یہ ہے کہ میں بادشاہ سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف اپنی جگہ سے تین دفعہ کھڑا ہو اور بیٹھے اور بادشاہ اُس کے کہنے سے ایسا کر بھی لے تو کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل اُن لوگوں کے حق میں جنہوں نے خود بادشاہ کا یہ فعل دیکھا ہو یا اگر خود نہ دیکھا ہو تو اُن کو اس واقعہ کی خبر بذریعہ تواتر پہنچی ہو اس صریح قول کے قائم مقام اور علم بدیہی کا مفید ہے کہ بادشاہ کہے یہ شخص میری طرف سے جو کچھ کہتا ہے سب سچ ہے۔

اور کوئی شک نہیں کہ یہ مثال اس معنے کو رسول کے حق میں بالکل مطابق ہے کہ اُن کے معجزے سے بھی اُن کی سچائی کا علم تمام اُن لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے جنہوں نے خود معجزہ کو دیکھا ہے یا اگر خود نہیں دیکھا ہے لیکن بطریق تواتر لوگوں سے سُنا ہے اور جب معجزہ کے ذریعہ سے اُن کی سچائی ثابت ہو گئی تو جو احکام وہ اللہ کی طرف سے لائے ہیں اُن میں اُن کی تصدیق کرنی ضروری ہے اور انبیاء میں سب سے افضل ہمارے نبی اور سردار محمد

افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا انجام

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے پاس بھیجا ہے کہ آپ تمام اہل دنیا کو اللہ کے امر و نہی اور وعدہ و وعید بتلا دیں اور اُن کی اسقدر کثیر معجزات سے تائید کی ہے جن کا کوئی شمار نہیں تاکہ لوگ اُن کی تصدیق کریں پس تمام روئے زمین کے لوگوں پر واجب ہے کہ جو کچھ اُنہوں نے خبر دی ہے اُس کو سچ جانیں اور جو حکم انہوں نے دیا ہے اُس میں اُن کی فرمانبرداری کریں اور جن باتوں سے منع کیا ہے اُن سے باز رہیں۔ لیکن جس نے اُن کی باتوں کو سچ نہ جانا اور ان کے حکم کی فرمانبرداری نہ کی اور منع کی ہوئی باتوں سے باز نہ رہا تو وہ اُن لوگوں میں شمار ہو گا جن کی نسبت خداوند کریم قرآن مجید میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ یوں فرماتا ہے "وہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"۔

اس آیت میں اللہ نے اُن کو چوپایوں سے صرف اس وجہ ہی سے تشبیہ نہیں دی ہے کہ اُن کی عقلیں دنیاوی اسباب کیطرف متوجہ اور اُنہی پر جم کر رہ گئی ہیں اور آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں جو اُن کے کانوں میں پڑتی ہیں نہ کچھ غور کرتے ہیں اور نہ اُن کیطرف کچھ توجہ کرتے ہیں بلکہ اُن کو چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ کہا ہے اس لئے کہ چوپائے حتیٰ الامکان اپنا نفع نقصان پہچانتے اور اپنے نفع کی چیز تلاش کرنے اور نقصان کی چیزوں سے بچنے میں کوشش کرتے ہیں اپنے مالک کے تابع ہوتے ہیں اور اپنے

ساتھ بھلائی برائی کرنیوالوں کو پہچانتے ہیں۔

اور یہ لوگ ایسے بھی نہیں ہیں کیونکہ یہ تو اپنا نفع نقصان بھی نہیں سمجھتے بلکہ نقصان کے حاصل کرنے میں حتی الامکان کوشش کرتے ہیں اور نفع کے کاموں سے بچتے ہیں اور اپنے پروردگار اور خالق ورازق کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور نہ اُس کے احسان کو سمجھتے ہیں، اور دردناک عذاب کیطرف تو دوڑے چلے جاتے ہیں لیکن دائمی عیش کی طرف نہیں آتے اور اُن لوگوں میں سے ہوئے جاتے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" جانتے ہیں ظاہری حیات دنیا کو اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں"۔

یعنی یہ لوگ اسی ظاہری حقیر و ذلیل دنیا اور اُس کی ظاہری شان و شوکت اور اور اُس کے اُن حالات کو جو اُن کی شہوت کے موافق اور خواہش نفس کے مناسب ہیں جانتے ہیں لیکن آخرت سے جو مقصدِ اعلیٰ اور سب سے بڑا مدعا ہے اور نہ اپنے دل میں ایسے خیالات لاتے ہیں نہ ان باتوں میں غور و فکر کرتے ہیں جن سے آخرت کی معرفت حاصل ہو۔

اسلئے کہ آخرت کی باتوں کا جاننا وجودِ الٰہی کے پہچاننے اور اُس کی قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات کے جاننے پر موقوف ہے۔ اور یہ علم اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ مصنوعات پر نظر اور غور نہ کرے اور اُن کے تغیرات سے اُن کے حدوث اور ایسے موجد کے وجود پر استدلال نہ کرے جو قدیم واحد متصف بقدرت و ارادہ و علم اور حیات ہو۔ اور ان لوگوں نے اپنی نظر چوپایوں کیطرح صرف ظاہری حقیر چیزوں ہی تک محدود کرلی ہے اور اللہ کی عجیب صنعتوں پر غور ہی نہیں کرتے تاکہ اُن سے اللہ کی ہستی اور قدامت اور قدرت اور علم اور ارادہ اور حیات پر استدلال کر کے معلوم کرتے کہ آخرت کی جن باتوں کی خبر دیگئی ہے سب ہونیوالی ہیں اور ضرور ہونگی اور جس وقت ہونگی اُس وقت بندے اپنے اعمال نیک و بد کے لحاظ سے دو گروہ ہوجائیں گے، ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا دوزخ میں۔

ہماری دعا خدا کے حضور میں یہ ہے کہ ہم کو جنت میں نیک لوگوں کے ساتھ رکھے اور بدکار دوزخیوں میں نہ کرے۔

بارہویں مجلس اس بیان میں کہ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن کون کامیاب ہوگا

آخرت کی نعمتوں کے لیے خلوص اور اخلاص شرط ہے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "سب سے زیادہ میری شفاعت سے قیامت کے دن وہ شخص کامیاب ہوگا جو سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے۔" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور اسی کے قریب زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص خلوص سے لا الٰہ الا اللہ کہے جنت میں داخل ہوگا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں حدیثوں میں موعودہ نعمتیں حاصل کرنے کے لئے کلمہ گویوں کے لئے خلوص و اخلاص کی شرط لگائی ہے اور خلوص اور اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر اور باطن یکساں ہوں جو شخص لا الٰہ

خلوص اور اخلاص کے معنی

الا اللہ کہتا ہو لیکن اُس کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو تو اُس میں کچھ بھی خلوص اور اخلاص نہیں بلکہ اُس کا خلوص اور اخلاص اُس وقت سمجھا جائے گا جبکہ یہ کلمہ اس کو گناہوں سے باز رکھے اور اطاعت پر آمادہ کرے۔ اور اگر گناہوں سے باز نہ رکھا اور عبادت پر آمادہ نہ کیا تو اس میں خلوص اور اخلاص نہیں اور ڈر ہے کہ یہ کلمہ کہیں اُس کی زبان پر بطور مانگی ہوئی چیز کے نہ ہو کہ چھن جائے۔ کیونکہ جو شخص کے دل میں صرف ایمان کی

اعمال میں مسلسل کوتاہی سے زوالِ ایمان کا خطرہ ہے

جڑ یعنی کلمہ ہو اور وہ نیک اعمال میں کوتاہی کرتا رہے اور گناہوں پر اڑا رہے تو ممکن ہے کہ اُس کے ایمان کا درخت شیطانی وسوسوں کی تیز ہواؤں کے صدمہ سے جو اُس کو ہلاتی رہتی ہیں اُکھڑ جائے اسلئے کہ ہر وہ ایمان جسکی جڑ اچھی طرح دل میں نہیں بیٹھی ہے اور نہ شاخیں تمام جسم میں پھیلی ہیں اور نہ ابھی اُس میں کچھ پھل لگا ہے ملک الموت کے ظاہر ہونے کے وقت قائم نہ رہے گا بلکہ اُس کے زوال کا خوف ہے اور ایمان کی جڑ دل میں جبھی بیٹھتی ہے اور اس کی شاخیں اعضاء میں جبھی پھیلتی ہیں اور پھل جبھی لگتا ہے جبکہ ہمیشہ ہر گھڑی اُس کو عبادت کے پانی سے سینچتا رہے یہاں تک کہ وہ خوب مضبوطی سے جڑ پکڑ جائے اور شاخیں پھیل جائیں اور پھل نکل آئیں۔ اور یہ بات خاتمہ ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے اور اس قول کی اصلیت جیسا کہ علوم

انسان کا خاتمہ اُنہی اعمال پر ہوتا ہے جن سے زندگی میں اُسکو زیادہ لگاؤ ہوتا ہے

عقلی سے ثابت ہے یہ ہے کہ ایک کام کو بار بار کرنے سے طبیعت میں ایک مضبوط ملکہ پیدا ہو جاتا ہے پس

جو شخص گناہوں پر اڑا رہتا ہے اُس کے دل میں گناہوں کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور جس چیز سے انسان کو اپنی زندگی میں محبت ہوتی ہے مرتے وقت بھی اُسی کی یاد آتی ہے۔ پس اگر زیادہ رغبت عبادت کیطرف ہوتی ہے تو مرتے وقت زیادہ تر عبادتوں ہی کی یاد آتی ہے اور اگر زیادہ تر گناہوں کی طرف رغبت ہوتی ہے تو مرتے وقت بھی زیادہ تر گناہوں ہی کی یاد آتی ہے اور اکثر اوقات روح بھی ایسے ہی وقت میں قبض ہو جاتی ہے جبکہ گنہگار کے دل میں کسی شہوت یا گناہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اُس کا دل اُس سے پھنس جاتا ہے اور خاتمہ کی خرابی کا سبب ہو جاتا ہے۔

اور جس شخص کے گناہ عبادتوں سے زیادہ ہوں اور توبہ بھی نہ کی ہو بلکہ گناہوں پر اڑا رہا ہو اور اس کا دل اُن ہی باتوں سے خوش بھی ہو تو یہ اندیشہ اُس کے حق میں بہت ہی بڑا ہے کیونکہ بعض وقت غلبہ محبت کے باعث گناہ کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے اور نفس بھی اُسی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پھر اُسی حالت میں روح قبض ہو جاتی ہے اور یہی انجام بد ہے اور جس نے گناہ کیا ہی نہیں یا کر کے توبہ کر ڈالی ہو وہ اس خطرہ سے بالکل محفوظ ہے اسلئے ہر مسلمان پر لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد ضروری ہے کہ جو عبادتیں واجب ہیں اُن کو ادا کرتا رہے اور اپنی زبان اور تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے۔

اسلئے کہ بہتیرے کلمہ پڑھتے ہیں لیکن اُن کے اعمالِ بد کے باعث آخر عمر میں یہ کلمہ اُن سے چھین لیا جاتا ہے اور دنیا سے بے ایمان جاتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام تمام عمر تو مومنین میں رہا ہو لیکن مرنے کے بعد اُس کا نام آخرت میں کافروں کی فہرست میں ہو جائے۔

اُس شخص پر کچھ افسوس نہیں جو بُت خانہ سے نکل کر جہنم میں جائے افسوس تو اُس پر ہے جو مسجد سے نکل کر اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے۔ کیونکہ آدمی آدمی بلحاظِ ایمان دو قسم کے ہیں | بلحاظِ ایمان دو قسم کے ہیں۔ بعضوں کا ایمان تو بطور عاریت ہوتا ہے کہ پھر چھین جائے گا اور بعضوں کا ایمان بخشش ہے کہ واپس نہ لیا جائے گا اور اُسکی شناخت یہ ہے کہ جس شخص کا ایمان گناہوں سے روکے اور عبادت پر آمادہ کرے اُسکا ایمان تو عطاءِ الٰہی ہے اُس سے چھینا نہیں جائے گا لیکن جس کا ایمان نہ گناہوں سے روکے اور نہ عبادتوں پر آمادہ کرے اُس کا ایمان عاریت ہے اور اُس سے چھین لیا جائے گا کیونکہ اگر اُسکا ایمان صحیح و خالص ہوتا تو اُس کو گناہوں سے روکتا اور عبادتوں پر اُبھارتا لیکن جبکہ اُس نے گناہوں سے نہ روکا اور عبادت پر نہ اُبھارا تو معلوم ہوا کہ اُس کا دل جو ایمان کا گھر ہے، بیمار ہے۔ کیونکہ

دل کی بیماری اور اُس کا علاج کیونکہ دل کبھی کبھی بیمار بھی ہو جاتا ہے اور پھر اُس کا مرض بڑھ بھی جاتا ہے لیکن مریض کو بوجہ غلبۂ ہوا وہوس آگاہی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات اُس کا دل تک مرجاتا ہے لیکن مریض کو اُس کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

دل کے مرجانے کی یہ شناخت ہے کہ گناہوں کے زخم سے اُسے کچھ درد نہ ہو کیونکہ دل جبتک زندہ رہیگا اُس کو جتنی جان ہوگی اُسی قدر گناہوں کے زخموں سے اذیت ہوگی۔ اور بعض اوقات اُس کو اپنی دِل کی بیماری کی خبر بھی ہو جاتی ہے لیکن دوا کی تلخی کو برداشت نہ کر کے اُس پر صبر نہیں کرتا ہے، اور درد کے باقی رہنے کو بمقابلہ مشقت دوا گوارا کر لیتا ہے کیونکہ اُس کا علاج تو ہوا وہوس کی مخالفت ہے اور نفس کی مخالفت نہایت سخت کام ہے حالانکہ اُس کیلئے اس سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں ہے۔

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ تیری ہوا وہوس تیری بیماری ہے اگر تو نے اُسکی مخالفت کی تو یہی تیرا علاج ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہوا وہوس کا چھوڑ دینا جنّت کی کنجی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو ہوا وہوس سے باز رکھا تو جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے"۔ پس نیک بخت وہ ہے جو اپنے ہوائے

نیک بخت اور بدبخت نفس کی مخالفت کر کے اپنے مولا کی اطاعت کرے۔ اور بدبخت وہ ہے جو اپنے ہوائے نفس کی پیروی کرکے اپنے مولا کی مخالفت کرے۔ کیونکہ خواہش نفس کی پیروی دین کے لیے زہر قاتل اور ہلاکِ ابدی کا اُس روز باعث ہوگا جس دن مال اور اولاد کچھ کام نہ آئینگے سوائے اُس کے جو اللہ کے پاس تندرست دل لیکر آیا ہے۔

پس جبکہ اس دنیائے فانی میں ہلاکت سے ڈرنے والے کو یہ لازم ہے کہ ہر حال میں زہر اور دوسری مہلک چیزوں سے بچتا رہے تو جو شخص ہلاکت ابدی سے ڈرتا ہو اُس پر تو بدرجۂ اولیٰ یہ فرض ہے کہ ہر حال میں گناہوں سے بچتا رہے جو دین کے لئے زہر ہیں کیونکہ ان زہروں سے آخرت کے فوت ہو جانے کا ڈر ہے جس کے مقابلے میں عمر دنیا کا کئی گنا سویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے کیونکہ زمانۂ آخرت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اور آخرت ہی میں دائمی عیش اور بڑا ملک ہے اور اُس کے فوت ہو جانے میں دوزخ کی آگ اور دردناک عذاب ہے پس توبہ اور استغفار میں اس سے پہلے کہ گناہوں کے زہر ایمان کی روح میں اپنا کام کر جائیں بہت جلدی کرو کیونکہ اُس وقت نہ پرہیز اور علاج سے کچھ فائدہ ہوگا اور نہ ناصحوں کی نصیحت اور واعظوں کے وعظ سے کچھ نفع ہوگا اور یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ایسا شخص کافر ہے اور اللہ کے اس عام قول کے تحت میں شامل ہو جائے گا "ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈالے ہیں جو ٹھوڑیوں

"تک بہہ بس وہ سڑ ال رہے ہیں" اور اس دھوکے میں نہ آجانا کہ ہم مومن ہیں اور اس آیت میں

اصل ایمان سے محرومی کا خطرہ | کافر مراد ہیں۔ اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ "زانی زنا نہیں کرتا،

در آں حالیکہ وہ مومن ہو" یہاں حضور سرور کائنات ؐ نے اُس ایمان کی نفی مراد نہیں لی جو اللہ اور ملائکہ اور کتب الٰہی اور پیغمبروں کے جاننے کا نام ہے کیونکہ اس ایمان کے زنا اور دیگر گناہ منافی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان جو اس امر کے یقین کرنے کا نام ہے کہ زنا اور باقی تمام گناہ اللہ سے دور کرنے اور غضب الٰہی کا باعث ہیں سلب ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص اُس اصل ایمان کی شاخ سے محروم ہو گیا وہ خاتمہ کے وقت اصل ایمان سے بھی محروم ہو جائیگا حتیٰ کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ گنہگار کا پرہیزگار سے یہ کہنا کہ میں بھی تیری طرح مومن ہوں

ایک حکایت | ایسا ہی ہے جیسے کہ کدو کے درخت نے صنوبر کے درخت سے کہا کہ میں بھی تیری طرح ایک درخت ہوں اور صنوبر نے اُسکے جواب میں کیا خوب کہا ہے کہ ٹھہرو اپنا حال جس وقت خزاں کی ہوائیں چلیں گی اور تمہاری جڑیں اُکھڑ جائیں گی اور پتے اُڑتے پھریں گے اُس وقت معلوم ہوگا اور اپنے غرور کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جو محض درخت کے نام میں شرکت اور درختوں کے قیام کے ذرائع سے بےخبری کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح گنہگار کو عنقریب جبکہ موت کی ہوائیں چلیں گی اور جان کنی شروع ہو گی اپنا حال معلوم ہوگا اور اپنے اس غرور کا حال کھلے گا کہ باوجود صرف نام کا مومن ہونے اور ایمان کے قائم رہنے کے اسباب سے بےخبر ہونے کے ایک پرہیزگار کی برابری کرتا تھا۔

حسرت اور ندامت کا وقت | اور یہ ایسی بات ہے کہ خاتمہ ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض مشائخ کا مقولہ ہے کہ جب ملک الموت بندہ کو ظاہر ہوتے ہیں تو بندہ جانتا ہے کہ اب میری عمر کچھ باقی نہیں رہی تو اس وقت اُس کو اس درجہ حسرت اور ندامت ہوتی ہے کہ اگر اُس کے قبضے میں تمام دنیا بھی ہوتی تاہم وہ اُسکو صرف اسلئے خرچ کر دیتا کہ صرف ایک گھڑی عمر اور بڑھ جائے کہ اپنی بدعنوانیوں کا تدارک کر لے لیکن اُس کی کوئی سبیل نہ پا کر بےکار مضر چیزوں میں عمر ضائع کرنے پر رنج و افسوس و ندامت کے گھونٹ پی کر رہ جائے گا اسی حالت میں اُس کی روح نکلنا شروع ہو جائے گی اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور وہ حسرت و ندامت کرتا رہ جائے گا اسی واسطے اللہ فرماتا ہے اُن لوگوں کی توبہ توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے

کف افسوس ملنے والے نادم لوگ | ہیں اور جب کسی ایک کو موت آگئی تو کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں بلکہ توبہ تو اُنہی کی ہے جنہوں نے جہالت سے گناہ کیے پھر قریب ہی توبہ کر لی۔ اور قریب سے مراد وہ وقت ہے جو گناہ سے قریب ہو کہ اُس گناہ پر فوراً نادم ہو کر اس سے پہلے

کہ گناہ کی تاریکی دل پر چھا جائے اور مٹائے نہ مٹے کسی نیکی سے اُس کا اثر مٹایا اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ برائی کے بعد ہی کوئی نیکی بھی کر لے کہ یہ نیکی برائی کے اثر کو مٹا دیگی" لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا ہے کہ "اے بچے توبہ میں کبھی دیر نہ کرنا اس لئے کہ موت یکایک آجاتی ہے سو جو شخص جلد توبہ نہیں کرتا اور اب اور تب پر ٹالتا رہتا ہے کبھی موت اتنی جلدی آجاتی ہے کہ اُس کے مٹانے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "مسوّف لوگ تباہ ہو گئے"۔ مُسوّف وہ ہے جو کہتا ہے اب توبہ کر لونگا تب توبہ کر لوں گا اور ایسا شخص ہلاک ہوگا کیونکہ اُس نے اپنے کام کی بنیاد ایسے باقی رہنے پر رکھی جو اُس کے اختیار میں نہیں۔ ممکن ہے کہ اُس کو بقا ہی نصیب نہ ہو اور اگر نصیب ہو تاہم جیسا کہ وہ گناہ آج نہیں چھوڑ سکتا کل بھی نہ چھوڑ سکے کیونکہ آج اُس کا گناہ کو نہ چھوڑ سکنا غلبۂ شہوت کی وجہ سے ہے۔ اور شہوت چھوٹنا تو کیا اور بڑھتی جائے گی اور عادت ہو جانے سے پختہ ہوتی جائے گی اور وہ شہوت جو خوگر ہونیکی وجہ سے پختہ ہو گئی ہو اُس شہوت جیسی نہیں جو ابھی پختہ نہ ہوئی ہو۔ سو جب گناہ اُس شہوت کی وجہ سے جو پختہ نہیں ہے نہ چھوٹے تو پختہ ہو جانے کے بعد چھوٹ جانا محال ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ اب تب کرنے والے ہلاک ہو گئے کہ یہ لوگ دو مشابہ چیزوں میں فرق سمجھتے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ سب دن یکساں ہیں اور شہوت کا چھوڑنا ہمیشہ دشوار ہے۔

پس عاقل کو چاہیئے کہ جب اُس سے کوئی گناہ سرزد ہو تو توبہ میں جلدی کرے کیونکہ جو شخص کسی بات میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور فوراً ہی اُس سے توبہ نہیں کرتا تو وہ ظالم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جن لوگوں نے توبہ نہیں کی وہ ظالم ہیں"۔ توبہ اُس کیفیت کا نام ہے

توبہ کی حقیقت | جو تین چیزوں یعنی علم اور حال اور قصد سے حاصل ہو۔ علم تو یہ ہے کہ گناہ ہونکے نقصان عظیم اور اُن کے اپنے اور اپنے محبوب کے درمیان پردہ ہو جانے کی معرفت حاصل ہو۔ اور حال ندامت کو کہتے ہیں یعنی جس وقت یہ معلوم ہو کہ میرا محبوب میرے ہاتھ سے جاتا رہا تو دل میں درد اور رنج معلوم ہو۔ اور قصد انسداد کے ارادہ کا نام ہے۔

اور قصد کو موجودہ اور گذشتہ اور آئندہ تینوں زمانوں سے علاقہ ہے۔ زمانہ موجود سے اُس کا تعلق تو یہ ہے کہ بالفعل جو گناہ وہ کر رہا ہے اُن سے باز آئے اور تمام فرائض جو اُسپر واجب ہیں ادا کرے اور زمانہ آئندہ سے تعلق یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے گناہ چھوڑ دے اور مرتے دم تک عبادت کرتا رہے اور زمانہ گذشتہ سے اُس کو علاقہ یہ ہے کہ جو افراط و تفریط کر

رہتا ہے اُس کا تدارک کرے۔

اور تدارک کا یہ طریقہ ہے کہ چھوٹے ہوئے عبادات اور کیے ہوئے گناہوں کو دیکھے اگر عبادتیں چھوٹی ہیں تو قضا سے اُن کا تدارک کرے اور جب فرائض و واجبات کی قضا سے جو اُس کے ذمے تھے فراغت پائے تو اپنے گناہوں میں غور کرے تو جو اُس کے اور اللہ کے درمیان ہوں اُن میں تو دل سے شرمندہ ہونا اور زبان سے استغفار کرنا اور آئندہ کیلئے یہ عہد کرنا کہ اب کبھی ایسا نہ کروں گا کافی ہے۔ اور اگر خلق کے حقوق ہوں تو جو جو حقدار معلوم ہوں، اگر

| خلق کے حقوق اور اُن کی ادائیگی |

حقوق مالی ہوں تو اُن کے حقوق ادا کرے اور اگر حقوق غیر مالی ہوں تو اُن سے معاف کرالے اور اگر اہل حقوق معاف نہ کریں تو اُس پر اُس کا مواخذہ باقی رہیگا اور ایسی حالت میں اُس کو یہ لازم ہے کہ اُن کیساتھ بھلائی کرے اور اُن کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا رہے حتی کہ اُن کو اپنی طرف مائل کر کے اُن سے اپنی خطا معاف کرالے اور انسان احسان کا بندہ ہے ممکن نہیں کہ کسی کے ساتھ احسان کرو اور وہ احسان کو نہ مانے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اپنے محسن کی محبت اور برائی کرنیوالے کے بغض پہ دل اصل فطرت میں پیدا کئے گئے ہیں پس اگر کسی شخص کا دل کسی برائی سے بیزار ہوجائے تو وہ بھلائی سے خوش بھی ہوجائے گا اور جب حقدار کا دل کثرت احسان اور اس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنیسے خوش ہوجائے گا تو امید ہے کہ وہ معاف بھی کردے گا اور اگر معاف نہ کرنے ہی پر اڑا رہے تاہم اُس کا یہ احسان اور اُس کے کاموں میں اس کی یہ دوڑ دھوپ خود ایسی نیکیاں ہیں کہ ممکن ہے قیامت کے دن یہی اُس کی برائی کا بدلہ ہوجائیں اور اس سبب سے یہ مناسب ہے کہ حقدار کیساتھ احسان کرے اور اُس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کر کے اُس کا دل خوش کرنے اور راضی کرنیکی اسی قدر کوشش کیجائے جسقدر کہ اُس کو تکلیف پہنچائی ہو تا کہ اُسکی یہ بھلائی اور احسان پہلی برائی کے ساتھ برابر یا کچھ زیادہ ہو سو اسکا عوض قیامت کے دن حقدار سے لے سکے لیکن اگر حقدار موجود نہ ہو یا مرگیا ہو اور ظلم کرنیوالا حقوق غیر مالی کو تو معاف نہ کرا سکا ہو اور حقوق مالی کو جو اُسکے ذمے تھے مفلسی کی وجہ سے صدقہ نہ کرسکا ہو تو اُس کو واجب ہے کہ حتی الامکان کثرت سے عمل صالح اور مظلوم مومنین و مومنات کے لئے اکثر دعائے مغفرت کرتا رہے کیونکہ اگر وہ ایسا کریگا تو اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اُس کے مدعی کو قیامت کے دن راضی کردے"۔ چنانچہ

| ایک مومن کا اپنے بھائی مومن کو معاف کرنیکا اخروی انعام |

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے یکایک ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے

اگلے دانت کھل گئے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کیوں ہنستے ہیں آپ نے فرمایا کہ "میری امت کے دو شخص اللہ کے سامنے آبیٹھے ہیں ایک کہتا ہے کہ خداوندا اس شخص سے میرا بدلہ لے لے اسپر اللہ تعالیٰ نے دوسرے سے فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق دیدے تو اُس نے کہا خدایا میری نیکیاں میں سے تو کچھ بچا ہی نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے فرمایا کہ اب تو اپنے بھائی کا کیا کرے گا اُس کے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ رہا ہی نہیں۔ اُس نے عرض کی خداوندا تو پھر اس پر میرے گناہوں کا بوجھ لادنا چاہیے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل ہو گئے اور فرمایا کہ یہ ایسا دن ہوگا کہ لوگوں کو ضرورت ہوگی کہ اُن کے گناہ اوروں کے سر پڑ جائیں پھر فرمایا" اللہ تعالیٰ حق مانگنے والوں سے کہے گا آنکھ اُٹھا اور بہشت کی طرف دیکھ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے گا تو اُس کو ایسی خیر اور نعمتیں نظر آئیں گی کہ پھڑک اُٹھے گا اور پوچھے گا خداوندا یہ کس کیلئے ہیں اللہ فرمائیگا جو اس کی قیمت دے وہ کہیگا اس کی قیمت کون دے سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو۔ وہ کہے گا میں کیونکر دے سکتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معافی دیدے تو وہ کہے گا کہ خداوندا میں نے اس کو معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ اپنے بھائی کا ہاتھ تھام اور جنت میں لے جا" یہ اس صورت میں ہے جبکہ حقدار کافر نہ ہو اور اگر کافر ہو تو پھر بڑی دشواری ہے کیونکہ وہ چونکہ جنت کا مستحق نہیں ہے اس لئے مسلمان پر کافر کے حقوق اور اُن کی ادائیگی اُس کے راضی کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے نہ مومن کا ثواب ہی اُس کو دے سکتے ہیں اور نہ کفر کا گناہ مومن پر لادا جاسکتا ہے اور اُس سے معافی کی اُمید بھی نہیں ہے پس کافر کا دعویٰ سخت ہوگا۔ اسی طرح جب بہائم کا حق ہو یعنی اُس کو بے گناہ مارا ہو یا کسی خطا سے اُس کے مُنہ پر مارا ہو یا اُس کی طاقت سے زیادہ اُسپر لاد دیا ہو یا اُس کے چارے پانی کی خبر نہ لی ہو تو اُس کا دعویٰ بھی قیامت کے دن بہت سخت ہوگا کیونکہ نہ وہ گنہگار ہیں کہ اُن کا گناہ اُس پر لادا جائے اور نہ اس قابل ہیں کہ اس کی نیکیاں اُس کو دیدی جائیں اور ایسی حالت میں عذاب متعین ہے۔

تیرھویں مجلس اس بیان میں کہ خالص دل سے توحید دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتی ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" جو شخص سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اُس کے رسول ہیں اللہ اُسپر آگ حرام کر دے گا" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت معاذ بن جبلؓ اس کے راوی

ہیں۔ اس حدیث کے ظاہری معنی کا تو یہی اقتضا ہے کہ جو شخص کلمۂ شہادت پڑھ لے وہ دوزخ میں نہ جائے گا اگرچہ نہ احکام بجا لائے اور نہ مناہی سے بچے لیکن فی الواقع اس کا یہ مطلب نہیں کیونکہ حدیث کے واقعی معنیٰ یہ ہیں کہ جو شخص خدا کی وحدانیت اور رسول ؐ کی رسالت کی گواہی دے اور اپنی گواہی کے مطابق احکام دین پر عمل کرے اور ناجائز باتوں سے بچے اللہ اُس کو دوزخ پر حرام کر دے گا یہ معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد صدقا من قلبہ سے نکلتے ہیں کیونکہ گواہی جب نہ دل سے ہو گی تو بندہ احکام پر عمل کرکے اور ممنوعات سے بچ کر اپنے مولیٰ کو خوش کرنے کی طرف متوجہ ہوگا لیکن اگر حکموں پر عمل نہ کرے اور گناہوں سے باز نہ رہے تو یہ گواہی صرف زبانی ہے صدق دل اور اعتقاد سے نہ ہو گی کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے اور اعضاء زبانی دعویٰ کے گواہ ہیں۔

کلمہ شہادت کا حقیقی مفہوم

پس جو شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ ایمان کے موافق اعضاء سے عمل بھی کرتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور جس بات کا دعویٰ کرتا تھا وہ ثابت ہے اور اگر بمقتضائے ایمان اعضاء سے کام نہیں لیتا ہے تو وہ نہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے نہ اُس کا دعویٰ ثابت ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو بات زبان سے کہی جاتی ہے بعض اوقات صدق دل اور اعتقاد سے نہیں ہوتی اگرچہ واقعہ میں صحیح ہو جیسا کہ منافقین کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک رسولِ خدا ہیں" تو اُن کا یہ کہنا گو واقع میں سچا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ بیشک تم اللہ کے رسول ہو لیکن چونکہ اُنکی گواہی صدق دل اور اعتقاد سے نہ تھی اللہ نے اُن کو جھٹلا دیا اور فرمایا اللہ گواہ ہے کہ بیشک منافقین جھوٹے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ۔

شہادت یقینی بات کو کہتے ہیں جیسا کہ صحاح میں مذکور ہے اور اسی لئے گواہ کے لیے یہ شرط ہے کہ اُس بات کی گواہی دے جو اُس کے نزدیک یقیناً ثابت ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب تم کو آفتاب کی طرح یقین ہو جائے اُس وقت گواہی دو"۔ ہاں جو شخص کسی ایسی بات کی گواہی دے جو اُس کے نزدیک یقیناً ثابت نہیں ہے وہ جھوٹا ہے خواہ وہ بات واقع میں سچی ہی ہو اور اسی سبب سے حدیث میں اُس گواہی کی سچائی کا اعتبار کیا ہے جو سچائی کے منبع اور مرکز دل سے نکلی ہو تاکہ اُس کا اثر اعضاء میں بھی ظاہر ہو کیونکہ اعضاء دل کے تابع ہیں جو دل میں ہوگا وہی اعضاء سے سرزد ہوگا اس بنا پر جو شخص کلمۂ شہادت کہتا ہے تو گویا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اُس کے معنوں کا اُس کو

دل سے یقین ہے اور اگر اس کو اس کے معنے کا یقین نہ ہو تو وہ اپنے دعوے میں نہ سچا ہے اور نہ اس کا دعویٰ ثابت ہے اور پھر ایسی حالت سے وہ کیونکر مومن ہو سکتا ہے کیونکہ صرف زبان سے بغیر معنی سمجھے ہوئے کلمہ پڑھنا حقیقت ایمان حاصل ہونے میں کافی نہیں بلکہ حقیقت ایمان حاصل ہونے کے لئے زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہی معنی سمجھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مکلف پر عقائد ایمانی میں سے اللہ اور پیغمبروں کے حق میں جن جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ سب اس کلمہ میں موجود ہیں۔ اس لئے کہ کلمہ کا پہلا حصہ نفی اور اثبات کا

کلمہ میں نفی اور اثبات کا مطلب

مرکب ہے اور جو چیز کہ غیر خدا سے نفی کر کے بطریق حصر کے خدا کے لئے ثابت کی گئی ہے وہ الوہیت ہے اور الوہیت دو معنی پر مشتمل ہے۔

ایک تو خداوند عالم کا کل ماسوا سے بے نیاز ہونا دوسرے تمام ماسوا کا اللہ کی طرف محتاج ہونا۔ پس اس رُو سے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ کے سوائے ایسا کوئی نہیں جو خود کل ماسوا سے بے نیاز ہو اور کل ماسوا اس کے محتاج ہوں اس کی ماسوا سے بے نیازی تو اس کے لئے وجود اور قدامت اور بقا کو لازم ثابت کرتی ہے کیونکہ ان صفات میں سے کسی ایک کا بھی پایا نہ جانا حدوث کو لازم کرتا ہے اور ہر حادث محدث کا محتاج ہے لہٰذا ان صفات کی خدا کے لئے ضروری نہ ہونے کی صورت میں وہ بھی محدث کا محتاج ہوگا۔

اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ اللہ کی ذات تمام نقائص سے پاک ہو اور نقائص سے منزہ ہونے میں سننے دیکھنے اور بولنے کا ضروری ہونا بھی شامل ہے اس لئے کہ اگر خدا کے لئے یہ صفات ضروری نہ ہوں تو نقائص کے ساتھ متصف ہوگا اور اس چیز کیطرف جو اس سے ان نقائص کو دور کرے محتاج ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ خدا کا کوئی حکم یا کام کسی غرض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ بلا غرض ہو کیونکہ اگر خدا کے لئے بے غرض ہونا ضروری نہ ہو تو جس شے سے اس کی غرض پوری ہو اس کیطرف محتاجی لازم آئے گی۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ممکنات میں سے کسی چیز کا کرنا یا نہ کرنا اس کے لئے ضروری نہ ہو ورنہ خدا کی ان کاموں کی طرف احتیاج لازم آئے گی تاکہ ان کو کر کے کمال حاصل کرے اور جمیع ماسوا کے جناب باری تعالیٰ کیطرف محتاج ہونے سے اس کے لئے علم ارادہ قدرت اور حیات واجب ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ صفات اس کیلئے واجب نہ ہوں تو وہ دنیا کی ہر شے پیدا کرنے سے عاجز ہوگا۔

اسی طرح اُس سے وحدانیت بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر خداوندِ عالم یکتا نہ ہو بلکہ اس کیساتھ اُس کا کوئی شریک اور ہو تو دونوں کے عجز کی وجہ سے کوئی شے ان کیطرف محتاج نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام ماسوا کی احتیاج سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم حادث ہے۔ کیونکہ اگر عالم کی کوئی شے بھی قدیم ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوتی اور اللہ کی حاجتمند نہ ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق میں کسی طرح کا کچھ اثر نہیں ہے کیونکہ مخلوقات میں سے اگر کسی چیز میں بھی کچھ اثر ہوتا تو یقیناً وہ اثر اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا حاجتمند نہ ہوتا۔

سب اسی تقریر کی رُو سے گویا جو شخص لا الٰہ الّا اللہ کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی واجب الوجود ہے نہ قدیم اور باقی رہنے والا ہے اور نہ کوئی ممکنات کے پیدا کرنے پر اللہ کے سوا قادر ہے اور نہ کوئی غیر متناہی معلومات کا اللہ کے سوا جاننے والا ہے اور نہ کوئی نقصانوں سے پاک ہے اور نہ کوئی اپنے تمام کاموں اور حکموں میں اللہ کے سوائے بے غرض ہے اور نہ کوئی اللہ کے سوا کسی مخلوق میں کچھ اثر کر سکتا ہے۔

اسی طرح وہ تمام صفات جو خدا کے لئے ضروری یا جائز یا اُس کے حق میں محال ہیں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ اس تقریر ماسبق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کلمۂ توحید کے معنوں کا سمجھنا معرفت الٰہی پر موقوف ہے اور معرفتِ الٰہی سے یہ مراد نہیں کہ خود ذاتِ الٰہی کا ادراک ہو کیونکہ ذاتِ الٰہی تو کسی بشر کو معلوم نہیں ہو سکتی بلکہ معرفتِ الٰہی سے مُراد اُن صفات کا جاننا ہے جو خدا کے لئے واجب یا اُس کے حق میں محال یا جائز ہیں، تاکہ موحّد کو کلمہ پڑھتے ہوئے معلوم ہو سکے کہ کونسی صفت غیر اللہ سے سلب کرے اور کیا کیا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے۔

معرفت الٰہی کا مفہوم

اس کلمہ میں حقیقتِ الٰہ کا اللہ تعالےٰ کے سوا ہر فرد مسلوب ہے اور صرف ایک فرد یعنی خداوند تعالےٰ مُثبَت ہے یعنی تمام دنیا کے معبودوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہونے کا انکار کیا گیا ہے اور صرف اللہ کے لئے معبود ہونا ثابت کیا گیا ہے اور چونکہ الٰہ واجب الوجود مستحقِ عبادت کو کہتے ہیں اور یہ معنی کلی ہیں اس لئے اپنے محض ادراک کے لحاظ سے افرادِ کثیرہ پر صادق آ سکتے ہیں۔

لیکن دلیل عقلی یقینی کئی خداؤں کے محال ہونے اور اس معنی کے اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلالت کرتی ہے اور وہ دلیل عالم کا وجود ہے کیونکہ عالم اپنے حادث

ہونے اور محدث کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کا کوئی موجد ضرور ہے نیز یہ کہ موجد قدیم یکتا قدرت وارادہ والا اور صاحب حیات وعلم ہے کیونکہ اگر وہ عالم کا موجد قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو خود ایک محدث کا محتاج ہوگا اور دور یا تسلسل لازم آئے گا اور دور وتسلسل دونوں محال ہیں اور اگر ایک نہ ہو بلکہ کئی ہوں تو آپس میں روک ٹوک واقع ہوگی جو عالم کے موجود نہ ہونے کو مقتضی ہے اور اگر قدرت وارادہ اور علم اور حیات سے موصوف نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ایجاد قدرت کا اثر ہے اور قدرت کا کسی چیز میں اثر ارادہ پر موقوف ہے اور ارادہ علم پر موقوف ہے کیونکہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد اُس چیز کو معلوم کئے بغیر محال ہے۔ اور ان تینوں صفتوں سے موصوف ہونا حیات پر موقوف ہے کیونکہ اس کے لئے حیات شرط ہے اور اب اس بنا پر عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرہ کا وجود اللہ تعالیٰ کے موجود قدیم اور یکتا اور چاروں صفاتِ مذکورہ سے متصف ہونے اور اس امر پر کہ ان صفات کی ضدیں اُس کے لئے محال ہیں یقینی دلیل ہے۔

اسی لئے بعض موحد اثر سے مؤثر کے وجود پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے کسی ایسی چیز کو نہیں دیکھا کہ اُس کے بعد خدا کو نہ دیکھ لیا ہو کیونکہ عالم میں کا ہر ہر ذرہ اپنے حادث ہونے اور موجد کی طرف احتیاج کی وجہ سے زبانِ حال سے جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز، کہتا ہے کہ میرا ایک موجد ہے جو قدیم واحد قدیر صاحب ارادہ وعلم و حیات ہے سننے والے اس کا کلام سنتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سن سکتے جن کی سماعت بیکار ہے۔

اور سماعت سے مراد سماعتِ باطنی ہے جس سے وہ کلام سنا جاتا ہے جسمیں نہ حرف ہیں، نہ آواز نہ عربی ہے نہ عجمی سماعتِ ظاہری مراد نہیں ہے جس سے صرف آواز سنی جاتی ہے اور جس میں انسان کے ساتھ بہائم بھی شریک ہیں۔ اور ایسی چیز کی قدر ہی کیا جس میں بہائم بھی انسان کے شریک ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ انسان عقل سے اُنہی صفاتِ الٰہی کو جان سکتا ہے جن پر اُس کے افعال دلالت کرتے ہیں اور جو افعال

معرفتِ صفاتِ الٰہی کے دلائل

خداوندی دلالت نہیں کرتے جیسے سننا، دیکھنا، بولنا۔ تو اُن کے ثبوت کیلئے کبھی عقلی دلیل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقلی دلیل سے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اُن کے ثبوت کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ صفات کمالی ہیں اور اُن کی ضدیں ناقص صفتیں ہیں اور یہ کہ خدا کا صفاتِ کمال سے موصوف ہونا اور صفاتِ ناقص سے موصوف نہ ہونا ضروری ہے۔ پس خدا کا ان صفات سے موصوف ہونا بھی ضروری ہوا۔

اور اُن کے ثبوت کی نقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت صاف طور سے کہتی ہے کہ یہ صفتیں خدا کیلئے ثابت ہیں۔ پس اُن کے ثبوت کا یقین بھی واجب ہوا۔

اور اس مسئلہ میں نقلی دلیل عقلی دلیل سے بہتر ہے کیونکہ ان صفات پر نہ افعال خداوندی مبنی ہیں کہ افعال سے ان صفات کے ثبوت پر استدلال کیا جا سکے اور نہ ذات خدا کسی کو معلوم ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ صفتیں اللہ کے حق میں کمال ہیں کہ اگر ان سے متصف نہ ہوا تو لازم ہے کہ اُن کی ضدوں سے موصوف ہوگا بلکہ ان اوصاف کا کمال ہونا صرف ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ہمارے لئے کمال ہو خدا کے لئے بھی کمال ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ راحت و تکلیف باوجودیکہ ہمارے لئے ہیں اللہ کے حق میں عوارض جسمانی ہونے کی وجہ سے محال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ شہادت کا پہلا حصہ اُن تینوں قسموں کو شامل ہے جن کا جاننا حق تعالیٰ کے بارہ میں مکلّف پر فرض ہے یعنی وہ صفتیں جو اللہ کے لئے واجب ہیں یا جو محال ہیں یا جو جائز ہیں اُن صفتوں سے جو اللہ کے لئے واجب ہیں۔ صفات ثبوتیہ مراد ہیں اور محال صفتوں سے صفات سلبیہ مراد ہیں اور جائز صفتوں سے صفات فعلیہ مراد ہیں اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر استدلال کلمہ کے دوسرے حصہ میں اس بات کا حکم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لیکن اُس کے معلوم کرنے کے لئے کوئی دلیل چاہیئے۔

اور اُس کے معلوم ہونے کی دلیل آپ کے ہاتھوں دعویٰ رسالت کے وقت معجزات کا ظاہر ہونا ہے کیونکہ معجزہ اللہ کی جانب سے ایک تصدیق فعلی ہے کیونکہ معجزہ اللہ کا ایک خلاف عادت فعل ہے۔ اور پیغمبر کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کے بارے میں ایک صریح قول کا قائم مقام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ رسالت کے وقت اپنے رسولؐ کے ہاتھ پر کسی خارق عادت کام کا ظاہر کرنا گویا اُس کا یہ فرمانا ہے کہ میرا رسول میری جانب سے جن احکام کی تبلیغ کرے خواہ اُس کی تبلیغ قولاً ہو یا فعلاً یا بطریق سکوت سب سچ ہے۔

علماء نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ اگر ایک شخص بادشاہ کے دربار میں ایک جماعت کے رُوبرو کھڑے ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایلچی ہوں بادشاہ نے مجھ کو تمہارے پاس یہ احکام دے کر بھیجا ہے اور اس پر لوگ اُس سے کوئی ایسا ثبوت طلب کریں جس سے اُسکی سچائی ثابت ہو اور وہ یہ کہے کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عادت کے خلاف تین دفعہ اٹھے بیٹھے۔ اور بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا کر

بھی لیا تو اس میں شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل اس کہہ دینے کے قائم مقام ہے کہ یہ شخص میری طرف سے جو کچھ بیان کرتا ہے سب سچ ہے اور ہر اس شخص کو جس نے بادشاہ کا یہ فعل خود دیکھا ہے یا خود نہیں دیکھا ہے بلکہ بتواتر سُنا ہے اس واقعہ سے علم بدیہی حاصل ہو جائے گا۔

اور کوئی شک نہیں کہ یہ مثال اس بارہ میں کہ انبیاءؑ کے معجزہ سے بھی اُن لوگوں کو جنہوں نے خود دیکھا ہے یا اگر خود نہیں دیکھا ہے بلکہ بہ تواتر سُنا ہے علم بدیہی حاصل ہو جانے میں بالکل رسول کے حال کے مطابق ہے۔ اور چونکہ معجزہ ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی طرف سے ایک تصدیق فعلی ہے اسلئے ضروری ہے کہ اور انبیاءؑ کے لیے بھی اللہ کی طرف سے کوئی تصدیق فعلی ہو کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح نبی ہیں لہذا سب کے لیے صدق اور امانت اور جس بات کی تبلیغ پر مامور ہیں اس کی تبلیغ ضروری ہے اور اُن کے حق میں ان صفتوں کی ضدیں یعنی کذب اور خیانت اور امر تبلیغی کا چھپانا محال ہیں۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا صحیح مفہوم

اور اُن کے حق میں وہ عوارض بشری جن سے اُن کی شانِ رسالت میں کوئی بٹہ نہیں لگتا جائز ہیں جیسے بیماری وغیرہ۔

اور اُن کے لیے صدق کی ضرورت اور کذب کا محال ہونا اس لئے ضروری ہے کہ خداوند عالم اُن کی تصدیق معجزہ سے کرتا ہے جو اُس کے ارشادِ صریح کے قائم مقام ہے پس اگر اُن کا صدق ضروری نہ ہوتا اور اُن سے جھوٹ بولنا ممکن ہوتا تو اللہ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے کیونکہ جھوٹے کو سچا کہنا بھی جھوٹ ہے اور جھوٹ اللہ کے لئے محال ہے اور امانت کا واجب ہونا اور خیانت کا محال ہونا اس سبب سے ہے کہ اگر وہ کسی فعل حرام یا مکروہ میں خیانت کریں تو لازم آتا ہے کہ وہ فعل طاعت ہو جاتے کیونکہ خدا کا تمام مخلوق کو یہ حکم ہے کہ انبیاءؑ کے افعال اور قول اور سکوت میں پیروی کریں اور اللہ حرام یا مکروہ کے کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ پس اگر اللہ کے نزدیک وہ خائن ہوتے تو ہرگز اُن کی پیروی کرنے کا حکم نہ دیتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ نے اُن کو حرام اور مکروہ کاموں سے معصوم بنایا ہے۔ اسی لئے اُن سے وہی کام ہوتے ہیں جو واجب یا مستحب یا مباح ہوں، یہ تو بلحاظ نفس قول کے ہے اور بلحاظ اُن کی شان کے تو حق یہ ہے کہ اُن کا ہر فعل واجب اور مستحب ہی کے درمیان رہتا ہے اور اس کے سوا کسی اور طرح کا نہیں ہوتا کیونکہ اُن سے عام لوگوں کی طرح مباح کام بھی خواہش نفس کے تقاضے سے نہیں ہوتے بلکہ مباح کام بھی محض نیک نیتی سے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ طاعت ہو جاتے ہیں اور کم از کم یہی کہ وہ کام تعلیم اُمت کے لئے کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہر مومن پر واجب ہے کہ بہت پرہیز کرتا رہے اور ڈرتا رہے
ان خرافات کو اپنے کانوں سے سننے یا اپنی عقل کو اس طرف متوجہ کرنے سے جن کو بعض
مورخین نے ان کے حق میں لکھا ہے اُس کا ایمان نہ جاتا رہے اور جن کی بعض جاہل مفسرین
نے بھی بعض باتوں میں پیروی کی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی کم علمی اور غیر محقق ہونے کے سبب سے
ظاہر قرآن وحدیث سے بعض وقت افترا کر بیٹھتے ہیں اور اسی لئے بزرگ کہتے ہیں کہ خدا اور رسول
کی معرفت میں محض ظاہر مضمون کتاب وسنت سے دلیل پکڑنا اصول کفر میں سے ہے۔

امام سنوسی کہتے ہیں "ایسے ہی اس علم کا محض کتابوں اور گڑبڑ کر دینے والے
مشائخ اور غیر محقق فقیہوں سے حاصل کرنا کفر کی جڑ ہے"۔

اور اُن کے حق میں احکام رسائی کا واجب ہونا اور حق پوشی کا محال ہونا اس لئے
ضروری ہوا کہ اگر وہ کوئی ایسی بات جس کے بتلانے کا حکم تھا مخفی رکھیں تو عام لوگ بھی اُس کی
پیروی کرنے کے مامور ہونگے کہ کسی کسی بات کو جس کا بتلانا فرض ہے حاجتمند سے چھپا لیا کریں
اور یہ کیونکر خیال میں آسکتا ہے اسلئے کہ حق پوشی حرام اور حق پوش ملعون ہے۔ جناب باری
کا یہ ارشاد اس کی شہادت ہے "جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے صاف حکم اور ہدایت نازل کئے
ان بعد اس بات کے کہ ہم بیان کر چکے لوگوں کے لئے کتاب میں اُن پر لعنت کرتا ہے اللہ اور
لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے"۔ رہے انسانی عوارضات سو اُن سے انبیاء علیہم السلام

انبیاء علیہم السلام کیلئے انسانی عوارضات اور انکی حکمت

کے مرتبے میں نہ کوئی کمی آتی ہے نہ اُن کی رسالت کو مضر ہیں بلکہ
اس سے تو اُن کا مرتبہ اور اجر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں
خود اُن کا صبر بھی موجب اجر ہوگا کیونکہ خدا کو یہ قدرت تھی کہ اُن کو بلا محنت ثواب عظیم عطا
فرماتا لیکن اُس نے اپنی حکمت کاملہ سے جاہلوں اور بے وقوفوں پر مہربانی کرتے ہوئے تاکہ
وہ انبیاء کی الوہیت کے قائل نہ ہو جائیں یہی پسند کیا کہ اُن کو وہ ثواب ان عوارض انسانی کے
ساتھ عطا کرے اور اُس میں اُن کے سچے ہونے اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کی
اور نیز اسپر کہ جو معجزے اُن کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں یہ سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔
ان پیغمبروں کو اُن کے پیدا کرنے کی کوئی قدرت نہیں ہے ایک بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ
اگر ان کو خود اس کی قدرت ہوتی تو وہ اپنے اُوپر سے اُن باتوں کو بھی دور کر سکتے جو معجزہ سے
زیادہ آسان ہیں جیسے بیماری، بھوک، پیاس، گرمی سردی کی تکلیف اور ایذائے خلق وغیرہ۔

اور اس میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ خلق کے لئے وہ احکام مقرر ہوں جو ان
عوارض سے متعلق ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو ہو جانے سے احکام سہو معلوم ہوئے

اور حالت خوف و مرض میں ادا کے نماز کی کیفیت حضور ہی کے فعل سے معلوم ہوئی اور کھانے پینے کے آداب آپ ہی کے کھانے پینے سے معلوم ہوئے۔ اس تمام تقریر سے معلوم ہوا کہ

خلاصۂ تقریر | کلمۂ شہادت گو مختصر ہے لیکن اُن تمام عقائد کی باتوں کو شامل ہے جن کا جاننا اللہ اور رسول کے بارے میں ہر مکلف پر فرض ہے اور اسی وجہ سے شرع نے اس کلمہ کو اُن عقائد ایمانی پر جو دل میں ہوں دلیل ٹھیرایا ہے یہانتک کہ ان کلموں کے بغیر کسی کا ایمان مقبول نہیں ہے اس لئے عاقل پر فرض ہے کہ اس کے معنی ذہن نشین کرے پھر صبح و شام اس کلمہ کو پڑھا کرے یہاں تک کہ اُس کے معنی خون اور گوشت میں مل جائے خدا ہم کو معنی سمجھ کر اُس کے ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق دے۔ اور اللہ بزرگ و برتر کی مدد کے بغیر کچھ توفیق و طاقت میسر نہیں ہوسکتی۔

چودہویں مجلس اُس ایمان کے بیان میں جو ایماندار کو روزِ قیامت نجات دلائے گا

تکمیلِ ایمان کی حقیقت | رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس بندہ نے لا الٰہ الا اللہ کہا پھر اسی ایمان پر مرگیا وہ جنتی ہے۔" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی ابوذرؓ ہیں اور اس کا ظاہر اس بات کو مقتضی ہے کہ جو شخص کلمہ کے پہلے حصہ یعنی توحید کے معنوں پر ایمان لائے وہ جنتی ہے اگرچہ کلمہ کے دوسرے حصہ یعنی مضمونِ رسالت پر ایمان نہ لاتے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ دوسرے حصہ کا ذکر اس میں نہیں کیا ہے لیکن وہ بھی آپ کی مُراد ہے کیونکہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنے سے جنت میں داخل ہونا لازم نہیں آتا تاوقتیکہ محمد رسول اللہ کا بھی قائل نہ ہو۔ اسلئے کہ ایمان بغیر ان دونوں کے پورا نہیں ہوتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول ثم مات علی ذلك سے یہ بتلایا کہ آخر دم تک اس کلمہ پر ثابت رہنا بھی ضروری ہے اسلئے کہ جو شخص ایمان پر ثابت نہ رہا بلکہ کفر پر خاتمہ ہوا تو اُس کا ایمان جو پہلے تھا کچھ مفید نہ ہوگا بلکہ مفید وہی ہے جو مرتے دم تک قائم رہے تاکہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہو خواہ ایسے گناہ کتنے ہی ہوں جن سے توبہ بھی نہ کی ہو۔ کیونکہ جو شخص ایمان کے ساتھ مرتا ہے خواہ وہ گناہوں پر اُڑا رہا ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو تو وہ اللہ کی مشیت میں ہوگا چاہے تو بخش کر بلاعذاب جنت میں لیجاتے اور چاہے

بقدر گناہ عذاب کرکے اُس کے بعد جنّت میں داخل کرے گو ایک لمحہ بھر بعد ہی۔ لیکن جاننا چاہیے

کلمہ کی فضیلت کہ کلمۂ ایمان چونکہ ذات وصفات وافعالِ خدا کو اور رسول کی رسالت کو ثابت کرتا ہے اس لئے اُس کو معنی سمجھ کر پڑھنا چاہیے کیونکہ بے سمجھے اُس کا پڑھنا حقیقتِ ایمان حاصل ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ایمان انہی چاروں رکنوں پر مبنی ہے اور جب اِن چاروں کے مضامین کا علم نہ ہوا تو کلمہ کے پڑھنے سے نہ کچھ فائدہ نہ کچھ حاصل۔

کیونکہ اس کلمہ کی فضیلت صرف زبان ہلانے کی وجہ سے نہیں کہ دل میں اسکے معنی حاصل ہوں یا نہ ہوں بلکہ فضیلت کلمہ کی اُس معرفت پر ہے جو ایمان کی حقیقت ہے بنا بریں ہر مومن پر واجب ہے کہ کلمہ کے معنے سمجھنے میں کوشش کرے کیونکہ یہی جنت کی قیمت اور دنیا و آخرت کے مصائب سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔

علماء نے صاف تصریح کی ہے کہ اُس کے معنی سمجھنا ضروری ہیں۔ ورنہ صرف زبان سے کہنے والے کو عذاب دائمی سے چھٹکارا حاصل ہونے میں مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ اکثر اماموں سے پوچھا

بغیر سمجھے کلمہ پڑھنے والے کا حکم گیا کہ ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے اور طرح طرح کی عبادتیں کرتا ہے لیکن اُس کا کلمہ پڑھنا اور عبادت محض ظاہری قول وفعل ہیں جیسے لوگوں کو کرتے اور کہتے دیکھتا ہے ویسے ہی خود کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ کلمہ تو پڑھتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ میں کیا بول رہا ہوں نہ اللہ کے معنی جانتا ہے نہ رسول کے نہ نفی واثبات کی خبر ہے کبھی یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ کی طرح ہوتا ہے تو کیا ایسا شخص اپنے افعال و اقوال ظاہری سے نفع اُٹھائے گا اور عند اللہ اُس کیلئے ایمان کی حقیقت ثابت ہے یا نہیں۔ اُن سب نے یہی کہا کہ ایسے شخص کو اسلام سے کچھ نسبت نہیں ہے اگرچہ اُس سے ظاہری اقوال و افعال ایمانی جن کا ذکر ہوا صادر ہوا کرتے ہیں۔

امام سنوسی نے کہا ہے کہ یہ بات جو اُس شخص کے حق میں بیان کی ہے وہ بالکل ظاہر ہے کسی عالم کو اِس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اسی بنا پر ہر وہ شخص پر جو عذاب ابد سے بچنا اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے واجب ہے کہ اوّل اُس کے معنی سمجھنے میں کوشش کرے اور معنی سمجھ کر زبان سے بھی ادا کرے تاکہ اقرارِ زبانی اور تصدیقِ قلبی دونوں پائی جائیں اور اُس کو حقیقت ایمان حاصل ہو۔ کلمہ کا پہلا

کلمہ کا پہلا حصہ نفی واثبات سے مرکب ہے حصہ نفی و اثبات سے مرکب ہے جس میں حقیقتِ الٰہ کے کل افراد کی ذاتِ خدا کے سوا نفی کی گئی ہے اور حقیقتِ الٰہ کے صرف ایک فرد یعنی اللہ تعالیٰ کا اثبات کیا گیا ہے۔ اور الٰہ واجب الوجود مستحقِ عبادت کو کہتے ہیں اور یہ مفہوم

اللہ واحد اور اُس کی دلیل | کلی ہے کہ محض خیال کرنے سے بہت افراد پر صادق آ سکتا ہے۔ لیکن دلیل عقلی قطعی ثابت کرتی ہے کہ کئی خدا کا ہونا محال ہے اور یہ مفہوم کلی خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ دلیل عالم کا وجود ہے کیونکہ عالم اپنے حادث ہونے اور محدِث کی طرف محتاج ہونے کیوجہ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی اُس کا محدِث ہے اور اُس کا واحد قدیم متصف بقدرت و ارادہ وعلم وحیات ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر محدِث ایک نہ ہو بلکہ ایک سے زیادہ ہوں تو آپس میں ایسی روک ٹوک کا ہونا یقینی ہے جو عالم کے معدوم ہو جانے کو مقتضی ہے اور اگر قدیم نہ ہوا بلکہ حادث ہوا تو پھر وہ خود کسی محدِث کا محتاج ہوگا اور اس صورت میں یا دَور لازم آئے گا یا تسلسل اور یہ دونوں محال ہیں۔

اور اگر قدرت و ارادہ اور علم وحیات سے متصف نہ ہو تو ایک چیز بھی پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ ایجاد قدرت کا کام ہے اور قدرت کسی چیز پر جب ہی کام کرتی ہے جب اس شے کا ارادہ ہو اور کسی شے کا ارادہ اُس کے علم کا مقتضی ہے کیونکہ کسی چیز کی ایجاد کا قصد اُس کے جاننے کے بغیر محال ہے اور ان تینوں صفتوں سے موصوف ہونا حیات کو چاہتا ہے اس لئے کہ حیات اِن سب کے لئے شرط ہے اور اس بنا پر عالم کا وجود بلکہ اُسکے ہر ہر ذرّہ کا وجود خدا کی ہستی اور وحدت وقدرت مذکورۂ بالا اور چاروں صفتوں سے موصوف ہونے پر دلیل قاطع ہے۔

اور اسی لئے بعض اہلِ توحید اثر سے مؤثر پر استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کے دیکھتے ہی ہم نے خدا کو نہ دیکھ لیا ہو کیونکہ ہر ہر ذرّۂ عالم اپنے حادث اور محدِث کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے ہمیشہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ اُس کا کوئی موجد ہے جو یکتا قدیم وقادر وارادہ وعلم وحیات اور تمام اُن صفات والا جو اُس کی شان کے شایاں ہیں۔ یہ باتیں سُننے والے ہی سُنتے ہیں اور جن کی سماعت بیکار ہے وہ نہیں سُنتے

اور سمع سے مراد سمع باطنی ہے جس سے وہ کلام سُنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز نہ عربی نہ عجمی۔ سماعت ظاہری مراد نہیں ہے جس سے آواز کے سوا کچھ نہ سُنا جائے اور جس میں بہائم بھی انسان کے شریک ہیں۔ اور حاصل یہ ہے کہ مکلف بذریعۂ عقل صرف اُنہی صفاتِ الٰہی کے ثبوت پر دلائل | صفات کو جان سکتا ہے جن پر افعالِ الٰہی دلالت کرتے ہیں اور جن کا پتہ افعال سے نہیں ملتا جیسے سمع بصر کلام ان کے ثبوت کے لئے کبھی تو عقلی دلیل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقلی دلیل سے۔

ان صفاتِ الٰہی کے ثبوت پر عقلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ صفات صفاتِ کاملہ ہیں اور اُن کے ضد صفاتِ ناقصہ ہیں اور یہ ضروری ہے کہ خدا کامل صفتوں سے موصوف اور ناقص

مذمتوں سے بری ہو لہٰذا ان صفات سے اُس کا موصوف ہونا واجب ہوا ہے۔

اور نقلی دلیل اُن کے ثبوت کی یہ ہے کہ شریعت میں ان کا ثبوت ذات باری کے
لئے موجود ہے لہٰذا باری تعالیٰ کے لئے اُن کا ثبوت قطعی ہے۔

اور اس مسئلہ میں دلیل نقلی دلیل عقلی سے اولیٰ ہے کیونکہ ان صفات پر افعال
خداوندی تو موقوف ہیں نہیں کہ افعال سے اُن کا ثبوت کیا جا سکے اور ذات الٰہی کا کسی بشر کو
علم نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ صفتیں اُس کے حق میں کمال ہیں اُن سے موصوف ہونا
ضروری ہے کہ اگر اُن سے نہ موصوف ہو تو لازم آئے کہ اُن کے اضداد سے موصوف ہو، بلکہ اُنکا
کمال ہونا ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز ہمارے لئے کمال ہو اللہ کے
لئے بھی کمال ہو۔ دیکھو کہ راحت و تکلیف باوجودیکہ ہمارے اعتبار سے کمال ہیں لیکن عوارض جسمانی
ہونے کی وجہ سے اللہ کے لئے محال ہیں۔ یہ تو کلمہ کے حصہ اول یعنی توحید کی تحقیق ہے اور اس

کلمہ کے دوسرے حصہ میں رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ہے

کے دوسرے حصہ میں یہ حکم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا
کے رسول ہیں اور اس کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت
ہے اور دلیل آپ کے ہاتھوں دعویٰ رسالت کے وقت معجزہ کا ظاہر ہونا ہے کیونکہ معجزہ اللہ
کی طرف سے ایک تصدیق فعلی ہے اور یہ اسلئے کہ معجزہ بھی اللہ ہی کا ایک خارق عادت فعل ہے
جو رسول کے حق میں صریح تصدیق قولی کا قائم مقام ہے کیونکہ اللہ کا عادت کے خلاف دعویٰ
رسالت کے وقت رسول کے ہاتھ پر کسی خارقِ عادت کام کا کرنا گویا اُس کا کہنا یہ ہے کہ میرا رسول
قولاً یا فعلاً یا سکوتاً جو کچھ میری طرف سے پہنچاتا ہے سب سچ ہے۔

اس کی مثال علماء نے یوں بیان کی ہے کہ ایک شخص اگر ایک بادشاہ کے دربار میں
ایک جماعت کے رُوبرو کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایلچی ہوں جس نے مجھے فلاں فلاں
حکم دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور حاضرین اُس سے اُس کی سچائی کی دلیل مانگیں تو وہ یوں کہے
کہ میری سچائی کی پہچان یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عادت کے خلاف
اپنے تخت سے تین مرتبہ اُٹھے بیٹھے اور بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا ہی کر لیا تو کوئی شک
نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل بجائے اُس کے اس قول کے ہے کہ یہ شخص میری طرف سے جو کچھ بیان
کرتا ہے سب سچ ہے اور ہر اُس شخص کے لئے جس نے بادشاہ کا یہ فعل خود دیکھا ہو یا خود نہ
دیکھا ہو بلکہ بتواتر سُنا ہو یقینی علم کا ذریعہ ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال اس معنی کو رسول علیہ السلام کے حال کے بالکل
مطابق ہے کہ اُن کے معجزے سے بھی ہر اُس شخص کو جس نے معجزہ خود دیکھا ہو یا خود نہ دیکھا ہو بلکہ

بتواتر سُنا ہو علم یقینی حاصل ہوجاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص کلمہ کے اُن معانی کو سمجھ کر جو اوپر بدلائل بیان کئے گئے ہیں پڑھیگا اُس کو ایمان کی حقیقت حاصل ہوجائے گی اور اب اُس پر واجب ہے کہ اوامر و نواہی کی پابندی کر کے اُس کو مضر چیزوں سے محفوظ رکھے کیونکہ ایمان ایسا ہے جیسے چراغ اور احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے بچنا ایسا ہے جیسے اُس کو حفاظت کی خاطر فانوس میں رکھ دیا اور شیطانی وسوسے اُس کیلئے تیز آندھیوں کیطرح ہیں پس اگر کوئی شخص ایمان کا چراغ دل میں جلاکر اطاعتِ الٰہی کی فانوس میں رکھ کر اُس کی حفاظت نہ کرے گا تو ڈر ہے کہ اُس کے ایمان کا چراغ کہیں اُن تیز ہواؤں کے چلنے سے جن کو وساوسِ شیطانی کہتے ہیں گُل نہ ہوجائے اور اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ گناہ سے بچنا رہ کیونکہ گناہ ایسا ہے جیسے ایک پتھر جو گوپھن میں رکھ کر طاعت کی دیوار میں مارا جائے جس سے دیوار میں سوراخ ہوجائے اور ہوا و ہوس کی ہوا اُس سوراخ سے داخل ہوکر ایمان کا چراغ گُل کردے کیونکہ ایمان اُسی شخص کا تلف ہوتا ہے جس کے دل میں خرابی ہو اور گناہوں پہ اَڑا رہے۔

حقیقت ایمان کے حصول کے بعد اس کی حفاظت کا طریقہ

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گناہ کفر کے قاصد ہیں کیونکہ صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ کرنے کا باعث ہوجاتا ہے اور کبیرہ گناہ کرتے کرتے کفر کی نوبت پہنچ جاتی ہے اس کی نسبت خداوندِ عالم کے کلام پاک میں یوں اشارہ ہے جو یہود کے حق میں آیا ہے اور ذلت اور مسکینی اُن پر ٹوٹ پڑی اور وہ لوگ کما لائے غضب الٰہی کا، یہ سب اسلئے کہ وہ نہ مانتے تھے حکم اللہ کا اور ناحق پیغمبروں کا خون کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے حد سے بڑھ گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ گناہ اور سرکشی اُن کو آخر کار کفر اور نبیوں کے قتل کی طرف کھینچ لے گئی اور خداوندِ عالم کا اپنی کتاب میں ایسی حکایت بیان کرنا اپنے نبی اور اُمت پر محض اُس کی مہربانی ہے تاکہ وہ ان باتوں کو سُن کر اُن سے بچتے رہیں۔ اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کی افضلیت اور اس کا اقتضاء

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمامی خلق سے بہتر اور افضل ہیں اس لئے آپ کی امت بھی تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے پس یہ کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ جس کا شمار بہترین امت میں ہو اور بہترین خلائق کی طرف منسوب ہو وہ اپنے لئے یہ بات روا رکھے کہ گناہ کر کے سب سے بدتر ہوجائے بلکہ اُس کو چاہیئے کہ ایمان اور عمل صالح سے اپنے نفس کی اصلاح میں کوشش کرے تاکہ بھلے آدمیوں میں اُس کا شمار ہو۔

چنانچہ خداوندِ عالم فرماتا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے وہی بہترین خلق ہیں" اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سب سے اچھا وہ ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اعمال اچھے ہوں اور سب سے بُرا وہ ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اعمال بُرے ہوں۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی اُمید ہو اور برائی سے امن۔ اور تم میں بُرا وہ ہے جس سے بھلائی کی اُمید نہ ہو اور برائی کا اندیشہ ہو"۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ کے نزدیک مرتبہ کے لحاظ سے بدتر وہ شخص ہے جس کو لوگ اُس کی بدی کے اندیشہ سے چھوڑ دیں" اور ایک روایت میں ہے اُس کی بدزبانی کے خیال سے"۔ اور روایت ہے کہ "اُمت کے اعمال عالمِ برزخ میں اُس کے نبی کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پس بندہ کو شرم چاہیے کہ اُس کے پیغمبر کے سامنے اُسکے وہ کام پیش ہوں جن سے اُس نے منع کیا تھا۔

اور کہتے ہیں اگر کوئی شخص گناہ کرے گا تو ساری خلقت یعنی انسان اور چوپائے اور وحشی جانور اور پرندے اور چیونٹیاں اُس پر دعوے دار ہوں گی۔ کیونکہ خدا گناہ کی نحوست سے بارش روک دیتا ہے جس سے تمام خشکی تری کی مخلوق کو نقصان پہنچتا ہے۔ پس مومن پر ضروری ہے کہ تمام گناہوں سے بچے۔ خدا ہمارے لیے اُن سے بچنا آسان فرمائے ۞

پندرھویں مجلس اس بیان میں کہ ہر بچہ اسلام کے طریقے پر پیدا ہوتا ہے

ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے کہ جانور پورا بچہ جنتے ہیں کیا اُن میں کوئی کان ناک کا کٹا ہوتا ہے تم ہی اُن کے کان ناک کاٹ کر عیب دار کر دیتے ہو"۔ پھر فرمایا کہ "اللہ کا وہ طریقہ جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اُس کے راوی ابوہریرہؓ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا ہر بچہ عمدہ طینت اور اس حالت پر پیدا ہوتا ہے کہ جس میں خداشناسی اور حق اور باطل میں تمیز کرنے کی اُس عقل صحیح اور وضع مستقیم کی وجہ سے جو اُس میں پیدا کی گئی ہے پوری قابلیت ہوتی ہے اگر اُس کو خارجی آفت مثلاً تربیت کی خرابی یا والدین کی تقلید اور شہوتوں میں پھنس جانا وغیرہ آفتیں نہ پیش آئیں تو اُس کی طبیعت اُس کو اس بات پر لے آتی کہ وہ معرفتِ الٰہی کے دلائل میں مشغول ہو اور اس امر پر استدلال کرے کہ اللہ موجود اور قدیم اور واحد اور موصوف بقدرت وارادہ وعلم وحیات ہے۔ اسی طرح اور جو اوصاف اُس

کی شان کے شایاں ہیں لیکن مذکورۂ بالا آفتیں اُس کو اس سے روک دیتی ہیں جیسا کہ جانور کا بچہ پورا پیدا ہوتا ہے اور جدع سے بچا ہوا ہوتا ہے (جدع ناک اور کان وغیرہ نہ کاٹنے تو جیسا پیدا ہوا تھا ویسا ہی بھلا چنگا رہتا۔

حدیث میں حضور علیہ السلام نے لڑکے کے فطرت اسلامی پر پیدا ہونے کو جانور کے پورے بچہ پیدا ہونے سے مشابہت دی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جانور میں سلامتی سے ظاہری عیبوں سے پاک ہونا مراد ہے اور لڑکے کی سلامتی سے باطنی عیبوں سے جو خداشناسی اور امر ونہی کے قبول کرنے سے مانع ہیں بَری ہونا مُراد ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ سب لوگ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتے ہیں جو عقل عطا شدہ کے ساتھ مل کر خداشناسی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی قابلیت و استعداد ہونے کا نام ہے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا ہے اور بطور اقتباس کے فرمایا ہے کہ وہ فطرتِ الٰہی جس پر اُس نے لوگوں کی آفرینش فرمائی ہے۔

پس آپ کا یہ ارشاد اس کے قائم مقام ہے کہ اُس فطرتِ الٰہی کو جو خداشناسی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت کا نام ہے لازم کرلو۔ لہٰذا اس بنار پر ہر مکلّف کو واجب ہے کہ اُس فطرت کو ضائع نہ ہونے دے بلکہ مناسب ہے کہ اُس کو معرفت الٰہی کی تحصیل اور حق و باطل کی شناخت میں استعمال کرے۔ اور معرفتِ الٰہی سے اس کی ذات کی شناخت مراد نہیں

معرفتِ الٰہی کا صحیح مفہوم اور حدوثِ عالم کی دلیل

کیونکہ ذاتِ خداوندی کا علم طاقتِ بشری سے باہر ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس کی صفات کو پہچانو، اُس کی صفتیں دو قسم کی ہیں ایک سلبی دوسری ثبوتی۔ سلبی تو اللہ تعالیٰ کو اُن تمام صفات سے پاک سمجھنا ہے جو اُس کی شان کے شایاں نہیں ہیں اور جن سے احتیاج اور نقصان لازم آتا ہے۔ اور ثبوتی کی دو قسمیں ہیں اوّل تو وہ جن پر خدا کے افعال مبنی ہیں اور وہ قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات ہیں اور دیگر قسم کی وہ صفتیں ہیں جن پر اُسکے افعال موقوف نہیں ہیں مثلاً سمع و بصر و کلام۔

اور اُس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مثل چاند سورج کے محسوس تو ہے نہیں کہ اُس کو حس سے معلوم کرلیں نہ اُس کے وجود کا علم بدیہی ہے جیسے یہ معلوم ہے کہ ایک دو کا آدھا ہے تاکہ اُس کا وجود بداہۃً معلوم ہو جائے بلکہ اُس کا وجود دلیل سے معلوم کیا جاتا ہے اور دلیل عالم کا حادث ہونا ہے۔

عہ اقتباس علم بدیع کی ایک صنعت ہے کہ کلام مجید حدیث یا کسی بزرگ کے کلام سے بعینہ کچھ حصہ عبارت کا موقع مناسب اپنی عبارت میں ملاکر ادا کر دیا جائے ۱۲

اور اُس کے حدوث کا بیان یہ ہے کہ وہ اعیان اور اعراض ہیں اعیان سے مُراد وہ اجسام ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں اور اعراض سے مُراد وہ صفات ہیں جو بذاتِ خود قائم نہیں بلکہ اجسام کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور اُن ہی کو لازم ہیں اور اُنسے جدا نہیں ہوتیں اور یہ دونوں سے حادث ہے۔

لیکن اعراض تو اُن میں سے بعض کا حدوث تو دیکھنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے جیسا کہ حرکت سکون کے بعد اور روشنی اندھیرے کے بعد اور سیاہی سفیدی کے بعد آتی جاتی رہتی ہیں۔ اور بعض کا حادث ہونا دلیل سے معلوم ہوتا ہے اور وہ دلیل عدم کا آجانا ہے جیسا کہ سفیدی روشنی کی ضدوں میں۔

اور اجسام کے حادث ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اجسام حوادث سے کبھی خالی نہیں ہوتے اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے اور حوادث سے خالی نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ حرکت اور سکون سے خالی نہیں ہوتے اور یہ ظاہر ہے بداہتہً اور اضطراراً اس کا علم ہوتا ہے اس میں کچھ بھی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے اور حرکت اور سکون دونوں حادث ہیں کیونکہ وہ آگے پیچھے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ایک کے آنے سے دوسرا فنا ہو جاتا ہے۔

اور بعض اجسام میں تو یہ دیکھا جاتا ہی ہے اور جن میں دیکھا نہیں جاتا اُن کی دلیل یہ ہے کہ کوئی ایسا ساکن نہیں ہے جس کی حرکت عقلاً ممکن نہ ہو اور نہ کوئی متحرک ایسا ہے جس کا ساکن ہونا عقلاً ناممکن ہو پس ان میں جو پیدا ہوا ہے وہ حادث ہے کیونکہ وہ اب پیدا ہوا ہے اور جو اس نو پیدا سے پہلے تھا وہ بھی حادث ہے کیونکہ اگر قدیم ہوتا تو معدوم نہ ہو سکتا اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے کیونکہ اگر حادث نہ ہو تو قدیم ازلی ہوگی اور اس سے حادث کا ثبوت بھی ازل میں لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آئیگا کہ ہر حادث کے پہلے حوادث اس طرح مرتب ہوں کہ انکی ابتدا نہ ہو جیسا کہ فلاسفہ حرکاتِ افلاک اور اشخاص حیوانات وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں چنانچہ فلاسفہ اور اُنکے پیرو بعض وہ نام کے فلاسفہ کا نظریہ، عالم قدیم ہے | مسلمان جن کو اسلام سے کچھ نسبت نہیں کہتے ہیں کہ عالم علوی اور اُن کی تمام ذات و صفات سوائے ایک حرکت کے سب قدیم ہیں اور حرکت بھی اپنے افراد کے اعتبار سے حادث ہے لیکن نوع کے اعتبار سے وہ بھی قدیم ہے۔

پس کوئی ایسی حرکت نہیں جس سے پہلے اور حرکت نہ ہو مگر ابتدا ہی سے ابتدا ہو۔ اور عالم سفلی جو عالم کون و فساد ہے اور یہ فلکِ قمر کے نیچے ہے اس کے بارے

ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کا ہیولی قدیم ہے اور اُس کے تمام اعراض اور صورتیں باعتبار اپنے اشخاص کے حادث ہیں اور بلحاظ انواع کے قدیم ہیں۔ جو بچہ ہے وہ باپ ہی سے ہے اور جو انڈا ہے وہ مرغی ہی سے ہے اور جو مرغی ہے وہ انڈے سے ہے اور ہر کھیتی بیج ہی سے ہے۔ اسی طرح ایک غیر متناہی سلسلہ تک۔

پس اُن کے قول کی رُو سے لازم آتا ہے کہ ایسے حوادث موجود ہیں جن کی ابتدا نہیں کیونکہ اُن کے قول کی بنا پر کوئی حادث ایسا نہیں ہے جس کے پہلے کوئی ایسا حادث ہو جو سب سے اوّل ہو بلکہ اس سلسلہ کی کہیں ابتدا نہیں اور حوادث غیر متناہی کے موجود ہونے پر لازم آئے گا کہ حرکاتِ افلاک اور اشخاص حیوانات وغیرہ میں سے ہر حادث کے پہلے حوادث اس طرح مرتب ہوں کہ اُن کی ابتدا نہ نکلے تو جب تک کہ وہ سب حوادث نہ گذر چکیں گے اُس وقت تک حادثِ موجود کے وجود کی نوبت نہ آئے گی اس لئے کہ آج کی حرکت کے لئے بھی یہی شرط ہے اور اسی طرح اوپر کو بڑھتے چلے جاؤ اور جس چیز کا کہیں سرا نہ ہو اس کا ختم ہو جانا محال ہے۔

نبوت، وجود باری اور فلاسفہ کے نظریہ قدیم عالم کا بطلان

اور اس کو یوں سمجھو کہ بر تقدیر عدم تناہی حوادثات اگر تم کسی حادث موجود کو دیکھو اور پھر اُس سے پہلے حادث پر نظر لے جاؤ اسی طرح اس سے پہلے حادث کی طرف خیال کرو اور اسی طرح شروع کی جانب بڑھتے چلے جاؤ تو تم کو کبھی ابتدا کی جانب کوئی انتہا نہ ملے گی جس سے حادثِ موجود کے وجود کی نوبت آئے۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ حادثِ موجود کا وجود محال ہو لیکن حادثِ موجود کا وجود چونکہ ثابت ہے لہذا حوادثِ غیر متناہی کا وجود باطل ہوا اور جب حوادث غیر متناہی کا وجود باطل ہے تو یہ بھی باطل ہے کہ کوئی چیز حوادث سے خالی نہ ہوتے ہوئے قدیم و ازلی ہو اور ایسی شے کی قدامت کے بطلان سے اُس کا حدوث اور اُس کے حدوث سے عالم کا بجمیع اجزائہ (آسمان زمین اور ان کے متعلقات وغیرہ) حدوث اور ایک ایسے محدِث کیطرف احتیاج ثابت ہوتی ہے کہ اُس کو عدم سے وجود میں لائے اور یہ ضروری ہے کہ وہ محدِث قدیم واحد قدیر صاحب ارادہ وعلم وحیات ہو۔

کیونکہ اگر وہ محدث قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو خود بھی کسی محدث کا محتاج ہوگا تو یہ دُور یا تسلسل یعنی حوادث غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ دونوں محال ہیں اور اگر ایک نہ ہو بلکہ ایک سے زائد ہوں تو لازم آئے گا کہ اُن میں ایسی روک ٹوک واقع ہو کہ عالم کا عدم لازم آئے اور اگر قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات سے متصف نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا کیونکہ پیدا کرنا قدرت کا اثر ہے۔ اور قدرت کسی چیز میں اسی وقت کام کرتی ہے جبکہ اُس شے کا ارادہ ہو اور کسی شے کا ارادہ اُس کے علم کو مقتضی ہے اسلئے کہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد بدون اس کے علم کے

محال ہے اور ان تینوں صفتوں کے ساتھ موصوف ہونا حیات کو چاہتا ہے کیونکہ وہ اس میں شرط ہے پس اس بنا پر عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرہ کا وجود اس امر کے لئے دلیل قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور قدیم واحد اور چاروں صفات مذکورہ سے موصوف ہے۔

اسی لئے بعض اہل نظر اثر سے مؤثر پر دلیل لاکر کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی شے نہیں دیکھی جس کے بعد ہی خدا کو نہ دیکھا ہو۔ کیونکہ عالم کا ہر ذرہ بحیثیت اپنے حدوث اور موجد کا محتاج ہونے کی وجہ سے زبانِ حال سے جس میں نہ آواز ہے نہ حرف ہمیشہ کہتا ہے کہ میرا ایک موجد قدیم واحد و قدرت و ارادہ و علم و حیات سے اوصاف سے جو اُس کی شان کو زیبا ہیں موصوف ہے۔

سُننے والے اُس کے کلام کو سُنتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سُن سکتے جو معذور ہیں اور سمع سے مراد سمع باطنی ہے جس سے وہ باتیں سُنی جاتی ہیں جن میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ عربی ہے نہ عجمی، سمع ظاہری مراد نہیں ہے جس سے صرف آوازیں سُن سکتے ہیں اور جسمیں انسان اور چوپائے برابر ہیں۔ اس لئے اُس چیز کی قدر کیا جس میں چوپائے اور انسان برابر ہو۔

صفات باری تعالیٰ کا ثبوت اور حاصل یہ ہے کہ مکلف بذریعہ عقل کے اُن ہی صفات کو جان سکتا ہے جن کا پتہ اُس کے افعال سے ملتا ہے اور جن پر اس کے افعال دلالت نہیں کرتے جیسے سمع و بصر و کلام، تو اللہ کے لئے اُن کے ثبوت کے لئے کبھی عقل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقلی دلیل سے۔

اُن کے ثبوت کی عقلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ صفتیں صفاتِ کمال اور اُن کی ضدیں ناقص صفتیں ہیں اور یہ واجب ہے کہ خدا کامل صفتوں سے موصوف اور ناقص صفتوں سے بری ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کا ان صفات سے موصوف ہونا واجب ہوا۔

اور نقلی دلیل ان کے ثبوت پر یہ ہے کہ شریعت میں اس کا ثبوت اللہ تعالےٰ کے لئے موجود ہے پس واجب ہوا کہ اللہ کے لئے ان صفات کا ثبوت تسلیم کیا جائے اور اس مسئلہ میں نقلی دلیل عقلی دلیل سے زیادہ قوی ہے اسلئے کہ ان صفات پر افعال خداوندی موقوف نہیں ہیں جن سے ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے معلوم کیا جائے اور ذاتِ خدا تعالیٰ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ صفات خدا کے اعتبار سے بھی کمال ہیں اور ان سے اس کا موصوف ہونا ضروری ہے کہ اگر اُن سے موصوف نہ ہو تو اُن کی ضدوں سے موصوف ہونا لازم آئے گا۔

اور ان صفتوں کا کمال ہونا صرف ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ ضروری نہیں

ہے کہ جو چیز ہمارے لئے کمال ہو وہ اللہ کے لئے بھی کمال ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آرام اور تکلیف باوجودیکہ ہمارے لئے کمال ہیں اللہ کے لئے محال ہیں کیونکہ یہ اجسام کے عوارض ہیں، اسی بنا پر ان صفات کو خدا کے لئے ثابت کرنے میں اُن انبیاءؑ کا کلام نقل کرنا لازم ہے جن کی نبوت معجزہ سے ثابت ہو جو خداوند عالم کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرا بندہ میری طرف سے جو احکام قولاً یا فعلاً یا سکوتاً پہنچاتا ہے اس میں وہ سچا ہے کیونکہ معجزہ اس وجہ سے کہ وہ خداوند تعالیٰ ہی کا ایک خلافِ عادت فعل ہے جو رسول کے ہاتھوں دعوئ رسالت کیوقت ظاہر ہوتا ہے رسول کے لئے فعلی تصدیق اور تصدیق قولی کا قائم مقام ہے کیونکہ اللہ کا دعوئے رسالت کے وقت کوئی امر خلافِ عادت منسوب رسول کے ہاتھ پر ظاہر کرنا۔ گویا یہ کہنا ہے کہ میرا رسول میری جانب سے قولاً یا فعلاً یا سکوتاً جو بیان کرتا ہے سب سچ ہے۔

علماء نے اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ ایک شخص اگر بادشاہ کے دربار میں جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایلچی ہوں مجھ کو فلاں فلاں احکام دیکر تمہارے پاس بھیجا ہے اور لوگوں کے سچائی کی دلیل طلب کرنے پر یہ دلیل پیش کرے کہ میں بادشاہ سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف تین مرتبہ اُٹھے اور بیٹھے اور بادشاہ اُس کے کہنے سے ایسا ہی کرے تو کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل اس قول کے قائم مقام ہے کہ یہ شخص جو کہتا ہے سچ ہے اور اس سے ہر اُس شخص کو جس نے بادشاہ کو ایسا کرتے خود دیکھا ہے یا بتواتر سنا ہے علم یقینی حاصل ہو جائے گا اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال انبیاء علیہم السلام کے حال کے بالکل مطابق ہے کیونکہ ان کے معجزات سے بھی ہر اُس شخص کو جس نے معجزہ خود دیکھا ہو یا بتواتر سُنا ہو علم یقینی بدیہی حاصل ہو جاتا ہے اور جب اُن کا صدق ثابت ہو گیا تو اُن پر ایمان لانا واجب ہے لیکن ایمان اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے کیا چیزیں ضروری اور جائز ہیں اور کیا اُن کے حق میں محال ہیں۔ وہ صفات جو اُن کے لئے واجب ہیں یہ ہیں۔ سچائی امانت اور امر و نہی کا بیان کر دینا اور ان صفتوں کی ضدیں اُن کے حق میں محال ہیں یعنی کذب اور خیانت اور جس کی

انبیاءؑ کے لئے کن صفات کا ہونا اور کن کا نہ ہونا واجب ہے

تبلیغ کا انہیں حکم ہوا ہے اُس کا چھپانا۔ اور جو صفتیں اُن کے لئے جائز ہیں وہ بشری اعراض ہیں جن سے اُن کی شان میں کچھ بٹہ نہیں لگتا مثلاً بیماری وغیرہ۔

اور اُن کے لئے صدق کا واجب ہونا اور کذب کا محال ہونا اسلئے ہے کہ اُن کا معجزہ اُن کی صداقت کی دلیل ہے۔ تو اگر اُن کا کذب ممکن ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ معجزہ

جو صدق پر دلالت کرتا ہے باطل ہو جائے اور یہ محال ہے۔

اور اُن کے حق میں امانت کا واجب ہونا اور خیانت کا محال ہونا اس وجہ سے ہے کہ اگر وہ کوئی فعل حرام یا مکروہ کر کے خیانت کرتے تو ہم کو بھی اُس میں اُن کی پیروی کا حکم ہوتا کیونکہ خدا نے سب مخلوق کو اُن کے اقوال و افعال اور سکوت میں اُن کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ پس اگر اُن سے اللہ کے علم میں کوئی خیانت ممکن ہوتی تو وہ خلقت کو اُن کی پیروی کا حکم نہ دیتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ نے اُن کو حرام یا مکروہ کام کرنے سے معصوم بنایا ہے اور اُن سے وہی کام ہونگے جو واجب ہیں یا مستحب یا مباح، اور یہ باعتبار نفسِ فعل کے ہے ورنہ اُن کی ذات کے لحاظ سے تو حق یہی ہے کہ اُن کے افعال واجب اور مستحب کے ہی درمیان رہتے ہیں اس لئے کہ امر مباح اُن سے عام لوگوں کی طرح بمقتضائے شہوتِ نفس نہیں ہوتا بلکہ اُن سے تو نیک نیتی سے ہوتا ہے جس سے وہ عبادت بن جاتا ہے اور کم از کم یہی کہ اُمت کی تعلیم مقصود ہوتی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوئی تو ہر مومن پر واجب ہے کہ نہایت محتاط اور اپنے ایمان پر خوفزدہ رہے کہ ایسا نہ ہو کہیں اُن خرافات باتوں کی طرف کان لگائے اور ذہن کو متوجہ کرنے سے جو جھوٹے مؤرخ اُن کے حق میں لکھتے ہیں اور بعض جاہل مفسرین بھی بعض باتوں میں اُن کی پیروی کرتے ہیں اُس کا ایمان جاتا رہے کیونکہ وہ بسبب کم فہمی اور عدمِ تحقیق کے اکثر اوقات قرآن اور حدیث کے ظاہری معنوں سے بہتان لگاتے ہیں۔

اس لئے بزرگ کہتے ہیں کہ عقائد میں محض ظاہر کتاب و سنت سے دلیل پکڑنا اور اس بات کی تفصیل نہ کرنا کہ اُن امور میں کونسا محال ہے اور کونسا محال نہیں ہے بلاشبہ کفر و بدعت کی جڑ ہے۔ امام سنوسی کہتے ہیں کہ صرف کتابوں اور غلط کار مشائخ اور فقہائے بے تحقیق سے علم حاصل کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

اور اُن کے حق میں احکام رسانی کا واجب ہونا اور چھپانے کا محال ہونا اسلئے ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام احکامِ الٰہی میں سے کچھ بھی چھپا لیتے تو اُمت کو بھی حکم یہی ہوتا کہ بعض باتیں اُن کی پیروی کے خیال سے چھپا لیا کریں۔ اور حاجت مند کو علم نافع نہ بتلائیں اور یہ چھپانا حرام ہوتے ہوئے اور چھپانے والا ملعون ہوتے ہوئے یہ کیونکر خیال میں آسکتا ہے اور یہ قولِ خداوندی اس کی شہادت ہے کہ جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اُتارا کھلا حکم اور ہدایت بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے واسطے ظاہر کر دیا اُن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے۔

انبیاء کیلئے اعراض بشری جائز ہیں | اور اعراض بشری کا اُن کے لئے ممکن ہونا اس لئے ہے کہ وہ

اُن کی رسالت اور علوِ شان میں بالکل مضر نہیں ہیں بلکہ اُن کا مرتبہ بڑھانے والی چیزیں ہیں کیونکہ
کی عبادت سے اُن کا ثواب بڑھ جاتا ہے اللہ اس پر قادر تھا کہ اُن کو یہ ثواب عظیم بلا مشقت
کئے ہوئے عنائت فرمانا لیکن اپنی حکمتِ عظیمہ سے ضعیف العقل لوگوں پر مہربانی کرتے ہوئے اُس
نے بھی پسند کیا کہ اُن کو یہ ثوابِ عظیم ان عوارض کے ساتھ دیا جائے تاکہ بیوقوف لوگ ان کو خدا
نہ سمجھ لیں۔

اور اسمیں اُن کے صدق اور منجانب اللہ بھیجے جانے کی اور نیز اس کی کہ اُن کے ہاتھ
پر جو معجزے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اُن کو اُس کے پیدا کرنے کی کچھ قدرت
نہیں ہے سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ اگر اُن کو اُس کے پیدا کرنے کی قدرت ہوتی تو اپنے
اُوپر سے اُن بلاؤں کو بھی دُور کر لیتے جو اس سے آسان کام ہے یعنی بیماری اور بھوک اور پیاس
اور گرمی اور سردی کا دُکھ اور خلق کی اذیت وغیرہ۔

اور اس میں ایک اور بڑا فائدہ اور بھی ہے یعنی خلق کو ان باتوں کے متعلق احکام
سکھانا جیسا کہ حضور علیہ السلام کی نماز میں سہو کر جانے سے سہو نماز کے احکام معلوم ہوئے بیماری
اور خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ آپ ہی کے عمل سے معلوم ہوا اور کھانے پینے
آداب آپ ہی کے کھانے پینے سے معلوم ہوئے۔

سولھویں مجلس نیکبخت اور بدبخت کی تحقیق اور کفر وغیرہ کے اقسام کے بیان میں

اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بعض بندے دوزخیوں
کے کام کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جنتی ہوتے ہیں اور بعض بندے جنتیوں کے کام کرتے رہتے
ہیں حالانکہ وہ دوزخی ہوتے ہیں اور اعتبار خاتمہ ہی کا ہے"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور راوی سہل بن سعدؓ ہیں اس حدیث
میں عمل چھوڑ دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس میں ہمیشہ عبادت کرتے رہنے اور تمام عمر
گناہوں سے اس خوف سے کہ وہی وقت اس کی عمر کی کہیں آخری گھڑی نہ ہو بچتے رہنے کی
ترغیب ہے اور نیز اس میں اپنے اعمال پر خود بینی اور اترانے سے جھڑکی بھی ہے کیونکہ کیا
خبر ہے کہ انجامِ کار کیا ہوگا بہتیرے آدمی ایمان اور اطاعت سے جنتیوں کے کام کرتے رہتے
ہیں اور تقدیر الٰہی میں وہ چونکہ دوزخی ہیں اسلئے وہ آخر میں ایمان اور طاعت سے کفر اور گناہ
کیطرف پھر جاتے ہیں اور کفر اور معاصی پر مرکر دوزخی ہو جاتے ہیں اور بہتیرے دوزخیوں کا کام

کفر اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور تقدیر الٰہی میں چونکہ وہ جنّتی ہیں پس آخر عمر میں وہ کفر اور گناہوں سے تائب ہو کر مؤمن اور عابد ہو جاتے ہیں اور ایمان اور عبادت پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور جنّت میں داخل ہوتے ہیں۔

اسی لئے نبی علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے یعنی بندہ کے عمل سعادت اور شقاوت کے اعتبار سے آخر عمر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "عمل کرو کیونکہ ہر شخص کو وہی کام آسان ہوگا جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص سعادتمند ہے اُسکو نیکوں جیسے کام آسان ہوں گے اور جو بدبخت ہے اُس کو بدبختوں جیسے کام آسان ہونگے"۔

سعادتمند اور بدبخت کی علامت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ ہر شخص بُرائی اور بھلائی جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا اُسی کا مورد اور موقع ہے۔ جو شخص ایسے مقدّر کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے کہ وہ جنّتی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسکے ہاتھ سے جنّتیوں ہی کے کام کراتا ہے اور اُسکو اُن کے لئے آسان کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسی حال میں مرکر جنّتی ہوتا ہے اور جس کی پیدائش اس تقدیر کے ساتھ ہے کہ وہ دوزخی ہوگا تو اُس کے ہاتھ سے اللہ دوزخیوں کے کام کرائے گا اور اُس کو وہی کام آسان ہونگے۔ یہاں تک کہ مرجائے گا۔ اور دوزخی ہوگا۔

پس ظاہر عمل کی دلیل سے ظن غالب ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی ہر دو قسم میں سے کس قسم کا ہے۔ اور اسی لئے واجب ہے کہ عمل نیک سے کسی وقت خالی نہ رہے اسلئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ موت کب آئے گی کیونکہ نہ اُس کا کوئی سنہ اور وقت معیّن ہے نہ اُس کا مرض معلوم ہے پس خوشی ہے اُس شخص کے لئے جس کو خدا نے سمجھ دی ہے اور خواب غفلت سے بیدار ہے اور خاتمہ کی فکر میں لگا ہے۔ اور میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں کہ ہم کو نیکی میں بشارت کے ساتھ موت دے۔ کیونکہ مؤمن کو مرتے وقت اللہ کی طرف سے بشارت دی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جن لوگوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اُسی پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری لو جنّت کی جس کا تم سے وعدہ ہے"۔

اللہ کے دوستوں کے لئے موت کے وقت خصوصی بشارت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا ہے کہ جن لوگوں نے اُس کے پروردگار ہونے کا اقرار کیا ہے اور اُس کی یکتائی کے قائل ہوئے ہیں اور مرتے دم تک اسی قول و قرار پر اسطرح جمے رہے ہیں کہ تمام احکام بجا لاتے رہے اور تمام گناہوں سے بچتے رہے ہیں کیونکہ بدون اس کے استقامت نہیں ہوتی بلکہ ایک حکم پر بھی عمل نہ کرنے اور ایک گناہ کے کرنے

سے بھی راہِ حق سے کمی پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ کیطرف سے مرتے وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہ کہہ کر بشارت دیتے ہیں کہ مت ڈرو اور مت غم کرو اور اُس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے تمہارے پیغمبر کی زبانی وعدہ تمہارے خدا نے وعدہ کیا تھا۔ اور

اللہ کے دشمنوں کا موت سے گریز کرنا

اپنے دشمنوں کے حق میں یوں فرمایا ہے کہ "اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو اور وہ اُس کی کبھی تمنا نہ کریں گے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں بہت بدکاریاں کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے اقرار کے سچے ہیں وہ مرنے کے لئے ہر دم تیار رہنے کی وجہ سے موت کی تو د تمنا کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے نہیں ہیں کیونکہ ان کے عمل نیک ہیں، اور ظالم چونکہ مرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے وہ موت کے آرزومند نہیں ہیں بلکہ اُس سے بھاگتے ہیں کیونکہ اُن کے بُرے عمل ہیں اس لئے کہ عملِ بد اگرچہ دائرۂ ایمان سے نکالتا لیکن وہ خاتمہ کی خرابی اور آخرت کی نحوست کا

عملِ بد خاتمہ کی خرابی کا سبب ہوتا ہے

سبب ضرور ہوتا ہے کیونکہ خاتمہ اُسی کا خراب ہوتا ہے جس کے عقیدے میں خرابی ہو یا گناہوں پر اصرار ہو یا استقامت سے پھر گیا ہو یا ایمان میں ضعف ہو۔ اعتقاد کی خرابی تو یوں ہوتی ہے کہ دل میں کسی قسم کا شرک ہو کیونکہ شرک چھ طرح کا

شرک اور مشرکین کی اقسام

ہوتا ہے۔ ایک شرک استقلال ہے وہ یہ کہ دو مستقل خدا ثابت

شرکِ استقلال

کرے جیسے فرقہ ثنویہ کا شرک۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں بہتیری بھلائیاں اور بہتیری بُرائیاں پاتے ہیں اور ایک ذات بھلی اور بُری دونوں طرح کی نہیں ہو سکتی پس ضرور ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کا فاعل جُدا جُدا ہو پھر اس فرقہ کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک مانویہ اور اور دیصانیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فاعلِ خیر نور ہے اور فاعلِ شر ظلمت اور دوسری قسم مجوسی ہیں وہ کہتے ہیں کہ فاعلِ خیر یزدان ہے اور فاعلِ شر اہرمن جس کو شیطان بھی کہتے ہیں۔ پھر اسمیں بھی اختلاف ہے کہ آیا اہرمن بھی یزدان کی طرح قدیم ہے یا اُسی سے پیدا ہوا ہے۔

شرکِ تبعیض

اور شرک کی دوسری قسم شرکِ تبعیض ہے یعنی خدا کو کئی خداؤں سے مرکب ٹھیرانا جیسے نصاریٰ کا شرک کہ انہوں نے تین اقنوم وجود اور علم اور حیات ثابت کر کے یہ حکم لگایا ہے کہ یہ تینوں خدا ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ ایک جوہر فرد ہے اور ان تینوں سے مرکب ہے اور کہتے ہیں کہ ان تینوں کا مجموعہ ملکر ایک خدا ہے اور ایک ذات کو تین صفتیں قرار دیا ہے اور یہ نامعقول بات ہے۔

شرکِ تقریب

اور شرک کی تیسری قسم شرکِ تقریب ہے یعنی غیر خدا کی عبادت اس لئے کرنا کہ وہ خدا

سے ملا دے گا جیسا کہ اگلے بُت پرست کیا کرتے تھے۔ اُن لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ ہماری اسقدر ذلیل اور ادنیٰ درجہ کی مخلوق ہونے کے باوجود اتنے بڑے سرکار کی عبادت بڑی بے ادبی اور چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس لئے انہوں نے تقرب الٰہی کے لئے اُن چیزوں کی جو اُن کے خیال میں اُن سے بہتر ہیں مثلاً فرشتے۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ آگ وغیرہ کی پرستش شروع کر دی پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ہم جن کی پرستش کرتے ہیں وہ غائب ہیں تو انہوں نے اپنے غائب معبودوں کا شبیہ بنا کر اُنکی پرستش میں مشغول ہوئے اور گو اس سے اُن کی نیت یہی تھی کہ اُن بتوں کے ذریعہ سے اوّل اُن چیزوں کا تقرب حاصل کریں جن کی یہ شبیہ ہیں اور پھر اُس کے بعد اصل مقصد یعنی مولائے بزرگ سے ملجائیں لیکن شیطان نے اُن کی عقلوں کو کھلونا بنا کر اُن کو گمراہی میں ڈال دیا۔

شرکِ تقلید چوتھی قسم شرک کی شرکِ تقلید ہے یعنی اوروں کی دیکھا دیکھی غیر خدا کی پرستش کرنا جیسا کہ پچھلے زمانے کے بُت پرست ہیں کہ جب اُنہوں نے اپنے باپ دادوں کو بُت پوجتے دیکھا تو خود بھی ویسا ہی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی اُن ہی کے قدم بقدم چلیں گے اور وہ بھی اپنے باپ دادوں کی طرح کھلی گمراہی میں ہیں۔

شرکِ اسباب پانچویں قسم شرک کی شرکِ اسباب ہے یعنی تاثیرات کو اسباب ظاہری کیطرف منسوب کرنا جیسے فلاسفہ اور طبیبوں کا شرک اور بعض جاہل مومن جو اُس کے پیرو ہیں کہ انہوں نے جب پیٹ بھر جانے کا تعلق کھانا کھانے سے اور سیرابی کا پانی پینے سے اور ستر پوشی کا کپڑا پہننے سے اور روشنی کا سورج سے ارتباط دیکھا اور اسی طرح اور بہت سی چیزیں تو اپنی جہالت سے یہ سمجھنے لگے کہ جس چیز کے وجود کو جس سے علاقہ ہے بس وہی اس کی مؤثر ہے یا بذاتِ خود یا اس قوت سے جو اللہ نے اس میں پیدا کی ہے اور یہ غلط ہے۔

اور غلطی کا سبب یہ ہے کہ محسوسات پر معقولات کو قیاس کر لیا ہے کیونکہ انہوں نے صرف یہی بات تو دیکھی ہے کہ ایک چیز دوسری چیز سے دوسری کے ہوتے ہوئے متاثر ہوتی ہے اسقدر تو حس سے معلوم ہوا لیکن خود تاثیر حس سے نہیں معلوم ہوتی بلکہ عقل سے معلوم ہوتی ہے لیکن وہ ناسمجھی سے تاثیر پر بھی وہ ہی حکم لگا بیٹھے۔

شرکِ اغراض چھٹی قسم شرک کی شرکِ اغراض ہے۔ یعنی دوسروں کے دکھانے کے لئے عمل کرنا جیسا ریا کاروں کا شرک کہ وہ جب کوئی حکم شرعی واجب یا مستحب بجا لاتے ہیں یا کوئی ممنوع چیز حرام یا مکروہ فعل کو چھوڑتے ہیں تو اُس سے خوشنودیٔ خدا مقصود نہیں ہوتی بلکہ

اُن کا مقصد اصلی اپنے بعض معتقدین سے تعریف کرانا یا اپنی محبت اُنکے دل میں پیدا کرنا یا اُنکے دل میں اپنی بڑائی ثابت کرنا یا مال حاصل کرنا یا جس مذمت کا اُنہیں ڈر ہے اُسے دفع کرنا ہوتا ہے اسی طرح وہ عمل بھی ہیں جو محض حور و قصور اور بہشت کے لالچ سے اور دوزخ سے بچنے کے لئے کئے جائیں اور اُن کے ایسا کرنے کا سبب یہ ہے کہ وہ توحید الٰہی بھول گئے اور اُن کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ نفع یا نقصان اللہ کے سوا اور سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔
اور نیز یہ کہ خلقت کو نفع و ضرر کی قدرت ہے یہاں تک کہ عبادت میں ان کا لحاظ اس خیال سے کرنے لگے کہ ان کی عبادت بھی دنیا و آخرت کے نفع و نقصان میں مؤثر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر یہ لوگ اپنے دل میں یہی بات قائم رکھتے کہ کُل کائنات کا خالق بلا واسطہ وہی ایک ہے اور کسی امر میں کسی چیز کو جس میں ان کی اطاعت بھی داخل ہے مطلق اثر نہیں تو اُن کو اپنی عبادت سے جس کی اُن کو توفیق ہوئی ہے سوائے تعمیل ارشادِ الٰہی کے اور کچھ مقصود نہ ہوتا اور پھر اُس چیز کی اُمید رکھتے جس کا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا وجوب و استحقاق وعدہ فرمایا ہے۔ اور پہلی چار قسمیں یعنی شرکِ استقلال اور شرکِ تبعیض اور شرکِ تقریب

مذکورہ بالا شرک اور مشرک کا حکم شرعی

اور شرکِ تقلید بالاتفاق کفر ہیں۔ اور چھٹی قسم یعنی شرکِ اغراض بالاتفاق گناہ ہے اور پانچویں یعنی شرکِ اسباب کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے مشرک اسباب کے مؤثر ہونے میں مختلف قسم کے اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض کا اعتقاد تو یہ ہوتا ہے کہ یہ اسباب اُن چیزوں میں جن سے اُن کو تعلق ہے بالطبع اور حقیقۃً مؤثر ہیں تو ان کے کفر میں کوئی کلام نہیں اور بعض کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ اسباب بالطبع اور حقیقۃً مؤثر نہیں ہیں بلکہ ایک قوت کے زور سے جو اللہ نے اُن میں پیدا کی ہے مؤثر ہیں اور اگر وہ اس قوت کو نکال لے تو کچھ اثر نہ رہے اور اکثر عامۂ مسلمین نے بھی اس اعتقاد کی پیروی کی ہے تو اس عقیدت کے بدعت ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے البتہ کفر ہونے میں اختلاف ہے۔
پس جس شخص میں مذکورۂ بالا چیزوں میں سے کوئی امر بھی ہو اور اپنے دل سے اُس کے دور کرنے اور اپنی حالت درست کرنے میں کوشش نہ کرے تو اُس کا خاتمہ بُرا ہو گا اگرچہ کتنا ہی بڑا زاہد و صالح ہو کیونکہ زہد و صلاح اُسی وقت نفع دیتا ہے جب قرآن و حدیث

فاسد عقیدہ والے کا عمل بیفائدہ ہے

کے موافق صحیح عقیدہ رکھتا ہو اور جب صحیح عقیدہ موافق قرآن و حدیث نہ ہو بلکہ اس کے خلاف فاسد عقیدہ رکھتا ہو تو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

گناہوں پہ اصرار کا نتیجہ

لیکن گناہوں پر اصرار کرنا تو اس سے دل میں اُن کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کو زندگی میں جس چیز سے محبت ہوتی ہے مرتے وقت اُسی کی یاد آتی

ہے۔ پس اگر انسان کی رغبت زیادہ تر عبادتوں کی طرف رہی ہوگی تو مرتے دم زیادہ تر عبادتیں ہی یاد آئیں گی اور اگر زیادہ تر گناہوں کیطرف رغبت رہی ہوگی تو مرتے دم گناہ ہی یاد آئینگے پس کبھی مرتے وقت توبہ سے پہلے ہی کسی شہوت یا گناہ کا خیال غالب ہو جاتا ہے اور انسان کا دل اُسی میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور اللہ اور اس کے درمیان پردہ بن جاتا ہے اور آخر وقت اُس کی بدبختی کا سبب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گناہ کفر کے قاصد ہیں۔ اور جس نے گناہ کیا ہی نہیں یا کیا لیکن توبہ کر ڈالی ہے وہ اس خطرہ سے دُور ہے

استقامت سے پھر جانے والوں کے انجام کی چند مثالیں

اور استقامت سے پھر جانا یہ ہے کہ راہِ حق سے کجی پیدا ہو جائے کیونکہ جو ابتدا میں مستقیم تھا پھر اپنی حالت سے پھر گیا اور جو حالت پہلی تھی وہ نہ رہی تو یہ خاتمہ کی خرابی اور آخرت کی کوفت کا سبب ہوگا جیسا کہ۔

ابلیس شروع میں تو تمام فرشتوں کا سردار اور معلم اور سب سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین میں کہیں بالشت بھر جگہ اُس کے سجدہ سے نہ بچی تھی لیکن جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنیکا حکم ہوا تو غرور میں آکر انکار کر کے کافر ہو گیا۔

اور جیسے بلعام بن باعورا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے اور اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کو پسند کر کے اُن سے الگ ہو کر وہ گمراہ ہو گیا۔

اور جیسے برصیصا عابد جس سے شیطان نے کہا کافر ہو جا اور جب وہ کافر ہو گیا تو کہا میں تجھ سے بری ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ شیطان نے پہلے تو اُسے کفر پر اُبھارا اور جب وہ کافر ہو گیا تو اس ڈر سے کہ کہیں میں بھی اس کے عذاب میں شریک نہ ہو جاؤں اپنی برأت ظاہر کی حالانکہ اس سے شیطان کو کچھ فائدہ نہیں ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہی سزا ہے ظالموں کی "۔ اور ضعفِ ایمانی کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی محبت دل میں کم ہو کیونکہ جس شخص کا

ضعفِ ایمانی کے نتائج اور اُن سے حفاظت کا طریقہ

ایمان ضعیف ہوتا ہے اُس کے دل پر دنیا کی محبت ایسی غالب آجاتی ہے کہ اللہ کی محبت کی کچھ بھی گنجائش باقی نہیں رہتی مگر کچھ یوں ہی سی کہ خواہشِ نفس کی مخالفت میں کچھ اُس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا نہ گناہ روکنے میں وہ کچھ مؤثر ہوتی ہے نہ عبادت پر آمادہ کرنے میں اور اس وجہ سے وہ شہوتوں اور گناہوں میں غرق رہتا ہے جس سے اُس کے دل پر گناہوں کی سیاہی کی تہیں جم جاتی ہیں اور نورِ ایمان اوّل ہی سے

ضعیف تو تھا ہی۔ رہا سہا وہ بھی ہمیشہ بجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب نزع کا وقت آتا ہے اور اسکو معلوم ہوجاتا ہے کہ اب وہ دنیا جو اُس کی پیاری ہے اور جس کی محبت اسقدر اُسپر غالب ہے کہ اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور اگر چھوٹی تو رنج ہو گا اب چھوڑنے والا ہے تو چونکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اس لئے ڈر ہے کہ اُس کے دل میں کہیں محبت کے عوض خدا کا بُغض نہ بیٹھ جائے اور اگر اتفاقاً اُسی حالت میں جان بھی نکل گئی تو اُس کا خاتمہ بُرا ہوا اور ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا۔

اور اس بَلا کا سبب دنیا کی محبت اور اُس کی رغبت اور ضعفِ ایمان کے ساتھ جو محبتِ خدا کو ضعیف کر دینے کا باعث ہے دنیا کے ساتھ دلچسپی ہے اور یہ بڑی سخت بیماری ہے جس میں اکثر خلقت مبتلا ہے جو شخص اس بَلا سے بچنا چاہے اُس کو لازم ہے کہ دنیا کی محبت اپنے دل سے دور کر کے اور اپنا اعتقاد درست کر کے گناہوں اور گنہگاروں سے پرہیز کرے اور طاعتِ الٰہی سے جو اللہ کی محبت کا ثمرہ ہے مداومت کرے۔ اور اللہ کی محبت اُسکے پہچاننے

اللہ کی محبت اس کے پہچاننے کے بعد ہی ہو سکتی ہے

کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ انسان کسی ایسی چیز سے محبت نہیں کر سکتا جس کو جانتا ہی نہ ہو بلکہ محبت اُسی سے ہوتی ہے جسے جانتا ہو پس جو شخص اللہ کو اُن اوصاف سے جان لے جن کا جاننا واجب ہے اور سمجھ لے کہ جتنی نعمتیں مجھ کو اور اوروں کو حاصل ہیں سب اللہ ہی کیطرف سے ہیں تو بیشک اللہ کو دوست رکھے گا۔ پھر جب اُس سے محبت ہو گی تو اُس کی رضا جوئی میں کوشش کرے گا اور اُس کے غصہ کے کاموں سے بچے گا۔ اور پھر حسب وعدۂ الٰہی اُس کے احسان اور جنّت میں داخل ہونے کے قابل ہو گا۔ خداوندا ہم کو بھی آسان کیجیو۔

سترھویں مجلس اس بیان میں کہ قبروں پر نماز پڑھنے اور قبروں سے مدد مانگنے اور اُن پر چراغ اور موم بتّیاں جلانا درست نہیں

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا مطلب اور آنحضرت رسول خدا کی لعنت

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "لعنت خدا کی یہود اور نصاریٰ پر جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہود و نصاریٰ کے لئے لعنت کی بد دعا فرمانے کا یہ سبب ہے کہ وہ جہاں اُن کے انبیاء دفن تھے یا تو اس لحاظ سے کہ اُن کی قبروں کا سجدہ کرنا

اُن کی بڑائی کرنا ہے اُن مقاموں پر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ کھلا شرک ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ "خداوندا میری قبر کو بُت نہ بنائیو کہ اس کی پرستش ہوا کرے"۔

یا اس خیال سے کہ وہ سمجھتے تھے کہ نماز پڑھتے وقت قبروں کی طرف منہ کرنا خدا کے نزدیک زیادہ تر قابلِ قبولیت ہے کہ اس میں دو باتیں ہیں اللہ کی عبادت اور انبیاء کی تعظیم اور یہ شرک خفی ہے اور اسی لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اُمت کو قبروں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت بھی نہ ہو اگرچہ دونوں کی نیتیں الگ الگ ہیں اور یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو اُمتیں تھیں وہ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتی تھیں تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ بعض محققین نے کہا ہے

قبروں کی تعظیم بُت پرستی کا پیش خیمہ ہے

کہ کسی متبرک مقام میں جہاں صلحاء کی قبریں ہوں نماز پڑھنا بھی اس ممانعت میں شامل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب اُن صلحاء کی تعظیم اس کا سبب ہوا اسلئے کہ اس میں شرک خفی ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کی اُمت میں بُت پرستی کی ابتدا یُوں ہی ہوئی تھی کہ لوگ قبروں پر بیٹھے رہتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس قول سے خبر دیتا ہے "نوح ؑ نے کہا اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کی تابعداری کی جسکے مال اور اولاد نے نہیں بڑھایا مگر نقصان اور بڑا مکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑیو اور ہرگز نہ چھوڑیو ودّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو"۔

ابن عباس رضؓ اور نیز اگلے لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک لوگ تھے جب یہ مر گئے تو لوگ اُن کی قبروں پر بیٹھنے لگے پھر اُن کی صورتوں کے بُت بنا لئے جب اُس پر ایک زمانہ گذر گیا تو پھر اُن کو پُوجنے لگے اور یہی بُت پرستی کی ابتدا ہے۔

ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثہ میں اپنے اُستاد سے نقل کیا ہے کہ یہ علت جس کی وجہ سے شارع نے قبروں کو مسجد بنانے سے منع فرمایا ہے اسی نے بہتیروں کو شرکِ اکبر یا اس سے کچھ کم درجے کے شرک میں مبتلا کر دیا ہے کیونکہ مرد صالح کی قبر کا شرک بہ نسبت درخت و پتھر کے شرک کے دل جلد قبول کر لیتا ہے۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ بہتیرے لوگ قبروں کے پاس روتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں اور ایسی طرح دل سے عبادت کرتے ہیں کہ مسجدوں میں ویسی نہیں کرتے اور نہ صبح کے وقت کرتے ہیں اور قبروں کے پاس نماز پڑھ کر اور دعا کر کے اتنی برکت کی امید کرتے ہیں جتنی مسجدوں میں نہیں کرتے اسی

مادۂ فاسد کے دُور کرنے کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس بھی طلوع و غروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنے کی طرح بالکل منع فرما دیا خواہ نماز پڑھنے والے کے دل میں برکتِ مکان کا خیال بھی نہ ہو لیکن جیسا کہ محض مشابہت ظاہری کی وجہ سے کہ مشرک طلوع و غروب کے وقت عبادتِ آفتاب کا خیال کرتے تھے اپنی اُمت کو منع فرما دیا گو مشرکین جیسا خیال آپ کی اُمت کے دل میں نہ ہو۔ اب اگر کوئی شخص قبر کے پاس اس غرض سے نماز پڑھے گا کہ نماز میں برکت ہو تو یہ عینِ مخالفتِ خدا و رسولؐ اور ایسا دین ایجاد کرنا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی کیونکہ عبادتوں کی جڑ سُنت اور پیروی پر ہے ہوا و ہوس اور بدعت پر نہیں ہے مسلمانوں کا علمِ دین کے موافق اس امر پر اتفاق ہے کہ قبروں کے پاس نماز ممنوع ہے کیونکہ فسادِ شرک اور بُت پرستی سے مشابہت قبروں کے پاس نماز پڑھنے میں بہ نسبت طلوع و غروب و زوال کی نماز کے زیادہ ہے۔

برکت کے لئے قبر پر نماز پڑھنا مخالفتِ خدا و رسول ہے

اور جبکہ شارع علیہ السلام نے صرف اُس مشابہت سے روکنے کیلئے اس مفسدہ سے منع کیا جو نمازی کے کبھی خیال میں بھی نہیں آیا تو پھر اُس ذریعہ کا کیا کہنا جس سے اکثر شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور وہ یہ کہ مُردوں کو پکارتے ہیں اور اُن سے حاجتیں مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا مسجدوں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اُس کے علاوہ اور وہ عقائد جو مخالفِ خدا و رسولؐ ہیں۔ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب اغاثہ میں لکھا ہے کہ جو شخص اُن چیزوں کو جو قبروں کے بارے میں سنتِ پیغمبر علیہ السلام ہیں اور جن کا حکم اور جن کی ممانعت ہے اور جو صحابہؓ اور تابعینؒ کا مسلک رہا ہے اور اُن چیزوں کو جن پر آجکل اکثر لوگوں کا عملدرآمد ہے جمع کر کے خیال کرے تو ایک کو دوسرے سے اسقدر خلاف اور اُلٹا پائے گا کہ ایک دوسرے سے بالکل میل نہ کھائیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ لوگ اس کے خلاف وہیں نماز پڑھتے ہیں اور قبروں پر مسجدیں بنانے سے ممانعت کی ہے حالانکہ یہ لوگ اُس کے خلاف وہیں مسجدیں بناتے ہیں اور ان کو مشاہد کہتے ہیں۔

حکمِ پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کی چند صورتیں

اور اُن پر چراغ جلانے کی ممانعت کی ہے اور یہ لوگ اس کے خلاف ان پر ہانڈیاں اور موم بتیاں روشن کرتے ہیں اور نہ یہی بلکہ اس کام کے لئے جائدادیں وقف کرتے ہیں۔

اور ان پر ریختہ کرنے اور مقبرہ بنانے سے بھی منع کیا ہے برخلاف اس کے

لوگ قبروں پر ریختہ کرتے ہیں اور برج بناتے ہیں۔

اور قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور برخلاف اس کے لوگ لوحیں چسپاں کراتے ہیں اور قرآن وغیرہ لکھتے ہیں۔

اور قبروں پر اُس مٹی سے زائد ڈالنے سے بھی منع فرمایا جو خود قبر سے نکلی ہے اور لوگ اُس کے خلاف کرتے ہیں کہ علاوہ اُس مٹی کے اینٹیں۔ پتھر۔ چونا زیادہ کرتے ہیں۔

اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے لیکن لوگ مخالفت کرکے میلا بناتے ہیں اور اُس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی سے مقابلہ اور اُنکے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور بہکانے والے گمراہ کی تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے قبروں کا حج مقرر کیا ہے اور اُس کے طریقے مقرر کئے ہیں اور کسی کٹّے گمراہ نے تو اس بارہ میں کتاب تصنیف کی ہے اور اُس کا نام مناسکِ حج مشاہد رکھا ہے۔ گویا اُس نے قبروں کو بیت اللہ سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دین اسلام سے خارج ہو کر بُت پرستوں کے دین میں داخل ہونا ہے۔

(حاشیہ: گمراہی کی انتہا)

اب دیکھو کہ رسول اللہؐ نے قبروں کے بارہ میں جن مقدّم الذکر باتوں سے منع فرمایا ہے اور اُن لوگوں نے جن باتوں کو گھڑ کر اپنا مقصود بنایا ہے اُن دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور بلاشبہ اُس میں اسقدر خرابیاں ہیں کہ اُن کے شمار کرنے سے انسان عاجز ہے ایک تو اُن کی اسقدر تعظیم کرنی جس سے لوگ فتنہ میں پڑجائیں دوسرے اُن قبروں کو مسجدوں پر جو اللہ کے نزدیک سب مقاموں سے افضل اور پسندیدہ ہیں فضیلت دینا کیونکہ یہ لوگ قبروں کے پاس جاتے ہیں ایسی تعظیم اور حُرمت اور عاجزی اور خوف اور نرم دلی کیساتھ جاتے ہیں کہ اتنا مسجدوں میں نہیں کرتے اور مسجدوں میں اُن سے ایسی حالت ظاہر نہیں ہوتی اور یہ کہ قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور چراغ جلاتے ہیں اور یہ کہ قبروں پر چلّہ کشی کرتے ہیں اُن پر چادریں چڑھاتے ہیں اور اُن پر مجاور بٹھلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گور پرست قبروں کی مجاوری کو مسجد حرام کی مجاوری سے بہتر سمجھتے ہیں اور قبروں پر بیٹھے رہنے کو مسجدوں کی خدمت سے افضل جانتے ہیں اور یہ کہ قبروں اور مجاوروں کی منتیں مانتے ہیں اور یہ کہ قبروں پر نماز کے لئے جانا اور اُن کا طواف کرنا اور بوسہ دینا اور چومنا اور رخساروں کا لگانا اور قبروں کی خاک لینا اور صاحب مزار کو پکارنا اور اُن سے فریاد کرنا اور اُن سے مدد اور روزی اور تندرستی اور اولاد اور ادائے قرض اور مصیبتوں سے نجات کی دُعا کرنا اور ان کے سوا اور اسی قسم کی حاجتیں مانگنا جیسے کہ

بُت پرست اپنے بتوں سے مانگتے ہیں۔ اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بات جائز نہیں کیونکہ ان میں سے کوئی کام نہ پروردگار کے رسول نے کیا نہ کسی صحابی اور تابعی نے کیا اور نہ ائمہ دین نے کیا اور یہ محال ہے کہ ان میں سے کوئی چیز مشروع یا عمل نیک ہو اور قرون ثلاثہ اس سے خالی گذر جائیں جن کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق اور عدل کی شہادت دی ہے اور اُس پر وہ متاخرین عمل کریں جن کی نسبت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب اور فسق کی گواہی دی ہے۔

قرون ثلاثہ میں جو کام نہیں کیا گیا اسے مشروع سمجھنا فسق و گمراہی ہے

جس کو اس بیان میں شک ہو تو وہ تلاش کرے کہ تمام دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو کسی روایت صحیح یا ضعیف سے یہ ثابت کر سکے کہ اُن کو بھی جب کبھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو وہ قبروں کے پاس جاتے اور وہاں دعا کرتے اور اُن پر ہاتھ پھیرتے تھے چہ جائیکہ وہاں نماز پڑھنا اور خود اُن سے حاجتیں مانگنا۔ ہرگز نہیں یہ بات کبھی نہیں ثابت کر سکتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان باتوں میں سے اکثر باتوں کی سند وہ پچھلے لوگوں سے حاصل کریں جو اُن تینوں زمانوں کے بعد ہوئے ہیں پھر جُوں جُوں زمانہ گذرتا گیا اور مدت دراز ہوتی گئی یہ بدعتیں بڑھتی گئیں یہاں تک کہ اس بارہ میں چند کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور صحابہ اور تابعین کسی سے ایک حرف بھی منقول نہیں۔

بدعات کی ابتدا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

ہاں اس کے خلاف بہت سی مرفوع حدیثیں منقول ہیں منجملہ ان کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب جس کا دل چاہے زیارت کر لے۔ لیکن زبان پر فحش مت لاؤ" اور بھلا قبروں کے پاس شرک قولی یا فعلی سے بڑھ کر اور کونسا فحش ہوگا اور صحابہؓ کے آثار تو شمار سے زائد ہیں۔

منجملہ اُن کے صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت انسؓ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ دیکھو قبر ہے قبر۔

ابن قیم نے اغاثہ میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک یہ بات ٹھہری ہوئی تھی کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ پھر بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کے نزدیک یہ فعل جائز تھا اس لئے کہ شاید انسؓ نے قبر دیکھی نہ ہو یا یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ یہ قبر ہے یا خیال نہ رہا ہو۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے تنبیہ کی تو وہ ہوشیار ہو گئے۔ اور ایک مفسدہ قبروں کا عرس کرنا

قبروں پر عرس کی خرابیاں اور اُسکا حکم ہے جیسا کہ مشرکین اہل کتاب اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں پر عُرس کرتے تھے اور زیارت کے لئے جمع ہو کر بیہودہ باتوں اور خوشیوں میں مشغول رہتے تھے۔ پس نبی علیہ السّلام نے اپنی اُمت کو اس سے منع فرما دیا چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری قبر پر عرس مت کرنا بلکہ مجھ پر درود بھیجا کرو، تمہارا درود تم جہاں بھی ہو مجھ کو پہنچ جائے گا" اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت سرور کائناتؐ کی قبر تمام روئے زمین کی قبروں سے بہتر اور افضل ہے جب اُسپر عُرس کرنے سے ممانعت ہوئی تو اوروں کی قبر خواہ وہ کوئی ہو بدرجۂ اولیٰ منع کے لائق ہے

پھر حضور علیہ السّلام نے اس قول سے کہ مجھ پر درود پڑھو تم جہاں سے درود پڑھو گے مجھ کو پہنچ جائے گا اس بات کا اشارہ فرما دیا کہ اُمت کی طرف سے جو کچھ صلوٰۃ و سلام جاتا ہے وہ آپ کو پہنچ جاتا ہے قبر کے نزدیک سے بھیجا جائے خواہ دُور سے۔ حضور علیہ السّلام کی قبر کے پاس مجمع کرنے کی کوئی حاجت نہیں، اس واسطے کہ قبروں پر عُرس کرنے ہیں وہ خرابی ہے جس کو خدا ہی جانتا ہے کیونکہ کٹے گور پرست جبکہ قبر کو دُور سے دیکھتے ہیں تو سواری سے اُتر پڑتے ہیں سر کھول دیتے ہیں اور اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں اور زمین کو چومتے ہیں۔ اور پھر جب اُس کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو وہاں پر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اور بیت اللہ سے جسکو خداوند عالم نے جائے برکت اور خلقت کے لئے ہدایت بنایا ہے مشابہ ٹھہرا کر اُس کے گرد طواف کرتے ہیں اور حاجیوں کی طرح جیسا کہ وہ مسجد حرام میں کرتے ہیں بوسہ لینا اور چومنا شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنے ماتھے اور گالوں پر وہاں کی خاک ملتے ہیں۔ اور سر منڈا کر بال کٹوا کر حج قبر کے مناسک و آداب پورے کر کے پھر اُس بُت پر قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ سو اُن کی یہ نمازیں **شیطانی کام اور اُن سے بچنے کا حکم الٰہی** اور آداب حج اور قربانیاں اور آنسو بہانا اور چیخ کر رونا اور مُرادیں مانگنا اور تکلیف سے نجات مانگنا اور فاقہ کشوں کا غنی کرانا اور مصیبت اور بلا والوں کو عافیت دینے کی دُعا کرنا یہ سب کام اللہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ شیطان کے لئے ہیں کیونکہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے کہ اُس کو طرح طرح کے مکر کر کے سیدھی راہ سے روکتا ہے اور اُس کا سب سے بڑا مکر یہ ہے کہ اُس نے لوگوں کے لئے بُت بنائے ہیں جو ناپاک اور شیطانی کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اُس سے بچنے کا حکم کیا ہے اور انکی نجات کے لئے اُس کو شرط ٹھیرایا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ اے ایمان دارو شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے یہ سب نجس اور شیطانی کام ہیں اُن سے بچتے رہو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔

انصاب نُصُب بضمتین یا نصب بفتح و سکون کی جمع ہے اور نصب وہ چیز ہے

جو خدا کے سوائے پرستش کے لئے مقرر کیجائے درخت ہو خواہ پتھر، قبر ہو یا اور کچھ اور اُن سبکو گرا دینا اور اُن کا نشان مٹا دینا واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب سُنا کہ لوگ اُس درخت کے پاس آتے جاتے ہیں جس کے نیچے حضور سرور کائناتؐ سے بعیت کی گئی تھی توآپ نے آدمی بھیج کر اُس کو کٹوا ڈالا۔

پس جب کہ حضرت عمرؓ نے اُس درخت کیساتھ ایسا کیا جس کے نیچے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعیت کی تھی اور جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اِس طرح فرمایا ہے کہ" اللہ تعالیٰ مومنین سے اُس وقت راضی ہوگیا جبکہ وہ تجھ سے درخت کے نیچے بعیت کرنے لگے تو اُس کے لیے اُن انصاب کے لئے جن کے سبب سے اتنا بڑا فتنہ اور ایسی سخت بُلا قائم ہوگئی ہے کیا حکم ہو سکتا ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ خود پیغمبر علیہ السّلام نے مسجدِ ضرار کو گرا دیا تھا اور اس میں اس پر دلیل ہے کہ وہ چیز جس کا فساد مسجدِ ضرار سے زیادہ ہو ڈھا دینا ضروری ہے مثلاً وہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں بیشک اسلام کا حکم ان کے بارے میں یہی ہے کہ اُن سب کو ڈھا کر زمین برابر کر دی جائے اسی طرح اُن گنبدوں اور بُرجوں کو بھی ڈھا دینا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہوں۔ اسلئے کہ اُن کی بنا رسول اللہؐ کی نافرمانی اور مخالفت پر ہے اور جو عمارت کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر بنا کی جائے اُس کا ڈھانا مجدِ ضرار سے بھی زیادہ اولیٰ ہے۔

اس لئے کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے قبروں پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے اور قبروں پر مسجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ پس ایسی عمارت کو گرا دینے میں بہت جلدی کرنی چاہیئے کہ جس کے بنانے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور بنانے والے پر لعنت کی ہے۔ اسی طرح اُن ہانڈیوں اور چراغوں اور موم بتیوں کو دُور کرنا چاہیئے جو قبروں پر روشن کی جائیں۔ کیونکہ اُس کا کرنے والا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت سے ملعون ہے اور جس امر پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اسی واسطے علماء کہتے ہیں کہ قبروں پر تیل بتّی وغیرہ کی نذر جائز نہیں کیونکہ

نذر حرام اور اُس کا حکم | یہ نذر حرام ہے، اس کا پورا کرنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ کفارہ قسم کی طرح اس کا کفارہ دینا چاہیئے نہ اس کے لئے کچھ وقف کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے اور اس کا ثابت کرنا اور نافذ کرنا بھی درست نہیں۔

اور امام ابو بکر طرطوسی فرماتے ہیں کہ دیکھو خدا تم پر رحم کرے جہاں تم کو ایسا درخت

نظر آئے کہ لوگ اُس کے پاس آتے ہیں اور اُس کی تعظیم کرتے ہیں اور اُس سے صحت اور شفاء کی اُمید رکھتے ہیں اور اُس میں میخیں گاڑتے ہیں اور خرقہ باندھتے ہیں تو اُن کو ذاتِ انواط سمجھو اور فوراً کاٹ ڈالو۔ اور ذاتِ انواط نام کا مشرکوں کا ایک درخت تھا جس پر اپنے ہتھیار اور اسباب لٹکا کر اُس کے پاس چلّہ کشی کرتے تھے۔

چنانچہ امام بخاری اپنی کتاب صحیح میں ابی واقد لیثیؓ سے روایت لائے ہیں انہوں نے نے فرمایا ہے کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف چلے اور ہم ابھی نئے مسلمان تھے اور مشرکین کا ایک درخت بیر کا تھا جس کے آس پاس وہ چلّہ کشی کرتے تھے، اور اُس پر اپنے ہتھیار و اسباب لٹکاتے تھے اُس درخت کا نام ذاتِ انواط تھا۔ ہم بھی ایک بیر کے درخت کے پاس سے گذرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کوئی ہمارے واسطے بھی ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے جیسا کہ اُن لوگوں کا ذاتِ انواط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے کہ بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی کوئی معبود بنا دو جیسے کہ اُن کے معبود ہیں۔ پھر فرمایا کہ تم جاہل قوم ہو تم انہی لوگوں کے دستور اختیار کروگے جو تم سے پہلے تھے۔

اب خیال کرو کہ جبکہ اُس درخت کو ہتھیار لٹکانے اور چلّہ کشی کے لئے مقرر کرنا بھی باوجودیکہ وہ لوگ نہ اُس کی پرستش کرتے تھے نہ اُس درخت سے مُرادیں مانگتے تھے خدا بنانا ٹھہرا تو اُن چیزوں کو کیا سمجھنا چاہیئے کہ لوگ درخت یا پتھر یا قبر کی زیارت کو آتے ہیں اور اُس کی تعظیم کرتے ہیں اور اُس سے شفا کی اُمید رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ درخت یا یہ پتھر یا یہ قبر منتوں کو جو عبادت اور قربت ہیں قبول کرتی ہے اُن بتوں کو ہاتھ سے چھوتے ہیں اور اُن کو چومتے ہیں۔ حالانکہ سلف نے مقام ابراہیم پر بھی ہاتھ ملنے سے منع فرمایا ہے جس کے لئے اللہ کا یہ حکم ہے کہ اُس کو نماز کی جگہ بناؤ چنانچہ ازرقی نے حضرت قتادہؓ کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور بناؤ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ، انہوں نے کہا کہ لوگوں کو اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے اس کا حکم نہیں کہ اُس پر ہاتھ لگائیں۔ بلکہ بعض کا اس پر اتفاق ہے کہ حجرِ اسود کے سوا کسی چیز کو نہ چومنا چاہیئے نہ بوسہ دینا چاہیئے۔ اور رکن یمانی میں صحیح حکم یہ ہے کہ ہاتھ سے چومنا چاہیئے اور نہ بوسہ دینا چاہیئے۔ اور یہ ابلیس ہمیشہ اُن کے لئے کسی نہ کسی بزرگ کی قبر کو جس کو لوگ بزرگ سمجھتے تھے نصب بنا دیتا ہے پھر رفتہ رفتہ اُس کو بُت بنا کر غیر خدا کی پرستش کراتا ہے پھر اپنے دوستوں کو یہ سوجھاتا ہے کہ جو شخص اُن کی عبادت سے منع

(حاشیہ: مقام ابراہیم، حجر اسود اور رکن یمانی کے چھونے اور بوسے کا حکم)

(حاشیہ: ابلیس اور اُس کے نتائج)

کرے اور قبر پر عرس کرنے سے روکے اور اُن کو بُت نہ بنانے دے وہ اُن بزرگوں کی حقارت کرتا ہے اور اُن کی حق تلفی کرتا ہے اور جاہل لوگ ایسے شخص کے قتل اور ایذا میں کوشش کرتے ہیں اور اُس کو کافر بناتے ہیں حالانکہ اُس کے سوائے اس کی کوئی خطا نہیں کہ اُس نے اللہ ورسولؐ کا حکم پہنچایا اور اُس کام سے منع کیا جس سے خدا ورسول نے منع فرمایا ہے اور گور پرستوں کے اس فتنہ میں پڑنے کے کئی سبب ہیں :

قبر پرستی کے اسباب

اوّل تو یہ کہ اُن کو بھی نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے کیا مقصود ہے یعنی توحید اور اسباب شرک سے علیحدگی کر لینے کی حقیقت کیا ہے جن لوگوں کو اس کا علم کم ہے جب شیطان اُن کو اس فتنہ کی طرف بُلاتا ہے اور اُن کو اتنا علم نہیں کہ وہ اس فتنہ کو رد کر سکیں تو وہ اُس کو بقدر اپنی جہالت کے قبول کر لیتے ہیں اپنے علم کیمطابق بچتے ہیں ۔

اور **دوسرا سبب** یہ ہے کہ بہتیری جھوٹی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بُت پرستوں کے ہمشکل گور پرستوں نے گھڑ لی ہیں جو آپ کے دین کے بالکل خلاف ہیں مثلاً ایک حدیث موضوع یہ ہے کہ "جب تم کسی امر میں حیران ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو" اور ایک حدیث یہ ہے کہ "جب تم کسی امر میں تھک جاؤ تو لازم پکڑو قبر والوں کو" اور ایک حدیث یہ ہے کہ "اگر کوئی شخص پتھر پر بھی نیک اعتقاد کرے تو نفع پہنچ سکتا ہے"۔

اسی طرح کی اور بہتیری حدیثیں جو دین اسلام کے بالکل خلاف ہیں یہ سب اُن بت پرستوں کے ہم شکل گور پرستوں نے گھڑی ہیں اور جاہلوں اور گمراہوں میں پھیل گئیں۔

حالانکہ اللہ نے اپنا رسول اُن ہی لوگوں کے قتل کے لئے بھیجا ہے جو پتھروں اور درختوں کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں. کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنی اُمت کو قبروں کے فتنہ سے ہر طرح بچایا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی حکایتیں اہل قبور کی مشہور ہیں کہ فلاں نے فلاں کی قبر سے اپنی مصیبت میں فریاد کی تو اپنی مصیبت سے نجات پائی اور فلاں پر ایک مصیبت آئی تو اُس نے اُن صاحب مزار سے دُعا کی تو اُس کی بُلا ٹل گئی اور فلاں نے اُس سے اپنی مراد مانگی تو اُس کی مراد پوری ہو گئی۔

اور مجاوروں اور گور پرستوں کے پاس ایسے بہت سے قصے ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔

اور یہ لوگ زندوں اور مُردوں پر تمام دنیا سے زیادہ جھوٹ باندھنے والے ہیں اور طبیعت انسانی حاجت پوری ہونے اور نقصان دفع کرنے کے لئے حریص ہوتی ہے بالخصوص جو اپنی ضرورت میں مضطر ہوتا ہے وہ تو ہر چیز کا سہارا پکڑتا ہے اگرچہ کیسا ہی مکروہ ہو۔ تو جب کوئی سُنتا ہے کہ

فلاں کی قبر تریاقِ مجرّب ہے تو اُس کی طرف مائل ہوتا ہے وہاں جاتا ہے اور نہایت عاجزی اور انکساری سے کانپتا ہوا اُس سے دُعا کرتا ہے تو اللہ اُس کی دُعا قبول کر لیتا ہے کیونکہ اُس کے دل میں لرزہ اور انکسار پیدا ہو گیا، قبر کی وجہ سے مقبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر یہ شخص اسی طرح دکان یا حمام یا بازار میں دُعا کرتا تو اُس کو خدا قبول فرما لیتا۔ اور جاہل یہ سمجھتا ہے کہ اُس دعا کی قبولیت قبر کی تاثیر سے ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اللہ ہر بیقرار کی دُعا قبول کرتا ہے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات نہیں کہ اللہ جس کی دُعا قبول کرلے اُس سے راضی بھی ہے یا اُس کا دوست ہے یا اُس کے کرتوت سے خوش ہے کیونکہ وہ بھلے اور بُرے اور مومن و کافر سب کی دُعا قبول کرتا ہے۔

خدا ہمارے لئے اپنے لطف و کرم سے وہ دُعا اور عمل آسان کرے جو اُس کی مرضی کے موافق ہو۔

اٹھارھویں مجلس بدعت اور اُسکے اقسام واحکام کے بیان میں

سنت و بدعت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔" بعد حمد کے معلوم ہو کہ سب سے اچھی بات قرآن مجید ہے اور سب سے اچھی عادت محمد کی سنت ہے۔ اور سب باتوں سے بُری نئی باتیں ہیں۔ اور نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت جابرؓ ہیں اور ایک اور حدیث میں عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے بعد جیتا رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا پس اُس وقت میرے اور خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کو پکڑے رہنا اور ایسا مضبوطی سے پکڑنا جیسے دانتوں سے دابا ہو اور نئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ان دونوں مذکورہ

بدعتِ سئیہ اور حسنہ بالا حدیثوں میں بدعت سے مراد بدعتِ سئیہ ہے جس کی اصل نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ظاہر یا خفی کوئی سند ملتی ہے نہ لفظوں سے نہ مضمون سے۔ بدعتِ حسنہ مراد نہیں ہے جس کی اصل و سند ظاہر یا خفی ملتی ہے کیونکہ بدعت حسنہ گمراہی نہیں ہے بلکہ یہ کبھی تو مباح ہوتی ہے جیسے چھنے آٹے کا استعمال یا ہمیشہ گیہوں کی روٹی کھانا اور پیٹ بھر کر کھانا۔ اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے منارہ کا تعمیر کرنا اور کتابیں تصنیف کرنا اور کبھی واجب ہوتی ہے جیسے ملحدوں اور گمراہ فرقوں کے اعتراضات رد کرنے کے لئے دلائل مرتب کرنا۔

بدعت کے معنیٰ و مفہوم اس لئے کہ لفظِ بدعت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو عام لغوی معنی یعنی مطلق نئی بات خواہ معاملات میں سے ہو خواہ عبادات میں سے۔ اور دوسری شرعی خاص ہے

یعنی زمانہ صحابہ کے بعد شارع علیہ السلام کی قولی یا فعلی یا صریحی یا اشارۃً اجازت کے بغیر دین میں کچھ گھٹانا بڑھانا۔ پس بدعت کا لفظ اگرچہ دونوں حدیثوں میں عام ہے ہر قسم کی بدعتوں کو شامل ہے لیکن یہ عموم معنی لغوی عام کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ معنی شرعی خاص کے اعتبار سے ہے۔

لہذا یہ عادات کو بالکل شامل نہیں ہے بلکہ صرف اس میں بعض اعتقادات اور بعض صورتیں عبادات کی داخل ہیں اسلئے کہ حضور علیہ السلام دنیاوی کاموں کی تعلیم دینے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف دین کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس پر حضور کا یہ قول دلیل ہے کہ تم اپنے دنیاوی کاموں کو خوب جانتے ہو دین کی باتوں کا جب میں تم کو حکم دوں تو اس پر عمل کیا کرو۔ پھر بعض

بدعت کا حکم | اعتقادی بدعات کفر ہیں اور بعض کفر تو نہیں ہیں لیکن کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ قتل اور زنا سے بھی۔ حتیٰ کہ اس سے اوپر بس کفر ہی کا درجہ ہے۔

رہی بدعت عبادت۔ سو اگرچہ یہ بدعت اعتقادی سے کمتر ہے لیکن اس پر عمل کرنا خصوصاً جبکہ سنت مؤکدہ کے مخالف ہو نافرمانی اور گمراہی ہے اور عادات کی بدعت کرنے میں کچھ گمراہی اور نافرمانی تو نہیں ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ اور اس لئے اس کا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو مناروں سے چونکہ وقت نماز کی خبر دینے میں مدد ملتی ہے اور کتابوں کی تصنیف سے تعلیم اور تبلیغ میں مدد ملتی ہے اور دلائل کی ترتیب بے دینوں اور گمراہ فرقوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ہے جس سے گناہوں کی روک تھام اور دین کی حمایت ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کام کی اجازت بلکہ حکم ہے کیونکہ بدعت غیر سیئہ وہ ہے کہ پہلے لوگوں کو تو اس کی ضرورت نہ پڑی لیکن پچھلے لوگوں کو اس کی ضرورت ہوئی اور سب نے بلا اختلاف اس کو اچھا بھی سمجھا۔ اور تلاش کرنے سے بدعت حسنہ

خالص بدنی عبادت میں بدعت کا وجود اور حکم | خالص بدنی عبادتوں میں نہیں پائی جاتی ہے مثلاً روزہ۔ نماز اور تلاوت قرآن اور تمام عبادت بدنی کے دوسرے طریقے بلکہ ان میں ہمیشہ بدعت سیئہ ہی ہوتی ہے۔

کیونکہ کسی کام کا اول زمانہ میں نہ ہونا یا تو اس لئے ہو گا کہ حاجت ہی نہ پڑی ہو گی یا کسی مانع کی وجہ سے یا بے خبری اور سستی کے باعث یا مکروہ اور ناجائز ہونے کے سبب سے ہو گا اور پہلے دونوں سبب خالص بدنی عبادت میں تو پائے نہیں جاتے کیونکہ بذریعہ عبادت قربت الٰہی کی ضرورت منقطع نہیں ہوتی اور اسلام کے ظاہر ہونے اور غلبہ کے بعد اس کا کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی بے خبری اور کاہلی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی علیہ السلام

اور آپؐ کے اصحابؓ کی نسبت اس کا گمان کرنا بھی جائز نہیں پس بدعت مکروہ اور ناجائز ہونے کے سوا اور کچھ نہ رہا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہی غرض تھی جب آپ کو خبر دی گئی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تنبیہ

کہ ایک جماعت بعد مغرب کے بیٹھا کرتی ہے اور اُن میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنے مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو اور لوگ کہتے جاتے ہیں۔ سو آپ اُن لوگوں کے پاس گئے جو کچھ وہ لوگ کہتے تھے جب آپ نے سُن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ "میں عبداللہ بن مسعود ہوں قسم ہے اُس خدا کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بیشک یا تو تم لوگ نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے ہو یا حضرت محمد علیہ السلام کے اصحابؓ سے بھی علم میں بڑھ گئے ہو"۔

یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہؓ کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی خواہ بے خبری سے خواہ سُستی سے پس تم طریق عبادت کے علم میں صحابہؓ سے غالب ہو نکلے۔ دوسری صورت ناممکن ہے پس پہلی صورت یعنی اس کام کا بدعت سیئہ ہی ہونا متعین ہے۔ یہی بات ہر اُس شخص کے بارہ میں کہی جائے گی جو خالص عبادت بدنی کو اس

بدعت سیئہ اور حسنہ کی حقیقت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

طور سے ادا کرے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھا۔ اس لئے کہ اگر عبادت ہونا ہر بدعت کو حسنہ بنا دیا کرے تو عبادات میں بدعت مکروہ نہ ہونا چاہیے حالانکہ عبادات میں بھی بدعت مکروہہ موجود ہے جیسا کہ علماء نے اپنی تصانیف میں تصریح کی ہے

مثلاً نماز رغائب اور اُس کی جماعت اور اثنا رخطبہ میں صلی اللہ اور رضی اللہ اور آمین کہنا اور خطبہ اور اذان اور تلاوت قرآن میں گا کر پڑھنا اور جنازہ اور دُولہن کے آگے راستہ میں پکار کے ذکر کرنا علاوہ اُس کے اور بُری بدعتیں جو عبادات میں ہوتی ہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ باتیں بدعت سیئہ مکروہ نہیں ہیں۔

بلکہ اس دلیل سے کہ بعضی باتیں جو صحابہؓ کے بعد پیدا ہوئی ہیں حسنہ ہیں۔ یہ باتیں بھی بدعت حسنہ ہیں مثلاً مدرسے اور خانقاہیں اور سرائیں بنانی۔ اسی طرح کی اور مفید چیزیں جو صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھیں کیونکہ اس کا جواب تو یہ دیا جائے گا کہ جس چیز کا حُسن شریعت کے صحیح دلائل سے ثابت ہو وہ اوّل تو بدعت ہی نہیں ہے۔ اور اس صورت میں عام کا عموم دونوں حدیثوں میں علیٰ حالہٖ باقی رہے گا یا اس عام سے مخصوص ہو جائے گا اور جو عام کہ اس سے کوئی فرد خاص ہو جائے وہ اس فرد خاص کے سوا باقی کے لئے دلیل ہوتا ہے۔

تو اب جو شخص نئی عبادات کے حُسن کا دعویٰ کرے اور اُن کو اس عام سے مخصوص

بتائے تو ایک ایسی دلیل کی حاجت ہوگی جو خصوصیت ثابت کردے کیونکہ اکثر مقامات کا رسم و رواج یا چند عابدوں زاہدوں کا کہہ دینا اس قابل ہرگز نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معارض ہوسکے اور ایسی ہی دلیل مختص وہ ہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو اور قرآن اور حدیث اور اُن لوگوں کے اجماع سے جو اہل اجتہاد ہیں ماخوذ ہو اور جو عابد زاہد اہل اجتہاد نہیں ہیں وہ عوام میں داخل ہیں اُن کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہاں اگر اُن کی بات اصول اور معتبر کتابوں سے مطابق ہو تو پھر اُس وقت معتبر ہوگی۔ خلاف قرآن وحدیث کسی عابد وزاہد کی بات

خلاف قرآن وسنت کسی عابد وزاہد کی بات ماننے سے ممانعت

نہ ماننا خود حدیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اور ساتھ ہی اس کے قرآن میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے وہ یہ کہ اللہ فرماتا ہے " آیا اُن کے اور بھی شریک ہیں جنہوں نے اُن کیواسطے دین میں وہ باتیں پیدا کی ہیں جن کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے"۔

پس جو شخص کوئی نئی بات اللہ سے ملنے کے لئے بغیر اس کے کہ خود اللہ نے اُسکو مقرر کیا ہو ایجاد کیا ہو تو گویا اُس نے دین میں وہ بات پیدا کی جس کا حکم خدا نے نہیں دیا۔ اور جو شخص اس کی پیروی کرے گا اُس نے گویا اس کو شریک اور معبود مان لیا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کے حق میں فرمایا ہے " انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ خدا مان لیا"۔

اس پر عدیؓ بن حاتم نے نبی علیہ السّلام سے عرض کیا کہ انہوں نے عبادت تو نہیں کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اطاعت تو کی ہے، اور جو شخص کسی دینی امر میں خلاف حکم خدا کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اُسی کو پوجتا ہے اور پروردگار مانتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خالص عبادات بدنی کی ہر بدعت سیئہ ہے اور بہتیرے لوگ اکثر اوقات بدعت حسنہ اور سیئہ میں تمیز نہیں کرتے۔ اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو بات دل کو پسند آئے اور طبیعت اُس کیطرف متوجّہ ہو وہی حسنہ ہے پس سیئہ کو حسنہ شمار کر لیتے ہیں سو وہ اندھی اونٹنی کی طرح خبط کرتے ہیں جو مہلک گڑھے اور صاف ستھرے راستہ میں تمیز نہیں کر سکتی۔ بدعت حسنہ اور سیئہ میں تمیز کرنے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ آدمی کوئی نئی بات اُس وقت

بدعت حسنہ اور سیئہ میں تمیز کرنے کا طریقہ

تک نہیں کرتا جبتک اُس کا مفید ہونا معلوم نہ ہو کیونکہ اگر اُس میں کوئی برائی سمجھتے تو کیوں کرتے پس جس امر کو لوگ اچھا سمجھیں اُس کے سبب کو دیکھنا چاہیئے اگر کوئی ایسا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوا ہے اور حاجت کے موافق ایجاد کیا گیا ہے تو جائز ہے۔

مثلاً دلائل قائم کرنا اور اُس کا باعث گمراہ فرقوں کا ظاہر ہونا ہے۔ چونکہ یہ فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اس لئے اُس وقت دلائل کی حاجت نہ تھی اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک ہوا اور حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے، جیسے قرآن کا جمع کرنا۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ مانع تھا کہ وحی برابر آتی تھی، اللہ جو چاہتا تھا بدل دیتا تھا۔ حضورؐ کی وفات سے یہ مانع جاتا رہا۔

اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اور باوجود اس کے حضورؐ نے نہ کیا ہو تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے کیونکہ اُس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو حضرت سرورِ کائنات اُس کو خود ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے۔ اور جب آپ نے نہ خود کیا نہ دوسروں کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اُس میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ وہ بدعتِ قبیحہ سیئہ ہے۔

اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے کہ جب اُس کو بعض سلاطین نے ایجاد کیا تو علماء نے منع کیا اور اُس کو ناجائز بتلایا۔ اگر اس کا بدعت ہونا اس کی کراہت کی دلیل نہ ہوتا تو کہا جاتا کہ یہ تو خدا کا ذکر ہے اور اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کو بلانا ہے تو جمعہ کی اذان پر اس کا قیاس کیا جائے یا اُن عام احکام کے تحت میں داخل مانا جائے جن میں سے ایک اللہ کا یہ فرمان بھی ہے "اللہ کو بہت یاد کیا کرو"۔ اور یہ ارشاد "اس سے بہتر کون ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا" لیکن ایسا کسی نے نہیں کہا بلکہ یہی کہتے رہے کہ جیسے اُس فعل کو کرنا جس کو پیغمبر علیہ السلام نے کیا ہے سنت ہے اسی طرح اس کام کو چھوڑ دینا بھی سنت ہے جس کو آپ نے باوجود ضرورت ہونے اور مانع نہ ہونے کے نہیں کیا ہے۔

کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے جب جمعہ کی اذان کا حکم دیا اور عیدین میں حکم نہیں دیا تو ان میں اذان نہ کہنا ہی سنت ہے۔

اور کسی کو حق نہیں ہے کہ اُس پر زیادتی کرے اور یہ کہے کہ یہ نیک کام کی افزائش ہے اور ایسی زیادتی مضر نہیں۔ اس لئے کہ اُس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اسی طرح پیغمبروں کے دین متغیر ہو گئے اور اُن کی شریعتیں بدل گئیں کیونکہ دین میں زیادتی اگر جائز ہوتی تو یہ بھی جائز ہوتا کہ صبح کی نماز چار رکعت اور ظہر کی چھ رکعت پڑھے کیونکہ یہ بھی تو نیک کام کی زیادتی ہے اس میں کچھ حرج نہیں لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ بدعتی جو مصلحت اور فضیلت بیان کرتا ہے اگر وہ پیغمبر علیہ السلام کے وقت ثابت تھی اور باوجود اس کے آپ نے اُس کو نہیں کیا تو

اس کام کا چھوڑنا ہی آپ سے سنت ہے جو ہر عموم اور قیاس سے مقدم ہے۔ پس جو شخص ایسے کام کو عمل میں لائے اور اس بات کا اعتقاد رکھے کہ یہ دین میں ناجائز ہے تو فاسق ہوگا بدعتی نہ ہوگا اور اگر اُس کو عمل میں لائے اور اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ دین میں جائز ہے تو وہ فاسق اور بدعتی ہے اس لئے کہ فسق بدعت سے عام ہے پس ہر بدعت فسق ہے اور ہر فسق بدعت نہیں ہے۔

دین میں نئی بات پیدا کرنا خدا ورسول کا مقابلہ کرنا ہے

اور اسی واسطے بعضوں نے کہا ہے کہ بدعت فسق سے بدتر ہے کیونکہ جو شخص بدعت کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو توڑتا ہے اگرچہ اُس کے گمان میں یہی ہو کہ وہ بدعت سے آپ کی تعظیم کرتا ہے کیونکہ وہ یوں گمان کرتا ہے کہ وہ بدعت سُنت سے بہتر ہے اور بدرجۂ اولیٰ ٹھیک ہے اور یہ اللہ ورسولؐ کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ وہ اس کام کو اچھا سمجھتا ہے جس کو شرع نے مکروہ ٹھیرایا اور منع کیا ہے یعنی دین میں نئی بات پیدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے واسطے جو عبادتیں مقرر کرچکا ہے وہ اُن کے لئے کافی ہیں اور دین بھی کامل ہوچکا اور اپنی نعمتیں اُن پر پُوری کرچکا جیسا کہ اپنے کلام مجید میں اُسکی خبر دی ہے اور فرمایا کہ "آج میں پورا کرچکا تمہارا دین اور پوری کی میں نے تم پر اپنی نعمت"۔
اور کمال کے بعد کچھ زیادتی کرنا نقصان اور خلل ہے جیسا کی چھٹی انگلی۔ اور اصول میں ثابت ہے کہ افعال کی بھلائی اور بُرائی اہل حق کے نزدیک شرع سے معلوم کی جاتی ہے۔ پس جس کام کا حکم شرع نے دیا ہے وہ اچھا ہے اور جس کام سے شریعت نے منع کیا ہے وہ بُرا ہے۔ امام غزالیؒ اپنی کتاب اربعین فی اصول الدین میں لکھتے ہیں "اپنی عقل کے تصرف سے بچتا رہیو کہ کہیں کہنے لگے جو امر خیر ونفع رساں ہے وہی افضل ہے اور جو کام اکثر ہوتا ہے وہ زیادہ نفع رساں ہے کیونکہ تمہاری عقل خدا کے بھیدوں تک نہیں پہنچ سکتی اس بھید کو صرف نبی علیہ السلام کی قوت معلوم کرسکتی ہے تم کو تو پیروی ہی چاہئے کیونکہ خاص باتیں قیاس سے نہیں معلوم ہوسکتیں دیکھو تمہیں گو نماز کا حکم دیا ہے لیکن سارے دن اور صبح اور عصر کے بعد اور طلوع اور غروب اور زوال کے وقت نماز کی ممانعت ہے اور یہ سب مل کر قریب تہائی دن کے ہوتا ہے۔

افعال کی بھلائی برائی کا معیار شرع ہے عقل نہیں

اور احیاء میں فرمایا ہے کہ "عقل جسطرح دواؤں کے نفع دریافت کرنے سے قاصر ہے باوجودیکہ اس میں تجربے کو بھی دخل ہے ایسے ہی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے بھی قاصر ہے جو آخرت میں مفید ہوں اور وہاں تو تجربے کو بھی کوئی سبیل نہیں کیونکہ تجربہ تو جب ہی ہوسکتا تھا جب کچھ مُردے ہم تک لَوٹتے اور ہم کو وہ کام بتاتے جو اللہ سے ملانے

والے یا اُس سے دور کرنیوالے ہیں اور اُس کی کوئی اُمید نہیں ہے۔

اور مجمع البحرین کے مصنف نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے کہ "ایک شخص نے عید کے دن نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل پڑھنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اُس کو منع کیا۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ نماز پڑھنے پر عذاب نہیں کرے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو یا ترغیب نہ دی ہو تو تیری یہ نماز عبث ہو گئی اور عبث کام حرام ہے پس شاید خدا تجھ کو اسپر اسلئے عذاب دے کہ تُو نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا ہے۔"

اور صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ "صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے سوا نفل پڑھنی مکروہ ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے باوجودیکہ نماز کی آپ کو حرص تھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی ہیں۔

اب دیکھو نبی علیہ السّلام کے کسی کام کے نہ کرنے کو عبادات میں کیسی کراہت کی دلیل ٹھہرایا ہے اور ابن ہمام نے کہا ہے کہ "جن عبادات کے واجب اور بدعت ہونے میں شبہ ہو اُس پر تو احتیاطاً عمل کرے لیکن جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں شبہ ہو اُسکو چھوڑ دے کیونکہ بدعت کا چھوڑنا ضروری ہے اور سنت کا ادا کرنا ضروری نہیں۔"

اور خلاصہ میں ایک مسئلہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کا کرنا واجب کے چھوڑ دینے سے بھی زیادہ مضر ہے۔ وہ کہتے ہیں، جب کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ میں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں، اگر وقت باقی ہے تو اُس کو پھر پڑھ لے۔ اور اگر وقت گذر جانے کے بعد شک ہو تو پھر کچھ نہیں۔ اور اگر عصر کی نماز میں شک ہو تو پہلی اور تیسری رکعت میں قرأت کرے اور دوسری چوتھی کو خالی پڑھے حالانکہ فرض میں قرأت کے لئے پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا واجب ہے لیکن اس موقع پر ڈر سے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنے کا احتمال نہ رہے اُس ترتیب کے چھوڑ دینے کا حکم کیا ہے کیونکہ یہ بدعت مکروہ ہے۔

اور سفیان ثوریؒ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ "بدعت ابلیس کو سب گناہوں سے محبوب تر ہے۔" کیونکہ گناہوں سے تو توبہ ہو سکتی ہے لیکن بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی اور اس کا سبب یہ ہے کہ گنہگار یہ تو سمجھتا ہے کہ میں گنہگار ہوں اور اسی وجہ سے اس کی توبہ و استغفار کی امید ہے۔ لیکن بدعتی تو یہ سمجھتا ہے کہ میں طاعت اور عبادت میں ہوں تو نہ یہ توبہ کرے گا نہ استغفار۔

اور یہ مضمون خود ابلیس سے منقول ہے کہ اُس نے کہا ہے میں نے اگر بنی آدم کی کمر معاصی اور گناہوں سے توڑ دی تو انہوں نے میری کمر توبہ اور استغفار سے توڑ دی ہے۔ اس لئے میں نے اُن کے لئے ایسے گناہ نکالے ہیں کہ جن سے وہ نہ استغفار کرتے ہیں نہ توبہ اور وہ عبادت کی صورت میں بدعتیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ اُن بدعتوں کے جواز پر جن کے وہ عادی ہیں ایک مشہور حدیث سے بدعت پر استدلال اور اس کا جواب

اُس حدیث مشہور سے سند لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ "جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس کو مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے" تو کیا اُن کا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں۔

اس کا جواب جیسا کہ بعض فاضلوں نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ حدیث اُن کو مضر ہے مفید نہیں۔ کیونکہ یہ اُس حدیث کا حصہ ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ اس کو احمد اور بزار اور طبرانی اور طیالسی اور ابونعیم نے اس طور پر روایت کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا پھر اُن کو رسول بنا کر بھیجا پھر اُس نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو اُن میں سے آپ کے لئے اصحاب منتخب کئے اور ان کو دین اسلام کا مددگار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مومنین اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو یہ مسلمان بُری سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے"۔

اور کوئی شبہ نہیں کہ المسلمین میں الف لام مطلق جنس کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف پڑے گی کہ میری اُمت میں عنقریب تہتّر فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہیں۔ اسلئے کہ امت کا ہر فرقہ مسلم ہے اور اپنے ہی مذہب کو اچھا سمجھتا ہے تو لازم آتا ہے کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا۔ تو لازم آتا ہے کہ حسن و قبح میں تمیز نہ رہے بلکہ یا تو وہ لام عہد کے لئے ہے اور معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر افتتاح اثر صحابہ میں ہے پس مسلمین سے مراد فقط صحابہؓ ہیں۔

یا خصائص جنس کے استغراق کے لئے ہے۔ پس مسلمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں۔ گویا مطلق کو فرد کی طرف راجع کیا۔ اسلئے کہ جب مطلق قرینے سے خالی ہوتا ہے تو اُس کو فرد کامل کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مجتہد ہی ہیں۔

تو اب یہ معنے ہوئے کہ جس بات کو صحابہؓ یا اہل اجتہاد عمدہ جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

اور ممکن ہے کہ لام استغراق حقیقی کے لئے ہو اس صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔ اور جس بات میں ان میں اختلاف پڑے تو اب اسمیں قرون ثلٰثہ کا اعتبار ہوگا جن کی نسبت خیر کی شہادت ہے نہ قرون مابعد کا جن کی نسبت کذب اور بے اعتباری کی نبی علیہ السلام کی اس حدیث میں شہادت ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو میرے بعد ہے اور پھر جو اُسکے بعد ہے پھر جھوٹ پھیل جائے گا، نہ اُن کے قول کا اعتبار کرنا نہ فعل کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ چونکہ صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کسی چیز کی ضرورت

صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک بدعت کی حقیقت

سے زیادہ بڑھ جانے کو از قسم بدعت اور قبیح جانتے تھے، اسلئے وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔ اسی طرح ایک یہ حدیث

اُمت سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں

بھی ہے کہ "میری اُمت گمراہی پر اتفاق نہ کریگی"۔ کیونکہ اس حدیث میں امت سے مراد اہل اجماع ہیں جو ایسے مجتہد ہوں جن میں کسی طرح کا فسق و بدعت نہ ہو۔ اسلئے کہ فسق سے تہمت پیدا ہوتی ہے اور عدالت جاتی رہتی ہے۔ اور بدعتی لوگوں کو بدعت ہی کی طرف بُلاتا ہے اور وہ اُمتِ مطلق میں داخل نہیں ہے اس لئے کہ امتِ مطلق سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں جن کا طریقہ بعینہ نبی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا طریقہ ہے۔ اہل بدعت وضلالت مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ "میری امت وہ ہے جو میرے طریقہ پر چلے"۔

اور ممکن ہے کہ امتی سے مراد کل اُمت ہو اس بنا پر کہ اضافت بھی لام کی طرح کبھی استغراق کے لئے ہوتی ہے اور اس صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ میری کُل اُمت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی جیسے کہ یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبر کے [illegible] گمراہی پر متفق ہو گئے۔ پس یہ حدیث اُس حدیث کے موافق ہوگی کہ "میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ امر الٰہی پر قائم رہے گا۔ اور ان کو نہ ساتھ دینے والا کچھ ضرر پہنچا سکے گا نہ مخالفت کرنے والا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی"۔ جب یہ بات ٹھہری تو اس زمانے میں ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے

بدعتوں سے پرہیز کا حکم

کہ دھوکا کھانے اور بدعتوں اور نئی باتوں کیطرف توجہ کرنیسے پرہیز کرے اور اپنے دین کو اُن بلاؤں سے بچائے جن سے اُنس رکھتا ہے اور جن میں اُس نے پرورش پائی ہے کیونکہ یہ زہرِ قاتل ہیں ایسے بہت کم ہیں جو اُس کی آفت سے بچے ہوں اور اُن کو حق ظاہر ہوا ہو۔ دیکھو قریش اُن باتوں کی وجہ سے جن میں اُن کے دل لگے ہوئے تھے، نبی علیہ السلام کا اُن باتوں میں جو آپ نے اُن کے لئے بیان وہدایت پیش کی تھیں انکار کر بیٹھے

اور آخر اُن کا یہ فعل کفر اور سرکشی کا سبب ہوا یہاں تک کہ نبی علیہ السلام کے حق میں جو کچھ اُنہوں نے کہا وہ کہا اور اُن کی یہ حرکت کیوں تھی اسلئے کہ وہ اسی قسم کی لغویات کے عادی تھے اور اسی میں اُنہوں نے پرورش پائی تھی۔

اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ نئی نئی بدعتوں سے بچو۔ کیونکہ ایمان یکبارگی دل سے نہیں جاتا لیکن شیطان تمہارے لیے روز بدعتیں پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ تمہارے دل سے ایمان نکل جائے گا۔

اس بیان کے موافق مومن کو لازم ہے کہ فریب میں نہ آئے اور اپنی قوت ایمانی کثرت عبادت سے یہ نہ سمجھے کہ میں حق پر ہوں کیونکہ کسی شخص کا کسی بات پر ایسا جم جانا کہ اگرچہ آرے نسے چیر ڈالا جائے لیکن اُس سے باز نہ آئے اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اپنے دین میں حق پر ہے کیونکہ اُن کا یقین اور پختگی اُس کے خیالات کے حق ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اُس نے ایسے لوگوں میں نشوونما پائی ہے جن کا یہی دین ہے۔

اور پیدائش اور صحبت کو کسی شے کے حق یا باطل یقین کر لینے میں بڑا اثر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایسی پختگی عام طور پر اُن لوگوں میں موجود ہے جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں، جیسے یہود اور نصاریٰ یا اور اسی طرح کے لوگ۔ پس اس زہر قاتل سے نہایت درجہ بچو اور حق کی طرف متوجہ ہو اور اتباع سنت پر عمل کر کے اور بدعتوں کو چھوڑ کر اپنی جان چھوڑانے کا فیض حاصل کرو۔ اس لیے کہ سنت کی پیروی آدمی کے لئے اس زمانہ میں سب سے بہتر عمل ہے کیونکہ مدت دراز سے خلاف سنت اعمال شائع ہو گئے ہیں اس لئے نہیں ضروری ہے کہ نئی بدعتوں سے بچتے رہو خواہ کتنی ہی خلقت کا اُسپر اتفاق ہو۔ اور صحابہؓ کے بعد نو ایجاد چیز پر لوگوں کے اتفاق سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے بلکہ تم کو چاہیئے کہ صحابہؓ کے اعمال اور حالات کی تفتیش میں کوشاں رہیں کیونکہ سب سے بڑا عالم اور سب سے زیادہ مقرب وہی ہے جو اُن سے مشابہت زیادہ رکھتا ہو اور اُن کے طریقے سے زیادہ واقف ہو کیونکہ دین اُن ہی سے حاصل ہوا ہے اور وہی لوگ صاحب شرع سے شریعت کے نقل میں اصل ہیں۔

(حاشیہ: سنت کی پیروی ہی سب سے بہتر عمل ہے — صحابہؓ ہی معیار حق ہیں)

اور حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑے تو بڑے گروہ کی پیروی کرو اور اس سے مطلب یہ ہے کہ حق کو اختیار کرو اور اُس پر عمل کرو اگرچہ اُسپر عمل کرنیوالے کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔ اسلئے کہ وہ حق ہے جسپر پہلی جماعت یعنی صحابہؓ

ہوں اور بعد صحابہؓ کے انبوہِ باطل کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ہے جس کا

ہدایت وگمراہی قلت وکثرت سے نہیں پہچانی جاتی

مضمون یہ ہے "ہدایت کی راہ مضبوطی سے اختیار کرو اس پر چلنے والوں کی کمی کا کچھ ضرر نہیں۔ اور گمراہی کے راستے سے بچتے رہو اور اس میں مبتلا ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بعض سلف کا مقولہ ہے کہ جب تم شریعت کے مطابق ہو جاؤ اور حقیقت کو سمجھ لو تو کچھ پروا نہ کرو اگرچہ ساری خلقت تمہاری رائے کے خلاف ہو جائے۔

اور ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ سب سے بہتر وہ شخص ہے جو نیک کام میں جلدی کرے اور تمہارے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں شبہات پیدا ہو جانے کے سبب سے سب سے بہتر ثابت قدم رہنے والا اور توقف کرنیوالا ہوگا۔

اور امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ بیشک ابن عباسؓ نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں دین پر قائم نہ رہے بلکہ عام مخلوق کے ساتھ جس میں وہ لگے ہوں ہو جائے اور جس میں وہ گھسے ہوں وہ بھی گھس گیا اُس میں جیسا وہ ڈوبے ہوئے تھے، تو وہ بھی اُن کی طرح ہلاک ہوگا۔

دین کی اصلی عمدگی اور درستی

اس لئے کہ دین کی اصل اور عمدگی اور درستی کثرتِ عبادت اور تلاوت اور بھوک کی تکلیف اٹھانے سے نہیں ہے بلکہ اس کی خوبی آفات اور صدمات سے بچانے میں ہے جو بدعتوں اور نئی باتوں کے کرنے سے آتی ہیں کیونکہ یہ بدعتیں اپنی کثرت اور زیادہ پھیلنے کے سبب سے ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا دین کا شعار یا اہم فرائض ہیں کاش ہم اُن کو بدعت ہی جان کر کرتے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو توبہ اور استغفار کی تو امید ہوتی۔

لیکن ہم نے تو اُس کو طاعت اور عبادت سمجھ لیا اور اپنا دین بنا لیا۔ اس باب میں ہم نے بعض آگے گذر جانے والوں کی پیروی کر کے جن سے کہ خود سہو یا غلطی یا غفلت ہوئی ہے ہم نے اُن کو اپنے دین کا پیشوا بنا لیا ہے اب اگر کوئی شخص آکر اُن اُمور کے کرنے سے ہم کو منع کرتا ہے تو اگر وہ معترض ہماری نظروں میں عزت دار ہے تو اُس کے جواب میں ہم یوں کہتے ہیں کہ جائز ہے فلاں بزرگ اُس کے جواز کے قائل تھے۔ اور اُس شخص کا نام لے لیتے ہیں جو ہم سے پہلے سہو یا غلطی یا غفلت کر گیا ہے۔ اور اگر وہ معترض ہماری نظروں میں عزت دار نہیں ہے تو ہم سے ایسی سنے گا جو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اور یہ سب کیوں؟ ہمارے جہل مرکب کی وجہ سے۔ اس لئے کہ اگر ہم کو وہ جہل جو ہمارے اندر موجود ہے معلوم ہو جاتا تو جس شخص نے ہم کو حق بتلایا تھا اُس کو قبول کر لیتے اور جس سے سہو یا غلطی یا غفلت ہو گئی ہے اُس کو دین کے بارے میں حجت نہ بناتے۔ کیونکہ انسان کو یہ جائز نہیں

کہ اپنے دین میں معصوم یعنی صاحب شریعت کے سوا کسی اور کی تقلید کرے۔ مگر وہ جس کے حق میں صاحب شریعتؐ ہی نے شہادت خیر دی ہو اور وہ قرونِ ثلثہ ہیں جن کی نسبت شارع علیہ السلام کی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ ہر قرن ایک فضیلتِ خاص سے مخصوص ہو۔

دین میں قرونِ ثلثہ کے لوگ ہی قابلِ تقلید ہیں

اور قرنِ اوّل کو تو خدا نے ایسی فضیلت دی ہے کہ اُس میں کوئی اُن کی برابر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبی علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اُن پر قرآن کے نزول کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور اُنہی کو قرآن کی حفاظت کا الہام کیا یہاں تک کہ اُس کا ایک حرف ضائع نہیں ہو سکتا اور اُنہوں نے تعمیلاً للحکم قرآن کو جمع کر کے پچھلوں کے لئے آسان کر دیا اور نہ یہی بلکہ نبی علیہ السلام کی احادیث کی اپنے سینوں میں حفاظت کی اور جیسا چاہیئے تھا ویسا ہی اُن کو ثابت رکھا غرضکہ دین کے قائم رکھنے میں زیادہ تر اُن ہی کی کوشش ہے جس کا احاطہ کرنا دشوار ہے اور کوئی اُن کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ اُن کو اُمتِ نبی علیہ السلام کی طرف سے جزائے خیر عنایت کرے۔

پھر اُن کے بعد تابعینؒ پیدا ہوئے انہوں نے تمام حدیثوں اور دینی مسائل کو جو متفرق تھے جمع کیا اور صحابہؓ سے احکام اور تفسیر کی نقل کی یہانتک کہ ایک شخص صرف ایک حدیث کی تلاش میں مہینہ مہینہ دو دو مہینہ تک سفر کرتا تھا اور احکامِ شریعت کو اس طرح جمع کیا جیسا چاہیئے تھا۔ اُن کو بھی دین کے قائم کرنے میں بڑی فضیلت حاصل ہوئی۔

پھر اُن کے بعد تبع تابعین پیدا ہوئے جن میں فقہا ظاہر ہوئے جو واقعات میں سب کے مرجع ہیں انہوں نے قرآن جمع کیا کرایا بآسانی پایا اور حدیثیں جمع اور ضبط کی ہوئی پائیں۔ پس انہوں نے بمقتضائے قواعد شرعی قرآن اور حدیث میں تدبر اور تفقہ کیا اور از روئے اصولِ دین اُن سے احکام نکالے اور دلالت کے طریقے مقرر کئے اور سب لوگوں پر آسان کر دیا۔ اب اُن کے سبب سے اُمتِ محمدیہ کا دین ٹھیک اور بحال درست ہو گیا۔ ان صاحبوں کو بھی اس دین کے قائم کرنے میں ایک خاص فضیلت حاصل ہوئی۔ پھر جب یہ لوگ چل بسے تو ان کے بعد جو لوگ آئے ان کو ایسا کوئی کام نہ ملا جس کو وہ کرتے بلکہ اُن کو دین کامل ترین حالات پر ملا اُن کا یہی کام رہ گیا کہ پہلے لوگ جو احکام نکال گئے ہیں اور بیان کر گئے ہیں اُس کو یاد رکھیں اور اُن کے لئے بہتر یہی ہے کہ اُن کی پیروی کریں اور اُن کی تقلید کریں اور اُن کے طریقے پر قائم رہیں اور اگر اُن کو کوئی حکم اُن کے احکام کے علاوہ ظاہر ہو تو اُس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قرونِ ثلثہ کی تعبیر دین کے خلاف نئی تعبیر بدعت و گمراہی ہے

ہاں اگر کوئی ایسی بات ہو جس کا بیان اُن کے وقت میں نہیں ہوا نہ فعلاً اور نہ قولاً تو اس واقعہ میں اُنہی قواعد کی رُو سے جن کے موافق وہ لوگ احکام ثابت کر گئے ہیں غور کریں پس اگر یہ حکم اُن کے قاعدے اور اصول کے موافق ہو تو ماننے کے قابل ہے ورنہ نہیں کیونکہ اُن کے بعد کے لوگ تو بدعت کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے اور اُس پر اُن کے اصول کے خلاف کوئی دلیل بھی قائم کر دیتے ہیں لیکن اُن کی دلیل مقبول نہیں ہے کیونکہ محض نیک گمان سے اُسی کی تقلید و پیروی جائز ہے جو مجتہد عادل ہو۔ مقلد کی محض حسنِ ظن سے تقلید جائز نہیں۔

لیکن چونکہ اجتہاد اب ایک مدت دراز سے منقطع ہو گیا ہے تو مجتہد کے مذہب معلوم کرنے کا طریقہ اسی میں منحصر ہے کہ جو شخص خود مطالعہ پر قادر رہے اُس کے سامنے کسی معتبر و مروج کتاب کا حوالہ دیا جائے اور جو شخص خود قادر نہ ہو اس کو خود کوئی معتبر عالم جس کے علم و عمل زہد و تقویٰ پر اطمینان ہو بتلائے۔ ہر کتاب پر عمل بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں ایسی بہت سی کتابیں چل گئی ہیں جو کم علموں نے بلا دریافت حقیقتِ حال جمع کر دی ہیں۔

اور نہ ہر عالم کے کہنے پر عمل کرنا چاہیئے اس لئے کہ بعد قرونِ ثلٰثہ لوگوں میں فسق غالب ہو گیا ہے۔ پس مستور الحال بھی فاسق کے حکم میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ عدالت جس سے سچائی کا یقین ہو جائے اُس میں موجود ہو۔ اس موقع پر ایک اور قاعدہ بھی ہے جسکا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ اگر کوئی فقہی مسئلہ بیان کیا جائے تو اس میں غور کرنا چاہیئے اگر اُس کا ماخذ کتاب اور سنت اور اجماع سے معلوم اور مشہور ہو تو اُس میں کسی کو کچھ جھگڑا نہیں اور اگر اس کا ماخذ معلوم نہیں ہے بلکہ وہ مسئلہ اجتہادی ہے سو اگر اُس کا بیان کرنے والا مجتہد ہے تو ہر شخص پر جو مقلد ہو اس کی پیروی کرنا لازم ہے اور اُس سے دلیل طلب کرنا ضروری نہیں اسلئے کہ مجتہد کا بیان ہی اُس کی دلیل ہے۔

فقہی مسائل کی صحت اور اُن پر عمل کے لئے ایک اہم اصول و قاعدہ

اور اگر اس کا ناقل مجتہد نہیں ہے بلکہ مقلد ہے، سو اگر اُس نے کسی مجتہد سے نقل کیا ہے اور اُس نقل کا ثبوت بھی دے دیا ہے تو اُس میں بھی اتباع لازم ہے اور اگر مجتہد سے نقل نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے یا کسی دوسرے مقلد کی طرف سے بانکول رکھا ہے، تو اگر اُس کے بارہ میں کوئی دلیل شرعی بیان کی ہے تو اُس کے ماننے میں اس صورت میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اور اگر دلیل نہیں بیان کی تو غور کرنا چاہیئے کہ اگر اُس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہے اور کوئی بات اُس میں خلاف نہیں ہے تو اُس پر عمل جائز ہے۔

لیکن عمل کرنے والے کو چاہیئے کہ صرف تقلید پر نہ ٹھہر جائے بلکہ اُس بیان پر اس سے دلیل مانگے اور اگر اُس کا کلام اُصول اور معتبر کتابوں کے مخالف ہو تو اُس کی طرف بالکل توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ علماء تصریح کر چکے ہیں کہ جس بات کی صحت یقینی معلوم نہ ہو اُس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ اُس کا باطل ہونا بھی معلوم نہ ہو چہ جائیکہ اُس کا باطل ہونا بھی معلوم ہو جائے۔

انیسویں مجلس اس بیان میں کہ نوافل جماعت سے پڑھنا بدعت ہے مثلاً نماز رغائب وغیرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن فرمایا کہ زمانہ اُسی دن کی ہیئت پر آگیا ہے جس دن کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے ان میں سے چار مہینے عزت والے ہیں تین پے در پے۔ یعنی ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر والا اکیلا جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابو بکرہؓ سے مروی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جس کے ماہ و سال مقرر ہیں جیسا کہ شروع میں تھا ویسا پھر ہو گیا اور سال اُسی اصلی حساب پر آگیا ہے جسے اللہ نے اُس دن اختیار کیا تھا جبکہ آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور وقتِ حج اگرچہ جاہلیت والوں نے ایک نیا طریقہ نسئ کا نکال کر اُسکو اپنے محل سے ہٹا دیا تھا پھر ماہ ذی الحجہ میں لوٹ آیا۔ اور یہ نسئ وہی ہے جس کو خداوند عالم نے قرآن میں ذکر کیا اور فرمایا ہے " نسئ کفر کو اور بڑھاتا ہے"۔ اور نسئ ایک مہینے کی تحریم کو دوسرے مہینے پر ٹال دینے کو کہتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں حرمت والے مہینوں کی اوّل تو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے وقت سے تعظیم کرتے چلے آئے اور اُن مہینوں میں جنگ کو حرام جانتے رہے لیکن پھر اُنہوں نے نسئ کا طریقہ نکالا اور تحریم کو بدل ڈالا اور چونکہ اُن کی معاش عام طور پر لوٹ مار تھی اس سبب سے وہ بڑے جنگجو اور ڈاکو تھے، ماہ حرام جب آتا اور وہ ابھی لڑائی میں مصروف ہوتے تو اُن کو لڑائی چھوڑنی ناگوار ہوتی تھی اُس مہینے کو حلال کر کے بجائے اُس کے دوسرے مہینے کو حرام کر لیتے تھے یہانتک کہ اُن مہینوں کی خصوصیت بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور محض شمار کا اعتبار رکھا اور اکثر اوقات تو سال کے مہینوں کا شمار بھی بڑھا دیتے تھے، اور ایک

(حاشیہ: نسئ)

سال تیرہ اور چودہ مہینوں کا مانتے تھے تاکہ وقت میں گنجائش ہو جائے۔ اسی واسطے حدیث

شرعی سال اور اسکا حساب

میں شمار کو کھول کر بیان کر دیا۔ آنحضرت علیہ السلام نے ظاہر کر دیا کہ ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ اور ہماری شرع میں اس کا اندازہ چاند کی رفتار پر ہے سورج کی رفتار پر نہیں ہے جیسا کہ اہل کتاب کرتے ہیں۔

اور ان ہی قمری مہینوں میں سے چار ماہ حرام ہیں جن میں سے تین تو یکے بعد دیگرے ہیں یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم اور ایک اکیلا ہے یعنی ماہ رجب اور اس مہینہ کو مضر کیطرف حدیث میں اسلئے مضاف کیا ہے کہ یہ قبیلہ اس مہینے کی بہت تعظیم واحترام کرتا تھا۔ اور اسی لئے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

اس مہینے میں اہل جاہلیت کے بہت سے احکام تھے:۔

ایک یہ کہ وہ جنگ وجدال کو اس میں حرام جانتے تھے چنانچہ اوپر گذرا۔ اور یہ حرمت ابتدائی اسلام میں بھی جاری تھی۔ اور اُس کے باقی رہنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک تو منسوخ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ نبی علیہ السلام کے بعد برابر جدال وقتال اور فتوحات بلاد میں مصروف رہے۔ ان میں کسی سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ ان مہینوں میں سے کسی میں جنگ بند کی ہو اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریم بالاجماع منسوخ ہوگئی۔

ایک حکم یہ تھا کہ کفار زمانہ جاہلیت میں اس مہینے میں قربانی ذبح کرتے تھے۔ جس کا نام عتیرہ تھا۔ اس حکم میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ اسلام نے اُس کو باطل کر دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے نہ فرع ہے نہ عتیرہ۔

(فرع بفتح فا و را اونٹنی کے پہلے بچے کو کہتے ہیں۔ اور جاہلیت والے اُسکو اپنے معبودوں پر ذبح کرتے تھے اور اُس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اور عتیرہ اُس قربانی کو کہتے تھے جو رجب کے پہلے عشرہ میں ذبح کرتے تھے اور اُس کا نام رجبیہ تھا اور اہل جاہلیت زمانہ جاہلیت میں اور اہل اسلام ابتدائے اسلام میں ثواب کا کام جانتے رہے۔ لیکن حدیث لافرع ولاعتیرہ سے یہ بات منسوخ ہوگئی۔)

اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے، آپؐ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں عتیرہ نہیں ہے عتیرہ تو صرف زمانہ جاہلیت میں تھا کہ رجب میں روزے بھی رکھتے تھے اور چونکہ اُس کو موسم حج اور عید بھی مقرر کر چکے تھے اس لئے اس مشابہت سے اس میں عتیرہ

بھی ذبح کرتے تھے۔ اور طاؤس سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مہینے یا کسی دن کو عید مت بناؤ۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو جائز نہیں کہ کسی وقت

شرعی عید

کو عید بنائیں مگر ہاں وہی جسے شریعت نے عید بنا دیا ہے اور یہ ہر ہفتہ میں جمعہ کا دن اور سال بھر عید بقر عید اور ایام تشریق کے دن ہیں۔ ان کے سوا کسی اور زمانے کو عید بنانا بدعت ہے جس کی کوئی اصل شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ بلکہ مشرکوں کی عید ہے۔ اور اُنکی

مشرکوں کی عیدیں اور انکا حکم

کچھ عیدیں تو زمانی تھیں اور کچھ مکانی تھیں۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو باطل کر دیا اور اُن کی زمانی عیدوں کی بجائے عید اور بقر عید اور ایام تشریق کو مقرر فرمادیا اور بجائے عید مکانی کے کعبہ اور عرفات اور منیٰ اور مزدلفہ کو قرار دیا اور ان موسموں میں سے نہ کوئی موسم ہے اور نہ اُن جگہوں میں سے کوئی ایسی جگہ ہے جس میں کوئی نہ کوئی طریقہ عبادت الٰہی کا جو قرب خداوندی کا ذریعہ ہے مقرر نہ ہو اور ان کی لطیف خوشبوؤں میں سے کوئی خوشبو نہ ہو اپنے بندوں میں سے اپنے فضل وکرم سے جسے چاہے عنایت کرتا ہے۔

پس خوش قسمت وہ ہے جو ان موسموں اور مکانوں کو غنیمت جانے اور ان عبادات کے طریقوں کے ذریعہ سے جو ان موسموں میں مقرر ہیں اپنے مولا کا تقرب حاصل کرے۔ یہانتک کہ اُن کی خوشبو کی کوئی مہک اُس کے دماغ تک پہنچے اور اس سبب سے وہ آگ اور اُس کی لپٹوں سے بچے۔ اور ماہ رجب کے روزے کے بارے میں بہتیری حدیثیں آئی

ماہ رجب میں روزے کا حکم

ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے جس کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے آپؐ نے فرمایا ہے کہ "جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام رجب ہے دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے جو شخص رجب کے مہینے میں ایک روزہ بھی رکھے گا اللہ اُسکو اسی نہر کا پانی پلائے گا۔"

یہ حدیث بعض روزوں کے بارے میں ہے۔ کُل ماہِ رجب کے روزوں کے بارے میں بخصوصیت کوئی حدیث ثابت نہیں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صحابہؓ سے، البتہ تمام ماہہائے حرام کے روزوں کے بارے میں حدیث آئی ہے جن میں سے ایک رجب بھی ہے پس لازم ہے کہ رجب کے روزوں سے منع نہ کیا جائے۔

اور ابی قلابہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "جنت میں رجب کے روزہ داروں کے لیے ایک محل ہے"۔ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ ابو قلابہؓ بڑے پایہ کے تابعی ہیں اُنہوں نے ایسے شخص سے روایت کی ہوگی جس نے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

سے سُنا ہوگا۔

ہاں البتہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ کُل رجب کے روزے مکروہ جانتے تھے اور امام احمدؒ بھی مکروہ جانتے تھے۔ اور کہتے تھے ایک دو دن افطار کر ڈالے اور ابو عمرؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس کی کراہت اس طور سے جاتی رہتی ہے کہ ایک اور مہینے کے روزے رکھ لئے جائیں۔ اور ماوردی اقناع میں لکھتے ہیں کہ رجب اور شعبان کے روزے مستحب ہیں۔ لیکن ان ایام میں کوئی خاص نماز ثابت نہیں ہے پس اس کی رُو سے دیندار ایماندار کو چاہیئے کہ اُن نمازوں کی طرف توجہ نہ کرے جن پر اس زمانہ کے لوگ ٹوٹ پڑے ہیں اور اس بات سے دھوکا نہ کھائے کہ وہ دارالاسلام میں شائع ہے اور بڑے بڑے شہروں میں کثرت سے اُسپر عملدرآمد ہے۔

رجب اور شعبان میں کسی خاص نماز کے اہتمام کی ممانعت

یعنی نماز رغائب جو ماہِ رجب کی پہلی شب جمعہ میں پڑھتے ہیں کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "نئی باتوں سے بچتے رہو اسلئے کہ ہر نو ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اور ایک اور حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا ہے کہ "سب کاموں سے بدتر نو ایجاد باتیں ہیں اور ہر نو ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

سو ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رات کی نماز بدعت اور گمراہی ہے اس لئے کہ وہ نو ایجاد ہے کیونکہ وہ صحابہؓ اور تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے زمانہ میں نہیں تھی بلکہ چار صدی ہجری کے بعد ایجاد ہوئی ہے اسلئے اگلے لوگ اس سے واقف بھی نہ تھے نہ اس میں انہوں نے کوئی گفتگو کی۔ البتہ متاخرین کے بڑے بڑے علماء نے اس کی مذمت کی ہے اور صاف طور سے کہہ دیا ہے کہ وہ بدعتِ قبیحہ ہے اس میں بہت سی بُرائیاں ہیں۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کے بارہ میں جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں اور ان کا واضع ابن جہضم ہے اور اس صراحت کے بعد اب کسی کتاب اور رسالہ میں لکھے ہونے کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ ہم کو دین اور ثواب و عذاب کا ملنا شارع علیہ السلام سے معلوم ہوا ہے عقل کا یہ کام نہیں ہے۔

اور چونکہ اس رات میں یہ نماز نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی نہ ہی کسی صحابی نے پڑھی۔ نہ اُس کی کسی نے تعلیم کی اسلئے اس میں ثواب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ فعل عبث ہی نہیں، عذاب کا بھی اندیشہ ہے۔

چنانچہ صاحب مجمع البحرین اپنی شرح میں کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عید کے دن عید گاہ میں عید سے پہلے نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا۔ اس نے کہا، اے امیر المومنین میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نماز پر عذاب نہ دیگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کام پر جبتک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ کیا ہو یا حکم نہ دیا ہو کچھ ثواب نہ دے گا پس تیری نماز فضول کام ہوگا اور فضول کام کرنا چونکہ حرام ہے اسلئے عجب نہیں کہ خدا اس کام پر بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے عذاب کرے۔

اور ابن ہمام نے کہا ہے کہ جس عبادت کی نسبت واجب یا بدعت ہونے میں شبہ ہو اس کو احتیاطاً کر لیا کرے اور جس کے سنت اور بدعت ہونے میں شبہ ہو اسکو ترک کر دینا چاہیئے اسلئے کہ بدعت کا چھوڑنا واجب ہے اور سنت کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ پس یہ نماز چونکہ سنت اور بدعت ہونے میں مشتبہ ہے لہذا اس کا چھوڑ دینا ہی ضروری ہے۔ اور اس کا پڑھنا کسی کو جائز نہیں ہے نہ تنہا نہ بجماعت کیونکہ جماعت بھی اس میں بدعت ہے اس لئے کہ اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ نفل ہو۔ اور کتب معتبرہ مثلاً کافی وغیرہ میں اس کی تصریح ہے

نفل نماز کی جماعت کا حکم

کہ فقہاء کا اس بارہ میں اتفاق ہے کہ نفلوں میں سوائے تراویح کے اور نماز کسوف خسوف اور استسقاء کے جس وقت امام کے سوا چار آدمی ہوں جماعت مکروہ ہے اور فقہاء کا مقولہ ہے کہ جماعت نفل جب مجمع سے ہو مکروہ ہے اور مجمع یہ ہے کہ تین سے زیادہ آدمی جمع ہو کر ایک کو امام بنالیں۔ اور اگر ایک مقتدی اور ایک امام ہو یا دو مقتدی اور ایک امام ہو تو مکروہ نہیں ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اور چار میں بالاتفاق مکروہ ہے۔

اور یہ بات اصول میں ثابت ہو چکی ہے کہ ان نمازوں کا جماعت سے ادا کرنا جن میں جماعت کا شرعاً حکم ہے جیسے فرائض اور نماز جمعہ اور نماز عیدین اور تراویح اور وتر ماہ رمضان میں تو ادائے کامل ہے اور ان کے علاوہ کسی اور دنوں میں یا نمازیں جماعت عیب اور نقصان ہے جیسے چھٹی انگلی کہ گو زیادہ ہے مگر پھر بھی عیب ہے۔ اور یہ نماز چونکہ اور نمازوں میں داخل نہیں اسلئے اس میں جماعت عیب اور موجب نقصان ہوگی۔ اگرچہ اس کی نذر بھی کر چکا ہو کیونکہ نفل بجماعت مکروہ اور گناہ ہے۔ اور گناہ کی نہ منت ماننی جائز ہے اور نہ

گناہ کی نہ منت ماننی جائز ہے اور نہ نذر کا پورا کرنا ضروری

اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اطاعت خدا کی منت مانے تو اس کو پوری کرے اور جس نے منت مانی کہ

کی نافرمانی کرے گا تو اُس کو ہرگز پورا نہ کرے "۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اُسے نذر کا ادا کرنا واجب ہے جو اللہ کی اطاعت میں ہو۔ اور طاعتِ الٰہی سے یہاں یہ مطلب ہے کہ وہ فعل واجب یا گناہ نہ ہو۔ اس لئے کہ نذر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ مباح کو واجب کر لینا پس واجب اور گناہ میں قائم نہ ہوگی۔ بلکہ اگر یہ معصیت کی نذر مانے تو اُس کا پورا کرنا حرام ہے۔ ہاں اُس کا کفارہ قسم کیطرح ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد شامل ہیں اس قسم کی نذر اور قسم کا ایک حکم ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے گناہ کی نذر نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے جس کے راوی ابنِ عباسؓ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے گناہ کی نذر مانی تو اُس کا کفارہ ایسا ہے جیسے قسم کا کفارہ۔ اگر یہ کہا جائے کہ صلوٰۃ التسبیح جس کی اصل نبی علیہ السلام سے ثابت ہے تو آیا اس کا بھی جماعت سے ادا کرنا اسی رات میں جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نفلوں میں جماعت بدعت ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اس لئے اس کی نذر ماننی بھی مکروہ تحریمی ہے پس اس کا کرنا جائز نہیں بالخصوص تخصیصِ وقت کے ساتھ۔ بلکہ تمام مخلوق پر حق کی پیروی واجب ہے اگرچہ اس کی خوبیوں سے واقف نہ ہوں اور بدعتوں اور نوایجاد باتوں سے بچنا ضروری ہے اگرچہ اُن کی خرابیوں کا علم نہ ہو اس لئے کہ ان کی خرابیاں بہت ہیں ایک یہی ہے کہ جو عمل کسی رات یا دن کی خصوصیت کے ساتھ ایجاد کیا جاتا ہے تو اُس کا کرنے والا ضرور یہ اعتقاد کرتا ہے کہ یہ دن تمام دنوں سے افضل ہے اور اس میں عمل کرنا تمام اور دنوں کے عمل سے افضل ہے اور یہ رات تمام راتوں سے افضل ہے اور اس میں عمل کرنا اور راتوں میں عمل کرنے سے افضل ہے۔

گناہ کی نذر پر قسم کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے

صلوٰۃ التسبیح کی جماعت مکروہ تحریمی ہے

عبادت کے لئے تخصیصِ ایام کی خرابیاں اور انکے وجوہ

کیونکہ اگر اُس کے دل میں یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ اُس دن کو روزہ کے لئے اور اُس رات کو نماز کے لئے کیوں مخصوص کرتا۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے تو نماز روزہ کے لئے کوئی دن یا رات مخصوص کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اگر تخصیص کے طور پر نہ ہو تو اجازت دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سب راتوں میں سے جمعہ کی رات شب بیداری کے لئے مخصوص نہ کرنا اور نہ جمعہ کے دن کو اور دنوں میں سے روزہ کیلئے

ہاں مگر جب اتفاقیہ اُس کے روزہ رکھنے کے دن جمعہ پڑ جائے تو یہ اور بات ہے۔"

پس اس سے معلوم ہوا کہ خرابی صرف اُس خصوصیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جس کی شریعت میں تخصیص نہیں ہے اور یہ بات جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں موجود ہے۔ کیونکہ لوگ اُس نماز کے لئے اُسی رات کو مخصوص کرتے ہیں اسلئے کہ اُن کا اعتقاد ہے کہ اُس رات میں جو نماز ادا کی جائے وہ سب سے افضل ہے کہ دوسری کسی رات میں ادا کی جائے تو چونکہ درحقیقت اس رات میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس لئے اس تخصیص سے منع کیا گیا ہے کیونکہ تخصیص خصوصیت کے اعتقاد ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

پس جو شخص کہے کہ میرے اعتقاد میں اس رات میں نماز اور اُس دن کا روزہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اور دنوں میں پھر بھی میں نے روزہ اور نماز کے لئے ان ہی دنوں اور راتوں کو مخصوص کر رکھا ہے پس ضرور ہے کہ اس کا سبب یا تو دُنیا کی موافقت ہوگی یا کار برآری مقصود کے لئے یا طعنہ کا اندیشہ یا عادت کی پیروی کے لئے اور ان سب کی خرابی ظاہر ہے کیونکہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں اور دکھاوا عبادت میں حرام ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص کسی بدعت کو یہ جان کر کہ دین میں یہ جائز نہیں ہے پھر بھی کرتا ہے وہ فاسق ہے بدعتی نہیں ہے۔ اور اگر وہ بدعت کو جائز سمجھ کر کرتا ہے تو وہ فاسق اور بدعتی دونوں ہے۔ | بدعت کرنیوالے کا حکم

اور چونکہ اس زمانے میں بہتیرے لوگ اُس رات میں یہ نماز بڑی بڑی جماعت سے یہ سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ وہ دین میں جائز ہے۔ پس اس وجہ سے لازم آتا ہے کہ وہ اس حرکت کی وجہ سے فاسق اور بدعتی دونوں ہوں۔ کیونکہ وہ بدعت بھی کرتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ عبادتِ شرعی ہے اور اُن کی عادت یہ ہے کہ اگر اُن کو اس کام سے منع کرو تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھنا گناہ کرنے سے تو بہتر ہی ہے۔ اگر یہ بیچارے بنظر انصاف غور کرتے، تو اس فعل کو گناہ سے بھی زیادہ مضر پاتے اس لئے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اُس کو گناہ تو سمجھتا ہے۔ اور اس وجہ سے اکثر اُس سے استغفار بھی کر لیتا ہے اور نادم بھی ہوتا ہے۔ اور اُس کو ذلت اور عاجزی حاصل ہوتی ہے بخلاف ان لوگوں کے۔

کیونکہ یہ لوگ تو اس خیال کی وجہ سے کہ یہ عبادت اور قربت مشروعہ ہے نہ استغفار کرتے ہیں نہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہوتے ہیں بلکہ اُن کو فخر و ناز ہوتا ہے اور یہ وہی بات ہے جو ابلیس سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے کہ "میں نے جب اولادِ آدم کی کمر گناہوں کے بوجھ سے توڑ دی اور انہوں نے میری کمر توبہ اور استغفار سے توڑ دی تو میں نے اُن کے لئے ایسے گناہ ایجاد کئے جن سے وہ توبہ اور استغفار ہی نہ کرینگے | بدعت شیطان کی ایجاد ہے

اور وہ بدعتیں بصورت عبادت ہیں"۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ بدعت بدکاری سے بدتر ہے کیونکہ

بدعت بدکاری سے بدتر ہے

جو شخص بدعت کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں طاعت وعبادت میں ہوں اور یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ اس نے دین میں نئی بات پیدا کرنے کو جس کو شریعت نے برا بتایا ہے اور منع کیا ہے اسے اچھا جانتا ہے۔ اللہ نے اپنے

دین کامل ہوجانے کے بعد اس میں زیادتی نقصان اور خلل کا باعث ہے

بندوں کے لئے جو عبادتیں مقرر فرمادی ہیں وہ ان کے لئے کافی ہیں اور وہ ان کا دین اور اپنی نعمت پوری کرچکا جیسا کہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کردیا اور پوری کی تم پر اپنی نعمت"۔

اب کمال پر کچھ زیادتی کرنا نقصان اور خلل کا باعث ہے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز اگرچہ بدعت ہے لیکن چونکہ اس میں اذکار اور تلاوتِ قرآن ہے پس ان اذکار اور تلاوت قرآن کا ثواب تو ضرور ملنے کی امید ہے کیونکہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نماز جب بدعت اور گمراہی ٹھہری تو تمام ذکر اور تلاوت جو اس نماز میں ہے عبادت میں گناہ ملا دینے کے قبیل سے ہے اور یہ اور بھی گناہ ہے اور پہلے سے بھی زیادہ بری ہے اس لئے اس سے بچنا ہی چاہیئے۔

اس طرح کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نماز سے منع نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے "کہ تو نے اس کو دیکھا جو بندہ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے" اور نہ کوئی شخص اسکی خوبی پر اس حدیث کو دلیل لاسکتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "نماز ایک اچھی وضع کی ہوئی چیز ہے"۔ اس لئے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اسی نماز کے بارہ میں ہے جو کسی طرح شرع کے خلاف نہ ہو۔ اور وہ نماز کئی وجہوں سے خلافِ شرع ہے

نمازِ رغائب کے خلافِ شریعت ہونیکی وجوہات

جیسا کہ علماء نے اپنی تصنیفوں میں بیان کیا ہے۔

ایک تو یہ کہ اس نماز کے بارے میں حدیث موضوع پر اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ جب حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہوگیا تو یہ نماز جائز نہ رہی اور اسپر عمل کرنے والا شیطان کا خادم ہوا۔

اور ایک اس کا جماعت سے پڑھنا ہے حالانکہ نفل کا جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ تو اس میں کیونکر جائز ہوگا۔

اور ایک اس کو شب جمعہ سے مخصوص کرنا حالانکہ شب جمعہ کی بیداری سے

ممانعت ہو چکی ہے۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس کیلئے بکثرت چراغ جلاتے ہیں اور یہ چونکہ اسراف ہے۔ اور اسراف نص قرآن سے حرام ہے اسلئے جائز نہیں۔

اور ایک یہ کہ عوام اس کو سنت بلکہ بہتیرے عوام تو اس کو فرض سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ فرض کو تو ترک کر دیتے ہیں لیکن اُس کو ترک نہیں کرتے بلکہ اُس کو تمام فرض نمازوں سے افضل جانتے ہیں کیونکہ اُس کو بعضے وہ بزرگ بھی پڑھتے اور اس میں شریک ہوتے ہیں جو فرض نمازوں کی جماعت میں نہیں آتے ہیں۔

اور ایک خرابی اُس کو دینی کام سمجھنا ہے اور مسلمانوں کی بڑی مذہبی نشانیوں میں سے ایک نشانی جاننا یہاں تک کہ حکام وقت امام اور مؤذن کو خبردار کہہ دیتے ہیں کہ آج کی رات اس سے غفلت نہ کریں بلکہ منادی کرتے ہیں کہ جو شخص اس نماز کو نہ پڑھے گا وہ بہت پٹے گا اور اُس امام کو برخاست کر دیتے ہیں جو اس میں نہ آئے چنانچہ یہ تمام باتیں کسی نہ کسی وقت بعض شہروں میں ہو چکی ہیں کاش یہ لوگ ایسی ہی تاکید فرائض اور واجبات میں کرتے اور یہی وہ فتنہ ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرما گئے ہیں کہ

عظیم فتنہ اور ابن مسعودؓ کی تنبیہ

"تمہارا کیا حال ہو گا جبکہ تمہیں فتنہ گھیر لیگا جس میں بڑا تو بڈھا ہو جائے گا اور چھوٹا بڑا ہو جائے لوگوں میں ایسا پھیل جائے گا کہ اُس کو سنت ٹھہرا لیں گے۔ اگر تم اُسکو بدلو گے تو کہیں گے کہ سنت کو بدل دیا یا تمہیں منکر سنت مشہور کریں گے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ ایجاد شدہ بدعتوں سے بچتے رہو کیونکہ ایمان تمہارے دلوں سے دفعتہً نہیں جائے گا لیکن شیطان تمہارے لئے بدعتیں پیدا کرتا رہے گا یہاں تک کہ تمہارے دلوں سے ایمان نکل جائے۔" پس اس بنا پر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ فریب کھانے اور

مسلمان کا فریضہ

بدعتوں اور نو ایجاد باتوں کی طرف رغبت کرنے سے بچتا رہے اور اُن عادتوں سے اپنا دین بچاتا رہے جن سے الفت ہو گئی ہے اور جن میں پرورش پائی ہے کیونکہ یہ زہر قاتل ہے بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس سے بچے ہوں اور اُن پر اُس کی موجودگی میں حق بھی ظاہر ہوا ہو کیونکہ اس میں ایسا مزہ آتا ہے کہ بدعتیوں کے دل اُس کو بہت پسند کرتے ہیں اور اُس کو کبھی نہیں چھوڑتے ہیں۔

اور اسی لئے ہشام بن عروہؒ کہتے تھے لوگوں سے یہ نہ پوچھو کہ تم نے یہ کیا ایجاد کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے ایک جواب تیار کر رکھا ہے لیکن اُن سے یہ پوچھو کہ سنت کیا ہے کیونکہ وہ سنت کو نہیں جانتے ہیں۔ اے اللہ آج تو ہمارے لئے

سنت پر عمل کرنا اور بدعتوں سے بچنا آسان کر دے۔

بیسویں مجلس حج مبرور کے فضائل اور اُسکی بدعتوں کا بیان

حج کی برکات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کے واسطے حج کیا اور اُس نے نہ فحش کام کیا نہ بدکاری کی تو وہ ایسا پاک ہو کر لوٹے گا جیسے وہ پیدا ہوا تھا۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرۃؓ ہیں اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے حج کیا اور دوران حج میں تمام قولی و فعلی گناہوں سے بچا رہا تو تو اُس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور گناہوں سے مُراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ کبیرہ گناہوں کی معافی سوائے توبہ کے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ ہاں صغیرہ گناہوں کا کفارہ بہتیری چیزیں ہیں جن

صغیرہ گناہوں کا کفارہ کا ذکر حدیث میں ہے جیسے پنجگانہ نماز اور جمعہ اور ماہ رمضان کے روزے وغیرہ کیونکہ اسلام کے تمام اصول خطا اور گناہ کے کفارہ ہیں اور سب کو ڈھا دیتے ہیں کلمہ لا الٰہ الا اللہ تو کوئی گناہ نہیں چھوڑتا اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی کام ہے اور پانچ نمازیں اور اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہوں کے کفارہ ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جسطرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور حج میں نہ فحش ہو نہ بدکاری حاجی کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہو۔ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے تمام لوازم حج ادا کئے اور تمام مسلمان اُس کے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہے تو اُس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ اور صحیحین میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "حج مبرور کی جزاء جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے"۔ اور علماء نے حج مبرور کے

حج مبرور کے کبیرہ گناہوں کے کفارہ ہونیکا صحیح مفہوم کبیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہونے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ اُن کا کفارہ نہیں ہے اور جو کہتا ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کا بھی کفارہ ہے اس کا مقصود یہ نہیں ہے کہ عبادتوں کی قضا اور قرضے اور مظالم جو اُس پر لازم ہیں سب ساقط ہو جاتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو باتیں اُس کے ذمہ ہیں اُس کے ادا کرنے میں تاخیر کا جُرم معاف ہو جاتا ہے سو جب وہ اُس سے فارغ ہو جائے گا اس وقت اُس سے اُس چیز کا جو اُس کے ذمہ ہے مطالبہ ہو گا پس اگر اُس نے باوجود قدرت کے ادا نہ کیا تو اب وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

حج مبرور اور حج مبرور وہ ہے جس میں کسی گناہ کا لگاؤ نہ ہو اور بعضے کہتے ہیں کہ حج مبرور حج مقبول کو کہتے ہیں اور یہ معنی بھی معنی اوّل کے قریب ہیں اور حج کے مبرور ہونے کی یہ علامت

ہے کہ حاجی جتنے بُرے کام کیا کرتا تھا سب چھوڑ دے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں متوجہ ہو جائے اور اپنے نفس کی اصلاح میں سعی کرتا رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آدمی کا حج مقبول ہونے کی یہ علامت ہے کہ حج کے بعد اس میں نیکیاں زیادہ ہو جائیں اور حج سے لوٹ کر پھر کبھی گناہ کی طرف متوجہ نہ ہو اور بُرے ساتھیوں کو چھوڑ دے۔ کیونکہ جو شخص حجرِ اسود کو ہاتھ لگاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس

حجرِ اسود کو چھونا حقیقت میں اللہ سے بیعت اور عہد کی تجدید ہے

بات پر بیعت کرتا ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچے گا اور اُسکے تمام حقوق ادا کرے گا پھر جو شخص اس عہد کو توڑ دے گا تو اپنی ہی بُرائی پر توڑے گا اور جو اللہ سے کیے ہوئے اقرار کو پُورا کرے گا تو اُس کو خدا بہت بڑا اجر دیگا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے آپ فرماتے ہیں حجرِ اسود اللہ کی زمین پر داہنا ہاتھ ہے جس نے اُس کو ہاتھ لگایا اور مصافحہ کیا تو گویا اُس نے اللہ سے مصافحہ کیا اور اس کا ہاتھ چُوما۔

اور عکرمہؓ کہتے ہیں کہ حجرِ اسود زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔ پس جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نصیب نہیں ہوئی اور اس نے اس رکن کو چھو لیا تو اُس نے اللہ اور رسولؐ سے بیعت کر لی۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی پُشت سے اُس کی اولاد کو نکالا اور اُن سے عہد لیا تو اس عہد کو پوست آہو پر لکھا پھر اس حجرِ اسود میں امانت رکھ دیا۔ اور کہتے ہیں کہ جو شخص حج کرتا ہے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا از سرِ نو بیعت کرتا ہے اور اُس پرانے عہد کے پُورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے پس اُس کو چاہیئے کہ جب حجر کے پاس سے جُدا ہو تو اپنے اس عہد کا لحاظ رکھے جو بوسہ دینے کے وقت کیا تھا۔ کیونکہ یہ بہت بُری بات ہے کہ مبانی اسلام کو پورا کر کے گناہوں سے بنی بنائی چیز توڑ ڈالے کیونکہ عبادت کے قبول ہونے

عبادت کی قبولیت کی علامت

کی یہی علامت ہے کہ اُس کے بعد اور عبادت کرتا جائے اور اُس کے مردود ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اُس عبادت کے بعد گناہ کرے اور کیا ہی خوب ہے نیکی کے بعد نیکی اور کیا ہی بُری ہے نیکی کے بعد بُری۔ کہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گناہ قبل از توبہ ستر گناہوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ بیماری کا دوبارہ پلٹنا پہلے مرض سے سخت ہوتا ہے۔ پس حاجی

حج مبرور کے حاجی کی مغفرت اور اُس کی دُعا کی مقبولیت

کا حج اگر مبرور ہو تو وہ اپنے اور جس کے واسطے مغفرت مانگے بخش دیا جاتا ہے اور جب وہ واپس ہوتا ہے تو اس طرح لوٹتا ہے کہ اُس کے سب گناہ معاف ہیں اور اُس کی دُعا قبول ہے اور اِسی واسطے اس سے ملنا اور سلام علیک کرنا اور اس سے مغفرت کی دُعا کرانا مستحب ہے۔ کیونکہ ،،

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "جب تم کسی حاجی سے ملو تو اُس کو سلام اور مصافحہ کرو اور اُس سے کہو کہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لئے مغفرت کی دُعا مانگے کیونکہ جس کے لئے وہ دعا مانگے گا اُسے بخشا ہوا سمجھو۔"

اور حسنؒ سے روایت ہے کہ جب حاجی روانہ ہوں تو اُن کو رخصت کرنے کو جاؤ اور دُعائے خیر کا توشہ اُن کے ساتھ دو اور جب وہ حج کر چکیں تو قبل اس کے کہ وہ گناہوں میں پڑ جائیں اُن سے ملو اور مصافحہ کرو کیونکہ اُن کے ہاتھوں میں برکت ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں جن کا حج مبرور ہوتا ہے۔

وہ بدعات اور خرابیاں جن کا ارتکاب حاجیوں سے کثرت سے ہوتا ہے

کسی نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ "حاجی خوب ہی کثرت سے ہیں" تو جواب دیا کہ "کیا ہی قلیل ہیں"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "سوار تو بہت ہیں لیکن حاجی تھوڑے ہی ہیں"۔ اور یہ صرف اسی وجہ سے فرمایا کہ حاجیوں میں بدعتیں اور برائیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ سب سے بڑا فتنہ

سب سے بڑا فتنہ ترک نماز اور خلافِ شرع نمازوں کا جمع کرنا ہے

اور سب سے بڑی مصیبت اور سب سے کثیر الوقوع بڑی بلا اکثر نمازوں کا ترک کر دینا ہے اور جو نماز نہیں چھوڑتا وہ وقت کو کھو دیتا ہے اور شریعت کے خلاف جمع کر کے پڑھتا ہے اور یہ بالاتفاق حرام ہے۔

اور جو یہ جانتا ہو کہ اگر وہ حج کو جائے گا تو اُس کی ایک نماز فوت ہو جائے گی، تو اُس پر حج حرام ہے مرد ہو خواہ عورت کیونکہ ایک نماز چھوڑنے کا کفارہ ستر حج سے کم نہیں تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک درہم کے لئے ہزار دینار خراب کر دے۔ سو جب یہ حالت ہے تو حاجی کے لئے ضروری ہے کہ نمازیں وقت پر ادا کرتا رہے بسہولت ہو تو جماعت سے ورنہ دشواری ہو تو اکیلا پڑھ لے۔

اور جب تک خود اور اپنے ساتھی کے لئے پینے اور وضو کے واسطے پانی کے رہنے کا گمان غالب ہو نجس پانی سے وضو یا تیمم نہ کرے اور نہ وقت سے پہلے نماز پڑھے اور جس مقام پر سمتِ قبلہ مشتبہ ہو وہاں اُس کے دریافت میں پوری کوشش کرے۔ اور

حاجیوں کی بے جا تزئین و زیبائش

حاجیوں کی بدعتوں میں سے سونے اور چاندی کے زیور اور ہار اور کنگن اور حریر وغیرہ سے اونٹوں کا آراستہ کرنا ہے اور مشعلوں کا بھی ان چیزوں سے مزین کرنا یہ سب اپنے گھر سے نکلنے کے وقت اور گھر لوٹنے کے وقت اور مکہ و مدینہ میں داخل ہوتے وقت کرتے ہیں اور ان سب باتوں میں وہ گنہگار ہیں اور اس گناہ میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو اس تماشے کو دیکھنے جاتے ہیں اور اُس کی تعریف کرتے ہیں یا سکوت

کرتے ہیں۔ اور اُن ہی بدعتوں میں سے ایک اُن کے جانے وقت اور آتے وقت عورتوں
عورتوں کا گھر سے نکلنا | کا نکلنا ہے۔ کیونکہ عورتوں کو اپنے گھر میں بیٹھا رہنا اور باہر نہ نکلنا
ضروری ہے۔ اور شوہر پر لازم ہے کہ ان کو باہر جانے سے روکے اور اگر اُس نے اجازت
دی اور وہ باہر نکلی تو دونوں گنہگار ہونگے۔ اور بعض اوقات خموشی سے بھی قول کیطرح اجازت
سمجھی جاتی ہے اس لیئے کہ بُرے کام سے روکنا فرض ہے اور اگر عورت بغیر اجازت خاوند
کے گھر سے نکلی تو آسمان کے کل فرشتے اور جن جن چیزوں پر اُس کا گذر ہوتا ہے انسان اور
جن کے سوا سبھی لعنت بھیجتے ہیں۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے
اپنے بعد عورتوں سے بدتر کوئی فتنہ کی چیز نہیں چھوڑی"۔

پس اس زمانے میں عورتوں کا اپنے گھروں سے نکلنا سب فتنوں سے زیادہ ہے
خصوصاً حرام طریق سے نکلنا مثلاً جنازہ کے پیچھے جانا یا قبروں کی زیارت کی غرض سے اور حاجیوں
کے آتے جاتے وقت ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں اور گھروں سے
نہ نکلیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی بہترین عورتوں کو کہ وہ نبی علیہ السلام کی
بیویاں ہیں گھر سے نہ نکلنے ہی کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ "اپنے گھروں میں بیٹھی رہو" اور
آیت پاک اگرچہ اُن کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم سب کے بارے میں عام
ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ قرآن کے خطابات وقت نزول کے موجودین اور جو قیامت تک ہوں
گے سب کو شامل ہے۔ اور اُن خرابیوں میں سے ایک بُرائی یہ ہے کہ بعض ایسے فقیر لوگ جن پر
بغیر سفر خرچ کے حج کے لیئے روانگی | حج فرض نہیں ہے راہ خرچ کے بغیر حاجیوں کے ساتھ چل
کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم متوکل ہیں اور لوگوں پر گراں گذرتے ہیں اور بوجھ بنجاتے
ہیں بیچاروں کو اُن کی بھیک پوری کرنے سے فرصت نہیں ملتی حالانکہ مانگنا حرام ہے اور یہ
لوگ اس حرام کے اُس امر کے ادا کے لئے جو اُن پر واجب نہیں ہے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ اکثر
اوقات پنجگانہ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں پس
جو اُن کے کمال اور زیادتی کا سبب تھا وہی اُن کے نقصان اور خسارہ کا باعث ہوجاتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ مالدار لوگ
عیش کے لئے حج کریں گے اور اوسط درجہ کے لوگ تجارت کی غرض سے اور قاری دکھانے
سنانے کے لیئے اور فقراء مانگ کھانے کے لئے اور یہ کہنا بھی کچھ بعید نہیں کہ چور چوری کرنے
کی غرض سے۔

اور حاصل یہ ہے کہ حج آجکل بہتیرے لوگوں کے لئے فتنہ اور بلا ہوگیا ہے کیونکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اُن پر اپنے اور اپنے بندوں کے لئے کیا کیا حقوق مقرر کئے ہیں کیونکہ اللہ نے تو اُن پر حج بشرط استطاعت فرض کیا ہے اور استطاعت اتنی قدرت چاہتی ہے کہ آدمی کی حاجتوں اور آنے اور جانے کی ضروریات جیسے کھانے اور پینے اور سواری کے لائق اُسکے پاس خرچ ہو بعضے لوگ جو بوجہ محتاجی کے بلا زاد و راحلہ چل کھڑے ہوتے ہیں اکثر اوقات کھانے پینے اور سواری کی تکلیف سے راستہ ہی میں ہلاک ہوجاتے ہیں اور گنہگار مرتے ہیں کیونکہ خدا نے ایسی حالت میں سفر کرنیسے منع فرمایا ہے۔

اور جو شخص بدون اس کے کہ اُس کے پاس کافی خرچ ہو حج کے لئے چل کھڑا ہو اور چلتے وقت یہ ارادہ کرے کہ جس چیز کی ضرورت ہوگی حاجت کے وقت لوگوں سے کھانا پینا سواری مانگ لیا کروں گا تو اُس نے بہت ہی بُرا کیا کیونکہ اکثر حاجی بوجہ کی تکلیف اور طول مسافت کی وجہ سے بقدر ضرورت ہی سامان لیجاتے ہیں پس جو شخص اُن کے ساتھ بغیر سامان کے جائے گا اور اُن کے سامان میں اُن کا مہمان ہوگا تو یہ سفر خود اُس کو اور دل کو وبال ہوجائے گا۔

اور اکثر ایسے کام وہی لوگ کرتے ہیں جو دین کے شرائط اور اسلام کے احکام نہیں جانتے اور عبادت الٰہی اور فرمانبرداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود اپنے دل کا ارمان نکالنا ہوتا ہے یعنی دُور دُور کے عجیب وغریب مقامات اور مکہ ومدینہ کو دیکھنا اور لوگوں کے مجمعوں کو دیکھنا کیونکہ لوگ بہت بہت دُور سے آتے ہیں اور یہ کہ لوگ اس کو حاجی کہیں، پس اس کا تو صرف یہ مقصود ہوتا ہے۔

اور بعضوں کے دل میں شیطان سواروں کی معیت ذہن نشین کر دیتا ہے اور اُسکا اُس سے صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں کا مال چُرا کر یا زبردستی چھین کر یا جس طرح بنے لیجیے کیونکہ شیطان چونکہ ہمیشہ آدمی کو بُرائی میں پھنسا دینے میں کوشاں رہتا ہے کبھی بظاہر بھلائی کا دروازہ کھولتا ہے تاکہ اُس کی آڑ میں اُن کو طرح طرح کے گناہوں اور حرام کاریوں میں پھنسا دے۔ اور

۵۔ اپنے مُردوں کی حق تلفی اُن ہی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات اپنے مُردے کا حق تلف کر لیتے ہیں کیونکہ کبھی اُن کا کوئی رفیق مرجاتا ہے جبکہ یہ پڑاؤ میں ہوتے ہیں تو اُسکو نہ غسل دیتے ہیں نہ کفن دیتے ہیں نہ اُس پر نماز پڑھتے ہیں بلکہ کوچ کر جاتے ہیں اور اُسکی لاش یُوں ہی بے گور وکفن چھوڑ جاتے ہیں اور گناہوں میں پھنستے ہیں اسلئے کہ اسمیں کی ہر ایک بات فرض کفایہ ہے جس کو اگر ایک بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں اور بعض وقت راستہ چلتے ہوئے مرجاتا ہے تو اُس کو یُوں ہی چٹیل میدان میں بلا دفن کے پھینک دیتے ہیں اور اُسکی لاش

کو ورثا رے کھا جاتے ہیں۔

ان گناہوں کے کرنے کا سبب اُن کا یہ خوف ہے کہ اُسکا مال کہیں بیت المال میں جمع نہ ہو جائے۔ اور بمقابلہ آخرت دُنیا کی پونجی کو پسند کرتے ہیں اور ایسے ایسے فرض گنوا دیتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں پھر بھلا اُن کا حج کیونکر مبرور ہو سکتا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ جو شخص یہ

حج مبرور کے لئے ضروری تنبیہ | چاہے کہ اُس کا حج مبرور ہو تو اُس کو لازم ہے کہ حج میں تمام فرائض اور سنتوں اور واجبات کے ادا کرتا رہے اور احرام کے دنوں میں تمام باتوں سے جو حالتِ احرام میں منع ہیں اور تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور احرام سے پہلے تمام فرائض اور واجبات ادا کرے اور حقوقِ عباد میں مدعیوں کو راضی کر کے تمام گناہوں سے توبہ کر ڈالے۔ اور اُس کا کھانا پینا اور کپڑا اور سواری سب حلال مال سے ہو حرام سے نہ ہو۔ اس

حرام مال سے حج کرنے کا حکم | واسطے کہ فقہاء نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا ہے کہ جو حرام مال سے حج کرے اُس کا حج صحیح ہوتا ہے یا نہیں۔

پس امام احمدؒ کے نزدیک تو صحیح نہیں ہوتا اور اُس کو مالِ حلال سے پھر دوبارہ حج کرنا ضروری ہے اور تینوں اماموں کے نزدیک اُس کا حج صحیح ہے اور اُسکے ذمہ سے فرض بھی ادا ہو گیا اور اس پر دوبارہ حج کرنا بھی ضروری نہیں لیکن اُس کا حج حج مبرور نہیں۔ کیونکہ حج مبرور کے لئے تمام شرائط وارکان وواجبات وسنن اور آداب ادا کرنے کے ساتھ ہر اُس چیز سے جس سے خداوند تعالیٰ نے منع کیا ہے بچنا بھی شرط ہے۔ حج کے واجب ہونے کے شرائط دو قسم کے ہیں

حج کے واجب ہونے کے شرائط | شرائطِ ادا اور شرائطِ وجوب۔ شرائطِ ادا تو وقت اور مقام اور احرام ہیں اور شرائطِ وجوب عقل اور جوانی اور آزادی اور استطاعت اور صحتِ بدنی اور راستہ کا امن ہے۔ اور راستہ کا امن چونکہ شرطِ وجوب ہے اس کی وجہ سے اس زمانہ میں حج فرض ہونے

راستہ کا امن مفقود ہو تو فرضیت حج کا حکم | میں علماء نے اختلاف کیا ہے کیونکہ قرامطہ وغیرہ چوروں اور فساق کے ظاہر ہونے کی وجہ سے امن جاتا رہا ہے۔

ابو القاسم صفاری کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں عورتوں پر سے حج ساقط ہو جانے میں تو کوئی شک نہیں البتہ اگر شک ہے تو مردوں پر سے حج ساقط ہو جانے میں ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میں بیس برس سے جب سے قرامطہ پیدا ہوئے ہیں حج کو فرض نہیں سمجھتا اور بادیہ میرے نزدیک دار الحرب ہے اور ابو بکر اسکاف کہتے ہیں کہ میں نہیں کہتا کہ اس زمانہ میں حج فرض ہے یہ بات انہوں نے ۳۲۶ھ ہجری میں کہی تھی۔

اور ابو بکر رازی نے فتویٰ دیا ہے کہ اس زمانہ میں بغداد والوں پر حج فرض نہیں

رہا اور اکثر متاخرین کا یہی فتویٰ ہے۔

ان لوگوں کے اس فتویٰ کی وجہ یہ ہے کہ حاجی قرامطہ وغیرہ کو رشوت دئے بغیر حج کو نہیں پہنچ سکتا پس گویا عبادت معصیت کا سبب ہوئی پس جب عبادت معصیت کا باعث ہوئی تو وہ عبادت نہ رہی۔

لیکن

قنیہ میں مذکور ہے کہ جو حج کی قدرت رکھتا ہو اُس پر حج فرض ہے اگرچہ اُسکو یقینی معلوم ہو جائے کہ اُس سے چُنگی لی جائے گی۔ اسلئے کہ اگر اتنی بات سے حج ساقط ہو جائے تو پھر اس فرمانِ خداوندی پر کب عمل ہوگا" اور اللہ کے لئے ہے لوگوں پر حج بیت اللہ کا"۔

اور ابوالحسن کرخیؒ سے ان کا حکم پوچھا گیا جو قرامطہ کے خوف سے حج کو نہیں جاتے آپ نے فرمایا کہ "جنگل تو آفتوں سے کبھی سالم نہیں رہا" یعنی جنگل کبھی بھی آفتوں سے خالی نہیں رہا بوجہ پانی کی قلت اور گرمی کی شدت اور تیز لو کے چلنے سے۔

اور فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں اگر راستہ میں غالب گمان سلامتی کا ہے تو حج فرض ہے اور اگر گمان غالب اس کے خلاف کا ہے تو واجب نہیں ہے اور اسی قول پر اعتماد ہے۔

حج کے فرائض اور حج کے فرائض یہ ہیں احرام باندھنا اور عرفات میں ٹھہرنا اور طوافِ زیارت اگر ان میں سے ایک بھی فوت ہوگا تو حج باطل ہو جائے گا اور سال آئندہ میں اس کی قضا واجب ہو جائے گی۔

حج کے واجبات اور سنن اور اُس کے واجبات یہ ہیں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اور مزدلفہ میں ٹھہرنا اور کنکری پھینکنا اور سر منڈوانا یا بال کٹوانا اور آفاقی کے لئے طوافِ صدر ہے اگر ان میں سے کوئی چیز چھوڑ دی تو حج ہو جائے گا لیکن اس پر قربانی واجب ہوگی اور ان کے سوا اور امور سنن اور آداب ہیں۔

حج کا وقت اور حج کا وقت ماہ شوال اور ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں اور اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے کیونکہ مدتِ احرام بڑھ جانے کی وجہ سے شاید حرام میں مبتلا ہو جائے اور اس کا حج مبرور نہ ہو کیونکہ جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور احرام کے ممنوعات میں سے کوئی امر بلا عذر کر بیٹھا تو اُس کا حج مبرور نہ رہا اگرچہ فی الفور توبہ بھی کرلے اس لئے کہ گو توبہ گناہ کو دُور کر دیتی ہے لیکن حج کے ثواب کے نقصان کو دُور نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حج کے مبرور ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ بلا عذر کوئی گناہ احرام کی حالت میں نہ ہو اور احرام نیت اور تلبیہ کا نام ہے۔

حرام اسکے ارکان اور طریقہ یہ دونوں احرام کے رکن ہیں ایک سے دوسرے کے بغیر احرام نہیں ہوتا پس جو شخص احرام باندھنا چاہے تو پہلے وضو کرے یا غسل کرے اور غسل افضل

ہے اور سلے ہوئے کپڑے اُتار ڈالے اور صرف دو کپڑے تہبند اور چادر پہن لے نئے ہوں خواہ دُھلے ہوئے۔ ہاں اگر نئے ہوں تو بہتر ہے۔ اور مونچھیں کترواڈالے اور ناخن ترشوائے اور زیر ناف کے بال مونڈ ڈالے پھر دو رکعت نماز ادا کرے اور سلام پھیرنے کے بعد کہے خدایا میں حج کرنا چاہتا ہوں تو مجھ پر آسان کردے اور مجھ سے قبول کرلے۔ پھر تلبیہ کرے یعنی بلند آواز سے عربی کی عبارت جس کا ترجمہ یہ ہے کہے (حاضر ہوں خداوندا حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بیشک حمد اور نعمت اور مُلک تیرا ہے۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں) اس عبارت سے کچھ نہ گھٹائے اور اگر کچھ بڑھادے گا تو جائز ہے۔ پھر جب نیت کرکے تلبیہ پڑھ چکے تو احرام ہو گیا۔ اب جو باتیں احرام میں منع ہیں اُن سے بچتا

جو باتیں احرام میں منع ہیں رہے یعنی فحش بکنا اور بدکاری اور لڑائی جھگڑا اور شکار کا چھیڑنا خود پکڑ کے یا اشارہ کرکے یا بتلا کے یا مدد دے کر۔ اور سلا ہوا کپڑا قبا یا کُرتا یا پائجامہ یا پگڑی یا ٹوپی یا موزے نہ پہنے۔ ہاں اگر موزے ٹخنے کے نیچے تک کتر ڈالے تو خیر اور بال اور ناخن نہ کٹوائے اور جوں نہ مارے اور نہ سر ڈھکے نہ مُنہ۔ اور مکان یا کجاوے کے سائے میں بیٹھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور نہ سر کو کھجائے مگر نرمی سے یہاں تک کہ ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ انگلیوں کے اندر کی جانب سے کھجائے تاکہ سر کے کسی جانور کو تکلیف نہ ہو

حج کا طریقہ اور ارکان کی ادائیگی

تلبیہ اور بلند آواز سے کثرت سے لبیک کہے۔ جب کبھی نماز پڑھے یا بلندی پر چڑھے یا پستی کی طرف اُترے یا سوار ملیں یا صبح کو اُٹھے۔ اور جب مکہ میں داخل ہو تو پہلے مسجد حرام میں جائے اور جب بیت اللہ کو دیکھے تو اللہ اکبر اور لا الٰہ الّا اللہ کہے

حجر اسود کا بوسہ پھر حجر اسود کی طرف منہ کرے اور تکبیر اور لا الٰہ الّا اللہ کہتا ہوا اپنے ہاتھ اٹھائے رہے جسطرح نماز میں اُٹھاتا ہے اور اُس کو چوم لے اور فقہاء کے نزدیک چومنے کا یہ قاعدہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں حجر اسود پر رکھے اور اگر کسی کو ایذا دیئے بغیر ممکن ہو تو اُس کو چوم لے کیونکہ چومنا سنت ہی ہے اور کسی کو تکلیف نہ دینا واجب ہے۔ پس واجب کا لحاظ رکھنا مقدم ہے۔

اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو کسی چیز سے چھولے جو اُس کے ہاتھ میں ہو اور اُسکو چوم لے اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو جائے اور اپنے دونوں شانوں کے برابر ہاتھ اٹھاکر ہتھیلی کی پُشت اپنے منہ کی جانب اور ہتھیلی حجر اسود

کی طرف کر کے ان دونوں ہاتھوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتا ہوا اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ
کہے اور اللہ کی حمد کرے اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے۔ پھر طواف قدوم کرے اور حطیم کو اندر
طواف قدوم لے کر داہنی طرف سے جو باب سے متصل ہے شروع کر کے اپنی چادر بغل
کے نیچے داب کر اور اس کے کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال کر سات چکر لگائے۔ صرف پہلی
تین گردشوں میں حجر اسود سے حجر اسود تک اکڑ کے چلے اور جب حجر کے پاس پہنچے تو جس طرح
اوپر مذکور ہوا ہے بوسہ دے اور صرف رکن یمانی کو بوسہ دے اور یہی بہتر ہے۔ اور ان دونوں
کے سوا اور کسی کو بوسہ نہ دے اور طواف کو حجر کے استلام پر ختم کر دے۔ پھر دو رکعتیں مقام ابراہیمؑ
مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز میں یا مسجد میں کسی اور جگہ اگر اژدہام مانع ہو پڑھے اور یہ نماز
ہر سات طواف کے بعد واجب ہے۔ پھر پلٹ کر حجر کا استلام کرے اور مسجد سے نکل کر صفا پر
سعی صفا و مروہ چڑھ جائے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہے
اور حضور علیہ السلام پر درود پڑھے۔ اور ہاتھ اٹھا کر جو چاہے دعا مانگے۔ پھر مروہ کی طرف اپنی
معمولی چال سے چلے۔ یہاں تک کہ بطن وادی میں پہنچے پھر میلین اخضرین کے درمیان دوڑ کر
چلے۔ اور جب بطن وادی سے گذر جائے تو اپنی چال سے چلنے لگے۔ یہاں تک کہ مروہ جا
پہنچے۔ جب وہاں پہنچے تو اوپر چڑھ جائے اور وہی عمل کرے جو صفا پر کیا تھا۔ پھر مروہ سے
اترے اور صفا کی طرف جائے اسی طرح سات مرتبہ کرے صفا سے شروع کرے اور مروہ
پر ختم کرے۔ پھر احرام باندھے ہوئے مکہ میں رہے اور بیت اللہ کا طواف نفلی کیا کرے جتنا قدر
وقوف عرفات و مزدلفہ چاہے۔ اور جب مکہ میں ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ صبح کی نماز پڑھ چکے
تو منیٰ کو جائے وہاں جا کر عرفہ کی فجر تک ٹھہرا رہے۔ پھر عرفات میں جائے عرفات بطن عرفہ کے
سوا سب ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے ظہر کے وقت پڑھ چکنے کے
بعد موقف کی طرف غسل مسنون کر کے جائے اور دن چھپے مزدلفہ کو جائے سارا مزدلفہ سوا
وادیٔ محسر کے سب ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور جبل قزح کے پاس اترے اور یہاں مغرب اور
عشاء ملا کر پڑھے اور اذان اور تکبیر کہے۔ اور جب صبح ہو جائے تو فجر کی نماز غلس میں پڑھے
اور غلس آخر رات کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ یعنی اول وقت فجر کے پڑھے۔ پھر ٹھہر کر اللہ اکبر
اور لا الٰہ الا اللہ کہے اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور دعا مانگے۔
رمی جمار اور جب روشنی ہو جائے تو منیٰ میں آئے اور جمرۃ العقبہ پر بطن وادی سے نیچے
سے اوپر کی طرف سات کنکریاں پھینکے انگوٹھے سے اور ہر کنکری پر تکبیر کہے اس طرح بسم اللہ
واللہ اکبر شیطان اور اس کے گروہ کے سنگسار کرنے کے لئے خداوندا تو میرا حج مبرور کر اور میری

کوشش مشکور کر اور میرے گناہ معاف فرما۔ اور پہلی کنکری پر تلبیہ موقوف کر دے۔ پھر اگر چاہے
احرام سے حلال ہونے کا طریقہ تو قربانی کرے پھر بال کتروائے اور سر منڈانا افضل ہے اور
اس وقت اس کو احرام کے ممنوعات میں سے عورتوں کے سوا سب چیزیں حلال ہیں۔ پھر ایام
طوافِ زیارت اور اس بارے میں ایک تنبیہ نحر میں سے کسی دن سات پھیرے طوافِ زیارت
کے بدون رمل اور سعی کے اگر رمل اور سعی پہلے کر چکا ہو کرے ورنہ مع ان دونوں کے اور اگر
طوافِ زیارت کو ایامِ نحر سے مؤخر کر دیا تو مکروہ ہے اور قربانی کرنا واجب ہے۔ پھر منیٰ میں آئے
دوبارہ رمیٔ جمار اور اُس کا طریقہ اور تینوں جمروں کو ایامِ نحر کے دوسرے دن کے ڈھلنے کے بعد
کنکریاں مارے اور اُس جمرہ سے شروع کرے جو مسجدِ خیف سے متصل ہے پھر جو اُس سے
متصل ہے پھر جمرۃ العقبہ سے سات سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا
جائے اور ہر اُس رمی کے بعد ٹھہر کر دعا مانگا کرے جس کے بعد اور رمی باقی ہو اور تیسری رمی
کے بعد نہ ٹھیرے اور یوم نحر کی رمی کے بعد ٹھیرے۔ اسی طرح اگر ٹھیرے تو دوسرے دن
اور ایسے ہی تیسرے دن بھی کرے اور رمی کی راتوں میں منیٰ میں نہ رہنا مکروہ ہے۔ اور جب
حرم سے روانگی کے وقت طوافِ صدر اور دیگر امور کی بجا آوری وطن کی واپسی کا ارادہ کرے تو طوافِ صدر سات گردشیں
بدون رمل اور سعی کے کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور
زمزم کا پانی پی کر بیت اللہ کے پاس آئے اور آستانہ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور منہ ملتزم
پر رکھے اور ملتزم حجر اور باب کے درمیان میں ہے پھر گھڑی بھر پردہ کعبہ کو تھامے کھڑا
رہے پھر عاجزی سے دعا مانگے اور کعبہ کی جدائی پر روئے۔ اور اُلٹے پیروں واپس ہو
یہانتک کہ مسجد سے نکل آئے

عورت کا حج

اور عورت کا حال بھی مرد کا سا ہے اتنا فرق ہے کہ عورت سِلا ہوا کپڑا پہنے
احرام اور سر نہ کھولے بلکہ منہ کھولے رکھے اگرچہ کسی کپڑے سے گھونگھٹ رکھے لیکن کپڑا
منہ سے جدا رکھے تو بھی صحیح ہے۔ اور تلبیہ بلند آواز سے نہ کرے اور حجر کے پاس نہ جائے
تلبیہ اور حجرِ اسود کا بوسہ مگر اُس وقت جبکہ مجمع سے خالی ہو جائے۔ اور طواف میں رمل نہ کرے
طواف اور حلقِ راس اور نہ میلین کے درمیان سعی کرے بلکہ اپنی چال پر چلی جائے اور سر
نہ منڈائے بلکہ لٹ کتر ڈالے۔ اور اگر احرام باندھتے وقت حائض ہو جائے تو غسل کر ڈالے
حالتِ حیض کا مسئلہ اور یہ غسل احرام کے لئے ہوگا نماز کے لئے نہیں۔ اس سے طواف
کے علاوہ اور امور کے لئے طہارت ہو جائے گی۔ اور دو رکن یعنی وقوفِ عرفات اور طواف

زیارت کے بعد حیض کا آنا طواف صدر کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور نہ اُس کے ترک سے اُس پر کچھ واجب ہوتا ہے اور نہ حیض کی وجہ سے طواف کے ایام نحر کے تاخیر ہو جانے سے۔ پھر یہ بھی معلوم کرنا لازم ہے کہ عورت جوان ہو یا بُڈھی جب اُس کے اور مکہ کے درمیان سفر کی مسافت ہو تو بغیر محرم اس کو منتطیع نہیں کہا جا سکتا۔ محرم وہ شخص ہے، جس کیساتھ اُس کا نکاح کبھی کسی حال میں درست نہیں ہو سکتا نسب کی وجہ سے ہو یا دودھ کی پلانے کی وجہ سے یا رشتہ، دامادی سے اور اگر اُس کا کوئی محرم نہ ہو تو اُس پر یہ واجب نہیں ہے کہ حج کے واسطے خاوند کرے اور تجنیس میں مذکور ہے کہ اگر اُس کا محرم فاسق یا مجنون یا لڑکا ہو تو اُس پر حج واجب نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ سفر حرام ہے۔ اور عورت کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ حج کو چلتے وقت عدت کے ایام سے فارغ ہو یہاں کہ اگر عدت میں ہو تو حج کو نہ جائے۔ ایسے ہی اگر اُس پر عدت راستہ میں کسی شہر میں واجب ہو جائے اور اُس شہر سے مکہ تک بقدر مسافت سفر فاصلہ ہے تو اُس شہر سے بھی جب تک عدت پوری ہو نہ نکلے۔

عورت کابغیر محرم سفر حج کا حکم

عدت کی صورت میں عورت کیلئے حکم

خدا اپنے فضل وکرم سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنا ہم پر آسان کر دے۔

اکیسویں مجلس زکوٰۃ کے فضائل اور نہ دینے کی سختیوں کے بیان میں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ایسا کوئی سونے چاندی والا نہیں کہ اس میں سے حق اللہ ادا نہ کرتا ہو مگر قیامت کے دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی اُس کے لئے آگ کی لوحیں بنائی جائیں گی پھر وہ دوزخ کی آگ میں گرم کی جائیں گی اور اُس کی دونوں کروٹیں اور پیشانی اور پُشت اُن سے داغی جائیں گی۔ اور جب ٹھنڈی ہو جائیں گی تو پھر گرم کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ تمام خلق کا حساب ہو چکے گا۔ اُس وقت اُس کو یا تو جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف جانے کا راستہ معلوم ہو گا۔"

اپنے مال میں سے حق اللہ ادا نہ کرنیوالوں کیلئے سخت وعید

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے مال کی صرف دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ سونا اور چاندی آگے چل کر ان دونوں کی طرف جو ضمیر پھیری ہے وہ معنی کا لحاظ کرتے ہوئے مفرد ہے نہ الفاظ کے اعتبار سے اور یوں فرمایا ہے کہ نہ ادا کرے انہیں سے حق اُس کا۔ کیونکہ ان سے مراد درہم ودینار ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ شاید سونے چاندی سے مُراد ہر قسم کا مال ہو۔

اس لئے کہ حکم تو عام ہے۔ رہی ذکر میں ان کی تخصیص سو تمام مالوں پر ان کی افضلیت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہی دونوں مالداری کی جڑ ہیں اور تمام چیزوں کی قیمت ہیں اور ایسا ہی قرآن شریف میں آیا ہے:۔ جو لوگ سونا اور چاندی گاڑ رکھتے ہیں اور اُس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خبر دیدو۔ جسدن دوزخ میں اُس پر آگ دھکائی جائے گی تو اُس سے اُن کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھ داغی جائیں گی یہی ہے جس کو تم اپنے لئے گاڑتے تھے پس اپنی گاڑی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔"

مال کا حق ادا نہ کرنے اور خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے مُراد زکوٰۃ نہ ادا کرنا ہے۔ پس جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور اُس کو ذخیرہ کیے جاتے ہیں اور اُس کی زکوٰۃ نہیں دیتے قیامت کے دن طرح طرح کا عذاب اُن کو دیا جائے گا منجملہ اُن عذابوں کے ایک تو یہی ہے جو اس آیت اور حدیث میں بیان ہوا۔

اور اس عذاب کے ساتھ اُن اعضاء کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالدار باوجود زکوٰۃ واجب ہونے کے وقتِ ادا آجانے پر جب زکوٰۃ دینے کی عادت نہیں ڈالتا۔ تو وہ جب فقیر طالب زکوٰۃ کو دیکھتا ہے تو منہ بگاڑ لیتا ہے اور جب وہ اُس سے مانگ بیٹھتا ہے تو مُنہ موڑ کر پہلو موڑ لیتا اور بدل لیتا ہے اور اگر وہ سوال میں زیادتی کرتا ہے تو اُٹھ کھڑا ہو جاتا ہے اور پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور اُس کو اسکا حق یعنی زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دیتا ہے۔ پس فقیر کو اُس کی ہر ایک حرکت سے ایذا ہوتی ہے۔ سو اللہ اُس کو یہ عذاب دے گا کہ اُس کے تمام مال درہم و دینار کی تختیاں آگ کی بنا دیگا اور اُس سے وہ عضو داغے جائیں گے جن سے فقیر کو ایذا دی تھی۔ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے دینار دینار مال داروں کے لئے **اُخروی عذاب کی کیفیت** پر اور درہم درہم پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ اُس کی کھال کو پھیلا دیں گے حتیٰ کہ سب درہم و دینار علیحدہ علیحدہ رکھے جائیں گے جب اُن سب کا ملکر داغ لگ چکے گا تو پھر وہ داغ اُسی طرح دوبارہ لگایا جائے گا حتیٰ کہ اُسی طرح یہ عذاب قیامت کے دن اُس پر برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ سب کا حساب ہو چکے گا اُسوقت معلوم ہوگا کہ یا تو اس کی راہ جنت کی طرف ہے اگر اس کے سوا اُس کا کوئی اور گناہ نہیں ہے یا ہے لیکن خدا نے معاف کر دیا ہے اور یا دوزخ کی طرف ہے اگر اُس کی حالت اُس کے خلاف ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جسکو خدا نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہیں دی تو قیامت کے دن اُس کا مال گنجا سانپ بنا دیا

جائے گا جس کے دو داغ ہوں گے جو اس کے گلے کا طوق ہو جائے گا پھر اُسکے دونوں جبڑے پکڑ لیگا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ترجمہ: "اور نہ سمجھیں وہ لوگ بخل کرتے ہیں اُسپر جو اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے دیا کہ یہ اُن کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ اُن کے لئے بُرا ہے عنقریب طوق پہنائے جائیں گے اُس کا جس پر بُخل کرتے تھے قیامت کے دن۔

سو پیغمبر علیہ السّلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے کہ جس کو اللہ نے مال عنایت کیا اور اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی تو اُس کا مال قیامت کے دن ایسے سانپ کی صورت بنا دیا جائے گا جس کے سر کے بال زہر کی کثرت اور درازیٔ عمر کی وجہ سے گر گئے ہوں گے اور اُس کی دونوں آنکھوں کے اُوپر دو سیاہ داغ ہوں گے۔ اور یہ تمام قسم کے سانپوں سے بدتر قسم ہے اور اُس کی گردن میں یہ سانپ مثل طوق کے ڈالا جائے گا پھر وہ اُن کے دونوں کلّے پکڑ کر کاٹے گا اور کہے گا کہ میں تیرا وہی مال ہوں جس کو تو نے جمع کیا تھا اور زکوٰۃ نہیں دی تھی۔ تو جب زکوٰۃ نہ دینے میں اتنی بڑی سختی ہے تو زکوٰۃ واجب کرنے کی حکمت بیان کر دینا لازم ہوا۔ اور وہ امتحان ہے کیونکہ

زکوٰۃ واجب کرنے کی حکمت

کلمۂ توحید کا زبان سے پڑھنا توحید کو لازم کر لینا اور معبود کی یکتائی کی شہادت دینا اور محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرنا ہے۔

کیونکہ جو شخص کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ گویا یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے دل سے معلوم کیا اور اپنی عقل سے جانا کہ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ محبوب۔ پس میں نے اس کی عبادت اور محبت اپنے ذمّے لازم کر لی میں نہ کبھی اور کو پوجوں گا اور نہ کسی اور سے محبت رکھوں گا۔ مگر صرف اُسی سے پس توحید کی وجہ سے جس محبت کا دعویٰ کیا ہے اُس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور وفا کا کمال یہ ہے کہ موحِّد کا سوائے ایک ذاتِ واحد کے کوئی محبوب نہ رہے۔ اسلئے کہ محبت شرک کو قبول نہیں کرتی۔ اور صرف زبانی توحید میں کوئی ایسا زیادہ نفع نہیں ہے۔ کیونکہ محبّت کا درجہ تمام محبوب چیزوں کے چھوڑ دینے ہی سے کُھلتا ہے اور مخلوق کو چونکہ مال زیادہ پیارا ہوتا ہے کیونکہ یہی دنیا میں عیش اور کار برآری کا ذریعہ ہے اور مال ہی کے سبب سے باوجودیکہ موت سے محبوبِ حقیقی کی ملاقات ہوتی ہے اس عالم سے محبّت اور موت سے نفرت کرتے ہیں اسلئے اپنے دعوائے محبت کے سچائی میں مال خرچ کرنے سے جو اُن کا معشوق ہے آزمائش کی گئی ہے۔

لوگ مال خرچ کرنے میں تین قسم کے ہیں **پہلی قسم** کے وہ لوگ ہیں جو توحید اور محبت کے

دعوے میں ایسے سچے نکلے کہ اپنا تمام مال خرچ کر ڈالا اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کہ اپنا کل مال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے کہ آپ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ فرمائیں۔ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم نے اپنے لئے کیا رکھا ہے تو عرض کیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کو۔ سو اس میں شک نہیں کہ آپ نے سچائی کا حق ادا کر دیا اور اپنے پاس اپنے محبوب خدا اور اُس کے رسولؐ کے سوا اور کچھ نہ رکھا۔ اور یہ اُس شخص کے لئے جائز ہے جس کو اللہ پر کامل اور پورا بھروسہ ہو۔

اور اسی سبب سے جب کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین صدقہ کو پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "بہتر صدقہ مفلس کی کوشش ہے"۔ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو فقیر باوجود اپنی محتاجی کے دیتا ہے۔

لیکن جس کا توکل پورا اور کامل نہ ہو اُس کو ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کچھ رکھ لے اور اس سے جو کچھ بڑھے وہ صدقہ کر دے اسلئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھا صدقہ وہ ہے جو توانگری سے ہو"۔

اور حدیث مذکورۂ بالا اور اس حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ توانگری دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مال کی توانگری اور دوسری دل کی توانگری۔ اور بہترین صدقہ وہ ہے کہ ان دونوں توانگریوں میں سے کسی ایک سے ہو۔ خواہ دل کی توانگری سے خواہ مال کی توانگری سے۔ اس لئے کہ صدقہ کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس چیز کو خرچ کرتا ہے اُس سے مستغنی رہے۔ خواہ اپنی سخاوتِ نفس اور قوتِ عزیمت سے خدا پر بھروسہ کر کے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا یا اُس مال پر بھروسا کر کے جو اُس کے پاس خرچ سے بچ رہا ہے۔

کیونکہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بال بچوں کا کھانا بھی فقیروں کو دیدے اور اُن کو بھوکا مارے۔ ہاں اگر وہ اس پر راضی ہوں اور اُس کو اس بات کی اجازت دیدیں تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے خرچ سے بچے ہوئے کے سوا کچھ اور دینا جائز ہی نہیں۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہترین صدقہ وہ ہے جو توانگری چھوڑ جائے"۔ یعنی خیرات کرنیوالے کو چاہیئے کہ دونوں باتوں میں سے ایک اُس میں ضرور ہو یا تو مال سے آسودہ رہے یا دل سے آسودہ رہے۔ اور یہی

ان دونوں میں سے افضل استغنا ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "مالداری مال کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ دل کی آسودگی سے ہے"۔ کیونکہ اگر غریب آدمی بھوک پر صبر کرکے جو کچھ اُس کو آج کے لئے میسر ہوا تھا اُس کو خرچ کر ڈالے تو اُس کا یہ صدقہ سب سے افضل ہے۔ اسواسطے کہ اس میں شک نہیں ہے کہ باوجود احتیاج ہونے کے خیرات کر دینا سب سے افضل ہے۔ مگر ہاں جبکہ اس دینے سے کوئی دینی نقصان نہ ہو مثلاً ضعف سے نماز میں کھڑا نہ ہو سکے یا ننگا رہ جائے اور اللہ نے بھی انصار کی اسی بات میں تعریف فرمائی ہے چنانچہ فرمایا ہے"۔ اور ترجیح دیتے ہیں اوروں کو اپنے اُوپر، اگرچہ خود اُن کو بھوک ہو"۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اس مرتبے پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ اوقاتِ ضرورت کے لیے اور موانعِ خیرات کے لئے اپنا مال روک رکھتے ہیں اور اس روکنے سے اُن کی غرض عیش و عشرت اور حصولِ لذت نہیں ہوتی بلکہ اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بقدرِ حاجت صرف کریں پھر باقی کو اور اقسامِ خیرات میں جب پیش آئیں صرف کر دیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اُن پر واجب ہوتا ہے وہی ادا کر دیتے ہیں نہ اُس سے زیادہ دیتے ہیں اور نہ اُس سے کم کرتے ہیں اور یہ درجہ سب سے کم ہے اور اکثر لوگ بسبب بخل اور مال کی محبت اور آخرت سے محبت کم ہونے کی وجہ سے اسی درجہ پر ہیں اور اس کے بعد محبت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

بلکہ جو اس درجہ سے اُترا ہوا ہے وہ دعوئ محبت میں جھوٹا ہے۔ اور اُس کی طرف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا دعوئ محبت صرف تیز زبانی کی وجہ سے تھا اس بنا پر ہر اُس شخص پر جو کہ پہلے یا دوسرے درجہ کی قدرت نہیں رکھتا واجب ہے کہ وہ تیسرے درجہ سے نہ گرے بلکہ اُس کو چاہیئے ہے کہ اُس پر جو کچھ واجب ہے اُس کو فوراً ادا کرنے میں کوشش کرے تاکہ فرمانبرداری کی رغبت ظاہر ہو اور محتاجوں کے دل خوش ہوں اور اختلاف کے شبہ سے بچ جائے۔ اس لئے کہ بعض علماء کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب فوری ہوتا ہے یہانتک کہ دیر کرنے سے گنہگار ہوتا ہے اور اُسکی گواہی | وجوبِ زکوٰۃ اور وجوب ادا مقبول نہیں ہوتی۔ اور زکوٰۃ جب ہی واجب ہوتی ہے جب مقدارِ نصاب پر سال گذر جائے۔ اب ہر ایک کا سال جُدا ہے جو کوئی جس وقت سے نصاب کا مالک ہوا ہے جب اُس کا سال پورا ہو جائے تو اُس پر اُس کی زکوٰۃ نکال دینا واجب ہے خواہ کوئی مہینہ ہو۔ اور اگر سال گذرنے سے پہلے اُس نے زکوٰۃ دینے میں جلدی کی تو جمہور علماء کے نزدیک جائز

ہے۔ خواہ اس کی عجلت اس وجہ سے ہو کہ مبارک ایام آگئے جن کا مثل سال تمام ہونے پر نہ ملے گا جیسے ماہ رمضان اور اس سے پہلے ماہ رجب اور شعبان۔ یا اس لئے کہ اُس کا اچھا مصرف

مصارفِ زکوٰۃ

کوئی متقی تجارت اُخروی کا سوداگر مل گیا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو جو کچھ دیا جائے اُس سے وہ عبادت میں مدد حاصل کرتے ہیں اور اُن کو دینے والا بھی ان کی عبادت کے ثواب میں شریک ہو جاتا ہے۔ یا کوئی عالم مل گیا کیونکہ عالم کی خدمت کرنا علم کی امداد کرنا ہے۔

اور علم سب عبادتوں سے اشرف ہے۔ یہانتک کہ بعض اگلے بزرگ اپنی زکوٰۃ علم والوں ہی کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں مقامِ نبوت کے بعد مرتبۂ علماء سے بڑھ کر کسی کا مرتبہ نہیں جانتا۔

اور علماء سے وہ عالم مراد ہیں جو علم آخرت کے لئے حاصل کرتے ہیں نہ دنیا کے لئے۔ کیونکہ جو لوگ دنیا کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اُن کو صدقہ دیکر گناہ میں مدد کرنا زیبا نہیں تاکہ اُنکے استحقاقِ عذاب میں شریک نہ ہو۔

اور سب سے بہتر مصرف وہ شخص ہے جو بال بچوں والا ہو یا قرضدار ہو یا بیمار ہو یا اپنا رشتہ دار ہو کیونکہ اپنے عزیز کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ بھی۔ اور کسی پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ صلۂ رحم میں کتنا ثواب ہے اور دوست اور دینی بھائی بھی، جس طرح عزیز غیر عزیز پر مقدم ہیں اور مصارف پر مقدم ہیں۔ لیکن یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ صدقہ دینے والے کو لازم

صدقہ ضائع ہونیکی صورتیں اور ایک ضروری تنبیہ

ہے کہ اپنے صدقہ کا ثواب احسان جتنا کر اور تکلیف دیکر باطل نہ کردے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " اپنے صدقوں کو باطل نہ کرو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر "۔

اور احسان رکھنے کی حقیقت یوں ہے کہ اپنے آپ کو فقیر کا محسن سمجھے۔ اور جب اپنے آپ کو اُس کا محسن جانے گا تو اُس سے ظاہر میں بھی وہ حرکتیں ہوں گی جو اس احسان کا ثواب مٹانیوالی ہیں۔ مثلاً کہتے پھرنا اور اظہار کرنا اور اُس سے دُعا یا تعریف یا خدمت اور توقیر اور تعظیم سے عوض کا خواہاں ہونا۔

حالانکہ حق تو یہ تھا کہ فقیر کو اپنا محسن جانتا کیونکہ فقیر کا ہاتھ حق خداوندی کو قبضہ کرنے میں جس سے دوزخ سے نجات ہوتی ہے دستِ خداوندی کا قائم مقام ہے اسلئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " صدقہ اس سے پہلے کہ سائل کے ہاتھ میں جائے اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ پس حقیقت امر یہی جانے

کہ میں اللہ کے ہاتھ میں اُس کا حق دے رہا ہوں اور فقیر اللہ سے اپنا رزق لیتا ہے۔
اور تکلیف دینا بظاہر تو جھڑکنا اور شرم دلانا اور درشت کلامی کرنا اور تیوری چڑھانا اور ظاہر کر کے پردہ دری کرنا اور طرح طرح کی استخفاف کی باتیں کرنا ہے۔
لیکن اذیت واقعی جو ان سب کا سرچشمہ ہے دو امر ہیں۔ ایک تو اپنے ہاتھ سے مال کے نکلنے کا ملال اور دل پر اُس کا گراں گذرنا۔ دوسرے اس کا یہ خیال کرنا کہ میں فقیر سے اچھا ہوں اور فقیر بسبب اپنی حاجت کے مجھ سے مرتبہ میں ذلیل ہے۔ اور ان دونوں کا اصل منشار جہالت ہے۔
مال کے دینے کا ملال تو اس لئے جہالت ہے کہ جو ہزار روپیہ پانے کے لئے ایک روپیہ خرچ کرنے کو بُرا جانے وہ بڑا ہی بیوقوف ہے اس لئے کہ وہ مال خدا کے خوش کرنے کیلئے خرچ کرتا ہے اور دارِ آخرت میں ثواب کے لئے اور وہ دُنیا اور اُس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔
اور اپنے کو فقیر سے بہتر سمجھنا اس لئے جہالت ہے کہ اگر اس کو معلوم ہوتا کہ فقیر کو غنی پر اسقدر فضیلت ہے اور اغنیار کا اُخروی خطرہ معلوم ہوتا تو وہ فقیر کو ہرگز حقیر نہ جانتا بلکہ اس سے برکت حاصل کرتا اور اُس کے درجہ کی آرزو کرتا اسلئے کہ نیک امیر فقیروں سے پانسو برس بعد جنت میں داخل ہوں گے اور اُس کو کیونکر حقیر جانتا ہے حالانکہ خدا نے اُس کو اُن کا خادم بنایا ہے کیونکہ وہ مال اپنی کوشش سے کماتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے اور اس کی حفاظت میں کوشش کرتا ہے اور پھر اُس کو حکم ہے کہ بقدر ضرورت فقیروں کو دیا کرے اور باقی جس کا دینا فقیر کے لئے مضر ہے اپنے پاس رکھے۔
لہٰذا امیر تو فقیر کے رزق کو مہیا کرنے کا خادم ہے اور فقیر سے اس بات میں فرق رکھتا ہے کہ جنگلوں اور دریاؤں کے سفر کی محنت کو برداشت کرتا ہے اور مرتے دم تک درہم و دینار جیسے فضلہ کی حفاظت کرتا ہے اور مرنے کے بعد مال تو اغیار کھاتے ہیں لیکن اُس کے حاصل کرنے میں جو گناہ کئے تھے وہ اپنے ہی سر پر ساتھ لیجاتا ہے۔
خداوندا اپنے لطف و کرم و احسان سے وہ اعمال آسان کر جو تیری خوشی کے موافق ہوں +

بائیسویں مجلس مطلق روزے کی فضیلت کے بیان میں

شعبان میں رمضان کی تیاری کا حکم | رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" شعبان کے مہینے کو رمضان کے واسطے گنتے رہو"۔ یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ اور

اس کے راوی ابوہریرہؓ ہیں کیونکہ رمضان کا روزہ چونکہ ارکانِ دین کا ایک رکن ہے اور مسلمانوں پر فرض لازم ہے اور اُس کے آنے کا علم اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ شعبان کے دن گنتے رہیں اسی لئے آپ نے اس کے خیال رکھنے کا حکم فرمایا تو گویا یوں حکم دیا کہ شعبان کے چاند کو ڈھونڈو اور اُس کے دن گنتے رہو تاکہ رمضان کا آنا معلوم ہو۔ پھر شعبان چونکہ رمضان کا مقدمہ ہے اسلئے شعبان میں روزہ اور تلاوتِ قرآن سے رمضان کی تیاری مستحب ہے تاکہ اس سے نفس کو طاعتِ الٰہی کی عادت رمضان آنے سے پہلے ہی ہو جائے کیونکہ نبی علیہ السلام شعبان میں اتنے روزے رکھتے تھے کہ اتنے اور کسی مہینے میں نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی آپ فرماتی ہیں کہ "میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔ اور شعبان سے زیادہ اور کسی مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ "آپ سارے شعبان میں روزے رکھتے تھے"۔ اور یہ روایت اُس روایت کے موافق ہے جو ام سلمہؓ سے منقول ہے آپ فرماتی ہیں کہ "میں نے نہیں دیکھا ہے کہ آپ نے برابر دو مہینے کے روزے رکھے ہوں سوا رمضان اور شعبان کے۔"

اور فقہاء نے اسی روایت کو لیا ہے۔ حتیٰ کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ "جو شخص تمام شعبان روزے رکھے اور اس کو رمضان کے روزوں سے ملا دے تو بہتر ہے۔"

روزہ عبادت کا دروازہ ہے | اور یہ اسلئے ہے کہ روزے کا استحباب بعض نیک اوقات میں باعتبار دنوں اور مہینوں کے بڑھ جاتا ہے اور عبادت کا دروازہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابو درداء سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے"۔ اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے۔ پھر روزہ چوتھائی ایمان ہے موافق مضمون اُن دو حدیثوں کے

روزہ چوتھائی ایمان ہے | جن میں سے ایک حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "روزہ نصف صبر ہے" اور دوسری حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ یعنی آنحضرتؐ کا یہ ارشاد کہ "صبر آدھا ایمان ہے"۔ تو جب روزہ آدھا صبر ہے تو اُس کا ثواب بھی اندازہ اور حساب سے زائد ہوگا بوجہ ارشادِ الٰہی کے کہ صبر کرنے والوں ہی کو دیا جائے گا اجر ان کا بے حساب۔ پھر روزے کو اللہ کیطرف منسوب ہونے کی وجہ سے

روزے کو تمام عبادتوں پر فضیلت ہے | تمام عبادتوں پر فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے "ہر نیکی کا ثواب دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ تک ہوگا، سوائے روزہ کے کہ یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا" اور صاحب کرم جب

فرمائے کہ میں خود اُس کی جزا دوں گا اور کسی کے سپرد نہ کردوں گا۔ تو یہ جزا بہت بڑی اور بہت ہی ہوگی کہ جس کی نہ کچھ حد ہے نہ گنتی۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "جس نے ایک دن اللہ کے واسطے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے منہ کو آگ سے ستر برس کی راہ تک دور رکھیگا۔" | روزہ دار سے آگ کو دور کر دیا جائیگا

اور ایک حدیث میں آیا ہے جس کے راوی ابو امامہ باہلیؓ ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "جس نے ایک دن اللہ کے واسطے روزہ رکھا تو اللہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان میں خندق اتنی گہری بنا دے گا کہ جتنا فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔"

یعنی جس نے ایک دن کا روزہ محض اللہ اور اُس کی خوشی کے واسطے رکھا تو اللہ اُس کو دوزخ سے نجات دے گا۔ اس نجات کو بطور تمثیل کے بیان فرمایا تاکہ زیادہ بلیغ ہو جائے۔ اسلئے کہ جو شخص کسی چیز سے اتنے فاصلہ پر ہو تو ہرگز اُس تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا ہے کہ "روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک تو روزہ کھولنے کے وقت اور ایک اللہ سے ملاقات کے وقت۔" | روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں

نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرما دیا ہے کہ روزہ دار کو دو دفعہ خوشی ہے ایک روزہ کھولتے وقت دوسرے مرتے وقت اور اللہ سے ملتے وقت۔ پس روزہ دار کا سرور افطار کے وقت تو کھانا پینا جماع میسر آنے سے ہے کیونکہ انسان کی طبیعت اپنی مرغوب چیز پر جھکنے کی عادی ہے کھانا ہو یا پینا ہو یا جماع ہو۔ اور جب اُس کو ان اُمور سے ایک وقت ممانعت ہوئی پھر دوسرے وقت اجازت مل تو اس سے خود بخود خوش ہوتا ہے۔ خاصکر ایسے وقت کہ مارے بھوک اور پیاس کے نہایت حاجتمند ہو کر اپنی کسی خواہش کا طلبگار ہو اور یہ مضمون ابن عمرؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "حضور علیہ السلام جب روزہ افطار کرتے تو فرماتے کہ پیاس بُجھ گئی اور رگیں تر و تازہ ہو گئیں۔ اور اجر ثابت ہو چکا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ساتھ ہی اس کے یہ کہ روزہ دار کی افطار کے وقت کی دُعا مقبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "افطار کے وقت روزہ دار کی دعا مقبول ہوتی ہے۔" بلکہ اس کا سونا بھی عبادت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "روزہ دار کا سونا عبادت ہے۔"

ابو عالیہ نے کہا ہے کہ "روزہ دار ہر وقت عبادت میں ہوتا ہے جب تک کہ غیبت نہ کرے اگرچہ بستر پر سوتا رہے۔"

پس اس مضمون کی رُو سے وہ رات دن عبادت میں ہے۔

اور روزہ دار کا سرور اور خوش دلی مرتے وقت اپنے پروردگار کے ملنے پر اُس اپنے روزے

کے ثواب کی وجہ سے ہے جو اللہ کے ہاں جمع کیا ہوا پائے گا۔ کیونکہ جو شخص اللہ کے واسطے اپنا کھانا اور پینا اور شہوت چھوڑ دیگا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اُس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔"

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو فرمایا کہ "اللہ کے خوف سے جو چیز بھی تم چھوڑ دو گے اللہ تم کو اُس سے بہتر دے گا۔" اور یہ بھی روایت ہے کہ روزہ داروں کیلئے قیامت کے دن عرش کے نیچے دستر خوان چُنا جائے گا اور وہ لوگ اُس پر کھانا کھاتے ہوں گے اور لوگ ابھی حساب کتاب میں ہوں گے اور ان کو دیکھ کر کہیں گے یہ لوگ کیسے ہیں کہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں اور ہم حساب میں پھنسے ہوئے ہیں تو اُن کو جواب ملے گا کہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے اور تم بے روزے تھے۔

قیامت کے دن روزہ داروں پر خاص رحمتِ خداوندی

اور صحیحین میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے جس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ اور روزہ داروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اکثر روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے چونکہ پیاس کی مشقت برداشت کی ہے اسلئے ایسے دروازے کے ساتھ مخصوص ہوئے جس میں جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی پیاس سے بچاؤ ہے یہ تمام باتیں اُس وقت ہیں کہ روزہ مع اُن باتوں سے پرہیز کے ہو جو حرام ہیں ورنہ وہ اُن لوگوں میں سے ہوں گے جن کی نسبت حضور سرورِ کائنات نے ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہوئی حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ "بہتیرے روزہ دار ایسے ہیں جن کیلئے روزے میں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ہے۔" اور ایک اور حدیث میں ہے جس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے روزوں سے پیاس کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔ بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کو جاگنے کے سوا کچھ ہاتھ لگنے والا نہیں" کیونکہ اللہ کی نزدیکی مباح چیزوں کے چھوڑ دینے سے نہیں ہوتی جب تک کہ حرام چیزوں کو چھوڑ کے تقرب حاصل نہ کرے۔

رحمتِ خداوندی کے مستحق روزہ دار

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو شخص جھوٹ کو اور جھوٹے کاروبار کو ترک نہ کرے اللہ کو اُس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا ترک کر دے۔" نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرما دیا ہے کہ جو شخص جھوٹ اور جھوٹے کاروبار کو ترک نہ کرے گا اللہ اس کا روزہ قبول نہ کرے گا اور نہ اُس پر رحم کرے گا۔ اس لئے کہ وہ جائز کاموں سے تو بچا، اور حرام کاموں سے باز نہ آیا اور روزہ سے مقصود صرف بھوک اور پیاس نہیں ہے بلکہ اس

سے یہ غرض ہے کہ شہوت کو توڑ دے اور اپنے نفس کو جو بزور برائی کی طرف لیجاتا ہے مغلوب کرے اور جب یہ فائدہ کچھ بھی حاصل نہ ہوا تو کھانے اور پینے کے چھوڑ دینے سے کیا فائدہ۔
اس بنا پر جب بندہ چاہے کہ مجھ کو وہ ثواب اور فضیلت حاصل ہو جس کو نبی علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے تو اس کو چاہیئے کہ وقت کی عزت اور شرف کو پہچانے اور اپنے پیٹ کو حرام سے اور اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت اور بُرے کلام سے اور باقی اعضاء کو خطا اور گناہوں سے اور اپنے دل کو غرور اور خود بینی اور لوگوں کی دشمنی سے بچائے۔
اور جب یہ سب کچھ کر چکے تو اُس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کہ دیکھئے میرا روزہ قبول ہوتا ہے یا نہیں اور دعا کرتا رہے کہ قبول ہو۔

تئیسویں مجلس ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت کے بیان میں

رمضان کے بعد شعبان کے روزے سب سے افضل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے بلکہ پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔

اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور یہ آخری روایت حضرت اُم سلمہؓ کی اس روایت سے مطابق ہے کہ وہ فرماتی ہیں" میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے سوائے ماہ شعبان اور رمضان کے دو مہینے برابر روزے رکھے ہوں"۔
اگر کوئی یہ کہے کہ اس روایت سے تو یہ لازم آتا ہے کہ رمضان کے بعد شعبان کے روزے سب سے افضل ہوں حالانکہ حضور علیہ السلام نے تو یوں فرمایا ہے کہ محرم ماہِ الٰہی کے بعد سب سے اچھے روزے رمضان کے ہیں تو جواب یہ ہے کہ بیشک ایک گروہ کا اگرچہ یہی اعتقاد ہے کہ محرم اور حرام مہینوں کے روزے شعبان کے روزوں سے افضل ہیں لیکن اس کے خلاف زیادہ ظاہر ہے۔ یعنی شعبان کے روزے ماہ ہائے حرام کے روزوں سے افضل ہیں اور اس مضمون پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ رمضان کے بعد کونسے روزے افضل ہیں" آپ نے فرمایا کہ "شعبان کے روزے رمضان کی تعظیم کی وجہ سے افضل ہیں"۔
اور حضرت اُسامہؓ سے مروی ہے کہ وہ ماہ ہائے حرام کے روزے رکھا کرتے تھے۔ تو آپ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوال کے روزے رکھا کرو۔ تو انہوں نے ماہ حرام کے روزے ترک کر دئے اور شوال کے روزے رکھنے لگے یہانتک کہ وفات پائی۔

یہ روایت ماہ حرام کے روزوں پر شوال کے روزوں کی فضیلت میں صاف دلالت کرتی ہے اور جبکہ شوال کے روزے ماہ ہائے حرام کے روزوں سے افضل ہیں تو شعبان کے روزے بدرجۂ اولی افضل ہیں کیونکہ خود آپ نے شوال کی بجائے ہمیشہ شعبان کے روزے رکھے ہیں اور یہ اسلئے کہ یہ دونوں مہینے پہلے اور بعد رمضان سے ملے ہوتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نفل روزوں میں وہی افضل ہیں جو رمضان سے قریب ہوں پہلے ہوں خواہ بعد میں۔ پس اس کا مرتبہ روزہ میں ایسا ہی ہوگا جیسا کہ سنت مؤکدہ کا مرتبہ فرض کے پہلے اور بعد ہے اور اس میں شک نہیں کہ سنت مؤکدہ جیسی کہ فرائض سے فضیلت میں ملی رہتی ہے اور اُن کی کمی کو پورا کرتی ہے اسی طرح رمضان کے پہلے اور بعد کے روزے بھی فضیلت میں رمضان کے روزوں کے ساتھ اُس سے متصل ہونے کی وجہ سے قریب ہیں۔

رہا حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ رمضان کے بعد سب روزوں سے بہتر ماہِ الٰہی یعنی محرّم کے روزے ہیں، تو یہ مطلق سنن پر محمول ہے۔ اور وہ روزے جو رمضان کے پہلے یا بعد ہیں وہ فضیلت میں رمضان کے ساتھ شامل ہیں جیسا کہ حضورؐ کا حدیث کے آخر میں یہ قول ہے" اور سب سے بہتر نماز فرائض کے بعد رات کی نماز یعنی تہجد کی نماز ہے"۔ اس سے بھی جمہور علماء کے نزدیک نماز نوافل پر فضیلت مقصود ہے نہ کہ سنت مؤکدہ پر۔

اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور مہینے کے سوا شعبان ہی میں روزے رکھنے کے بارے میں ایک خوب معنی لوگوں نے لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اسامہؓ سے ایک روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لیکن اس کی خوبی سے لوگ غافل ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ چونکہ شعبان کو دو بڑے عظمت کے مہینوں نے گھیر لیا ہے یعنی ماہِ حرام اور رمضان نے تو لوگ ان دونوں میں مشغول ہونے کے سبب سے اس سے پھر گئے ہیں اور یہ مہینہ بھولا بسرا رہ گیا یہانتک کہ بہتیرے لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ رجب کے روزے شعبان کے روزوں سے بہتر ہیں اسلئے کہ وہ ماہِ حرام ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ :۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسی قوم کا ذکر آیا جو رجب کے روزے رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ" وہ شعبان کو چھوڑ کر کدھر گئے"۔ آپؐ کے اس قول میں اس بات کیطرف بھی اشارہ ہے کہ گو بعضے مہینوں یا دنوں یا مکانوں کی بزرگی مشہور ہو جاتی ہے لیکن کبھی دوسرا اس سے افضل ہوتا ہے۔ یا تو مطلقاً یا کسی خصوصیت کی وجہ سے جو اُسمیں ہوتی ہے جو لوگوں کے خیال میں نہیں آتی۔ لہذا اس کو چھوڑ کر

مشہور میں لگے رہتے ہیں اور جو مشہور نہیں ہے اُس کی فضیلت سے رہ جاتے ہیں۔
اور نیز اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جس زمانے میں لوگ غافل رہتے ہیں اُس کو عبادت سے آباد کرنا مستحب ہے اور نیز یہ کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اسی واسطے بہت سے اگلے لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے رہنے کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ غفلت کا وقت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جب صحابہؓ کے پاس ایسے وقت آئے کہ وہ نماز عشاء کے منتظر بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "اس نماز کا تمہارے سوا دنیا میں کوئی منتظر نہیں ہے"۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر الٰہی کے لئے کسی ایسے وقت تنہائی کو اختیار کرنا جس وقت کوئی ذکر نہ کرتا ہو بہت افضل ہے۔ اور اسی لئے آدھی رات کے وقت جاگنے کو فضیلت ہے کیونکہ اس وقت اکثر لوگوں کو عام طور پر ذکر خدا سے غفلت ہوتی ہے اور غفلت کے وقت ذکر کرنے میں بہت فائدے ہیں۔

نفلی عبادت کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے

ایک تو یہ کہ یہ پوشیدہ وقت ہے اور نفلوں کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا ہی افضل ہے بالخصوص روزے کیونکہ روزہ خدا اور بندے کے درمیان ایک راز ہے۔ اُسپر خدا کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ روزہ میں ریا نہیں ہوتا۔ اور ایک یہ کہ وہ نفس پر گراں گذرتا ہے اور ہر وہ عبادت جو نفس کو گراں معلوم ہو زیادہ افضل ہوتی ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ طبیعت کا قاعدہ ہے کہ اپنے ہمجنس کی جو حالت دیکھتی ہے اُن ہی کی پیرو ہو جاتی ہے۔ پس جب لوگوں میں شب بیداری اور عبادت بڑھ جاتی ہے تو اس سبب سے کہ اہل طاعت کے پیرو بہت ہو جاتے ہیں عبادت کرنیوالے بھی بہت ہو جاتے ہیں اور اب اُن پر وہ عبادت آسان ہو جاتی ہے اور جب غفلت زیادہ ہو جاتی ہے تو عام لوگ اُسی کے پیرو ہوتے ہیں تو اب جاگنے والوں پر چونکہ ان کے پیرو کم ہیں عبادت دشوار ہو جاتی ہے۔ اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ایسے ایک عمل کرنے والے کو بھی تم میں کے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملتا ہے کیونکہ تم تو نیک کام کے مددگار بہت سے پاتے ہو اور ان کو نہیں ملتے" اور نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "عبادت کرنا فساد کے وقت ایسا ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا"۔

نفلی عبادت کو پوشیدہ رکھنے کی افضلیت کا سبب

حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرما دیا ہے کہ لوگوں کی بدراہی اور فتنہ کے وقت میں عبادت کا ثواب ایسا ہے کہ جیسے نبی علیہ السلام کے زمانے میں فتح مکہ سے پہلے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا تھا اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ فتنہ کے وقت اپنی ہوا و ہوس کے پیرو ہو جاتے ہیں اور اپنے دین کے پابند نہیں رہتے تو اُن کا حال جاہلیت والوں کے مشابہ ہو جاتا ہے لیکن اگر ایسی حالت میں کوئی شخص الگ ہو کر اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اپنے اللہ کی عبادت کرتا

رہے اور اس کے حکم کو مانتا رہے اور اس کی نہی سے باز رہے تو وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے اہل جاہلیت سے الگ ہو کر بحالتِ ایمان آپ کے احکام کو بجالاتے ہوئے اور نواہی سے بچتے ہوئے آپ کیطرف ہجرت کی۔ اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اسلام کی ابتدا بھی ایسی ہوئی جیسے مسافر بے یار و مددگار اور قریب ہے کہ وہ پھر ایسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا سو خوشی ہے کمزوروں کو۔

اسلام ابتدا میں بھی اجنبی تھا اور آخر میں بھی اجنبی ہو جائے گا

یعنی اسلام شروع میں بھی کمزور تھا اور کسی کسی آدمی کے سوا بہت کم پایا جاتا تھا پھر قوی ہو کر پھیل گیا۔ اسکے بعد پھر عنقریب اسمیں نقصان اور خلل پیدا ہوگا یہانتک کہ بہت کمی کے ساتھ کسی کسی آدمی میں رہ جائے گا اور جن میں رہ جائے گا وہ اجنبی ہیں پس ان کو خوشی ہو۔

اور غرباء کی تفسیر ایک اور حدیث میں آئی ہے یعنی وہ قبیلوں کے چیدہ چیدہ لوگ وہی ہیں جو تھوڑے ہیں۔ اور ہر قبیلہ میں ایک دو سے سوا نہیں بلکہ بہتیرے قبیلوں اور شہروں میں تو ایک بھی نہ ملے گا جیسے کہ ابتدائے ظہورِ اسلام میں یہی حال تھا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ غرباء وہ ہیں کہ جب لوگوں میں خرابی پھیل جائے تو وہ اس کی اصلاح کریں یعنی لوگوں کے بگڑ جانے کے وقت سنت پر عمل کرنے والے لوگ۔ ایک فائدہ یہی ہے کہ غافلوں اور گنہگاروں میں تنہا عبادت کرنیوالے کی وجہ سے اُن سب پر سے بلا دفع ہوتی ہے گویا وہ اُن کا محافظ اور ان کی بلا کو دفع کرنیوالا ہے۔ اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔

غفلت کے زمانہ میں تنہا عبادت کرنیکا عمومی فائدہ

اور حضور علیہ السلام کے ماہ شعبان میں روزہ رکھنے کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے اور بعض اوقات تاخیر فرمادیتے تھے کہ اس کے عوض شعبان میں روزے رکھ لیں گے یعنی آپ کے روزے بعض مہینوں میں تین تک بھی نہ پہنچتے تھے تو اُن سب کی کمی ماہِ شعبان میں پوری کر لیتے تھے اسلئے کہ آپ کے اعمال دائمی ہوتے تھے تو جب ماہ شعبان آتا اور کچھ نفل روزے آپ پر باقی ہوتے جن کو ابھی نہیں رکھا تو اُن کی قضا شعبان میں ادا کرتے تھے تاکہ رمضان شروع ہونے سے پہلے تمام نوافل روزے پورے ہو جائیں جیسا کہ نماز مسنون کو جو رہ جاتی تھی قضا کرتے تھے اور جیسا کہ رات کی نفلوں میں سے جو رہ جاتی تھی وہ دن میں پوری کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبان کے روزے

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "میں بعض وقت روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتی تھی اور نہ ہو سکتا تھا، یہانتک کہ جب پیغمبر علیہ السلام شعبان میں روزے رکھتے تھے تو میں آپ کے ساتھ روزے رکھتی تھی۔

سو اس وقت کو وہ غنیمت جانتی تھیں اور آپ کے رمضان کے جو روزے بسبب ایام حیض کے قضا ہو جاتے تھے سب اس وقت ادا کرتی تھیں اس کے علاوہ اور مہینوں میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں کیونکہ عورت اپنے شوہر کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہیں رکھ سکتی۔ پس جس شخص کو ماہ شعبان آجائے اور اُس پر نفل روزے باقی ہوں تو اس کے لئے مستحب ہے کہ ماہ شعبان میں ادا کرے تاکہ اس کے نفل روزے رمضان کے بیچ میں پورے ہو جائیں اور جس شخص پر کچھ قضا رمضان کی باقی ہو تو اُس کو واجب ہے کہ قدرت ہوتے ہی دوسرا رمضان شروع ہونے سے پہلے اُن کی قضا ادا کرے اور یہ جائز نہیں ہے کہ بلا عذر دوسرے رمضان تک مؤخر کرے اور اگر اس کا عذر تاخیر دوسرے رمضان تک برابر باقی رہے، تو اُس پر اس کی قضا دوسرے رمضان کے بعد واجب ہوگی۔ اور قضا کے سوا اور کچھ اُس پر واجب نہ ہوگا۔

قضا روزہ کی ادائیگی کا حکم

اور اگر یہ تاخیر بلا کسی عذر کے ہوئی ہے تو بعض فقہاء کا قول تو یہ ہے کہ قضا بھی کرے اور ہر روزے کے ساتھ ساتھ محتاجوں کو کھانا بھی کھلائے۔ اور یہ قول اُن حدیثوں کے موافق جو اس بارے میں آئی ہیں امام شافعیؒ اور احمدؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قضا کرے اور اُس پر کھانا کھلانا واجب نہیں۔ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں صرف کھانا کھلائے اور اُس پر قضا نہیں ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ شعبان کے روزوں کی ایک اور وجہ ہے کہ شعبان کے روزے رمضان کے روزوں کی مشاقی کے لئے ہیں تاکہ رمضان کے روزوں میں کچھ دقت اور تکلیف نہ ہو بلکہ پہلے سے روزہ کا خوگر ہو چکا ہو۔ اور شعبان ہی سے روزوں کا مزہ اُٹھا رہا ہو۔ پھر رمضان کے روزے رغبت اور خوشی سے رکھے۔ خدایا ہم پر اس کا عمل اپنے لطف و توفیق سے آسان کر دے۔

شعبان کے روزے رمضان کے روزوں کی مشاقی کے لئے ہیں

چوبیسویں مجلس شب برات میں بطریق مسنون جاگنے کی فضیلت اور بدعت مکروہہ سے پرہیز کرنے کے بیان میں

نصف شعبان کی شب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نصف ماہ شعبان کی شب کو آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار سے زیادہ گناہ بخش دیتا ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور اس کی راوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور نصف شعبان کی رات سے مراد شب برات ہے۔ اور خاص قبیلہ کلب کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس قبیلہ کے آدمی اور بکریاں اور سب قبیلوں سے زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا کیطرف نزول کا مطلب

اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں صفتِ جلال سے جو گنہگاروں سے غلبۂ عداوت اور انتقام کی مقتضی ہے صفتِ جمال کی طرف جو کہ رحمت اور مغفرت کا باعث ہے، انتقال کرتا ہے اور حدیث کے الفاظ کو ان معنوں پر اسلئے حمل کیا ہے کہ اُترنا اور چڑھنا اور حرکت اور سکون چونکہ یہ جسم مادی مکان کی صفتیں ہیں اور عقلی و نقلی قطعی دلیلوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور مکان سے پاک ہے۔ اسلئے اس کا نزول بایں معنی کہ بلند مکان سے پست جگہ کی طرف اُترنا محال ہوا۔ پس اس حدیث کے وہی معنی ہوں گے جو اہل حق نے ذکر کئے ہیں یعنی رحمت کا اُترنا اور اُس کی مہربانی اور بخشش کا اپنے بندوں پر زیادہ ہونا اور اُن کی دعا کا منظور کر لینا اور اُن کی توبہ کا قبول کر لینا۔ جیسا کہ کریم بادشاہوں اور رحیم سرداروں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ فقیر محتاجوں کے پڑوس میں اُترتے ہیں تو اُن کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ اور اس بات کا اگرچہ اور تمام راتوں میں بھی

شب برات اور دیگر راتوں میں فرق

وعدہ ہے کیونکہ روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ آخری تہائی رات رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اُس کو قبول کروں۔ کون مغفرت مانگتا ہے کہ میں اُس کو بخشدوں۔ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اُس کو دوں"۔

مگر اتنا فرق ہے کہ اور تمام راتوں کے اُترنے میں یہ قید ہے کہ پچھلی تہائی رات باقی رہ جائے۔ اور شبِ برات میں اس کی قید نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رات میں شب قدر کے بعد

شبِ برات کی فضیلت

خصوصیت شرافت اور فضیلت کی زیادہ ہے کیونکہ یہ رات بہت شریف ہے۔ چنانچہ حضرت عطاء ابن یسارؒ سے روایت ہے آپ فرماتے تھے کہ "کوئی رات شبِ برائت سے بہتر نہیں ہے" اور اس رات کی فضیلت میں اور بھی کئی حدیثیں آئی ہیں اور

تعظیمِ شبِ برات میں علماء کا اختلاف

شام کے تابعی مثلاً خالد بن معدانؒ اور مکحولؒ اور لقمانؒ بن عامرؒ وغیرہ اس رات کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اس رات میں عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے جبکہ اُن کا یہ حال دوسرے ملکوں میں مشہور ہوا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعضوں نے تو اُس کو مان لیا اور اُن کے موافق ہو کر تعظیم کرنے لگے۔

لیکن اکثر علمائے حجاز نے اس کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ سب بدعت ہے اور حق یہ ہے کہ

اگر مومن خود اس رات میں اقسام عبادت نماز تلاوت ذکر و دعا میں مشغول رہے تو جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔

اور اس رات میں مسجد محلہ یا جامع مسجد میں نماز کے لئے جمع ہونا اور جماعت کے ساتھ نفلیں ادا کرنا جیساکہ اس زمانہ میں رسم ہے تو یہ ضرور مکروہ ہے اور یہ قول اوزاعیؒ کا ہے جو امام اور عالم اور فقیہ اہل شام ہیں۔ اسی طرح اس رات کو مسجدوں میں بکثرت چراغ جلانا اور جامع مسجدوں

شب برات میں چراغ وغیرہ جلانا بدعت ہے

میں ہانڈیاں روشن کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قنیہ میں لکھا ہے کہ شب برات کو کوچوں اور بازاروں میں بکثرت چراغ روشن کرنا بدعت ہے اور ایسا ہی مسجدوں میں ہانڈیاں جلانا بھی بدعت ہے اور اگر متولی جلائے گا تو اُس کو تاوان دینا پڑیگا۔ بلکہ اگر وقف کرنیوالا اس کا ذکر کر کے اس کی شرط بھی کر دے تب بھی اس شرط کا اعتبار نہیں ہے اور اگر مسجد میں روشنی مال وقف سے نہیں بلکہ خود اپنے پاس سے کی ہے تو یہ اسراف اور بیکار مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف از روئے نص قرآن حرام ہے اور جناب رسول خدا علیہ السلام نے بھی مال تلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کو ثواب جاننا بڑی بدعت اور سخت گناہ ہے۔ اور

نفل نماز کی جماعت تراویح، استسقار اور کسوف کے سوا سخت بدعت ہے

ایسے ہی اس رات میں بڑی جماعت سے نفلیں پڑھنا بھی سخت بدعت ہے اس سے بچنا چاہیئے کیونکہ تمام فقہار اس بات پر متفق ہیں کہ نوافل کی جماعت تراویح اور استسقار اور کسوف کے سوا جبکہ امام کے سوا چار آدمی ہوں مکروہ ہے۔ اور جو نماز کہ اس رات کو بڑی جماعت سے پڑھی جاتی ہے جس کو

شب برات میں نفلوں کی جماعت کی ابتدار اور اسکا حکم

نماز برات کہتے ہیں وہ بھی بدعت ہے۔ کیونکہ وہ صحابہؓ اور تابعین کے وقت میں نہیں ہوئی بلکہ چوتھی صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ نماز مسجد اقصیٰ میں ۴۴۸ھ میں شروع ہوئی ہے۔

اور اس کی اصل امام طرطوسی کے بیان کے موافق یہ ہے کہ ایک شخص نابلسی بیت المقدس میں آیا اور مسجد اقصیٰ میں شب برات کو نماز پڑھنے کھڑا ہوا۔ پھر ایک شخص نے اس کے پیچھے نیت کی پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا اور ابھی وہ ختم کرنے نہیں پایا تھا کہ بڑی بھاری جماعت ہوگئی۔ وہ شخص پھر دوسرے سال پھر آیا تو بہت مخلوق نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر اور مسجدوں میں جاری ہوگئی اور شہروں شہروں میں پھیل گئی۔ اور لوگوں نے اس کو سُنت قرار دے لیا۔

حالانکہ بڑے بڑے علمار متاخرین نے اس کی مذمت کی ہے۔ اور صاف کہہ دیا ہے کہ یہ نماز بدعت قبیحہ ہے اس میں بہت سی خرابیاں ہیں پس جو شخص ان برائیوں کو دُور نہیں کر سکتا تو اُس کو کم از کم خود اس رات کو جماعت میں شریک نہ ہونا چاہیئے بلکہ اگر کوئی مسجد ان بدعتوں سے خالی

نہ ملے تو اپنے گھر میں پڑھ لے کیونکہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا تو صرف سنت ہے اور بدعتیوں کا گروہ بڑھانا منع ہے اور ممنوع کام کا چھوڑ دینا واجب ہے اور واجب پر عمل کرنا فرض ہی ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کو جس کا علم اور زہد کے اعتبار سے شہرہ ہو۔ اس کو تو یہی واجب ہے کہ

بدعت اور ممنوع کام میں شرکت نہ کرنا بھی موجبِ ثواب ہے

جس مسجد میں یہ برائیاں دیکھے وہاں نہ جائے کیونکہ اس کا وہاں جانا اور منع نہ کرنا عام لوگوں کو اس وہم میں ڈال دے گا کہ یہ افعال سب مباح یا مستحب ہیں تو اس کا وہاں جانا عام لوگوں کے لئے اس بات کا بہت بڑا شبہ پیدا کر دیگا کہ یہ افعال از روئے شرع اچھے ہیں۔

اور جب وہ اپنا معمول چھوڑ کر اس رات کو مسجد ہی میں نہ آئے گا اور دل سے انکار کریگا کیونکہ زبان اور ہاتھ سے روکنے کی تو قدرت نہیں ہے تو آپ بھی گناہ سے بچ جائے گا اور دوسرے لوگ بھی دھوکا نہ کھائیں گے بلکہ بعض لوگ اُس کے شامل نہ ہونے سے یہ سمجھیں گے کہ یہ افعال خدا کو پسند نہیں ہیں بلکہ بدعت ہیں شرع ان کو جائز نہیں رکھتی ہے اور نہ پسند کرتی ہے تو بسا اوقات لوگ اس سے باز آجائیں گے اور اس فعل کی وجہ سے جیسا اسے قدرت تھی اس کو ثواب ملے گا اور وہ فعلِ مقدور دلی انکار اور شرکت نہ کرنا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اس رات کی فضیلت

ممنوع چیزوں سے عظمتِ شب برأت بدعت اور بُری بات ہے

میں کئی حدیثیں آئی ہیں لیکن کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی عظمت اُن چیزوں سے کرے جن کو شریعت نے بُرا کہا اور منع کیا ہے باوجودیکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس رات کی نماز کے بارے میں کوئی حدیث رسول علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے اور نہ آپ کے صحابہؓ سے پس اس بنا پر اس زمانے کے ہر مسلمان کو لازم ہے کہ بدعت اور نوایجاد باتوں میں سے کسی کی طرف توجہ کرنے اور دھوکا کھانے سے بچا رہے اور اپنے دین کو اُن بلاؤں سے جن سے مانوس ہو رہا ہے اور جس میں پرورش پائی ہے بچاتا رہے کیونکہ یہ باتیں زہرِ قاتل ہیں۔ بہت کم ہیں جو ان آفتوں سے بچے ہوں اور ان خرابیوں کے ہوتے ہوئے انہیں حق ظاہر ہوا ہو کیونکہ بدعتیوں کے دل میں بدعت کا بڑا مزہ ہوتا ہے اُن کی طبیعت اسکو پسند کرتی ہے اور اس لئے وہ اُسے نہیں چھوڑتے ہیں۔ عکرمہؒ

شعبان کی پندرھویں رات آئندہ سال جو ہونے والا ہوتا ہے لکھا جاتا ہے

اور دوسرے مفسرین سے روایت ہے کہ وہ مبارک رات جس کا ذکر سورۂ دخان میں ہے اس کی تفسیر شعبان رات ہی سے کی گئی ہے چنانچہ اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں کیونکہ یہ ایسی رات ہے کہ سب کچھ جو اس سال ہونیوالا ہوتا ہے اسی رات میں مقدر کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی میں الگ کیا جاتا ہے ہر محکم کام۔

عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ جب شب برات ہوتی ہے تو ملک الموت کو ایک پرچہ دیکر کہا جاتا ہے کہ جن جن کا نام اسمیں لکھا ہے ان کی روح قبض کرلینا۔ سو بہتیرے آدمی ایسے ہیں جو گھر بناتے ہیں اور محلوں کی استواری کرتے ہیں باغ لگاتے ہیں نہریں نکالتے ہیں بیاہ کرتے ہیں اور مکانوں کی دُھن میں رہتے ہیں حالانکہ اُن کی موت لکھی جاچکی ہے اور اسکا پرچہ ملک الموت کو دیا جاچکا ہے اور وہ ہوا و ہوس میں پھنسا ہوا ہے اور اپنے انجام کی خبر نہیں۔

پس اے طولِ امل کے دیوانے اور اے بُرے اعمال کے متوالے موت سے ڈرتا رہ تجھے کیا معلوم کہ موت تجھ کو کس وقت آگھیرے گی۔ بہتیرے لوگ جو ایک دن کو کم سمجھتے ہیں اس کو بھی پورا نہ کرنے پائیں گے اور بہتیرے کل کے امید وار کل تک نہ پہنچیں گے۔ خدا ہمارے لئے موت کا تدارک اُس کے آنے سے پہلے آسان کردے۔

پچیسویں مجلس اس بیان میں کہ رمضان کا چاند ضرور دیکھنا چاہیئے

جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور نہ بغیر چاند دیکھے افطار کرو اور اگر گھٹا ہو جائے تو اندازہ کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تیس دن پورے کرو"۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب مطلع صاف ہو اور اُسمیں کچھ خرابی نہ ہو تو تم رمضان کا چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو نہ عید کا چاند دیکھے بغیر افطار کرو اور اگر چاند میں ابر آجائے اور تم اُس کو نہ دیکھ سکو تو اس مہینے کے جس میں تم ہو تیس دن پورے کرو یعنی شعبان کے تیس دن پورے کر کے پھر روزہ رکھنا شروع کردو۔ اور اگر وہ مہینہ جس کا تم نے شمار کیا ہے رمضان کا ہو تو افطار کرلو اور یہ اسلئے کہ ہر ثابت شے میں اس کی بقا اصل ہے تاوقتیکہ اس کے عدم کی دلیل نہ ملے اور مہینہ پہلے تو یقینی ثابت تھا اب شک اسلئے ہے کہ ہر ثابت شدہ چیز میں تاوقتیکہ اُس کے عدم کی دلیل نہ ہو اس کا موجود ہونا ہی اصل ہے اور چونکہ مہینہ پہلے ثابت موجود تھا اور اب اسکے ختم ہونے میں شک ہے تو وہ شک چاند دیکھنے سے ختم ہوگا یا تیس دن پورے کرنے سے اور ان دونوں باتوں میں سے کوئی امر نہیں پایا گیا تو وہی مہینہ باقی رہے گا۔ اس روایت کے اعتبار سے جو

مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے کبھی تیس دن کا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر اشارہ کیا کہ "ایک مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہے اور تیسری مرتبہ انگوٹھا موڑ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مہینہ اتنا ہے اور اتنا اور اتنا بلا انگوٹھا موڑے"۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مہینہ کبھی تو انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا تو رمضان کے آنے اور جانے
میں شک رہتا ہے۔ بر تقدیر رمضان تمام نہ ہونے کے افطار کرنا حرام ہے اور رمضان کا مہینہ نہ
یوم شک کا روزہ مخالفت رسولؐ ہے شروع ہونے کی صورت میں رمضان کی نیت سے روزہ
رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے قبل از وقت ادا کرنا لازم آتا ہے اور یہ حرام ہے۔

اور اسی لئے عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اور شک کے یہ معنی ہیں کہ جاننا اور نہ جاننا دونوں پہلو برابر ہوں اسطرح
یوم شک کا مطلب کہ شعبان کی انتیسویں تاریخ ابر ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کل کا
دن شعبان ہی کا ہے یا رمضان کا۔ پس اس بنا پر لوگوں کو چاہیئے کہ شعبان کی انتیسویں کا
چاند خوب غور سے دیکھیں پس اگر دیکھ لیں تو روزہ رکھ لیں اور اگر نہ دکھائی دے تو ماہِ شعبان
کے تیس دن پورے کریں اور اس کے بعد روزے رکھیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے
کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ کھولو اور اگر ابر میں چاند چھپ جائے تو شعبان
کے تیس دن پورے کر لو۔ اور وہ دن جس میں یہ شک ہے کہ یہ شعبان کا ہے یا رمضان کا تو
یوم شک میں نفلی روزہ حرام نہیں صحیح یہی ہے کہ اسمیں روزہ اگر نفل ہو تو مکروہ نہیں ہے اسلئے
کہ نفل روزہ بوجہ اس ارشادِ نبی علیہ السلام کے کہ جس دن کے رمضان سے ہونے میں شک ہو
اسمیں روزہ نہ رکھو مگر نفل کا ممانعت سے الگ ہے اور اس دن میں روزہ رکھنے کی ممانعت
سے وہ روزہ مراد ہے جو رمضان کے روزہ کی نیت سے ہو کیونکہ اس سے قبل از وقت ادا کرنا
لازم آتا ہے اور ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ بموجب حدیث عمار بن یاسرؓ کے حرام ہے علاوہ ازیں اسمیں
اہل کتاب سے تشبیہ بھی لازم آتی ہے کہ وہ بھی اپنے روزوں کی مدت بڑھا لیا کرتے ہیں۔ پس اس
یوم شک کے روزے کا صحیح اور تفصیلی حکم بنا پر مومن کو چاہیئے کہ اس روز صبح کو منتظر رہے نہ تو
کچھ کھائے اور نہ روزہ کی نیت کرے اور دوپہر سے پہلے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رمضان کا دن
ہے تو روزہ کی نیت کر لے اسلئے کہ دن چڑھے تک رمضان کے روزوں کی اور نفل روزوں کی
بھی نیت درست ہے۔ اور اگر نہ ثابت ہو تو چاہے افطار کر ڈالے چاہے نفل روزہ رکھ لے،
لیکن اگر وہ شک کا دن ایسے دن میں آ پڑے جن میں وہ روزہ رکھا کرتا تھا مثلاً دوشنبہ یا جمعرات
یا جمعہ کو وہ روزہ رکھا تھا پس اتفاق سے وہ شک کا دن آ پڑا تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے کیونکہ
حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رمضان سے پہلے کوئی ہرگز روزہ نہ رکھے نہ ایک دن کا نہ دو دن
کا لیکن اس صورت میں کہ اتفاقاً یوم شک ایسے دن میں آ پڑے جس میں وہ روزہ رکھا تھا۔ اسی
طرح اگر وہ پورے شعبان یا نصف اخیر شعبان یا ہر مہینہ کے اخیر میں تین دن روزہ رکھا کرتا ہے

اور اگر اُس دن سے مطابق نہ پڑے جسمیں روزہ رکھا کرتا تھا تو بعضے کہتے ہیں کہ ظاہر نہی سے احتراز کے لئے افطار ہی افضل ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ بلحاظ پیروی حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے روزہ رکھنا افضل ہے کہ دونوں شک کے دن روزہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو شعبان کا ایک روزہ رکھ لینا اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ رمضان کا ایک روزہ توڑ ڈالیں۔

اور فتویٰ اس پر ہے کہ خاص لوگ مثلاً مفتی اور قاضی نفل کا روزہ رکھ لیا کریں کیونکہ ان کو نیت کی کیفیت معلوم ہے اور یہ لوگ کراہت کو نہ ملنے دیں گے لہٰذا ان لوگوں کو چاہیئے کہ خود تو روزہ رکھ لیں لیکن عوام کو زوال تک انتظار کرنے کا حکم دیں اور اس کے بعد اگر چاند کا نکلنا ثابت نہ ہو تو افطار کا حکم دیں اور جس جس شخص کو نیت کی کیفیت معلوم ہو وہ خواص میں ہے۔ اور نیت کی کیفیت یہ ہے

یوم شک کے روزے کی نیت کی کیفیت

کہ نفل کی نیت کرے اور اس دن میں رمضان کے روزہ کا یا اور کسی واجب روزہ کا خطرہ بھی نہ لائے اور نہ اسمیں کچھ متردّد ہو۔

کیونکہ نیت یہ ہے کہ دل سے جانے کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔ اور اُس دن میں نیت کئی طرح ہو سکتی ہے۔ ایک یہ رمضان کے روزے کی نیت کرے اور یہ مکروہ ہے جیسا کہ عمار بن یاسر رضؓ کی

یوم شک میں رمضان کی نیت کرنا مکروہ ہے

حدیث میں گزرا باوجودیکہ اسمیں اہل کتاب کیساتھ تشبیہ بھی ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ رمضان ہی کا دن تھا تو بھی روزہ کافی ہے اسواسطے کہ اُس نے نیت بھی رمضان کے روزے کی کی ہے اور وہ دن بھی رمضان ہی کا نکلا بس حقدار ہی کا ہوگا۔

اصل کراہت جواز کو نہیں روکتی استحباب کو روکتی ہے

اور اصل کراہت جواز کو نہیں روکتی بلکہ استحباب کو روکتی ہے بدوں عکس کے۔ یعنی یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس جگہ استحباب نہ ہو وہ مکروہ ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ امر مباح ہو اور مباحات ان دونوں سے موصوف نہیں ہوتے۔

یوم شک کے روزے کی قضا نہیں

اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دن شعبان ہی کا تھا تو وہ روزہ نفل ہو گا اور اگر افطار کر ڈالا ہو تو اُسپر کچھ قضا نہیں ہے کیونکہ یہ روزہ تو صرف اس خیال کی وجہ سے تھا کہ اپنے ذمہ اُس دن کا روزہ سمجھ لیا تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ فی الواقع یہ روزہ ضروری نہ تھا اور ایسے خیالی روزہ کی قضا نہیں ہے کیونکہ قضا خود اپنے اوپر لازم کرنے سے آتی ہے یا شریعت کے لازم کرنے سے اور یہاں دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی اور

یوم شک اگر رمضان ہے تو کسی بھی نیت سے وہ صحیح ہوگا

واجب کی نیت کرے اور یہ بھی اُسی اوپر والی حدیث کی رُو سے مکروہ ہے مگر ہاں اسکی کراہت اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے پہلے سے کم ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ تو جب ہے کہ اس دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھے پھر اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ وہ رمضان ہی کا دن تھا تو یہ روزہ رمضان

ہی کا ہو جائیگا کیونکہ رمضان کا روزہ تندرست مقیم سے بغیر اسکے کہ خود رمضان کی یا نفل روزہ کی یا غرضکہ نیت میں کسی قسم کی قید لگائے مطلق نیت سے بھی ہو جاتا ہے اور نفل کی نیت سے بھی۔ اور کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی کیونکہ رمضان کا مہینہ رمضان ہی کے روزے کیلئے مقرّر ہے اور اس وجہ سے کوئی اور روزہ اس وقت جائز نہیں۔

رہا نیت میں رمضان کی قید نہ لگانا سو یہ کچھ مضر نہیں، کسی مقرر شدہ چیز کو یوں ہی ذکر کرنا بھی تعیین اور نفل یا کسی دوسرے واجب کی نیت کرنا اس وجہ سے کہ اس وقت کوئی اور روزہ مشروع نہیں لغو ہے کیونکہ وقت میں اس بات کی صلاحیت ہی نہیں کہ اُسمیں کوئی اور روزہ ہو سکے۔ پس جب وصف باطل ہو گیا تو مطلقاً بغیر قید کے روزے کی نیت باقی رہ گئی اور اب یہ نیت مطلق ہونے کی وجہ سے اُسی روزہ کی سمجھی جائے گی جو اس وقت میں مشروع ہے۔

اسکی مثال یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص تنہا مکان میں ہو اور اس کو اے شخص کہہ کر یا کسی اور کا نام لیکر پکارا جائے تو وہی آدمی مراد ہوگا کیونکہ مکان میں کوئی اور موجود ہی نہیں رہا اُس کا نام نہ لینا یا غلط نام سے پکارنا پکارنے والے کی لاعلمی کی وجہ سے ہے ایسے ہی رمضان میں اگر کوئی شخص بغیر کسی نفل یا واجب کی نیت کے یا واجب و نفل کی نیت سے روزہ رکھے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہو گا کیونکہ وقت میں نہ گنجائش ہے نہ دوسرا روزہ بجائے رمضان کے ہو سکتا ہے رہی نیت، یہ نیت کرنے والے کی غلطی ہے۔ اور اگر ظاہر ہوا کہ وہ دن شعبان کا تھا تو وہ روزہ نفل ہو جائے گا اور جس

یوم شک اگر شعبان ہے تو سوائے نفل کی نیت کے اور نیت سے روزہ ممنوع ہے

روزے کی نیت کی تھی وہ نہ ہوگا کیونکہ اس دن بھی عید کے دن کی طرح روزہ ممنوع ہے اور اس وجہ سے جیساکہ کامل واجب ہوا تھا ویسا ادا نہیں ہو سکتا لیکن صحیح یہ ہے کہ جس روزے کی نیت کی ہے وہی ادا ہوگا۔ کیونکہ اس نے یہ روزہ ایسے دن ادا کیا ہے جس میں نفل جائز تو ہے بخلاف روز عید کے کہ اسمیں تو سرے سے نفل جائز ہی نہیں اور اگر حال نہ کھُلا تو اُس کے ذِمّہ سے واجب ساقط نہ ہوگا کیونکہ رمضان سے محسوب ہونے کا بھی احتمال ہے۔ تیسرے یہ کہ نیت کے متعیّن کرنے

نیت میں تردّد ہو تو یہ صورت مکروہ ہے

میں متردّد ہو یعنی اس طرح نیت کرے کہ اگر کل کا دن رمضان کا ہے تو میں رمضان کا روزہ رکھتا ہوں اور اگر کل کا دن شعبان کا ہے تو میرا روزہ فلاں واجب یا نفل کا روزہ ہے۔ اور یہ صورت مکروہ ہے۔

پہلی صورت تو اسلئے کہ اُس کو دو مکروہ امروں کے درمیان تردّد ہے یعنی رمضان کے روزے کی نیت اور دوسرے واجب روزے کی نیت۔

اور دوسری صورت اسلئے کہ ایک طرح فرض کی نیت ہے پس اگر وہ دن رمضان ہی کا نکلا تو وہ

رمضان ہی کا ہوگا کیونکہ اصل نیت میں تردد نہیں تھا اور رمضان کا روزہ ہو جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور اگر یہ ظاہر ہوا کہ وہ شعبان کا دن ہے تو وہ واجب کا روزہ ادا نہیں ہوگا بلکہ دونوں حالتوں میں نفل ہو جائے گا۔ اور اگر افطار کر ڈالا تو اُس پر قضا واجب نہیں۔ پہلی صورت میں تو

نیت میں تردد کی صورت میں افطار کر ڈالا تو قضا نہیں

اس لئے کہ گمان ہی گمان ہے کہ یہ روزہ رمضان کا ہے۔ اور دوسری صورت میں اسلئے کہ ہر طرح سے اپنے پر ذمہ ضروری نہیں کیا ہے بلکہ یہ شرط کی ہے کہ اگر رمضان نہ ہوا تو واجب روزہ رکھتا ہوں۔ اور چوتھے یہ کہ نفل

یوم شک میں نفل کی نیت درست ہے اور افطار پر قضا ہے

کی نیت کرے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نفل کی نیت صحیح مذہب کی بنا پر بلا کراہت درست ہے۔ پھر اگر ظاہر ہوا کہ وہ دن رمضان کا ہے تو رمضان ہی کا روزہ ہو جائے گا کیونکہ اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ رمضان کا روزہ نفل کی نیت سے بھی ہو جاتا ہے اور اگر ظاہر ہوا کہ وہ دن شعبان کا تھا سو نفل ہو جائے گا اور اگر افطار کر ڈالے گا تو قضا لازم آئے گی اسلئے کہ اُس نے اپنے ذمہ لے کر شروع کیا تھا۔ بخلاف مسئلہ مظنون کے کہ وہاں تو اپنے ذمے لینا ہی نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نئے چاند کو دیکھنا تو

یوم شک میں ایک عادل مسلمان کی گواہی سے چاند ہو جائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو۔ اگرچہ روزے کے واجب ہونے اور افطار کا سبب ہے لیکن اس پر عمل کرنا بغیر قاضی کے حکم کے نہیں ہو سکتا اسی لئے اُس کیطرف رجوع کرنا لازم ہے۔ پھر یہ کہ اگر آسمان پر کچھ خرابی ہو خواہ ابر ہو یا دھواں یا غبار ہو یا بخار وغیرہ ہو تو رمضان کے چاند میں ایک گواہ عادل مسلمان عاقل بالغ کی گواہی خواہ وہ آزاد ہو خواہ غلام، مرد ہو خواہ عورت مقبول ہے۔ کیونکہ وہ ایک دینی کام یعنی لوگوں پر روزہ کے واجب ہونے کی خبر دے رہا ہے لہذا اس کی خبر مان لی جائے گی لیکن ہاں اس شرط سے کہ صاف طور سے یوں کہے کہ میں نے شہر کے باہر یا بدلی کے درمیان میں چاند دیکھا ہے اور بدون اس تفصیل کے مقبول نہ ہوگا، کیونکہ شبہ کی گنجائش ہے۔ اور فاسق کو چاہیئے کہ اگر چاند دیکھ لے تو

گواہ میں شرط عدالت

قاضی کے رُوبرُو گواہی دے شاید کہ اُس کی گواہی قبول ہو جائے لیکن قاضی کو چاہیئے کہ اس کی گواہی قبول نہ کرے۔ کیونکہ فاسق کی گواہی دینی کاموں میں مردود ہے۔ مقبول نہیں ہے اور عدالت شرط ہے۔

اور طحاوی نے کہا ہے کہ عدالت شرط نہیں ہے۔ اور بعضے مشائخ کہتے ہیں کہ اس سے اُنکی مراد مستور الحال ہے اور دعویٰ کرنا شرط نہیں۔ اور نہ لفظِ شہادت کا ادا کرنا شرط ہے اور رمضان کے

چاند کی گواہی میں لفظِ شہادت شرط نہیں

چاند میں ایک شخص کے گواہی دینے پر کسی دوسرے

کی گواہی بھی مقبول ہے۔ اور جس نے رمضان کا چاند گاؤں میں دیکھا اور وہاں نہ کوئی حاکم ہے نہ قاضی
جس جگہ قاضی نہ ہو تو چاند ہونے کا حکم | تو اگر وہ دیکھنے والا معتبر آدمی ہے تو سب لوگ اسی کے
کہنے سے روزہ رکھیں۔ پھر اگر قاضی نے ایک شخص کی گواہی رمضان کے چاند میں قبول کرلی اور
اگر رمضان تیس دن سے زائد ہو گیا تو اسکا حکم | لوگوں نے تیس تیس روزے بھی رکھ لئے تب بھی
عید کا چاند نظر نہ آیا تو ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی روایت کی رو سے اب بھی افطار نہ کرنا چاہئے کیونکہ
افطار ایک آدمی کی گواہی سے واجب نہیں ہوتا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ افطار
کرڈالیں۔ اور رمضان کے ثبوت کے ضمن میں ایک ہی گواہی سے افطار کا ثبوت بھی ہوجاتا
ہے اگرچہ ابتداءً ثابت نہیں ہوتا کیونکہ شوال کے چاند
آسمان کی خرابی میں رمضان کا اختتام دو گواہوں کی شہادت سے ہوگا | میں اگر آسمان پر کوئی خرابی ہو تو بدون دو آزاد مرد اور دو
آزاد عورتوں کی گواہی کے چاند مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے حق العباد کو تعلق ہے کیونکہ وہی اس
سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس اس کا ثبوت بھی اس طرح ہوگا جس طرح اُن کے اور حقوق کا ثبوت
لیا جاتا ہے بخلاف ہلال ماہِ رمضان کے کیونکہ اس سے صرف حق شرع یعنی روزہ متعلق ہوتا ہے
پس ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔ اور اگر آسمان میں کچھ خرابی نہ ہو تو پھر رمضان کے ہلال میں
آسمان صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہے | بھی ایک آدمی کی گواہی مقبول نہیں اور نہ عید کے چاند میں دو
کی گواہی۔ بلکہ بہت سے آدمیوں کی گواہی جن کے بیان سے
یقین آجائے مقبول ہوگی اور اس جماعت کی گواہی کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں
کہ پچاس مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ خبر اگر تواتر کو پہنچ جائے
تو معتبر ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ بات حاکم کی رائے پر ہے کیونکہ اس علم سے جو ان کی خبر سے حاصل
ہوتا ہے۔ علم شرعی جس سے عمل کرنا واجب ہوجاتے مراد ہے اور وہ ظن غالب ہے یقینی نہیں
شہر سے باہر کے لوگوں کی گواہی کا حکم | اور اگر کوئی شخص باہر سے آیا اور اُس نے وہاں اپنے چاند
دیکھنے کی گواہی دی تو ظاہر روایت میں اُس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ شبہ موجود ہے لیکن
طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ چونکہ شہر کے باہر مانع کم ہوتا ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی اسی
طرح اگر شہر میں کسی اونچے مقام سے چاند دیکھنے کی گواہی دے تو اسمیں بھی یہی اختلاف ہے۔
اور جس شخص نے رمضان کا چاند تنہا دیکھ کر گواہی دی لیکن گواہی مقبول نہ ہوئی تو اُسپر خود روزہ
رکھنا واجب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو چونکہ
اُس نے چاند دیکھا ہے اسلئے اُس کو روزہ رکھنا چاہیئے۔ اور اگر افطار کر ڈالے گا تو اُسپر قضا
لازم آئے گی ہاں کفارہ نہ ہوگا۔ اور اگر شہادت رد ہونے سے پہلے ہی روزہ توڑ ڈالا ہے تو

اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح یہی ہے کہ اُس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر حاکم

حاکم کے تنہا چاند دیکھنے کا حکم

نے تنہا رمضان کا چاند دیکھ لے تو وہ آپ تو روزہ رکھے لیکن لوگوں کو روزہ کا حکم نہ دے۔ اور اگر ابر کی چھپ جانے کی وجہ سے رمضان کا چاند لوگوں کو نظر نہ آیا اور اشتباہ کیوجہ سے

رمضان کے اٹھائیس روزے رکھنے اور شوال کا چاند نظر آجانیکا حکم

اسلئے وہ شعبان کے تیس دن پورے کرکے پھر رمضان کے اٹھائیس ہی روزے رکھنے پائے تھے کہ شوال کا چاند دیکھ لیا گیا۔ پس اگر شعبان کا مہینہ بے چاند دیکھے پورا کیا ہو تو دو دن کے روزے قضا کریں۔ اور اگر چاند دیکھ کر شمار کیا تھا پورا تو ایک دن کی قضا کریں۔ اور اس طرح اب ماہِ رمضان اس سال انتیس دن کا ہوگا یہانتک کہ اگر عید کا چاند رمضان کے انتیس روزے کے بعد دیکھا جائے تو اُن پر کچھ لازم نہ آئے گا۔ اور اگر ایک شہر والوں نے رمضان کا چاند دیکھ کر انتیس روزے رکھے

دوسرے شہر والوں کے چاند دیکھنے پر گواہی دینے کا حکم

پھر ایک گروہ نے انتیسویں دن قاضی کے سامنے یہ گواہی دی کہ فلاں شہر والوں نے فلاں رات رمضان کا چاند تم سے ایک دن پہلے دیکھ کر روزہ رکھا ہے اور اُس حساب سے آج رمضان کی تیسویں ہے اور اس شہر والوں نے اُس رات کو چاند نہ دیکھا حالانکہ آسمان بھی صاف تھا تو اُن کو جائز نہیں کہ اگلے دن افطار کریں اور نہ اُس رات تراویح ترک کریں۔ کیونکہ اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی اور نہ دوسرے کی گواہی دینے پر گواہی دی ہے بلکہ اوروں کے صرف دیکھنے کی خبر بیان کی ہے ہاں اگر قاضی کے سامنے شہادت دیتے کہ فلاں شہر کے قاضی کے سامنے دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی اور اُس قاضی نے اُن کی گواہی کے موافق حکم دے دیا ہے تو اب اس قاضی کو جائز ہوتا کہ اُن دونوں کی گواہی پر حکم دیدے کیونکہ پہلے قاضی کا حکم حجت ہے اور یہ اُس شخص کے قول کی بناء پر ہے جو کہتے

اختلاف مطالع کا معتبر ہے

ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں یہانتک کہ اگر ایک شہر والوں نے رویت ہلال سے تیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے بھی رویت ہی کے حساب سے انتیس روزے رکھے تو اس قول کی بناء پر جن لوگوں نے انتیس روزے رکھے ہیں اُن پر ایک دن کی قضا واجب ہے۔

اور زیلعی کے بیان کے موافق اختلاف مطالع کا معتبر ہونا ہی ٹھیک ہے کیونکہ اُسی بات کا حکم ہوتا ہے جو اُن کے نزدیک ثابت ہو اور اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کی دلیل کریب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں شام میں پہنچا اور وہیں مجھ کو رمضان کا مہینہ آگیا میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر آخر مہینہ میں مدینہ میں آیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم لوگوں نے تو جمعہ کی رات کو دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو سنیچر

کی رات کو دیکھا ہے اور ہم جبتک تیس روزے پورے نہ ہو جائیں گے رکھتے رہیں گے یا یہ کہ چاند نظر آجائے۔ میں نے کہا کہ کیا آپ معاویہؓ کے دیکھنے اور ان کے روزہ رکھنے پر کفایت نہ کریں گے۔ آپ نے کہا نہیں، اسی طرح ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

اور یہ اس سے کہ ہلال کا شعاع آفتاب سے جدا ہونا اختلاف مسافت کی وجہ سے جیسا کہ وقت کا آجانا اور نکل جانا اطراف کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے مختلف ہوتا رہتا ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جس وقت آفتاب پورب میں ڈھل جائے اسی وقت پچھم میں بھی ڈھل جائے بلکہ آفتاب جب ایک درجہ سرکتا ہے تو وہ ایک قوم کے لئے طلوع ہوتا ہے اور دوسری کے لئے غروب اور بعض کیلئے آدھی رات ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے پو پھٹنا۔ اور روایت ہے کہ نابینا ابو موسیٰ فقیہ ایک مرتبہ اسکندریہ میں تشریف لائے۔ کسی نے ان سے اس شخص کا حکم پوچھا جس نے کسی مینار پر چڑھ کر آفتاب کو اس وقت دیکھا کہ شہر میں اس سے بہت پیشتر آفتاب ڈوب چکا تھا کہ آیا اس کو افطار کرنا درست ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو روزہ کھولنا درست نہیں اور شہر والوں کو درست ہے۔ اسلئے کہ ہر شخص کو اسکے حال کے مطابق حکم ہے۔ اور جس نے عید کا چاند عصر کے وقت دیکھا اور عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے دیکھ کر فوراً روزہ کھولنے کا حکم روزے کی مدت گذر جانے کے گمان پر روزہ کھول ڈالا، محیط میں لکھا ہے کہ اسپر کفارہ واجب ہونے میں اختلاف ہے اور اکثر علماء کفارہ واجب ہونے کے قائل ہیں اور بعضے یہ سمجھ گئے ہیں کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ کی ممانعت سے یہ مطلب ہے کہ روزہ شروع ہونے سے پہلے کھانے پینے اور اپنی نفسانی خواہشوں سے دل خوش کرنے کو غنیمت سمجھیں لیکن یہ سب لغو اور جاہلانہ خیال ہیں کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اسکی اصل نصاریٰ سے ماخوذ ہے کیونکہ نصاریٰ اپنے روزوں کے نزدیک آنے پر ایسا ہی کیا کرتے تھے پس ان سے مشابہت لازم آتی ہے اور اس وقت روزہ کی ممانعت صرف اسی وجہ سے تھی کہ کافروں کی مشابہت جس امر میں مجبوری نہ ہو اور وہ شرعاً برا ہو ممنوع ہے اسلئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ ان ہی میں سے ہے اور اکثر اوقات بعض لوگ جائز خواہشوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ حرام باتوں کیطرف بڑھ جاتے ہیں تو جس کا یہ حال ہو اس سے تو جانور ہی عقلمند ہیں اور اس کو اس ارشادِ الٰہی میں سے بڑا حصہ ہے" اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے بہتیرے جن اور انسان پیدا کر رکھے ہیں جن کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ایسی ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور کان ایسے ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپائے جیسے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں"۔ اور بعض لوگ کبیرہ گناہوں سے رمضان کے سوا کبھی پرہیز نہیں کرتے رمضان میں گناہ کے رسیا لوگوں کی حالت

ان پر رمضان کے دن پہاڑ ہوجاتے ہیں اور روزے بُرے معلوم ہونے لگتے ہیں اور گناہوں کی جدائی اُن کے دل پر ایسی گراں گزرتی ہے گویا کہ وہ اُس کو بالکل کھو بیٹھے ہیں۔ پس وہ دن اور راتیں گنتا رہتا ہے تاکہ پھر گناہوں میں لگ جائے اور بعضے صرف رمضان کے نمازی ہوتے ہیں پس ان پر رمضان بھاری ہوجاتا ہے کیونکہ اُن پر عبادتیں روزہ نماز وغیرہ بھاری اور گراں معلوم ہوتے ہیں اور بعضوں کو گناہوں پر صبر نہیں آتا۔ پس رمضان میں بھی کرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بظاہر بڑا نقصان ہے ۞

چھبیسویں مجلس رمضان کی بزرگی اور اُسکے حق کا خیال رکھنے کا بیان

رمضان میں آسمان اور جہنم کے دروازے کھلنے اور بند ہونیکا مفہوم

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھولدئے جاتے ہیں" اور ایک روایت میں ہے "جنت کے دروازے"، اور دوزخ کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور سب شیطان مقید کردیتے جاتے ہیں"۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جسکے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں اور یہ حدیث اگر اپنے ظاہری معنی پر رکھی جائے تو کچھ زیادہ فائدہ نہیں بتلاتی کیونکہ انسان جب تک دنیا میں ہے اُسکو آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں اور نہ اُن دو مقاموں میں سے کسی میں داخل ہوسکتا ہے پھر دروازوں کے کھولنے بند کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ اسلام میں سے جو نیک بندے مرچکے ہیں جب جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں تو اس کی خوشبودار ہوا اُن لوگوں تک اس سے زیادہ پہنچتی ہے جیسے کہ دروازے کھلنے سے پہلے آیا کرتی تھی اور جو گنہگار مرچکے ہیں جب دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں تو اُن کو اُس کی گرمی اور لپیٹ اسقدر نہیں آنے پاتی جتنی کہ اُس کی حرارت اور سوزش بند کرنے سے پیشتر آتی تھی۔

لیکن یہ معنی بعید ہیں کیونکہ یہ حدیث تو صرف اُس بات کی رغبت دلانے کے لئے ہے جسکا حکم اُن کو ہوا ہے یعنی رمضان کے روزے اور اُس پر اُن کو ابھارنے کے لئے تاکہ وہ اس کیلئے تیار ہوجائیں اور گویا کہ جنت کے دروازے ایسے ہوگئے کہ اُن کے لئے کھل گئے اور دوزخ کے دروازے گویا اُن پر بند ہوگئے تو اب کسی تاویل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور وہ یہ کہ آسمان کے دروازے کھلنے سے برابر رحمت کے اُترنے اور پے در پے عبادتوں کے چڑھنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دروازہ جب کھول دیا جاتا ہے تو جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے باہر نکلتا رہتا ہے اور جو اُسکے باہر ہوتا ہے پے در پے اندر آتا رہتا ہے اور اس تاویل کا مؤید وہ مضمون ہے جو

دوسری روایت میں آیا ہے کہ "رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں"۔ اور جنت کے دروازے کھلنے سے اُن عبادتوں کا حاصل ہونا مراد ہے جو دخولِ جنت کا سبب ہیں اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا اُن گناہوں کے دور ہو جانے سے کنایہ ہے جو دخولِ دوزخ کے باعث ہیں اسلئے کہ روزہ دار کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے تو منجملہ ان کے صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا بھی ہے پس روزہ کی برکت سے اُسکے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ پنجگانہ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کبیرہ گناہوں کے سوا اُن گناہوں کو جو اُن کے درمیان ہوں مٹا دیتے ہیں۔ اور شیاطین کے قید ہونے سے شاید اُسکے وہی معنی ظاہری مراد ہوں یعنی شیطانوں کا ماہِ رمضان کی تعظیم کے لئے قید ہو جانا۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ اکثر سرکشی میں غرق رہنے والے گناہوں اور بدی سے باوجود اُسپر حریص ہونے کے بچنے لگتے ہیں اور نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں باوجودیکہ پہلے سستی کرتے تھے اور وعظ و نصیحت سُننے پر اور تلاوتِ قرآن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور یہ جو بعض فاسقوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے فسق سے باز نہیں آتے بلکہ اگر ایک گناہ چھوڑ دیتے ہیں تو دوسرا گناہ کرنے لگتے ہیں، تو یہ اثر وہ ہے جو اُن کے خبیث نفسوں میں شیطانی وسوسے باقی ہیں۔

شیاطین کے قید ہونے کا معنی اور مفہوم

اور علماء بعض کہتے ہیں کہ شیاطین کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد صرف اُن کے سردار ہیں اور اسکی تائید اُن الفاظِ حدیث سے ہوتی ہے جو بعض اور روایتوں میں واقع ہیں "کہ سرکش شیاطین جکڑ دئے جاتے ہیں" تو ان کے علاوہ اور شیاطین جن و انس کے وسوسے سے خرابیاں واقع ہوتی ہیں۔

اور بعضے کہتے ہیں کہ اس سے مجازاً روزہ داروں کے دلوں کا وساوسِ شیطانی کے قبول کرنے سے باز رہنا مراد ہے اور یہ اسلئے کہ جب رمضان آتا ہے تو لوگ روزہ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اُن کی قوتِ حیوانی ٹوٹ جاتی ہے جو کہ شہوت اور غضب کی جڑ ہے جو طرح طرح کے فسق و فجور کیطرف لیجانے والی ہے اور اُن کی قوتِ عقلی برانگیختہ ہو کر عبادتوں کیطرف بلاتی ہے اور گناہوں سے روکتی ہے پھر اُن کو روزمرہ کی مقررہ عبادتوں پر متوجہ اور ہر قسم کے گناہوں سے بیزار کر دیتی ہے پس وہ ایسے ہو جاتے ہیں کہ بہشت کے دروازے گویا اُن کے لئے کھول دئے گئے اور دوزخ کے دروازے اُن پر بند کر دئے گئے اور اُن پر شیطان کا قابو نہیں رہا۔

رمضان کی پہلی رات میں انسانوں کی نجات کا طریقہ

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ماہِ رمضان کی پہلی شب آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن زنجیروں میں جکڑ دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سب دروازے بند ہو جاتے ہیں

اور ایک دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ایک بھی دروازہ بند نہیں رہتا۔ پھر منادی پکارتا ہے اے طالب خیر آگے بڑھ اور اے بدکار باز آ۔ اس میں دوزخ سے آزاد ہونے والے اللہ کے بہتیرے بندے ہیں اور یہ ہر رات کو ہوتا ہے۔ اور اس حدیث کے معنی بھی پہلی حدیث کی تاویل سے معلوم ہوگئے لیکن اس حدیث میں کچھ زیادتی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پکارنے والا رمضان کی راتوں میں پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اے بھلائی چاہنے والے یہاں آ۔ اور ثواب کی درخواست کر اس وقت کی بزرگی کی وجہ سے تجھ کو تھوڑے عمل سے بہت ثواب ملے گا اور اے برائی کے طالب برائی کو چھوڑ، کیونکہ رمضان میں گناہ کا عذاب بہت زیادہ ہے اور اللہ کی طرف متوجہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کی حرمت سے اپنے بہت روزہ دار بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کے لئے رکھے تو اس کے جو کچھ پہلے گناہ ہیں سب معاف ہو گئے۔ یعنی جس نے رمضان کے روزے اس کی حقیقت اور فرضیت مان کر اللہ کی خوشنودی اور ثواب کے لئے رکھے نہ لوگوں سے ڈر کر اور نہ ان کی شرماشرمی تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے اور یہ ندا رمضان کی راتوں میں ہر شب کو ہوا کرتی ہے۔

خالص اللہ کی رضا کے لئے روزے نجات کا ذریعہ ہیں

اور ابی امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک دن بھی خدا کے واسطے روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ایسی چوڑی خندق بنا دے گا جیسا کہ آسمان اور زمین کا فاصلہ ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جس کے راوی ابو سعید خدری ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک دن کا روزہ اللہ کے واسطے رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے ستر سال کی راہ پر دور کر دیگا۔ یعنی جس نے ایک روزہ اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لئے رکھا اس کو خدا عذاب دوزخ سے نجات دیگا۔ نجات کو بطور تمثیل بیان کیا ہے تاکہ اظہار مطلب میں زیادہ بلیغ ہوجائے۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز سے اسقدر فاصلہ پر ہو تو وہ چیز اس تک ہرگز نہ پہنچے گی اور خریف سے مراد سال ہے۔ جز یعنی سال کو ذکر کر کے کُل مراد لیا ہے اور دوسری فصلوں کو چھوڑ کر خریف ہی کو اسلئے ذکر کیا کہ وہ پھلوں کی تیاری اور آسائش کی فراخی کا وقت ہوتا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو نیکیوں پر دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ تک ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ کے علاوہ کیونکہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ بندہ میرے ہی لئے اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑتا

ہے یعنی ہر عبادت اور نیکی پر بشرطیکہ دکھاوے اور نفاق سے نہ ہو تو کم از کم اس کے کرنیوالے کو دس گونہ ثواب ملے گا۔ بوجہ اس ارشاد الٰہی کے کہ "جو شخص لائے نیکی تو اس کے لئے ہے اس سے دس گونہ"۔ اور بعض وقت سات سو تک بڑھا دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بنا بر اس قول خداوندی کے "ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں مثل ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ زیادہ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اور روزہ کا ثواب تو بے حساب ہے کیونکہ وہ بغیر صبر کئے ادا نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ "صبر کرنیوالے دئے جائیں گے اجر اپنا بے حساب" اور صبر اگرچہ اور عبادتوں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن روزہ میں اور عبادتوں کی طرح نہیں ہے کیونکہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو اللہ کی عبادت پر صبر کرنا۔ دوسرے اللہ کے محارم پر صبر کرنا۔ تیسرے تکلیف اور سختیوں پر صبر کرنا۔ اور یہ تینوں اقسام روزہ میں پائی جاتی ہیں اسلئے کہ اس میں ان عبادتوں پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے جو روزہ دار پر واجب ہیں اور جو نفسانی خواہشیں حرام ہیں ان پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے اور بھوک اور پیاس اور ضعف جسمانی کی جو تکلیفیں ہوتی ہیں ان پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے کیونکہ روزہ داروں کے بدن کو لاغری اور نقصان اور ہلاکت میں ڈالنے والی چیزیں ہوتی ہیں لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سب کو گوارا کرتا ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ میری خاطر سے اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے وہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہے نیز یہ کہ روزہ دار اپنے آپ کو کھانے اور پینے اور جماع سے روکنے کی وجہ سے صفات الٰہی کا نمونہ بن جاتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ان چیزوں سے بری ہے پس چونکہ روزے میں یہ اوصاف ہیں اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کیا اور خود اس کے بدلہ دینے کا متکفل ہوا اور کسی اور کے حوالے نہ کیا اور روزہ دار کو اپنی بارگاہ سے اتنا ثواب بخشا کہ جس کی کوئی حد و حساب نہیں۔

روزہ میں صبر کا انتہائی مقام حاصل ہوتا ہے اسلئے ثواب بھی بے حساب ہے

اور بعضوں نے کہا ہے کہ روزہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس وہ خالصاً لوجہ اللہ محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہے اس کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں کیونکہ روزہ نیت اور باز رہنے کا نام ہے۔ یہاں تک کہ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ کراماً کاتبین کو بھی اس کی اطلاع نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کو لکھتے ہیں بخلاف اور عبادتوں کے کہ ان کو اللہ کے سوا اور لوگ بھی جانتے ہیں۔ پس چونکہ روزے کی خبر اللہ ہی کو ہے اور کسی کو نہیں اسلئے اللہ نے اس کو اپنے ساتھ مخصوص رکھا اور خود اس کا بدلہ دینے کا وعدہ کیا کسی دوسرے کے حوالے نہ کیا۔ گویا اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور کسی دوسرے کو اس کی خبر نہیں تو اب میں خود اس کی جزا کا ذمہ دار

روزہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جسے کراماً کاتبین بھی نہیں لکھ سکتے

ہوں اور نہ کسی پر حوالہ کرتا ہوں اور سخی جب کسی کام کے بارے میں یہ کہے کہ اس کی جزا کا میں خود ذمہ دار ہوں تو یہ امر اُس بدلہ کی نہایت عظمت اور بے انتہا کثرت کا مقتضی ہے کہ نہ اُس کی کوئی حد ہوگی نہ حساب۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار

روزہ دار کو دو خوشیاں | کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک خوشی روزہ کھولتے وقت دوسری خوشی دیدار الٰہی کے وقت یعنی روزہ دار کے لئے دو دفعہ خوشی ہوتی ہے اسلئے کہ وزن فرحت خود ایک بار کی خوشی کے لئے موضوع ہے اور فرح سے مشتق ہے جس کے معنی خوشی ہیں۔ اور سرور پروردگار کی ملاقات کے وقت روزے کے اُس ثواب پر ہوگا جو خدا کے پاس جمع کیا ہوا پائے گا۔ کیونکہ جس نے اپنا کھانا اور پینا اور شہوت خدا کے واسطے چھوڑ دی خدا اس کو اس کا بدلہ اس سے بہتر عنایت فرمائیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور جو آگے بھیجی تم نے اپنے لئے نیکی تو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ" اور نبی علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جو چیز چھوڑو گے خدا تم کو اس سے بہتر عنایت کرے گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ روزہ داروں کے واسطے قیامت کے دن عرش کے تلے دستر خوان چُنا جائیگا جس پر وہ کھا رہے ہونگے۔ اور لوگ حساب میں پھنسے ہوں گے انہیں دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ کھانا کھا رہے ہیں اور ہم حساب ہی میں پھنسے ہوئے ہیں تو اُن کو جواب دیا جائے گا کہ یہ لوگ روزہ دار تھے اور تم روزہ نہیں رکھتے تھے۔

اور صحیحین میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے اس دروازے سے صرف روزہ دار لوگ داخل ہوں گے۔ اور روزہ داروں سے وہ لوگ مراد ہیں جو بکثرت روزے رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے چونکہ پیاس کی شدت اٹھائی ہے تو اسلئے وہ دروازہ جس میں جنت میں پہنچنے سے پہلے ہی سیرابی اور پیاس سے پناہ ہے اُنہی کے ساتھ مخصوص ہوگیا۔

اور افطار کے وقت کی خوشی کھانے اور پینے اور جماع کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آدمی کا دل خلقی طور پر کھانے پینے اور جماع کی طرف رغبت کرنے پر مجبور ہے اور جب ان باتوں سے ایک وقت منع کرکے دوسرے وقت اس کی اجازت دی جائے تو اس سے خود بخود خوشی ہوتی ہے خصوصاً جب کہ بھوک پیاس کے اثر، اور حاجتوں کے تقاضے کی وجہ سے ان امور کی بہت حاجت ہو۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب حضور علیہ السلام افطار کرتے تو فرماتے پیاس بجھ گئی اور رگیں تازی ہوگئیں اور ثواب قائم ہوگیا انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ روزہ دار پر تمام دن کے لئے ان خواہشوں کو پورا کرنا حرام کر دیا ہے لیکن رات کے وقت اپنی خواہش

پوری کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ رات آتے ہی جلد افطار کرنا اور آخر شب تک تاخیر کرنا مستحب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابو ذرؓ کی روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ہمیشہ میری اُمت جب تک کہ وہ افطار میں عجلت اور سحری میں تاخیر کرتی رہیگی بھلائی پر رہے گی۔" اور یہ بھی روایت ہے کہ "اللہ اور اُس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔" اور اللہ کے محبوب تر بندے وہ ہیں جو جلد افطار کرتے ہیں۔" اور حاصل یہ ہے کہ

روزہ جلد افطار کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے

روزہ دار مومن کی پسندیدہ حالت روزہ دار اپنی خواہشوں کو تو اللہ کے تقرب اور عبادت کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور رات کو وہی خواہشیں قربِ الٰہی اور عبادت سمجھ کر ہی پوری کرتا ہے کیونکہ وہ اُن کو خدا ہی کے حکم سے چھوڑتا ہے اور اُسی کی اجازت سے دوبارہ عمل میں لاتا ہے تو دونوں حال میں فرمانبردار ٹھہرا کیونکہ مومن روزہ دار جب یہ جان کر کہ میرے مولا کی خوشی تمام خواہشیں ترک کر دینے میں ہے تو اپنے مالک کی خوشی اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے تو گویا اُس کو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی خواہشوں کے چھوڑ دینے میں اُن کے پورا کرنے سے زیادہ مزہ آتا ہے بلکہ اُس کو تنہائی میں اپنی خواہشوں پر عمل کرنا مار پیٹنے کی تکلیف سے زیادہ بُرا معلوم ہوگا کیونکہ اُس کو یقین ہے کہ میرا روزہ توڑنا میرے مولا کو ناپسند ہے پس اُس کو اسی میں لطف آئے گا جس میں اُس کا مالک خوش ہو، اگرچہ وہ کام خود اُس کی خواہش کے خلاف ہو۔ اور ہر اُس بات سے اُس کو رنج ہوگا جسے اُس کا مولیٰ پسند نہ کرتا ہو اگرچہ وہ بات خود اُس کی خواہش کے موافق ہو۔ تو جب مومن کا یہ حال اُن محرّمات میں ہے جو روزہ کے سبب سے عارضی طور پر ممنوع ہیں مثلاً کھانا پینا اور جماع کرنا تو چاہیئے کہ یہی حالت ان امور میں زیادہ محکم ہو جو مطلقاً حرام ہیں مثلاً زنا اور شراب نوشی اور پرایا مال ناحق کھانا اور کسی کی کسر شان کرنا یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے خدا ہمیشہ اور ہر مقام پہ ناراض ہے پس جس شخص کا ایمان کامل ہوگا وہ ان سب کو چوٹ کھانے کی تکلیف سے بھی زیادہ بدتر جانتا ہے۔ پھر مومن بحالتِ روزہ جب یہ جانکر کہ میرا پروردگار

روزہ دار ہر وقت مصروفِ عبادت ہے ایسا ہے جو میرے حال سے خلوت میں بھی آگاہ ہے اور اس نے میرے لئے ان تمام خواہشوں پر کاربند ہونے کو جن کیطرف اُس کی طبیعت خلقتاً مائل ہوتی ہے حرام کر دیا ہے اپنے رب کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اُس کے عذاب کے خوف اور ثواب کی رغبت سے اُسکے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس کے ممنوعات سے بچتا ہے تو اس سبب سے اُس کا سونا بھی عبادت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کا سونا بھی عبادت ہے۔ ابو العالیہؒ کہتے ہیں کہ روزہ دار جب تک غیبت نہ کرے عبادت میں ہے۔ اگرچہ اپنے بستر پر رہا ہو۔ اس بنا پر وہ رات دن عبادت ہی میں ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بُو مشک کی خوشبو سے

روزہ دار کے منہ کی بُو خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے

زیادہ پاکیزہ ہے یعنی خلوف بضم خا۔ اور یہ اُس بُو کو کہتے ہیں جو روزہ دار کے منہ سے کھانا پانی سے خالی ہونے پر بخارات اُٹھنے پر پیدا ہوتی ہے اور وہ اگرچہ آدمیوں کو ناپسند ہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔ کیونکہ اس کا منشار عبادتِ الٰہی ہے اسی واسطے امام شافعیؒ کے نزدیک اس بُو کا باقی رکھنا مستحب اور مسواک سے اُس کا دور کرنا مکروہ ہے بخلاف اُس بوئے دہن کے جو روزہ کے بغیر پیدا ہوتی ہے کہ اس کو مسواک سے دور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی عبادت اور اُس کی فرمانبرداری کر کے اُس کی خوشی چاہے پس اگر اُس عمل سے کوئی آثار آدمیوں کے خلاف مزاج پیدا ہوں تو وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے نزدیک وہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو آخرت میں مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ کر دیگا۔ کیونکہ روزہ چونکہ دنیا میں بندہ اور رب کے درمیان ایک راز تھا تو اُس کو خدا تعالیٰ آخرت میں ظاہر کر دیگا اور سب پر کھل جائے گا۔ اور روزہ داروں کی اُس سے تمام لوگوں میں شہرت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت انس رضؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ روزے دار اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے مُنہ کی بُو سے پہچانے جائیں گے کیونکہ اُن کے منہ کی بُو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔

اور حاصل یہ ہے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ روزوں کی فضیلت اور روزہ دار کے درجے بیان کریں تو جو چیز آدمیوں کو ناپسند ہے یعنی بوئے دہن اُس کو آپ نے تمام خوشبوؤں میں سے اُس عمدہ ترین خوشبو سے تشبیہ دی جس کی لوگوں کو جستجو اور خواہش ہوتی ہے اور جو سونگھی جاتی ہے اور اس تشبیہ سے مقصود روزہ دار کی تعریف اور اُس کا دل خوش کرنا ہے تاکہ روزہ کی ہمیشگی سے کہ بوئے دہن کا باعث ہے باور نہ رہے اور جبکہ ایک ناپسند چیز کو خوشبو میں سے جس سے لوگوں کو لُطف آتا ہے ایک نہایت پاکیزہ خوشبو پر یہ فوقیت دی گئی تو اب سے بڑھ کر آثار کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے) اسی کے ساتھ یہ بھی کہ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت قبول ہوتی ہے جیسا کہ حدیث

روزہ دار کی دعا افطار کیوقت قبول ہوتی ہے میں آیا ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ افطار حلال پر ہو کیونکہ جو شخص ان چیزوں سے باز رہ کر روزہ رکھے جو اللہ

غیر مقبول روزہ تعالیٰ نے حلال فرمائی ہیں اور اُس پر افطار کرے جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی اور نہ اس کا روزہ قبول ہوگا۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور اُس پر عمل کرنا نہ چھوڑے گا تو اللہ کو اُس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ کھانا اور پینا چھوڑ دے۔ یعنی جو جھوٹ بولنا اور جھوٹے کام نہ چھوڑیگا تو اللہ اُس کے روزے نہ قبول کرے گا اور نہ اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا۔

اسلیئے کہ وہ شخص ان چیزوں سے تو باز رہا جو اُس کو بدون روزہ کے حلال تھیں اور اُن چیزوں سے

نہ باز رہا جو کسی وقت جائز نہیں ہیں کیونکہ روزہ سے صرف بھوک پیاس مقصود نہیں ہے بلکہ شہوت کا توڑنا اور نفس امارہ کا مغلوب کرنا جو روزہ سے حاصل ہوتا ہے مقصود ہے۔ جب اس میں سے کوئی بات حاصل نہ ہوئی تو پھر کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ۔

اس تقریر کے موافق بنا بریں کہ کبھی سبب کی نفی سے مسبب کی نفی مراد لیجاتی ہے۔ حاجت کی نفی سے روزہ کا قبول نہ ہونا مراد ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" روزہ ڈھال ہے" پس جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو فحش نہ بکے اور نہ چلائے اور اگر اس کو کوئی گالی دے یا لڑے تو کہدے کہ میں روزہ دار ہوں یعنی روزہ ڈھال ہے۔

روزہ مومن کے لئے ڈھال ہے

جنہ۔ بضم جیم ڈھال کو کہتے ہیں اور اس کو ڈھال اس لئے ٹھیرایا ہے کہ روزہ دار بذریعہ روزہ کے بسبب کثرت ثواب کے آگ سے محفوظ رہتا ہے اور وہ روزوں کے سبب سے گناہوں اور شیطانی وسوسہ سے اپنی حفاظت کرتا ہے کیونکہ خون کے جاری ہونے کے مقامات جو کہ شیطان کا رستہ ہے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے پس شہوت ٹوٹ جاتی ہے اور غصہ فرو ہو جاتا ہے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ جسطرح ڈھال سے کہ جب تک مضبوط اور بے سوراخ نہ ہو پورا پورا نفع نہیں ہوتا اسی طرح روزہ بھی جب تک کہ وہ خطا اور خلل سے صاف نہ ہو کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں جس قدر خلل ہوگا اسی قدر عمل کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اسی لئے نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو فحش نہ بکے اور نہ جھگڑا کرے۔

روزہ کی حالت میں فحش اور بیہودہ گوئی سے ممانعت

اور رفث بیہودہ اور اسی جیسی اُن باتوں کو کہتے ہیں جو جماع کے متعلق صریح باتیں کہی جائیں جنکو اشارۃً کہنا واجب ہے۔ اور صخب خائے معجمہ سے چیخنے اور جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں۔

اور مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کسی تکرار کے وقت فحش اور بیہودہ نہ بکے اور نہ بیہودہ باتوں سے اپنی اپنی آواز بلند کرے بلکہ اس کو ضروری ہے کہ تمام گناہوں سے باز رہے صرف کھانے پینے سے نہیں۔ اور اگر اس کو کوئی گالی دے تو اپنے روزہ کی حفاظت کی غرض سے گالی دینے والے کو سنادے کہ میں روزہ دار ہوں اور یہی قول اس کی گالی کا جواب بنائے اور بعضے کہتے ہیں کہ اپنے دل ہی میں کہے یعنی اپنے روزہ دار ہونے کا خیال کرے تاکہ اُس کا نفس بیہودہ بات سے باز رہے اور غصہ کو پی جانے پر قوی رہے اور گالی کا بدلہ نہ لے تاکہ اُسکے روزہ کا ثواب سوخت نہ ہو جائے اور نیک عمل کرنے کے باوجود خسارہ والے لوگ اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جائے جن کی نسبت رسول خدا

خسارہ والے لوگ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتیرے روزہ دار ہیں جن کو روزے سے پیاسا رہنے کے سوا کچھ فائدہ نہیں ہے اور بہتیرے شب بیدار ہیں جن کو شب بیداری سے رات بھر جاگنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس لئے کہ خدا کی نزدیکی صرف مباحات چھوڑ دینے سے پوری نہیں ہوتی تا وقتیکہ حرام باتوں کو بھی چھوڑ کر اس کی نزدیکی نہ چاہے۔ کیونکہ جو شخص روزہ کے دن کھانا پینا چھوڑ کر حکم خدا بجا لائے اُسکو اُن چیزوں میں بھی تعمیل ارشاد کرنا چاہیئے جو ہر وقت اُس پر حرام ہیں اور کسی حالت میں اس کو حلال نہیں۔ پس جس شخص نے مرنے سے پہلے ان چیزوں سے منتفع ہونے میں جو اُسپر حرام تھیں عجلت کی تو آخرت میں اس کو محرومی اور نہ پانے کا عذاب دیا جائے گا اور اس قول کا شاہد نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ "جو شخص دنیا میں شراب پی لیگا وہ آخرت میں نہ پئے گا اور جو شخص دنیا میں حریر پہن لے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا"

(دنیا میں حرام چیزوں سے منتفع ہونیوالا آخرت میں محروم رہیگا)

پس اے اللہ کے بندو حدودِ خداوندی قائم رکھنے میں اللہ سے ڈرو اسلئے کہ بہتیرے لوگ اس زمانے میں صرف رسم و رواج پر چلتے ہیں۔ جو ایمان کے مطابق ہو اس سے کچھ بحث نہیں۔

ستائیسویں مجلس اسلام کی مطلوبہ نیّت کے بیان میں

(رمضان میں روزے اور شب بیداری سے اگلی خطاؤں کی معافی)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کے لئے رکھے گا اس کے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جو کوئی رمضان میں ایمان اور ثواب کے لئے شب بیداری کرے گا اس کی اگلی سب خطائیں معاف ہو جائیں گی"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں۔ اس حدیث میں دو عبادتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ماہ رمضان کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے ایک تو دن کا روزہ ہے دوسرے راتوں کا جاگ کر عبادت کرنا لہٰذا ان دونوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ اچھا لو سنو!

(روزہ، اس کی قسمیں اور حکم)

صوم، لغت میں مطلق رُکنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں روزہ کی شرعاً توڑ دینے والی چیزوں کھانا اور پینا اور جماع سے صبح سے غروب آفتاب تک مع نیت رُکے رہنے کو کہتے ہیں۔ اور روزہ کی تین قسمیں ہیں فرض، واجب اور نفل۔ فرض رمضان کا روزہ خواہ ادا ہو خواہ قضا، اور کفارہ کے روزے ہیں۔ اور واجب نذر کا روزہ ہے خواہ نذر معیّن ہو یا غیر معیّن۔ اور ان دونوں کے سوائے باقی سب روزے نفل ہیں۔

اور جو شخص قصداً نفل کو شروع کرے تو پھر اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر توڑ دے گا تو اُس پر قضا لازم آئے گی اور اُس کا بلا عذر افطار کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عمل کا باطل کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اپنے اعمال باطل نہ کرو"۔

اور مہمان اور میزبان کے لئے مہمانی بھی ایک عذر ہے اور جس نے یہ گمان کر کے کہ میرے ذمّے روزہ ہے، روزہ رکھ لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ میرے ذمّے روزہ نہیں ہے اور اس وجہ سے اُس نے روزہ توڑ ڈالا تو اُس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ اُس کو روزہ کا شبہ ہی شبہ تھا اور شبہ کی بنا پر قضا نہیں آتی۔ کیونکہ قضا تو لازم کر لینے سے یا شرع کے لازم کر دینے سے لازم ہوتی ہے۔ اور یہاں اُن میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ رمضان کے روزے فرض ہونے کے لئے اسلام اور عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے اور

رمضان کے روزے کی فرضیت اور فرضیتِ ادائیگی کی شرائط

اُس کی ادائیگی کی فرضیت کے لئے تندرستی اور مقیم ہونا شرط ہے کیونکہ بیمار اور مسافر کے لئے حالتِ موجودہ میں افطار کر لینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے لیکن مسافر کو روزہ رکھنا افضل ہے اور اُس کی ادا صحیح ہونے کے لئے حیض اور نفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے جنابت سے پاک ہونا شرط نہیں ہے اسلئے کہ اُس کا روزہ ہو جاتا ہے۔ جس کو جنابت کی رات میں صبح ہو جائے یا دن میں سو گیا اور احتلام ہو گیا اور حیض اور نفاس والی کا روزہ جائز نہیں ہے، بلکہ اُن کو افطار کرنا اور پھر قضا کرنا لازم ہے۔ لیکن حیض والی عورت چھُپ کر افطار کرے کھلم کھلا نہ کرے۔ اور ایسے ہی جس جس کو افطار کرنا جائز ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ کھائے گا اور اُس کا عذر ظاہر نہ ہو تو لوگوں میں وہ فسق کے نام سے بدنام ہو گا۔ کیونکہ رمضان میں

رمضان میں دن کو کھانے پینے کا حکم

دن کو کھانا بھی فسق ہے اور تہمت کے موقع سے بچنا واجب جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اللہ اور قیامت کے دن کا ایمان رکھتا ہو تو تہمت کی جگہوں پر ہرگز نہ ٹھیرے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ جو شخص رمضان میں کھلم کھلا قصداً کھالے اُس کے قتل کا حکم دینا چاہیئے۔ اسلئے کہ اُس کی یہ حرکت اس کے حلال سمجھنے کی دلیل ہے۔ اور

رمضان کے روزے کی نیت

رمضان کے روزے کا رات بھر اور چاشت کے وقت تک نیت کر لینے سے ادا کرنا صحیح ہے اور مطلق نیت سے بھی اور نفل کی نیت سے اور کسی اور واجب کی نیت سے بھی اور ہمارے نزدیک ہر روزے کی نیت ضروری ہے اور تبییت افضل ہے یعنی روزے کی نیت رات سے کرنا تاکہ روزے کا پہلا حصہ بھی نیت سے گذرے۔ اور نیت یہ ہے کہ دل میں یہ ٹھان لے کہ میں روزہ رکھوں گا۔ اور غروب سے پہلے کی نیت کا کچھ اعتبار نہیں، بلکہ اعتبار اُسی نیت کا ہے جو غروب کے بعد ہو۔ یہاں تک کہ اگر اس نے آفتاب ڈوبنے سے پہلے یوں نیت کی کہ میں کل روزہ رکھوں گا پھر کل کے دن دوپہر تک بھول گیا تو اُس کا روزہ درست نہ ہو گا اور اگر سورج

ڈوبنے کے بعد نیت کی ہے تو درست ہو جائے گا۔ اور نذر مطلق رات سے نیت کئے بغیر درست نہیں

رمضان کے علاوہ روزوں کی نیت

ہے۔ اور نذر معین اور نفل یہ دونوں رمضان کے روزے کی طرح ہیں۔ رات سے دن چڑھے تک کی نیت سے صحیح ہو جاتے ہیں۔ لیکن رات سے نیت کرنی افضل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پھر جو روزہ کہ بلا رات کی نیت کے ادا نہیں ہوتا اگر اس میں پو پھٹتے ہی نیت کرلے گا تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ واجب تو یہ ہے کہ نیت روزہ کے ساتھ ساتھ ہو پہلے سے نیت کرنا واجب نہیں ہے۔

اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد قضا کی نیت کرلے تو قضا کا نہ ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گا اور اب اگر افطار کر ڈالے گا تو اُس کی قضا لازم ہوگی۔

اور اگر کسی شخص پر ایک ہی رمضان کی دو دن کی قضا واجب ہو اور وہ اُن کی قضا رکھنا چاہے تو اُسکو چاہیئے کہ اس طرح نیت کرے کہ اس رمضان کا جو پہلا روزہ مجھ پر واجب ہے اُس کی قضا کرتا ہوں۔ اور اگر تعیین اوّل کی نہیں ہے تب بھی ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر دو رمضانوں کے ہوں تو اُس کو چاہیئے کہ اول رمضان کے روزے کے قضا کی نیت کرے اور اگر معین نہ کرے گا تو اُسمیں اختلاف ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ جائز ہے۔ اور جس نے رمضان کا کوئی روزہ قصداً توڑ ڈالا۔ اور اس وجہ سے اُس پر کفارہ واجب ہوا،

رمضان کا روزہ قصداً توڑنے کا کفارہ

اور وہ مُفلس بھی ہے اور اُس نے اکٹھا روزے قضا اور کفارہ کی بابت رکھے اور قضا کا روزہ کوئی معین نہیں رکھا تو جائز ہو جاتے ہیں اور یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے پہلے دن قضا کا روزہ رکھا اور اس کے بعد ساٹھ روزے کفارہ کے رکھے۔

اور کفارہ کا قضا پر مقدم کرنا جائز ہے یا نہیں، سو قاضی امام نے کہا ہے کہ جائز ہے۔ اور کفارہ صرف روزۂ رمضان ہی توڑنے سے واجب ہوتا ہے قضا کے فاسد کرنے سے واجب نہیں اور نہ غیر رمضان ادا اور قضا سے۔

اور کفارۂ اول ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھنا اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو اس طرح کھلانا کہ ان میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا صاع گیہوں یا پُورا صاع جَو دیدے۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو اُن چیزوں کا جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور نیز وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اسی طرح وہ باتیں جن سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور وہ باتیں جن سے واجب نہیں ہوتا ہے جاننا ضروری ہے۔ لہٰذا معلوم ہو کہ جس نے دن کو قصداً جماع کیا یا دو رستوں میں سے کسی میں اس

ان چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن سے نہیں اور کب کفارہ ہوگا اور کب صرف قضا

کے ساتھ کیا گیا اُسپر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ سر ذکر چھُپ جانے کے بعد انزال کا ہونا کسی طرف

شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی غذا خواہ دوا قصداً کھائے پیئے تو اُس پر بھی قضا اور کفارہ لازم ہے۔ ہاں اگر بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کرلے تو اُس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ خواہ وہ روزہ فرض ہو خواہ نفل۔ اور اگر یہ گمان ہوا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اور اس خیال پر اُس نے قصداً رمضان میں کھانا کھا لیا تو اب صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں۔ اسی طرح اگر دھوکے سے ٹوٹ گیا جیسا کہ روزہ تو یاد تھا لیکن غرارہ کیا تو پانی حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہو گیا اُسپر قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ اور اگر تھوک جو اُس کے منہ میں جمع ہو گیا تھا نگل گیا تو روزہ تو نہ ٹوٹے گا لیکن مکروہ ہوگا اور ایسے ہی بلغم کو جو سر کی طرف سے منہ کو آتا تھا اگر نگل جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور اسی طرح اگر منہ میں کُلّی کے بعد کچھ تری رہ گئی اُس کو تھوک کے ساتھ نگل گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے اور ایسے ہی اگر دانتوں میں سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا اور وہ اُس کو نگل گیا تو اگر تھوک زیادہ تھا اور خون کا مزہ معلوم نہیں ہوا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر خون زائد تھا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اُسپر قضا لازم ہے کفارہ نہیں آتا اور ایسے ہی اگر وہ دونوں برابر ہوں تو بھی احتیاطاً روزہ فاسد ہے اور اگر دانتوں میں کچھ رہ گیا تھا اُس کو نگل گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا بشرطیکہ وہ چیز تھوڑی ہو اسلئے کہ وہ تھوک ہی میں شامل ہے۔ اور اگر زیادہ ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی کفارہ نہ لازم آئے گا اور چنے کے برابر اور اس سے زیادہ بہت میں داخل ہے اور اس سے کم قلیل میں شامل ہے اور آنسو اور چہرہ کا پسینہ اگر منہ میں چلا گیا اور یہ اُس کو نگل گیا تو اگر تھوڑا جیسے قطرہ دو قطرہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بہت تھا کہ اُس کی شوریت تمام منہ میں معلوم ہو تو روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے نہ کفارہ اور ایسے ہی اگر رنگا ہوا ابریشم منہ میں ڈالا اور اس کا رنگ نکل کر تھوک میں مل گیا اور اُس کو وہ نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی کفارہ نہیں اور ایسے ہی اگر ایسی چیز نگل گیا جو عادۃً نہ غذا ہے نہ دوا مثلاً مٹی پتھر وغیرہ تو روزہ جاتا رہے گا اور اُسپر قضا لازم آئے گی نہ کفارہ۔

اور قنیہ میں فقیہ ابو جعفرؒ سے منقول ہے کہ جو شخص رمضان میں مٹی یا کنکر سے گناہ کے طور پر بار بار روزہ توڑے تو اُسپر دھمکی کے طور سے کفارہ بھی ہے اور اوروں نے بھی لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور اسی کو تمام دنیا کے علماء نے اختیار کیا ہے۔ اور اسمیں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر پیشہ ور محتاج یہ جانے کہ اگر وہ اپنے پیشہ میں مشغول رہیگا تو اُسے ماندگی ہو جائے گی جس کی وجہ سے روزہ توڑ ڈالنا جائز ہے تو بیماری سے پہلے روزہ توڑنا اُسپر حرام ہے اور یہ بھی اسمیں لکھا ہے کہ نان پز کو یہ جائز نہیں ہے کہ اتنی روٹیاں پکائے جس سے اتنا ضعف ہو جائے کہ جس سے روزہ توڑنا مباح ہو۔ بلکہ آدھے دن پکائے اور آدھے دن آرام کرے اور اُسی میں یہ بھی بیان ہے کہ جس نے اپنی جان کسی کام میں اتنی مشقت میں ڈالی کہ اُس کو شدت سے پیاس لگ آئی اور روزہ توڑ ڈالا تو اُسپر کفارہ لازم ہے کیونکہ یہ مسافر نہیں مریض

ہے بخلاف لونڈی کے کیونکہ لونڈی کو اگر اپنے مالک کے کام کرنے سے ضعف ہو جانے اور اپنی جان کے خوف سے روزہ افطار کر ڈالے تو اُسپر صرف قضا آئے گی کفارہ نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر بی بی ایسی حالت میں افطار کر ڈالے تو اُس پر صرف قضا ہے نہ کفارہ۔ اس لئے کہ اس پر دیانۃً واجب ہے کہ گھر کے اندر کے سب کام کرنا روٹی پکانا کپڑے دھونا وغیرہ سب کیا کرے یہاں تک کہ اگر اُنہیں سے کوئی کام نہ کریگی تو گنہگار ہوگی اگرچہ اسپر قاضی جبر نہ کریگا۔ اور ایسے ہی غلام یا خادم جو نہر کے بند کرنے یا اُس کے کھودنے یا فصیل کی درستی کے لئے جائے اور اُس پر حاکم کیطرف سے وہ مقرر ہے اور گرمی تیز ہو گئی اور جان جانے کا خوف ہو گیا تو یہ اگر افطار کر ڈالے تو اُس پر قضا لازم ہے نہ کفارہ۔ اور جس نے

وہ صورتیں جن میں قصداً روزہ توڑنے سے صرف قضا آئے گی

قصداً روزہ توڑ دیا جسکی وجہ سے اُسپر کفارہ لازم آیا لیکن اسی دن بیمار ہو گیا تو کفّارہ اُس کے ذمّہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی عورت اگر قصداً روزہ توڑ ڈالے اور اس پر کفارہ لازم آئے پھر اُسی دن حائضہ ہو جائے تو اُس کے ذمّہ سے بھی کفّارہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ کفّارہ حیض یا بیماری کے آنیسے ساقط ہو جاتا ہے اور جس نے دن کے اوّل وقت میں قصداً روزہ توڑ ڈالا حتیٰ کہ کفارہ لازم آیا پھر اپنے اختیار سے اُس نے سفر کیا تو کفارہ اُس سے ساقط نہیں ہو گا اور اسی طرح اگر بادشاہ نے اُس کو سفر پر مجبور کیا تو ظاہر روایت میں یہی ہے کہ اُس سے کفارہ ساقط نہیں ہو گا۔

اور جس نے رمضان کے دن میں سفر کیا تو اُس کو جائز نہیں کہ اس دن افطار کرے اسلئے کہ اُس پر وجوب ثابت ہو چکا ہے تو اب وہ اُس کام سے جس کو اُس نے اپنے اختیار سے کیا ہے ساقط نہیں ہو گا۔ اور اگر افطار کر ڈالیگا تو اُسپر قضا آئے گی نہ کفارہ۔ اور اگر ابھی افطار نہیں کیا تھا کہ اس کو کوئی چیز یاد آئی جو گھر میں بھول آیا ہے۔ پس وہ گھر لوٹ آیا اور کچھ کھا کر روانہ ہوا تو اُس پر قضا اور کفارہ دونوں ہیں کیونکہ کھانے کے وقت وہ مقیم ہے کیونکہ گھر کی طرف لوٹنے سے اُس کا سفر جاتا رہا اور اگر مسافر کو معلوم ہو جائے کہ آج ہی میں اپنے گھر پہنچ جاؤں گا تو اُس کو افطار کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس روز سفر اور قیام دونوں آملے ہیں لہٰذا قیام کا پہلو غالب رہے گا۔

اور جسکو قصداً قے ہو گئی منہ بھر ہو خواہ کم تو روزہ نہیں جاتا فرض ہو یا نفل، کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس کو خود قے آگئی اس پر قضا نہیں ہے اور اگر آپ سے قے کی تو اگر منہ بھر ہے تو اُس کا روزہ جاتا رہیگا کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے آپ سے قے کی تو اُسپر قضا ہے اور اگر منہ بھر کے نہ ہو تو بھی امام محمدؒ کے نزدیک ظاہر حدیث کو دیکھتے ہوئے اُس کا روزہ پھر بھی ٹوٹ جاتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ نہیں جاتا۔

اور روزہ دار کو چاہیئے کہ استنجے سے طہارت کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے نہ زور سے سانس لے

اور جب تک استنجے کے مقام کو کپڑے سے بخوبی نہ پونچھ لے اُس وقت تک اپنی جگہ سے کھڑا نہ ہو تاکہ پانی اندر جا کر روزہ نہ جاتا رہے۔ کیونکہ جس نے بہت مبالغہ سے استنجا کیا یہاں تک کہ حقنہ کی جگہ پہنچ گیا تو روزہ جاتا رہیگا لیکن کفارہ لازم نہ آئے گا یہ روزے کے احکام ہیں ﴿

اٹھائیسویں مجلس تراویح کی کیفیت اور اُسکی فضیلت کے بیان میں

رمضان کی رات میں قیام سے مُراد | رمضان کی راتوں میں قیام سے تمام رات یا رات کے کچھ حصہ میں جاگ کر تراویح پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام صحابہؓ کو رمضان میں شب بیداری کے لئے ترغیب دیا کرتے تھے لیکن عزیمت کا حکم نہیں فرماتے تھے اور یوں ارشاد فرماتے تھے کہ "جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کے خاطر جاگتا رہے گا اُس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائینگے" یعنی جو شخص رمضان کی راتوں میں اس کو حق اور سنت سمجھ کر اللہ کی رضامندی اور ثواب کے غرض سے نہ لوگوں کی مذمت کے خوف یا ان کی شرما شرمی سے نماز پڑھتا رہے گا اُس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور ان دونوں شرطوں سے کوئی عمل خالی نہیں خواہ فرض ہو یا نفل کیونکہ

قبولِ عمل شرائط | یہ دونوں ہر عمل کے قبول ہونے کے لئے شرط ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بغیر ان کے کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور ان دونوں کے بعد ایک شرط اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے موافق ہو اسلئے کہ اگر عمل خلافِ سنت ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرے گا۔ اور تراویح

تراویح اور اس کی نماز کا حکم | میں سنت یہی بات ہے کہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھی جائے۔ لیکن سنت کفایہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک مسجد کے سب لوگ اس کو ترک کر دیں تو سب گنہگار ہوں گے اور تارکِ سنت سمجھے جائیں گے۔ اور اگر بعض نے جماعت سے مسجد میں پڑھی اور بعض نے گھر میں پڑھ لی تو یہ نہ آنیوالے فضیلت کے ترک کرنیوالے تو ضرور ہونگے لیکن نہ گنہگار ہوں گے اور نہ تارکِ سنت۔ کیونکہ بعض صحابہؓ سے جماعت میں نہ آنا بھی مروی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جو شخص تراویح کو جماعت کیساتھ اپنے گھر میں مع رعایت سنت کے ادا کرنے پر قادر ہو تو اُس کو گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ گھر کی جماعت کی اور فضیلت ہے اور مسجد کی جماعت کی اور فضیلت ہے، تو اُس نے ایک فضیلت تو لے لی اور زیادہ فضیلت چھوڑ دی کیونکہ مسجد کی جماعت ترک کی۔ اور خلاصہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہی جواب فرائض میں ہے۔

اور نفس تراویح تو ہر شخص پر سنت مؤکدہ ہے خواہ عورت ہو خواہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک پچھلے لوگ اگلوں سے یہی دیکھتے چلے آتے ہیں اس لئے ان کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔

اور اس پر دلیل وہ روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ٹاٹ کا ایک حجرہ بنایا تاکہ اُسکے اندر سنتیں پڑھا کریں۔ اور آپؐ حجرہ سے نکل کر لوگوں کو جماعت سے تراویح پڑھاتے تھے۔ آپؐ نے تین رات ایسا ہی کیا۔ جب چوتھی رات ہوئی تو اسقدر کثرت سے لوگ جمع ہوگئے کہ مسجد میں جگہ باقی نہ رہی جب آپؐ نے لوگوں کی اتنی رغبت دیکھی تو آپؐ فرض پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور پھر نہ نکلے اور یہ لوگ آپ کے آنے کے منتظر بیٹھے رہے اور یہ گمان کیا کہ آپؐ سو گئے۔ پس کوئی تو کھنکھارنے لگا تاکہ آپؐ باہر تشریف لائیں۔ اور کوئی کہتا تھا کہ نماز تیار ہے۔ پس آپؐ باہر نکلے اور فرمایا کہ میں تمہارا یہ شوق برابر دیکھتا رہا حتیٰ کہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر تم پر فرض ہو جائے گی تو ادا نہ کرو گے۔ پس اے لوگو اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ فرض کے سوا اور نمازیں گھر ہی میں پڑھنا افضل ہیں۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اسی طرح تراویح کا رواج رہا۔

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کل زمانۂ خلافت اور حضرت عمرؓ کے شروع زمانۂ خلافت میں یہی حال رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب یہ دیکھا کہ لوگ مسجد میں الگ الگ تراویح پڑھتے ہیں تو آپؓ نے یہ حکم دیا کہ جماعت سے پڑھا کرو۔ اور ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ سے فرمایا کہ تم امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرو۔ سو ان دونوں نے جماعت سے نماز پڑھائی۔ اور بہت سے اصحابؓ اس وقت موجود تھے اُن میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور عباسؓ اور ابن عباسؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور معاذؓ، ان کے علاوہ اور مہاجرین و انصارؓ موجود تھے اور ان میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ سبھوں نے ساتھ دیا اور موافقت کی اور اسی کا حکم دیا اور سب اسی طرح پڑھتے رہے۔ یہانتک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور آپؓ کے لئے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ ”خدا عمرؓ کی قبر روشن کرے جیسے کہ انہوں نے ہماری مسجدیں روشن کر دیں“۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے طریقے اور خلفائے راشدین جو میرے بعد ہوں گے اُن کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اور تراویح بیس رکعتیں ہیں اور ان میں سے ہر چار رکعت کو مجازاً ترویحہ کہتے ہیں۔

اور تراویح بیس رکعتیں ہیں

کیونکہ ان کے آخر میں ترویحہ ہوتا ہے اور یہ بیٹھنے کا نام ہے اور اس کو ترویحہ اس لئے کہتے ہیں کہ صحابہؓ ہر چار رکعت کے بعد نمازیں دیر تک قیام کرنے کی وجہ سے آرام کیا کرتے تھے اور ہر ترویحہ میں دو دو سلام ہیں تو کل دس سلام اور پانچ ترویحے ہوئے اور امام اور مقتدی افتتاحی تکبیر کے بعد سبحانک اللھم سے آخر تک پڑھا کریں۔ اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کے برابر بیٹھا کریں۔ اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان میں۔ کیونکہ صحابہؓ کے وقت سے آجتک یہی معمول ہے اور انتظار کے وقت میں اُن کو اختیار ہے چاہیں سبحان اللہ پڑھیں چاہیں لا الٰہ الا اللہ پڑھیں اور چاہیں چپ رہیں۔ ان میں سے جو کام کریں اختیار ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا

دو ترویحوں کا درمیانی وقفہ اور اُسکا حکم

ارشاد ہے کہ نماز کا منتظر گویا نماز ہی میں ہے۔

اور اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان میں بیت اللہ کا سات سات پھیرے طواف کرتے تھے اور دو رکعتیں طواف کی پڑھتے تھے اور مدینہ والے اُس وقت میں چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پھر سمجھو کہ تراویح میں افضل یہ ہے کہ نصف رات ترویحوں اور نمازوں میں گذار دے اور تہائی رات کے بعد شروع کرنا مستحب ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ اس کا وقت بعد عشاء کے آخر شب تک ہے۔

تراویح کا افضل وقت

وتر سے پہلے ہو یا پیچھے، کیونکہ تراویح نفلیں ہیں اور بعد فرائض عشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور آیا اس کی ضرورت ہے کہ تراویح کے ہر دوگانہ میں نیت کی جائے۔ اس کے متعلق بعض تو کہتے ہیں کہ ضرورت ہے کیونکہ ہر دوگانہ علیحدہ نماز ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی ضرورت نہیں اسلئے کہ سب بمنزلہ ایک نماز کے ہے۔ اور اگر فوت ہو جائیں تو مطلقاً قضا نہیں ہے نہ جماعت سے نہ بدوں جماعت کے۔ کیونکہ قضا تو فرض ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور جس شخص نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی اس کو جائز ہے کہ امام کے ساتھ تراویح پڑھ لے۔ اور اگر سارے لوگوں نے فرض میں جماعت چھوڑ دی ہے تو پھر وہ سب تراویح جماعت سے نہ پڑھیں اور جس نے تراویح امام کے ساتھ نہیں پڑھی اُس کو جائز ہے کہ وتر جماعت سے پڑھ لے۔ اور اگر تراویح دو اماموں کے پیچھے پڑھی اور ہر امام نے ایک ایک دوگانہ پڑھایا تو بعضے کہتے ہیں درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ مستحب کے خلاف ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ ہر امام کم از کم ایک ترویحہ پڑھے۔ جب تراویح کا دو اماموں کیساتھ اسطرح پر پڑھنا جائز ہوا تو یہ بھی جائز ہے کہ ایک امام فرض پڑھائے اور دوسرا تراویح۔ اور امام کو اس زمانہ میں ادنیٰ حد سنت سے زیادہ قرأت کو طول دینا اور ذکر کی اتنی درازی کہ لوگ اکتا جائیں مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ کام جماعت سے لوگوں کو نفرت دلانے کا سبب ہے اور جماعت سے نفرت دلانا مکروہ ہے۔ لیکن یہ بھی مناسب نہیں کہ سنت کی ادنیٰ مقدار سے بھی قرأت اور تسبیح میں اُن کے ملال کے خیال سے کمی کرے کیونکہ اس میں وہ معذور نہیں ہے اور کم سے کم مقدار جس سے تسبیحات رکوع وسجود میں سنت ادا ہو جائے تین بار ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس وقت تم میں سے کوئی رکوع کرے تو چاہیئے کہ تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے اور جب سجدہ کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے اور یہ بھی ادنیٰ مقدار ہے اور اس سے مُراد یہ ہے کہ حصولِ سنت کی ادنیٰ مقدار ہے اسی لئے تین سے گھٹانا مکروہ ہے اور اسی طرح امام کو ایسی جلدی کرنا بھی مکروہ ہے کہ لوگ کم سے کم مقدارِ سنت رکوع وسجود کی تسبیحات میں پورا کرنے اور قرأت وتشہد کی تکمیل سے عاجز رہیں بلکہ امام تشہد پر کچھ زیادہ کرے اور نبی علیہ السّلام پر درود پڑھے بشرطیکہ جانتا ہو کہ جماعت کے لوگوں پر گراں نہ

تراویح کی نیت

تراویح کی قضا نہیں

عشاء کی نماز تنہا پڑھنے والا تراویح جماعت سے پڑھ سکتا ہے

دو اماموں کے تراویح پڑھانے کا طریقہ

تراویح میں قرأت کی حد

گذرے گا اور اگر یہ جانے کہ یہ درود ان پر گراں گزریگا تو نہ پڑھے بلکہ چھوڑ دے لیکن بالکل نہ چھوڑ دے بلکہ اسمیں اتنا پڑھنے پر اکتفا کرے اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کیونکہ درود اگرچہ ہمارے مذہب میں سنت ہے لیکن وہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور اتنی مقدار سے دونوں قول ادا ہو جاتے ہیں۔

اور مقتدی کو یہ مکروہ ہے کہ تراویح کے وقت بیٹھا رہے اور جب امام رکوع کرنے لگے تو کھڑا ہوکر شامل ہوجائے کیونکہ اس میں نماز میں سستی کا ظاہر کرنا اور منافقوں سے مشابہت ہے جنکی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو جی ہارے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں ایسے ہی جب نیند غلبہ کرے تو اونگتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ اس کو چاہیئے کہ چلا جائے اور سو رہے۔ جبتک کہ ہوشیار نہ ہو نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھنے میں سستی اور غفلت اور ترک تفکر ہے۔ پھر اگر تمام قعدہ میں سوتا رہا تو جب ہوشیار ہو تو اسپر فرض ہے کہ بقدر تشہد بیٹھا رہے اور اگر اتنی دیر نہ بیٹھا رہیگا تو نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ نیند کی حالت کے افعال بے اختیار سرزد ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ان کا تو ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں اور یہ مسئلہ اکثر واقع ہوتا رہتا ہے اور خصوصاً گرمی کی راتوں میں لیکن لوگ اس سے غافل ہیں۔ پھر مقدار قرأت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ ہر دوگانہ میں اتنا پڑھے جتنا مغرب کی نماز میں پڑھا جاتا ہے یعنی قصار مفصل میں سے پڑھے اور وہ سورۂ لم یکن الذین سے لے کر آخر قرآن تک ہے کیونکہ نفل فرضوں سے ہلکے ہوتے ہیں اور اسلیئے فرائض میں سب سے ہلکے فرضوں پر قیاس کیا جائے گا اور وہ مغرب ہے۔

تراویح میں مقدار قرأت

اور یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اتنی مقدار سے ختم نہیں ہو سکتا، اور تراویح میں ایک ختم کرنا سنت ہے لوگوں کی سستی کی وجہ سے ختم چھوڑیں نہیں، یہانتک کہ اگر امام رمضان بھر میں سارا قرآن شریف اس خیال سے کہ لوگ تراویح کی قرأت سے اکتا نہ جائیں ختم نہیں کریگا تو ان کو نماز کا ثواب ہوگا اور ختم قرآن کا ثواب نہ ہوگا۔

اور بعضے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں افضل یہ ہے کہ امام لوگوں کی رغبت اور نفرت کے حال کیموافق پڑھے۔ یعنی اتنا ہی پڑھے کہ لوگوں کو جماعت سے نفرت کا موجب نہ ہو۔ کیونکہ جماعت کا بڑھانا قرأت کے بڑھانے سے بہتر ہے لیکن سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ہی دو آیت پر اکتفا نہ کرے کیونکہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت سورۂ فاتحہ کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔

اور تجنیس میں مذکور ہے کہ بعض لوگوں نے سورۂ فیل سے آخر قرآن تک دو مرتبہ پڑھنے کی عادت کر لی ہے یہ اس زمانہ میں بہت بہتر ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ سے روایت ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان میں مذکور ہے کہ اگر اپنے زمانہ کے لوگوں کا حال نہ جانے تو وہ جاہل ہے کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں

کی طبیعتیں سمٹی ہوئی بدشواری طاعت قبول کرنیوالی ہوتی ہیں اگر سیدھی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو اختیار نہیں کرتے اور گمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اُس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے تراویح کو عادت بنا رکھا ہے نہ کہ عبادت جس سے قربِ الٰہی حاصل کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرات وغیرہ کی تراویح میں شرط کی ہے اُس طرح ادا کریں اور اس وجہ سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ نہیں کرتا اور قرآن کو صاف صاف جیسا کہ خدا کا حکم ہے، نہیں پڑھتا، بلکہ نہایت جلدی کے سبب بعضے حروف یا حرکات کے رہ جانے سے کھلا ہوا غلط ہوتا ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے۔ اور فتاویٰ میں مذکور ہے کہ اگر

غلط پڑھنا حرام ہے اور غلط خواں امام کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا سکتے ہیں

امام غلط خواں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ آدمی اپنی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے اور وہ اس سے گنہگار نہ ہو گا کیونکہ اسکا مقصود پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ کے اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی عذر سے مسجد محلہ کو چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اب اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر مسجد محلہ میں جانا چھوڑ کر اُس مسجد کی طرف دوڑتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام چاہتے ہیں جو ٹھیک طور سے رکوع سجدہ نہیں کرتا اور نہ قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر صحیح طور سے پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع سجدے کرتا ہے اور قرآن ٹھیر ٹھیر کر پڑھتا ہے اور اُس سے بھاگتے ہیں اور اُن لوگوں میں شامل ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل ٹھہرالیا ہے اور دنیاوی زندگی نے اُن کو دھوکہ دیا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔ اور

تراویح میں تعدیلِ ارکان کی خلاف ورزی موجب خسارہ ہے

یہ یقینی ہے کہ جو شخص قومہ اور جلسہ اور اطمینان کو چھوڑ کر جس کی مقدار دونوں میں ایک تسبیح کے برابر مقرر ہے تراویح پڑھے گا تو وہ گنہگار عذاب جہنم کا مستحق ہے کیونکہ یہ سب چیزیں امام ابویوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں یہانتک کہ اُن کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک ایک روایت میں واجب ہیں یہاں تک کہ اُن کے چھوڑ دینے سے نماز دُہرانا واجب ہوتی ہے۔ اور دوسری روایت میں سنت ہے اور اس روایت کے بموجب ان کا ترک کرنے والا خفگی اور شفاعت سے محرومی کا مستحق ہو کر اُن لوگوں میں سے ہوگا جن کی کوشش دنیا میں اکارت ہوتی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں اور وہ اُن لوگوں میں سے ہوں گے جن کو خدا کی طرف سے وہ بات پیش آئی جس کا اُن کو گمان نہ ہوتا تھا۔ اور یہ کھلا خسارہ اور بڑا نقصان ہے۔ پھر یہاں ایک نکتہ ہے جس

تعدیلِ ارکان میں کوتاہی کی صورتیں اور ان کا گناہ

سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ جسمیں انصاف اور

حق کی جانب میلان ہو وہ نصیحت حاصل کرے اور وہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں ایک قومہ اور ایک جلسہ ہے اور ان دونوں میں اطمینان درکار ہے اور ان میں سے ایک کا چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔ پس اگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی طمانیت جاتی رہی تو شمار میں بیس گناہ ہوں گے اور اگر دونوں میں اطمینان نہ ہوا تو چالیس گناہ ہوں گے اور اگر وہ دونوں خود بھی چھوٹ گئے تو سب گناہ اسی ہوئے اور اگر اس کے ساتھ اظہار کا گناہ بھی ملالیں تو سب مل کر ایک سو ساٹھ گناہ ہو جائینگے۔ اور اگر اس کا دوبارہ نہ پڑھنا جو کہ واجب ہے ملالیا جائے تو سب مجموعہ ایک سو اسی گناہ ہونگے۔ باوجودیکہ ان مذاکرات کا ترک کرنا اس کا سبب بھی ہو جاتا ہے کہ ذکر انتقالات کے وقت مشروع ہیں وہ تمام انتقال کے بعد کئے جائیں اور انتقالات کے وقت مقرر کئے ہوئے اذکار کو تمام انتقال کے بعد ملانے میں دو قباحتیں ہیں ایک تو ان کو ان کے موقع پر نہ کرنا دوسرے بے موقع کرنا تو اب ہر رکعت میں چار مکروہ ہوئے اور اس سے چار سنتوں کا ترک لازم آتا ہے کیونکہ جس نے قومہ یا اس کے اطمینان کو چھوڑ دیا تو سمع اللہ لمن حمدہ اور اللہ اکبر جھکتے وقت واقع ہوگا بلکہ اللہ اکبر سجدہ کے بعد واقع ہو گا۔ اور سنت یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہے اور اللہ اکبر سجدہ کے لئے جھکتے وقت۔ اسی طرح اگر جلسہ یا اس کا اطمینان چھوڑ دیا جائے تو پہلی تکبیر کا کچھ حصہ جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ دوسری تکبیر کا کچھ حصہ سجدہ میں جانے کے بعد پڑھے گا۔ حالانکہ سنت پہلی تکبیر کا سر اٹھاتے وقت کہنا ہے اور دوسری تکبیر کا جھکتے وقت۔ تو اب مکروہات کا شمار تمام رکعتوں میں اسی ہو جائے گا جس سے اسی سنتوں کا چھوڑنا لازم آئیگا۔ اور جب ان مکروہات کے اظہار کا گناہ بھی اسمیں شامل کریں کیونکہ مکروہ کا ظاہر کرنا بھی مکروہ ہے سو اب مجموعہ ایک سو ساٹھ مکروہات اور ایک سو ساٹھ سنتوں کا ترک ہوا۔ کیا وہ غافلوں میں شمار کیا جا سکتا ہے جو رمضان کی راتوں میں ہر رات ایک سو اسی گناہ اور ایک سو ساٹھ مکروہ کام صرف تراویح میں کرتا ہو اور ایک سو ساٹھ سنت چھوڑتا ہو۔ کیونکہ ہر سنت کے چھوڑنے میں ایک خاص عتاب اور شفاعت سے محرومی ہے۔ پس کیا کوئی عاقل اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ اپنے کو رسول رب العالمین کی شفاعت سے محروم کر دے جس کے تمام خلق اللہ حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء اور صلحاء امیدوار اور خواستگار ہیں۔

اللہ سے ہماری دعا ہے کہ خدا ہم کو محروم لوگوں میں سے نہ کرے۔

انتیسویں مجلس اسمیں کہ سحری کھانے میں دیر اور افطار میں جلدی کرنا افضل ہے

رمضان میں سحری کھانے کا حکم | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے"۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت انس رض ہیں اور اسمیں

محدثین کے نزدیک سحور میں سین کا زبر محفوظ ہے اور وہ اُس کھانے کا نام ہے جو سحور کے وقت جو کہ آخر رات کا وقت ہے کھاتے ہیں۔ یعنی اُس کے آخری چھٹے حصّے میں کھایا جاتا ہے۔ سو اس میں ایک مضاف محذوف کی ضرورت ہے اور واقع میں عبارت یوں سمجھنی چاہیئے کہ "سحور کے کھانے میں برکت ہے"۔ کیونکہ برکت اُس کھانے میں نہیں ہے جو کھایا جاتا ہے بلکہ سنت کے ادا کرنے میں ہے اور لفظ "سحور" میں سین کا پیش بھی جائز ہے اور اب یہ صیغہ مصدر کا ہوگا اور اس وقت مضاف کے ماننے کی ضرورت نہیں اور معنےٰ یہ ہوں گے کہ سحر کے وقت کھانا کھانے میں برکت ہے۔

اور یہاں برکت سے مراد یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی قوت زیادہ ہو۔ اور حضرت رسول اللہؐ کا یہ فرمان کہ دن کے سونے سے نماز کے لئے رات کے جاگنے پر اور سحری کھانے سے دن کے روزہ پر مدد چاہو دلیل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے آخرت میں ثواب کا زیادہ ملنا مراد ہو اور حضور علیہ السلام کا تسحروا کہنا امر کا صیغہ ہے اور امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے تو سحری یعنی فجر کے وقت کچھ کھانا مستحب ہوگا اور

مسلمانوں اور اہل کتاب کے روزہ میں سحری کھانے کا ہی فرق ہے

عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے روزہ میں اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق صرف سحری کھانے کا ہے اور اکلہ پیش کے ساتھ لقمہ کو کہتے ہیں یعنی جو لقمہ کہ سحر کے وقت کھایا جاتا ہے یہی ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق ہے کیونکہ اللہ نے ہمارے لئے رمضان کی راتوں میں اُن چیزوں کو حلال کر دیا ہے جو اُن پر حرام تھیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اپنے دین کے متغیر ہونے اور اپنی شریعت کے

ابتدائے اسلام میں رات کو سونے کے بعد کھانا حرام تھا

بدل جانے سے پیشتر روزوں کی راتوں میں اگر سو جاتے تو کھانا پینا جماع ان پر حرام ہو جاتا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں بھی یہی حکم تھا بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ہم کو جب تک صبح نہ ہو ان چیزوں کی اجازت مل گئی۔ اور اس منسوخ ہونے

رات کو کھانے وغیرہ کی ممانعت کی منسوخی کا سبب

کے دو سبب ہیں ایک تو وہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے سونے کے بعد جماع کیا پھر اس فعل پر نادم ہوئے اور نبی علیہ السلام کے پاس آکر عذر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی "تم کو روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے بے پردہ ملنا حلال کیا گیا ہے"۔ اور اُن کی لغزش تمام امت کے حق میں رحمت ہو گئی۔

اور دوسری وہ جو قیس ابن حرمتؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے روزہ رکھا اور افطار کے وقت کوئی چیز نہ پائی جس سے روزہ کھولتے۔ ان کی بیوی کھانے کی تلاش میں گئیں۔ اتنے میں ان پر نیند غالب آئی اور سو گئے۔ بیوی کھانا اُس وقت لائی جب کھانا اُن پر حرام ہو گیا اور یہ کھانے کا وقت گذر جانے کے بعد بیدار ہوئے اور کچھ نہ کھایا جب دوسرے دن دوپہر کے وقت اُن کو غش آگیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے اُن سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے تو انہوں نے سارا قصّہ سنایا۔ اُس وقت یہ حکم نازل ہوا کھاؤ اور پیو یہاں تک

کہ تم کو ظاہر ہو سیاہ دھاری میں سے سفید دھاری فجر کی" اور جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کی راتوں میں سونے کے بعد یہ چیزیں حلال کر دیں تو پیغمبر علیہ السلام نے سحری کھانے کی بھی ترغیب دی اور فرمایا کہ سحری کھایا کرو اسلئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے اور بیان فرمایا کہ ہمارے روزہ اور اہل کتاب کے روزوں میں یہی فرق ہے اور اسی لئے مستحب ہوگیا۔ اور جس کو سحری کھانے کی ضرورت نہ بھی ہو اُس کو بھی مستحب ہے کہ کچھ تھوڑا کھا لیا کرے اگرچہ ایک چھوہارا یا ایک انجیر یا ایک گھونٹ پانی ہی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر عمل اور سحور کی برکت غنیمت جان کر کھالے۔ اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا بھی اُس حدیث کی بنا پر مستحب ہے کہ مروی ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین باتیں پیغمبروں کی عادت ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ اور سحری کھانے میں دیر کرنا اور مسواک کرنا۔

سحری کھانے میں تاخیر مستحب ہے

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ سحری میں تاخیر پیغمبروں کی عادتوں میں سے کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ یہ تو ہماری اُمّت کے لئے مخصوص ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سحری سے مُراد دوبارہ کھانا ہے۔ کیونکہ یہ اُن کے حق میں بجائے سحری کھانے کے تھا۔ اور ایک حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہمیشہ میری اُمت بھلائی پر رہے گی جب تک کہ سحر میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرتی رہے گی۔ لیکن اتنی دیر نہ کرنی چاہیئے کہ صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو جائے۔ کیونکہ جب کسی کو صبح ہو جانے کا شک ہو تو بہتر یہ ہے کہ حرام میں مبتلا ہونے سے احتراز کے لئے نہ کھائے اور اگر کھا لیا تو روزہ ٹھیک ہی ہوگا کیونکہ اصل تو رات کا باقی رہنا ہے اور شک سے اصلیت نہیں جاتی۔

تاخیر سحری کا صحیح مفہوم

اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اگر ایسے مقام پر ہو جہاں صبح صاف معلوم ہو جاتی ہے تو شک پر کچھ توجہ نہ کرنی چاہیئے اور اگر ایسے مقام پر ہے جہاں فجر صاف معلوم نہیں ہوتی یا چاندنی رات ہو یا بدلی ہو یا اس کی نگاہ میں کچھ فرق ہو تو شک کی صورت میں کھانے سے گنہگار ہوگا۔ کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے "شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ دو اور اس کو لو جس میں تم کو شک نہیں۔ اور اگر اُس کو گمان غالب یہ ہو کہ طلوع صبح کے وقت کھایا تھا تو اس میں احتیاط ہے کہ غالب گمان پر عمل کرتے ہوئے اس دن کی قضا رکھ لے کیونکہ جو اُمور احتیاط پر مبنی ہوتے ہیں ان میں گمان غالب یقین کے مثل ہے لیکن از روئے ظاہر روایت اُس پر قضا نہیں ہے کیونکہ یقین یقین کے بغیر نہیں جاتا اور رات کا باقی ہونا اصل ہے۔ اور اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ فجر ضرور ہو گئی تھی تو اُس پر قضا لازم ہے اور کفارہ اس پر نہیں کیونکہ یہ امر اصل یعنی رات کے باقی رہنے پر مبنی ہے یہ سب تو سحری کے احکام تھے۔ اب رہا افطار سو اس میں جلدی کرنا مستحب ہے کہ ستارے نکلنے سے پہلے ہو۔ کیونکہ سہل بن سعد سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے

طلوع صبح کا گمان غالب ہو یا یقین ہو جائے تو روزہ کی قضا ہو گی

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے

فرمایا ہے کہ لوگ جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ یعنی جب تک لوگ اس خصلت کا خیال رکھیں گے بھلائی پر رہیں گے اور جب اس کو چھوڑ دیں گے تو اُن کی بھلائی کم ہو جائے گی۔

کیونکہ سنت تو یہ ہے کہ روزہ دار افطار میں جبکہ ثابت ہو جائے کہ آفتاب ڈوب چکا، نماز سے پہلے جلدی کرے کیونکہ اہل کتاب افطار میں ستارے چھٹکنے تک تاخیر کرتے تھے پھر ہمارے مذہب میں یہ بدعتیوں کا شعار اور اُن کی علامت ہو گئی اور اُن کی مخالفت کے لئے افطار میں جلدی مستحب ہوئی۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندوں میں میرا زیادہ محبوب افطار میں جلدی کرنیوالا ہے" پس جو شخص افطار میں زیادہ جلدی کرتا ہے، وہی اللہ کا زیادہ محبوب ہے کیونکہ وہی نبی کی شریعت کا ماننے والا اور مخالف شریعت سے منہ پھیرنے والا ہے نیز یہ کہ جب نماز سے پہلے افطار کرلیگا تو نماز حضورِ قلب اور اطمینان سے ادا کریگا پس جس شخص کی یہ حالت ہو وہ اللہ کا اُس شخص سے زیادہ محبوب ہے جس کا یہ حال نہ ہو۔ اور مناسب ہے

چھوہارے اور پانی سے روزہ افطار کرنے کی فضیلت

کہ چھوہارے یا اور کوئی چھوہارے جیسی میٹھی چیز سے افطار کرے مثلاً انجیر یا منقہ اور اگر یہ نہ ملے تو پانی پر۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نماز سے پہلے چند تازہ چھوہاروں پر روزہ کھولتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو کئی گھونٹ پانی پی لیتے تھے اور آپ نے فرمایا ہے کہ "جب تم میں سے کوئی افطار کرے تو چھوہارے پر افطار کرے کیونکہ یہ برکت ہے اور اگر نہ ملے تو پانی سے کھول لے کیونکہ یہ پاک ہے"۔ اور افطار کے وقت

افطار کے وقت دعا کی خصوصی مقبولیت

اپنے بڑے بڑے اہم کاموں کے لئے دعا کرے کیونکہ وہ وقت ایسا ہے جس میں دعا کے قبول ہو جانے کا گمان ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب افطار کرتے تو فرماتے خدایا میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیرے ہی رزق پر میں نے روزہ کھولا۔ اور وقت افطار کا وہ ہے جو کہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام

افطار کا مستحب وقت

نے فرمایا ہے کہ "جب رات یہاں سے شروع ہو اور دن اُس مقام سے چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو یہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مقام پر اسم اشارہ لائے ہیں۔ پہلا اشارہ پورب کی طرف ہے، کیونکہ رات کا اندھیرا پہلے پورب ہی سے شروع ہوتا ہے اور رات مشرق کی طرف سے تاریکی ظاہر ہونے کا نام ہے۔ اور دوسرا اشارہ پچھم کی طرف ہے۔ کیونکہ دن کی روشنی جو سورج سے حاصل ہوتی ہے اُسی طرف کو جاتی ہے اور دن سورج کے باقی رہنے کا نام ہے اور جب ڈوب جائے تو دن رخصت ہو جاتا

ہے اور اس بنا پر آفتاب کا چھپ جانا اس قول ادبر النہار سے معلوم ہو گیا کیونکہ ادبار کے معنی چلے جانے کے ہیں اور غربت الشمس کہنے کی حاجت نہ رہی لیکن یہ لفظ کمال غروب کے بیان کرنے کے لئے لائے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کچھ آفتاب ڈوب جانے پر افطار جائز ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب کا غروب خوب پورا اور کامل ہو جائے تو روزہ دار کے لئے افطار کا وقت آگیا اب اس کو افطار جائز ہی نہیں بلکہ جلدی کرنا مستحب ہے لیکن ابر کے دن جلدی مستحب نہیں بلکہ جبتک غروب کا غالب گمان نہ ہو جائے، افطار نہیں کرنا چاہیے اگرچہ مغرب کی اذان ہو چکی ہو اور آفتاب کے ڈوبنے میں شک ہو تو افطار جائز نہیں کیونکہ دن کا باقی رہنا اصل ہے۔ اور اگر روزہ کھول ڈالا تو قضا رکھنی ہو گی خصوصاً جبکہ افطار کرتے وقت غالب رائے یہی ہو کہ میں نے قبل از غروب افطار کر لیا ہے تو

غلطی سے قبل از غروب روزہ کھولنے پر قضا واجب ہے

اصل یعنی دن کے باقی رہنے پر عمل کرتے ہوئے قضا واجب ہو گی، بخلاف سحری کھانے کے کیونکہ وہاں تو رات کا باقی رہنا اصل ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو سزاوار ہے کہ باعتبار اصل یعنی دن کے باقی رہنے کے کفارہ واجب ہو اور جس نے دھوکے سے روزہ کھول ڈالا یا گمان کی بنا پر تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس کو پھر بھی شام تک رُکا رہنا لازم ہے۔ ایسی صورت میں قضا تو واجب ہے لیکن نہ کفارہ واجب ہے اور نہ گنہگار ہوتا ہے۔ روزہ تو اس سبب سے فاسد ہو جاتا ہے کہ غلطی سے ایک رکن سے جس سے بچنا ممکن تھا فوت ہو گیا اور بقیہ دن فاقہ سے رہنا اس لئے ہے کہ بقدر امکان وقت کا حق ادا کر دے اور اپنے ذمہ سے تہمت دفع کر دے اسلئے کہ اگر بغیر عذر کچھ کھا لے گا تو لوگوں کے نزدیک اس پر فسق کی تہمت لگے گی اور تہمت کی جگہ سے بچنا واجب ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو تو تہمت کی جگہ وہ ہرگز نہ کھڑا ہو"۔ اور قضا اس واسطے واجب ہے کہ روزہ

قضا کے وجوب اور کفارہ کے عدم وجوب کی دلیل

شریعت میں ایک ایسا حق ہے جس کا فوت ہونے کی صورت میں اسی طرح روزہ سے فوت کنندہ کے ذمے ادا کرنا ضروری ہے۔ اس بنا پر اگر فوت ہو جائے گا تو قضا واجب ہو گی اور کفارہ اس لئے واجب نہیں کہ خطا کم ہے پوری نہیں ہے کیونکہ بلا قصد ہے اور جب قصد نہیں پایا گیا تو گناہ بھی نہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رمضان میں مسجد کوفہ کے صحن میں شام کے وقت بیٹھے تھے۔ اتنے میں دودھ کا پیالہ آیا پس آپؓ نے اور آپ کے ساتھیوں نے پیا اور مؤذن کو اذان کا حکم دیا جب مؤذن جائے اذان پر چڑھا تو اس نے آفتاب کو دیکھا اور کہا اے امیر المومنین آفتاب تو یہ موجود ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہم نے تجھ کو اذان کہنے کے لئے بھیجا ہے نہ کہ نگہبانی کے لئے، ہم نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا اس کی جگہ ہم کسی دن قضا رکھ لیں گے ہم پر ایک دن کی قضا آسان ہے۔

تو یہ حدیث قضا کے لازم ہونے اور کفارہ اور گناہ کے لازم نہ ہونے پہ دلالت کرتی ہے اسلئے کہ اُن کا یہ قول کہ ہم نے کسی گناہ کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے گناہ کی طرف رغبت نہیں کی اور نہ اس فعل سے گناہ کرنے کا ہمارا ارادہ تھا۔ اور ایسے ہی جو شخص دن میں کسی وقت روزہ کے قابل ہوا اور شروع

دن میں کسی وقت روزہ کے قابل ہونے والے کا حکم

میں ایسا نہیں تھا تو اُس کو باقی دن بے دانہ پانی رہنا چاہیئے جیسے کوئی کافر مسلمان ہوا یا لڑکا بالغ ہوا یا دیوانہ اچھا ہوگیا یا مسافر گھر پہنچ گیا یا بیمار اچھا ہوگیا یا حیض و نفاس والی پاک ہوگئی تو ان میں سے ہر ایک کو باقی دن روزہ داروں کی مشابہت کے لئے رُکا رہنا چاہیئے اور اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص دن میں کسی وقت ایسی حالت میں ہو جائے کہ اگر دن کے شروع میں ہوتا تو اُسپر روزہ فرض ہوتا تو ایسے شخص کو روکا رہنا لازم ہے۔ اور جو

جو شخص روزہ کے قابل نہیں دن میں اُس کے کھانے پینے کا حکم

ایسا نہ ہو اُس کو رُکا رہنا واجب نہیں مثلاً کوئی مریض ہو یا مسافر ہو یا کوئی عورت حیض و نفاس والی ہو اُن پر اس سبب سے کہ روزے کا مانع یعنی ان عذروں کا ان میں پایا جانا موجود ہے رُکا رہنا واجب نہیں کیونکہ یہ اُمور جسطرح روزے سے مانع ہیں ایسے ہی روزہ داروں کی مشابہت سے بھی مانع ہیں۔ حیض و نفاس والی عورت کو تو اس لئے کہ اُن دونوں پر روزہ حرام ہے اور حرام کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے اور مریض اور مسافر کو اس لئے کہ حرج کی وجہ سے اُن کو اجازت ہوئی ہے اگر ہم ان پر مشابہت لازم کر دیں تو پھر حرج ہو جائے گا۔

مگر ہاں حائض اور ہر وہ شخص جس کو افطار جائز ہے چھُپ کر کھائے علانیہ نہ کھائے لیکن اگر عذر ظاہر ہو مثلاً بیماری یا سفر اور نفاس تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اگر بغیر ظہور عذر کھائیگا تو لوگ فسق کی تہمت لگائیں گے کہ رمضان میں دن کو کھاتا ہے اور تہمت کے موقع سے بچنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا پھر

بیمار کی قسمیں اور سفر کا حکم

جاننا چاہیئے کہ بیمار دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جس کو روزہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے اور ایک وہ جس کو روزہ مضر ہے اور اسی کو روزہ نہ رکھنا معاف ہے اس واسطے کہ اجازت کو صرف نفس بیماری سے تعلق نہیں ہے بلکہ مشقت کی وجہ سے ہے پس مشقت کا معلوم کرنا ضروری ہے اور اس کی شناخت کبھی تو خود بیمار کے اجتہاد پر ہے کہ وہ اپنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے یہ سمجھ لے کہ اگر میں روزہ رکھوں گا تو میری تکلیف اور درد بڑھ جائے گا اور کبھی مسلمان عادل طبیب حاذق کے کہنے سے شناخت ہوتی ہے۔ فاسق طبیب کا اعتبار نہیں کیونکہ فاسق کی خبر دینی باتوں میں مردود ہے مقبول نہیں، بخلاف سفر کے کہ سفر میں اجازت خود سفر ہی سے متعلق ہے کیونکہ سفر کبھی تکلیف سے خالی نہیں ہوتا پس سفر کو اس کے قائم مقام ٹھیرا کر اسی پر حکم کردیا۔

تیسویں مجلس اُس شخص کے گناہ کے بیان میں جو رمضان کا کوئی روزہ اسطرح توڑ دے کہ کفارہ واجب ہوجائے

بلا اجازت شرعی روزہ توڑنے پر وعید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" کہ جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بلا اجازت شرعی اور بغیر کسی مرض کے توڑ ڈالا تو اس کے عوض میں تمام عمر کے روزے بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی ابو ہریرہ رضؓ ہیں اور یہ حدیث اُس گناہ سے جو ایسا فعل کرنے سے ہوتا ہے اور اُس ثواب سے جو جاتا رہا ڈرانے اور خوف دلانے کے طور پر آئی ہے کیونکہ فرض روزے کی فضیلت تمام عمر کے نفل روزوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ مطلب **رمضان کا روزہ توڑنے کی قضا اور کفارہ کا وجوب** نہیں ہے کہ اگر رمضان کے ایک روزے کے بدلے قضا کی نیت سے تمام عمر روزے رکھے تو بھی اس کی قضا ادا نہ ہو گی کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ ایک دن کی قضا اُس کے لئے کافی ہے۔ یا تو کفارے کے ساتھ اگر روزہ اس طرح ٹوٹا ہو کہ کفارہ واجب ہو مثلاً غذا اور دوا سے یا بغیر کفارے کے اگر ایسی چیز سے توڑا جس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا یعنی غذا اور دوا نہ ہو جو روزہ کی توڑنے والی ہیں۔ اس بیان کی رُو سے دُھواں یعنی حقہ جو

حُقّہ کے احکام

حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس زمانے میں کفار، دشمنان اسلام کی طرف سے پیدا ہوا ہے اور جس میں ساری خلقت خاص و عام سب مبتلا ہو رہے ہیں آیا روزہ فاسد کرتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ فقہار کا قول عام کتابوں میں اگرچہ یہی صریح ہے کہ مطلق دھواں اگر حلق میں اُتر جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اس کی علت میں یہ کہا ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ روزہ دار کو بولنے کے وقت منہ کھولے بغیر چارہ نہیں تو دھواں منہ میں گھس جائیگا اور قیاس یہ ہے کہ روزہ جاتا رہے گا کیونکہ افطار کرنیوالی چیز پیٹ میں خود اُس کے فعل سے گئی ہے اور غذا نہ ہونا فساد کے خلاف نہیں۔ جیسے کہ مٹی اور کنکر۔ اور اس دلیل سے لازم آتا ہے کہ حقہ سے روزہ ٹوٹ جایا کرے کیونکہ وہ خود اسی کے فعل سے پیٹ میں جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل قاضی خاں کا وہ قول ہے جو اپنے فتاوی میں **حقہ سے روزہ ٹوٹنے کی دلیل** کہا ہے کہ" اگر اپنے کان میں پانی ڈالے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے اور روزہ کا ٹوٹ جانا ہی صحیح ہے۔ کیونکہ اسی کے فعل سے پیٹ میں جاتا ہے"۔ اب دیکھو کہ اپنے

فعل سے اندر پہنچنا روزہ ٹوٹنے کے لئے کیسا اعتبار کیا گیا ہے اور اگر نہاتے ہوئے کان میں پانی چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ ٹوٹنے میں اپنے فعل کو بڑا دخل ہے۔ بلکہ اگر حقہ نوشوں کے

رمضان کے روزہ میں حقہ نوشی پر کفارہ واجب ہے

اس دعویٰ کو خیال کرو کہ حقہ دوا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کفارہ واجب ہو کیونکہ کفارہ واجب ہونے کا یہ قاعدہ ہے کہ غذا یا دوا پیٹ میں معمولی راہ سے رمضان میں دن کو قصداً چلی جائے اور یہ بات اُن کے دعوے کے سچ ہونے کی تقدیر پر حقے میں موجود ہے۔ پھر یہ بات کہ حالتِ روزہ کے علاوہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں اس میں بہت اقوال

حالتِ روزہ کے علاوہ حقہ کے استعمال کا حکم

ہیں اور حق بات جو قابلِ اعتماد ہے یہ ہے کہ جو اختیاری کام آدمی کرتا ہے اگر اسمیں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو تو وہ کام عبث و لعب و لہو میں داخل ہے اور لغت کی کتابوں میں ان تینوں باتوں کا کوئی فرق نہیں کیا ہے لیکن ان میں فرق ہونا ضرور ہے کیونکہ قرآن میں ایک کو ایک پر عطف کیا ہے اور وہ فرق علماء کے بیان کی رُو سے جو ماننے کے قابل ہے یہ ہے کہ عبث تو وہ کام ہے جس میں نہ کوئی لذت ہو اور نہ کوئی فائدہ اور جس کام میں لذت ہو اور فائدہ نہ ہو وہ لعب ہے اور ویسے ہی لہو ہے لیکن اس میں حظِّ نفس اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اُس کی دھن میں ضروری کام بھول جاتا ہے اور سب حرام ہیں کیونکہ قرآن میں اُن کا ذکر صرف برائی کے ساتھ ہے سو جب لعب اور لہو اور عبث کی حُرمت معلوم ہوئی تو حقہ پینے کی حرمت بھی معلوم ہو گئی کیونکہ وہ لعب میں داخل ہے یا لہو میں یا عبث میں بلکہ اس کو عبث سے زیادہ مناسبت ہے کیونکہ لذت سے خالی ہے جو لعب اور لہو میں ہوتی ہے ہاں شاید بعضے حقہ نوشوں کو شیطانی آراستگی سے لذت حاصل ہوتی ہوگی۔ پس اس صورت میں لعب اور لہو میں داخل ہوگا لیکن اس میں فائدہ کچھ بھی نہیں نہ دینی فائدہ اور یہ ظاہر ہی ہے اور نہ دنیاوی فائدہ کیونکہ نہ اسمیں غذا کی صلاحیت ہے نہ دوا کی بلکہ مضر ہے کیونکہ تمام اطبار کا اتفاق ہے کہ

حقہ کی ضرر رسانی میں اطبار کے اقوال

مطلق دھواں مضر ہے۔

ابن سینا کہتا ہے کہ "اگر دھواں اور دُھول نہ ہوتی تو آدمی ہزار برس جیتا۔"

اور جالینوس کہتا ہے کہ تین چیزوں سے بچتے رہو اور چار چیزوں کو ضروری جانو تو تم کو طبیب کی ضرورت نہ ہوگی دھویں اور غبار اور بدبو سے بچتے رہو، اور چکنائی اور مٹھائی اور خوشبو اور حمام کو ضروری جانو۔

اور قانون میں مذکور ہے کہ تمام قسم کے دھویں اپنے جوہر ارضی کی وجہ سے مجفف ہیں اور کسی قدر اس میں آگ کا اثر بھی ہے بعضے فاضل کہتے ہیں کہ جب دُھواں مجفف یعنی خشک کرنیوالی چیز ہے تو بدن کی رطوبت کو بھی خشک کر کے بہتیری بیماریاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اپنی جان کو نقصان سے بچانا ضروری ہے۔

اور نصاب الاحتساب میں لکھا ہے کہ مضر چیز کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ بعض طبیب

ایک اعتراض کا جواب بعض اوقات دھویں کے بعض اقسام سے بعض بیماریوں کا علاج کرتے ہیں اور اس کا نفع مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے پس ہر قسم کے دھویں کے استعمال سے منع کرنا کیونکر درست ہے تو جواب یہ ہے کہ طبیب دھویں سے تھوڑی دیر علاج کرتے ہیں ہمیشہ نہیں کرتے کہ خشکی پیدا ہو سکے اور اگر یہ شبہ ہو کہ خشکی بلغمی مزاج کو نقصان نہیں کیونکہ اس میں رطوبت بہت ہوتی ہے اور خشکی سے بلغمی مزاج کو فائدہ ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ممانعت کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دھویں سے فائدہ ہونے کی حد معلوم نہیں لہذا اس کی شناخت کے لئے کوئی طبیب حاذق جو مزاجوں سے واقف اور اُس مقدار کو بھی جانتا ہو جو نافع ہو درکار ہے ورنہ سلامتی اور عدم سلامتی میں شک ہونے کی وجہ سے اس کیطرف توجہ کرنا جائز نہیں۔ عادل لوگ جنہوں نے اس کو استعمال کیا ہے اس کے بارے

حقہ کے ضرر پہ عادل لوگوں کی شہادت میں مختلف ہیں۔ بعضے تو اس کے نقصان کے قائل ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہے اور بعضوں کو شک ہے۔ لیکن فریق غالب جن کی بات حق سے قریب تر ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ حقہ سے شروع میں تو جسم میں قوت اور نگاہ میں تیزی پیدا پیدا ہوتی ہے اور کھانے کا ہاضمہ اور بدن میں سرور معلوم ہوتا ہے لیکن جب مداومت ہو جاتی ہے تو بینائی میں دھندلاپن اور اعضاء میں گرانی اور ہاضمہ میں فتور اور بدن میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ دھواں بقول اطبا خشکی کرتا ہے پس ابتداء میں تو وہ اثر ہوتا ہے جو پہلے انہوں نے بیان کیا اور انتہا میں وہ جو دوبارہ بیان کیا۔ علاوہ اس کے اگر فائدہ ثابت بھی ہو جب بھی نفع ثابت ہو چکنے

حقہ کی ممانعت کی دلیل کے بعد اس کی ممانعت ہے کیونکہ حقہ اس صورت میں دوا ہے اور دوا کا اثر بیماری کے بعد جائز نہیں اسلئے کہ دوا اگر بدن میں بیماری کو نہیں پاتی ہے جس کو دفع کرے تو خود بدن میں اثر کرتی ہے جس سے نقصان ہوتا ہے اور جس چیز سے نقصان پہنچتا ہو اُس کے استعمال کی ممانعت ہے اگرچہ اسمیں کچھ فائدہ بھی ہو۔ دیکھتے نہیں ہو کہ شراب جو صریح آیت سے حرام ہے خود قرآن میں اس کے نفع کی خبر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی لوگوں کو ہیں"۔ لیکن نفع کی جانب سے اگر نقصان

حقہ کی ممانعت میں فقہاء کی دلیل کی جانب مقابل ہو تو نقصان کے پہلو کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز میں حلال اور جائز ہونے کی موجب کئی وجہیں پائی جاتی ہوں اور ناجائز و حرام ہونے کی موجب صرف ایک وجہ ہو تو احتیاطاً حرام ہی کے پہلو کو ترجیح ہوگی۔ اگر کوئی

ایک اعتراض کا جواب یہ اعتراض کرے کہ حقہ کے استعمال کرنیوالے تو کہتے ہیں کہ حقہ پینے کے بعد اُن کو بدن ہلکا معلوم ہوتا ہے پھر یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اسمیں فائدہ نہیں۔ اس کا جواب بعض ان

لوگوں کے بیان کے موافق جنہوں نے اس کے نفع ونقصان کے تجربہ کیلئے پیا ہے یہ ہے کہ حقہ پینے والوں کو پیتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے اور اس سے فراغت کے بعد اس تکلیف سے نجات پاتے ہیں۔ اور ایک طرح کی راحت ملتی ہے تو یہ بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ راحت حقہ پینے کی وجہ سے ملی ہے اور یہ نہیں جانتے کہ یہ آرام حقہ موقوف کرنے سے ملا ہے۔ پھر ہمارے پاس چیزوں کی حرمت اور اباحت

چیزوں کی حرمت واباحت کا عمدہ طریق

معلوم کرنے کا ایک اور عمدہ طریق ہے جو اصول سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ حق یوں ہے کہ بعثت سے پہلے اشیاء کا کوئی حکم حلال وحرام کا نہیں اور بعثت کے بعد اس میں علماء کا تین قول پر اختلاف ہوا ہے۔

اوّل:۔ یہ کہ تمام چیزیں حرام ہیں البتہ وہ چیزیں جن کی حلّت کسی دلیل شرعی سے معلوم ہو جائے، اور

دوسرا:۔ قول یہ ہے کہ تمام چیزیں حلال ہیں سوا اُن چیزوں کے جن کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی دلالت کرے۔ اور

تیسرا قول اور یہی صحیح بھی ہے یہ ہے کہ اسمیں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام مضر چیزیں تو حرام ہیں یعنی اصل ان میں حرمت ہے اور تمام مفید چیزیں حلال ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے"۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت احسان جتانے کے مقام پر بیان کی ہے اور جائز منفعتوں کے سوا کسی چیز کا احسان نہیں جتایا جاتا پس گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ وہ وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لئے تمام منفعت کی چیزیں زمین میں پیدا کیں تاکہ تم اُن سے فائدہ اٹھاؤ۔

اور اسی تیسرے قول کی رُو سے جو صحیح ہے حقہ کا حکم بھی نکلتا ہے کہ اگر حقہ مفید ہوتا تو اس میں اصل جواز ہوتا لیکن حاذق طبیبوں کے بیان سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مضر ہے اگرچہ انجام ہی میں سہی۔ پس اصل حقہ میں حُرمت ہی رہے بلکہ اگر نقصان میں شک بھی ہوتا تو بھی حرمت کا پہلو غالب ہوتا۔

چنانچہ یہی قاعدۂ شرعیہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "حلال ظاہر ہے اور حرام بھی اور اُن دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص مشتبہات سے بچتا رہا اُس نے اپنا دین اور آبرو محفوظ رکھی اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا جیسے چوپایہ کا کھیت کے گرد چرنے کی حالت میں خود کھیت میں چلا جانا بہت ممکن ہے"۔ علماء کا ان مشتبہات کے

مشتبہات کا حکم

حکم میں اختلاف ہے۔

بعضے اس کی حرمت کے قائل ہیں کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے "جس شخص نے ایسی چیز کو چھوڑ دیا جس کا حکم اُس پر مشتبہ ہے اور جس کا حال منکشف نہیں اس کا دین خراب اور ناقص کرنیوالی چیزوں سے اور اس کی جان عیب اور ملامت کی چیزوں سے سالم رہی اور جس نے اسکو

نہ چھوڑا بلکہ کر گذرا وہ حرام میں پھنسا"۔
اور حقہ بھی اسی قبیل سے ہے جس کا حکم مشتبہ ہے اور اس کا حکم صاف طور پر معلوم نہیں ہوا پس جس نے اس کو چھوڑ دیا اور استعمال نہ کیا تو اُس کا دین فساد اور نقصان سے محفوظ اور خلقت میں عیب اور ملامت سے بری رہیگا اور جس نے اُس کو ترک نہ کیا بلکہ پیتا رہا وہ حرام میں پھنس جائے گا۔
اور بعض علماء شبہات کی کراہیت کے قائل ہیں کیونکہ ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "تین قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جس کی خوبی تجھ کو معلوم ہو چکی ہو اُس کو تو اختیار کیجیو اور ایک وہ جس کا عیب تجھ کو معلوم ہو گیا اُس سے پرہیز کیجیو اور ایک وہ جس میں اختلاف پڑا ہو تو اس مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کی طرف رغبت کرو"۔
اور کوئی شک نہیں کہ حقہ کا حال بھی ایسا ہی ہے جس نے شک اور پریشانی میں ڈال رکھا ہے اور کم از کم اس کا مرتبہ کراہت کا ہے۔ اور اکثر حقہ نوشوں کی اس دلیل سے کہ حقہ ہر مرض کی دوا ہے اور انہوں نے

حقہ پینے کے مفاسد

اس کے استعمال سے بہتیری بیماریوں کی دوا پائی اس کو جائز نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ شیطانی دھوکا اور شیطان کی بناوٹ ہے تاکہ دھواں جمتے جمتے دوا کی حد سے نکل کر آخر کو خود بیماری بن جائے کیونکہ حقہ کا بار بار پینا اُس مقام کو سیاہ کر دیتا ہے جس سے دھواں لگتا ہے اور پھر اس سے گرمی پیدا ہو کر رفتہ رفتہ بجائے شفا کے بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز ان کے دعویٰ کے موافق لازم آتا ہے کہ تمام حقہ پینے والے بیمار ہی ہوں اور ان کی بیماری چاروں فصلوں میں ایک ہی قسم کی ہو اور ان کا علاج بھی چاروں فصلوں میں ایک ہی طریقہ سے ہو اور اس کا باطل ہونا کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے نیز یہ کہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے کیونکہ گراں قیمت سے خریدا جاتا ہے اس وجہ سے اسراف میں داخل ہوگا جو حرام ہے اس کے ساتھ ہی اس میں بدبو بھی ہے جس سے حقہ نہ پینے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "کل ایذا دینے والے دوزخی ہیں" اور کنا سی کا قول ہے کہ بوئے بد نتھنوں کو جلاتی اور دماغ میں پہنچتی اور آدمی کو تکلیف دیتی ہے۔ اسی واسطے پیغمبر صلی اللہ

حقہ اور بدبودار چیز استعمال کرنے کا حکم

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس شخص نے اس درخت میں سے کچھ کھایا ہے وہ ہماری مسجد کے پاس بھی نہ آئے کہ اُس کی بدبو ہم کو تکلیف پہنچائے"۔ اور حضور کی اس علت کو بیان کر دینے کی وجہ سے ہذہ الشجرۃ سے تمام ایسی چیزیں مراد ہوں گی جن میں بدبو ہو اور جن سے انسان کو تکلیف ہوتی ہو۔
اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص ایسی چیز کھائے جس میں بدبو ہو اور انسان کو اس سے تکلیف ہوتی ہو تو ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کیونکہ اُس کی بدبو سے ہم کو تکلیف پہنچے گی۔
اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جب کسی شخص سے مسجد میں لہسن یا پیاز کی بو پاتے تھے

تو اُس کو بقیع کی طرف نکال دینے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس ایسی بدبو پائی جائے جس سے آدمی کو تکلیف ہو اُس کو مسجد سے نکال دینا ضروری ہے اگرچہ ہاتھ پیر گھسیٹ کر نکالا جائے لیکن ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر نکالنا نہیں چاہیئے۔ اسی بنا پر اس زمانے کے اکثر مؤذنوں اور اماموں کو مسجد سے نکال دینا لازم ہے کیونکہ حقہ کی مداومت سے ان کے پاس بدبو پائی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ لوگ جامع مسجد کے اندر ہی پیتے ہیں اور اس وقت ان کے حق میں اس کی کراہت بہت سخت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔

اور بعض علمائے مالکیہ نے ملک حجاز میں حقہ کے متعلق ایک سوال کا یہ جواب لکھا ہے کہ حقہ کا استعمال کرنا حرام ہے جیسا کہ اس کی اصل لکڑی اور آگ کا استعمال حرام ہے کیونکہ دھواں لکڑی کے اجزاء اور آگ کے اجزاء سے مرکب ہے۔ لہٰذا اُن اجزائے ناری کے اعتبار سے جو دھویں میں پائے جاتے ہیں حقہ کا استعمال حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں"۔ یہ آیت آگ کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے اس سبب سے دھواں بھی جو اس سے پیدا ہوتا ہے حرام ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے خود دھویں کو بھی عذاب کی چیزوں سے مقرر کیا ہے چنانچہ یونس ؑ کی قوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ "جب ایمان لائے تو ہم نے دنیا میں اُن سے ذلت کا عذاب دُور کردیا اور جو عذاب اُن سے دُور ہوا تھا وہ دھواں ہی تھا"۔ اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے" اور اُس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان پر دھواں آئے گا جو لوگوں کو ڈھانک لیگا اور یہ دردناک عذاب ہے"۔

اور دھویں سے جو اس آیت میں مذکور ہے ایک قول کے اعتبار سے اس کے حقیقی مراد ہیں اور اس قول کے موافق آیت کی عبارت میں دھوئیں کے دردناک عذاب ہونے کی تصریح ہے اور جس چیز سے عذاب دیا جائے اُس کا استعمال حرام ہے کیونکہ تمام فقہاء عذاب کے مقام سے بھاگ جانے کے وجوب پر متفق ہیں جیسے بطن محسر (سیر سے اسم فاعل کے وزن پر، جو ایک وادی کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تھا۔ اور جب عذاب کی جگہ سے بھاگنا واجب ہوا تو جس چیز سے عذاب ہو اُس سے بھاگنا بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔

نیز یہ کہ حقہ پینے والوں کو تم دیکھتے ہو کہ اُن کے حلق اور ناک سے دھواں نکلتا ہے اور اس میں دوزخیوں اور اُن شریروں سے جو آخر زمانے میں ہلاک کئے جائیں گے مشابہت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانے میں ایسا دھواں پیدا ہوگا جو تمام زمین میں بھر جائے گا اور لوگوں پر چالیس روز تک قائم رہے گا۔ ایمانداروں پر تو اتنا ہی اثر کرے گا جیسے زکام ہوتا ہے اور کافر کے دونوں نتھنوں سے اور دونوں کانوں سے اور دونوں آنکھوں سے نکلے گا۔ یہاں تک کہ کافر کا سر بھنی ہوئی سری کی طرح

معلوم ہوگا"۔

پس ایمان والوں کو عذاب والوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا اور ایسی چیز کو استعمال کرنا جو ایک قسم کا عذاب ہے یا عذاب والوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے مناسب نہیں اور تمام علماء نے لوہے اور تانبے کی انگوٹھی کو بھی اسی سبب سے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ لوہا اور تانبا دوزخیوں کا زیور ہے مکروہ قرار دیا ہے اور جیسا کہ ہلالی نے مختصر الاحیاء میں ذکر کیا یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم گرم کھانا کھانے کو برا جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ اس لحاظ سے یہ دھواں بطریق اولیٰ مکروہ ہے کیونکہ اسمیں تو خود آگ کے اجزاء ملے ہوئے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

پھر اگر حقہ پینے میں صرف یہی برائی ہوتی کہ کپڑے اور منہ سیاہ ہو اور بدبو پھیلے جب بھی عقلمند کو اس کو اس کے استعمال سے روکنے کے لئے کافی تھی بلکہ اگر حقہ کے استعمال میں محض یہی ایک خرابی ہوتی کہ یہ اُن کافروں کا رواج دیا ہوا طریقہ ہے جنہوں نے اسلامی شہروں میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسے پھیلایا ہے اور مسلمان حقہ پی پی کر ان کے برے طریقے کو زندہ کر رہے ہیں جب بھی سمجھدار کے لئے حقہ سے بچنے کے لئے کافی تھی۔

لیکن اس زمانے کے اکثر لوگوں کی طبیعتیں بجھی ہوئی اور بمشکل مطیع ہونے والی اور ہمیشہ بیفائدہ کاموں کی طرف جھکی رہنے والی ہیں اگر نصیحت کی جائے تو قبول نہیں کرتے ہیں اور اگر سکھاؤ تو سیکھتے نہیں ہیں اور اگر سمجھاؤ تو سمجھتے نہیں۔ اور اگر یہ سمجھتے بھی ہیں تو سمجھی سمجھائی بات چھوڑ دیتے ہیں اور وہ اُن لوگوں میں سے ہیں کہ اگر سیدھی راہ دیکھتے ہیں تو اُس کو اختیار نہیں کرتے اور اگر بھٹکی راہ دیکھتے ہیں تو اُس کو راہ سمجھتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو سیدھے راستہ کی توفیق دے اور ٹیڑھے راستہ سے بچائے۔ آمین

اکتیسویں مجلس اعتکاف کے سنت ہونے اور شب قدر کی جستجو اور اس کی فضیلت کے بیان میں

اعتکاف کی اہمیت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میں نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اس رات کی تلاش میں اعتکاف کیا پھر درمیان کے عشرہ میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس کوئی آیا اور مجھسے کہا گیا کہ پچھلے عشرے میں اُس کو تلاش کرو۔ جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ پھر پچھلے عشرے میں اعتکاف کرے کہ مجھ کو یہ رات دکھادی گئی تھی مگر پھر بھلادی گئی ہے"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضؓ نے روایت کی ہے اور

اصل اس کی صحیحین کے موافق یوں ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف کیا پھر درمیان کے عشرے میں ترکی خیمے میں پھر سر باہر نکال کر فرمایا کہ میں نے پہلے عشرے میں اس رات کی تلاش میں اعتکاف کیا، آخر حدیث تک۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے شروع ہونے سے شب قدر کی تلاش مقصود ہے کیونکہ یہ رات نص کی رُو سے چونکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے تو اس شب میں اچھے اعمال کے ساتھ جاگتے رہنا ضروری ہے کیونکہ اعتکاف میں دنیاوی اُمور سے دل کو خالی رکھنا اور اپنی جان کو مولا کے حوالے کرنا اور مضبوط قلعوں میں پناہ لینا اور پروردگارِ عالم کے گھر میں اڑ بیٹھنا ہے، تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی بڑے کا محتاج ہو کر اس کے دروازے پر اڑ جائے یہانتک کہ اُس کا مطلب پورا ہو۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اعتکاف کا مشروع ہونا جبکہ

شب قدر کی تلاش کے لئے اعتکاف کی وجہ

رات اور دن دونوں میں ہے تو پھر اعتکاف رات ہی کے ساتھ کیوں نہ مخصوص ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے تصریح کر دی ہے کہ دن میں کوشش کرنا ایسا ہی مستحب ہے جیسے کہ رات میں۔ اسے امام نوویؒ نے اذکار میں بیان کیا ہے اور یہ حدیث بھی اسی کی مقتضی ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں شبقدر کی تلاش کے لئے اعتکاف کیا پھر درمیان کے عشرے میں اعتکاف کیا پھر جب اس کو بھی پورا کر چکے تو ملائکہ میں سے کسی نے آکر کہا کہ شب قدر پچھلے عشرے میں ہے نہ پہلے عشرے میں ہے اور نہ درمیانی عشرے میں، اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے عشرہ میں اعتکاف فرمانے کا خود بھی فیصلہ کر لیا اور لوگوں کو بھی اُسی میں اعتکاف کرنے کی ترغیب دی۔ اور اسی طرح ہمیشہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعتکاف پر مداومت

رمضان کے پچھلے عشرہ کا اعتکاف کرتے رہے یہانتک کہ اللہ نے آپؐ کو وفات دی پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج اعتکاف کرتی رہیں۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ تعجب ہے لوگ اعتکاف کیسے چھوڑے ہوئے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کاموں کو تو کبھی کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے لیکن اعتکاف کو آپؐ نے وفات کے وقت تک کبھی چھوڑا ہی نہیں۔ اعتکاف کے معنی لغت میں تو ایک شئے پر ٹھیرے رہنے اور اُس پر اپنی طبیعت

اعتکاف کے معنیٰ

کو روکنے کے ہیں اور شریعت میں نیت کے ساتھ مسجد میں قیام کرنا اور دیر تک ٹھیرنا اعتکاف ہے۔ مطلق ٹھیرنا اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد اور نیت اس کی شرطیں ہیں اور لغوی معنی بھی شرعی معنوں میں کسی قدر زیادتی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اور اعتکاف رمضان کے پچھلے

اعتکاف سنت مؤکدہ ہے

عشرے میں سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو وفات دی، آپؐ نے اس پر مداومت کی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو ہمیشہ کرنا اور کبھی نہ چھوڑنا یہ تو وجوب

کی دلیل ہے اسلئے اعتکاف واجب کیوں نہ ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب کام کے باب میں یہ حال تھا کہ باوجود مداومت اس عمل کے تارک کو برا سمجھتے تھے اور اعتکاف چھوڑنے والے کو کبھی برا نہیں کہا۔ لہذا معلوم ہوا کہ اعتکاف واجب نہیں ہے بلکہ رمضان کے پچھلے عشرہ میں بطور کفایہ سنت مؤکدہ ہے اور اس کے سوا اور وقتوں میں نفل ہے۔ ہاں واجب اُسوقت ہوتا ہے کہ اعتکاف کی نذر مانی جائے یا کسی شرط سے متعلق کیا جائے اور جو اعتکاف شروع کرنیسے لازم ہوجاتا ہے وہ نفل ہی ہے اور کم سے کم مدت اعتکاف واجب کی ایک دن ہے یہانتک کہ اگر ایک دن کے

اعتکاف کی مدت اور روزہ کی شرط

اعتکاف کی نذر مانی تو مسجد میں پو پھٹنے سے پہلے داخل ہوا اور غروب آفتاب کے بعد ہی اس سے نکلے اور اگر اس سے پہلے اعتکاف کو چھوڑ دیا یا فاسد کر دیا تو اُس کو پھر سے قضا کرے اور اگر دو دن یا زیادہ کے اعتکاف کی نذر مانی ہے تو اعتکاف شروع کرنے کے لئے مسجد میں غروب آفتاب سے پہلے داخل ہو اور غروب آفتاب ہی کے بعد پورا ہو چکنے پر نکلے اور اگر اعتکاف کرنے سے پہلے مرجائے تو وصیت کر دینا لازم ہے کہ ہر دن کے بدلے آدھا آدھا صاع گیہوں کا اس کی طرف سے دیدیا جائے۔ اور اعتکاف واجب روزہ کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ اگر کوئی اُسدن اعتکاف کی نذر مانے جسمیں کھانا بھی رہا ہو تو نہ اُسکی نذر صحیح ہے اور نہ اُس کو کچھ لازم ہے اور ایسے ہی اگر رات کے اعتکاف کی نذر کی تو بھی صحیح نہیں کیونکہ رات روزہ کا محل نہیں، رہا اعتکاف نفل تو ظاہر روایت کے موافق اسمیں روزہ شرط نہیں ہے۔ اور یہی صاحبین کا قول ہے پس اس روایت کے موافق کم کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ یہانتک کہ جو شخص مسجد میں آئے اور نکلنے تک اعتکاف کی نیت کرے تو مسجد میں رہنے تک معتکف ہوجائے گا اور اس کو اعتکاف کرنیوالوں کا سا ثواب ملیگا۔ اور جب مسجد سے نکلے گا تو اُس کا اعتکاف ختم ہوجائے گا اور حسنؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ روزہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ لہذا اس روایت کی بنا پر کم سے کم اعتکاف نفل بھی ایک ہی دن ہے۔ اور اعتکاف مسجد جماعت کے سوا جس کا امام اور

اعتکاف کے لئے مسجد کی شرط

مؤذن مقرر ہو اور اُسمیں پنجوقتہ نماز جماعت سے ہوتی ہو کسی اور جگہ درست نہیں ہوتا کیونکہ اعتکاف چونکہ نماز کے انتظار کی عبادت ہے اسلئے اُسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہوگا جہاں نمازیں ہوتی ہوں۔ رہی عورت تو وہ اپنے گھر کی مسجد میں یعنی گھر میں نماز پڑھنے کی

عورت کا اعتکاف

جگہ ہی اعتکاف کرے اور جب وہاں اعتکاف کرے تو پھر اعتکاف پورا ہونے سے پہلے وہاں سے نہ نکلے اور عورت کو یہ جائز نہیں کہ نماز کی جگہ کے علاوہ اپنے گھر میں کسی اور جگہ اعتکاف کرے اور اگر اُسکے گھر میں کوئی معین مقام نماز کے لئے نہ ہو تو پھر اُس کو گھر میں اعتکاف جائز نہیں۔ اور معتکف کو حاجت شرعی جیسے نماز جمعہ یا حاجت طبعی پیشاب اور پاخانے

معتکف کے عذر سے باہر جانے کا حکم

کے سوا کسی اور سبب سے مسجد سے نکلنا نہیں چاہیئے اور پیشاب پاخانے کے لئے باہر آئے تو طہارت سے فراغت کے بعد اپنے گھر میں نہ ٹھیرے اور نماز جمعہ کے لئے آفتاب ڈھلنے کے وقت نکلے مگر یہ جب کہ مسجد جامع سے اتنا نزدیک معتکف ہو کہ اگر آفتاب ڈھلنے کا انتظار کرے گا تو خطبہ فوت نہ ہوگا اور اگر خطبہ فوت ہوتا ہو تو آفتاب ڈھلنے کا انتظار نہ کرے بلکہ ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں آکر چار رکعتیں اُس اذان سے پہلے جو منبر کے سامنے ہوتی ہے پڑھ سکے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چھ رکعتیں دو رکعت تحیۃ المسجد کی اور چار سنتیں اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھنے کے مقدار ٹھیرے۔ ان احادیث کے اختلاف کے موافق جو بعد جمعہ کے نفلوں کے بارہ میں وارد ہیں اور اس سے زیادہ نہ ٹھیرے اور اگر دیر لگائے گا تو کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے اگرچہ ایک دن رات ہی ہو مگر یہ اچھا نہیں۔

اور بیمار پُرسی اور نمازِ جنازہ اور گواہی دینے کے لئے نہ نکلے اور یہ سب امام ابو حنیفہ رح کے قول ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک بلا عذر مسجد سے نکلنا اگرچہ ایک ساعت ہی ہو اعتکاف فاسد کر دیتا ہے اور یہ قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ باہر نکلنا اندر ٹھیرنے کے منافی ہے اور جو شئے کسی شئے کے خلاف ہو اسمیں تھوڑا بہت سب برابر ہے جیسے روزہ میں کھانا اور طہارت میں حدث۔

اور اسی طرح اگر ایک ساعت بیماری کے عذر سے نکلے تو بھی اعتکاف باطل ہو جائے گا کیونکہ بیماری کے عذر سے نکلنا اس وجہ سے کہ بیماری کبھی کبھی ہوتی ہے معتکف کو وجوب سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا اور اب گویا بلا عذر باہر نکل آیا لیکن اتنا ہے کہ بیماری کے عذر سے نکلنے میں گنہگار نہیں ہوتا۔

اور اسطرح اگر بلا عذر بھول کر نکل آئے جب بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

اور ایسے ہی اگر مسجد گر پڑے اور معتکف دوسری مسجد میں اُٹھ جائے یا حاکم زبردستی نکال دے یا قرضخواہ نکال دے یا نکلے تو وہ خود لیکن قرض خواہ ایک ساعت پکڑے رکھے تو ان سب صورتوں میں اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اور صاحبین کہتے ہیں جب تک آدھے دن سے زیادہ نکلا نہ رہے گا اعتکاف باطل نہ ہوگا اور یہ قول لوگوں کے لئے بہت گنجائش کا ہے کیونکہ اپنے ضروری کاروبار کے لئے لوگوں کا نکلنا ضروری امر ہے اور اگر تھوڑی مدت بھی مباح نہ ہو تو ضرور تنگی میں پڑ جائیں گے اور کثیر یعنی آدھے دن سے زیادہ میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ اور معتکف کو جائز ہے کہ مسجد کے اندر کھائے اور پیئے اور خرید و فروخت کرے ہاں سامانِ فروخت مسجد میں لاکر نہ رکھے۔ بعضے علماء کہتے ہیں کہ خرید و فروخت سے ضروری امور کھانا وغیرہ مراد ہیں لیکن اگر معتکف مسجد کو دوکان بنانا چاہے تو یہ مکروہ ہے۔ زیلعیؒ کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے کیونکہ

معتکف کے لئے مسجد میں کھانے پینے اور خرید و فروخت کا حکم

وہ چونکہ سب سے الگ ہو کر اللہ سے لو لگا کے بیٹھا ہے اسلئے اب مناسب نہیں کہ مسجد کے اندر دنیاوی امور میں مشغول ہو۔ اور معتکف کو خاموش رہنا مکروہ ہے اور اس سے وہ خاموشی مُراد ہے جو عبادت سمجھ کر ہو اور یہ منع ہے اسلئے کہ یہ طریقہ منسوخ ہے اور قرآن کی تلاوت اور حدیث اور علم دین اور سیرت نبی اور صالحین کی حکایتوں اور امور دینی کے لکھنے پڑھنے کا شغل رکھے اور فضول بات منہ سے نکالنا تو بغیر اعتکاف کے مسجد سے باہر بھی مکروہ ہے چہ جائیکہ مسجد کے اندر معتکف کے لئے۔ اور معتکف کو رات دن ہر وقت جماع کرنا حرام ہے اس ارشاد خداوندی کی بنا پر " اور نہ مباشرت کرو تم اُن سے جب اعتکاف میں بیٹھے ہو مسجدوں میں "، اور اسی طرح اسباب جماع بھی حرام ہیں جیسے چھُونا اور بوسہ لینا اور جماع سے تو مطلقاً اعتکاف باطل ہو جاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو اور جماع کے اسباب سے اگر انزال ہو جب تو باطل، ورنہ نہیں۔ اور اگر اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنا چاہے تو زبان سے بھی کہنا چاہئے صرف دل کی نیت پر کچھ اکتفا نہ کرے کیونکہ نذر ماننا زبان کا کام ہے اور زبان ہی سے ہو سکتی ہے بخلاف نیت کے کہ یہ دل ہی کا کام ہے۔ اور اگر کسی نے اعتکاف کیا بغیر اسکے کہ پہلے اپنے اوپر واجب کرتا اور پھر مسجد سے نکل گیا تو ظاہر روایت میں اس پر کچھ لازم نہیں۔

(حاشیہ: معتکف کے لئے خاموش رہنا مکروہ ہے — معتکف کے لئے مباشرت حرام ہے — اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا طریقہ)

بتیسویں مجلس صدقۂ فطر اور دونوں عیدوں کے احکام اور انکی بدعتوں کے بیان میں

(حاشیہ: صدقۃ الفطر مقرر کرنے کی وجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر روزہ دار کو لہو اور لغو اور بدزبانی کی آلودگی سے پاک کرنے اور مساکین کی روزی کی غرض سے مقرر فرمایا ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں۔ یہ حدیث صدقۂ فطر کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ لغت میں فرض کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور شرع میں واجب کرنے کے معنی ہیں اور شارع کا کلام اگر معنی شرعی اور معنی لغوی کے درمیان دائر ہو تو حتی الامکان شرعی معنوں پر محمول ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر احکام شرعی ہی بیان فرماتے تھے نہ لغات کے، تو اس بنا پر معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ صدقۂ فطر کا وجوب انسان پر دو فائدوں کے لئے ہے ایک تو اُس کی اُن خطاؤں کا کفارہ اور اُس عمل سے پاکیزگی ہے جو روزے کی حالت میں لہو اور لغو اُس سے ہوئے ہوں جن میں کوئی دینی دنیوی فائدہ نہیں اور رفث یعنی کلام بد سے۔ اور اسی طرح اور گالیوں سے۔ کیونکہ نیکیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ اور دوسرا فائدہ مساکین کی روزی ہے، یہاں تک کہ اس دن فقیر بھی باعتبار قوت کے موجود ہونے اور سوال کی حاجت نہ رہنے کے غنی کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اُن کو سوال کرنے سے اُس دن غنی کر دیا کرو۔

اور یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دن فقیروں کے حق میں عید جب ہی ہے کہ توانگروں سے صدقہ پانے کی وجہ سے سوال کرنے کی حاجت نہ رہے کیونکہ توانگروں کو راہِ خیر میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے اور اس حکم میں بھید یہ ہے کہ مال تمام خلقت کا محبوب ہے اور اُن کو محبتِ الٰہی کا حکم ہے اور وہ محض ایمان کی رُو سے محبت کے مدعی ہیں اسلئے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے جان لیا اور اعتقاد کر لیا کہ سوائے اللہ کے نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی محبوب تو ہم نے اُس کی عبادت اور محبت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور ہم اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور نہ کسی کو محبوب رکھیں گے۔ سو مال کا خرچ کرنا ان کی محبت کی علامت اور ان کی صداقت کی تصدیق ہے کیونکہ تمام محبوب چیزیں ایسے محبوب کے واسطے جس کی محبت دل میں غالب ہو خرچ کر دی جاتی ہیں لہٰذا جو شخص مال کو خرچ کریگا وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچا کر دکھایا اور جو خرچ نہ کرے گا وہ اُن لوگوں میں سے ہوگا جو زبانی ایسی باتیں بناتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں بلکہ اُن میں سے ہوگا جو اپنی خواہشِ نفس کے تابع ہیں اور اُسی کو اپنا معبود بنالیا ہے گویا اُسی کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ جو اپنی ہوائے نفسانی پر عمل کرتا ہے تو اُس کا نفس جو چاہتا ہے وہی کرنے لگتا ہے اور اپنے مولے کے خلاف کرتا ہے اسی واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بدترین معبود جس کی زمین پر پوجا کی گئی ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہوائے نفسانی ہے۔ اور اسی بنا پر اس عید میں مکلف

عید میں مسلمانوں پر جو چیزیں واجب ہیں

پر کئی چیزیں واجب ہیں۔

اول تو گناہوں کا ترک کرنا کیونکہ گناہوں کا ترک کرنا اگرچہ ہر وقت لازم اور واجب ہے لیکن بعضے وقت میں اور بھی زیادہ تر لازم اور واجب ہوتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے کہ "بے شک گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہیں جس دن آسمان و زمین پیدا کئے ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہی دین سیدھا ہے سو اُن میں زیادتی نہ کرو" یعنی قمری مہینوں کی گنتی جن پر بہت سے احکامِ شرعیہ کا دارومدار ہے از روئے حکمِ الٰہی لوحِ محفوظ میں جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے بارہ مہینے ہیں۔

ان بارہ میں سے چار معزز ہیں اور وہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب ہیں اور ان چاروں معین مہینوں کا معزز ہونا یہی دین مستقیم دین ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کا ہے پس ان مہینوں کی حرمت توڑ کر اور ان میں گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرو کیونکہ نیک کام کا جیسے کہ ان مہینوں میں ثواب زیادہ تر ہے ایسے ہی ان میں گناہ بھی از روئے سزا بہ نسبت اور مہینوں کے زیادہ ہے۔

اسی طرح ماہِ رمضان اور جمعہ کے دن اور عرفہ کے روز اور ان کی راتوں اور شب قدر اور دونوں عید کے دن اور ان کی راتوں میں گناہ باعتبار بوجھ کے زیادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان اوقات کو فضیلت بخشی ہے کہ ان وقتوں کو اُن عبادتوں سے مخصوص فرمایا ہے جو ان میں کی جاتی ہیں اور عبادات کا ثواب اور رحمت کا نزول اور مغفرت کا دینا بہ نسبت اور وقت کے ان میں اس امت پر ترحمًا زیادہ مقرر فرمایا ہے لہٰذا جو شخص اس رحمت کو جس کا نزول اُسپر ہو رہا ہے نہ پہچان کر ان اوقات کی حُرمت اُن میں طرح طرح کے گناہ کر کے کھودیگا تو بیشک وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا عذاب سخت تر اور عقاب زیادہ تر ہو۔ اسلئے مومن کو لازم ہے کہ جو اُسپر انعام ہوا ہے اُسکو پہچانے اور جس کو اللہ نے عظمت دی ہے اُس کی تعظیم کرے تاکہ اللہ کے نزدیک قابلِ عزت ہو اور ان اوقات کی تعظیم صرف یہی ہے کہ ان میں نیک اعمال کی زیادتی کی جائے لیکن جو شخص اس سے عاجز ہو تو پھر کم سے کم اُس کی تعظیمی حالت یہ ہے کہ اُن اُمور ہی سے احتراز کرے جو اُسکو حرام اور مکروہ ہیں اور اسلئے تمام بدعتیں اور بُری باتیں اور تمام وہ کام جو ان اوقات میں نازیبا اور ممنوعات میں سے ہیں سب کو ترک کردے لیکن اس زمانے کے اکثر لوگوں نے اس کے برخلاف اختیار کیا ہے کہ ایامِ عیدین اور اُن کی راتوں میں لہو و لعب وغیرہ طرح طرح کے گناہوں میں کوشش کرتے ہیں۔ بعضے تو خود کرتے ہیں اور بعضے صرف تماشائی ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک گناہ میں جیسا کہ فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے، دس نقصان ہیں۔

ایک گناہ کے دس نقصانات اوّل اپنے خالق کو اُس کے حکم کے خلاف کر کے ناراض کرنا۔ دوسرے ابلیس کو جو خود اس کا اور خدا کا دشمن ہے خوش کرنا۔ تیسرے جنت سے دوری چوتھے جہنم سے نزدیکی پانچویں سب سے زیادہ محبوب اپنی جان پر ظلم کرنا۔ چھٹے اپنی جان کو جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا کیا ہے ناپاک کرنا۔ ساتویں محافظوں کو جو اُس کو ایذا نہیں دیتے ایذا دینا۔ آٹھویں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں غمگین کرنا۔ نویں زمین اور رات دن کو اپنی برائی پر گواہ بنانا۔ دسویں تمام عالم کی بدخواہی کیونکہ گناہوں کی شامت سے بارش کم ہوتی ہے۔ پس جب ایک گناہ کرنیوالے کا یہ حال ہے تو اُس

طرح طرح کے گناہ کرنیوالے کی حالت شخص کا کیا حال ہوگا جو طرح طرح کے گناہ کرتا رہتا ہے۔ اور خصوصًا ان مبارک دنوں میں باوجودیکہ واعظ لوگ منبروں پر منادی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عید اُسکی نہیں ہے جو نئے کپڑے پہن لے عید تو اُس کی ہے جو وعید سے پناہ میں رہے۔ عید اُس کی نہیں ہے جو خوشبو میں بسے، عید اُسی کی ہے جو توبہ کر کے نہ پھرے۔ عید اُسکی نہیں جو دنیا کی زینت سے آراستہ ہو عید اُسی کی ہے جو توشۂ تقویٰ اپنے ساتھ لے۔ عید اس کی نہیں جو اونٹنیوں پر سوار ہو عید اُسی کی ہے جسنے گناہ چھوڑ دئے۔ عید اُسکی نہیں جو فرش فروش بچھائے عید اُسی کی ہے جو صراط سے گذر جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ ملاہی کا سننا معصیت ہے اور وہاں کا بیٹھا رہنا فسق ہے

اور اُس سے مزہ لینا کفر ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاہی کی آواز سُنکر کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔

اور یہ لوگ اس قسم کے کلمات کو سُنتے ہیں اور اسکی کچھ پرواہ نہ کرنا تو کجا، بلکہ اسلام اور اللہ اور رسولؐ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ تمام اوامر و نواہی میں اللہ اور رسولؐ کے کے خلاف بھی کئے جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ بُرا ہوگا۔

اور حاکم وقت اس قسم کے ممنوعات کو دیکھتے ہیں اور کسی بات کو منع نہیں کرتے بلکہ اس میں اور مدد دیتے ہیں۔ اب جو رکنا چاہے وہ اسلام اور اس کی غربت پہ روئے کیونکہ اب اسلام ویسا ہی غربت میں ہو گیا جیسا غربت میں شروع ہوا تھا۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ یہ دن فرح اور سرور کے ضرور ہیں لیکن اس کیلئے یہ مناسب ہے کہ ان میں خوشی اور سرور کا اظہار اُن اُمور سے ہو جو مباح یا مستحب ہوں جیسے نہانا اور خوشبو لگانا اور اچھے اچھے مباح کپڑے پہننا کہ جو نئے ہوں یا دھوئے ہوئے۔ چنانچہ آگے آتا ہے اُن امور سے نہیں جو حرام ہیں جیسے حریر پہننا اور واہیات باتوں میں گھسنا کیونکہ عید کو اسی لئے عید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر دوبارہ مغفرت اور احسان کرتا ہے تو اُن پر واجب ہے کہ معصیت اور سرکشی سے باز رہیں تاکہ سعادت اور رضامندی کے لائق ہوں بدبخت اور بے مددگار نہ بنیں۔

عید کے دن کن امور سے خوشی اور سرور کرنا چاہیے

اور بعض عارفوں سے حکایت ہے کہ عید کے دن ایک قوم پر اُن کا گذر ہوا جو کھیل رہے تھے اور ہنستے تھے پس فرمایا اگر عید مقبول ہوئی ہے تو اُن کو لازم ہے کہ شکر کریں اور یہ شکر گزاروں کے کام نہیں اور اگر قبول نہیں ہوئی ہے تو لازم ہے کہ خدا کا خوف کریں اور یہ ڈرنے والوں کے کام نہیں ہیں۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بعضے لوگ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے گمان کرتے ہیں کہ دائرہ بجانا اور گانا عید کے دن جائز ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے یہاں عید کے دن آئے اور اسوقت ان کے پاس دو لڑکیاں دائرہ پر گاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ پس اُن لڑکیوں کو ابوبکرؓ نے جھڑکا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کھول کر فرمایا اے ابوبکر جانے دو کیونکہ ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے"۔

عید کے دن گانا بجانا

پس یہ حدیث اگرچہ ان کے خیال پر دلالت کرتی ہے لیکن ایسا نہیں جیسا اُن کا گمان ہے کیونکہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ یہ حدیث اُس قولِ خداوندی کی بنا پر متروک ہے اسپر عمل نہیں ہے" اور بعضے وہ لوگ ہیں جو کہ خریدتے ہیں کھیل کی باتیں"۔ کیونکہ لہو الحدیث سے مراد معالم التنزیل

کے بیان مطابق ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور عکرمہؓ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک غنا ہے اور اسی طرح دوسرے معازف و مزامیر ہیں اور اشترا سے اختیار کرنا مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ بعضے لوگ غنا اور اسی کی طرح معازف و مزامیر کو اختیار کرتے ہیں تاکہ بے سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں اور اس کو ہنسی کھیل بنا دیں اُن ہی لوگوں کو ذلت والا عذاب ہے۔ پس یہ آیت غنا اور اس کی طرح جو لہو کی چیزیں ہیں اُن کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اس کی یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بعد از بلوغ غنا اور معازف کی برائی کے سوا اور کچھ منقول نہیں ہے۔ اور دوسری بات جو اس

دوسری چیز صدقۂ فطر کی ادائیگی

عید میں بندۂ مکلّف پر واجب ہے صدقۂ فطر ہے کہ یہ ہر مسلمان آزاد اور توانگر پر واجب ہے۔ اور وہ غنا جو اُس کے وجوب کی شرط ہے یہ ہے کہ نصاب کا یا ایسی شئے کا

صدقۃ الفطر کس پہ واجب ہے

مالک ہو کہ جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو لیکن حاجت اصلی سے زیادہ ہونا اور بڑھنا اس میں معتبر نہیں لہذا جس کے پاس ایک ایسا گھر ہو جس میں رہتا نہ ہو بلکہ کرایہ پر اُٹھا دیتا ہو یا نہ اُٹھاتا ہو جب بھی مالدار سمجھا جانے کے بارہ میں اُس کی قیمت معتبر ہوگی اور ایسے ہی اگر اسمیں رہتا تو ہو لیکن سکونت سے کوئی قطعہ فاضل ہو تو اس فاضل کی قیمت مالدار ہونے میں معتبر ہوگی۔ کیونکہ جو چیز ضروری حاجت کی ہوگی وہ ضرور ہے کہ استعمال میں ہوگی یہ نہیں کہ آئندہ کو حاجت ہو۔ کیونکہ ایسا تو کوئی مال نہیں جس کی کبھی نہ کبھی حاجت نہ پڑے یہاں تک کہ اگر کرایہ کے گھر میں رہتا ہو اور ایک قطعہ زمین کا دو سو درہم کو مول لے کر رہنے کے لئے گھر بنایا ہو تو اس گھر کی وجہ سے غنی سمجھا جائے گا کیونکہ یہ اُس وقت اُس کی حاجت سے زائد ہے اگر اس کی حاجت ہوگی تو زمانہ آئندہ میں ہوگی اور جس کے مکان میں دو قطعہ ہوں ایک گرمی کا اور ایک جاڑے کا تو اس سے غنی نہیں ہوگا اور اگر اس مکان میں تین قطعہ ہوں تو تیسرے کی قیمت مالداری میں اعتبار کی جائے گی۔

اور کپڑوں کا مالک تین جوڑے کپڑے سے غنی نہیں ہوگا ایک روزمرّہ کا اور دوسرا کام کرنے کے وقت کا اور تیسرا جمعہ اور عید کے دنوں کا اور ایسے ہی دو بچھونوں سے۔ اور تین جوڑے اور دو بچھونوں سے زیادہ ہوگا غنی ہونے میں اُس کی قیمت اعتبار کی جائے گی۔

اور غازی دو گھوڑوں سے غنی نہیں ہوگا اور اگر اُسکے تین گھوڑے ہوں تو ایک کی قیمت غنی ہونے میں اعتبار کی جائے گی۔ اور ایک چوپایہ سے جو زیادہ ہوگا غازی کے سوا اور کے لئے گھوڑا ہو یا گدھا گاؤں کے باشندہ کے لئے یا اور کوئی ہو یا ایک خادم سے زیادہ ہو تو غنی ہونے کے لئے اس زائد کی قیمت معتبر ہوگی۔

اور ایسے ہی تفسیر اور حدیث اور فقہ کی کتابیں اس کے اہل کے لئے کہ جو ایک ایک نسخہ سے زیادہ ہوگا ایک روایت میں مالداری میں اُسکی قیمت معتبر ہوگی اور ایسے ہی ایک قرآن سے زیادہ قاری کے

پاس ہو تو مالداری میں اُسکی قیمت معتبر ہے۔
اور کسان دو بیلوں اور کھیتی کے آلات سے غنی نہیں ہوتا اور اگر تین بیل ہوں گے تو ایک کی قیمت مالداری میں معتبر ہوگی اور گائے ایک ہو جب بھی اس کی قیمت مالداری میں معتبر ہوگی اور نان پز کے پاس اگر گیہوں یا نمک ہو تو اُن کی قیمت مالداری میں معتبر ہوگی اور اسی طرح دھوبی اگر اُس کے پاس اشنان یا صابون ہو تو مالداری میں قیمت اس کی اعتبار کی جائے گی۔
اور جس کے پاس ایک سال کا کھانا ہو جسکی قیمت نصاب کے برابر ہے تو اسمیں گفتگو ہے اور ظاہر یہ ہے کہ غنی ہونے میں اس کا شمار نہیں اس کو قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔
اور جس عورت کے پاس جواہر اور موتی ہوں کہ عید کے روز پہنتی ہو اور خاوند کے لئے سنگار کرتی ہو تو مالداری میں اُس کی قیمت معتبر ہوگی اور اسی طرح اگر عورت کی ملک میں گھر ہو جسمیں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہے اس گھر کی قیمت مالداری میں اگر خاوند اسے گھر دینے کی قدرت رکھتا ہو معتبر ہوگی اور اسی نصاب سے زکوٰۃ لینے کی حرمت اور صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب متعلق ہے۔ کیونکہ

غنی تین قسم کے ہیں

غنی تین قسم کے ہیں۔ ایک[۱] وہ غنی جس پر سوال کرنا اور صدقہ لینا حرام ہے، اور ایسے غنی پر صدقۂ فطر اور قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے اور وہ یہ ہے جو پورے نصاب نامی کا مالک ہو اور ایک[۲] وہ غنی ہے جس پر سوال اور صدقہ لینا حرام ہے اور صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے، زکوٰۃ واجب نہیں اور وہ وہ ہے جس کی قیمت نصاب کے برابر تو ہو لیکن نامی نہ ہو اور ایک[۳] وہ غنی ہے جس کو سوال تو حرام ہے لیکن صدقہ لینا حرام نہیں اور صدقۂ فطر اور قربانی اور زکوٰۃ جن کا بھی ذکر ہوا کچھ واجب نہیں اور یہ وہ ہے جو ایک دن کے گذارے اور بدن ڈھکنے کے لائق کپڑے کا مالک ہو۔

صدقۃ الفطر کی مقدار

پھر ہمارے مذہب میں تو گیہوں کا آدھا صاع یا پورا صاع چھوہارے اور جو کا واجب ہے اور صاع وہ ہے جس میں ایک ہزار چالیس درہم سما جائیں۔ یہ صاع حضرت عمرؓ والا ہے گویہ گم ہو گیا تھا لیکن حجاج نے نکالا تھا اور اسی لئے صاع حجاجی اس کا نام ہو گیا اور ظاہر یوں ہے کہ یہ صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ کسی باب میں آپؐ کی مخالفت نہیں کرتے تھے یہ جب ہے کہ صدقۂ فطر صاع سے ناپ کر دے اور اگر صدقۂ فطر تول کر دے تو بھی جائز ہے کیونکہ صاع کا اندازہ جب وزن سے ہے تو ادا کرنا بھی وزن سے جائز ہے اور منقٰی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گیہوں کے حکم میں ہے اور صاحبین کے نزدیک جَو کے حکم میں۔ اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ گیہوں کا آٹا اور اُس کے ستو گیہوں ہی کے حکم میں ہیں لیکن علماء یوں کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً اسمیں اندازہ اور قیمت دونوں کا لحاظ کیا جائے کیونکہ جو حدیثیں اس باب میں آئی ہیں دونوں طرف ضعیف ہیں اور روٹی میں قیمت ہی کا اعتبار ہے اسمیں اندازہ کی رعایت نہیں کیونکہ

اس بارہ میں کوئی حدیث نہیں آئی ہے اور صدقۂ فطر میں قیمت کا اعتبار نہیں ہے یہانتک کہ اگر کسی نے گیہوں کے آدھے صاع کی جگہ آدھا صاع چھوہارے کا ادا کر دیا تو جائز نہیں ہے اگرچہ چھوہاروں کی قیمت گیہوں سے بہت زیادہ ہو اور جو چیز صراحۃً مذکور نہیں وہ اُن کیساتھ ملحق کر دی جاتی ہے جن کا صراحۃ قیمت کے ساتھ ذکر ہے مقدار کے اعتبار سے نہیں۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ آٹا گیہوں سے بہتر ہے کیونکہ مقصود سے زیادہ قریب ہے اور نقد سب سے بہتر ہے کیونکہ اس سے حاجتیں خوب پوری ہوتی ہیں۔ اور مکلّف غنی پر لازم ہے کہ اس اندازہ یا قیمت کو جس کا ذکر ہوا اپنی

ایک شخص پر کن لوگوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے

طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے لڑکا ہو یا لڑکی ادا کرے بشرطیکہ نابالغ کی ملک میں مال نہ ہو یہانتک کہ اگر نابالغ کے پاس مال ہو تو اس کیطرف سے اس کا باپ یا وصی خود اس کے مال سے ادا کر دے اور اولاد بالغ کیطرف سے صدقۂ فطر واجب نہیں اگرچہ خود اُس کے عیال میں ہو اور نہ بیوی کا فطرہ اُس کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر اُن کی طرف سے اُن کے بے کہے ادا کر دیا تو استحساناً جائز ہے کیونکہ عادۃً اس کی اجازت ہوتی ہے۔ اور اپنے خدمتی غلام کیطرف سے بھی ادا کرے اگرچہ مدبّر[1] یا امّ ولد[2] ہو یا کافر ہو اور نہ غلام تجارت کی طرف سے فطرہ دینا لازم ہے اور نہ بھاگے ہوئے غلام کی طرف سے لیکن اگر بھاگا ہوا عید کا دن گذر جانے کے بعد واپس آجائے تو پھر اُس پر گذشتہ فطرہ واجب ہے۔ فطرہ کے وجوب کا وقت

فطرہ کے وجوب کا وقت

یوم فطر کی صبح صادق ہے، یہانتک کہ اُس کے غلاموں میں سے یا اولاد میں سے صبح صادق سے پہلے اگر کوئی مرجائے تو اُس کا فطرہ واجب نہیں اور اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہو یا کسی غلام کا مالک ہو تو صدقہ واجب نہیں اور اگر صبح صادق سے پہلے بچہ پیدا ہوا یا غلام کا مالک ہوا تو اُس کا صدقہ واجب ہے۔ اور ایسے ہی اگر صبح سے پہلے غنی ہو گیا جب بھی فطرہ واجب ہے اور بعد میں ہوا تو نہیں اور عید کی نماز سے پہلے اس کا ادا کرنا مستحب ہے اور دیر کرنے سے ساقط نہیں ہوتا اگرچہ فقیر ہو جائے اور مدّت دراز گذر جائے کیونکہ فطرہ مکلّف کے ذمہ سے متعلق ہے مال پر نہیں ہے اور صدقۂ فطر وقت وجوب سے پہلے دے دینا صحیح مذہب میں مدّت کی تفصیل کے بغیر جائز ہے[3]۔ اور ایک شخص کا فطرہ ایک ہی فقیر کو دینا واجب ہے حتیٰ کہ اگر دو فقیروں کو تقسیم کر دیگا

فطرہ کس کو دینا واجب ہے

تو جائز نہیں[4] کیونکہ نص صریح میں غنی کر دینا ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُن کو سوال سے آج کے دن غنی کر دو۔ اور اس سے کم میں مستغنی نہیں ہوتا۔

---

[1] مدبر وہ غلام ہے جس کو آقا اپنی زندگی میں کہدے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے ۱۲ [2] ام ولد اس باندی کو کہتے ہیں کہ جس سے کوئی بچہ آقا سے پیدا ہوا ہو وہ باندی آقا کے مرنیکے بعد خود بخود آزاد ہو جاتی ہے ۱۲ [3] یعنی یہ کہ کسی وقت جائز ہو کسی وقت ناجائز ۱۲ [4] اور صحیح مذہب ہے کہ ایک آدمی کا فطرہ کئی فقیروں کو بھی دینا درست ہے لیکن ایک فقیر کو دینا بہتر ہے۔ اس کتاب میں جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں ۱۲ احمد علی مفتی مدرسہ جامع العلوم کانپور

اور بعضے کہتے ہیں کہ ایک فطرہ دو فقیروں کو بھی دینا جائز ہے لیکن اول مذہب بہتر ہے اور ایک جماعت بھر کا فطرہ جو انپر واجب ہے ایک فقیر کو دینا جائز ہے لیکن اولی یہ ہے کہ کئی دفعہ کرکے دے ایک ہی دفعہ نہ دیدے کیونکہ آدھا صاع کم سے کم مقدار ہے کہ اس سے کم کی ممانعت کی گئی ہے نہ زیادتی کی لہٰذا جب کئی مرتبہ میں دیگا تو وہی فقیر دوسری دفعہ حکماً دوسرا مسکین ہوگا۔

اور صدقۂ فطر کا اپنی اصل یعنی ماں باپ وغیرہ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور اپنے غلاموں کو اور ان کے علاوہ جن جن کو زکوٰۃ کا دینا ناجائز ہے جائز نہیں اور ذمی فقیروں کو دینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے برخلاف زکوٰۃ کے کیونکہ زکوٰۃ کا تو دینا ہی ان کو ناجائز ہے۔ تیسری چیز جو اس عید میں مکلف پر

تیسری واجب چیز نماز عید ہے

واجب ہے نماز ہے اور نماز سے پہلے مرد کو مسواک کرنا اور نہانا اور خوشبو لگانا اور اچھے مباح نئے ہوں یا دھوئے ہوئے کپڑے کہ ریشمی نہ ہوں پہننا مستحب ہے کیونکہ ریشم مردوں پر حرام ہے حتیٰ کہ بچوں کو بھی حرام ہے لیکن اس کا گناہ پہنانے والے پر ہے۔

اور شیرینی کھانا اور صدقہ فطر ادا کرنا اور نماز صبح مسجد محلہ میں پڑھنا اور تبکیر یعنی جلد مستعد ہونا اور ابتکار یعنی عیدگاہ کی طرف جلد روانہ ہونا اور پیادہ پا جانا اور دوسری راہ سے لوٹنا اور عیدگاہ کو جانا مسنون ہے۔

اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو لیکن ہاں امام کسی کو اپنا خلیفہ بنا جائے جو شہر کے اندر ناتواں اور بیماروں کو نماز پڑھاتے اس بنا پر کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے بخلاف جمعہ کے کہ وہ چونکہ جماعتوں کا جامع ہے اسلئے تفرقہ اس کے منافی ہے۔

عید کی تکبیر

اور عیدگاہ کے راستے میں تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس عید یعنی عید فطر میں پکار کر نہ پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک پکار کر کہے۔ اور یہ بھی امام ابو حنیفہؒ سے ہی ایک روایت ہے اور ابو جعفرؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس سے منع نہ کرنا چاہئے کہ انہیں نیک کاموں کی رغبت کم ہوتی ہے اور اس بنا پر بہتر ہے کہ وہ تکبیر تو پڑھا کریں لیکن نہ سب مل کر اور آواز ملا کر راگنی کی رعایت کرکے کہ یہ سب حرام ہے بلکہ ہر ایک خود تکبیر پڑھے اور جب عیدگاہ میں جا پہنچے تو تکبیر موقوف کردے۔ اور ابو موسیٰ رضاؓ سے روایت ہے کہ وہ ہر دس قدم پر ایک بار تکبیر پڑھتے تھے یہاں تک کہ عیدگاہ پہنچ جاتے اور اگر کوئی گردو نواح کا رہنے والا رات کے وقت عیدگاہ کو کوس بھر یا اس سے کم زیادہ فاصلے سے چلے تو صبح صادق سے تکبیر کہنا شروع کردے۔ پھر جب نماز کا وقت آجائے اور وقت مکروہ آفتاب بلند ہونے سے چلا جائے

نماز عید کا وقت اور طریقہ

تو امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت بدون اذان اور تکبیر کے اس طرح پڑھے کہ پہلے تکبیر تحریمہ کہے اور پھر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر سبحٰنک اللّٰھم پڑھے اور پھر

تین دفعہ تکبیر کہے اور ہر ہر تکبیر کے درمیان تین تین تسبیح کے برابر فرق کرے کیونکہ یہ نماز بڑے مجمع کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ پے در پے تکبیر کہنے سے دُور کے آدمیوں کو اشتباہ ہوگا اور ہر ہر تکبیر کیساتھ تینوں تکبیروں میں دونوں ہاتھ اُٹھائے اور درمیان میں دونوں ہاتھ چھوڑ دے اور تیسری تکبیر کے بعد ناف کے نیچے باندھ لے اور اعوذ باللہ پڑھے اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو اول قرأت کرے اور اس کے بعد تین بار تکبیر کہے ان کے درمیان بھی اُسی قدر فاصلہ رکھے جسقدر ابھی ذکر ہوا ہے اور ہر تکبیر پر دونوں ہاتھ اٹھائے درمیان میں اور چھوڑ دے۔ ان کے بعد بھی ہاتھ کا باندھنا ثابت نہیں ہے بلکہ چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اس طرح دونوں رکعتوں کی کل تکبیریں نو ہوئیں۔ تین ان میں سے اصلی ہیں ایک تکبیر تحریمہ اور دو تکبیریں رکوع کی اور چھ زوائد ہیں۔ تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ اور اگر پہلی رکعت میں تکبیر کہنا بھول گیا۔ یہاں **امام کے تکبیراتِ عید بھول جانے کا حکم** تک کہ کُل یا کچھ سورۂ فاتحہ پڑھ لی، اسکے بعد یاد آیا تو اب تکبیریں کہہ کر فاتحہ کو دوبارہ پڑھ لے اور اگر فاتحہ اور دوسری سورت پڑھنے کے بعد یاد آئے تو صرف تکبیریں کہہ لے قرأت دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ قرأت پوری ہو چکی اور پوری ہونے کے بعد پھر سے لوٹا کر دوبارہ پڑھنے کی قابلیت نہیں رکھتی برخلاف پہلی اور دوسری صورت کے کہ قرأت اُن دونوں صورتوں میں پوری نہیں ہوئی تھی تو گویا قرأت کو شروع ہی نہیں کیا تھا۔ اور اب ترتیب کی رعایت کے لئے لوٹا سکتا ہے۔ پھر نماز کے بعد امام دو خطبہ پڑھے اور دونوں خطبہ تکبیر سے شروع کرے اور **خطبۂ عید** دونوں خطبوں میں ایک جلسۂ خفیف سے فصل کرے جسکی مقدار یہ ہے کہ بدن کا ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ درست ہو جائے اور اس خطبہ میں وہی باتیں مسنون ہیں جو جمعہ کے خطبہ میں مسنون ہیں اور وہی باتیں مکروہ ہیں جو اُس میں مکروہ ہیں اور اسی عید یعنی عید الفطر کے خطبہ کے اندر فطرہ کے احکام بتائے۔ اور جو شخص عید کی نماز امام کے ساتھ نہ پائے وہ اُس کی قضا نہ کرے اور جو شخص امام کو رکوع **امام کیساتھ عید کی نماز مکمل نہ پڑھنے والے کا حکم** میں پائے وہ تکبیر تحریمہ حالتِ قیام میں کہے کیونکہ تکبیر تحریمہ صرف قیام ہی میں مشروع ہے پھر عید کی تکبیریں کہے۔ اگر یہ جانتا ہو کہ رکوع میں امام کیساتھ مل جائے گا کیونکہ اصلی جگہ عید کی تکبیروں کی قیام ہی ہے اور اگر امام کے ساتھ رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر رکوع کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں عید کی تکبیریں کہہ لے، کیونکہ یہ واجب ہیں ان کا ادا کرنا اولیٰ ہے اور تسبیحات رکوع کی چھوڑ دے کیونکہ یہ سنت ہیں اور رکوع میں دونوں ہاتھ نہ اٹھائے کیونکہ رفع یدین سنت ہے اور ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا بھی سنت ہے اور ایسی سنت ادا کرنیکی کوئی وجہ نہیں جس میں دوسری سنت کا ترک ہوتا ہو اور جب

امام رکوع سے سر اٹھائے تو پھر اس کے ذمّے سے بقیہ تکبیریں عید کی ساقط ہو جاتی ہیں اب اِس تکبیر کو رکوع میں پورا نہ کرے اور نہ قومہ میں بلکہ امام کی متابعت میں عجلت کرے کیونکہ متابعت فرض ہے لہٰذا واجب کے لئے ترک نہیں کی جاسکتی اور اگر امام کو قومہ میں پایا تو اسمیں تکبیر عید نہ کہے کیونکہ اب اس رکعت کو مع تکبیرات قضا کریگا اور جس کی ایک رکعت جاتی رہے تو وہ جب فوت شدہ کو قضا کرنے کھڑا ہوا تو اول قرأت شروع کرے اس کے بعد عید کی تکبیریں کہے اور پھر رکوع میں جائے اور اگر امام کو التحیات میں پایا سلام کے بعد سہو کے سجدہ میں تو کھڑا ہو کر تکبیرات عید کو اپنے ٹھکانے پر کہہ کے نماز پڑھے۔ اور اس عید کی نماز میں کچھ دیر کرنا اور بقرعید میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور قنیہ میں ہے کہ جنازہ اور عید کی نماز اگر اکٹھی ہو جائیں تو عید کی نماز نمازِ جنازہ پر مقدم کریں اور نمازِ جنازہ کو خطبہ پر۔ اور بزازیہ میں ہے اگر عید اور نمازِ کسوف جمع ہو جائیں تو عید کی نماز جس طرح کہ جنازہ کی نماز پر مقدم ہے اسی طرح اس پر بھی واجب ہونے کی وجہ سے مقدم ہے اور یہ اسلئے کہ عید کی نماز کا وجوب عینی ہے اور جنازہ کی نماز کا وجوب کفایہ ہے۔

نمازِ عید میں تعجیل و تاخیر

اور عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے اور بعد از نمازِ عید امام وغیرہ سب کو نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

اور اگر ہلالِ عید پر گھٹا چھا جائے اور گواہ دوپہر ڈھلے امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو اب امام عید کی نماز لوگوں کو اگلے دن پڑھائے کیونکہ یہ تاخیر عذر سے ہے۔ اور یہ تو خود روایت ہے کہ ایک جماعت نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر ڈھلے چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی تو نبی علیہ السلام نے دوسرے دن عید گاہ جانے کا حکم فرمایا تھا۔ ہاں بلا عذر تاخیر جائز نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ اگلے دن بھی نماز سے مانع ہو تو اب اس کے بعد نماز نہ پڑھیں کیونکہ اصل تو اس میں یہی تھا کہ اگلے دن بھی نماز نہ پڑھیں کیونکہ یوم فطر ایک ہی ہے۔ لیکن چونکہ حدیث میں عذر کیوقت دوسرے دن تک تاخیر ثابت ہے اسلئے اس کے علاوہ مقتضائے قیاس ہی پر باقی رہے گا۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ گو چاند کا دیکھنا نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی بنا پر کہ روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو چاند دیکھ کر، روزہ اور افطار کے وجوب کا سبب ہے لیکن اس حدیث پر بلا حکم قاضی کے عمل واجب نہیں اور اسلئے قاضی کے پاس جانا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ اگر آسمان دھندلا ہو خواہ ابر ہو یا دھواں گرد و غبار ہو یا اسی طرح اور کچھ تو ہلالِ فطر میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا کسی اور طرح گواہی مقبول نہیں اور جیسے کہ عدد اسمیں شرط ہے ایسے ہی آزاد ہونا اور عادل ہونا اور لفظِ شہادت بھی شرط ہے کیونکہ اس سے حق العباد متعلق ہیں اور وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس لئے اس دلیل سے ثابت ہو گا جس سے

رمضان اور عید کا چاند اور اسکے دیکھنے پر شہادت

اُن کے اور حقوق ثابت ہوتے ہیں برخلاف ہلالِ رمضان کے کہ اس سے صرف حق شرع متعلق ہے اور وہ روزہ ہے پس اس میں ایک شخص عادل کی خبر کافی ہے آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت۔

ہاں اگر آسمان میں کوئی خرابی نہ ہو تو اب صرف ایک شخص کی گواہی رمضان کے چاند میں بھی مقبول نہیں اور نہ ایسی حالت میں دو شخصوں کی گواہی عید الفطر کے چاند میں مقبول ہوگی بلکہ اب اتنی جماعت کثیر کی گواہی مقبول ہوگی جن کی خبر سے یقین آجائے اور اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ایک محلہ والوں کا ہونا ضروری ہے اور بعضے کہتے ہیں پچاس مرد ہونے چاہئیں۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ہر طرف سے خبر کا لگا تار آنا ضروری ہے اور صحیح یہ ہے کہ اسکا حوالہ حاکم کی رائے پر ہے کیونکہ اُس علم سے مُراد جو اُن کی خبر سے حاصل ہو علم شرعی عمل کا واجب کرنے والا ظن غالب ہے علم یقینی مراد نہیں ہے۔

اور اگر کسی نے عید کا چاند اکیلے دیکھا اور قاضی کے رُوبرو گواہی بھی دی لیکن اس کی گواہی مقبول نہ ہوئی تو وہ خود روزہ رکھے اور افطار نہ کرے اور اگر افطار کرلیگا تو قضا لازم ہوگی ہاں اسپر کفارہ واجب نہیں اور اگر فقط امام نے عید کا چاند دیکھا ہو تو وہ افطار نہ کرے اور نہ عید کی نماز کو جائے۔

اور اگر کسی نے عید کا چاند عصر کے وقت دیکھ کر خیال کیا کہ روزوں کی مدّت تمام ہوگئی اور روزہ افطار کر ڈالا۔ محیط میں ہے کہ وجوب کفارہ کے متعلق اختلاف ہے لیکن اکثر فقیہ کفارہ واجب بتاتے ہیں۔

اور اگر ایک شہر والوں نے رمضان کا چاند دیکھ کر انتیس روزے رکھے تھے کہ ایک گروہ نے انتیسویں تاریخ قاضی کے پاس گواہی دی کہ فلاں شہر والوں نے رمضان کا چاند فلانی شب میں تم سے ایک دن پہلے دیکھ کر روزے رکھے ہیں اور آج رمضان کا تیسواں دن ہے اور اس شہر والوں نے اُس شب چاند نہیں دیکھا تھا حالانکہ آسمان بھی صاف تھا تو اُن لوگوں کو اگلے دن افطار کرنا مباح نہیں اور نہ تراویح ترک کی جائے کیونکہ اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی ہے اور نہ اوروں کی گواہی پر گواہی دی ہے صرف اوروں کی رویت نقل کی ہے۔ البتہ اگر قاضی کے سامنے یہ گواہی دیتے کہ فلاں شہر کے قاضی کے سامنے دو گواہوں نے فلانی شب چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی اور اُس قاضی نے ان کی گواہی کے موافق حکم بھی دے دیا تھا تو اب اِس قاضی کو بھی جائز ہوتا کہ ان کی گواہی کے موافق حکم کر دیتا اور چونکہ پہلے قاضی کا حکم حجت ہے لہذا اس پر عمل جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رضا کے موافق اعمال اپنے لطف و کرم سے آسان کرے اور قبول کرے لے مدد کرنے والے۔

تینتیسویں مجلس ماہ شوال کے روزہ کی فضیلت میں

ماہ شوال کے روزہ کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس نے رمضان کے سارے روزے رکھ کر اس کے بعد چھ روزے شوال کے بھی رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے تمام سال کے روزے رکھے"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی ابو ہریرہؓ اور ابو ایوب انصاریؓ ہیں اور یہ ایک سال کے روزوں کے برابر اسلئے ہیں کہ حسنات دس گنا زیادہ کئے جاتے ہیں لہذا جس نے رمضان کے روزے رکھے تو ایسا ہوا کہ گویا دس مہینے کے روزے رکھے پھر جب اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو ایسا ہوا گویا دو مہینے کے روزے رکھے تو سب مجموعہ گویا بارہ مہینے کے برابر ہوا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس کلام سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دہر سے مراد سال ہے لیکن دہر کا استعمال سال کے معنوں میں کلام عرب میں متعارف نہیں بلکہ اہل لغت کے نزدیک اس کا اطلاق ہمیشگی پر آتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ دہر کا لفظ الف لام کے ساتھ بمعنے عمر ہوتا ہے لہذا ظاہر یہ ہے کہ مدت عمر پر محمول کریں سال کے معنوں پر حمل کرنے کی کوئی وجہ نہیں تو جواب یہ ہے کہ سال کے معنی لینا مدت عمر کے معنی لینا ہیں کیونکہ مکلف آدمی کو رمضان کے روزے رکھنا تو ضروری ہیں پھر جب عادت بھی ہوگئی کہ اُس کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھا کرے تو ایسا ہے کہ گویا اپنی تمام عمر روزے رکھے۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جو کوئی کسی ایک پورے مہینے کے روزے رکھ کر اُس کے بعد چھ روزے رکھ لے تو یہ بھی اس ارشاد الٰہی کے مطابق "جو کوئی لایا ایک نیکی اُس کیلئے ہے اُس سے دس گونہ، سال بھر کے روزوں کے برابر ہو جائیں گے۔ پھر خاص رمضان اور شوال ہی کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ماہ رمضان روزے کے لئے مقرر ہے اور ماہ شوال چونکہ اس کے بعد ہی واقع ہے تو اُس کے روزے بھی فضیلت میں رمضان کے برابر ہیں اور شرافت میں اس کے ساتھ ملحق ہیں یہانتک کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ چھ دن کے عید کے روزے رمضان ہی کے روزوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ روزے رمضان کے ہمراہ ادا کریگا اُس کو سال بھر کے فرض روزے ہی کے برابر ثواب ملیگا اور اسی لئے بیان میں بھی ان دونوں کو اور

مہینوں میں سے خاص کیا گیا ہے۔ پھر افضل یہ ہے کہ یہ روزے عید الفطر کے بعد پے در پے ہوں

ماہ شوال کے روزوں کا صحیح وقت اور ترتیب

لیکن بعضے علماء سے عید کے متصل ہی فرض پر بڑھا دینے میں اہل کتاب کی مشابہت سے احتراز کے لئے ان روزوں کی کراہت منقول ہے۔ لیکن مختار مذہب کی بنا پر کچھ کراہت نہیں کیونکہ کراہت جب ہے کہ ان کے رمضان میں شمار کئے جانے سے امن نہ ہو اور فرض پر بڑھا لینے میں نصاریٰ سے مشابہت ہو جائے اور یہ بات روز عید کے فاصل ہو جانے سے انفصال نہ رہنے کی وجہ سے جاتی رہی۔ نیز یہ کہ فقہاء کا کلام عوام کے حق میں کراہت بتانا ہے اہل علم کے حق میں نہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ وہ پے در پے اور جدا جدا دونوں کو برا جانتے تھے۔ اور ان کے مذہب کے متاخرین علماء نے اسمیں کچھ حرج نہیں سمجھا ہے۔
لیکن اسمیں اختلاف کیا ہے کہ آیا افضل پے در پے ہیں یا جدا جدا۔ پس اگر جدا جدا رکھے یا اول ماہ سے مؤخر کر دیا ہے تو اس کو اتباع فضیلت مل جائے گی اور اختلاف کے شبہ سے بھی دور رہیگا۔
اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس بات کو جاہلوں نے بنایا ہے اور جو حدیثیں اسمیں مروی ہیں وہ موضوع ہیں تو یہ طعن سننے کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور جو حدیث صحیح مسلم یا صحیح بخاری میں ہو اس میں وضعی ہونے کا امکان مسموع نہیں ہے۔ یہ بھی جاننا چاہئے کہ

ماہِ صفر اور ماہِ شوال میں نکاح کرنیکا مسئلہ

بعضے آدمی شوال میں نکاح کرنے کو مبارک نہیں جانتے ہیں اور اس میں بدفالی لیتے ہیں سو یہ جاہلیت کی بات ہے کہ وہ شوال میں نکاح کرنے کو نحس جانتے تھے اور اس کا سبب بعضوں کے قول کے موافق یہ ہے کہ ایک سال ماہِ شوال میں طاعون ہو گیا تھا اور اسمیں بہت سی دولہنیں مرگئی تھیں۔ اس لئے اہلِ جاہلیت نے اس سے بدفالی لی اور شرع میں اس کا بطلان آیا ہے۔
چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ماہِ شوال میں نکاح کیا اور ماہِ شوال ہی میں میری رخصتی کی، پھر کونسی بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھ سے زیادہ حضورؐ کے نزدیک بہرہ مند تھی۔ نوویؒ کہتے ہیں کہ ان کا مقصود اس سے اس اعتقاد کا رد کرنا ہے جسپر اہل جاہلیت تھے یعنی ماہِ شوال میں نکاح کرنے کی بدشگونی کیونکہ وہ ماہِ شوال کو فقط نکاح کرنے کے بارے میں نحس جانتے تھے جسطرح کہ ماہ صفر کو مطلقاً نحس سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مہینہ منحوس ہے۔ آجکل بھی بہت لوگ ان کی موافقت کرتے ہیں اور ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں اور اس میں سفر اور نکاح وغیرہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں

ماہِ شوال وغیرہ کے منحوس ہونیکا مسئلہ اور نحوست و برکت کا شرعی اصول

کہ نحوست کی خصوصیت کہ اس وقت ہوا اور اسوقت نہ ہو جیسے ماہِ شوال وغیرہ یہ صحیح نہیں کیونکہ زمانہ کل کا کل

اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسمیں تمام بندوں کے افعال ہوتے ہیں سو جس زمانے کو آدمی نے عبادت میں مشغول رکھا وہ اس کے لئے مبارک زمانہ ہوگا اور جس زمانے کو انسان معصیت میں مشغول رکھیگا وہ اُس کے حق میں منحوس زمانہ ہوگا۔

اور نحس اور مبارک حقیقت میں معصیت اور طاعت ہی ہے جیسا کہ عدی بن حاتم رضی نے کہا ہے کہ آدمی کی برکت اور نحوست اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی اس کی زبان۔ اور ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہے تو اسمیں ہے جو دونوں کلوں کے درمیان ہے، یعنی زبان۔ اور کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی حاجتمند نہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نحوست بدخلقی ہے۔

پس اب حقیقت میں نحوست معاصی اور گناہوں کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بیزار کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں بدبخت ہوتا ہے اور جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں نیکبخت ہوتا ہے۔ کسی بزرگ سے ایک مصیبت کی جس میں تمام خلق گرفتار تھی شکایت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ جس بلا میں تم گرفتار ہو گناہوں کی نحوست کے سوا اس کی اور کوئی وجہ میں نہیں جانتا۔

اس شخص اور مقام سے دور رہنے کا حکم جس پر اللہ کا عذاب نازل ہو

اور اب اس بنا پر نافرمان خود آپ اپنی جان کے لئے اور نیز دوسروں کے لئے منحوس ہوتا ہے کیونکہ اس سے امن نہیں ہو سکتا کہ اسپر عذاب نازل ہو کر سب پر عام ہو جائے خصوصاً اسپر جسنے اسکے عمل پر انکار نہیں کیا۔ لہذا ایسے شخص سے دور رہنا ہی لازم ہے اور اسی طرح ان مقامات سے جہاں معاصی کئے جاتے ہیں اُن سے بھی اس خوف سے کہ جو اس مقام میں ہیں اُنپر عذاب نازل نہ ہو، دور رہنا اور بھاگنا لازم ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے جبکہ مقام حجر میں دیار قوم ثمود پر گذر رہے تھے فرمایا تھا کہ ان حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کے مکانوں میں داخل نہ ہو لیکن مگر اس خوف سے روتے ہوئے کہ کہیں تم پر بھی جو اُن پر آیا تھا نہ آجائے۔

اور اسمیں شک نہیں کہ اہل عصیان کا چھوڑ دینا بھی منجملہ اُس ہجرت کے ہے جس کا حکم ہے اور جو گناہوں اور قصوروں کے بخشش کا سبب ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جس نے سو آدمی بنی اسرائیل کے قتل کر کے اُن کے عالموں میں سے ایک عالم سے پوچھا تھا کہ آیا میرے لئے کوئی توبہ ہے تو عالم نے اُس کو جواب دیا ہاں اور اس کو حکم دیا کہ مفسد گاؤں میں سے صالح گاؤں میں منتقل ہو جائے۔ پھر دونوں گاؤں کے درمیان اُس کو موت آگئی تو رحمت اور عذاب کے فرشتے اُس کے بارے میں جھگڑنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو وحی بھیجی کہ دونوں کے مابین کا اندازہ کرو اور دونوں

میں جس سے زیادہ نزدیک ہو اُدھر ملا دو۔ پس اُس کو صالح گاؤں کیطرف اتنا نزدیک پایا جتنا ڈھیلا پھینکنے کا فاصلہ، پس اللہ کی رحمت اور مغفرت سے اُدھر ہی ملا دیا۔

چونتیسویں مجلس ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت میں

ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں عبادت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ایسے کوئی دن نہیں ہیں جن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو ان دنوں سے زیادہ پسند ہو"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں اور ہذہ الایام سے مراد ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے جیسا کہ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ "کہ کوئی دن ایسے نہیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہو، اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر شب کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے"۔ اور ان دنوں میں عمل صالح ۃ ف اس لئے افضل ہے کہ یہ بیت اللہ اور مسجد حرام اور مکہ کی زیارت کے دن ہیں اور وقت جب افضل ہوتا ہے تو اس میں عمل صالح بھی افضل ہوتا ہے۔

اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے اپنے اوپر روزے ان دس دن کے اور دعا اور استغفار اور خیرات کی کثرت لازم کر لو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ افسوس ہے اُس شخص پر جو ان دس دن کی خوبی سے محروم رہا اور اپنے اوپر خاصکر نویں تاریخ کا روزہ لازم کر لو کیونکہ اسمیں خوبیاں شمار کرنیوالوں کی شمار سے زیادہ ہیں۔ اور روایت

یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت | ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ یوم عرفہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو جائے"۔ یعنی جس نے عرفہ کے دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اُس کے تمام صغیرہ گناہ جو سال گذشتہ میں ہوئے ہیں معاف ہو جائیں اور سال آئندہ میں گناہوں کی نزدیکی سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے۔

قاضی خاں اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں عرفہ کے دن کے روزے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے خواہ مقیم ہو خواہ مسافر، بشرطیکہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔ اور عرفات میں عرفہ کا روزہ مکروہ ہے اور

عرفات میں عرفہ کا روزہ مکروہ ہے | ایسے ہی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کا روزہ۔ کیونکہ روزہ کی حالت میں ارکان حج ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا۔ پس اگر آدمی یہ چاہے کہ وہ ثواب اور فضیلت

عرفہ کے روز ثواب اور فضیلت کے حصول کا طریقہ | جو نبی علیہ السلام نے بیان کی ہے حاصل کرے تو چاہیے کہ وقت کی عزت اور شرافت کا لحاظ رکھ کر اس میں اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت اور

بیہودہ کلام سے اور اپنے اعضار کو قصوروں اور گناہوں سے اور اپنے دل کو خودپسندی اور تکبر اور خلقت کی دشمنی سے محفوظ رکھے۔ یہ وہ عبادت ہے جو نبی علیہ السلام نے عرفہ کے دن بیان فرمائی ہے۔

رہا اس دن مسجد جامع میں یا شہر سے باہر کسی خاص جگہ عرفات والوں کی مشابہت کے لئے جمع ہونا یہ کچھ نہیں ہے کیونکہ عرفات میں ٹھیرنا عرفات کے ساتھ ہی مخصوص عبادت ہے لہذا اس کے سوا کہیں اور دیگر ارکان حج کی طرح عبادت نہیں ہوسکتی۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص کعبہ کے سوا کسی مسجد میں طواف کرے تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "جب عشرۂ ذی الحجہ آئے اور قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور بدن کو بالکل نہ چھوئے"۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "جو ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کرنیکا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ تراشے"۔

شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے میں علمار اختلاف کرتے ہیں۔ ایک گروہ تو اس طرف گیا ہے کہ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کو ماہ ذی الحجہ شروع ہونے کے بعد ناخن اور بال ترشوانا جائز نہیں جب تک کہ قربانی ذبح نہ کرے اور کہتے ہیں کہ ممانعت اس حدیث میں حرمت کے لئے ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو مندوب اور مستحب جانتے تھے۔ شرح منیہ میں ہے قربانی کے ارادہ کرنیوالے کو مستحب ہے کہ قربانی ذبح کرنے تک ناخن ترشوانے اور سر منڈانے کو موخر کرے لیکن واجب نہیں۔

اور اگر تاخیر سے کراہت لازم آتی ہو تو تاخیر نہ کرے اور وہ یہ کہ چالیس دن سے بڑھ جائے۔ کیونکہ قنیہ میں مذکور ہے کہ ہر آدمی کو افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں اپنے ناخن تراشے اور لبیں کترواتے اور موئے زیر ناف مونڈے اور نہادھو کر بدن کو پاک صاف کرے اور اگر ہر ہفتہ نہ کرے تو ہر پندرہ دن کرے اور چالیس دن سے زیادہ چھوڑنے میں کوئی عذر نہیں۔ پس ہفتہ افضل مدت ہے اور پندرہ دن درمیانی مقدار اور چالیس دن انتہائی مدت ہے اور چالیس دن سے زیادہ میں کوئی عذر نہیں ہے لہذا وعید کا مستحق ہے۔ پھر یہ ممانعت احرام باندھنے والے حاجیوں سے مشابہت کی غرض سے نہیں ہے جیسا کہ بعض علمار کا مذہب ہے کیونکہ اگر مشابہت کے لئے ہوتی تو احرام کے اور ممنوعات میں بھی جاری ہوتی اور اجزا لئے بدنی کے دور کرنے سے خصوصیت نہ ہوتی بلکہ نہی کی علت تورپشتی کے بیان کے موافق یہ ہے کہ قربانی کرنیوالا اپنی قربانی کو اپنی جان کے عوض میں فدیہ دیتا ہے کہ قیامت کے دن عذاب سے بچے اور اس سے قربت الٰہی زیادہ ہو تو گویا گناہوں کے

کرنے اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اپنی جان کو بڑے سے بڑے عذاب کا سزاوار جانتا ہے اور وہ قتل ہے۔ اتنی بات ہے کہ اسپر پیش قدمی سے اسلئے رُک گیا کہ خودکشی کی اجازت نہیں ہے لہذا قربانی کو اپنی جان کا بدلہ دیتا ہے سو ہر ہر جزو قربانی کا اس کے بدن کے ہر ہر جزو کا بدلہ ہے پس قربانی کی برکت تمام اجزائے بدن کو شامل ہوگئی کہ کوئی ذرہ بدن کا خالی نہیں رہا اور نہ کوئی بال محروم رہا پس چونکہ یہ فضیلت متصل اجزاء کو ملحق ہے نہ اجزائے منفصل سے۔

لہذا نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ" اپنے بال اور بدن کو نہ چھوئے تاکہ اسمیں سے کوئی چیز نزول رحمت اور فیضان نور الٰہی کے وقت گم نہ ہو تمام فضائل پورے ہوں اور نقائص جاتے رہیں اس بناپر لوگوں کو چاہیئے کہ ماہ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا کریں اور اس کے دن گنتے رہیں تاکہ قربانی کے ذبح کا وقت معلوم ہو اور اُس کی تیاری کریں۔ لہذا چاند کا قرار پانا چونکہ قاضی کے حکم پر موقوف ہے اسلئے قاضی

رویت ہلال عیدالاضحیٰ کے پاس جانا لازم ہے۔ پس اگر آسمان میں کچھ خرابی ہو خواہ دھواں بخار ہو یا غبار یا ایسا ہی اور کچھ ہو تو ظاہر روایت میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کے سوا اور کی گواہی معتبر نہیں اور حق العباد یعنی قربانی کے گوشت میں وسعت کے متعلق ہونے کی وجہ یہی ہے اور اسی دلیل سے ثابت ہوگا جس سے ان کے اور حقوق ثابت ہوتے ہیں اور جیسے کہ اس میں یہ عدد شرط ہے ویسے ہی آزاد ہونا اور عدالت اور شہادت کا لفظ بھی شرط ہے۔

اور اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو پھر جماعت کثیر کی گواہی جن کی خبر سے علم ہو جائے ویسے کوئی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور اس کی مقدار میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ ایک محلہ کے لوگ چاہئیں اور بعضے کہتے ہیں کہ پچاس آدمی ہونے ضروری ہیں۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ پے درپے ہر طرف سے خبر آنی چاہیئے اور صحیح یہ ہے کہ حاکم کی رائے پر ہے کیونکہ اس علم سے جو ان کی خبر سے حاصل ہو علم شرعی مراد ہے جس سے عمل واجب ہو جاتے اور علم شرعی ظن غالب ہے علم بمعنی یقین نہیں۔ اور اگر یہ شبہ پڑجائے کہ یہ دن دسویں ذی الحجہ ہے یا نویں ذی الحجہ تو احتیاط

تاریخ میں شبہ پڑجائے تو قربانی کا حکم اس میں ہے کہ قربانی اگلے روز دوپہر ڈھلے ذبح کرے اور اس کے بعد ذبح کو تیسرے دن تک مؤخر نہ کرے۔ کیونکہ غیر وقت میں ذبح ہو جانیکا احتمال ہے اور اگر مؤخر کر دیا تو پھر یوں مستحب ہے کہ سب گوشت صدقہ کر دے اور خود اسمیں سے نہ کھائے۔

چھتیسویں مجلس ایام نحر میں قربانی کرنیکی فضیلت اور اسکے اقسام اور کیفیت کے بیان میں

قربانی کے دن پسندیدہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ" انسان کا قربانی کے دن کوئی عمل ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور قیامت کے

روز قربانی کا جانور مع اپنے سینگوں اور بالوں اور سموں کے آئے گا اور نیز یہ کہ وہ خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے پس اس سے دل خوش کرو۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ سب سے عمدہ عبادت یوم نحر میں قربانی کا ذبح کرنا ہے اور وہ قربانی قیامت کے دن جیسے دنیا میں تھی بعینہ موجود ہوگی بدون اسکے کہ کچھ اسمیں سے کم ہوتا کہ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے میں اجر حاصل ہوا اور پلصراط پر اس کی سواری بنے۔ اور ہر وقت ایک عبادت کیساتھ **قربانی کی افضلیت کی وجہ** خاص ہوتا ہے اور اس دن میں وہ عبادت مخصوص ہے جو حضرت ابراہیم نبی علیہ السلام نے کی تھی اور اگر کوئی عبادت اس سے افضل ہوتی تو حضرت اسمٰعیل نبی علیہ السلام کو کیوں فدیہ ہوتے اور اسی واسطے صاحب خلاصہ نے لکھا ہے کہ دس درہم کو قربانی کا جانور خرید کر ذبح کرنا ہزار درہم کے تصدق کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جو قرب الٰہی خون بہانے سے حاصل ہوتا ہے وہ خیرات کرنیسے نہیں ہوسکتا۔ لیکن سمجھنا چاہیئے کہ اس دن خون بہانا اگرچہ سب عبادات سے افضل **قربانی صرف تقویٰ والوں کی قبول ہوتی ہے** ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہیں پہنچتا اس کا گوشت اور نہ خون لیکن اسکو پہنچتا ہے تقویٰ تمہاری طرف سے" یہ اشارہ کرتا ہے کہ صرف خون بہانا اور گوشت کا کھلانا معتبر نہیں ہے بلکہ اعتبار تقویٰ کا حاصل کرنا ہے جو تمام عبادات کے مقبول ہونے کی شرط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ صرف تقویٰ والوں ہی سے قبول کرتا ہے" اور تقویٰ تمام منہیات سے بچنے اور تمام احکام کے بجالانے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور جب یہ نہ حاصل ہوا تو صرف خون بہانا اور گوشت خیرات کرنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ پس اس بنا پر اس عید میں مکلف پر کئی چیزیں واجب ہیں۔ اول معاصی کا ترک کرنا کیونکہ گناہ **معاصی کا ترک کرنا واجب ہے** کرنا اگرچہ ہر وقت برا ہے لیکن بعضے وقتوں کی شرافت کے سبب قباحت میں بہت زیادہ اور حرم میں بہت سخت ہوتا ہے لہذا اس وقت اس کا ترک کرنا زیادہ لازم اور واجب ہے بسبب اس قول خداوند تعالیٰ کے "مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہے کتاب اللہ میں جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا ان میں سے چار ماہ حرام ہیں یہی سیدھا دین ہے پس ان میں اپنے اوپر ظلم مت کرو" یعنی قمری مہینوں کا عدد جنپر بہت سے احکام شرعی کا مدار ہے ازروئے حکم الٰہی بارہ مہینے لوح محفوظ میں ثابت ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیئے ان بارہ مہینوں میں سے چار محترم ہیں۔ ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب اور ان چاروں مقررہ مہینوں کا محترم ہونا یہی سیدھا دین ابراہیم نبی علیہ السلام کا دین ہے لہذا تم ان میں ان کی حرمت توڑکر اور ان میں گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ عمل نیک ان مہینوں میں

جیسے کہ ثواب میں زیادہ ہے ایسے ہی معصیت بھی ان میں اور وقت کی معصیت سے بڑی ہے۔
اسی طرح ماہ رمضان اور جمعہ کے دن اور عرفہ کے روز اور ان کی راتوں میں اور شب قدر میں اور
اور دونوں عیدوں کے دن اور ان کی راتوں میں معصیت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات
کو ان عبادتوں سے جو ان اوقات میں یکجا فی ہیں اور فضیلت دی ہے اور انہیں عبادات کا ثواب
اور رحمت کا نزول اور مغفرت کرنا بہ نسبت اور اوقات کے اس امت مرحومہ پر رحمت کیلئے زیادہ
مقرر فرمایا ہے۔ لہذا جو شخص اس رحمت کو جو اسوقت اُسپر ہے نہ پہچان کر اس وقت کی حرمت
طرح طرح کے گناہ کر کے توڑ دے گا تو بیشک وہ اس لائق ہے کہ اس کا عذاب سخت اور عقاب
بڑا ہو۔

مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس نعمت کو جو ان کو ملی ہے جانیں اور جس کو اللہ نے عظمت دی ہے اُس
کی تعظیم کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظمت والے ہوں اور ان اوقات کی تعظیم صرف ان میں
نیک اعمال کی کثرت ہی سے ہو سکتی ہے اور اگر کوئی شخص اس سے عاجز ہو تو کم از کم اسکی
تعظیمی حالت یہ ہے کہ ان اوقات میں ان کاموں سے بچے جو اُسپر حرام اور اُس کیلئے مکروہ ہیں
لہذا تمام بدعات اور منکرات اور جو کام سزاوار نہیں ہیں یعنی ممنوعات ترک دے اور آجکل تو اکثر
لوگ کبھی کبھی ان اوقات میں اس کے خلاف کیا کرتے ہیں چنانچہ ایام عیدین اور ان کی راتوں
میں لہو و لعب وغیرہ طرح طرح کے گناہوں میں بعضے خود کر کے بعضے تماشائی بن کے کوشش
کرتے ہیں باوجودیکہ ایک گناہ کے دس ضرر ہیں جیسا کہ فقیہ ابواللیثؒ نے تنبیہ الغافلین میں
گناہ کے نقصانات | ذکر کیا ہے۔ اول اپنے خالق کے حکم کی مخالفت کر کے اُس کو ناراض کرنا
اور دوسرے ابلیس کا جو خود اس کا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے خوش کرنا تیسرے جنت سے اسکا
دور ہونا چوتھے دوزخ سے نزدیک ہو جانا پانچویں سب سے زیادہ محبوب چیز جان پر ظلم کرنا
چھٹے اپنی جان جسکو اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا کیا ہے نجس کرنا۔ ساتویں نگہبان فرشتوں کو جو اسے نہیں
ستاتے ہیں ستانا آٹھویں نبی علیہ السلام کو قبر شریف کے اندر رنجیدہ کرنا نویں زمین اور رات اور
دن کو اپنی بُرائی پر گواہ مقرر کرنا دسویں تمام خلق اللہ کی بدخواہی کیونکہ گناہوں کی شامت سے
بارش کم ہوتی ہے۔

پس جب ایک گناہ کرنیوالے کا یہ حال ہے تو بھلا اُس کا کیا حال ہوگا جو طرح طرح کے گناہ کرتا ہو
اور خصوصاً ان مبارک ایام میں حالانکہ واعظ لوگ منبروں پر پکار پکار کر کہتے ہیں کہ عید اس کی نہیں جو
عید کن لوگوں کی ہے | نئے کپڑے پہن لے عید اُسی کی ہے جو وعید سے امن میں ہو عید اس
کی نہیں جو خوشبو میں بسے عید اُسی توبہ کرنیوالے کی ہے جو پھر نہ پھرے۔ عید اس کی نہیں ہے جو

دنیا کی زیب و زینت سے آراستہ ہو، عید اُسی کی ہے جس کے ساتھ تقویٰ کا توشہ ہو۔ عید اسکی نہیں جو اونٹنیوں پر سوار ہو، عید اسی کی ہے جو خطائیں چھوڑ دے۔ عید اسکی نہیں جو فرش پر بیٹھے عید اُسی کی ہے جو صراط پر سے گذر جائے۔ اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ملاہی سننا معصیت ہے ناچ گانا سننا معصیت ہے اور اسپر بیٹھا رہنا فسق ہے اور اس سے مزہ لینا کفر ہے نیز یہ بھی روایت کہ نبی علیہ السلام نے اس کی آواز سن کر اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں لیکن یہ لوگ اس قسم کے کلمات سنتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اسلام اور خدا و رسولؐ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر بھی اوامر و نواہی میں اُن کی مخالفت کیے جاتے ہیں لیکن اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

رہے حاکم وقت تو وہ ایسے ایسے ممنوعات دیکھتے ہیں لیکن اسمیں سے کسی بات کو منع کرنا تو کجا خود اور ان کی موافقت کرتے ہیں اب جو کوئی رونا چاہے وہ اسلام اور اس کی غربت پر روئے کیونکہ اب اسلام اسی غربت پر ہوگیا ہے جس غربت پر شروع ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایام خوشی اور مسرت کے ضرور ہیں لیکن اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ خوشی اور مسرت ان اوقات میں اُن ہی امور سے ہو جو مستحب یا مُباح ہوں جیسے نہانا، خوشبو لگانا، اچھے اچھے کپڑے بدلنا نئے ہوں یا دھوئے ہوئے، نہ اُن اُمور سے جو حرام یا مکروہ ہیں جیسے ریشمی پہننا اور واہیات کاموں میں گھسنا کیونکہ عید کا نام عید اسی لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن دوبارہ مومنین پر مغفرت اور احسان فرماتا ہے لہٰذا ان پر واجب ہے کہ گناہ اور نافرمانی سے پرہیز کریں تاکہ سعادتمند اور اہلِ رضوان ہوں بدبخت اور بے یار و مددگار نہ ہوں۔

نیز یہ کہ بعضے لوگوں کا خیال ہے کہ دائرہ بجا کر گانا عید کے روز جائز ہے اور دلیل یہ ہے جو حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ عید کے روز اُن کے یہاں آتے اور اُن کے پاس دو لڑکیاں دُف پر گاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے سو اُن دونوں کو حضرت ابو بکرؓ نے جھڑکا اسپر نبی علیہ السلام نے اپنا چہرہ مبارک کھول دیا اور فرمایا اے ابو بکر جانے بھی دو ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ان کے زعم پر یہ دلالت کرتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے جو وہ سمجھے ہیں کیونکہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ یہ حدیث متروک ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے" اور بعض وہ لوگ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی چیزیں" اسپر عمل ہے کیونکہ لہو الحدیث سے مراد حسب بیان معالم التنزیل ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؓ کے نزدیک غنا اور اسی کے ہم مثل معازف اور مزامیر وغیرہ مراد ہیں اور اشترا سے مراد پسند کرنا ہے اور معنے اس کے یہ ہیں کہ بعضے لوگ غنا اور اسی کے ہم مثل

معازف و مزامیر کو پسند کرتے ہیں تاکہ بہکائیں راہِ خدا سے بے جانے بوجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی ٹھٹھا ان ہی لوگوں کو ذلت کا عذاب ہے۔ پس یہ آیت غنا اور تمام ملاہی کو جو اسی طرح کے ہیں حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

اور اس کی حرمت پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بلوغ کے بعد غنا اور معازف کی مذمت کے سوا اور کچھ منقول نہیں۔ اور دوسرا امر جو اس عید میں مکلف پر واجب ہے قربانی ہے کہ قربانی

قربانی واجب ہے ہر مسلمان آزاد مقیم تو انگر پر واجب ہے اور اس بارہ میں تو انگری یہ ہے کہ

قربانی کس پر واجب ہے نصاب کا یا ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت حاجتِ اصلی سے زائد ہو کر نصاب کے برابر ہو اور اسمیں نامی ہونے کی صفت معتبر نہیں۔ اور اب اس بنا پر جس کے پاس کوئی ایسا گھر ہو جسمیں خود نہیں رہتا ہو کرایہ پر دیتا ہے تو تو انگری میں اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح اگر اسمیں رہتا ہو لیکن اس کی سکونت سے کچھ فاضل ہو تو اس فاضل کی قیمت بھی تو انگری کے بارہ میں اعتبار کی جائے گی کیونکہ جو چیز اس کی حاجتِ اصلی کی ہوگی وہ ضروری ہے کہ اُس وقت استعمال میں نہ ہو نہ یہ کہ آئندہ اُس کی حاجت پڑے ورنہ ایسا تو کوئی مال نہیں ہو سکتا جسکی کبھی نہ کبھی حاجت پیش نہ آئے یہاں تک، کہ اگر ایک شخص کرایہ کے گھر میں رہتا ہے پھر ایک قطعہ زمین دو سو درہم کو خرید کر رہنے کے لئے گھر بنائے تو اب یہ شخص اس گھر کے سبب سے غنی ہے کیونکہ اس وقت اس کی ضرورت سے زائد ہے۔ اگر اس کی حاجت ہوگی تو آئندہ ہوگی۔ اور جس کے پاس کوئی ایسا مکان ہو جس میں دو قطعہ ہوں ایک گرمی کا اور ایک جاڑے کا تو وہ غنی نہیں ہے اور اگر اس میں تین قطعہ ہوں تو تیسرے قطعہ کی قیمت تو انگری میں اعتبار کی جائے گی۔

اور کپڑوں کا مالک تین جوڑے کپڑے سے غنی نہیں ہوگا کہ ایک روزمرہ کے پہننے کے لئے ہو اور دوسرا کام کرنے کے وقت کا اور تیسرا جمعہ اور عید کا۔ اور اسی طرح دو بچھونے سے غنی نہیں ہوگا اور جسقدر تین جوڑے کپڑے اور دو بچھونوں سے زیادہ ہوگی اس کی قیمت غنی ہونے کے لئے حساب کی جائے گی۔

اور غازی دو گھوڑوں سے غنی نہیں ہوتا اور اگر اُسکے تین گھوڑے ہوں تو ایک گھوڑے کی قیمت تو انگری میں حساب کی جائیگی۔ اور جس قدر ایک جانور سے زیادہ غازی کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس ہوگا گھوڑا ہو یا گدھا زمیندار ہو یا اور کوئی یا ایک خادم سے زیادہ ہو تو اس کی قیمت تو انگری میں معتبر ہوگی۔

اور اسی طرح تفسیر اور حدیث کی کتابیں اُن کے اہل کے لئے اگر ایک ایک نسخہ سے زیادہ ہوں

تو ایک روایت کی بنا پر توانگری میں اُس کی قیمت شمار کی جائے گی اور اسی طرح اگر ایک قرآن سے زیادہ اُس کے پاس ہو جو اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو توانگری میں اُس کی قیمت معتبر ہوگی۔
اور کسان دو بیلوں اور کھیتی کے آلات سے غنی نہیں ہوتا اور اگر تین بیل ہوں تو ایک بیل کی قیمت توانگری میں معتبر ہوگی اور گائے اگر ایک ہو جب بھی اس کی قیمت توانگری میں معتبر ہے۔
اور جس کے پاس ایک سال کے گذارے کا سامان ہو جو نصاب کے برابر ہے تو اس میں گفتگو ہے اور ظاہر یہ ہے کہ توانگری میں اس کا شمار نہیں اس کو قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے اور عورت کے پاس اگر جواہر ہوں موتی ہوں جن کو عید کے روز پہنتی ہو یا خاوند کے واسطے سنگار کرتی ہو تو اُس کی قیمت توانگری میں معتبر ہے اور اسی طرح اگر عورت کی ملک میں کوئی گھر ہو جسمیں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہو تو اُسکی قیمت بھی توانگری میں معتبر ہوگی بشرطیکہ اُس کا خاوند گھر دینے پر قدرت رکھتا ہو اور اسی قدر نصاب سے زکوٰۃ لینے کی حرمت اور صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب متعلق ہے کیونکہ غنی کے تین مرتبے ہیں:۔

غنی کی قسمیں ایک تو وہ غنی ہے جسکو سوال کرنا اور صدقہ لینا حرام ہے اور اسی پر صدقہ فطر اور قربانی اور زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ وہ غنی ہے جو پورے نصاب نامی کا مالک ہو۔
اور ایک وہ غنی جسکو سوال کرنا اور صدقہ لینا حرام اور صدقہ فطر و قربانی واجب ہے لیکن زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وہ شخص ہے جو ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت نصاب کے برابر تو ہو لیکن اس میں نمو نہ ہو۔
اور ایک غنی وہ ہے جس کو سوال کرنا تو حرام ہے لیکن صدقہ لینا حرام نہیں اور ایسے ہی شخص پر اشیائے مذکورہ بالا صدقہ فطر قربانی زکوٰۃ کچھ واجب نہیں اور یہ وہ ہے جس کے پاس صرف ایک دن کا گذارا اور بدن ڈھکنے کا کپڑا ہو۔ پھر مفلسی اور غنا میں قربانی کے اخیر دن کا اعتبار ہے۔ لہٰذا

مفلسی اور غنا میں قربانی کے اخیر دن کا اعتبار ہے اگر ایام قربانی ایسی حالت میں آئیں کہ اُسکے پاس کچھ مال نہ ہو لیکن نصاب کے برابر ایام قربانی گذرنے سے قبل ملجائے اور اُس کے ذمہ کچھ قرض بھی نہ ہو تو اب قربانی اُس پر واجب ہے اور اگر ایام نحر توانگری کی حالت میں تو آئے لیکن ایام قربانی گذرنے سے اُس کا مال یا کُل تلف ہو گیا یا نصاب سے کم رہ گیا تو ایسی حالت میں اُسپر قربانی واجب نہیں ہے اور جس کا قرض لوگوں پہ ایک وقت معین کے وعدے پہ تو ہو لیکن قربانی کے زمانہ میں اس کے ہاتھ میں اتنا نہ ہو کہ قربانی خرید سکے تو ایسے شخص پہ قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اس کا قرض کسی مفلس پر آتا ہو جو قرض کا اقرار بھی کرتا ہے تو بھی جب تک قرض وصول نہ ہو جائے اُس پہ قربانی واجب نہیں اور اسی طرح اگر اس کا قرض کسی توانگر پر آتا

ہو جو اقرار بھی کرتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں اتنا نہ ہو جس سے قربانی خرید سکے تو اس کو نہ یہ ضروری ہے کہ قرض لے کر قربانی کرے اور نہ قرض کی وصولیابی پر قربانی کی قیمت دینی لازم ہے۔ لیکن ہاں اسکو یہ لازم ہے کہ قرضدار سے قربانی کی قیمت مانگے۔ اگر یہ ظن غالب ہو کہ وہ دیدے گا اور اگر اُسکا بہت سا مال اسکے قبضہ سے باہر اسکے شریک یا مضارب کے قبضہ میں ہے لیکن اس کے قبضہ میں سونا یا چاندی اتنی ہے کہ قربانی خرید سکتا ہے یا گھر کا اسباب ہے تو اُسپر قربانی واجب ہے

قربانی کا وقت قربانی کا اول وقت دسویں تاریخ ذوالحجہ کی طلوعِ فجر کے بعد سے ہے لیکن نماز عید کا قربانی پر شہر والوں کیلئے مقدم کرنا شرط ہے حتیٰ کہ جو شہر میں رہتا ہے اُس کو نماز سے پیشتر قربانی جائز نہیں تا وقتیکہ امام نماز سے فارغ نہ ہو جائے اور اگر امام کی نماز سے پیشتر قربانی کر لی تو درست نہیں۔ اور اگر امام جماعت کے ہمراہ عیدگاہ کی طرف روانہ ہوا اور ایک شخص کو نائب بنا گیا ہو کہ ناتوانوں کو شہر میں نماز پڑھاوے اور بعضوں نے دونوں میں سے ایک کے نماز پڑھ لینے کے بعد قربانی کر دی تو استحساناً جائز ہے۔

اور اگر کوئی ایسی بستی ہے جسمیں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے یا تو اسلئے کہ امام نہیں ہے یا اہلِ فتنہ کے غلبہ کی وجہ سے تو قربانی پہلے دن دوپہر ڈھلنے کے بعد جائز ہے اور دوسرے اور تیسرے دن دوپہر ڈھلنے سے پہلے اور بعد میں دونوں وقت جائز ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ایسی جگہ قربانی ہر وقت جائز ہے کیونکہ نماز کی آدیہاں توقع نہیں۔

اور اگر امام عید کے روز نماز میں دیر لگائے تو لوگوں کو بھی چاہئے کہ قربانی کو دوپہر ڈھلے تک مؤخر کر دیں اور اگر امام نماز کے لئے اگلے دن یا اس کے بعد بھی نکلے اور بعض لوگوں نے امام کی نماز سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو جائز ہے کیونکہ نماز کا وقت مسنون تو جاتا رہا۔

پھر یہ کہ قربانی جس جگہ کیجائے اُس کا اعتبار ہے قربانی کرنیوالے کی جائے قیام کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ اگر قربانی شہر میں کی جائے اور قربانی کرنیوالا گاؤں میں ہو اور اُس نے کسی شخص کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہو اور اُس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا ہو تو جائز نہیں اور اگر قربانی گاؤں میں ہو اور مالک شہر میں اور اُسنے اپنے لوگوں کو کہہ دیا ہو کہ قربانی ذبح کر دینا اور اُس کے لوگوں نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا تو جائز ہے اور اسی طرح اگر ایک شخص ایک شہر میں اور اُسکے گھر والے دوسرے شہر میں ہوں اور اس شخص نے گھر والوں کو لکھا ہو کہ میری طرف سے قربانی ذبح کر دینا تو اُن پر لازم ہے کہ اس شہر کے امام کی نماز کے بعد جسمیں وہ رہتے ہیں مکان قربانی کا اعتبار کر کے اُس کی طرف سے ذبح کریں۔

اور جس نے یہ خیال کر کے کہ گوشت جلد ملجائے قربانی کو شہر سے باہر لیجا کر نماز سے پہلے ذبح کر

لیا تو علماء کہتے ہیں اگر وہ قربانی کو اتنا دور لے گیا ہے جسمیں قصر نماز مباح ہو جاتی ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں یہ سب شہر والوں کے حق میں ہے۔
اور گردو نواح اور گاؤں کے لوگوں کو دسویں تاریخ ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد ہی سے ذبح کرنا جائز ہے اور جنگل کے رہنے والے اپنے سے قریب تر امام کی نماز سے فراغت کئے بغیر ذبح نہ کریں اور اس کا آخر وقت شہری اور گاؤں والے سب کے حق میں تیسرے دن ایام قربانی کے آفتاب ڈوبنے سے کچھ پہلے تک ہے۔ اور قربانی کا افضل وقت پہلا دن ہے اور ادنےٰ

قربانی کا افضل و مکروہ اور ادنیٰ وقت

وقت پچھلا دن اور رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے اگرچہ جائز ہے کیونکہ رات کی اندھیری میں غلطی کا احتمال ہے۔ اگر یہ شبہ ہو جائے کہ یہ دن ذی الحجہ کی دسویں ہے یا نویں تو احتیاط یوں ہے کہ اگلے دن دوپہر ڈھلے ذبح کرے۔ قاضیخاں نے اپنے

ایک غلط فہمی کا ازالہ

فتاویٰ کی کتاب الصوم میں کہا ہے کہ غرہ رمضان اگر جمعرات کے دن ہو اور عرفہ کا دن بھی جمعرات کے روز آپڑے تو وہ دن بیشک عرفہ ہی کا ہے یوم النحر نہیں یہاں تک کہ اس دن حضرت علیؓ کے اس قول پر وثوق کر کے ذی الحجہ کی دسویں رمضان کی پہلی ہے اُس دن قربانی کرنا درست نہیں کیونکہ یہ قول محتمل ہے اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے اُس ہی سال کا حال ارشاد کیا ہو نہ ہمیشہ کا قاعدہ۔ پھر یہ کہ قربانی چار قسم کے جانوروں کی جائز

قربانی کے جانور اور اُن کی عمر

ہے۔ اونٹ، گائے، بکری، دنبہ۔ نر ہوں یا مادہ لیکن اتنی بات ہے کہ اونٹنی اور گائے میں مادہ افضل ہے اور بکری اور دنبہ میں نر افضل ہے اور ان چاروں قسموں میں ثنی معتبر ہے۔ بکری اور دُنبہ میں تو ثنی وہ ہے جسکا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرا شروع ہوا ہو اور گائے میں وہ ہے جس کو دو برس پورے ہو چکے ہوں اور تیسرا شروع ہوا ہو اور اونٹ میں ثنی وہ ہے جس کے پانچ برس پورے ہو چکے ہوں اور چھٹا شروع ہوا ہو اور ان عمروں سے چھوٹا کسی قسم کا جائز نہیں مگر دنبہ کا جذع اگر خوب بڑا ہو کہ ایک برس کی عمر والوں میں مل جائے تو دُور سے نہ پہچانا جائے تو جائز ہے اور جذع وہ ہے کہ جس کی چکی ہو اور چھ ماہ پورے ہو کر کچھ دن ساتویں مہینے کے بھی گذر گئے ہوں۔ اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ ایام نحر

مرغ مرغی کی قربانی نہیں

میں مرغ اور مرغی کی قربانی کرنا اُس آدمی کو جس پر افلاس کے سبب سے قربانی واجب نہیں قربانی کرنیوالوں کی مشابہت حاصل کرنے کو مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی رسم ہے۔ اور اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے بکری خریدی اور ذبح نہ کی یہانتک کہ قربانی کے دن

فقیر کی قربانی کا حکم

گذر گئے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ بکری زندہ خیرات کر دے یا اُس کی قیمت دیدے اور اگر قربانی کے دنوں کے بعد ذبح کیا اور گوشت خیرات کر دیا تو بھی جائز ہے لیکن اگر

زندہ کی قیمت زیادہ ہو تو اتنی فاضل قیمت بھی خیرات کر دے اور اگر اُسمیں سے خود کھائے تو اُسکو قیمت اور دینی پڑے گی اور اگر اس نے ان امور میں سے کچھ بھی نہ کیا یہانتک کہ اگلے سال قربانی کا دن آگیا اور اب اُس نے پہلے سال کیطرف سے بھی ذبح کیا تو جائز نہیں کیونکہ ذبح کرنا صرف وقت موجودہ کی اداکی حالت میں عبادت ہے گذشتہ وقت کی قضا کرنا عبادت نہیں۔ اور

اونٹ گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں | اونٹ اور گائے میں ایک سے لیکر سات آدمیوں کی شرکت جائز ہے بشرطیکہ ان سب کا ارادہ تقرب کا ہو ایک ہی طرح کی عبادت ہو یا مختلف جیسے قربانی اور قران اور متعہ اور عقیقہ اور سات تک مقرر کرنیسے زیادتی کی ممانعت ہے نہ کہ کمی کی یہاں تک کہ چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو آدمیوں کی طرف سے بھی جائز ہے بشرطیکہ ہر ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ جیسے کہ کوئی شخص مرگیا اور اُس نے ایک بیٹیا اور ایک بیوی وارث اور ایک گائے ترکہ میں چھوڑی اور انہوں نے وہ گائے قربانی کی تو یہ جائز نہیں۔

اور ایسے ہی اگر تین آدمیوں نے ملکر قربانی خریدی کہ ان میں سے ایک نے چار دینار دئے اور دوسرے نے تین دینار اور تیسرے نے ایک دینار دیا اور ایک گائے مول لی اور آپس میں یہ شرط کی کہ ہر ایک کی شرکت بقدر مال ہے اور اُسکی قربانی کر دی تو یہ جائز نہیں۔

اور اگر سات آدمی ایک گائے میں شریک ہوئے اور اُن میں سے کسی نے نفل کی نیت کی اور کسی نے اسی سال کی قربانی کی اور کسی نے پچھلے سال کی قربانی قضا کی تو یہ سب جائز ہے لیکن جس نے گذشتہ سال کی قضا کی نیت کی تھی اُس کی بھی نفل ہی ہوگی قضا کی طرف سے نہ ہوگی بلکہ اب اس کو لازم ہے کہ ایک متوسط بکری کی قیمت سال گذشتہ کے عوض خیرات کر دے۔

اور اگر ان سات میں سے ایک مرگیا اور اس کے وارثوں نے کہا کہ اس کیطرف سے اور اپنی طرف سے ذبح کر لو تو استحساناً جائز ہے۔ اور اگر سات آدمیوں نے ملکر گائے قربانی کی اور گوشت

قربانی کا گوشت تقسیم کرنیکا طریقہ | تول کر بانٹا تو جائز ہے اور اگر اٹکل سے بانٹا تو یہ جائز نہیں ہے۔

ہاں جبکہ گوشت کے ساتھ کچھ کلّے پائے یا چمڑا ملالیں تو جائز ہے خواہ ہر طرف کچھ گوشت اور کچھ پائے ہوں یا ہر طرف کچھ گوشت اور کچھ چمڑا یا ایک طرف گوشت اور پائے ہوں اور دوسری طرف گوشت اور چمڑا تو اس صورت میں اٹکل سے اسلئے جائز ہے کہ ایک جنس کا خلاف جنس سے مقابلہ ہو جائے گا۔

اور اگر گوشت کیساتھ کچھ نہ ملایا اور ہر ایک نے دوسرے سے کمی بیشی کو معاف کرا لیا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ زیادتی معاف کرنا ہبہ ہے اور مشترک چیز کا ہبہ جس صورت میں کہ تقسیم ممکن ہو جائز

نہیں۔
اور اگر گوشت تولکر بانٹ لیا اور چمڑا سب نے ملکر کسی فقیر کو خیرات کر دیا یا کسی غنی کو ہبہ کر دیا یہ جائز ہے۔
اور اگر گوشت اور چربی ملا کر سات حصے کئے اور آپس میں اٹکل سے تقسیم کر لیا تو جائز ہے۔ اور بدھیا

وہ مینڈھا جسکی قربانی جائز یا ناجائز ہے

اور مینڈھا جس کے سینگ پیدائشی نہ ہوں اور باؤلا جائز ہے اور اندھا جانور جس کی دونوں آنکھیں نہیں ہیں جائز نہیں اور نہ کانا جس کی ایک آنکھ نہ ہو اور نہ ایسا دُبلا جس کی ہڈی کے اندر مغز نہ رہا ہو اور نہ لنگڑا جو تین پیر سے چلتا ہوا اور چوتھا زمین سے اٹھائے رکھتا ہو جائز ہے۔ اور اگر چوتھا پاؤں زمین پر آہستہ سے رکھ کر مدد لیتا ہو لیکن چلتے وقت لنگڑاتا ہو تو جائز ہے اور جس کا تہائی سے زیادہ کان یا چکتی یا آنکھ جاتی رہی ہو وہ جائز نہیں ہے۔
اور طریقہ تہائی بینائی جانے کے دریافت کا یہ ہے کہ جب وہ بھوکی ہو اُس کی ناقص شدہ آنکھ بند کریں اور اس کو گھاس دکھائیں اور خیال رکھیں کہ کتنی دور سے گھاس دیکھ لیتی ہے پھر اچھی آنکھ بند کریں اور گھاس دکھائیں اور یہ خیال کریں کہ کتنی دور سے گھاس دیکھ لیتی ہے پھر دیکھیں کہ دونوں جگہوں میں کتنا فاصلہ ہے۔ اگر آدھوں آدھ کا فرق ہے تو آدھی بینائی نہیں ہے اور اگر تہائی ہے تو تہائی بینائی جاتی رہی ہے اور اسی طرح اگر چوتھائی فاصلہ ہو تو چوتھائی سمجھیں الی غیر ذلک۔
اور کان کا پھٹا ہونا یا داغدار ہونا قربانی کے جواز کا مانع نہیں اور ایسے ہی سینگ کا ٹوٹا ہونا ہاں اگر مغز تک پہنچ جائے تو جائز نہیں۔
اور اگر ذبح کرنے کے لئے پچھاڑنے میں آنکھ جاتی رہے یا پیر ٹوٹ گیا تو اگر اُس کو چھوڑا نہیں بلکہ اُسی وقت ذبح کر لیا تو جائز ہے اور اگر چھوڑ دیا ہو اور اُسی دن میں دوسرے وقت یا قربانی کے دنوں میں سے کسی اور دن میں ذبح کیا تو اسمیں اختلاف ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اسی کو زعفرانی نے اختیار کیا ہے۔ اور اگر قربانی کے بچہ ہو پڑے تو لازم

قربانی کے بچہ کو ذبح کرنا لازم ہے

ہے کہ بچے کو بھی ذبح کر دے اور اگر بچے کو نہ ذبح کیا یہاں تک کہ قربانی کے دن گذر گئے تو اسکو لازم ہے کہ وہ بچہ زندہ خیرات کر دے۔ اور افضل

اپنے ہاتھ سے قربانی ذبح کرنا افضل اور دوسرے سے کرانا جائز

یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے کیونکہ عبادت ہے قربانی اور عبادت کا خود ادا کرنا اولیٰ ہے اور اگر خود قدرت نہیں ہے تو کسی اور سے کہدے لیکن کسی اہل کتاب کو نہ کہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور وہ اس کا اہل نہیں۔ اور اگر اُس کو حکم دیدیا اور اُسنے ذبح بھی کر دیا تو جائز ہو

گیا کیونکہ آخر وہ ذبح کا اہل تو ہے ہی اور یہ تقریب اسکی نیابت اور نیت سے ہوجائے گا لیکن مکروہ ہے۔ اور چھری کا تیز کرنا پچھاڑنے سے پہلے مستحب ہے اور اس کے بعد مکروہ ہے اُس

ذبح کے وقت مکروہ افعال

حدیث کی بنا پر جو مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا ایک شخص پر گذر ہوا جو بکری پچھاڑ کر چھری تیز کر رہا تھا اور بکری اپنی آنکھوں سے اُدھر دیکھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ تو چاہتا ہے کہ اس کو کئی موت سے مارے، اس کے پچھاڑنے سے پہلے چھری کیوں تیز نہ کی تھی۔

اور قربانی کو ٹانگ پکڑ کر مذبح تک کھینچتے ہوئے لانا اور قبلہ کیطرف منہ نہ کرنا مکروہ ہے اور نخع بھی مکروہ ہے اور نخع ایسا سخت ذبح کرنا ہے کہ حرام مغز تک نوبت پہنچ جاوے اور تڑپنے سے سکون ہونے سے پہلے کھال کھینچنا مکروہ ہے۔ اور مستحب ہے کہ آدمی اپنی قربانی کے ذبح

ذبح کے وقت مستحب کام

ہوتے وقت پاس حاضر رہے اور اگر بکری کے مالک نے بھی اپنا ہاتھ

بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اسکے بغیر مذبوح حرام ہے

قصاب کے ساتھ ذبح کے وقت چھری پر رکھا تاکہ قصائی کے ہمراہ ذابح ہو تو اس بارے میں شیخ امام محمد بن الفضل نے فرمایا ہے کہ ان دونوں پر بسم اللہ کہنا واجب ہے یہاں تک کہ اگر دونوں میں سے ایک نے بھی تکبیر نہ کہی تو مذبوح حلال نہیں کیونکہ حلال ہونے کی شرط اس آیت کی رُو سے "اور نہ کھاؤ اُس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے" بسم اللہ پڑھنا ہے لہٰذا ذابح اگر بسم اللہ قصداً ترک کردے تو ذبیحہ مُردار ہے اور اس کا کھانا حلال نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور کچھ بھی کہا تو اگر عطف کے

ذبح کے وقت اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کا نام لینے کا حکم

ساتھ مثلاً یوں کہا ہو بسم اللہ و محمد رسول اللہ تو ذبیحہ حرام ہوجائے گا اور اگر بغیر عطف کے ہو تو حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ بسم اللہ کے بعد ذبح سے قبل کچھ دعا کرے۔ مثلاً یوں کہے کہ بسم اللہ الٰہی مجھ سے یا فلانے سے قبول کرلے۔ ہاں ذبح کے بعد اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ذبح کے بعد یہ فرمایا "الٰہی یہ قربانی محمدؐ کی تمام امت کی طرف سے جس جس نے تیری وحدانیت اور میری تبلیغ کی گواہی دی ہے قبول کرلے۔ ذبح کرتے ہوئے عام طور پر

مستحب تکبیر

رواج تو بسم اللہ واللہ اکبر کا ہے اور وہ جائز ہے لیکن قنیہ میں مذکور ہے کہ مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر بدون واؤ کے کہے اور واؤ کے ساتھ مکروہ ہے۔ اور اگر کسی

غیر کیطرف سے قربانی جائز ہے

شخص نے غیر کی قربانی بے اُس کی اجازت کے ذبح کردی تو استحساناً جائز ہے۔ اور اگر دو آدمیوں میں دو بکریاں مشترک ہوں اور دونوں نے بلاتعین اپنی اپنی طرف سے ذبح کردیں تو جائز ہے۔ اور قربانی کا گوشت خود بھی کھائے اوروں کو بھی

قربانی کے گوشت اور چمڑے کا مصرف کھلائے غنی ہو یا فقیر اور جس کو چاہے ہبہ کردے اور قصاب کی مزدوری اسمیں سے نہ دے اور تہائی کا خیرات کر دینا مستحب ہے اور صاحب عیال کو بال بچوں پر فراغت کے خیال سے خیرات نہ کرنا بھی مستحب ہے اور اُس کے چمڑے سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے اس طرح کہ اس کا تھیلا یا چھلنی یا بچھونا یا اور کچھ بنالے اور اُس کو یہ بھی جائز ہے کہ اُسکے بدلے میں ایسی چیز لے لے جس سے بعینہ باقی رکھ کر نفع اُٹھائے جیسے موزہ وغیرہ ایسی چیز سے بدلنا جسے ہلاک کئے بغیر فائدہ نہ ہوسکے جیسے سرکہ وغیرہ جائز نہیں اور چمڑے کے فقیروں کو خیرات دینے کے لئے بیچنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں یہ جائز نہیں کہ اپنے اوپر یا اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے دراہم کے عوض بیچے اور اگر ایسا کرے گا تو اس کی قیمت خیرات کردے اور اگر قیمت خیرات کرنے کو گوشت بیچنا چاہے تو گوشت میں اُس کو کھا لینے اور کھلا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور ظاہر روایت کی رُو سے کسی پر یہ لازم نہیں کہ نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرے

نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کا مسئلہ اگرچہ نابالغ اولاد کا مال بھی ہو۔ لیکن ہمارے بعضے علماء کہتے ہیں کہ اُن کی طرف سے ان کا باپ یا وصی خود اُنہی کے مال میں سے صدقۂ فطر پر قیاس کرکے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق قربانی بھی کردے اور امام سرخسیؒ نے فرمایا ہے کہ بعضے مشائخ یہ سمجھتے ہیں کہ باپ یا وصی کے ذمہ ضروری ہے کہ صغیر کے مال میں سے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق صدقۂ فطر پر قیاس کرکے قربانی کردے لیکن صحیح تر یہ ہے کہ اُس کو اسکا اختیار نہیں۔

اور اگر بعضے مشائخ کا قول اختیار کرکے قربانی کرلی ہے تو اسمیں سے کچھ خیرات نہ کرے بلکہ اس میں سے وہ ہی صغیر کھائے اور جو بچے اُسکے بدلے میں کوئی ایسی چیز لے لے جس کو بعینہ باقی رکھ کر صغیر نفع اٹھائے جیسے کپڑا وغیرہ ایسی چیز سے نہ بدلے جس سے صغیر کو بغیر اُس چیز کے تلف کئے ہوئے فائدہ حاصل نہ ہو جیسے روٹی وغیرہ۔ کیونکہ اگر واجب ہے تو صرف ذبح کرنا ہے رہا خیرات کرنا سو وہ نفل ہے اور صغیر کا مال نفل کے قابل نہیں ہاں چمڑے کیطرح کسی چیز کا بدل لینا جائز ہے کیونکہ چمڑے سے فائدہ لینا بھی جائز ہے اور ایسی چیز سے بدل لینا بھی جائز ہے جسکو بعینہ باقی رکھ کر نفع اٹھائیں کیونکہ بدلے کی چیز اس صورت میں خود مبدل کے حکم میں ہے لہذا یہ بعینہ اصل ہی سے نفع اٹھانے کے حکم میں ہے اور جب چمڑے کا یہ حکم ہے تو اسی پر گوشت کو بھی صغیر کی ضرورت ہو تو قیاس کرلیا۔ اور تیسری چیز جو مکلف پر اس عید میں واجب ہے

تکبیرات تشریق واجب ہیں تکبیرات تشریق ہیں۔ کیونکہ تکبیریں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آزاد مقیم لوگوں پر ہر فرض نماز کے بعد جو جماعت سے ادا کی جائے واجب ہیں۔ پس نہ

گاؤں والوں پر واجب ہیں اور نہ مسافر پر اور نہ غلام پر اور نہ اکیلے نماز پڑھنے والے پر اور نہ عورت پر، ہاں اگر یہ لوگ اُن کے مقتدی بنیں جن پر واجب ہیں تو اب اُن کے ساتھ تابع بن کر تکبیر کہیں مگر عورت اپنی آواز بلند نہ کرے کیونکہ اُس کی آواز بھی ستر ہے۔ اسکے سوا اور سب پکار کر کہیں کیونکہ اس میں سنت زور سے کہنا ہی ہے اور کوئی مانع موجود نہیں اور عید کی نماز کے بعد واجب نہیں ہے اور نہ وتر کے بعد اور نہ نفلوں کے بعد کیونکہ یہ نمازیں فرض نہیں ہیں اور جمعہ کی نماز کے بعد واجب ہے کیونکہ یہ فرض ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر شخص پر جو نماز فرض ادا کرے واجب ہے اگرچہ گاؤں کا باشندہ ہو یا مسافر ہو یا غلام ہو یا تنہا نماز پڑھی ہو یا عورت ہو۔ اور ابتدا اُن کی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

تکبیرات تشریق کا ابتدائی اور آخری وقت نویں تاریخ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہے پس تمام تکبیریں آٹھ نمازوں کے بعد ہوئیں اور صاحبینؒ کے نزدیک آخر ایام تشریق کی عصر تک اور وہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ ہے اب تکبیریں تیئیس نمازوں کے بعد ہوئیں اور اس زمانہ میں عمل صاحبینؒ ہی کے قول پر باب عبادت میں احتیاط کی وجہ سے ہے۔ اور اُس کی صورت یہ ہے

تکبیر تشریق اور اس کی اصل کہ سلام کے بعد کلام کرنے سے پہلے ایک مرتبہ "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" کہے اور تکبیر تشریق کی اصل یہ ہے کہ ابراہیم نبی علیہ السلام نے جب اسمٰعیل نبی علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فدیہ لیجائیں لیکن جب جبرئیل علیہ السلام قربانی لیکر آئے تو اس خوف سے کہ کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جلدی نہ کر بیٹھیں اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے اور ابراہیم نبی علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام کی آواز سن کر یہ خیال کیا کہ کوئی بشارت لاتے ہیں اسلئے انہوں نے تہلیل کی اور اللہ کو وحدانیت اور بڑائی سے یاد کیا اور فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اور اسمٰعیل نبی علیہ السلام دونوں کی کلام سن کر سمجھ گئے کہ فدیہ آگیا اور اس بنا پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور شکر بجا لائے اور اللہ اکبر وللہ الحمد کہا۔ اسلئے ہمارے لئے یہ کلمات ان ایام میں اُن کی میراث ہوگئے۔ اور اگر

تکبیر کے چند مسائل امام تکبیر بھول جائے اور کھڑا ہو کر روانہ ہو جائے تو جب تک مسجد میں سے باہر نہ نکلے لوٹ کر تکبیر کہے اور اگر باہر ہو گیا ہو تو نہ لوٹے اور نہ تکبیر کہے بلکہ اور لوگ تنہا کہہ لیں اور اگر کوئی شخص ان دنوں معاذ اللہ نماز ترک کردے اور پھر ان ہی دنوں میں قضا بھی کرلے تو تکبیر کہے اور اگر اور کبھی کی نماز چھوٹی ہوئی ان دنوں میں قضا کرے یا ان دنوں کی نماز چھوٹ گئی اور دنوں میں قضا کرے تو تکبیر نہ کہے اور اسی طرح اگر ان دنوں کی نماز چھوڑ دی اور دوسرے سال انہی دنوں میں قضا کرے تو تکبیر نہ کہے اور جس نے قصداً نماز میں حدث کر دیا تو تکبیر اُس سے

ساقط ہو گئی لیکن جس کا وضو بے اختیار ٹوٹ گیا وہ بے وضو تکبیر کہے۔
اور اگر سجدۂ سہو اور تکبیر تشریق اور تلبیہ جمع ہو جائیں تو سجدۂ سہو سے ابتدا کرے کیونکہ سجدۂ سہو نماز کے اندر ہوتا ہے پھر تکبیر کہے کیونکہ یہ نماز کے بعد ادا ہوتی ہے اسی سے متصل پھر لبیک کہے کیونکہ تلبیہ بہر صورت نماز سے باہر ادا ہوتا ہے اور اگر اُس نے تکبیر کو مقدم کر دیا تو سجدہ کرلے کیونکہ تکبیر نماز کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر تلبیہ کو مقدم کیا تو تکبیر اور سجدہ دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ تلبیہ کلام ہے لہذا وصل کو قطع کر دیتا ہے۔
اور مسبوق اپنی فوت شدہ نماز پوری کر کے تکبیر کہے امام کے ساتھ نہ کہے۔ اور وہ اگرچہ سجدۂ سہو میں امام کی موافقت کریگا لیکن تکبیر میں امام کی موافقت نہ کریگا اور نفلیں پڑھنے والا اگر تکبیر کے دنوں میں فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو امام کی موافقت کی وجہ سے تکبیر کہہ لے۔ چوتھا

عیدکی نماز واجب ہے | امر جو اس عید میں مکلف پر واجب ہے نماز عید ہے۔ اور نماز سے

عید کے روز مسنون، حرام اور مستحب افعال | پہلے مرد کو مسواک کرنا اور نہانا اور خوشبو لگانا اور اچھے مباح کپڑے نئے ہوں یا دُھلے ہوئے پہننا مستحب ہے ہاں ریشم نہ ہو کیونکہ ریشم مردوں پر حرام ہے حتیٰ کہ لڑکوں کو بھی حرام ہے لیکن گناہ اُس کو ہوگا جو اُن کو پہنائے گا۔ اور صبح کی نماز محلہ کی مسجد میں ادا کرنا اور تکبیر یعنی صبحدم جلد تیار ہونا اور ابتکار یعنی جلدی سے عیدگاہ کی طرف پیادہ پا جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا اور عیدگاہ کو جانا اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو مسنون ہے لیکن امام کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے جو شہر کے اندر ناتوانوں اور ضعیفوں کو نماز پڑھا دے اس بنا پر کہ عید کی نماز دو جگہ بالاتفاق جائز ہے بخلاف جمعہ کے کیونکہ وہ سب جماعتوں کا جامع ہے اور متفرق ہونا اسکی منافی ہے۔
اور اس عید میں کھانے کو عید کی نماز پڑھ چکنے تک مؤخر کرنا مستحب ہے لیکن بعضے کہتے ہیں کہ یہ تاخیر صرف قربانی والے کے حق میں ہے تاکہ پہلے اپنی قربانی میں سے کھائے کیونکہ قربانی کی کلیجی کھانا مسنون ہے اور ان کے علاوہ اوروں کے حق میں یہ حکم نہیں ہے لیکن اول روایت صحیح ہے کیونکہ صحابہؓ سے یہی روایت ہے کہ صحابہؓ اپنے بچوں کو کھانے سے اور چھوٹے بچوں کو دودھ پینے سے نماز پڑھنے تک منع کیا کرتے تھے۔
اور اس عید میں تکبیر زور سے عیدگاہ کے راستے میں بالاتفاق مستحب ہے ہاں سب کا مل کر اور آواز ملا کر اور راگنی کی رعایت کر کے کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ سب حرام ہے بلکہ ہر ایک خود تکبیر پڑھے اور جب عیدگاہ میں جائے تو تکبیر موقوف کر دے اور حضرت ابو موسیٰ رضاؓ سے روایت ہے کہ وہ ہر دس قدم پر ایکبار تکبیر پڑھتے تھے یہاں تک کہ عیدگاہ پہنچ جاتے اور اگر کوئی گردونواح

کا رہنے والا رات کو ایک کوس بھر یا اس سے کم زیادہ فاصلہ سے روانہ ہو تو جب صبح ہو اُس وقت سے تکبیر کہنا شروع کرے۔ پھر جب نماز کا وقت آجائے اور آفتاب بلند ہو جانے سے وقت مکروہ گذر جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز بدون اذان اور اقامت کے پڑھائے۔ پہلے تکبیر تحریمہ کہے اور پھر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر سبحانک اللھم پڑھے پھر تین بار تکبیر کہے اور ہر دو تکبیر کے دوران بقدر تین تین تسبیح کے فرق رکھے کیونکہ یہ نماز بڑے مجمع کے ساتھ پڑھی جاتی ہے پے درپے بے فاصلہ کہنے میں دُور کے آدمیوں کو شبہ پڑے گا اور اپنے دونوں ہاتھ ان تکبیروں میں ہر تکبیر کے وقت اٹھائے اور درمیان میں دونوں ہاتھ چھوڑ دیا کرے اور تیسری تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سی ایک سورۃ پڑھے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو قرأت سے ابتداء کرے اور اس کے بعد تین بار تکبیر کہے ان کے درمیان بھی اُسی قدر فاصلہ رکھے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور ہر تکبیر پہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور چھوڑ دے اس وقت ہاتھ کا باندھنا ثابت نہیں ہے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے اب دونوں رکعتوں کی کُل نو تکبیریں ہوئیں تین نو ان میں سے اصلی ہیں تکبیر تحریمہ اور دو تکبیریں رکوع کی اور چھ زائد ہیں تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ اور اگر پہلی رکعت میں تکبیر کہنا بھول گیا یہاں تک کہ کچھ یا تمام سورۂ فاتحہ پڑھ چکا اور اسوقت یاد آیا تو تکبیر کہہ کر سورۂ فاتحہ کو پھر سے پڑھے اور اگر سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھ چکنے کے بعد یاد آیا تو صرف تکبیر کہے اور قرأت کو نہ دُھرائے کیونکہ قرأت پُوری ہو چکی اور پوری ہونے کے بعد دُہرا کر نقص کی قابلیت نہیں بخلاف پہلی صورت اور دوسری صورت کے کیونکہ قرأت اُن میں پوری نہیں ہوئی تھی لہٰذا ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا قرأت ابھی شروع ہی نہیں کی اس لئے ترتیب کی رعایت کے لئے قرأت کو پھر سے پڑھ لے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر دو خطبے پڑھے اور دونوں کو تکبیر سے شروع کرے اور دونوں میں ایک خفیف جلسہ سے فصل کرے جسکی مقدار یہ ہے کہ اس کا ہر ہر عضو اپنی اپنی جگہ درست ہو جائے۔ اور خطبہ دونوں عیدوں میں سنت ہے۔ اور اس خطبہ میں وہی امور مسنون ہیں جو جمعہ کے خطبہ میں مسنون ہیں اور وہی امور اسمیں مکروہ ہیں جو جمعہ کے خطبہ میں مکروہ ہیں۔

نمازِ عید کا وقت اور طریقہ

امام کے تکبیراتِ عید بھول جانیکا مسئلہ

عید کا خطبہ

اور اس عید میں قربانی اور تکبیرات تشریق کے مسائل تعلیم کرے۔ اور جس نے عید کی نماز امام کے ساتھ نہ پائی وہ قضا نہ پڑھے اور جس نے امام کو رکوع میں پایا تو کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہے کیونکہ تکبیر تحریمہ صرف قیام ہی میں مشروع ہے پھر عید کی تکبیریں کہے

مسبوق کی نمازِ عید کا طریقہ

اگر یہ خیال ہو کہ امام سے رکوع میں مل جاؤنگا کیونکہ اصلی جگہ عید کی تکبیروں کی خاص قیام ہی ہے اور اگر رکوع فوت ہو جانے کا خوف ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر رکوع کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں عید کی تکبیریں کہہ لے کیونکہ یہ تکبیریں واجب ہیں اور ان کے ادا میں مشغولی اولیٰ ہے اور رکوع کی تسبیحات کو ترک کر دے کیونکہ وہ سنت ہیں اور رکوع میں رفع یدین نہ کرے کیونکہ ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور ہتھیلی کا گھٹنوں پر رکھنا بھی سنت ہے اور ایسی سنت ادا کرنیکی کوئی وجہ نہیں جسمیں دوسری سنت کا ترک ہوتا ہو اور جب امام رکوع سے سر اٹھائے تو پھر جو تکبیریں باقی رہ گئی ہوں ساقط ہو جاتی ہیں لہذا ان کو نہ تو رکوع میں پورا کرے اور نہ قومہ میں بلکہ امام کی موافقت میں جلدی کرے کیونکہ پیروی امام کی فرض ہے لہذا واجب کے لئے ترک نہ ہو گی۔

اور اگر امام کو قومہ میں پایا تو قومہ میں تکبیر عید نہ کہے کیونکہ یہ رکعت مع تکبیروں کے قضا کریگا اور جس کی ایک رکعت جاتی رہی تو جب فائتہ کو قضا کرنے کھڑا ہو تو اول قرأت شروع کرے پھر اس کے بعد تکبیریں عید کی کہے اور رکوع کرے اور اگر امام کو التحیات میں پایا یا سلام کے بعد سہو کے سجدے میں تو وہ کھڑا ہو اور تکبیریں عید کی اپنے ٹھکانے سے کہہ کر نماز پڑھے۔ اور اس عید کی نماز میں **عید قربانی کی نماز میں تعجیل مستحب ہے** تعجیل اور عید الفطر میں اس کی تاخیر مستحب ہے۔ اور قنیہ میں ہے کہ عید کی نماز جنازہ کی نماز سے مقدم کی جائے جبکہ دونوں جمع ہو جائیں اور نماز جنازہ کو خطبہ سے مقدم کریں۔ اور بزازیہ میں ہے اگر نمازِ عید اور نماز کسوف جمع ہو جائیں تو عید کی نماز جیسے کہ نمازِ جنازہ پر مقدم کی جاتی ہے اس پر بھی مقدم کریں کیونکہ عید کی نماز واجب ہے اور اس کا وجوب عینی ہے اور جنازہ کی نماز کا وجوب کفایہ ہے۔ اور عیدگاہ میں عید کی نماز **عیدگاہ میں نمازِ عید کے علاوہ نماز مکروہ ہے** سے پہلے بھی اور بعد از نمازِ عید بھی امام وغیر امام سب کو نفلیں پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس عید میں کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو نمازِ عید سے **عذر کے سبب نمازِ عید میں تاخیر** مانع ہو تو دوسرے اور تیسرے دن پڑھ لیں اسکے بعد نہ پڑھیں کیونکہ اس کا وقت قربانی کا وقت ہے۔ پس جب تک قربانی کا وقت باقی ہو نماز جائز ہے اور اسکے وقت چلے جانے کے بعد جائز نہیں۔ اس عید میں عذر کا ہونا نفی جواز کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کراہت کے لئے ہے یہانتک کہ اگر دوسرے یا تیسرے دن تک اس کی تاخیر بے عذر ہو تو بھی نماز جائز ہے لیکن گناہ کا باعث ہے برخلاف عید الفطر کے کیونکہ عذر اس میں نفی جواز کے لئے ہے یہانتک کہ اگر اس نماز میں تاخیر اگلے دن تک بے عذر ہو تو درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رضا کے موافق اعمال اپنے لطف و کرم سے آسان فرماوے۔

نماز جنازہ یا کسوف نماز عید کے ساتھ جمع ہو جانا معلوم

چھتیسویں مجلس ماہ الٰہی محرّم اور یوم عاشورا کے روزے کی فضیلت کے بیان میں

ماہ محرّم کے روزوں کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل روزے ماہ رمضان کے بعد ماہِ الٰہی محرّم کے ہیں۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور شہر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف مہینہ کا مرتبہ بڑھانے کے لئے ہے اور رمضان محذوف ہے اصل میں یوں عبارت ہے افضل روزے رمضان کے روزوں کے بعد روزے ماہ الٰہی محرّم کے ہیں اس میں تصریح ہے کہ رمضان کے بعد نفل روزوں میں سب سے افضل ماہِ الٰہی محرم کے روزے ہیں لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ یہ محرم افضل مہینہ ہے جس کے پورے نفل روزے رمضان کے بعد ہی رکھے جائیں۔ رہا مہینہ کے کچھ دنوں میں نفلی روزہ رکھنا تو اسمیں کبھی اور روزہ بھی محرّم سے افضل ہوتا ہے جیسے یوم عرفہ کا روزہ یا عشرۂ ذی الحجہ کے روزے یا چھ روزے شوال کے یا اسی طرح کے اور روزے۔

اور اس کی دلیل حضرت علیؓ کی یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہؐ مجھے ایسا مہینہ بتلایئے جس میں بعد رمضان کے روزے رکھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو کسی مہینے کے روزے بعد رمضان کے رکھنا چاہتا ہے تو محرّم میں رکھ کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اور اسمیں ایک دن ایسا ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی خطا معاف کی ہے اور اوروں کی بھی خطا معاف فرمائیگا۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ماہِ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے اور یہ آپؐ سے منقول نہیں کہ آپؐ محرّم میں روزے رکھتے تھے محرّم میں سے صرف یوم عاشورا کو روزہ رکھتے تھے۔

اور آپ کا یہ ارشاد ابن عباسؓ کی اس حدیث میں کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ ضرور روزہ رکھونگا اس بات کی دلیل ہے کہ نویں تاریخ روزہ نہیں رکھتے تھے لیکن یہ روایت ضرور ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو فرمایا تھا کہ محترم مہینوں کے روزے رکھے اور محترم مہینوں میں سے افضل روزے ماہ خدا وندی محرّم کے روزے ہیں اور ماہِ الٰہی محرّم میں سے افضل پہلی دہائی کے ہیں اور چونکہ یہ مہینہ تمام اور مہینوں میں سے اللہ کی طرف منسوب ہے لہٰذا مناسب ہے کہ ایسے عمل کیساتھ مخصوص ہو جو اللہ کی طرف منسوب ہو۔ اور وہ روزہ ہے کیونکہ روزہ بندے اور اُسکے رب کے درمیان ایک

روزہ بندے اور اسکے رب کے درمیان بھید ہوتا ہے بھید ہوتا ہے کہ خاص خدا کیواسطے اور اُسکی رضا جوئی کے لئے رکھتا ہے اور غیر کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی کیونکہ روزہ تو نیت اور امساک

کا نام ہے یہانتک کہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ نگہبان فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی اور نہ وہ لکھتے ہیں بخلاف اور عبادات کے کہ اُنپر غیر خدا کو بھی اطلاع ہوتی ہے اور چونکہ روزے کو وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی ذات سے خاص کیا اور اس کے ثواب کا بذاتِ خود ذمہ دار ہوا اور کسی کے سپرد نہیں کیا۔

چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" کہ ابن آدم کے ہر ایک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گونہ تک بڑھایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا بندہ میرے ہی لئے اپنی خواہش اور کھانا اور پینا سب چھوڑ دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ طاعت اور نیک عمل جسمیں ریا نہ ہو کم سے کم اُس کے کرنیوالے کو جو ثواب دیا جاتا ہے دس گونہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے جو کوئی لایا نیکی اُسکو ہے اُسکے حصہ برابر۔ اور کبھی سات سو گونہ اور اس سے بھی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" مثال اُن کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جس سے سات بالیاں اُگیں ہیں ہر بالی میں سو سو دانے اور اللہ اور بڑھا دیتا ہے جس کیواسطے چاہے"۔ اب رہا روزہ تو اس کا ثواب بحساب ہے کیونکہ روزہ بدون صبر کے نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" دتے جائینگے صبر کرنیوالے اپنا ثواب بے حساب" اور صبر اگرچہ روزے کے سوا اور عبادات میں بھی پایا جاتا ہے لیکن صبر اور عبادات میں ایسا نہیں ہوتا جیسے کہ روزہ میں کیونکہ صبر تین قسم کا ہے، اوّل طاعتِ الٰہی پر صبر کرنا۔ دوّم اللہ تعالیٰ کے محرمات پر صبر کرنا۔ سوّم رنج اور سختیوں پر صبر کرنا اور یہ تینوں قسم کے صبر روزے میں پائے جاتے ہیں کیونکہ اسمیں اُن اطاعتوں پر بھی صبر ہے جو روزہ دار پر واجب ہیں۔ اور ان خواہشوں سے بھی صبر ہے جو اُسپر حرام ہیں اور اُس تکلیف پر بھی صبر ہے جو بھوک اور پیاس کی گرمی اور بدن کی کمزوری سے اُس کو پہنچتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اُس کے بدن میں نقصان اور ضعف جو اسباب ہلاکت میں سے ہے پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرف اشارہ ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہش نفسانی کھانا پینا میرے ہی لئے چھوڑ دیتا ہے برخلاف اور عبادتوں کے۔

نیز یہ کہ روزہ دار اپنے نفس کو کھانے اور پینے اور جماع سے علیحدہ رکھنے کی وجہ سے صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جاتا ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے پاک و صاف ہے۔ پس چونکہ روزے میں یہ اوصاف ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنی ذات کے لئے خاص کیا اور اس کے ثواب کا آپ ذمہ دار ہوا اور کسی دوسرے کے سپرد نہیں کیا اور کریم جب یہ خبر دے کہ میں

(حاشیہ: اطاعت و عبادت کا ثواب — صبر کی قسمیں اور روزہ دار کی فضیلت کا سبب — روزہ کا اجر)

خود اُس کے عوض کا ذمہ دار ہوں تو اسکا وعدہ اس بات کو مقتضی ہے کہ وہ عوض بہت ہی بڑا اور نہایت عظیم الشان ہو کہ اُس کی نہ کچھ حد ہو نہ شمار۔

اور ابو امامہ باہلی رضؓ سے روایت ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے "جس نے ایک روز اللہ کے لئے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اُس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ایسی چوڑی خندق بنا دیگا جیساکہ زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے"۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جسکو ابو سعید خدری رضؓ نے روایت کیا ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے "جس نے ایک روز اللہ کے واسطے روزہ رکھا اللہ اُس کا منہ دوزخ سے ستر سال کے فاصلہ پر دُور رکھیگا" اور معنے حدیث کے یہ ہیں کہ جس نے ایک روز صرف اللہ اور اُسکی رضامندی کیلئے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ سے نجات دیگا۔ نجات دینے کو بطورِ مثال بیان کیا تاکہ زیادہ مبالغہ ہو کیونکہ جو شخص کسی چیز سے اسقدر دُور ہو تو وہ شئے اُس تک ہرگز نہ پہنچیگی۔

اور خریف سے مراد سال ہے جزو کو ذکر کر کے کُل مراد لیا ہے اور صرف خریف ہی سے سال کا مفہوم ادا کیا نہ اور فصلوں سے اسلئے کہ یہ میووں کے پکنے اور عیش کی فراخی کا وقت ہے۔ اور ابو ہریرہؓ سے

روزہ دار کی دو خوشیاں | روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک خوشی افطار کرتے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

اور ان حدیث کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کو دو مرتبہ سرور ہوتا ہے اسواسطے کہ فرحۃ کا لفظ ایک مرتبہ فرح کے معنوں میں ہے اور فرح کے معنی سرور کے ہیں۔ اب سرور روزہ دار کا رب سے ملاقات کے وقت تو اُس ثواب کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ذخیرہ کیا ہوا پائے گا کیونکہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا کھانا پینا اور شہوت چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر عوض عطا فرمائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی پاؤگے اُس کو اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ" اور نبی علیہ السلام نے بھی ایک شخص سے فرمایا ہے کہ تم کبھی کسی امر کو خدا کے خوف سے ترک نہ کروگے مگر اللہ تعالےٰ تم کو اس سے بہتر عنایت کرے گا

روزہ دار کے لئے عرش کے نیچے دسترخوان | یہ بھی روایت ہے کہ روزہ داروں کیواسطے قیامت کے دن عرش کے نیچے دسترخوان چُنا جائے گا کہ جب لوگ حساب میں مصروف ہوں گے وہ کھاتے ہوں گے اور لوگ کہیں گے ان کو کیا ہوا کہ بیٹھے کھا رہے ہیں اور ہم حساب ہی میں مبتلا ہیں اُسوقت اُن سے کہا جائے گا کہ یہ لوگ روزے رکھتے تھے اور تم روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک

روزہ دار کے لئے سیرابی کا دروازہ | دروازہ ہے جسکو ریان کہتے ہیں اُس میں سے صرف

روزہ دار ہی داخل ہوں گے اور روزہ داروں سے وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ بکثرت رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے چونکہ پیاس کی تکلیف اٹھائی ہے اسلئے ایسے دروازے کے ساتھ مخصوص ہوئے جن میں جنت میں جانے سے پہلے ہی سیرابی اور پیاس سے امن مل جاتا ہے! اور روزہ

روزہ دار کی خوشیوں کا سبب | کھولتے وقت کی خوشی اُن چیزوں میں ہے جو اُن کو کھانے اور پینے کی چیزیں ملتی ہیں کیونکہ نفس اپنی مرغوب اشیاء کھانے اور پینے اور بی بی کی طرف مائل ہونے پر ہی پیدا کیا گیا ہے لہذا جب نفس کو کسی وقت اس سے روک کر دوسرے وقت اجازت دیجائے تو بالطبع خوش ہوتا ہے اور خاصکر جبکہ بھوک اور پیاس کی تاخیر اور اپنی حاجات کے تقاضا ہونے کے سبب سے ان چیزوں کا نہایت حاجتمند ہو اور اسی طرف اشارہ کرتی ہے وہ حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ فرمایا کرتے تھے بجھ گئی پیاس اور تر ہوگئیں رگیں اور ثابت ہوگیا ثواب انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ افطار کیوقت

افطار کے وقت دعا کی قبولیت | اُس کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کی دُعا افطار کے وقت مقبول ہوتی ہے بلکہ اس کا سونا بھی عبادت ہے۔ ابو العالیہؒ نے کہا ہے کہ روزہ دار عبادت ہی میں ہے جبتک غیبت نہ کرے، اگرچہ اپنے بستر پر پڑا سوتا ہو اس بنا پر شب و روز وہ عبادت ہی میں ہے۔ پھر محرم کے روزے میں ایک اور بات ہے اور وہ یہ

ماہِ محرم کے روزوں کی فضیلت کا سبب | کہ مہینہائے حرام چونکہ بعد رمضان کے تمام مہینوں سے افضل ہیں اور اُن سب کے روزے نبی علیہ السلام کے ارشاد کے موافق مستحب ہیں اور چونکہ کوئی اُن میں سے قمری سال کا آخری مہینہ ہے اور بعض قمری سال کا شروع تو لازم آیا کہ جس نے ذی الحجہ میں سوا اُن دنوں کے جنمیں روزے حرام ہیں روزے رکھ کر پھر محرّم کے بھی روزے رکھے تو اُسنے گویا سال عبادت ہی میں تمام کیا اور عبادت ہی سے شروع کیا اور اس صورت میں امید ہے کہ اُس کا سال کا سال طاعت اور عبادت میں لکھا جائے۔

خدا تعالیٰ ہم پر اعمال اپنے لطف و کرم سے آسان کرے۔

ستائیسویں مجلس یوم عاشورہ کی فضیلت اور جو امور اس روز کرنے چاہئیں اُن کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یوم عاشورا کے روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ سال گذشتہ کا کفارہ کر دے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابو قتادہؓ اس کے راوی ہیں اور معنے اس کے

یہ ہیں کہ جو شخص یوم عاشورا میں روزہ رکھے گا تو مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اُس کے گذشتہ سال کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ کبیرہ کا توبہ کے سوا اور کچھ کفارہ نہیں۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جسکو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افضل روزے رمضان کے بعد ماہ الٰہی محرّم کے روزے ہیں۔

اور یہ حدیث اگرچہ بظاہر ماہِ رمضان کے روزوں کے بعد تمام ماہِ الٰہی محرّم کے روزوں کی فضیلت میں ہے لیکن کہتے ہیں کہ اس سے یوم عاشورا کا روزہ مراد ہے۔ اور اُس دن کا روزہ اس لئے افضل

یوم عاشورا کے روزہ کی فضیلت کی وجہ

ہے کہ وہ شروع اسلام میں فرض تھا پھر رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اور جس عبادت کی فرضیت منسوخ ہوگئی ہو وہ اُس عبادت سے افضل ہے جو کبھی فرض نہ ہوئی ہو۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اصول میں مذکور ہے کہ وجوب کے نسخ سے جواز بھی زائل ہوجاتا ہے پھر اُس میں روزہ رکھنا کیونکر افضل ہوسکتا ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ اس دن میں جب وجوب روزے کا منسوخ ہوگیا تو وہ دن روزے کے جواز کے بارے میں اور دنوں کے مثل ہوگیا پس افضل ہی ہوگا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ یوم عاشورا کے اس دن کے روزہ کو تلاش کرتے ہوں جس کو اور پر فضیلت دی ہو۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام صوم یوم عاشورا کی فضیلت میں اتنا مبالغہ فرماتے تھے جتنا اور روزے کی فضیلت میں نہیں فرماتے تھے۔ اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم

دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کا روزہ ملانے کا حکم

عاشورا کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو اس روزے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو وہ دن ہے جسکی یہود اور نصاریٰ نے تعظیم کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں بالضرور نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔ علماء کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ ایک اور دن ملانے کا اسلئے ارادہ کیا تاکہ آپؐ کا طریقہ اہل کتاب کے طریقہ کے خلاف رہے لیکن وہ سال نہ آنے پایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ یوم عاشورا مبارک دن ہے مومن کو چاہیئے کہ اِس دن روزہ رکھے لیکن مستحب یہ ہے کہ اس کیساتھ نویں یا گیارھویں کا روزہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے لئے رکھے۔ اور جو لیسر ہو فقیروں کو خیرات دے اور احسان مدعیوں

عاشورہ کے دن بعض امور کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ

کے رضامند کرنے کو نماز پڑھنا جو بعض کتابوں

ہیں مذکور ہے، سو بزازیہ میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کچھ مفید نہیں. کیونکہ مدعی اگر معاف کر چکا ہے تو جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کا قیامت کے دن کچھ مطالبہ نہ کرے گا. پھر اب کیا فائدہ ہوا اور اگر معاف نہیں کیا ہے تو قیامت کے دن اُسکی نیکیوں میں سے لے لیگا بشرطیکہ اُسکے پاس حسنات نہ ہوں تو مدعی کے گناہ اُس کے سر پر لادے جائیں گے اور آگ میں ڈال دیا جائے گا چنانچہ

مفلس کون ہے | حدیث میں ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ اسباب، آپؐ نے فرمایا کہ مفلس میری امت میں وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور زکوٰۃ اور روزے لیکر آئیگا اور اس صورت سے آئے گا کہ کسی کو گالی دی تھی اور کسی کو تہمت لگائی تھی اور کسی کو مارا تھا اور کسی کا مال کھا لیا تھا لہذا اس کی کچھ نیکیاں کس کو دی جائیں گی اور کچھ کسکو لیس اگر اُسکی نیکیاں سب حقوق جو اُسکے ذمہ ہیں ان کے ادا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو حقداروں کے گناہ لیکر اُسکے سر پر لاد دئے جائیں گے اور آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے اس کو بھی ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جسکے ذمے کوئی حق تلفی کسی بندہ کی ہو، آبرو کی ہو یا مال کی تو آج اُس سے معاف کرالے اس سے پہلے کہ ایسے دن اُس سے مواخذہ کیا جائے جسمیں نہ دینار ہو گا نہ درہم، اگر اُس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو اُن سے بقدر حق تلفی کے لے لیا جائے گا اور اگر کچھ نیکیاں اسکی نہ ہونگی تو اُس مدعی کے گناہ لیکر اُسکے ذمہ رکھے جائیں گے. علماء نے کہا ہے کہ ایک دانق کے بدلے جو درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں جو جماعت سے ادا کی گئی ہوں لیکر مدعی کو دیدی جائیں گی۔

اور اس دن سختی اٹھانا سو قنیہ میں مذکور ہے کہ اس باب میں کوئی قوی روایت وارد نہیں ہے لیکن اس کا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ شاید اسپر ثواب ہو اور سرمہ لگانا اسمیں سنت تھا لیکن چونکہ اب یہ دشمنانِ اہلبیت کی علامت ہو گئی ہے لہذا اس کا ترک واجب ہے اور اس کا کرنا مکروہ ہے یہاں تک کہ بعض متقدمین سے یہ پوچھا گیا کہ کیا عاشورا کے دن اہلبیت سے بغض کے بغیر سُرمہ لگانا سنت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ زنانوں کا طریقہ ہے. رہا اس دن کو حضرت امام حسین بن علی

شہادت حسینؓ کا ماتم کرنا جائز نہیں | رضی اللہ عنہما کی شہادت کے سبب ماتم بنانا جیسے کہ رافضی کرتے ہیں سو یہ اُن لوگوں کا عمل ہے جن کی محنت دنیا میں رائیگاں گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اپنا کام خوب بنا رہے ہیں کیونکہ اللہ نے انبیاء کے مصائب اور ان کی موت کے دنوں کو ماتم بنانے کا حکم نہیں دیا اور نہ اُس کے رسولؐ نے تو ان سے ادنیٰ لوگوں کا کیا پوچھنا اور قصہ خواں

جو لوگوں سے شہادت کا واقعہ عاشورے کے دن بیان کرتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں اور ننگے سر ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ کھڑے ہو جائیں اور درد و تاسف ظاہر کرنے کے لئے بیہودہ کلمات بکیں سو دینی حاکموں پر واجب ہے کہ ان کو منع کریں اور سننے والے بھی اس کے سننے پر معذور نہ ہونگے۔ امام غزالیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ واعظوں وغیرہ پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی روایات اور اُن حالات کا بیان کرنا جو صحابہؓ رضی اللہ عنہم کے درمیان جھگڑے اور خصومت واقع ہوئی ہیں

صحابہؓ سے بغض و عداوت اللہ اور رسول سے بغض و عداوت ہے

حرام ہے کیونکہ ایسی کہانیوں سے صحابہؓ کے بغض اور ان پر طعنہ کرنے کا ہیجان ہوتا ہے حالانکہ وہ لوگ دین کے پیشوا ہیں بزرگان دین نے اُن سے دین سیکھا اور ہم نے اُن بزرگوں سے سیکھا پس جو اُن پر عیب لگاتا ہے وہ اپنے آپ کو اور اپنے دین کو عیب لگاتا ہے۔

اور امام شافعیؒ اور ان کے سوا اور متقدمین کہتے ہیں کہ وہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ پاک رکھے تو چاہیے کہ ہم اپنی زبانیں بھی اُن سے پاک رکھیں۔

اور عبد اللہ ابن مغفلؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو میرے یاروں کے بارہ میں میرے بعد اُن کو نشانہ نہ بنانا جس نے اُن سے محبت کی سو مجھ سے محبت ہونے کی وجہ سے اُنسے محبت رکھی اور جس نے اُن سے بغض رکھا سو اُسنے مجھ سے بغض ہونے کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا اور جس نے اُن کو ستایا تو اُس نے مجھ کو ستایا اور جس نے مجھکو ستایا تو بیشک اُسنے اللہ تعالیٰ کو ستایا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ستایا عنقریب اللہ تعالیٰ اُسکو پکڑیگا۔

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے جسکو ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے یاروں کو برا مت کہو کیونکہ اگر کوئی تم میں سے اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کردے تب بھی صحابہؓ میں سے کسی کے مُدؔ کے برابر بھی نہ پہنچیگا اور نہ اُس کے آدھے کے برابر۔

پس اس حدیث کی رُو سے مومن پر اُن کی تعظیم اور بھلائی سے یاد کرنا اور اُن پر طعن وطنز سے زبان بند رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ شہادتِ حضرت عثمانؓ اور شہادتِ امام حسینؓ کے سبب سے بڑے سے بڑے فتنے برپا ہوئے اور بہت جھوٹی باتیں مشہور ہو گئیں اور بہت سے جھوٹے مذہب اور بدعتیں پیدا ہوئیں جن

شہادتِ عثمانؓ اور حسینؓ کے بعد فتنے اور عاشورا کا ماتم

میں بہتیرے متاخرین اور متقدمین پڑ گئے اور وہ جھوٹے قصے اور باطل مذہب اور بدعتیں ہمیشہ بڑھتی ہی چلی گئیں یہاں تک کہ ایسے امور پیدا ہو گئے جن کی شرح وتفصیل طویل ہے اسی میں سے ایک وہ ہے جس کو بہت سے لوگوں نے یوم عاشورا کے دن ایجاد کیا ہے کہ اس کو ماتم بنا رکھا ہے

---

۵۷ مد بالضم آدھے صاع کو کہتے ہیں جو تقریباً پونے دو سیر کا ہوتا ہے ۱۲ -

اس روز نوحہ کرتے ہیں اور روتے پیٹتے ہیں اور جانوروں پر تکلیف اٹھاتے ہیں اور جو اولیاء اللہ مر چکے ہیں ان کو برا کہتے ہیں اور اہلبیت کی نسبت غلط اتہامات باندھتے ہیں اور علاوہ اس کے اور بہت سے وہ منکرات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور مسلمانوں کے اجماع سے ممنوع ہیں بیشک حضرت امام حسینؓ کو اللہ تعالیٰ نے اس دن شہادت سے سرفراز فرمایا اور وہ اور ان کے بھائی امام حسنؓ جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کا قتل بڑی مصیبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا مقرر کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور خوشخبری دو ان صبر کرنیوالوں کو کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان ہی لوگوں کو اللہ کی طرف سے شاباشیاں ہیں اور مہربانیاں اور یہی ہیں راہ پر"۔ اور سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ استرجاع ؏ تمام امتوں میں سے اس امت کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوئی اور اگر عطا ہوتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو عطا ہوتی تم نہیں دیکھتے کہ حضرت یعقوبؑ نے استرجاع کی جگہ ہائے افسوس کہا اور بخاری و مسلم میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جس پر کوئی مصیبت آجائے تو کہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الٰہی مجھ کو میری مصیبت کا اجر دے اور اس سے بہتر مجھ کو اس کا بدلہ دے مگر اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کا اجر اور اسکو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ اور امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے فاطمہ بنت حسینؓ سے اور انہوں نے اپنے باپ امام حسینؓ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جسکو کچھ مصیبت پہنچی ہو اور وہ اسکو یاد کرنے اگرچہ مدت دراز ہو چکی ہو اور اس پر از سر نو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اس کے واسطے اتنا ہی اجر لکھتا ہے جتنا کہ مصیبت کے دن دیا تھا اور اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امام حسین رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور ان سے ان کی بیٹی فاطمہؓ نے جو کہ ان کے مقتل میں ہمراہ موجود تھیں روایت کی ہے اور علم الٰہی میں ثابت ہو چکا تھا کہ حضرت امام حسینؓ کی مصیبت باوجود مدت گذر جانے کے یاد ہوا کریگی تو یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ جب وہ مصیبت یاد آئے تو یہ طریقہ جاری رکھا جائے اس طرح کہ اسکے لئے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جائے اور اس سے انسان کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس شخص کو ملا تھا جس نے مسلمانوں پر اس مصیبت کے آنے کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہا تھا۔ اور جو لوگ باوجود اس مدت دراز کے وہ باتیں کرتے ہیں جن سے نبی علیہ السلام نے ابتدائے عہد میں منع کیا ہے تو ان کے لئے عاقبت بہت

(حاشیہ: شہادت حسینؓ اور نوحہ کے بارے میں اللہ اور رسول کے احکام)

(حاشیہ: نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کا انجام)

؏ یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سخت ہے جیسے منہ پیٹنا اور گریبان پھاڑنا اور جاہلیت کے زمانے کیطرح پکارنا خصوصاً جبکہ اُس کے ساتھ مومنین پر ظلم کرنا اور اُن پر لعنت کرنا اور بُرا کہنا اور ملحدین اور مخالفین کے دین میں فساد کے قصد سے اعانت کرنا اور اس کے علاوہ اور منکرات بڑھ جائیں جن کو اللہ تعالے کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ایسے مقام میں جہاں ایسے ایسے گناہ اور حرام کاریاں کی جاتی ہوں جانے سے باز رہے اور بقدر طاقت کے ایسے عمل والوں کو منع کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر ان معاصی سے بچنا آسان فرمائے۔

اٹھتیسویں مجلس اس بیان میں کہ ایک کی بیماری دوسرے میں سرایت نہیں کرتی اور یہ کہ بدشگونی جائز نہیں ہے

کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہ تو عدوی ہے اور نہ صفر اور نہ غول۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے حضرت جابرؓ اس کے راوی ہیں اور عدوی سے ایک بیمار کی بیماری کا دوسرے بھلے چنگوں کو جو اس کے ہمنشین ہوں لگ جانا مراد ہے اور علماء کا اختلاف ہے کہ منفی آیا بجنسہ سرایت ہے یا سرایت کو بیماری کی طرف منسوب کرنا۔ پس **بیماری کے سرایت کر جانیکی نفی** بعضوں کا مذہب تو یہ ہے کہ منفی خود سرایت ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی نفی اور اسی کا باطل کرنا مراد لیا ہے کیونکہ وجود و عدم دونوں اعتبار سے متخلف ہیں، وجود میں تخلف تو یوں ہے کہ اکثر اوقات کوئی شخص جذامی یا خارشتی کے پاس رہتا ہے لیکن وہ مرض اس میں نہیں آتا۔

چنانچہ اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے جو جابرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر ایک پیالے میں رکھدیا اور اس کا عدماً تخلف ہونا یوں ہے کہ اکثر اوقات یہ بیماریاں اُسمیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جس میں سرایت کا شبہ بھی نہیں ہوتا جیسا کہ اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے جو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا حال ہے اونٹ کا کہ ریگستان میں ہرن کی طرح ہوتا ہے پھر اُس سے خارشتی اونٹ مل جاتا ہے اور اُس کو بھی خارشتی کر دیتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارشتی بنایا۔ پس نبی علیہ السلام نے اس ارشاد سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ پہلے اونٹ میں اگر خارش دوسرے خارشتی

اونٹ سے آئی ہے تو تسلسل لازم آئے گا جسکی کہیں انتہا نہیں آور یہ محال ہے اور اگر اس سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ کسی اور سبب سے ہوئی ہے تو پھر جس نے پہلے اونٹ میں پہنچایا ہے وہی اور بھلے چنگے اونٹوں میں بھی پہنچا سکتا ہے اور پہنچانیوالا اللہ تعالیٰ ہر شئے کا پیدا کرنے والا اور تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور بعضوں کا مذہب یہ ہے کہ خود سرایت منفی نہیں ہے کیونکہ روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا بیمار اونٹوں والا اچھے اونٹوں میں نہ ملاتے اور ممرض بیمار اونٹوں والے کو کہتے ہیں اور مصح بھلے چنگے اونٹوں والے کو، اور مقصود ممانعت سے بیمار اونٹوں کو اچھے اونٹوں میں ملانے سے منع کرنا ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ پس ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ خود سرایت منفی نہیں ہے بلکہ اس کا بیماری کیطرف منسوب کرنا منفی ہے اور یہ دوسرا مذہب اولیٰ ہے کیونکہ اسمیں اُن حدیثوں میں جو اس باب میں وارد ہیں تطبیق ہے اور اُس کے ساتھ اسمیں طبی قاعدوں کے بیکار ہو جانے سے بھی بچاؤ ہے برخلاف پہلے مذہب کے کہ وہ طبی قاعدوں کو بیکار کئے دیتا ہے حالانکہ شریعت نے اُن کو بیکار نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ اُن کو ثابت کیا ہے اور جبتک اصول توحید کے خلاف نہ ہوں اعتبار کیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اُس عقیدہ کا باطل کرنا ہے جس کا اہل جاہلیت عقیدہ رکھتے تھے کہ بیماری خود بخود اثر کر جاتی ہے سو آپ نے فرمادیا کہ عدوی نہیں ہے اور اپنے اس ارشاد سے شرح کر دی کہ یوں نہیں ہے جیسے اہل جاہلیت خیال کرتے ہیں بلکہ بیماری حکم الٰہی اور اُسکی تقدیر سے ہوتی ہے لیکن کبھی نزدیک ہونا بعضوں کے اعتبار سے بیماری پیدا ہونے کا سبب تقدیری ہو جاتا ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے بیمار اونٹوں کو اچھے اونٹوں میں ملانے سے منع کر دیا اور مجذوم سے دُور رہنے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بھی اُن اسباب سے پرہیز کرنے کیطرح ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے بلا کا سبب قرار دیا ہے اور بندے کو بلا کے اسباب سے جبکہ وہ اس سے بچا ہوا ہو بچے رہنے کا حکم ہے کیونکہ جسطرح اپنے آپ کو پانی یا آگ میں نہ ڈالنے اور گرتے ہوئے مکان کے نیچے نہ آنے اور اسی طرح اُن چیزوں سے جو اسباب ہلاکت ہیں بچنے کا حکم ہے اسی طرح خارشتی اور مجذوم اور دوسری بیماریوں سے جو باذنِ الٰہی متعدی ہیں دور رہنے اور بچنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ امور بیماری اور موت کے اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ وجودِ سبب کے وقت مسبب کو پیدا کر دیتا ہے نہ کہ اُسکی تاثیر سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات سب کا خالق ہے اُسکے سوا کوئی خالق نہیں۔ لیکن اسباب دو قسم پر ہیں۔ پہلی قسم تو بھلائی کے اسباب ہیں پس تعیین اسباب

بیماری کے سرایت کی نفی نہیں

بیماری کے علاج میں اسباب اختیار کرنے کا حکم

اسباب کی قسمیں اور اُن کے متعلق حکم الٰہی

کی طرف منسوب نہیں ہوتیں بلکہ مسبب الاسباب اور مقدر الاسباب کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔
لہٰذا ان میں سے جو سبب پیش آئے تو اُس سے خوش ہو اور اُس سے فرحت حاصل کرے لیکن
اس کیطرف متوجہ نہ رہے بلکہ اس کے خالق اور مسبّب کی طرف متوجہ ہو چنانچہ فرشتوں سے
امداد دینے کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "اور یہ تو اللہ نے محض تمہاری خوشی کے لیئے کیا
ہے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن رہیں اور مدد تو اللہ ہی کیطرف سے ہے"۔ اور اس زمانے میں
اکثر لوگ اسباب کیطرف تو دل سے متوجہ ہوتے ہیں لیکن مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں۔
سو جو شخص نعمت کو اللہ کے سوا اور کیطرف منسوب کریگا اور یہ اعتقاد بھی ہو کہ یہ نعمت اللہ
تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو یہ حقیقی شرک ہے اور اگر اس کے ہمراہ اعتقاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی طرف سے ہے تو یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔
اور دوسری قسم شر کے اسباب ہیں۔ پس تمام مصیبتیں صرف گناہوں ہی کیطرف منسوب ہوتی ہیں
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور جو کوئی سختی تم کو پہنچتی ہے اس کا سبب وہی ہے جس کو تمہارے
ہاتھوں نے کمایا ہے" اور جو سبب اسباب شر میں سے پیدا ہو اُس سے جسقدر شریعت میں آیا ہے
جیسے خارشتی اور مجذوم کی ہمنشینی سے اور وبا کی جگہ آنیسے بچنا چاہیئے۔ اور ان میں سے جو پوشیدہ
اسباب ہیں تو اُن سے بچنا اور پرہیز کرنا مشروع نہیں ہے کیونکہ یہ بدشگونی

بدشگونی سے ممانعت

میں داخل ہے جس کی ممانعت ہے اور شرک و کفر کا عمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن میں
کئی جگہ کفار سے نقل فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ رسولوں اور اُن کی پیروی کرنے والوں سے بدشگونی
لیتے تھے اور منحوس سمجھا کرتے تھے اور اُن کے منحوس سمجھنے کا یہ سبب تھا کہ انبیاء علیہم السلام نے
جب اُن لوگوں کو ایسے دین کی دعوت دی جس سے وہ مانوس نہ تھے تو وہ لوگ نئی بات سمجھ کر بُرا
سمجھنے لگے اور ان کی طبیعتیں اس سے متنفر ہوئیں کیونکہ عوام کی عادت ہے کہ اُسی کی آرزو کیا کرتے
ہیں جو اُن کی خواہش کے موافق ہو اگرچہ اس میں سراسر بدی اور وبال ہی کیوں نہ ہو اور جو اُنکی مرضی
کے مخالف ہو اُس کو نحس جانتے ہیں اگرچہ اس میں سراسر خیر اور نعمت ہی ہو اور ثابت ہو چکا ہے
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ

بدشگونی شرک ہے

آپ نے فرمایا بدشگونی شرک کی بات ہے اور رمل اور نجوم کے ذریعے سے یا
کنکریاں اور جَو کے دانے پھینک کر غیب کی باتیں بتانا یہ ممنوع اور بد فالی ہے اور اسمیں گفتگو
کرنے والے اُن عبادات میں مشغول ہوتے جس سے بلا دفع ہو بلکہ گھر میں بیٹھے رہنے اور نقل و
حرکت نہ کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور یہ قضاء و قدر کے نزول کو مانع نہیں۔ اور بعضے لوگ گناہوں

مصیبت کے وقت گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنیکا طریقہ

میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ گناہ بلا اور

اُس کی تاثیر کو اور قوت دیتے ہیں اور اس بارہ میں جو حکم شرع میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں نہ گفتگو کرے اور نہ ادھر توجہ کرے بلکہ وہ شغل اختیار کرے جو بلا کا دافع ہو یعنی دعا اور یادِ الٰہی اور خیرات کرنا اور خدائے تعالیٰ پر توکل اور قضا و قدر پر ایمان لانا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خوفناک عذاب آسمانی کے سامان ظاہر ہونے کے وقت (جیسے سورج گہن اور چاند گہن) اوروں کو بھی حکم فرماتے تھے اور خود بھی نیک اعمال نماز و دعا میں مصروف ہو جاتے تھے یہاں تک کہ وہ سبب خلقت پر سے جاتا رہتا تھا اور یہ سب اس کی دلیل ہے کہ جب عذاب کے سامان ظاہر ہوں تو شرع میں ایسے امور میں مشغول ہونا مقرر ہے جس سے کہ عذاب خوفناک موقوف ہو جانے کی امید ہو یعنی نیک اور پرہیزگاری کے اعمال کہ یہ تمام باتیں اُن اُمور میں سب سے بڑی ہیں جن سے بلا کا دفعیہ مطلوب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عذاب اور رحمت دونوں کے سامان پیدا کرتا ہے۔ عذاب کے سامان

اللہ تعالیٰ عذاب اور رحمت دونوں کے اسباب پیدا کرتا ہے

سے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ اُسکے سامنے توبہ کریں اور گریہ وزاری کریں جیسے تُند آندھیاں، اور بیشک ہوا اللہ تعالیٰ کا فیض بھی ہے کہ کبھی رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب لاتی ہے اور تندئی ہوا کے وقت نبی علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہوا کی خیریت اور جس لئے وہ بھیجی گئی ہے اُس کی خیریت کی دُعا کریں اور اُسکے شر سے اور اُس شر سے جس کیلئے وہ روانہ کی گئی ہے پناہ مانگیں۔ اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب آندھی یا ابر دیکھتے تھے تو آپؐ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور کبھی آتے اور کبھی جاتے پھر اگر مینہ برس جاتا تو خوش ہو جاتے اور فرماتے کہ ایک قوم کو عذاب آندھی ہی سے ہوا تھا اور ایک قوم ابر کو دیکھ کر کہنے لگی یہ ابر ہے ہم پر برسے گا، لیکن اُس میں سے عذاب نازل ہوا۔

اور رحمت کے سامان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اُمید دلاتا ہے جیسے نرم ٹھنڈی ہوا اور عادت کے موافق حاجت کے وقت پانی برسنا اور اسی لئے مینہ برستے وقت یہ دعا کرتے تھے "خداوندا رحمت کا پانی پلانا، نہ عذاب کا" اور جو شخص اسبابِ ضرر کے ظاہر ہونے کے وقت ممنوع طریقوں سے بچا اچھا ہے تو یہ اُس کو کچھ مفید نہیں بلکہ اکثر اوقات خوفناک بلا میں پڑ جائے گا۔ اور نبی صلی اللہ

ماہِ صفر کی نحوست کی تردید

علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ صفر نہیں ہے سو اس کی تفسیر میں اختلاف ہے ظاہر اُحق یہ ہے کہ اس سے مراد ماہِ صفر ہے کیونکہ اہل جاہلیت اس کو منحوس جانتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ منحوس مہینہ ہے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو باطل فرما دیا لیکن بہتیرے لوگ اب بھی اس کو منحوس جانتے ہیں اور اکثر نہ اس مہینہ میں سفر کرتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں اور کچھ اور اسکے سوا، اور اسکو نحوست ماننا بھی بدشگونی کی قسم ہے جس کی ممانعت ہے اسی طرح کسی

دن کو منحوس سمجھنا کیونکہ نحوست کی خصوصیت کسی وقت کے ساتھ کہ ایک میں ہو دوسرے میں نہیں جیسے ماہِ صفر وغیرہ جائز نہیں ہے کیونکہ زمانہ سے مراد ایک ممتد وقت ہے جس کا اندازہ افلاک کی

زمانہ سے مراد

حرکت اور ستاروں سے معلوم ہوتا ہے اور یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ایک متصل چیز ہے جس کے سب اجزاء یکساں ہیں بے خدائے تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے حاصل نہیں ہوتا اور اسمیں بندوں کے افعال واقع ہوتے ہیں۔ پس خود اسمیں نہ کوئی برکت ہے نہ کچھ نحوست۔ ہاں

آدمی کے لئے زمانہ میں نحوست اُسکے اچھے برُے اعمال سے ہے

مگر بندوں کے افعال کے اعتبار سے، پس جس زمانے کو انسان نے عبادت میں مشغول رکھا وہ زمانہ اُسپر مبارک ہے اور جس زمانے کو انسان نے گناہوں میں مشغول رکھا وہ زمانہ اُسپر منحوس ہے اور حقیقت میں مبارک اور منحوس عبادت اور معصیت ہی ہے جیسا کہ عدی بن حاتمؓ نے کہا ہے کہ آدمی کی برکت اور نحوست اُس کے دونوں جبڑوں کے درمیان یعنی اس کی زبان میں ہے اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں اگر بالفرض کسی شے میں نحوست ہے تو اسمیں ہے جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان۔ اور یہ بھی کہا زبان سے زیادہ کوئی شے قید کی حاجتمند نہیں۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "نحوست بد خلقی ہے"۔ پس اس بیان کے مواقف بجز معاصی اور گناہوں کی نحوست کچھ اور نہیں ہے کیونکہ گناہ اللہ تعالیٰ کو ناخوش کرتے ہیں پس جب اللہ کسی بندے سے بیزار ہوتا ہے تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں بدبخت ہو جاتا ہے اور جب کسی بندے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں نیک بخت ہوتا ہے۔

اور کسی بزرگ سے ایک ایسی مصیبت کا شکوہ کیا گیا جس میں سب لوگ مبتلا تھے تو اُنہوں نے کہا جس مصیبت میں تم لوگ مبتلا ہو مجھ کو بجز نحوستِ ذنوب کے اور کسی سبب سے معلوم نہیں ہوتی۔ پس گنہگار آدمی اپنے حق میں بھی اور غیر کے حق میں بھی منحوس ہوتا ہے اسلئے کہ اس بات سے امن نہیں کہ اُسپر عذاب نازل ہو کر سب خلق پر پھیل جائے خصوصاً اُن لوگوں پر جو اُس کے عمل پر انکار نہ کرتے ہوں حالانکہ اس سے دور رہنا لازم ہے۔ اور اسی طرح اُن مقامات سے

معاصی اور عذاب والے مقام سے بھاگنے کا حکم

بھی جن میں معاصی کئے جاتے ہیں بھاگنا اور دُور رہنا ضروری ہے اس خوف سے کہ مبادا اُن پر بھی عذاب نازل ہو جائے جو وہاں موجود ہوں۔ جیسا کہ روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر جس وقت مقام حجر میں دیارِ ثمود پر ہوا تو اپنے اصحابؓ سے فرمایا ان عذاب کئے ہوئے لوگوں کے مکانوں میں نہ جانا مگر اس حالت سے کہ تم اس خوف سے روتے ہو کہ مبادا تمپر بھی وہی عذاب جو اُن پر آیا تھا نہ آجائے کیونکہ اہل عصیان اور

اُن کے مکانات کا ترک کرنا بھی اُس ہجرت میں داخل ہے جس کا حکم ہے بلکہ درحقیقت عدویٰ یعنے بیماری کا لگ جانا تو اُس شخص کے میل میں ہے جو معاصی کرتا ہے اور اُن کو اچھا جانتا ہے اور زیب زینت دیتا ہے اور لوگوں کو اسطرف بلاتا ہے یعنی انسانی شیطان کہ وہ جنی شیطانوں سے زیادہ ضرر رساں ہے کیوں کہ جنی شیاطین تو اللہ تعالےٰ کی پناہ لینے سے دُور بھی ہو جاتے ہیں لیکن انسانی شیاطین جب تک تم کو گناہ میں مبتلا نہ کر دیں ہٹتے ہی نہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی کا حشر اپنے دوستوں کے دین پر ہوگا لہٰذا دیکھ بھال لو کہ کس سے دوستی کرتے ہو۔ اور ایک اور حدیث میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کے سوا کسی کا ہمنشین مت ہو اور سوا پرہیزگار کے کوئی اور تمہارا کھانا نہ کھائے۔ اور غول غین کے پیش کے ساتھ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں اہل جاہلیت کہا کرتے تھے کہ غول ایک قسم کا جن ہے جو آدمیوں کو جنگل میں مختلف شکلوں میں دکھائی دیتا ہے اور راستے سے بھٹکا دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے اور نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ غول نہیں ہے محتمل ہے کہ اس سے اس کے وجود کی نفی مُراد ہو جیسا کہ لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ کسی شے کی نفی سے سرسری نظر میں خود اُسی چیز کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعضے علماء یہ کہتے ہیں کہ اُس کے وجود کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ مراد اس سے وہ ہے جس کا اہل جاہلیت اعتقاد رکھتے تھے یعنی طرح طرح کی شکلیں بنا لینا اور راستے سے بہکا دینا اور ہلاک کر دینا۔ اب حدیث کے معنے یہ ہوئے کہ غول کسی کو راستے سے بہکانے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ان مذکورہ باتوں میں سے کچھ کر سکتے ہیں یہ معنی دونوں میں سے اولیٰ ہیں کیونکہ ایسی حدیثیں بھی آئی ہیں جو غول کے وجود پر دلالت کرتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جسوقت غول شرارت کریں تو فوراً اذان کہہ دو پس پیغمبر علیہ السلام نے بیان فرمادیا کہ ان کی شرارت ذکر الٰہی سے دفع ہو جاتی ہے۔

حاشیہ: آدمی کا حشر اپنے دوستوں کے دین پر ہوگا

حاشیہ: غول کی شرارت ذکر الٰہی سے دور ہو جاتی ہے

پس مومن کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور اسی پر توکل کرے اور وہ مشہور باتیں جو دینِ اسلام کے خلاف ہیں اور جن سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے سب کو چھوڑ دے۔

الٰہی ہم پر اپنی رضا کے موافق عمل اپنے لطف و کرم سے آسان کر دے ✣

انتالیسویں مجلس شگونِ بد اور فالِ بد کی برائی اور مسنون فال کی مدح اور اُسکے اقسام کے بیان میں

حاشیہ: نیک فال اور شگونِ بد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "شگونِ بد تو کوئی چیز نہیں

اور اسمیں سے بہتر فال نیک ہے۔ سب نے پوچھا یا رسول اللہؐ فال کیا چیز ہے فرمایا ایک اچھی بات ہے جو تم سنو۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابو ھریرہؓ اسکے راوی ہیں اور اسکے معنی یہ ہیں کہ بدشگونی پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اسمیں بہتری نہیں ہوتی بہتری تو صرف فال ہی میں ہے۔ یعنی کلمۂ خیر جو تمہارے کان پڑ جائے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ بدشگونی میں خیر ہے اور فال اس سے بہتر ہے۔ کیونکہ بدشگونی میں بالکل خیر نہیں ہے اور طیرہ مصدر ہے تطیر کے معنوں میں طیر سے مشتق ہے۔ اسلئے کہ عرب کے لوگ جاہلیت میں اسکے سنوح یعنی بائیں طرف سے داہنی طرف چلے جانے کو مبارک جانتے تھے اور اُس کے بروح یعنی داہنی طرف سے بائیں طرف چلے جانے کو منحوس جانتے تھے۔ کیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب کسی کام کو نکلتے تھے تو اگر کسی پرندے اور وحشی کو دیکھتے تھے کہ داہنی طرف کو گیا ہے تو اُسے مبارک جان کر اپنے کام کو چلے جاتے تھے اور اگر دیکھتے تھے کہ پرندہ یا وحشی جانور بائیں طرف کو گیا ہے تو اُس کو منحوس جان کر اپنے گھر لوٹ آتے اور بعضی دفعہ پرندے اور وحشی جانور کو اڑاتے اور دیکھتے کہ اگر اُس نے داہنی طرف کو اختیار کیا تو مبارک جانتے اور اپنے سفر اور کاروبار کو چلے جاتے اور اگر اُس نے بائیں طرف کی راہ لی تو اس کو منحوس سمجھ کر اپنے سفر اور ضرورت سے پلٹ آتے۔ اور حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ سانح کو نیک اور بابرکت جانتے تھے اور بوارح کو منحوس سمجھتے تھے اور سانح وہ پرندہ جانور یا وحشی ہے جو سامنے سے بائیں طرف سے داہنی طرف کو چلا جائے اور عرب کے لوگ اس کو مبارک جانتے تھے کیونکہ اس کو تیر مارنا اور شکار کرنا بغیر موڑے ہوئے ممکن ہے اور بارح وہ پرندہ جانور یا وحشی ہے کہ داہنی طرف سے بائیں طرف کو چلا جائے اور عرب کے لوگ اس کو منحوس جانتے تھے کیونکہ اُس کا تیر مارنا اور شکار کرنا بغیر موڑے ہوئے ممکن نہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کر دی اور باطل کر دیا اور خبر دیدی کہ اس میں نفع نقصان کی کچھ تاثیر نہیں پس یہی معنی ہیں لاطیرۃ کے کیونکہ طیرہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مصدر ہے تطیر کے معنوں میں اور اصل میں تطیر طیر سے فال لینے کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال ہر اُس چیز میں ہو گیا جس سے فال لی جاتے اور فال میں جو منحوس سمجھا جاتے خواہ طیر ہو یا اور کچھ۔ اور روایت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدشگونی بدشگونی شرک ہے | شرک کی بات ہے یعنی یہ مشرکوں اور کفار کا کام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو کئی جگہ اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے کیونکہ کفار رسولوں اور ان کے ساتھیوں سے بدفالی لیتے تھے اور اُن کے منحوس سمجھنے کا سبب یہ تھا کہ رسول چونکہ اُن کو ایسا دین سکھاتے تھے جس سے وہ مانوس نہ تھے لہٰذا اس کو عجیب و غریب جانتے تھے اور ان سے اُنہیں دلی نفرت ہو

جاتی تھی کیونکہ جہال کی تو عادت ہے کہ جو بات اُن کی مرضی کے موافق ہو اُس کو مبارک جانتے ہیں اگرچہ وہ ساری خرابیوں کی باعث ہو اور جو بات اُن کی مرضی کے خلاف ہو اُس کو منحوس جانتے ہیں اگرچہ اسمیں ہر طرح کی خیر اور نعمت حاصل ہو۔ اور بعضی تاریخوں اور بعضے مہینوں سے بدفالی لینا بھی اُن

صفر وغیرہ مہینوں اور تاریخوں کو منحوس کہنے کی ممانعت

کی عادت تھی جیسے صفر کا مہینہ اور آجکل بھی اکثر لوگ اسکو منحوس جانتے ہیں اور بسا اوقات اس مہینے میں سفر اور نکاح اور اسی طرح اور کام کرنے سے باز رہتے ہیں۔ یہ بدشگونی بھی اُسی طیرہ کی قبیل سے ہے جس سے ممانعت ہے کیونکہ نحوست کی خصوصیت کسی وقت کے ساتھ کہ اسمیں ہو اُس میں نہ ہو درست نہیں کیونکہ زمانہ ایک ممتد وقت ہے جسکی مقدار افلاک اور ستاروں کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے۔

کسی زمانہ کی نحوست اور برکت بندوں کے اعمال کی وجہ سے ہوسکتی ہے

اور درحقیقت تو وہ ایک چیز ہے اُس کے سب اجزاء یکساں ہیں خدا کے پیدا کرنے سے حاصل ہوئے ہیں اور بندوں کے افعال اسمیں واقع ہوتے ہیں پس خود نہ اسمیں کچھ برکت ہے نہ کوئی نحوست ہاں مگر بندوں کے اعمال کے اعتبار سے پس جس وقت کو بندہ عبادت میں مشغول رکھتا ہے وہ زمانہ اُس کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو بندہ معصیت میں صرف کرتا ہے وہ زمانہ اُسکے حق میں منحوس ہوتا ہے اور حقیقت میں مبارک عبادت ہی ہے اور نحوست گناہ ہی ہیں جیسا کہ عدی بن حاتمؓ نے کہا ہے کہ انسان کی برکت اور نحوست دونوں جبڑوں کے بیچ یعنی اُسکی زبان میں ہے۔ اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست ہے تو اسمیں ہے جو دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نحوست بدخلقی ہی ہے۔ سو اس بیان کی بنیاد پر منحوس صرف معاصی اور گناہ ہیں کیونکہ یہ خدائے تعالیٰ کو غصہ دلاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضبناک ہوا تو وہ شخص دنیا اور آخرت میں شقی اور بدبخت ہے اور جس بندہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا تو وہ شخص دنیا اور آخرت میں نیک بخت ہے

بلا، گناہ و معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے

اور کسی نیک آدمی کے پاس لوگوں نے ایک بلا کی شکایت کی جسمیں سب لوگ مبتلا ہو گئے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ جس بلا میں تم لوگ مبتلا ہو وہ مجھ کو تو صرف گناہ اور معاصی کی نحوست معلوم ہوتی ہے۔ پس گنہگار کی نحوست خود اُسپر بھی

گنہگار کی نحوست خود اُس پر اور غیروں پر بھی ہوتی ہے

ہوتی ہے اور غیروں پر بھی، اسواسطے کہ اس سے تو امن نہیں کہ اس گنہگار پر عذاب نازل ہو کر سب خلق پر پھیل جائے خصوصاً ان لوگوں پر جو اُس کے عمل پر انکار نہیں کرتے تھے اسلئے کہ اس سے الگ رہنا لازم

ہے۔ اور ایسے ہی اُن مقامات سے جہاں معاصی کئے جاتے ہوں اس ڈر سے بھاگتے رہنا کہ مبادا عذاب اُن سب پر نازل ہو جو وہاں موجود

معاصی والے مقام کو چھوڑنا ہجرت ہے

ہوں اس ڈر سے بھاگتے رہنا کہ مبادا عذاب اُن سب پر نازل ہو جو وہاں موجود ہوں ضروری ہے کیونکہ گنہگاروں اور اُن کے مکانوں کو چھوڑ دینا اُسی ہجرت میں داخل ہے جس کے لئے حکم ہے۔ اور یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ رمل اور کنکریاں اور دانہ جو پھینک کر اور نجوم وغیرہ کے ذریعہ سے شر کے اسباب کی تفتیش

بدشگونی کی صورتیں

کرتے ہیں یہ تمام بدشگونی اور استقسام بالازلام کی جنس سے ہے جس کی ممانعت ہے اور استقسام کے معنے یہ ہیں کہ تقسیم شدہ اور بے تقسیم شدہ چیز کا علم طلب کرنا اور ازلام وہ تیر ہیں جن پر اہل جاہلیت امر اور نہی لکھ دیتے تھے کہ بعضے پر لکھتے تھے کہ کرو یا میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے اور بعضے پر مت کر یا اللہ نے مجھے منع کیا ہے لکھتے پھر اُن کو ایک برتن میں رکھتے اور جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرتا تو اس برتن میں ہاتھ ڈالتا اور ایک تیر نکال لیتا۔ پس اگر وہ تیر نکلتا جس میں حکم تھا تو وہ اُس کام کو چلا جاتا جس کا ارادہ ہے اور اگر وہ تیر نکلتا جس میں ممانعت تھی تو اُس کام سے باز رہتا جس کا ارادہ کیا تھا۔

اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بتوں کے سامنے اہل جاہلیت کی کنکریاں تھیں کہ جب کوئی سفر وغیرہ کا ارادہ کرتا تو استقسام کرتا یعنے کرنا یا نہ کرنا جو اس کی قسمت میں ہو اس کا علم حاصل کرتا۔

اور ابو اسحاق زجاج وغیرہ کہتے ہیں کہ استقسام بالازلام حرام ہے اس لئے کہ یہ گویا علم الٰہی میں مداخلت کرنا ہے حالانکہ وہ ہم سے پوشیدہ ہے اور اسی میں وہ بھی داخل ہے جو اس زمانہ میں کیا جاتا ہے اور اس کا نام قرآن کی فال اور دانیال کی فال اور اسی طرح اور کچھ رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ وہ فال نہیں ہے جو کہ شرع میں محمود ہے بلکہ یہ بھی استقسام بالازلام کی جنس سے ہے سو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس کا حق سمجھنا کیونکہ اسمیں غیب کی خبر اور قرآن کے ساتھ تطیر ہے۔ اور فال جو شرع میں محمود ہے وہ

شریعت میں محمود فال

یہ ہے کہ کسی کلمے سے جو موافق ہو مقصود کے جیسے راشد یعنی راہ پانے والا اور نجیح یعنی کامیاب اس سے مبارکی اور برکت لی جائے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کو

جاتے تو اس سے بہت خوش ہوتے تھے کہ یا راشد یا نجیح سن لیں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فال لیا کرتے تھے اور تطیر نہیں کیا کرتے تھے ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فال کو پسند فرماتے تھے اور تطیر کو برا جانتے تھے۔ علماء کہتے ہیں

فال کے محبوب اور تطیر کے مکروہ ہونے کا سبب

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فال کو محبوب اور تطیر کو مکروہ اس لئے جانتے تھے کہ تطیر میں غیب کا حکم اور اللہ تعالیٰ سے بدگمانی اور بلا کی توقع ہوتی ہے رہی فال سو اس میں غیب کا حکم نہیں بلکہ اس میں صرف خیر کی خواستگاری اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں نیک گمانی اور حصول مراد کی امید ہوتی ہے کیونکہ کسی سبب کے ہوتے ہوئے اگر اللہ سے خیر اور نعمت کی آرزو کرے سبب قوی ہو یا ضعیف تو یہ بندہ کے حق میں بہتر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی امید اور آرزو منقطع کرے تو یہ اس کے حق میں برا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق بیشک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر کافر لوگ اور نصاب الاحتساب میں لکھا ہے کہ کوئی آدمی اگر سفر کو نکلے اور کوا بول اٹھے تو یہ شخص سفر موقوف رکھے تو بعضے مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے

اور محیط میں مذکور ہے کہ الو کی آواز پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بیمار مر جائے گا تو وہ شخص بعضے مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور فال کی مثال یہ ہے کہ کسی کو کوئی حاجت تھی اس نے سنا کہ کوئی کہتا ہے یا واجد یعنی اے پانے والے پس اس کے دل میں اس کے ملجانے کی توقع پیدا ہو گئی یا اسکو کوئی بیماری تھی اور سنا کہ کوئی کہتا ہے کہ یا سالم یعنی اے سلامت رہنے والے اب اس کے دل میں سلامتی کی امید پیدا ہو گئی۔

اور فال اور طیرہ میں باوجودیکہ ہر ایک میں کام کے انجام اور نتیجے پر علامت سے استدلال کرتے ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ نیک کلمہ جو انسان کی زبان سے نکلتا ہے اپنے مطلب کے موافق معنوں پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس سے اپنی مراد پر استدلال کرنا ممکن ہے بخلاف جانور کی پرواز اور وحشیوں کی حرکات اور ان کی آوازوں کے کیونکہ وہ چونکہ کسی معنے پر دلالت نہیں کرتے تو اس سے کسی بات پر استدلال کرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ اہل جاہلیت نے اس میں کبھی ان کے حرکات کا

اہل جاہلیت کی بدشگونی کے طریقے

اور کبھی آوازوں کا اور کبھی رنگوں کا اور کبھی ناموں کا اعتبار کر کے بعضوں کو نحوست خیال کیا اور بعضوں کو برکت سمجھا اس طرح کہ عقاب سے عقوبت یعنی عذاب کی نحوست لیتے تھے اور غراب سے غربت یعنی مسافری کی اور ہدہد سے ہدایت کی برکت لیتے تھے اور ایسے ہی سانح سے برکت اور بارح سے نحوست لیتے تھے اور سانح وہ پرندہ یا وحشی ہے جو بائیں طرف سے داہنی طرف کو چلا جائے اور عرب کے لوگ اسکو مبارک سمجھتے تھے اس لئے کہ اسکو تیر مارنا اور اسکا شکار کرنا بدون

پھیرے ہوئے ممکن ہے اور بارح وہ پرندہ یا وحشی ہوتا ہے جو داہنی طرف سے بائیں طرف چلا جائے اور عرب کے لوگ اسے نحس جانتے تھے کیونکہ اس کو تیر مارنا اور اس کا شکار کرنا بدون گھومے ہوئے ممکن نہیں اور چونکہ ان لوگوں کو عادت تھی کہ جب وہ کسی کام کو نکلتے اور کسی پرندہ یا وحشی کو دیکھتے کہ دائیں طرف کو جاتا ہے تو اس کو مبارک جانتے اور اپنے کام کو چلے جاتے اور اگر کسی پرندہ یا وحشی کو دیکھتے کہ بائیں طرف جاتا ہے تو اس کو منحوس جانتے اور اپنے گھر لوٹ آتے اور کبھی پرندہ اور وحشی کو ہشکار دیکھتے کہ اگر اس نے دائیں طرف کی راہ لی تو اس کو مبارک جانتے اور اپنے کام کو چلے جاتے اور اگر اس نے بائیں طرف کی راہ لی تو اس سے بدفالی لیتے اور بے کام کئے لوٹ آتے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اس سے منع کردیا کہ چڑیوں کو اپنے گھونسلے میں بیٹھے رہنے دو اور معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم بدفالی لیا کرتے تھے آپ نے فرمایا یہ ایک ایسی بات ہے جو خود تمہارے دل میں آتی ہے اور کہیں یہ تمہارا کام نہ روک دے یعنی ایسی باتیں جو دلوں میں آتی ہیں بمقتضائے بشریت وہم سے پیدا ہوتی ہیں ان میں کوئی تاثیر نفع و ضرر کی نہیں سو یہ وہم تم کو اس مقصود سے نہ روک دے جس کی طرف تم جاتے تھے۔

بدفالی لینے سے ممانعت

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کو کاروبار سے بدشگونی نے روک دیا وہ بیشک مشرک ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ اسکا کفارہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کہنا یا اللہ تیری بدشگونی کے سوا کوئی نہیں اور نہ تیری خیر کے سوا کوئی خیر ہے اور نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے پھر اپنے کام کو چلا جائے۔ یعنی انسان کو جو بھلائی اور برائی اور نفع اور نقصان اور برکت اور نحوست پیش آتی ہے بدون تیری قضا اور تیری تقدیر اور تیرے حکم اور تیری مشیت کے پیش نہیں آتی۔

اور ایک اور حدیث میں جس کو ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے آیا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے فال بد شرک ہے فال بد شرک ہے اسی طرح تین بار فرمایا اور کوئی ایسا نہیں جو دل میں خیال نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو توکل سے دور کر دیتا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ قول مامنا الا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے نہیں ہے بلکہ ابن مسعودؓ کا کلام ہے اس میں سے اختصار کے لئے حذف ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہیں مگر دل میں اسوقت کچھ نہ کچھ اس قسم کا خیال ضرور بمقتضائے عادت آجاتا ہے لیکن وہ دل میں جمتا نہیں بلکہ اعتقاد اس طرح درست کر لینا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مؤثر نہیں پس اسی سے بھلائی طلب کرتا ہے اور بدی سے پناہ مانگتا ہے اور اسپر بھروسا کر کے اپنے مقصود کے لئے چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف اور فضل اور کرم سے ہم پر اپنی مرضی کے موافق عمل آسان فرمائے اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چالیسویں مجلس اس بیان میں کہ دنیا کے دیر اور آخرت کے کاموں میں جلدی اچھی ہے

آخرت کے کاموں کے سوا کاموں میں تامل بہتر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تامل ہر کام میں ہونا چاہیئے مگر آخرت کے عمل میں

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ مصعب بن سعدؓ نے اپنے باپ سے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے مطلب یہ ہیں کہ عمل آخرت کے سوا تمام امور میں تامل بہتر ہے لیکن عمل آخرت میں سوچ بچار اچھا نہیں ہے کیونکہ اس کے خیر ہونے میں شک نہیں لہٰذا اس کی تاخیر میں بھلائی نہیں بلکہ اس میں جلدی بہتر ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جسکا پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تیار ہوئی ہے" رہے دنیا کے کاروبار سو ان میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بہتر کرنے کے لائق ہے یا برا ہے کہ اس سے بچا جائے لہٰذا اس میں دیر کرنا مشروع ہوئی پس جب کسی کام کا قصد کرے

مشورہ مستحب ہے

تو مستحب ہے کہ اس میں مشورہ کرے کیونکہ نبی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ اپنے تمام اصحابؓ سے تمام امور میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر کی ضرورتوں میں بھی۔ اور علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مشورہ کرنے سے کوئی شخص خراب نہیں ہوا بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آدم علیہ السلام فرشتوں سے اس درخت ممنوع کے کھانے کے بارے میں مشورہ کر لیتے تو جس مصیبت میں پڑ گئے نہ پڑتے اور کہتے ہیں کہ انسان تین قسم کے ہیں مرد اور ادھورا مرد اور ناکس، مرد وہ ہے جو

انسان کی قسمیں

خود صائب رائے ہو کر بھی مشورہ کرے اور ادھورا مرد وہ ہے جو دانا تو ہو لیکن مشورہ نہ کرے یا مشورہ کرے لیکن اسکی رائے صائب نہ ہو اور ناکس وہ ہے نہ خود دانا ہو اور نہ مشورہ کرے پس دونوں باتوں کے جمع ہونے سے مرد پورا ہوتا ہے اور ایک بات سے آدھا ہوتا ہے اور دونوں نہ ہونے سے ناکس اور وہ صحیح حدیثیں جو مشورہ کے بارے میں آئی ہیں بہت ہیں اور ان سب کے

مشورہ کی اہمیت

بدلے یہ آیت کافی ہے" اور مشورہ لے ان سے کام میں" کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجودیکہ آپ سب خلقت سے زیادہ کامل تھے اور آپ سے زیادہ کوئی فہمیدہ نہ تھا اس آیت سے مشورہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے تو اوروں پر کیا خیال ہو سکتا ہے لیکن جو شخص کسی کام میں مشورہ کا ارادہ کرے تو اس کو مستحب ہے کہ اہل بصیرت کی ایک ایسی جماعت سے مشورہ کرے جو کم سے کم دس ہوں اور ان کی حالت سے خیر خواہی اور شفقت معلوم ہوتی ہو

اور ان کے دین اور راستی اور پرہیزگاری اور علم پر اعتماد ہو اور اس کام میں جو کچھ اپنا مقصود ہو اور جو کچھ اس میں مصلحت اور خرابی ہو اگر کچھ جاننا ہو سب ان سے بیان کر دے اور اگر ایک شخص کے سوا اور کوئی نہ ملے تو اس ایک ہی سے دس مرتبہ مشورہ کرے اور اگر ایک بھی نہ ملے تو اپنی عورت سے یا کسی اور عورت سے جس سے بات چیت کرنا درست ہو مشورہ کرے اور مشورہ کے بعد اس کی رائے کے خلاف کرے۔ اس کے خلاف میں خیر اور برکت ہوتی ہے اور مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کے خلاف کرو۔

اہل شام میں سے کسی کا قصہ ہے کہ انہوں نے فتنہ یزید کے ایام میں اپنے آپ کو چھت پر سے گرا دینے کے متعلق اپنی بی بی سے مشورہ کیا تو بی بی نے کہا مت گرو لیکن وہ اس کی مخالفت کر کے چھت پر سے گر پڑے جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی صبح ہوئی تو یزید کے نوکر چاکر آئے کہ ان کو حضرت امام حسین رضؓ سے لڑنے کو روانہ کریں لیکن جب ان کا یہ حال دیکھا تو چھوڑ دیا اور وہ شخص دین اور دنیا کی بدبختی سے اس حدیث پر عمل کی برکت سے بچ گیا کیونکہ جس کو کسی مسلمان کے قتل کے لئے قتل یا قطع اعضاء کی دھمکی دی جائے تو اس کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے بلکہ اس کو یہ لازم ہے کہ صبر کرے حتیٰ کہ مقتول ہو جائے لیکن اگر اس کو قتل کرے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ کسی ضرورت سے بھی مسلمان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ مشورہ دینے والے کو یہ واجب ہے کہ خیر خواہی میں پوری فکر اور قوت صرف کرے اور مشورے میں خیانت نہ کرے

مشورہ دینے والا امین ہے

کیونکہ ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے کسی بھائی کو کوئی ایسی رائے دی جس کے متعلق اسے یہ علم تھا کہ بھلائی دوسرے کام میں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ جس نے کسی بھائی مسلمان سے کسی بات میں مشورہ لیا اور مشورہ دینے والے نے کہا کہ بہتری اس کے کرنے میں ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے یا اسے گمان غالب ہے کہ مصلحت اس کے نہ کرنے میں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی اور جب مشورہ کرے اور اس کا مصلحت ہونا معلوم ہو جائے تو لازم ہے کہ مشورہ دینے والے کا وہ مشورہ مان لے لیکن اللہ تعالیٰ سے اس طرح استخارہ کرنے کے بعد جس کو امام بخاری رح نے اپنی صحیح میں جابر رضؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام امور میں اس

طرح استخارہ سکھاتے تھے جیسے کہ قرآن کی سورت ہم کو سکھاتے تھے پس فرماتے تھے کہ جب تم

استخارہ اور اس کی اہمیت میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت فرض کے علاوہ پڑھ کر یہ دعا پڑھے

یا اللہ میں تیرے علم کے موافق بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت چاہتا ہوں اور تیرے بڑے فضل میں سے مانگتا ہوں کیونکہ تو قدرت والا ہے اور مجھ میں کچھ طاقت نہیں اور تو جانتا ہے اور میں بے خبر ہوں تو تمام غیب کا جاننے والا ہے۔ خدایا اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے حق میں میرے دین اور دنیا اور آخرت اور اس وقت اور آئندہ کے لئے بُرا ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما جہاں کہیں ہو پھر اس پر مجھ کو راضی رکھ۔

استخارہ کا طریقہ علماء کہتے ہیں کہ استخارہ نماز اور دعائے مذکورہ کے ساتھ تمام امور میں مستحب ہے جیسا کہ حدیث مذکور میں تصریح ہے اور دو رکعت نفل ہو اور ظاہر یوں ہے کہ مقررہ سنت کی دو رکعت اور تحیۃ المسجد وغیرہ نوافل سے بھی استخارہ ہو سکتا ہے اور اگر کسی وجہ سے نماز دشوار ہو تو صرف دعائے مذکورہ ہی سے استخارہ کرلے۔

اور استخارہ کرے تو سات مرتبہ استخارہ کرے اور جس کام کی اس کا دل گواہی دے کرے کیونکہ انسؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا اے انسؓ جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے بارے میں اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو پھر اس کو دیکھو جو تمہارے دل میں آ ٹھہرا ہے کہ اسی میں بھلائی ہے اور اللہ کے مومن بندوں کو جب کوئی کام دین یا دنیا کا پیش آتا ہے تو یہی کرتا ہے اور استخارہ امور دینی مثلاً حج اور جہاد وغیرہ میں تو کام کا وقت مقرر کرنے

دینی اور دنیاوی امور میں استخارہ کی نوعیت میں فرق کے لئے ہوتا ہے محض اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا اور امور دنیاوی میں نفس اس فعل کے لئے ہوتا ہے اور جہال اور فاسق جو راہ حق سے بہکے ہوئے اور سیدھی راہ سے گمراہ ہیں جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو رمال اور کنکریوں اور جوڑے اور باقلا والے کے پاس جاتے ہیں اور وہ لوگ ان کو احمق بنا لیتے ہیں اور ان سے پوچھ کر جو کچھ کہتے ہیں اس میں ان کی تصدیق کے سبب سے اور بھی ان کا جہل اور نقصان زیادہ ہو جاتا ہے اور ان بے چاروں کو یہ خبر نہیں کہ اس میں ان کا دین اور دنیا سب تباہ ہو گئے۔ کیونکہ شرح عقائد میں مذکور ہے کہ کاہن کو ان خبروں میں جو غیب کی بیان کرتا ہے

کاہن کی خبروں کو سچا جاننا کفر ہے سچا جاننا کفر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے کاہن کے پاس جا کر اس کے قول کی تصدیق کی اس نے بے شک اس حکم کا جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے انکار کیا اور کاہن وہ ہے جو غیب کی خبر دے رمل سے ہو یا کنکریوں سے یا جو

سے یا اس کے سوا کسی اور چیز سے اور یہ سب حرام ہے کیونکہ یہ طیرہ اور استقسام بالازلام کی طرح ہے جس کی ممانعت ہے اور طیرہ مصدر ہے تطیر کے معنی ہیں اصل میں تطیر کے معنی طیر سے فال لینا ہے۔ پھر اس کا استعمال ہر اس چیز میں ہو گیا جس سے فال لی جائے اور منحوس سمجھی جائے خواہ طیر ہو یا اور چیز

بدفالی کی صورتیں

اور روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے طیرہ شرک ہے۔ یعنی یہ طیرہ شرک کے کاموں میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی کتاب میں کئی جگہ ان سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین سے بدفالی لیتے تھے اور ان کے منحوس سمجھنے کا سبب یہ تھا کہ انبیاء نے جب ان کو ایسے دین کی طرف بلایا جس سے وہ مانوس نہ تھے اس لئے اس کو ایک نئی سی بات سمجھ کر اس کی برائی کی اور ان کی طبیعتوں نے اس سے نفرت کی کیونکہ جاہلوں اور فاسقوں کی یہ عادت ہے کہ اپنی خواہشوں کے موافق چیزوں کو مبارک جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ سب برائیوں اور وبال کا سبب ہوں اور اپنی خواہش کے خلاف سمجھتے ہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہر خیر و برکت کا سبب ہوں۔

اور استقسام کے معنی اس چیز کی شناخت حاصل کرنا جو قسمت میں ہو ان چیزوں میں سے جو قسمت میں نہیں ہیں۔

اور ازلام تیر ہیں جن پر جاہلیت کے لوگ امر اور نہی لکھ دیتے تھے یا یہ کہ کسی پر لکھتے کر یا یہ کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھ دیتے مت کر یا یہ کہ اللہ نے مجھے منع کیا ہے اور ان کو ایک برتن میں رکھ دیتے تھے۔ پھر جب کوئی کچھ کرنے کا قصد کرتا تو اس برتن میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالتا۔ پس اگر ایسا تیر نکلتا جس پر اجازت ہے تو اپنے کام کو چلا جاتا جس کا قصد تھا اور اگر ایسا نکلتا جس میں ممانعت ہے تو جس کا قصد تھا اس سے رک جاتا

اور سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ بتوں کے سامنے اہل جاہلیت چند کنکریاں رکھتے تھے جب کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرتا سفر ہو یا اور کچھ تو استقسام کرتا یعنی بت سے اس امر کا جو مقدر ہے علم طلب کرتا یعنی کرنے اور نہ کرنے کا اور ابو اسحاق زجاج اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ ازلام سے خیر اور شر دریافت کرنا حرام ہے کیونکہ یہ علم الٰہی میں مداخلت ہے۔ حالانکہ وہ ہم سے پوشیدہ ہے اور اسی استقسام میں وہ بھی داخل ہے جو اس زمانے میں کرتے ہیں اور اس کا نام فال دانیال وغیرہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ فال نہیں جو شرع میں محمود ہے بلکہ یہ بھی تیروں سے قسمت دریافت کرنے ہی کی طرح ہے پس نہ اس کا استعمال جائز ہے اور نہ اس کو حق جاننا کیونکہ اس میں غیب کی خبر دینا اور قرآن عظیم سے تطیر کرنا ہے اور شرع میں فال محمود کسی کلمہ سے

بدفالی کا حکم اور آجکل فال لینے کا طریقہ

جو مراد کے موافق ہو جیسے راشد اور نجیح سے خیر و برکت لینے کا نام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے مطابق کہ نبی علیہ السلام کو یہ پسند تھا کہ آپ جب کسی کام کو تشریف لیجاتے تھے تو یا راشد یا نجیح کا لفظ سنیں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام فال نیک لیا کرتے تھے اور بدفالی نہیں لیتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام فال کو پسند کرتے تھے اور بدفالی کو برا جانتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فال پسند کرتے اور بدفالی کو برا جانتے تھے

علماء کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اس لئے فال کو پسند اور طیرہ کو برا جانتے تھے کہ طیرہ میں غیب پر حکم ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ بدگمانی (ابطال کی) توقع اور فال میں غیب پر حکم نہیں بلکہ اس میں صرف خیر کی طلب اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان نیک اور مراد حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے پس انسان کسی سبب کے ظاہر ہونے کے وقت اگر اللہ تعالیٰ سے خیر اور نعمت کی آرزو کرے اور امیدوار ہو تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی امید منقطع کرلے اور ناامید ہو جائے تو اس ارشاد خداوندی کے مطابق "کہ نہیں ناامید ہوتے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مگر کافر لوگ" اس کے حق میں برا ہے اور نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی شخص سفر کے ارادہ سے نکل کر کوے کے بول اٹھنے سے سفر سے لوٹ آئے تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور محیط میں مذکور ہے کہ اگر الّو بولا اور کسی نے کہا کہ بیمار مر جائے گا تو یہ کہنے والا بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے

فال کے پسندیدہ اور بدفالی کے برا ہونے کا سبب

اور فال کی مثال یہ ہے کہ اس کو کچھ کام تھا کہ اتنے میں سنا کہ کوئی کہتا ہے یا واجد لہٰذا اس کے دل میں کام بن جانے کی امید پیدا ہو گئی ہو یا اس کو کوئی بیماری ہو اور یہ سنے کہ کوئی کہتا ہے یا سالم لہٰذا اس کے دل میں توقع سلامتی کی پیدا ہو جائے

فال کی مثال

اور فال اور طیرہ میں فرق باوجودیکہ ہر ایک میں علامت سے انجام اور مآل کار پر استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ نیک کلمہ جو انسان کی زبان پر جاری ہوتا ہے چونکہ وہ مراد کے موافق معنوں پر دلالت کرتا ہے اس لئے۔ اس سے مراد پر استدلال ممکن ہے بخلاف جانوروں کے اڑنے اور چارپایوں کے حرکات اور آوازوں کے کہ یہ چونکہ کسی معنی پر دلالت نہیں کرتے لہٰذا اس سے کسی شے پر استدلال ممکن نہیں اور اگرچہ اہل جاہلیت اس میں کبھی ان کی حرکات کا اور کبھی آوازوں کا کبھی ان کے رنگوں کا کبھی ان کے کاموں کا اعتبار کرکے بعضوں کو منحوس جانتے تھے اور بعضوں کو مبارک جانتے تھے کیونکہ جاہلیت والے غراب سے غربت کی نحوست مانتے تھے اور عقاب سے عقوبت کی اور ہدہد سے ہدایت کی برکت سمجھتے تھے اور ایسے ہی سانح کو مبارک اور بارح کو منحوس جانتے تھے اور سانح وہ پرندہ یا وحشی جانور ہے جو بائیں طرف سے دائیں طرف کو چلا جائے اور عرب اس کو مبارک جانتے تھے کیونکہ

فال اور طیرہ میں فرق

اس پر تیر لگانا اور شکار کرنا بغیر مڑے ہوئے ممکن ہے اور بارح وہ پرندہ یا وحشی جانور ہے جو دائیں طرف سے بائیں طرف کو چلا جائے اور عرب اس کو منحوس مانتے تھے کیونکہ اس پر تیر لگانا اور شکار کرنا بغیر مڑے ہوئے ممکن نہیں اور یہ اس لئے کہ ان کی عادت تھی کہ جب وہ کسی کام کو نکلتے اور کسی پرندے یا چوپائے کو داہنی طرف کو جاتا ہوئے دیکھتے تو اس کو مبارک جانتے اور اپنے کام کو چلے جاتے اور اگر کسی پرندے یا وحشی کو بائیں طرف جاتا ہوا دیکھتے تو اس کو منحوس مانتے اور اپنے گھر لوٹ آتے اور کسی وقت پرندوں اور چارپایوں کو خود ہشکار کر بھی دیکھتے کہ اس نے اگر داہنی طرف کی راہ لی تو اس کو مبارک سمجھ کر اپنے کاروبار کو چلے جاتے اور اگر اس نے بائیں طرف کی راہ لی تو اس کو منحوس خیال کر کے اپنے کام سے واپس چلے آتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بذریعہ اس ارشاد کے منع فرما دیا کہ جانوروں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو اور معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے کہ

بدفالی سے ممانعت اور اسکا کفارہ

انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم بدفالی لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ ایک بات ہے جو از خود تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے تو یہ تم کو کام سے کہیں نہ روک دے یعنی یہ بات دل میں ان اوہام کی طرح پیدا ہوتی ہے جو بمقتضائے بشریت تم کو پیش آتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں کچھ نفع و نقصان کی تاثیر ہو لہٰذا یہ خیال تم کو اپنے مقصود سے جس کو تم جاتے تھے باز نہ رکھے۔

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جسکو طیرہ نے کاروبار سے روکدیا بیشک اس نے شرک کیا کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا کفارہ کیا ہے فرمایا یہ دعا پڑھنا کہ خدایا نہ بدفالی تیری کے سوا کوئی بدفالی ہے اور نہ تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی اور نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ پھر اپنے کام کو چلا جائے یعنی انسان کو جو خیر اور شر اور نفع اور نقصان اور برکت اور نحوست پیش آتی ہے وہ بدون تیرے حکم اور تیری تقدیر اور تیرے فرمان اور تیری مشیت کے پیش نہیں آسکتی۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جسکو ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے طیرہ شرک ہے طیرہ شرک ہے اس کو تین بار فرمایا اور ہم میں کوئی ایسا نہیں جو خیال نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ توکل سے دفع کر دیتا ہے کہتے ہیں کہ یہ لفظ ما منا الا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے نہیں ہے بلکہ ابن مسعودؓ کا کلام ہے اور اس میں اختصار کے لئے حذف ہوا ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس وقت دل میں کچھ وہم و خطرہ اس قسم کا بمقتضائے عادت ضرور آتا ہے لیکن وہ دل میں ٹھہرتا نہیں بلکہ اس طرح اپنا اعتقاد درست کر لیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مؤثر نہیں لہٰذا وہ بندہ خدا ہی سے خیر مانگتا ہے

اور اسی سے بُرائی سے پناہ مانگتا ہے اور اس پر بھروسا کر کے اپنے کام کو چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے موافق عمل اور اپنے لطف وکرم اور فضل سے ہم پر آسان کر دے۔

اکتالیسویں مجلس نزول بلا کے اسباب اور اسکے دفع کے ذریعے یعنی توبہ اور استغفار اور دعا کے بیان میں

امت کی پندرہ عادتیں جن کے اختیار کرنے سے مصیبت نازل ہوگی | رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت جب پندرہ عادتیں اختیار کرلیگی تو ان پر بلا نازل ہوگی۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ سے مروی ہے اور وہ عادتیں شمار کر دیں اور فرمایا جب فئ یعنی غنیمت کو دولت سمجھ لیں اور امانت کو لوٹ اور زکوٰۃ کو ڈانڈ اور جورو کے مرد فرمانبردار ہو جائیں اور ماں کے نافرمانی کریں اور دوست سے احسان کریں اور باپ سے بدسلوکی کریں اور مسجد میں باتوں کی آوازیں آنے لگیں اور قبیلہ کا فاسق ان کا سردار بنے اور قوم میں کا ذلیل تر ان کا رئیس ہو اور شر کے اندیشے سے مرد کی عزت کیجائے اور گانے والیاں اور تال طنبورہ وغیرہ ظاہر ہوں اور شراب پی جانے لگے اور حریر پہنا جائے اور پچھلی امت پہلی امت پر لعنت کرنے لگے تو اب یہ لوگ بلا نازل ہونے کے مستحق ہیں۔ اس حدیث کے موافق کسی قوم پر مصیبت صرف گناہوں کے سبب سے آتی ہے | جو بلا کسی قوم پر آتی ہے وہ بلا صرف ان کے گناہوں کے سبب سے ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور جو پہنچی تم کو کوئی مصیبت سو وہ اسی سبب سے ہے کہ کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے" اور دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے" اور ہم نہیں ہیں ہلاک کرنے والے بستی کے مگر اسی وقت کہ اس کے لوگ ہوں نافرمان" لہٰذا ان کو لازم ہے کہ جو گناہ اختیار کر رکھے ہیں وہ سب ترک کر دیں اور توبہ اور استغفار مصیبت سے بچنے کا طریقہ | میں مشغول ہوں تاکہ ان سے وہ بلا جو ان پر آنے والی ہے دور ہو جائے۔ کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے خلاصی اور ہر غم سے کشائش پیدا کر دے گا اور اس کو اس طرح رزق پہنچائے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا بلکہ ان کو لازم ہے کہ صبح کے وقت جو کہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے نماز کے لئے اٹھا کریں کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو جب کسی کام دعا بلا کو روک دیتی ہے | سے پریشانی ہوتی تو آپ فوراً نماز شروع کر دیتے اور پھر دعا میں مشغول ہو جاتے اور یہ اس لئے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ دعا اس بلا کے لئے بھی مفید ہے جو نازل ہو چکی ہے اور اس کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہے سوائے اللہ کے بندو اپنے اوپر دعا لازم کر لو دیکھو نبی علیہ السلام نے اسی حدیث میں بیان کیا ہے کہ دعا اس بلا کو جو نازل ہو چکی دور کر دیتی ہے اور اس بلا کو جو نازل ہونے کو ہے روک دیتی ہے پس اے اللہ کے بندو ہمیشہ دعا کرتے رہو اور اس کو نہ چھوڑو کیونکہ بلا جب دنیا میں نازل ہوتی ہے تو دعا آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے راستے میں بلا سے ملتی ہے اور پھر قیامت تک دونوں لڑتی رہیں گی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دعا اور بلا زمین اور آسمان کے درمیان مل جاتی ہیں پھر قیامت تک دونوں لڑتی رہیں گی اور ایک اور حدیث میں ہے جس کو سلمان فارسیؓ نے روایت کیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قضا کو سوا دعا کے کوئی رد نہیں کر سکتا سو قضا کا اگرچہ ٹلنا ممکن نہیں لیکن دعا سے بلا کا رد ہو جانا بھی منجملہ حکم الٰہی ہے پس جس بلا کا دعا سے دفع ہو جانا مقدر ہے وہ دعا اس دعا کے رد ہونے ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے جیسے ڈھال کہ تیر کے رک جانے کا ذریعہ ہے تو جس طرح ڈھال تیر کو دفع کرتی ہے اسی طرح دعا بلا کو دفع کر دیتی ہے۔ اور ایسے ہی خیرات کرنا بلا کو دفع کرتی ہے کیونکہ صدقہ و خیرات بلا کو دفع کرتی ہے | حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تڑکے صدقہ دیا کرو کہ بلا اس کے آگے قدم نہیں بڑھا سکتی اور ایک اور حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہر دن میں نحوست ہے لہٰذا اس دن کی نحوست صدقہ سے دور کر دیا کرو کیونکہ بلا کے آنے کو اسباب کی تیاری کے بعد بھی روک دیتا ہے۔ اور ایسے ہی سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا بلا کو دور کرتا ہے | کہنا بلا واقع ہونے کو بند کر دیتا ہے اس لئے کہ کعبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں سبحان اللہ عذاب کو روک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یونس علیہ السلام کے حق میں یہ فرمانا اس کی دلیل ہے: "پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ تھے وہ تسبیح پڑھنے والوں میں سے تو اس کے پیٹ میں ٹھہرے رہتے حشر تک" اور تسبیح حضرت یونس علیہ السلام کی یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے" پھر پکارا اس نے اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے تو بے عیب ہے بیشک میں تھا گنہگاروں میں سے" پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ فرمایا ہے پس سن لی ہم نے اس کی پکار اور نجات دیدی ہم نے اس کو غم سے اور یونہی ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو" اور روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ایسا کوئی مصیبت زدہ نہیں کہ یہ آیت پڑھ کر دعا مانگے مگر اس کی دعا ضرور قبول ہو گی اور ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے تمکو ایک ایسی دعا نہ بتا دوں کہ اگر تم میں سے کسی پر کچھ سختی یا بلا نازل ہو اور وہ اس کے وسیلہ سے دعا مانگے تو اللہ اس سے وہ بلا دفع کر دے لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ فرمایا ذی النون کی دعا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے عیب ہے میں گنہگاروں میں سے ہوں۔ بعضے بزرگوں سے یہ بھی منقول

بلاؤں کو دور کرنے والی سب سے بڑی چیز نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر درود کی کثرت ہے

ہے کہ تمام بلاؤں کی دور کرنے والی چیزوں میں سب سے بڑی چیز نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر درود کی کثرت ہے کیونکہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر درود کی کثرت کرنا خوفناک چیزوں سے بچنے اور بلند درجوں پر فتح مندی کا وسیلہ ہے اور اس مضمون میں ابی بن کعبؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص نے عہد کیا تھا کہ اپنا تمام تر وظیفہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو مقرر کرے تو اس پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو فرمایا اب تیرا کام بن جائے گا اور تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ بلا جب سامنے

تقویٰ دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات دے گا

آئے تو توبہ اور استغفار اور ان اعمال میں مشغول ہونا مشروع ہے جن سے بلا کے دور ہو جانے کی امید ہے یعنے اعمال نیک اور پرہیز گاری اس کی دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے" جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے لئے خلاصی کر دے گا اور ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ہر اس کام کے بارے میں جو کرنا چاہیئے یا نہ کرنا چاہیئے ڈرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہ نکالدے گا اور دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات دے گا اور مروی ہے نبی علیہ السّلام، نے فرمایا ہے کہ بتحقیق مجھ کو ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اس کو اختیار کر لیں تو ان کو وہی کافی ہے اور وہ من یتق اللہ الخ ہے پھر دیر تک اسی کو پڑھتے اور تکرار فرماتے رہے اور روایت ہے کہ

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کثرت سے پڑھنے سے مصیبت دور ہو جاتی ہے

عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کو جن کو سالم رضؓ کہتے ہیں مشرکوں نے گرفتار کر لیا وہ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا بیٹا پکڑ لیا گیا اور آپ سے فاقہ کی بھی شکایت کی اس پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا خدا سے ڈرتا رہو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کی کثرت کر پس انہوں نے یہی کیا۔ ایک دن وہ اپنے گھر میں تھے کہ اتنے میں ان کے بیٹے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے ساتھ سو اونٹ تھے کہ دشمن اونٹوں سے غافل ہو گئے تھے لہٰذا ان کو یہ ہانک لائے

گناہ اور معصیت ہی تکلیف اور مصیبت کو لانے کا سبب بنتی ہے

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ تمام نیکیاں اور طاعت بلا کی سب سے بڑی دافع ہیں اور گناہوں اور منہیات میں مصروف ہونا یہ بلا کے آنے کو نہیں روکتا بلکہ اسکے آنے کو اور قوت دیتا ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ نہیں پہنچتی انسان کو کوئی تکلیف بڑی ہو یا چھوٹی مگر وہ گناہ ہی کے سبب سے آتی ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے اور وہ بہت ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی" اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے معاف کر دیتا ہے اللہ بہت" نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ انسان کو دنیا میں کوئی مشقت

نہیں پہنچتی مگر اس گناہ ہی کے سبب سے جو اس سے ہوا ہے اور وہ مصیبت جو دنیا میں اس کو آئی ہے اس کے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے اور وہ گناہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا یا آخرت میں سزا دینے کے بغیر معاف کر دیتا ہے ان سے بہت زیادہ ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں مومن کے لئے

مومن کے لئے پانچ قسم کی عقوبت اللہ کے یہاں پانچ قسم کی عقوبت ہے اوّل بیماری، دوم مصیبتیں لیکن اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں کہ مرض اور مصائب کفارہ بن سکیں تو پھر تیسری عقوبت قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور اگر گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں تو چوتھی قسم یہ ہے کہ صراط پر روکا جائے گا اور اگر اس سے بھی زیادہ ہوں تو پانچویں قسم یہ ہے کہ بقدر اپنے گناہوں کے دوزخ میں عذاب دیا جائے گا اور پھر توحید کی برکت سے اگر اس کی توحید صحیح ہوگی تو وہاں سے نکال لیا جائے گا اور اگر اس کی توحید ٹھیک نہیں ہے تو دوزخ سے نہ نکلیگا بلکہ ہمیشہ اسی میں رہے گا کیونکہ آخرت میں آدمیوں کی کئی قسمیں ہونگی۔ پہلی قسم کامیاب لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے

آخرت میں آدمیوں کی اقسام حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس کوئی نہیں جانتا جو چھپا کر رکھ چھوڑا گیا ہے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کیا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے خبر دے کر فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک عمل کرنے والے بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں گزری ہیں۔

اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو تباہ ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا اور اس کو سچ نہ جانا کیونکہ سعادت آخروی قرب الٰہی اور مشاہدہ ذات کریم کے سوا اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی اور یہ بات معرفت کے بغیر جسکو ایمان اور تصدیق کہتے ہیں حاصل نہیں ہوتی اور ان لوگوں نے چونکہ حق کو جھٹلایا اور اس پر ایمان نہیں لائے اس لئے اس سے دور ہو گئے اور وہ اپنے رب سے اس دن میں آڑ میں ہونگے اور جو شخص اپنے رب سے آڑ میں ہوگا وہ ہلاک ہوگا اور آتش فرقت اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ جلتا رہے گا

اور تیسری قسم معذب لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اصل ایمان سے تو آراستہ ہیں لیکن انہوں نے بمقتضائے ایمان عمل کرنے میں کوتاہی کی کیونکہ اصل ایمان توحید ہے اور توحید بندہ کا اس اعتقاد سے شرک کو مٹانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں یکتا ہے اور عالم میں اس کے علم اور ارادہ اور آفرینش کے بغیر کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ اس کے سوا کوئی قابل عبادت ہے اور اس بنا پر جو شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں تو گویا یوں کہتا ہے کہ میں نے یقین کیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں ایک ہے اور نہ عالم میں کوئی شئے بدون اس کے علم اور ارادہ اور آفرینش کے پیدا ہوتی ہے اور نہ اس کے سوا کوئی اور پرستش کے

قابل ہے اس لیئے میں نے اس کی عبادت اپنے ذمے لازم کرلی ہے اوراس کے سواکسی اور کی میں عبادت نہ کروں گا لیکن اس اقرار کے بعد جو شخص اپنی خواہش کا پیرو ہوا تو اس نے گویا اپنی خواہش کو معبود بنالیا اور ایسا شخص صرف زبانی موحد ہے اور توحید اپنے اس اقرار پہ قائم رہے بغیر کامل نہیں اور جو شخص اس پر قائم نہ رہا گو ذراسی بات میں انحراف ہو بلکہ اپنی خواہش کا تابع ہوجائے گو ذرا سے کام میں ہو تو وہ سیدھی راہ سے نکل گیا اور یہ انحراف کمال توحید میں عیب لگاتا ہے اور چونکہ کوئی بشر اس سے خالی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور نہیں تم میں سے کوئی مگر ضرور آنے والا ہے اس پر" پس آگ پر ہر ایک کا گزر یقینی ہے شک صرف اس میں ہے کہ کون اس سے نجات پائے گا اور کس وقت اس میں سے نکلے گا۔

اور بعض حدیثوں میں ایسا مضمون آیا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ سب سے آخر میں جو نکلے گا سات ہزار برس کے بعد نکلے گا اور بعضے ایسے ہے کوندتی بجلی کیطرح گزر جائیں گے انکو اسمیں ذرا دیر نہ ہوگی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے قوی امید کرتے ہیں وہ اپنے لطف اور فضل اور کرم سے ہمیں ان ہی میں سے کرے۔

بیالیسویں مجلس اس بیان میں کہ دعا بلا کو آنیکے وقت بھی دفع کردیتی ہے اور آنے کے بعد بھی

دعا بلا کو دور کرنے میں نافع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا آئی ہوئی بلا اور آنے والی بلا کے دور کرنے میں انتہائی نافع ہے۔ پس اے بندگان خدا دعا کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے اور معنے اس کے یہ ہیں کہ دعا آئی ہوئی بلا کو دفع کردیتی ہے اور اس بلا کو بھی دور کردیتی ہے جو آنے پر تیار ہو۔ پس اے اللہ کے بندو ہمیشہ دعا کرتے رہا کرو اور اس کو نہ چھوڑو کیونکہ بلا آتی ہوتی ہے کہ اتنے میں اس سے دعا جا ملتی ہے جس سے دونوں قیامت تک لڑتی رہیں گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دعا اور بلا آسمان اور زمین کے درمیان ملتی ہیں اور قیامت تک لڑتی رہیں گی۔ اور سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قضا کوئی چیز دعا کے سوا رد نہیں کرسکتی کیونکہ قضا کا اگر ٹلنا ممکن نہیں لیکن دعا سے بلا کا رد ہوجانا بھی منجملہ قضا ہے پس جب بلا کا دعا سے دفع ہوجانا مقدر ہے اس بلا کے دفیعہ کے لئے دعا ذریعہ ہوجائے گی۔ جیسے کہ ڈھال تیر کے رک جانے کا ذریعہ

اللہ سوال کرنے والے کو پسند کرتا ہے اور نہ کرنے والے پر غصہ ہوتا ہے

ہے پس جس طرح کہ ڈھال تیر کو روک دیتی ہے اسی طرح دعا بلا کو دفع کر دیتی ہے اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال کرنے کو پسند کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کریم ہے اور حاجات پوری کرنے پر قادر ہے اس کو یہ پسند ہے کہ حاجت روائی طلب کی جائے۔ پس اے ایمان والو اس سے اپنی حاجت مانگا کرو۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے جس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے حاجت نہیں مانگتا وہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ سے بے پروا ہوتا ہے اور بندے کو یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی کوئی حاجت عرض نہ کرے بلکہ اس کو چاہیئے کہ اپنی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے عرض کرے تاکہ یہ اپنی بندگی اور فقیری اور عاجزی اور تمام حاجتوں میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونے کا اقرار ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب بندوں میں محبوب وہ ہے جو اس سے مانگتا رہے اور سب بندوں میں اللہ کا مبغوض وہ ہے جو اس سے بے پرواہی کرے اور عندالناس سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی وہ ہے جو ان سے بے پروا رہے اور کچھ نہ مانگے اور ان کے نزدیک مبغوض وہ ہے جو ان سے سوال کرے۔ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام

عبادات میں سب سے زیادہ باعزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا ہے

نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ عزت کی کوئی چیز نہیں یعنی سب عبادات سے زیادہ باعزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا ہے بلکہ ایک اور حدیث میں آیا ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے دعا ہی عبادت ہے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا "مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا" اور چونکہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں حکم دیا ہے کہ دعا ہی عبادت ہے۔ اس لئے اس پر آیت سے استدلال کیا کیونکہ آیت میں دعا کا حکم ہے اور تعمیل حکم عبادت ہے۔ دعا کرنے والے کو اگرچہ اس کی مراد نہ ملے اس کے عوض ثواب ضرور ملے گا لیکن نبی علیہ السلام کی ظاہر عبارت دلالت کرتی ہے کہ دعا کے سوا اور کوئی عبادت ہی نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث کے معنے یہ ہیں کہ دعا افضل عبادت ہے کیونکہ دعا میں عجز کا اظہار اور فقر کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کی توجہ اور اس سے امیدواری اور اس کے ماسوا سے اعراض ہوتا ہے اور یہ سب باتیں عبادت ہیں اور اسی مضمون کے قریب قریب وہ ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے دعا عبادت کا مغز ہے کیونکہ مغز شئے سے مراد خالص شئے ہوتی ہے اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی دعا سختی و مصیبت

دعا کا وقت

میں اللہ تعالیٰ قبول کرے تو فراخی اور آسائش میں دعا کیا کرے اور اس بنا پر بندے

کو چاہیئے کہ نعمت اور عیش کی حالت میں ہمیشہ اور بکثرت دعا کیا کرے تاکہ تنگی اور بلا کے وقت کامیابی حاصل ہو کیونکہ جو شخص عیش میں دعا کی مداومت کرتا ہے وہ اللہ والوں میں داخل ہوجاتا ہے اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ سختیوں میں اپنے متعلقین کی مدد کرتے ہیں۔ پھر جب دعا مانگے تو بندہ جب دعا مانگے تو قبولیت کا یقین ہو | تو چاہیئے کہ قبولیت کا یقین ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یوں فرمایا ہے "مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو" اور ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب دعا کرو جس وقت کہ تم کو قبولیت کا یقین ہو کیونکہ اگر دعا مانگنے والے کو قبولیت کا یقین نہ ہو تو نہ اپنی امید کا مستحق ہوگا اور نہ اس کی امید سچی ہوگی اور نہ اس کی دعا خالص ہوگی کیونکہ امید ہی طلب کی باعث ہوتی ہے اور جب امید ہی ثابت نہیں تو طلب بھی نہ ہوگی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ دعا مانگنے والے کو اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہو کیونکر ممکن ہے باوجودیکہ قبولیت میں خلاف واقع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعضی دعا قبول ہوتی ہے اور بعضی دعا قبول نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا مانگنے والا ہرگز قبولیت سے محروم نہیں رہتا۔ مطلق اجابت اس کے لئے بیشک حاصل ہے جس طرح کہ سچا وعدہ آیا ہے لیکن اس کا حال مشیت الٰہی میں ہے کہ اس کو جیسا چاہے اور جس وقت چاہے کردے۔ کیونکہ جو چیز مانگنے والے نے مانگی ہے اگر ابھی حاصل ہونا تقدیر میں ہے تو ابھی حاصل ہوجائے گی اور اگر اس کا اور وقت میں حاصل ہونا تقدیر میں ہے تو اور وقت ہوگا اور اگر اس کی تقدیر ہی میں نہیں تو کم از کم اس پر سے کوئی بلا ہی اس کے بدلے میں سوال کے برابر دفع ہوجاتی ہے یا اس کو آخرت میں اس سوال کے بدلے ثواب ملیگا کیونکہ دعا عبادت ہے اور عبادت کرنیوالا ثواب سے محروم نہیں رہتا۔

اور یزید رقاشی رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی دعائیں جو دنیا میں مانگی تھیں اور قبول نہیں ہوئی تھیں دکھائے گا اور فرمائے گا اسے میرے بندے تو نے فلانے فلانے دن مجھ سے یہ دعا مانگی تھی تو میں نے تیری وہ دعا روک رکھی تھی اب تو اپنی دعا کے عوض یہ لے لے جو میں نے تیرے لئے ثواب جمع کر رکھا ہے بس اس کو ثواب برابر ملے جائے گا یہاں تک کہ بندہ یہ آرزو کرنے لگے گا کاش اللہ تعالیٰ میری کبھی کوئی حاجت پوری نہ کرتا اور جب یہ حال ہے تو دعا مانگنے والے کو لازم ہے کہ اس دعا کی قبولیت قبولیت دعا کے تین درجے | یا اس کے بدلے کا دنیا یا آخرت میں یقین کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو ایسی دعائیں مانگے جس میں نہ کچھ گناہ ہو اور نہ قطع رحم مگر اللہ تعالیٰ اس کو تین باتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور دیتا

سے یا تو اس کی مراد فوراً پوری کرتا ہے یا آخرت میں ان کا بدلہ دے گا اور یا اس سے کوئی مصیبت دعا کے برابر دفع کر دے گا اور دوسری عبارت میں یوں ہے یا دعا کے برابر اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کوئی دعا مانگے مگر اللہ تعالیٰ اس کو یا تو وہی عطا فرماتا ہے جو مانگا ہے یا کوئی مصیبت اس کے برابر اس سے دور کر دیتا ہے بشرطیکہ گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔ گناہ کی دعا تو اس طرح ہے کہ کہے الٰہی مجھ کو شراب کا پینا نصیب کر یا انسان کا قتل یا لڑکے سے بدفعلی یا اس کے سوا جس کا کرنا اس پر حرام ہے اور قطع رحم کی دو قسم کی دعا قبول نہیں ہوتی دعا اس طرح ہے کہ کہے الٰہی مجھ سے میرے باپ کو دور کر دے یا ماں کو یا بھائی کو جدا رکھ یا اور اس کے علاوہ تو بیشک ان دونوں قسم کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پھر آدمی جب دعا کا دعا کرنے کا طریقہ ارادہ کرے تو چاہیئے کہ پہلے اپنے گناہوں اور قصوروں سے توبہ کرے اور پھر حق تلفیاں اور لوگوں کے حقوق ادا کر دے اور پھر وضو کر کے قبلہ رو دوزانو بیٹھ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور نہایت انکساری اور عاجزی سے دعا مانگے اور جو دعا کرے تین بار سوال کرے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب دعا کرتے تھے تین بار دعا کرتے تھے اور جب سوال کرتے تھے تین بار سوال کرتے تھے اور دعاؤں میں سے جامع دعا کو پسند کرتے تھے اور جامع دعا سے مراد وہ ہے جس کے لفظ تھوڑے ہوں اور معنے بہت ہوں جس میں دنیا و آخرت کی سب خوبیاں آ جائیں جیسا قول الٰہی میں ہے "اے رب ہمارے دے تو ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے" اور دعا میں زیادتی سے بچے اور زیادتی یہ ہے کہ حد شرعی سے بڑھ جائے۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ جو دعائیں حدیثوں میں ہیں ان سے تجاوز نہ کرے تاکہ دعا کے اندر زیادتی نہ ہونے پائے اور ایسا سوال نہ کرنے لگے جو مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص اچھی دعا نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگلے علماء دعا میں سات کلموں سے زیادہ نہیں بڑھاتے تھے۔ اور اسکی شہادت آخر سورۂ بقرہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ بندوں کی دعاؤں میں اس سے زیادہ نہیں بڑھایا جہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ کہا اے ہمارے پروردگار نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے پروردگار اور نہ رکھ ہم پر بوجھ جیسا کہ تو نے ہم سے اگلے لوگوں پر رکھا تھا اے ہمارے پروردگار ہم پر اتنا بوجھ نہ رکھ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخشدے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مالک ہے پس کفار پر ہماری مدد کر۔

اللہ تعالےٰ اپنی رضامندی کے موافق عمل کرنا ہم پر اپنی مہربانی سے اور اپنے لطف اور فضل اور کرم سے آسان کرے۔

تینتالیسویں مجلس خوفناک علامت ظاہر ہونے کے وقت نماز مسنون ہونے کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کوئی علامت دیکھو تو سجدہ کرو۔ یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں اور علامت سے مراد وہ علامت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور سجدہ سے مراد نماز ہے گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! جب تم کوئی ایسی علامت دیکھو جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تو نماز کو کھڑے ہو جاؤ پس اسی بنا پر جب کوئی علامت خوفناک علامتوں میں سے ظاہر ہو جیسے سورج گہن اور چاند گہن اور بھونچال اور بجلی کی کڑک اور بارش کی جھڑی اور سخت آندھیاں اور دن میں خوفناک اور ہولناک اندھیرا ہو جانا اور رات کو ہولناک روشنی اور بیماریوں کا پھیل جانا اور دشمن کا قوی خوف اور اسی طرح اور ہول اور خوف تو لوگوں کو چاہیئے کہ نماز کو کھڑے ہوں اور نماز پڑھیں چاہیں دو رکعت اور چاہیں چار رکعت کیونکہ یہ تمام خوفناک باتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اور نہیں بھیجتے ہیں ہم نشانیاں مگر ڈرانے کے لئے" اور روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جب تم ان ہولناک چیزوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو نماز پڑھو۔ اور نبی علیہ السلام کو خود بھی جب بھی کسی بات سے پریشانی ہوتی تھی تو نماز شروع کر دیتے تھے اور عذاب کی نشانیوں میں سے کسی علامت کے ظاہر ہونے کے وقت نماز پڑھنے اور دعا مانگنے اور توبہ کرنے کا حکم بھی دیتے اور خود بھی اس میں مشغول رہتے یہاں تک کہ لوگوں پر سے وہ بات ٹل جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی علامات عذاب میں سے کوئی علامت بھیجتا ہے اور اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ اس کیطرف رجوع کریں اور اسکی درگاہ میں انکساری کریں۔

اس تمام بیان سے معلوم ہوا کہ علامات عذاب میں سے جب کوئی علامت ظاہر ہو تو توبہ و استغفار اور ان نیک اعمال اور تقویٰ میں مشغول ہونا مشروع ہے جن سے خوفناک عذاب کے دور ہو جانے کی امید ہو کیونکہ یہ سب دفعیہ بلا کے لئے زبردست ذریعہ ہے۔ معاصی اور لہو و لعب میں مشغول

معاصی اور لہو ولعب مصیبت کا سبب بنتے ہیں

ہونا بلا کو نہیں ٹال سکتا بلکہ بلا کی آمد کو اور قوت دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے" اور جو پہنچتی ہے تم کو کوئی مصیبت پس وہ اس سبب سے ہے جس کو تمہارے ہاتھوں نے حاصل کیا ہے۔

اور روایت ہے کہ کسی بزرگ سے اس عام بلا کی کسی نے شکایت کی جس میں تمام خلقت

مبتلا تھی تو اس بزرگ نے فرمایا اس بلا کی وجہ میرے نزدیک تمہارے گناہوں کی نحوست کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس گناہگار آدمی منحوس ہوتا ہے اپنی جان پر بھی اور غیروں پر بھی کیونکہ اس سے اطمینان نہیں کہ اس پر عذاب نازل ہو کر سب خلقت میں پھیل جائے۔ خصوصاً ان لوگوں پر جو اس کے عمل پر انکار نہیں کرتے کیونکہ بری بات سے منع کرنا واجب ہے اور جب اس کو لوگ چھوڑ دیں گے تو سب عذاب کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص ایسا نہیں کہ کسی قوم میں رہ کر معاصی کیا کرتا ہو اور وہ لوگ اس کے

گناہ سے نہ روکنا بھی عذاب کا سبب بنتا ہے

منع کرنے پر قادر ہوتے ہوئے منع نہ کریں مگر ان سب پر مرنے سے پہلے ہی اللہ کی طرف سے عذاب آئے گا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ بعض لوگوں کے گناہوں سے ساری خلقت کو عذاب نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ لوگ اس فعل کو اپنے سامنے دیکھیں اور باوجودیکہ اس کے روک دینے کی قدرت رکھتے ہوں اور نہ روکیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ عوام اور خواص سب کو عذاب دیگا کیونکہ فعل بد جب لوگوں میں ظاہر ہو تو ہر اس شخص پر جو دیکھے منع کرنا واجب ہے اور اگر منع نہ کریں گے تو سب کے سب گنہگار رہوں گے۔ بعضے تو خود عمل بد کرنے کی وجہ سے اور بعضے اس کے پسند کرنے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم اور حکمت سے پسند کرنے والے کو گنہگار کے برابر ٹھہرایا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہ پہنچے گا تم میں سے ظالموں پر،

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم کیا ہے کہ برا کام اپنے درمیان نہ رہنے دیں جس سے سبکو عذاب عام ہو جائے۔

پس اے دانشمند دیکھ تو سہی کہ حضرت صالح پیغمبر علیہ السلام کی قوم کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ایک ہی تو تھا جیساکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے جہاں فرمایا ہے" پھر پکارا اپنے رفیق کو پس اس نے ہاتھ لپکایا اور کاٹا۔ پھر اس کے ساتھ آٹھ آدمی اور ہو گئے تو وہ کل نو ہو گئے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا جہاں فرمایا ہے" اور اس شہر میں نو شخص تھے کہ فساد کرتے تھے زمین میں اور بھلائی نہ کرتے تھے" پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح نبی علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا اور سب کو ہلاک کر دیا اور بچوں اور جانوروں پر وہ عذاب آیا جو بڑوں پر اونٹنی کے قاتل کو قتل سے منع نہ کرنے کے وقت آیا تھا۔

اور ایسے ہی اور تمام امتیں جو ہلاک ہوئیں انکے بچوں اور بڑوں اور عورتوں اور جانوروں کو بھی عذاب نے گھیر لیا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو حکم دیتا تھا کہ مسلمانوں کو ساتھ

دنیا میں عذاب کا ضابطہ لے کر عذاب آنے سے پیشتر ہی اپنی قوم میں سے نکل جائیں باوجودیکہ اس کو قدرت ہے کہ ان کو بچالے اگرچہ وہ اپنے مکانوں ہی میں بیٹھے رہیں لیکن عادت الٰہی میں تبدیلی نہیں ہوتی اور قاعدہ عذاب یوں ہی جاری تھا کہ جب کسی قوم پر نازل ہوتا تو مستحق وغیرہ سب پر عام ہوجاتا۔ ہاں قیامت کے روز جیسی جس کی نیت تھی ویسا ہی حشر ہوگا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور

قیامت میں ہر شخص کا حشر اس کی نیت کے مطابق ہوگا مسلم میں عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو جتنے وہاں ہوں سب کو پہنچتا ہے لیکن قیامت کے دن اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ اور مالک بن دینارؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی کہ" اور اس شہر میں نو شخص تھے کہ جو ملک میں خرابی پھیلاتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے" اور فرمایا آج ہر محلہ اور ہر جماعت میں کتنے ہیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس ڈرتے رہیں وہ لوگ جو کہ مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی اس بات سے کہ پہنچے انکو کوئی فتنہ یا ملے ان کو سخت عذاب۔

اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب میری امت میں گناہ ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے سب پر عام عذاب کرے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان میں نیک لوگ نہ ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں میں نے عرض کیا تو پھر ان کا کیا حال ہوگا فرمایا ان پر بھی وہی آئے گا جو سب پر آیا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ مغفرت اور رضامندی پر صبر کریں گے۔

اب اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ حتی الامکان بیزار رہے لیکن برائی بند نہ کر سکے جب بھی دنیا میں عذاب اسکو بھی ہو جائیگا۔ ہاں آخرت میں نہ ہوگا۔

اور اس پر وہ مضمون بھی دلالت کرتا ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ اپنا قہر جب زمین والوں پر اتارے گا تو ان میں نیک لوگ بھی ہوں گے تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دیئے جائیں گے تو فرمایا اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ جب اپنا قہر عذاب والوں پر نازل کرتا ہے اور ان میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ مصیبت میں آجاتے ہیں لیکن قیامت کے روز ان کا حشر ان کی نیتوں کے مطابق ہوگا اور آدمی کو صالح نہیں کہا جاتا مگر جب ہی اپنے مقدور بھر انکار کرتا رہے لیکن جو شخص سستی کرتا ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے انکار نہیں کرتا ہے وہ فاسقوں میں شمار ہوتا ہے نہ نیکوں میں اور رسول اللہ صلی اللہ

صالح اور حدود الٰہی میں سستی کرنیوالے کی مثال علیہ وسلم نے حدود الٰہی میں سستی کرنے والے اور

خود اس میں پڑنے والے کی ایک مثال بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حدود الٰہی میں سستی کرنے والے اور خود اس میں پڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی قوم نے کسی کشتی پر قرعہ ڈالا جس سے کسی کو نیچے کا درجہ ملا اور کوئی اوپر کے درجے میں آیا اور نیچے کے درجے والا اگر پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے پاس ہوکر گزرا کرتا تھا تو ان کو اس سے ایذا ہوئی۔ لہٰذا ایک کلہاڑا لے کر وہ کشتی میں چھید کرنے لگا۔ تب وہ اس کے پاس آئے اور کہا یہ تو کیا کرتا ہے تو اس نے کہا کہ تم کو مجھ سے ایذا ہوتی ہے اور پانی مجھے ضرور ہی چاہیئے اب اگر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس کو بھی بچالیا اور اپنی جان بھی بچالی اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو اسکو بھی ہلاک کیا اور اپنی جان بھی ہلاک کی۔

پس نبی علیہ السلام نے اس مثال میں کئی فائدے بیان کئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دین جہاز کی طرح ہے اور جس طرح کہ جہاز دنیا میں ڈوبنے سے نجات کا سبب ہے ایسے ہی دین آخرت میں نجات کا سبب ہے اور ایک یہ ہے کہ کشتی والوں کا کشتی میں چھید کرنے والے سے خاموش رہنا جس طرح دنیا میں ان کی ہلاکت کا سبب ہے ایسے ہی فاسق سے مسلمانوں کا خاموش رہنا اور اس کو منع نہ کرنا دنیا اور آخرت میں ان کی ہلاکت کا سبب ہے اور ایک یہ ہے کہ سوراخ کرنے والے کا یہ کہنا کہ میں خاص اپنے حصے میں چھید کرتا ہوں جیسے اوروں کو جو کشتی میں ہیں ہلاکت سے نہیں بچاتا ایسے ہی اور مومنین کو گناہ گار کا یہ قول گناہ اور عقوبت سے بچاتا کہ میں تو صرف اپنے دین میں خرابی کرتا ہوں نہ کہ تمہارے دین میں تم اپنی خبر رکھو تم کو مجھ سے کیا مطلب میرا کیا میرے لئے ہے اور تمہارا کیا تمہارے لئے، ہر ایک بکری اپنے پیر سے بندھتی ہے اور اور ایسی ایسی اور باتیں جو عوام کی زبان پر آیا کرتی ہیں جن کو یہ خبر نہیں کہ ان کے فعل کی نحوست اور انجام بد کی خرابی سب کو شامل ہوجاتی ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ اہل سفینہ کا کھڑے ہوکر اس کا منع کرنا جو کشتی توڑتا ہے جس طرح کہ تمام اہل سفینہ کا ڈوبنے سے نجات کا سبب ہے ایسے ہی دینداروں کا مستعد ہوکر کھڑا ہونا اور برائی سے روکنا گناہ اور عقوبت سے تمام مسلمانوں کی نجات کا سبب ہوتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ کشتی کے توڑنے پر جس طرح پیشقدمی وہی کرے گا جو احمق ہو کہ درحقیقت جو چیز بری ہے اس کو اچھا سمجھے اور اپنے ڈوبنے کی خبر نہ ہو ایسے ہی معصیت پر وہی پیشقدمی کریگا جو اس کو اچھا سمجھے اور اس میں جو بڑا گناہ اور دردناک عذاب ہے اس کو نہ جانے کیونکہ اگر یقیناً یہ جانتا کہ اپنی معصیت سے اپنے دین کا اس قدر نقصان کرے گا جس قدر کہ کشتی توڑنے والا کرتا ہے تو معصیت پر کبھی قدم نہ اٹھاتا۔

اور ایک یہ ہے کہ اہل سفینہ میں سے اگر کوئی کشتی توڑنے والے کو منع کرتے اور اس منع کرنیوالے پر کوئی ان میں سے اعتراض کرے کہ تجھ سے کیا مطلب تو اس میں شک نہیں کہ جس طرح یہ اعتراض کرنے والا احمق اور بے وقوف اور اس حرکت کے انجام سے ناواقف سمجھا جائے گا کہ کشتی کے توڑنے سے منع کرنے والا اس معترض اور اس کے سوا سب کی ہلاکت سے نجات میں کوشاں ہے اسی طرح جو شخص اس پر اعتراض کرے جو بُرائی سے منع کرتا ہے تو اس پر اعتراض اپنی بڑی حماقت اور کم عقلی اور معصیت کے انجام اور نحوست کی نادانی ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ جو شخص بُرے کاموں سے روکتا ہے تو وہ اس فرض کو ساقط کرتا ہے جو معترض وغیرہ سب پر ہے اور ان کو گناہ سے بچانے اور عقاب سے چھڑانے میں کوشش کرتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ کشتی والے اگر اس سے خاموش رہیں جو اس کو توڑنا چاہتا ہے اور اس کو منع نہ کریں تو جس طرح کہ یہ سب اس کے ساتھ ہلاکت میں برابر ہوں گے اور توڑنے والے اور نہ توڑنے والے کچھ فرق نہ ہوگا اور نہ نیک اور بد میں، اسی طرح اہل اسلام جب گناہوں کے روکنے سے سکوت کریں گے۔ تو سب پر عذاب آئیگا اور اس گناہ کے کرنے اور نہ کرنے والے میں کوئی فرق نہ ہوگا اور نہ ان کے نیک اور بد میں، اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کلمہ لاالٰہ الا اللہ اس شخص کو فائدہ دے گا جو اس کو پڑھے گا اور اس پر سے عذاب اور قہر کو ہٹاتا رہے گا جب تک کہ اس کی توہین نہ کریگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی توہین کیسے ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب اعمال بد ظاہر ہونے لگیں اور کوئی ان کو منع نہ کرے اور نہ کوئی ان کو بند کرے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بتلا دیا کہ انکار اور تغیر کے ترک کرنے میں کلمۂ توحید کی توہین ہوتی ہے اور ایسی حالت میں کلمہ پڑھنے والوں سے عذاب دفع نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بھی

کلمۂ توحید کی توہین کا انجام

صغیرہ اور کبیرہ ہر گناہ سے روکنا واجب ہے

جاننا چاہیئے کہ جس کام سے انکار کرنا واجب ہے اس کا بُرا ہونا بھی شرط ہے خواہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ اس کے واسطے کہ انکار کا واجب ہونا کبیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صغائر کو بھی شامل ہے اور بُرا ہونے میں یہ شرط نہیں کہ معصیت ہو کیونکہ جو شخص چھوٹے لڑکے یا پاگل کو شراب پیتا دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ شراب گرادے اور اس کو پینے سے منع کرے اور ایسے ہی اگر کسی کو ان دونوں میں سے کوئی اور بُرا کام کرتا دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ ان کو منع کرے اور یہ ممانعت اس لئے نہیں کہ ان کا فعل معصیت ہے کیونکہ ان دونوں کے فعل کو تو معصیت ہی نہیں کہتے بلکہ اس لئے کہ یہ فعل ہی بُرا ہے خواہ کوئی کرے اور یہ بھی جاننے کی بات

بُری بات سے روکنا صرف حاکم کا کام نہیں بلکہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے

ہے کہ بُری بات سے روکنا حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں اور نہ ان کی اجازت پر موقوف ہے بلکہ ہر ایک پر اُسکی قدرت

کے موافق واجب ہے اور اگرچہ بادشاہ کی طرف سے اجازت نہ ہو مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام چنانچہ اسی پر اجماع ہے جیسا کہ ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی تم میں سے بُرا کام دیکھے تو چاہیئے کہ ہاتھ سے روک دے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اور یہ ادنیٰ ایمان ہے پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ روک دے بالاتفاق ایجاب کا حکم ہے اور آپ کا یہ قول کہ جو کوئی تم میں سے دیکھے عام ہے یہ تمام امت کو وجوب شامل ہے۔ لیکن اللہ کا یہ قول کہ " اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت جو نیک کام کیطرف لوگوں کو بلاتی رہے اور عمدہ باتیں سکھاتی اور بُری باتوں سے منع کرتی رہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ فرض عین سے زیادہ قابل اہتمام ہے اور فرض عین میں مشغولی سے فرض کفایہ میں مشغولی افضل ہے کیونکہ جو شخص فرض عین چھوڑے گا تو خاص وہی گنہگار ہوگا اور جو شخص اس کو ادا کرے گا تو وہ اپنے ذمے ہی کا فرض ساقط کرنے کے ساتھ مخصوص ہوگا اور اگر فرض کفایہ کو ترک کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ادا کریگا تو سب سے گناہ ساقط ہو جائے گا پس فرض کفایہ کا کرنے والا تمام امت کو گناہ سے بچانے میں سعی کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص ضروری دینی کام کے قائم کرنے میں تمام مسلمانوں کا قائم مقام اللہ اور رسول کا خلیفہ ہو وہ افضل ہے اسی واسطے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص نیک کام اور بد کام سے روکے وہ اللہ کی زمین میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور رسول ؐ کا خلیفہ ہے اور یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام نیک کام سکھانے اور بُرے کاموں سے روکنے کے لئے ہی بھیجے گئے ہیں اور یہی ان کا وہ مقرر کام ہے جس کو وہ لے کر آئے ہیں لہٰذا جو شخص اس باب میں ان کی پیروی کریگا اور نیک کام بتلائے گا اور بُرے کام سے منع کرے گا تو وہ اس بڑے کام میں ان کا نائب ہوگا اور اس کا درجہ اس بڑے کام میں ان کے درجہ سے قریب جا ملے گا خواہ وہ خود حاکم ہو یا اس کی طرف سے ماذون ہو یا غیر ماذون ہو۔ ہاں جو شخص خود حاکم ہوگا یا حاکم کی طرف سے ماذون ہوگا تو اس کے ذمے یہ بات متعین ہے اور اس کو حدود اور تعزیر کے قائم کرنے میں وہ اختیارات ہوں گے جو اور کسی مسلمان کو نہیں اور اگر وہ سستی کرتے تو ہر ایک مسلمان کو لازم ہے کہ نیک کام کا حکم اور بُرے کام سے ممانعت اپنی قدرت کے موافق کرے پھر اگر حاکم اس پر خوش ہو تو خیر اور اگر راضی نہ ہو بلکہ ناخوش ہو تو اس کی ناخوشی بھی ایک بُرا فعل ہے اس پر بھی انکار چاہیئے کیونکہ علمائے نے ان عمومات سے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں آئی ہیں امراء اور سلاطین کا بھی ان عمومات میں داخل ہونا سمجھا ہے پھر بھلا ان پر انکار کے لئے ان کی اجازت کی کیا حاجت ہے۔

(حاشیہ: فرض کفایہ کا فرض عین سے زیادہ اہتمام — امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری)

اور امراء اور سلاطین کا منع کرنا متقدمین کی عادت میں داخل تھا جیسا کہ روایت ہے کہ مامون بن ہارون رشید کو خبر پہنچی کہ ایک شخص لوگوں میں گشت کیا کرتا ہے اور بھلی بات کا حکم اور برائی سے ممانعت کیا کرتا ہے حالانکہ مامون کی طرف سے مامور نہیں ہے پس مامون نے اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ سامنے آکر کھڑا ہوا تو مامون نے کہا مجھ کو خبر ملی ہے کہ تو اپنے آپکو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لائق سمجھتا ہے۔

اور مامون کرسی پر بیٹھا ہوا ایک کتاب دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں دھوکے سے وہ کتاب اس سے گر پڑی اور پیر کے نیچے آگئی کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی تو اس شخص نے اس سے کہا اللہ کے ناموں پر سے اپنا پیر اٹھا پھر جو چاہے وہ کہہ مامون اس کا مطلب نہ سمجھا اور پوچھا کیا کہتا ہے آخر اس شخص نے تین بار یہی کہا اور وہ نہ سمجھا پھر اس شخص نے کہا کہ کیا تو خود اٹھاتا ہے یا مجھ کو اجازت دیتا ہے کہ میں اٹھا دوں مامون نے کہا کہ میں نے اجازت دی جب وہ شخص جھکا تو مامون کی نظر پڑی تو اس کتاب کو پیر کے نیچے دیکھ کر اٹھا کر چوم لیا

اور پھر یہی کہنے لگا کہ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں کرتا ہے یہ کام تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے حوالے کیا ہے اور ہم ان لوگوں میں ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں قدرت دیں تو نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں اور حکم کریں بھلے کام اور منع کریں برُے کام سے،

تب اس شخص نے کہا اے امیرالمومنین تو نے واقعی سچ کہا تم ویسے ہی ہو جیسا کہ تم نے اپنا وصف سلطنت اور قدرت کا بیان کیا لیکن ہم بھی تمہارے اس باب میں مددگار اور ساتھی ہیں اس کا انکار وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کی حدیث کو نہیں جانتا ہوگا قرآن میں تو یہ آیت ہے" اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں بتلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے" اور حدیث میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے مسلمان بمنزلہ عمارت کے ہیں کہ ایک دوسرے کو قوت اور مدد دیتا ہے یہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی حدیث ہے۔

پس اگر تو ان دونوں کا مطیع ہے تو اس شخص کا جو ان میں سے کسی بات میں تیری مدد کرے گا شکر گزار ہوگا اور تو اگر دونوں کا مطیع نہیں ہے تو ان دونوں کا وبال تیرے سر ہے اور اس ذات پاک نے تو جسکی طرف تیرا مال ہے اور تیری عزت جس کے ہاتھ میں ہے شرط کی ہے کہ نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا اب جو تیرا جی چاہے کہو۔

پس مامون کو اسکے کلام سے تعجب آیا اور اس سے خوش ہو کر کہا تجھ جیسا شخص امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کے لائق ہے جو اسی کام میں لگا رہے جس پر تو قائم تھا سو وہ شخص اسی حال پر قائم رہا اور

اسلاف کا طریقہ

ایسے بہت لوگ سلف میں گزرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ گنہگاروں پر رحمت کا یہ مقتضٰے نہیں کہ ان کو منع نہ کرے اور ان کے حال سے معترض نہ ہو بلکہ ان کے حال پر بڑی رحمت یہی ہے کہ ان کو منع کرتا رہے اور ان کو روک کر شاہ راہ استوار اور طریق راست پر لائے کیونکہ مومن اگر دشمن ملک میں کسی مسلمان کے قید ہونے کو سنکر اس پر رحم کر کے اپنا مال و جان اس کے چھڑانے میں خرچ کرتا ہے تو پھر بھلا اس کو اپنے بھائی مسلمان کے چھڑانے اور بچانے میں کیونکر کوشش نہ کرنا چاہیئے جبکہ اس کو اپنے نفس اور شیطان کا قیدی دیکھے حالانکہ یہ دونوں سب سے بڑے دشمن ہیں پس اگر اس سے اعراض کرے گا اور نفس اور شیطان کا قیدی رہنے دے گا تو یہ اس کی جہالت ہے کیونکہ چھوٹے سے دشمن سے قیدی کے چھڑانے میں جب مومن کو یہ ثواب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں ذکر کیا ہے اور جس نے ایک جان زندہ کی اس نے گویا سب لوگوں کو زندہ کیا پھر بھلا اس کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو تو معاصی کے قیدی کو بڑے دشمن کے ہاتھ سے خلاصی دے۔ اور علماء نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جہاد کے قائم مقام مقرر کیا ہے کیونکہ مسلمانوں کو معاصی سے روکنا جو دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہیں کفار کے قتال سے

امر بالمعروف و نہی عن المنکر جہاد کے قائم مقام ہے

افضل ہے پس جیسے جہاد میں جائز نہیں کہ ایک شخص دو کے مقابلے سے بھاگ جائے ایسے ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جو شخص دو شخصوں کو کسی برائی پر دیکھے تو اس کو جائز نہیں کہ ان کو برائی پر چھوڑ دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ حکم کرے اور منع کرے اور اگر زیادہ ہوں اور اس کو اپنی جان کا خوف ہو تو چھوڑ دینے کی اس کو گنجائش ہے لیکن منع کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔

اس لئے کہ علماء کہتے ہیں جس کو معاصی پر انکار کرنے کی طاقت ہو تو باوجودیکہ جان کا خوف ہی کیوں نہ ہو ممانعت ہی مستحب اور نہایت مرغوب ہے کیونکہ اعزاز دین کے لئے جان کو خطرہ میں ڈالنے کا کفار اور باغیوں کے قتل کی طرح حکم ہے۔

اور روایت ہے کہ کسی شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کونسا جہاد افضل ہے تو آپ نے فرمایا حق بات ظالم حاکم کے سامنے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق بات کو ظالم حاکم کے سامنے جہاد سے افضل ٹھہرایا ہے۔

اور یہ اس لئے کہ حق بیان کرنے والا بلندی کلمہ حق اور امداد دین کے لئے خود اپنی جان پر کھیلتا ہے اور اپنا ہاتھ ظالم حاکم سے روکے رکھتا ہے۔ برخلاف اس شخص کے جو لڑائی میں دشمن کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ وہ دشمن بھی ہاتھ چلاتا ہے اور امید بھی کرتا ہے کہ دشمن پر غالب ہو جائے گا۔ اور اسکو مار ڈالے گا

پس کسی کا سلامتی کی امید کے وقت اپنی جان پر کھیل جانا اس کے برابر نہیں ہو سکتا ہے جو سلامتی سے مایوسی کے وقت جان پر کھیل جائے۔ لیکن اس باب میں آہستگی اور سہولت مناسب ہے کہ پہلے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرم روی اور سختی

پہل سہولت اور نرمی سے ممانعت کرے کہ پہلے وعظ اور نصیحت سے ابتدا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرائے اور عاصی کو نظر رحمت سے دیکھے اور معصیت میں اس کا مبتلا ہونا اپنی ہی مصیبت سمجھے کیونکہ سب مسلمان ایک ہی جان کی طرح ہیں پس جس کو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہے ہو وہ دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوا ہے لہٰذا تم اس سے بچتے رہو کہ اس کو دھکا دے کر دوزخ کی تہ میں پھینک دو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تم کو پکڑے اور تم بھی اس کے ساتھ گر پڑو اور یہ اس طرح کہ تم اگر پہلے ہی سے اس کو سختی اور شدت سے کہو گے تو ممکن ہے کہ وہ تم پر ہاتھ اور زبان سے ایذا رسانی کی زیادتی کرے اور ایسی حالت میں اس کے زیادہ شرارت کرنے کا سبب تم ہی ہوا اور تم اپنی جان ہلاک کرنے کے بعد اسکو ہلاک کرو گے۔

ہاں اگر وعظ اور نصیحت سے بعض نہ آئے اور اس کی طرف سے معصیت پر اصرار ہی معلوم ہو تو ایسی حالت میں سختی سے اور برا بھلا کہنا ضروری ہے مگر ہاں فحش نہ ہو جیسے اے فاسق اے جاہل اے بیوقوف اے اپنی جان کے دشمن اے وہ شخص جو خدا سے نہیں ڈرتا اور ایسے ہی اور لفظ اور راس میں سچ کی رعایت کرتا ہے کیونکہ یہ الفاظ حقیقت میں سچے ہیں کیونکہ جو شخص گناہ کرتا ہے فاسق جاہل احمق ہوتا ہے کیونکہ احمق وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہش کے تابع بھی کر دے اور خدا سے آرزوئیں بھی کرتا رہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور غصہ کرنے اور ایسے کلام ناجائز سے جو صاف جھوٹ اور فحش قبیح ہو بچتا رہے۔

اور جو شخص برائی کے دور کرنے پر بغیر اس کے کرنے والے کو مارے قادر نہ ہو تو چاہیئے کہ مکے لات وغیرہ مارے اور جب وہ ناجائز فعل جاتا رہے تو پھر باز رہنا واجب ہے اور اس سے بچتا رہے جو اکثر لوگ کیا کرتے ہیں ناجائز فعل دور ہو جانے کے بعد بھی مار پیٹ میں لگے رہتے ہیں کیونکہ یہ حق حاکم کے سوا کسی کو نہیں اور جو شخص امر منکر کو دور نہیں کر سکتا نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے تو فعل ناجائز کو روکنے کی قدرت رکھنے والے کے سوا مکروہ تحریمی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے عیوب کسی کے سامنے بیان کرتا پھرے اور یہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری امر منکر کے دور کرنے میں نہ ہوئی تو مسلمان کی غیبت کر کے نافرمانی بھی نہ کرے۔

چوالیسویں مجلس سورج گہن و چاند گہن خوفناک امور کے ظہور کے وقت نماز کے بیان میں

سورج اور چاند گہن کا سبب و ایک غلط فہمی کا ازالہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورج اور چاند

اللہ تعالیٰ کی منجملہ اور نشانیوں کے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت اور حیات کے سبب سے نہیں لگتا جب تم یہ بات دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی یاد کرو

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے اور اس ارشاد کا سبب اس بنا پر جو ایک دوسری حدیث میں ابومسعود انصاریؓ کی روایت سے آیا ہے یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن سورج گہن ہوا تو لوگوں نے کہا ابراہیمؑ کی موت سے سورج گہن ہوا ہے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب اور ماہتاب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت اور حیات سے ان میں گہن نہیں لگتا پس جب تم ایسے ہولناک امور دیکھو تو نماز پڑھنی شروع کر دو۔ نبی علیہ السلام

صلوٰۃ کسوف سنت ہے

نے اس حدیث میں ان ہولناک امور ظاہر ہونے کے وقت جنمیں سورج گہن بھی داخل ہے نماز کا حکم فرمایا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ یاد الٰہی سے مراد جو پہلی حدیث میں مذکور ہے نماز ہی کا حکم ہے اور چونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلوٰۃ کسوف جماعت سے پڑھی ہے اس لئے قیاس تو یہی تھا کہ صلوٰۃ کسوف واجب ہوتی جیسے کہ بعضے علماء کا مذہب بھی ہے اور اسرار کے مصنف نے اسی کو اختیار بھی کیا ہے کیونکہ امر وجوب کے لئے لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے کیونکہ یہ نماز اسلام کی علامات سے نہیں ہے صرف گہن کے عارض ہونے سے ہوتی ہے مگر چونکہ نبی علیہ السلام نے جماعت سے پڑھی ہے لہٰذا سنت ہے اور جماعت سے بلا کراہت مشروع ہے اور علماء نے اس امر کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ پس اس بیان کے موافق

صلوٰۃ کسوف کا طریقہ

امام جمعہ کو چاہیئے کہ جب سورج گہن ہو تو لوگوں کے ہمراہ جامع مسجد یا عیدگاہ میں دو رکعت پڑھے۔ ہر رکعت ایک رکوع سے نفل کی طرح بے آذان اور بے تکبیر اور بے خطبہ کے ہو اور ان دونوں رکعتوں میں جس قدر چاہے قرآن مجید پڑھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرات آہستہ سے پڑھے اور صاحبینؒ کے نزدیک آواز سے اور ان دونوں رکعتوں میں گو قرات کی درازی افضل ہے کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کی متابعت ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی علیہ السلام کا قیام پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھنے کے برابر تھا اور دوسری رکعت میں سورۃ آل عمران پڑھنے کے برابر تھا لیکن تخفیف بھی جائز ہے کیونکہ نماز اور دعا دونوں میں سارے وقت کا ختم کرنا مسنون ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی منجملہ نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا اور نہ کسی کی حیات سے جب تم اس کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور نماز پڑھتے رہو یہاں تک کہ سورج صاف ہو جائے یہ حدیث دعا اور نماز دونوں میں سارا وقت ختم کرنے کو بتلاتی ہے پس اگر ایک میں کچھ تخفیف کرے

تو دوسری میں بڑھادے اور دعا نماز کے بعد کرے اور یہاں تک کرے کہ سورج صاف ہو جائے

دعا نماز کے بعد ہی مسنون ہے | کیونکہ دعاؤں کو نماز سے مؤخر کرنا مسنون ہے۔ پھر امام کو تو دعا میں اختیار ہے چاہے قبلہ رخ بیٹھ کر دعا مانگے چاہے کھڑا ہو کر لوگوں کی طرف اپنا منہ کر کے یا روبقبلہ ہو کر دعا مانگے لیکن لوگ بہر حال قبلہ رخ بیٹھے رہیں اور اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں چاہیں دو رکعت اور چاہیں چار رکعت کیونکہ یہ نماز نفل ہے اور نوافل میں علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہی

صلوٰۃ کسوف علیحدہ علیحدہ پڑھنا بھی جائز ہے | اصل ہے۔ اور ایسے ہی چاند گہن میں لوگ جدا جدا نماز پڑھیں اور اس میں تو جماعت بھی نہیں ہے کیونکہ رات کے وقت آدمیوں کا جمع ہونا دشوار ہے اور بعضے وقت توفتنہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہر ایک خود نماز پڑھ لے اور

چاند گہن اور دوسرے ہولناک امور میں نماز کا حکم اور طریقہ | ایسے ہی ستاروں کے ٹوٹنے اور رات کو خوفناک روشنی ہونے دن کو خوفناک اندھیرے میں اور تند آندھیوں اور برابر کی بارش ہونے بجلی کے گرنے اور زلزلہ اور بیماریوں کی کثرت اور دشمن کے سخت خوف میں اور اس کے سوا اور ہولناک امور اور خوفناک باتوں میں ہر ایک جدا جدا نماز پڑھے کیونکہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جب تم یہ خوفناک باتیں دیکھو تو ڈر کر نماز شروع کر دو سبکو عام ہے کیونکہ یہ سب خوف کی علامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جن سے ڈراتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" اور نہیں بھیجتے ہیں ہم علامات کو مگر ڈرانے کے لئے آخر آیت تک،

اور حدیث میں آیا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے کسی کی موت سے نہیں ہوتیں اور نہ کسی کی حیات سے بلکہ اپنے بندوں کو اس سے ڈراتا ہے بس جب تم ان میں سے کوئی بات دیکھو تو ڈر کر خدا کی یاد اور اس سے دعا اور استغفار کرو۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بیشک، سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کو موت سے ان کو گہن نہیں لگتا اور نہ کسی کی حیات سے پس جب تم اسکو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور اللہ اکبر کہو۔ اور نماز پڑھو اور خیرات کرو کیونکہ ہر نیک کام کا ان ہولناک باتوں کے وقت حکم ہے اس لئے کہ نیک کام آفتوں کو دفع کرتے ہیں

ہولناک امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ | اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام جب گرج اور بجلیوں کی آواز سنتے تو کہتے الٰہی ہم کو اپنے غضب سے مت قتل کر اور اپنے عذاب سے مت ہلاک کر اور ہم کو اس سے پہلے عافیت عطا فرما اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب ابر دیکھتے تو اپنا کام چھوڑ دیتے اور اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ فرماتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس برائی سے جو اس میں ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ اس کو کھول دیتا

تو اللہ کی حمد کرتے اور اگر برستا تو یہ فرماتے۔ الٰہی بارش سے سیرابی اور فائدہ دیجیو۔
اور حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب تند ہوا چلتی تو نبی علیہ السلام کہا کرتے تھے یا اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کی بھلائی جو اس کے اندر ہے اور اس کی بھلائی جس کے لئے یہ بھیجی گئی ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی برائی سے اور اس کی برائی سے جو اس کے اندر ہے اور اس کی برائی سے جس کے لئے یہ بھیجی گئی ہے۔
اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے روبرو ہوا پر لعنت کی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کے قابل نہیں تو لعنت اسی پر لوٹ آتی ہے۔
اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہوا اللہ کی مہربانی ہے کہ کبھی رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب سو اس کو برا نہ کہو اللہ تعالیٰ سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو یعنی ہوا ان چیزوں میں سے ہے جو خدا کی طرف سے آتی ہیں جیسے بارش اور گرمی اور اس کے علاوہ اور چیزیں کہ کبھی رحمت کے واسطے آتی ہے اور کبھی عذاب کے لئے اور جب اس کا آنا اللہ کے حکم سے ہے تو کسی ضرر ہونے سے اس کو برا کہنا جائز نہیں بلکہ بندوں سے اس کے متعلق جس بات کا خیال کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑنا اور اس کے شر سے اور اس شر سے جو اس کے اندر ہے خدا کی پناہ مانگنا ہے جیسا کہ ابی بن کعبؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہوا کو برا مت کہو پس جب ایسی دیکھو جو تم پسند نہیں کرتے تو یہ کہو الٰہی ہم تجھ سے اس ہوا کی خوبی مانگتے ہیں اور اس چیز کی خوبی جو اس کے اندر ہے اور اس چیز کی خوبی جس کا اس کو حکم اور اس ہوا سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور اس برائی سے جو اس کے اندر ہے اور اس برائی سے جس کا اس کو حکم ہے اور اسی طرح جو کہیں منزل کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی منزل میں اترے

سفر میں ضرر سے بچنے کی تدبیر

اور یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تام کلمات کے ذریعے سے ہر اس چیز سے جس کو خدا نے پیدا کیا ہے تو اس کو کوئی ضرر نہ ہوگا یہاں تک کہ وہاں سے چل کر دوسرا مکان بدل لے اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سختی کے وقت فرمایا کرتے تھے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جو بڑا اور بردبار ہے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جو عرش بزرگ کا مالک ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جو اس اللہ کے جو ساتوں آسمانوں اور زمین اور عرش بزرگ کا پروردگار اور مالک ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بزرگ اوصاف کا ذکر کرنا

سختی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ

عقوبت کے دور ہو جانے کا سبب ہے۔
اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کیا میں تم کو ایسی دعا نہ بتاؤں کہ جب تم پر سختی یا کوئی بلا آئے تو تم وہ دعا پڑھو تو اللہ تعالیٰ اس سے کشائش دے۔ عرض کیا گیا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا ذوالنون کی دعا کہ کوئی معبود تیرے سوا نہیں تو بے عیب ہے میں ہوں گنہگاروں سے۔ پھر سن لی ہم نے اس کی پکار اور بچا دیا اس کو غم سے اور یونہی ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو اور روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ایسا کوئی مصیبت زدہ نہیں جو یہ دعا پڑھے مگر قبول ہی ہوگی۔ الٰہی ہمارے لئے دعائے مستجاب اپنے لطف و کرم سے آسان کیجیو۔

پینتالیسویں مجلس بارش رک جانے کے وقت نمازِ استسقاء

مسنون ہونے کے بیان میں

قحط کا سبب رسول اللہ صلی نے فرمایا ہے قحط اس سے نہیں پڑتا کہ بارش نہ برسے بلکہ قحط اس سے پڑتا ہے کہ بارش تو ہو لیکن زمین سے کچھ نہ پیدا ہو۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور اس کے معنے یہ ہیں کہ قحط اس طرح نہیں ہوتا کہ تم پر بارش نہ ہو بلکہ قحط یوں پڑتا ہے کہ تم پر مینہ تو برسے لیکن زمین سے کچھ نہ پیدا ہو یا پیدا ہو کر تباہ ہو جائے اور تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے کیونکہ فراخی کی امید اور اس کے اسباب حاصل ہونے کے بعد سختی کا آنا اس سے زیادہ ناگوار ہے کہ پہلے ہی سے مایوسی حاصل ہو اور آپ کا یہ ارشاد مینہ مانگنے اور استسقار کی **استسقار کی دعا کرنا سنت ہے** دعا کرنے سے ممانعت نہیں کرتا بلکہ مینہ سے رزق ملنے اور بارش نہ ہونے سے رزق نہ ملنے کے اعتقاد کی ممانعت ہے۔ لہٰذا بندے کو لازم ہے کہ اپنے آپ کو اپنے مولا کے حوالے کر دے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ میرے مولا کی طرف سے آتا ہے سب میرے لئے بہتر ہے۔ اگرچہ میرے مطلب اور خواہش کے مخالف ہی ہو۔ پس اس بنا پر آدمی کو چاہیئے کہ بارش بھی مانگے اور استسقار کی دعا بھی کرے اور یہ سمجھتا بھی رہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے کہ مینہ مانگنا اور استسقار کی دعا کرنا سنت ہے کیونکہ اس باب میں بہت حدیثیں اور آثار وارد ہیں۔ پس حاکم کو مستحب ہے کہ پہلے سب لوگوں کو تین دن کے روزوں کا حکم دے پھر چوتھے دن سب کے ہمراہ میدان کی طرف جائے۔ علماء کہتے ہیں **دعا استسقار کا طریقہ** کہ تین روز لگاتار چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایسی مدت ہے۔ جو عذر والوں کے لئے مقرر کی گئی ہے اور اس سے زیادہ منقول اور پیادہ پا معمولی کپڑے جو روزمرہ پہنتے ہوں پہن

کر جائیں عید کی طرح زینت کے کپڑے پہن کر نہ جائیں بلکہ ذلیل بن کر انکساری اور خدا کا خوف کرتے ہوئے سر جھکائے ہوئے جائیں اور ہر دن عید گاہ کو روانہ ہونے سے پہلے خیرات کیا کریں کیونکہ ایسے ایسے وقتوں میں ہر نیک کام کرنے کا حکم ہے اس لئے کہ نیک کام عقوبت کو دفع کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق ادا کر دیں اور از سر نو توبہ کریں کیونکہ تجدید توبہ دعا کی قبولیت کا سبب قریب ہے اس لئے کہ کعب احبار رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مرتبہ بہت سخت قحط پڑا پس موسیٰ علیہ السلام استسقاء کے واسطے بنی اسرائیل کے ہمراہ تین دن گئے مگر بارش نہ ہوئی تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تمہاری دعا اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ تم میں چغلخور رہے گا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا الٰہی وہ کون ہے تاکہ ہم اس کو اپنے میں سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھیجی اے موسیٰ میں تم کو تو چغلخوری سے منع کرتا ہوں اور پھر میں خود ہی چغلخور بنوں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم سب چغلخوری سے توبہ کرو پس انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مینہ برسایا اور سفیان رحمہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ بنی اسرائیل سات برس قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ مردار اور بچوں کو کھا گئے اور وہ لوگ پہاڑوں میں جا کر اللہ تعالیٰ سے تضرع و زاری کیا کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے نبیوں کو وحی بھیجی کہ میں نہ تمہاری دعا قبول کروں گا اور تمہارے کسی رونے والے پر رحم کروں گا جب تک کہ تم حقداروں کے حقوق نہ ادا کرو گے۔ آخر انہوں نے حق ادا کئے تو مینہ برسا اور روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ دعائے استسقاء کے لئے نکلے جب بارش نہ ہوئی تو ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تم میں سے جس کسی نے کوئی گناہ کیا ہو وہ لوٹ جائے سب کے سب لوٹ گئے ان کے ساتھ ایک شخص کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کیا تمہارا کوئی گناہ نہیں اس نے جواب دیا اللہ کی قسم مجھ کو اپنا کوئی گناہ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ میں ایک دن نماز پڑھتا تھا کہ اتنے میں میرے پاس سے ایک عورت گزری میں نے اس کی طرف اس آنکھ سے دیکھا پس جب وہ چلی گئی تو میں نے اپنی انگلی آنکھ میں ڈال کر آنکھ نکال لی اور اس عورت کے پیچھے پھینک دی اس پر اس سے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو دعا مانگ کہ میں تیری دعا پر آمین کہوں پس اس شخص نے دعا کی جس سے آسمان پر بادل آ گیا اور بارش ہوئی۔

تجدید توبہ دعا کی قبولیت کا سبب قریب ہے

قبولیت دعا کے لئے ادائیگی حقوق کی اہمیت

گناہ دعا کی قبولیت پر اثر انداز ہوتے ہیں

اور عطا سلمی رضہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم پر ایک مرتبہ بارش بند ہو گئی اس لئے

ہم استسقار کے واسطے نکلے ناگاہ گورستان میں سعدون مجنوں مل گئے اور میری طرف دیکھ کر کہا اے عطا یہ لشکر کا دن ہے یا قبروں سے مردے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں میں نے کہا نہیں تو لیکن ہم پر بارش بند ہو گئی اس لئے کہ استسقار کے واسطے نکلے ہیں پس کہا اے عطا آسمانی دل لے کر آئے ہو یا زمینی دل لے کر میں نے کہا نہیں بلکہ آسمانی دل لے کر آئے ہیں انہوں نے کہا افسوس ہے اے عطا کھوٹے شخصوں سے کہہ دے کہ کھوٹ نہ کریں کیونکہ پرکھنے والا بینا ہے۔ پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ الٰہی وسیدی اپنے شہروں کو اپنے بندوں کے گناہوں سے ہلاک مت کر لیکن اپنے پوشیدہ ناموں کی برکت اور ان نعمتوں کی بدولت جو پس پردہ ہیں ہم کو پانی بے انتہا پلا جس سے تمام شہر زندہ اور بندے سیراب ہو جائیں اے وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے عطا کہتے ہیں کہ انہوں نے ابھی دعا پوری نہ کی تھی کہ آسمان گرجا اور چمکا اور مشکوں کے دہانے کی طرح بارش ہونے لگی۔

اور ابن سب طرح سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں بڑے سخت قحط کے سال آیا جس کے لئے لوگ استسقار کے لئے نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ نکلا ناگاہ ایک حبشی لڑکا جس پر دو کملی کے ٹکڑے تھے ایک کا تہ بند باندھے تھا اور دوسرا اپنے مونڈھے پر ڈال رکھا تھا آکر میرے برابر بیٹھ گیا تو میں نے اس کو کہتے سنا کہ گناہوں کی کثرت اور اعمال کی برائی سے چہرے بگڑ گئے اور ہم پر آسمان کی بارش تو نے موقوف کر دی تاکہ اپنے بندوں کو اس سے تنبیہ کرے پس میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ اے حلیم ابر دبار اے وہ ذات جسکے بندے تیری طرف سے رحمت کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ تو ان کو ابھی سیراب کر دے اور وہ گھڑی گھڑی اسی طرح بھی کہتا رہا کہ آسمان پر گھٹا گھر گئی اور ہر طرف سے بارش ہونے لگی پس اس بیان کی رو سے حاکم کو چاہیئے کہ صلحا اور ضعیفوں اور فقیروں کے ذریعہ سے پیاسے چوپایوں اور چرندے مویشیوں اور بچوں اور جلد پانی مانگنے والوں کے واسطہ سے استسقار کی دعا کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر دودھ پینے بچے اور چرندہ جانور اور عابد بندے نہ ہوتے تو تم پر عذاب ٹوٹ پڑتا اور دعا میں ویسا ہی کہے جیسے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے الٰہی پانی دے اپنے بندوں کو اور اپنے بہائم کو اور اپنی رحمت پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر اور دعا کے وقت روبقبلہ کھڑا ہو جائے اور باقی لوگ روبقبلہ بیٹھے رہیں جیسا مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے روبقبلہ ہو کر دعا کی تھی اور جب دعا مانگے تو قبولیت کا یقین کرے اور اپنی امید درست رکھے جیسا کہ مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دعا اس وقت مانگو جب تم کو قبولیت کا یقین ہو اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو کہ میں پہنچوں تمہاری پکار کو اور ایک اور روایت میں فرمایا ہے اور جب تم

دعا استسقار صلحار اور ضعیفوں وغیرہ کے ذریعہ مانگی جائے

دعا روبقبلہ ہو کر مانگی جائے

بندہ جب دعا کرے تو قبولیت کا یقین کرے

تم سے پوچھیں میرے بندے مجھکو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جس وقت مجھکو پکارتا ہے

دعا مانگنے کا انداز | اور دعا آہستہ آہستہ خوب کوشش سے کرے اور کہے الٰہی تو نے ہم کو اپنے آپ سے دعا کرنے کا حکم کیا ہے اور قبولیت کا ہم سے وعدہ کیا سو ہم نے تو تیرے حکم کے موافق مانگی اب تو اپنے وعدے کے موافق قبول کر الٰہی ہمارے قصوروں کو معاف کر اور بارش و فراخی رزق کے بارہ میں ہماری دعا قبول فرماکر ہم پر احسان کر اور لوگوں کو مستحب ہے کہ جب کوئی شخص ان میں نیک بختی میں مشہور ہو تو اس کے توسل سے

دعا میں توسل مستحب ہے | دعا کریں اور یوں کہیں الٰہی ہم تجھ سے مینہ مانگتے ہیں اور تیرے سامنے تیرے فلانے بندے کی شفاعت لاتے ہیں اس لئے کہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب لوگوں پر قحط پڑتا تو حضرت عمرؓ بن خطابؓ حضرت عباسؓ کے وسیلے سے استسقا کرتے اور یوں کہتے الٰہی ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ کیا کرتے تھے۔ سو تو مینہ برساتا تھا اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ کیا کرتے ہیں سو ہم کو پانی دے پس مینہ برساتا تھا اور استسقا میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی نماز مسنون جماعت سے ثابت نہیں ہے پس اگر لوگ جدا جدا نماز پڑھ لیں تو جائز ہے اور ان کے نزدیک استسقا

استسقا میں صرف دعا اور استغفار ہے نماز مسنون نہیں | صرف دعا اور استغفار کا نام ہے اس ارشادِ الٰہی کی دلیل سے، پس میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا چھوڑے گا آسمان کی تم پر دھاریں تم پر بڑھائے گا۔ تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنادے گا تمہارے لئے باغ اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔ پس یہ آیت اگرچہ اس قول کی حکایت میں ہے جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا لیکن اس آیت سے استدلال صحیح ہے اس لئے کہ ہم سے اگلوں کی شریعتیں بھی ہماری لئے شریعت ہیں جبکہ اس کو اپنی کتاب میں اللہ تعالےٰ بیان فرمائے اور اس کا انکار نہ کرے اور نہ اس کے بارے میں نسخ وارد ہوا ہو جیسے کہ اس آیت میں ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ استغفار مینہ برسنے کا سبب ہے کیونکہ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے باوجود زمانہ دراز تک تکرارِ دعوت کے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے چالیس برس تک اور بعضے کہتے ہیں ستر برس تک ان پر بارش بند کردی اور عورتوں کو بانجھ کردیا۔ پھر نوح علیہ السلام نے اُن سے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو فراخی دے گا اور جس بلا میں مبتلا ہیں اسکو دور کردیگا اس سے معلوم ہوا کہ استسقا میں دعا و استغفار ہی کافی ہے۔

اور انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن اسوقت مسجد میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مویشی تو مر گئے اور ہم کو بھی اپنی جانوں کا اندیشہ ہے پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم کو پانی عنایت کرے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا الٰہی ہم پر مینہ برسا اچھا مینہ تازہ کرنے والا بہت ہی

فائدے مند ابھی بلا تاخیر کے راوی کہتا ہے کہ آسمان پر اسوقت کوئی ٹکڑا بھی ابر کا نہ تھا لیکن اِدھر اُدھر سے ابر بلند ہو کر گھٹا گھر گئی اور سات دن بارش ہوئی۔ اس جمعہ سے اُس جمعہ تک پھر وہی شخص اگلے جمعہ کو مسجد میں پھر ایسے وقت آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے اور مینہ برس رہا تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ گھر کے گھر گر پڑے اور رستے بند ہو گئے پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ مینہ بند کر دے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اکتا جانے کی وجہ سے مُسکرائے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی الہٰی گرد و نواح پر ہم پر نہیں ٹیلوں اور پہاڑوں پر اور نالوں کے اندر اور درختوں کی جگہ راوی کہتا ہے کہ آسمان کہیں کھلا نہ تھا لیکن مدینہ کے اوپر سے ابر کھل گیا یہاں تک کہ اسکے گرد تاج کی مثال ہو گیا۔ پس راوی نے اس خبر میں دعا کے سوا اور کچھ نہیں بیان کیا اس سے معلوم ہوا کہ استسقار کی دعا مسنون نہیں ہے اور بے شک ثابت ہوا ہے کہ عمرؓ نے استسقار کی دعا کی اور نماز نہیں پڑھی اور اگر نماز سنت ہوتی تو عمرؓ کبھی نہ چھوڑتے کیونکہ حضرت عمرؓ سنت نبویؐ کے اتباع میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس میں دو رکعت نماز عید کیطرح پڑھی۔ سو اس سے جواز معلوم ہوتا ہے اور اس میں گفتگو نہیں بلکہ گفتگو سنت ہونے میں ہے اور سنت ہونا اس طرح کی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ سنت ہونا تو مداومت سے ثابت ہوتا ہے اور مداومت پائی نہ گئی تو اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے کبھی اسکو کیا اور کبھی اسکو چھوڑ دیا اور عمل کرنا چھوڑ دینے سے زیادہ نہیں تھا تاکہ مداومت پیدا نہ ہو سکے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ امام لوگوں کے ہمراہ نماز عید کی طرح دو رکعت بلا اذان اور تکبیر کے مع تکبیرات زوائد اور زور سے قرأت کر کے پڑھے اور نماز کے بعد دو خطبے پڑھے اور دونوں کے درمیان میں خفیف جلسہ سے فرق کرے اور دونوں خطبوں میں اکثر حصہ استغفار ہو اور جب خطبہ پڑھ چکے تو رو بقبلہ ہو کر حالت بدل جانے کی فال نیک کے لئے چادر کو اس طرح الٹے کہ دائیں طرف کا پلہ بائیں طرف کرے اور بائیں طرف کا پلہ دائیں طرف کرے پھر دعا مانگے اور دعا کے اندر یہ کہے کہ یا اللہ اپنے بندوں اور حیوانات کو پانی دے اور اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر الہٰی تو نے ہم کو اپنے آپ سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور قبول کرنے کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے سو ہم تیرے حکم کے موافق دعا مانگ چکے اب تو اپنے وعدے کے موافق قبول کر الہٰی ہمارے قصوروں کو معاف کر اور پانی دینے اور رزق کی فراخی کے بارہ میں اپنی قبولیت سے ہم پر آسان کر الہٰی اپنے بندوں کے گناہ سے اپنے شہروں کو برباد نہ کر بلکہ اپنی رحمت شاملہ اور نعمت کاملہ سے ہم کو بہت پانی دے جس سے شہر زندہ اور تیرے تمام بندے سیراب ہو جائیں تو بیشک ہر شئے پر قادر ہے اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

نماز استسقار جائز ہے مسنون نہیں

استسقار کی نماز اور دعا کا طریقہ

چھیالیسویں مجلس تعلیم فرائض اور قرآن کے واجب ہونے اور لحن پوشیدہ اور ظاہر کے بیان میں

فرائض اور قرآن کا علم سیکھنے کی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فرائض اور قرآن کو سیکھو کیونکہ میں قبض کیا جانے والا ہوں۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس حدیث میں امت کو علم کی دونوں قسموں کے سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ ان دونوں کا حصول نبی علیہ السلام کے سوا اور کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں کو ان دونوں میں سے اتنے کے سوا جس کو وہ حاصل کر چکے ہیں اور کچھ نہیں حاصل ہو سکتا اور وہ دونوں علم فرائض اور قرآن ہیں۔ فرائض میں بعضے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اس سے میراث کا تقسیم کرنا مراد ہے **علوم قرآن اور علم فرائض سے مراد** لیکن اس خصوصیت کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں جیسا کہ تورپشتی نے بیان کیا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس سے وہ ضروری امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں۔ رہا قرآن تو بنا بر بیان علم اصول اس سے مراد وہ ہے جو تواتر سے منقول ہے۔ جیسے ساتوں مشہور قرأتیں جس کو قرأت کے ساتوں اماموں نے اختیار کیا ہے وہ مراد نہیں ہے۔ جو بلا تواتر منقول ہے کیونکہ وہ قرآن نہیں ہے بلکہ شاذ قرأت ہے۔ اب خواہ بطریق شہرت منقول ہو یا بطریق احاد اور منقول کے تواتر ہونے میں تواتر شرط ہے جو ہر لفظ میں ہو یا اس کی ہیئت میں جو ہر لفظ سے مراد تو یہ ہے کہ قرأت سبعہ میں مصاحف کے خطوط قرأت ہوں۔ جیسے مالک یوم الدین اور ملک یوم الدین اور ہیأۃ سے مراد یہ ہے کہ مصاحف کے خطوط قرآن سبعہ میں مختلف نہ ہوں جیسے پُر پڑھنا اور امالہ کرنا اور اسی طرح دیگر امور اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ منقول کے قرآن ہونے میں نقل بالتواتر شرط ہے تو اب یہ ظاہر ہے کہ قرأت شاذہ خواہ بطریق مشہور منقول ہو یا بطریق آحاد اسکو قرآن کے حکم میں داخل نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اسکو نماز میں پڑھنا بھی جائز نہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ قرأت کے مشہور امام وہی سات ہیں جو تیسیر اور شاطبی میں مذکور ہیں اور وہ یہ ہیں عاصم اور حمزہ اور کسائی یہ تینوں تو کوفہ کے ہیں اور ابن کثیر مکہ کے اور نافع مدینہ کے اور ابو عمرو بصرہ کے اور ابن عامر شام کے ہیں اور تین **قرأت کے دس امام** استاد اور بھی ثابت ہیں جو یہ ہیں۔ یعقوب بن اسحاق اور یزید قعقاع اور خلف بن ہشام اور صحیح یہ ہے کہ قرآن کے احکام یعنی نماز کا جائز ہونا وغیرہ ان تینوں میں بھی ان ساتوں کی طرح جاری ہیں۔ اور رہیں ان کے علاوہ اور شاذ قرأتیں مشہور ہوں یا غیر مشہور تو ان کا نماز میں

قرآن کی شاذ قرأت سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

پڑھنا ناجائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور اختلاف تو صرف اس بارہ میں ہے کہ آیا وہ نماز کو بھی فاسد کر دیتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اصفہانی کہتے ہیں، کہ قرأت شاذہ جب تک متواترہ نہ ہو نماز میں اس کا حکم آدمی کے کلام ہی کی طرح ہے اور جبکہ قرأت شاذہ قرآن کے حکم میں داخل نہیں اور نہ اس کا نماز میں پڑھنا جائز ہے تو پھر بھلا اس قرأت کے متعلق تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ جو نہ قرأت متواترہ میں داخل ہے اور نہ قرأت شاذہ میں بلکہ محض غلط ہے تو کیا اس کو قرآن کا حکم ہو سکتا ہے اور کیا اس کا پڑھنا اس نماز میں جائز ہو سکتا ہے۔ جو لوگوں کے ذمے ایمان کے بعد فرض ہے اور جس کے ارکان میں سے ایک رکن اس قرآن کی قرأت بھی جو سب سے زیادہ فصیح زبان میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ فصیح زبان میں پڑھا جائے اور یہ بات تجوید کے بغیر ممکن نہیں

تجوید فرض لازم ہے

لہٰذا اس بنا پر تجوید فرض لازم ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قرآن کو تجوید کے ساتھ نازل کیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ "اور پڑھ کر سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر" اور ترتیل سے مراد تجوید ہی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول کسی کے اس آیت وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا کا مطلب پوچھنے کے وقت کہ ترتیل سے مراد حروف کی تجوید اور اوقاف کا علم ہے اس کی دلیل ہے اور تجوید سے مراد زبان کو چبا کر اور منہ کو دبا کر اور جبڑے کو ٹیڑھا کر کے اور آواز کو گردش دے کر پڑھنا نہیں ہے کیونکہ ایسی قرأت

تجوید سے مراد

سے طبیعتوں کو نفرت ہوتی ہے اور دل اور کان اس کو پسند نہیں کرتے ہیں بلکہ تجوید سہل پڑھنے کا نام ہے۔ اس میں نہ زبان کا چبانا ہے اور نہ بناوٹ ہے اور نہ کچھ تکلف ہے پس جب تجوید فرض ہوئی تو اس کے برخلاف حرام ہوگا۔ کیونکہ قرآن اپنی فصاحت کے ساتھ پڑھنا ہے اور

لحن، اس کی اقسام اور ان کا حکم

اگر فصاحت کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو پھر لحن ہوگا اور پھر لحن کے لغت عرب میں گو کئی معنے ہیں لیکن لحن سے مراد یہاں خطا اور راستی سے الگ ہو جانا ہے۔

اور پھر اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک لحن جلی اور لحن خفی۔ لحن جلی تو وہ غلطی ہے جو الفاظ میں ہوتی ہے اور بعض جگہ معانی بھی بگاڑ دیتا ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لحن کی پہچان میں تو قرأت کے علماء وغیرہ سب شریک ہیں۔ اس واسطے کہ یہ لحن کبھی تو حرکات اور سکنات اعرابی اور بنا کے بدلنے سے ہوتا ہے اور کبھی کسی حرف کی کمی بیشی سے ہوتا ہے۔ اور کبھی ایک حرف سے دوسرا حرف بدلنے سے رہا لحن خفی سو خلل اگرچہ الفاظ میں ہوتا ہے لیکن اس سے معنی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتا ہے۔ بلکہ فصاحت میں خلل اور قباحت پیدا کرتا ہے اور اسی لئے قرآن مجید کے اندر حرام ہے جیسا کہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ لحن قرآن مجید میں بلا خلاف حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کسی قسم کی کجی نہیں اور اس لحن کو صرف علمائے قرأت ہی پہچان سکتے ہیں اس

لئے کہ یہ لحن حرف راء کے تکرار سے اور لون کی گنگناہٹ سے اور لام کو پر کرنے سے اور غنہ کو ناک میں لے جانے سے ہوتا ہے اور اسی طرح کے دیگر امور سے جیسے ادغام کی جگہ ترک ادغام اور اخفاء کی جگہ ترک اخفا اور اظہار کے مقام پر ترک اظہار اور بدلنے کی جگہ نہ بدلنا اور پُر کرنے کی جگہ پُر نہ کرنا اور باریک کرنے کی جگہ باریک نہ کرنا اور اس میں شک نہیں کہ یہ تمام باتیں اگرچہ معنی میں مخل نہیں ہیں بلکہ ان سے لفظ بگڑ جاتا ہے کہ لفظ کی رونق اور حسن جاتا رہتا ہے لیکن فصاحت میں ضرور خلل انداز ہوتا ہے اور کوئی مومن قرآن مجید کے غیر فصیح ہونے کا قائل نہیں ہے اور اسی لئے ایسے تمام تغیرات نماز اور غیر نماز میں حرام ہیں۔

اس کا بیان یہ ہے کہ قرآن مجید فصیح تر زبان میں نازل ہوا ہے جو خالص عربوں یعنی قریش اور ہذیل اور ہوازن اور طی اور ثقیف اور یمن اور بنو تمیم کی بول چال ہے۔ لہذا یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ان کی زبان کے قاعدوں کی رعایت کی جائے۔ یعنی حرفوں کو ان کے مخرجوں سے نکالنا، اور ان کی صفات کا خاص خیال رکھنا کہ نرمی کی جگہ نرمی اور پُر کی جگہ پُر اور مد کی جگہ مد اور قصر کی جگہ قصر اور ادغام کی جگہ ادغام اور اظہار کی جگہ اظہار اور اخفا کی جگہ اخفار

اور اس کے علاوہ جو جو ان کے کلام میں ضروری ہے اور جو ان کے کلام کا طریقہ ہے کہ اس کے علاوہ ان کو پسند نہیں سب باتوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ پس اگر قرآن کا قاری ان امور کی رعایت نہ کرے تو اس نے گویا اللہ کی کتاب قرآن مجید کو گویا زبان عرب کے علاوہ اور کسی زبان میں پڑھا اور اب اگرچہ ظاہر میں وہ قرآن کا قاری ہے لیکن حقیقت میں قاری نہیں بلکہ وہ چہل باز ہے۔ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا ہی بہتر ہے کیونکہ ایسی قرأت کرنے سے ان لوگوں میں سے شمار ہو گا جن کی کوشش وسعی ضائع ہو گئی دنیا کی زندگی میں اور وہ بھی سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام،

اور اسی لئے امام ابن جوزی اپنی کتاب میں جس کا نام لنشر ہے، کہتے ہیں کہ بیشک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی کو سمجھنا اور اس کے حدود قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح اور درست پڑھنا اور حروف کو اس طریقہ سے ٹھیک ادا کرنا، بھی بہترین عبادت ہے۔ جو قرآن مجید کی قرأت کے اماموں سے منقول اور

حضرت نبوی تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے جو فصیح تر عربیت ہے اور جسکی نہ مخالفت جائز ہے اور نہ اس کو چھوڑ کر دوسرا امر اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعضے تو محض قابل ثواب ہیں اور بعضے خطا کار قابل گناہ ہیں اور بعضے معذور و ناچار ہیں پس جو شخص کلام اللہ کو صحیح پڑھنے پر قادر ہو گا جو کہ صحیح اور فصیح عربی ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر لفظ فاسد یعنی قبیح اختیار کرے گا تو بیشک قصوروار اور بے شبہ گناہ گار ہو گا اور جس شخص کی زبان قابو میں نہیں ہے یا کوئی راستی پر لانے والا اس کو نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی طاقت کے موافق لیکن ایسے شخص کو واجب ہے کہ پوری محنت کرے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد قدرت پیدا کر دے۔

اور فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ آدمی اگر بعضے حرفوں کو اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو اس کو لازم ہے کہ خوب محنت کرے اور اس میں وہ معذور نہ سمجھا جائے گا اور اگر اس کی زبان ان حرفوں میں نہ چلتی ہو تو اگر ایسی آیت پائے جس میں وہ حرف نہیں ہیں اور وہی آیت اپنی نماز میں پڑھتے تو سب کے نزدیک جائز ہے اور اگر ایسی آیت پڑھے جس میں وہ حرف ہیں تو خود اس کی نماز تو جائز ہے لیکن اور کسی کی امامت نہ کرے اور ایسے ہی جو شخص وقف کی جگہ وقف نہیں کرتا یا قرأت میں کھنکھارا کرتا ہے تو وہ بھی کسی اور کی امامت نہ کرے۔

سینتالیسویں مجلس قرآن میں تغنی جائز ہونے اور ان امور کے بیان میں جو اس میں جائز نہیں اور اسکے علاوہ باتیں

قرآن میں تغنی کرنے کا حکم اور اس کا مفہوم

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن میں تغنی نہ کرے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا ہے اور تغنی سے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ تغنی مشہور و معروف مراد نہیں اور اس کی کئی وجوہ ہیں اول تو یہ کہ حدیث کا پہلا حصہ یعنی نبی علیہ السلام کا ارشاد لیس منا اس مراد سے مانع ہے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ ہمارے دین اور ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو ہماری بات مانتے ہیں اور آپ کا ارشاد جنس وعید سے ہے۔ حالانکہ تمام امت میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں کہ بغیر تغنی کے قرآن پڑھنے والے کو بھی ثواب ملتا اور اجر دیا جاتا ہے۔ پھر بھلا ایسی حالت میں وعید کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہائے نے تصریح کی ہے کہ قرآن

قرآن تغنی کے ساتھ پڑھنا گناہ ہے

کا پڑھنا تغنی کے ساتھ گناہ ہے اور پڑھنے والا اور سننے والا دونوں

گنہگار ہیں بلکہ اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ تغنی سب دینوں میں حرام ہے اور

قرآن میں تغنی اور لحن کی حرمت اور اسکا حکم شرعی

ایسے ہی لحن بالاتفاق حرام ہے۔ بزازی کہتے ہیں کہ لحن بلا خلاف حرام ہے اور ابوالبرکات نے نافع کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ تغنی تمام دینوں میں حرام ہے اور ظہیر الدین مرغینانی سے حکایت ہے کہ ہمارے وقت کے قاری کو جس شخص نے اس کے پڑھنے کے وقت کہا واہ خوب پڑھا کافر ہو جاتا ہے اور اچھا کہنے سے کفر کی یہ وجہ ہے کہ اس زمانے کے قاریوں کی قرأت مجالس اور محفلوں میں تغنی سے بہت کم خالی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے لئے تغنی بالاتفاق حرام ہونے کی وجہ سے حرام قطعی ہوئی اور اسی لئے صاحب ذخیرہ نے اس کو کبیرہ کہا ہے اور ایسا ہی صاحب ہدایہ نے تغنی کے باب میں اس طرح کہا ہے کہ جو لوگوں کے لئے تغنی کرے اس کی گواہی مقبول نہیں۔ کیونکہ وہ ان کو گناہ کبیرہ پر جمع کرتا ہے۔ پس ان کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ تغنی کا سننا گناہ کبیرہ ہوا تو خود تغنی بدرجہ اولیٰ کبیرہ ہوگی اور چونکہ مغنی اس کبیرہ کا مرتکب ہے اس لئے اس کا اچھا کہنا حرام قطعی کو حلال کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس زمانہ میں جمعہ یا جماعت میں آتے ہیں

عبادت کی صورت میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب

ارتکاب کبیرہ سے بہت کم خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اکثر خطیب اور قاریوں کے خطبے اور قرأت تغنی سے بہت کم خالی ہیں بلکہ وہ خطبے اور قرآن میں شعر اور غزل کا طرز اختیار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کثرت نغمات اور ادھ کٹے الفاظ سے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں اور کیا پڑھتے ہیں۔

اور ایسے ہی صلی اللہ علیہ وسلم اور رضی اللہ عنہ اور آمین کہنے میں اور انتقالات کی تکبیروں میں مؤذنوں کا حال ہے اور سننے والے جو موجود ہوتے ہیں اس کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور بعضے تو کبھی ان کی تعریف بھی کرتے ہیں بلکہ غلبۂ ہوائے نفسانی اور دین کی باتوں میں بے پروائی کے سبب اکثر اشخاص میں اکثر یہی ہوتا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ حکایت ظہیر الدین مرغینانی کی رو سے سب کافر ہو جائیں۔ اور ایسے ہی وہ لوگ جو ماہ رمضان کی راتوں میں جامع مسجدوں اور مساجد میں مؤذنوں کی تسبیحات سننے کے واسطے تراویح میں آتے ہیں کیونکہ خدا کے نام جو تسبیحات میں ہوتے ہیں جیسے یا حنان یا منان یاذا الجود والاحسان اور جیسے سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والجبروت اور اس کے علاوہ اور اسمائے حسنیٰ اور بزرگ صفات ان میں کثرت سے نغمے اور الحان کی وجہ سے اس قدر تغیر اور تحریف اور اخفا کر دیتے ہیں کہ ان میں تمیز اور تعیین کرنا غیر ممکن ہوتا ہے چنانچہ اس قول کی طرح سوبحان الالیکی الحانان سوبحان الما لیکی المانان سین کے ضمہ اور نون اور میم کے فتحہ اور لام اور کاف کے کسرہ کو خوب کھینچکر اور اس کے علاوہ

اور اسی طرح اور ایسا ہی صوفیوں کا الحان ہے جیسے کھانے کے بعد شکر کے خیال سے ان کا

الحمد لیلہ والشکر و لیلہ دال اور را اور لام وغیرہ کو خوب کھینچکر کہنا پس مسلم کو چاہیئے کہ وہاں سے ہٹ جائے اور اس کے سننے سے احتراز کرے اور کوئی مسجد جو ان باتوں سے خالی ہو تلاش کرلے، کیونکہ یہ باتیں گو صورت میں عبادت ہیں لیکن حقیقت میں گناہ کبیرہ ہیں۔ ممکن ہے کہ اسکو اچھا سمجھے اور بے خبری میں اس کا دین برباد ہو جائے۔ حالانکہ نادانی میں کوئی عذر نہیں ہے اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ لوگوں کے لئے تغنی سے یہ مراد ہے کہ بیتیں اور شعر موزوں آواز بنا کر پڑھے نہ کہ قرآن اور ذکر کیونکہ یہ خیال فاسد ہے بلکہ قرآن وغیرہ سب کو یہ تغنی شامل ہے۔

اس لئے کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ قرآن کو الحان سے پڑھنا گناہ ہے اور پڑھنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں۔ بزازی کہتے ہیں کہ قرآن الحان سے پڑھنا گناہ ہے اور پڑھنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں اور تیسری وجہ ان وجوہات مذکورہ میں سے یہ ہے کہ یہ حدیث مذکور اس حدیث سے معارض ہو جائے گی جو ترمذی نے حذیفہ رضؓ سے روایت کی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا

قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز میں پڑھنے کا حکم اور مخالفت پر وعید

ہے کہ قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز سے پڑھا کرو اور فاسقوں کے لحن اور یہود اور نصاریٰ کے لحن سے بہت بچو کیونکہ عنقریب میرے بعد ایک ایسی قوم ہوگی جو قرآن میں غنا اور راہبوں اور نوحہ گروں کی طرح ترجیع کیا کرے گی اور قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۔ ان کے دل بھی فتنہ میں ہیں اور ان کے دل بھی جو لوگ ان کا یہ انداز پسند کرتے ہیں

اس حدیث کو امام جعبری رحؒ نے شاطبی کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ اور قرآن میں تغنی جائز ہونے نہ ہونے میں یہ بڑی اصل ہے اور اسی سے اس باب کے سارے کے سارے مسائل نکلتے ہیں اور جو شخص اس اصل سے واقف نہیں ہے وہ بہت غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ بعضوں نے تو تغنی کو سب دینوں میں حرام بتایا ہے۔ پس لازم آتا ہے کہ حلال جاننے والا کافر ہو جائے اور بعضوں نے شریعت محمدیؐ میں اس کی اجازت دی ہے اور ایسے ہی لحن ہے۔ پس ان اقوال کو دیکھنے والا حیران ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اول تغنی اور لحن کے معنے سمجھے جائیں اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ جو لوگ ان کے جواز کے قائل ہیں اور جو ناجائز ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ان دونوں سے کیا مراد ہے تاکہ وہ حیرانی اور ہلاکت کے بھنور سے خلاصی پائے۔ بہرحال تغنی سو وہ یا تو غنی سے مشتق ہے

تغنی سے مراد اور اسکا حکم شرعی

جو غین کے زیر سے اور بغیر مد کے ہے اور یا غناء سے مشتق ہے جو مد کے ساتھ ہے۔ پس اگر اول سے مشتق ہو تو اس کے معنے بے نیازی کے ہیں اور اگر دوسرے سے مشتق ہے تو اس کے معنے سرود اور آواز کا بلند اور پست کرنا اور رجھانا ہیں۔ اس لئے کہ غناء کے معنے موزوں نرم اور دردناک آواز کے ہیں اور تغنی اور ترنم اور ترجیع اور تطریب اس آواز

موزوں کیے برتنے اور اس کے حلق میں پھرانے کو کہ ایک بار حلق کے اندر اور پھر اس کو باہر اس طرح لائیں اور لیجائیں جس طرح موسیقی سے نکلا ہے۔ کہتے ہیں اور یہی تغنی مشہور و معروف ہے جو تمام دینوں میں حرام ہے خواہ قرآن میں جاری ہو یا آذان میں یا خطبہ میں یا ذکروں میں یا شعروں میں یا انکے سے کسی میں بھی نہ ہو اور اسی لئے جب صاحب مجمع الفتاوی نے یہ بیان کیا کہ بلا شبہ ملاہی کی آواز کا سننا جیسے ڈنڈے بجانا وغیرہ نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ ملاہی کا سننا معصیت ہے اور وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے مزہ اٹھانا کفر ہے۔ سب حرام اور کفر ہیں اور جو اچانک سن لے اس پر گناہ نہیں لیکن اس پر واجب ہے کہ حتی الامکان نہ سننے ہی کوشش کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے گانے کی آواز سن کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں محقیں کہا ہے کہ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غنا اور اس کا سننا مطلقاً معصیت ہے۔ اگرچہ قرآن وغیرہ میں سے کسی میں نہ جاری ہو۔ اور وجہ دلالت یہ ہے کہ ملاہی سے صرف آواز موزوں ہی حاصل ہوتی ہے۔ نہ اور کچھ تو صرف آواز موزوں کا بلند کرنا اور پست کرنا اور حلق میں اس کا پھرانا بدون اس کے کہ قرآن وغیرہ میں جاری ہو جیسے کہ خوشخوان کرتے ہیں گناہ ہے اور ایسی ہی جب قرآن یا آذان یا خطبہ یا اوراذ کار میں برتا جائے بلکہ یہ بدتر اور زیادہ برا ہے کیونکہ یہ معصیت کو عبادت میں ملاتا ہے اور دین کو کھیل بناتا ہے اور اگر اس عمل بد کو عبادت میں ملاتا ہے تو یہ دوسرا گناہ ہے جو پہلے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ رہا لحن سو وہ اس بنا پر جو صدر الشریعت کے کلام سے باب آذان میں مفہوم ہوتا ہے۔ یہ ہے لحن کبھی تو کلمات کے تغیر سے ہوتا ہے اور اس طرح کہ کوئی حرف اس کے حرفوں میں سے کم کر دے خواہ وہ حرف مد ہو یا اور کوئی یا اس طرح کہ اس میں کوئی حرف حروف مد وغیرہ میں سے بڑھا دے اور کبھی حرفوں کے صفات کے بدلنے سے ہوتا ہے جیسے کہ کیفیات حروف میں سے کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے جیسے حرکات و سکنات اور مدات اور اس کے علاوہ ادغام کرنا اور اخفا کرنا اور حرکات کا بڑھانا اور غنا کا زیادہ کرنا اور اسی طرح کی باتیں جن کا شمار بہت طویل ہے اور کتب تجوید میں مذکور ہے۔ **لحن کے معنی مرادی**

اور کبھی لحن تغنی کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی یہ سب الفاظ بول کر صرف خوش آوازی بلا تغیر لفظ مراد ہوتی ہے۔ پس اس بنا پر جب کہا جائے کہ قرآن کا الحان سے پڑھنا جائز ہے تو اس سے خوش آوازی اور عرب کا لہجہ مراد ہوگا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ قرآن کو عرب کے لہجہ میں پڑھو اور عرب کے لہجہ سے ان کی طبعی آوازیں مراد ہیں یعنی ممدود کا دراز کرنا اور مقصور کا قصر کرنا اور ہلکے کا ہلکا کرنا اور پُر کا پُر پڑھنا اور قابل ادغام میں ادغام کرنا اور قابل اظہار کا ظاہر کرنا اور قابل اخفا کا مخفی کرنا اور اس کے علاوہ جو جو امور ان کے کلام کو لازم ہیں اور جو ان کا طریقہ ہے کہ اس کے غیر کو اچھا نہیں سمجھتے اور جب یہ کہا جائے کہ قرآن کا الحان سے پڑھنا حرام ہے تو اس سے

فاسقوں کے الحان مراد ہیں جیسا کہ نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے کہ فاسقوں کے لحن سے بچتے رہو اور فاسقوں کے لحن سے وہ نغمات مراد ہیں جو قواعد موسیقی سے مستفاد ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص یہ کرتا ہے وہ چونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس لئے فاسق ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ مشائخ الحان سے قرآن پڑھنے کو مباح کہتے ہیں۔ جیسا کہ بعضے فتاووں میں مذکور ہے اور جس صورت میں کہ اس سے وہ نغمات مراد ہوں جو علم موسیقی سے نکلتے ہیں تو بھلا کیونکر مباح کہہ سکتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں صاف ممانعت ہے۔ کہ فاسقوں کے لحن سے بچتے رہو۔

اور جس صورت میں اس سے خوش آوازی اور عرب کا لہجہ مراد ہو تو بھلا کیونکر اجازت نہ دیں کہ حضرت نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں حکم کیا ہے قرآن کو عرب کے لہجے میں پڑھو۔

اور بعضے لوگوں کو سمجھنے میں کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے وہ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ خوش آوازی سے مراد جو قرآن پڑھنے اور خطبہ اور آذان میں مطلوب ہے وہی تغنی ہے جو مشہور و معروف ہے لیکن ان کی اس سمجھ پر افسوس صد افسوس ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ ان معنوں سے بہت دور ہیں پھر وہ لوگ اسی فعل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سلف صالحین کے مطعون کرنے میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی طرف ایسے فعل کو منسوب کرتے ہیں جو تمام مذہبوں میں حرام ہے۔ یعنی یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ یہ غنا جو آجکل کیا جاتا ہے اسی کو سلف بھی کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی طرف ایسے گمان سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے اور جس کو ایسا پیش آیا ہو اس کو ضروری ہے کہ اس سے توبہ کرے اور خدا کی طرف رجوع کرے نہیں تو وہ تباہ ہو گا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ حسن صوت اذان میں مستحب اور مقصود ہے

آذان میں حسن صوت مستحب و مقصود مگر تغنی حرام اور مکروہ ہے

باوجودیکہ تغنی حرام اور مکروہ ہے۔ اس کی کراہت تمام متون اور شرحوں اور فتاووں کی کتابوں میں مع تاکید اور تہدید کے مذکور ہے اور اس کے کرنے والے پر نبی علیہ السلام سے اور صحابہؓ اور تابعین وغیرہ اگلے اور پچھلوں سب سے انکار ہی پایا گیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا ایک موذن تغنی کرتا تھا تو اس کو آپ نے منع کیا اور روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کے واسطے دوست رکھتا ہوں۔ اس پر ابن عمرؓ نے اس کو جواب دیا کہ میں تجھ سے خدا کے واسطے بغض رکھتا ہوں کہ اسلئے کہ تو اذان میں تغنی کرتا ہے۔ پس ان تمام وجوہات سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث مذکورہ میں تغنی سے مراد وہ نہیں ہے جو مشہور و معروف ہے۔

قرآن کو تغنی سے پڑھنے کے حکم سے مراد

بلکہ اس سے قرآن کا ظاہر کر کے پڑھنا اور فصیح طور پر پڑھنا مراد ہے اور گویا کہ نبی علیہ السلام نے قرآن کے بلند آواز سے پڑھنے کو شعائر اسلام ہونے میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء کی نبوت کے اقرار کا تابع ٹھہرایا ہے

جیسے کہ صحت ایمان میں دونوں کلمہ شہادت کا ظاہر کرنا تابع ہے یا قرآن کی وجہ سے شعروں اور لوگوں کے قصہ کہانیوں سے بے نیاز ہونا اس سے مراد ہے کیونکہ تغنی اس معنی میں بھی آئی ہے اگرچہ وزن تفعل استفعل کے معنوں میں کم آتا ہے لیکن قلت استعمال مراد ہونے کے احتمال کو مانع نہیں۔ اور اس سے مراد تجوید یا ترتیل ہے کہ یہ قرآن کی تزئین ہے اور خصوصاً جب کہ خوش آوازی سے ہو کیونکہ تغنی بمعنے خوش آوازی مستحب ہے جیسا کہ

تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ تغنی قرآن میں اگر کلمات کو اپنی وضع سے نہ بدل دے بلکہ بوجہ خوش آوازی اور زینت قرأت کے اس کو آراستہ کر دے تو یہ تغنی ہمارے نزدیک نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی مستحب ہے اور اگر کلمات کو اپنی وضع سے بدل ڈالے تو نماز کو فاسد کر دیتی ہے اسلئے کہ یہ ممنوع ہے اور تورپشتی کہتے ہیں کہ اس طرح کی قرأت سننے والوں کے دلوں میں محبت کا جوش بڑھاوے اور رنج پیدا کر دے اور آنسو بہائے مستحب ہے لیکن اس وقت تک جب تک کہ تغنی قاری کو تجوید سے نہ نکال دے اور کلمات اور حروف میں نظم کی رعایت سے نہ پھیر دے اور جب یہاں تک نوبت پہنچے تو یہ مستحب مکروہ بن جائے گا۔ پس جب یہ ثابت ہو چکا تو اب جاننا چاہیے کہ فقہاء نے قرآن میں تغنی کی حرمت کی تصریح کر دی ہے اور اس باب میں تشدد کیا ہے۔ باوجودیکہ بعض احادیث کے ظاہر معنوں سے جواز کا وہم ہوتا ہے۔ پس قرآن کے علاوہ اذان اور خطبہ اور اذکار وغیرہ میں باوجودیکہ اس بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں جس سے جواز کا وہم ہوتا ہو۔ نہ کوئی ظاہر حدیث نہ کسی عالم کا قول بطریق اولیٰ حرام ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اصلی ممانعت پر باقی ہیں جو ان کے اس قول سے مفہوم ہے کہ تغنی تمام دینوں میں حرام ہے۔

(حاشیہ: قرآن اور اذان وغیرہ میں تغنی کی حرمت وحلت کی حقیقت)

اڑتالیسویں مجلس مؤذن کی فضیلت اور اذان مقرر ہونے کے سبب کے بیان میں

(حاشیہ: اذان میں آواز بلند کرنے کی ترغیب)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک جائے گی اس فاصلہ میں جو کوئی جن وانس میں سے اسکی آواز کو سنیگا وہ قیامت کے دن گواہی دیگا یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابوسعید خدری رضؓ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں حتی الامکان اذان میں آواز بلند کرنے کی ترغیب ہے تاکہ جن وانس اور ان کے علاوہ دیگر حیوانات اور جمادات بھی قیامت کے روز گواہ ہو جائیں کیونکہ مؤذن جسقدر زیادہ آواز بلند کرے گا اسی قدر قیامت کے دن اس کے گواہ زیادہ ہوں گے اور لا یسمع مدی صوتہ اس لئے فرمایا ہے کہ مدی صوت انتہائی آواز کو کہتے ہیں اور انتہائی آواز یقیناً بہت خفی

(حاشیہ: موذن کی گواہی)

ہوتی ہے تو جب اس کی گواہی وہ چیزیں دیں گی جو اس سے دور کی ہونگی اور اس کی آواز کی صرف گنگناہٹ وہاں پہنچی ہے تو جو چیزیں قریب ہیں اور جنہوں نے آواز اچھی طرح سنی ہے وہ بطریق اولیٰ گواہی دیں گی اور قیامت کے دن اس کے لئے گواہ ہوں گی۔ اور گواہی سے اس روز محشر کے سامنے اس کی فضیلت اور بلندئ مرتبہ کی گواہی دلانا مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح بعض لوگوں کو قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے فضیحت کرنے اور ان کا منہ کالا کرنے کے لئے ان کے حق میں گواہوں کی بُری گواہی دلا کر ذلیل کرے گا اسی طرح بعض لوگوں کو اس روز گواہوں کی اچھی گواہی سے ان کی خوشی پوری کرنے اور دل خوش کرنے کے لئے باعزت کرے گا جس سے ان لوگوں کی فرحت اور سرور ان گواہوں کی کثرت سے زیادہ ہو جائے گی۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ اذان ذکر ہے اور اذکار کا پوشیدہ کرنا ہی اصل ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے "اور یاد کر اپنے رب کو دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر جیسا کہ تم بات چیت میں تم بولتے ہو اس سے کم" اور نیز یہ حدیث کہ نبی علیہ السلام نے جو اس شخص کو جو بلند آواز سے ذکر کرتا تھا فرمایا تو نہ کسی بہرے کو پکار رہا ہے نہ کسی غائب کو پھر اذان میں جہر کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ اذان اگرچہ ذکر ہے اور ذکروں میں اخفا اصل ہے لیکن اذان میں ایک ایسی بات ہے جس کی وجہ سے پکار کر کہنا ہی اصل کے برخلاف واجب ہے اور وہ بات اذان سے نماز کے اوقات کی اطلاع کرنا ہے اور اسی زائد بات نے اس میں اصل حکم کے خلاف ایک عارضی حکم یعنی پکار کر کہنا واجب کر دیا ہے۔ کیونکہ اذان سے جہر کے بغیر اطلاع نہیں ہو سکتی اور اس کو تم یوں سمجھو کہ اذان اگرچہ ذکر ہے جس میں اخفا واجب ہے لیکن اس میں اخفا ایک قوی مانع کی وجہ سے ممنوع ہو گیا اور وہ مانع اذان کا اعلام ہوتا ہے کیونکہ جہر کے بغیر اعلام ممکن نہیں اور کسی ایسی علت کا پایا جانا حکم کسی خاص طریقہ پر واجب کرتی ہو کسی ایسی دوسری علت کو پائے جانے کو مانع نہیں ہے جس سے کوئی ایسا حکم ثابت ہو جو علت اول کے ثابت کردہ حکم کے مخالف ہو بلکہ اذان کو اذان کہنا ہی اذان میں جہر واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اذان کے معنے لغت میں مطلق اعلام کے ہیں اور شریعت میں ایک خاص اعلام کو ایک خاص طریق اور خاص الفاظ سے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ بدون جہر ہونا محال ہے بلکہ سبب اذان بھی اس میں جہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ میں تشریف لائے مسجد بنائی تو صحابہؓ سے اوقات نماز اور تیاری جماعت کی علامت کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا مقرر کیا جائے تو اس پر کسی نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے اور اس کو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ یہ نصاریٰ کا

اذان میں جہر کے اصل ہونے کی وجہ

گواہی سے مراد فضیلت و بلند مرتبہ کی گواہی ہے

سبب اذان

طریقہ ہے۔ کسی نے رائے دی کہ سینگھ بجایا جائے اور اس کو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ یہ یہود کا طریق ہے۔ کسی نے آگ جلانے کا ذکر کیا اور اس کو آپ نے یہ فرما کر کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے رد کر دیا۔ پھر یہی اختلاف رہا کہ کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہوا اور اس مجمع میں عبداللہ بن زید انصاری بھی تھے سو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر کی وجہ سے بڑی سخت فکر ہوئی کہ اس رات کو انہوں نے کھانا بھی نہ کھایا اور مغموم سو رہے جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہؐ میں کچھ سوتا اور جاگتا تھا کہ میں نے اتنے میں آسمان سے ایک اترنے والے کو دیکھا جو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے تھا۔ پھر وہ گھر کی دیوار پر روبقبلہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اللہ اکبر اللہ اکبر آذان کی آخر عبارت تک اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے اور جو تم نے دیکھا ہے بلالؓ کو سکھا دو کہ بلالؓ تم سے بلند آواز ہیں سو میں نے ان کو سکھا دیا اور انہوں نے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر اذان دی۔ عمر بن الخطابؓ نے اس کو اپنے گھر میں سے سنا تو چادر کھینچتے ہوئے گھر سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا یا رسول اللہؐ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی یہی دیکھا ہے جو بلالؓ نے کہا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد۔

اور روایت سے ثابت ہے کہ اس رات کو صحابہؓ میں سے گیارہ لوگوں نے یہی خواب دیکھا تھا جو عبداللہ بن زید نے روایت کیا ہے۔ پس چونکہ اذان کا مشروع ہونا اس خواب سے ثابت ہوا ہے جس کے حق ہونے کی نبی علیہ السلام نے گواہی دی

اذان شعائر اسلام میں سے ہے اس کے ترک پر جہاد لازم ہے

سے لہٰذا یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شہر یا گاؤں یا محلہ والے آذان چھوڑ دینے پر اصرار کریں تو اول امام وقت ان کو اذان دینے پر مجبور کرے اور اگر نہ مانیں تو جہاد کرے کیونکہ اذان جب اعلام دین سے ہے تو اس کے ترک پر اصرار کرنا دین کا استخفاف ہے جس کے لئے جہاد لازم ہے۔

اور انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ جب صبح ہوتی تو آذان کی طرف کان لگاتے اگر اذان کی آواز سنتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرتے۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کفار پر غارتگری کا ارادہ کرتے تو آپ کی یہ عادت تھی کہ رات کو روانہ ہوتے اور جب کسی ایسے شہر پر پہنچتے جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو صبح تک منتظر رہتے اور اذان کی طرف کان لگاتے تاکہ معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا شہر ہے یا کفار کا پس اگر اذان سن لیتے تو غارتگری سے باز رہتے اور اس کو چھوڑ دیتے اور اگر اذان نہ سنتے تو غارت کرتے۔ پس یہ حدیث اذان کے اعلام دین ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی کے ساتھ اس سے اذان کا واجب ہونا بھی معلوم ہوتا ہے

اکثر مشائخ کے نزدیک اذان اور تکبیر سنت موکدہ ہے

لیکن اکثر مشائخ کے نزدیک اور یہی صحیح بھی ہے یہ ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے اور ایسی ہی تکبیر بھی پانچوں نمازوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ بشرطیکہ باجماعت ہوں ادا ہوں یا قضا اور جمعہ کے لئے بھی کیونکہ جمعہ فرض ہے۔ واجب نماز کے لئے جیسے وتر اور عیدین کی نماز یا سنتوں کے

واجب نماز کے لئے اذان وتکبیر سنت نہیں

واسطے جیسے تراویح یا نفلوں کے واسطے جیسے سورج گہن اور استسقاء کی نماز کے لئے سنت نہیں ہے۔ اگرچہ یہ سب نمازیں باجماعت پڑھی جائیں اور فجر کی اذان میں مؤذن کو حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو بار زیادہ کرنا

فجر کی اذان میں زیادتی الفاظ اور اس کی وجہ

چاہیئے۔ جیساکہ روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نبی علیہ السلام کے پاس آئے توآپ کو سوتے پاکر انہوں نے الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا خوب بات ہے اس کو اپنی اذان میں بھی داخل کرلو فجر کے ساتھ یہ جملہ اس لئے مخصوص ہے کہ فجر چونکہ نیند اور غفلت کا وقت ہے اسلئے اس میں زیادہ تنبیہ کی حاجت ہے اور تکبیر بھی اذان ہی کیطرح ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ زیادہ کرے۔ نیز یہ کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور تکبیر جلدی جلدی۔ کیونکہ

تکبیر اور اذان میں فرق

روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے بلالؓ سے فرمایا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور تکبیر جلدی جلدی اور ترسیل یہ ہے کہ اذان کے کلمات میں ایک سکتہ کا فرق کرتا جائے اور حدر یہ ہے کہ تکبیر کے کلمات کو جلد از جلد ملاتا جائے اور اعراب یعنی حرکات کو دونوں میں ترک کردے جیساکہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں صرف جزم ہی سے ثابت ہیں

اذان اور تکبیر کے آخری حرفوں پر جزم ہے

کہ عرب لوگ ان کو اعراب نہیں دیتے تھے۔ یعنی اذان اور تکبیر زیلعیؒ نے کہا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کی جزم سے ثابت ہونے سے مراد ان کا موقوف ہونا ہے۔ ہاں اذان میں تو حقیقۃً وقف ہے اور تکبیر میں وقف کی نیت کرے اور یہ مبردی کا مقولہ ہے اور عوام لوگ یوں کہتے ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر پہلے راء کے ضمہ کے ساتھ اور ابوالعباس مبرد اجتماع ساکنین کی وجہ سے دوسرے اللہ کا الف کا فتحہ راء کو دے کر زبر سے پڑھتا ہے جیسے اس آیت میں میم مفتوح ہوتا ہے۔ الم اللہ لا الہ الا ھو باوجودیکہ حروف مقطعات میں سکون ہی اصل ہے۔ اور کلمات اذان کو اسی ترتیب سے کہے جس طرح مشروع ہے۔ یہانتک

کلمات اذان وتکبیر کی ترتیب

کہ اگر کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر کردیا تو ترتیب کی رعایت کے لئے دہرانا بہتر ہے اور دونوں کے درمیان میں بولنا نہیں چاہیئے اور دونوں میں قبلہ رخ ہوجائے

اذان اور تکبیر میں قبلہ رو ہونا

اور اذان میں دونوں پیر اپنی جگہ برقرار رکھے ہوئے حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت داہنی طرف منہ پھیرے اور حی الفلاح کہنے کے وقت بائیں طرف کیونکہ

اذان کا اوّل اور آخر مناجات ہے اور اس کے بیچ میں پکارنا ہے۔ لہٰذا حالت مناجات میں رو بقبلہ رہے کیونکہ یاد الٰہی کرنے والوں کی سب سے اچھی حالت رو بقبلہ ہونا ہے اور پکارتے وقت ان کی طرف منہ پھیرلے جن کو پکارتا ہے کیونکہ یہ چونکہ خطاب ہے اس لئے ان کی طرف توجہ بھی کرے اور اگر منارہ کے اندر ہو اور دونوں پیر جمائے رکھکر منہ پھیرانے سے پورا فائدہ حاصل نہ ہو تو اس کے اندر گھوم جائے اور اپنی دونوں انگلیاں اذان کہتے ہوئے کانوں میں رکھ لے جیساکہ روایت

اذان میں کانوں پر انگلیاں رکھنے کی ضرورت

ہے کہ نبی علیہ السّلام نے بلالؓ کو فرمایا کہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ لو کہ اس سے تمہاری آواز بلند ہو جائے گی اور اگر انگلیاں کانوں میں نہ رکھے بلکہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لے۔ تو بھی بہتر ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ ابو محذورہ نے اپنی چاروں انگلیاں کانوں پر رکھ لیں تھیں اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں اگر اپنا صرف ایک ہاتھ اپنے کان پر رکھ لے تو بھی اچھا ہے۔ اور کسی نماز کے لئے قبل از وقت اذان نہ کہے

قبل از وقت اذان کا حکم شرعی

اور اگر کہہ لی ہو تو وقت ہو جانے پر دوبارہ کہے کیونکہ اذان وقت آجانے کی اطلاع کے لئے ہے اور وقت سے پہلے اذان دینا تو غلطی میں ڈالنا ہے، نہ کہ اطلاع دینا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ فجر کے لئے رات کے نصف آخر میں اذان جائز ہے کیونکہ اہل حرمین یعنی مکہ مدینہ والوں کا اسی پر عملدرآمد ہے اور ان حضرات کے مقابلہ میں ہماری دلیل حضور علیہ السّلام کا حضرت بلالؓ کو یہ ارشاد ہے کہ اذان اس وقت تک مت دینا جب تک تم کو فجر اس طور پر نہ ظاہر ہو جائے۔ اور آپ نے پھر اپنا ہاتھ عرض میں کھینچا اور چونکہ امور دینی میں آجکل سستی ظاہر ہونے لگی ہے اس لئے متاخرین علمائے مغرب کے سوا تمام نمازوں میں اذان اور تکبیر کے درمیان تثویب کو بھی مستحسن

تثویب اور اس کا حکم

کہا ہے اور تثویب ایک دفعہ آگاہ کرنے کے بعد ہر ایک قوم کے دستور اور اصطلاع کے موافق دوبارہ آگاہ کرنے کو کہتے ہیں اور چونکہ تثویب اعلام میں مبالغہ کا نام ہے۔ اس لئے اس صورت کے بغیر جس کا ان میں دستور ہو حاصل نہیں ہو سکتا اور امام ابو یوسفؒ تثویب کو اس شخص کے واسطے مخصوص کرتے ہیں جو مسلمانوں کے کام میں لگا رہتا ہو۔ جیسے حاکم اور قاضی اور مفتی کیونکہ ان کو حاضری کا وقت معلوم نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ اذان سنتے ہی چلے آئیں اور جماعت تیار نہ ہو تو انتظار کرنا ہوگا جس سے مسلمانوں کے کاروبار ملتوی رہیں گے اور مؤذن کو چاہیئے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا کرے

اذان اور اقامت کے درمیان فاصلہ

دونوں کا متصل کہنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اذان سے مقصود لوگوں کو وقت نماز آجانے کی اطلاع کرنا ہے تاکہ نماز کی طہارت کر کے تیاری

کریں اور مسجد میں نماز پڑھنے آئیں اور دونوں کے ملا دینے میں یہ غرض نہیں رہتی اور فصل

اذان اور اقامت میں فصل کا طریقہ

کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر نماز ایسی ہے کہ اس سے پہلے نفلیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے بیچ میں نماز پڑھنے لگے خواہ سنت ہو خواہ اور کچھ۔ جیساکہ عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے۔ ہر دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے۔ پھر تیسری مرتبہ فرمایا جو شخص پڑھنا چاہے اور دونوں اذانوں سے مراد تغلیباً اذان اور تکبیر ہیں اور نماز سے مراد نفل ہے خواہ سنت ہو یا اور کوئی نفل فرض مراد نہیں ہے اور اس کی دلیل نبی علیہ السلام کا تیسری مرتبہ اپنے اس قول لمن شاء سے اختیار دینا ہے اور اس میں اذان اور تکبیر کے درمیان نفل پڑھنے کی ترغیب ہے کیونکہ اذان اور تکبیر کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی جیساکہ حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان دعا مردود نہیں ہوتی اور جبکہ اذان اور تکبیر کے درمیان دعا مردود نہیں ہوتی تو عبادت انکے درمیان افضل ہوگی۔

اور اگر ان کے بیچ میں نماز سے فاصلہ نہ کرے تو دونوں کے درمیان ایک جلسہ سے فرق کردے جس کی مقدار بیس آیتوں کی تلاوت کرنے یا چار رکعت پڑھنے کے برابر ہو کیونکہ مقصود جو کچھ ہے وہ اس سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اگر وہ نماز ایسی ہو جس کے پہلے نفلیں نہیں پڑھی جاتیں جیسے مغرب کی نماز سو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کے درمیان میں اتنی دیر خاموش رہے جتنے میں تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت پڑھی جاسکے اور ایک روایت امام سے یہ ہے کہ اتنی دیر ٹھہرے جس میں تین قدم چل پھر سکے۔ پھر تکبیر کہے کیونکہ تعجیل کا حکم ہے اور دیر لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کم ازکم فاصلہ ہی پر اکتفا کریں گے تاکہ تعجیل کے قریب قریب رہے اور صاحبین کے نزدیک ان دونوں میں تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرے کیونکہ دونوں کو ملا دینا مکروہ ہے۔

اور سکتہ سے کچھ فصل نہیں ہوتا۔ سکتہ تو اذان کے کلمات میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اتنی دیر بیٹھنا چاہیئے جتنی دیر خطیب دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتا ہے۔ اور قضا نماز بھی اذان اور اقامت

قضا نمازوں کیلئے اذان واقامت کا حکم

سے پڑھی جائے۔ اس لئے کہ اذان واقامت نماز کی سنتیں ہیں۔ وقت کی سنتیں نہیں ہیں۔ پس اگر ایک ہی نماز قضا ہوئی ہو تو اذان اور تکبیر دونوں کے ساتھ قضا پڑھیں تاکہ قضا ادا ہی کے طریقہ پر ہوجائے اور یہ تو روایت سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے لیلۃ التعریس کی صبح کو فجر کی نماز جماعت اور اذان اور تکبیر دونوں کیساتھ قضا کی تھی اور اگر کئی نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور سب کو لگاتار قضا کرنا چاہے تو پہلی کے لئے اذان اور تکبیر دونوں کہے اور باقی نمازوں کے لئے مختار ہے چاہے اذان اور تکبیر دونوں کہے تاکہ قضا ادا

کے موافق ہو جائے اور چاہے اقامت پر ہی اکتفا کرے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو مشرکوں نے جنگ خندق میں جب نماز فجر کے سوا چار نمازوں کی فرصت نہ دی تو آپ نے پہلی نماز تو با جماعت اذان اور تکبیر دونوں کے ساتھ قضا کی اور بقیہ صرف تکبیر سے ادا کیں اور مسافر جنگل میں

مسافر کے لئے اذان و تکبیر سے نماز پڑھنے کا حکم

اذان اور تکبیر دونوں سے نماز پڑھا کریں اور ان کو دونوں کا چھوڑ دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں جماعت کی سنتیں ہیں اور سفر نہ جماعت کو ساقط کرتا ہے اور نہ اس چیز کو ساقط کرتا ہے جو جماعت کی سنت ہے اور اگر مسافر فقط تکبیر ہی پر اکتفا کریں اور اذان نہ کہیں تو مکروہ نہیں کیونکہ اذان وقت آجانے کی خبر دینے کے واسطے ہے تاکہ غائب لوگ حاضر ہو جائیں اور وہ لوگ جو اپنے کاروبار میں جا بجا متفرق ہیں جمع ہو جائیں اور سفر کے رفیق چونکہ حاضر اور اپنی فرودگاہوں میں جمع ہوتے ہیں اس لئے ان کے جمع کرنے اور بلانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تکبیر سو وہ نماز شروع ہو جانے کی اطلاع کے لئے ہے اور اس کی حاجت ان کو ہے

بلا اذان اور اقامت نماز پڑھنے میں مکروہ ہونے کی صورتیں

اور فرض نماز جماعت سے مسجد میں بدون اذان اور تکبیر کے ادا کرنا مکروہ ہے اور گھروں کے اندر اور باغوں میں یا آبادی سے باہر کسی اور جگہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ شہر اور بستی کی اذان اور تکبیر ان کو کافی ہے۔ اور شہر کے اندر مقیم اگر تنہا اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کو مناسب ہے کہ اذان اور تکبیر سے پڑھے۔ تاکہ ادا جماعت کی وضع پر ہو اور اگر اس نے دونوں کو ترک کر دیا تو مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ محلہ کی مسجد میں ہوتی ہوں کیونکہ اس نے اگرچہ حقیقت میں بدون اذان اور تکبیر کے نماز پڑھی ہے لیکن حکماً اس نے آذان اور تکبیر ہی سے پڑھی ہے۔ کیونکہ مؤذن محلہ میں اذان اور تکبیر کے بارہ میں اہل محلہ کا نائب ہوتا ہے اس لئے کہ انہوں نے اسی لئے اس کو مقرر کیا ہے تو اب اس کی اذان اور تکبیر ایسی ہے جیسے سب کی اذان اور تکبیر اور یہی وجہ ہے کہ جب ابن مسعودؓ نے اپنے گھر میں علقمہؒ اور اسودؒ کے ہمراہ نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور کسی نے ان سے کہا کہ اذان اور تکبیر کیوں نہیں کہتے تو انہوں نے جواب دیا کہ محلہ کی اذان ہمارے لئے کافی ہے۔

اور مسافر اگر جنگل میں اکیلا بدون اذان اور تکبیر کے نماز پڑھے تو یہ اس کو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں وہ حقیقۃً بھی اور حکماً بھی اذان اور تکبیر کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے کیونکہ جس جگہ وہ ہے وہاں ایسا کوئی نہیں جو اس نماز کیلئے اذان اور اقامت کہے۔

اور مسجد میں نماز پڑھنے والا اگر جماعت سے نماز پڑھے تو اذان اور تکبیر سے نماز پڑھے اور دونوں کا ترک کرنا اس کو مکروہ ہے اور اگر تنہا نماز پڑھے تو پھر اس کا وہی حکم ہے جو اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کا حکم ہے۔

رہے گاؤں اور دیہات سو ان میں اگر مسجد ہو اور اس مسجد میں اذان اور تکبیر بھی ہوتی ہو تو مسجد میں نماز پڑھنے یا اپنے گھر میں پڑھنے والے کا وہی حکم ہے جو گذر چکا۔

اور اگر ایسی مسجد نہ ہو تو پھر وہاں نماز پڑھنے والے کا وہی حکم ہے جو مسافر کا حکم ہے۔ پھر یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ اذان میں لحن اور تغنی کا نہ ہونا ہی سنت ہے کیونکہ اذان سے مقصود وقت آجانے

اذان میں لحن اور تغنی کی ممانعت اور اس کی وجہ

کی خبر دے کر مخلوق کو نماز کے لئے بلانا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ اذان اس طرح ہو جس سے الفاظ کو سننے والا سمجھ لے۔ تاکہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہنے کا کچھ فائدہ ظاہر ہو کیونکہ ان کلمات کے معنی یہ ہیں کہ جلد آؤ نماز کے لئے جلد آؤ نماز کے لئے جلد آؤ ایسے کام کے لئے جس میں آگ سے تمہاری نجات ہے اور جنت میں ہمیشہ کو رہنا ہے لیکن یہ سنت اس زمانے میں اکثر شہروں میں بدل ڈالی گئی ہے اور اس طرح نئے نئے نغمات اور الحان سے اذان کہتے ہیں کہ نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ الفاظ اذان میں سے کیا کہتے ہیں اور نہ مزمار کی آواز کی طرح کہ کبھی بلند ہو جاتی ہے اور کبھی پست اور کچھ سمجھ میں آتا ہے اور یہ طرز جیسا کہ مدخل میں ذکر ہے، بدعت قبیحہ ہے۔ سب سے اول اس کی ابتدا تو کسی امیر نے اپنے بنا کردہ مدرسہ میں کی تھی لیکن پھر وہاں سے کسی اور جگہ بھی پھیل گیا۔ پھر ان لوگوں نے تغنی کی حرص کے مارے اذان ہی کے الفاظ پر اکتفا نہ کر کے اذان پر نبی علیہ السلام پر درود اور تسلیم کے لمبے اور کلمات بھی بڑھا لئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ درود اور تسلیم اگرچہ کتاب اور حدیث سے صراحتاً ثابت ہے

اذان کے ساتھ نبی علیہ السلام پر درود کے الفاظ کی زیادتی کا شرعی حکم

اور سب سے بڑی اور بہتر عبادت ہے لیکن اذان کے اندر منارہ کے اوپر اس کی عادت کر لینا شرع سے ثابت نہیں اس لئے کہ اس کو نہ صحابہ رضؓ اور نہ تابعین میں سے کسی نے کیا ہے اور نہ پیشوایان دین میں سے کسی اور نے کیا ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ عبادات کو ان مقامات کے سوا جہاں شرع نے ان کو مقرر کیا ہے اور جس کو سلف کرتے چلے آئے ہیں کسی اور وقت یا جگہ میں مقرر کرے۔ دیکھو قرآن کی تلاوت باوجودیکہ سب سے بہتر عبادت ہے لیکن مکلف کو یہ جائز نہیں کہ رکوع سجود یا قعدہ میں پڑھے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی تلاوت کا محل نہیں ہے۔ پھر اس بدعت کو تو دیکھو جس کو ان لوگوں نے اذان میں ایجاد کیا ہے۔ یعنی نغمات اور الحان کہ اس کی وجہ سے ایک اور حرام کی طرف

تکبیرات انتقالات میں لحن و تغنی کا فساد

کیونکہ بڑھ گئی ہے۔ یعنی یہ لوگ نغمات کو نماز کے اندر بھی تکبیرات انتقالات کی تبلیغ کے وقت کیا کرتے ہیں اور نماز کے اندر ایسا کرنا عمداً کلام کرنا ہے جس سے ان کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور جب خود ان کی نماز باطل ہو گئی تو اس کا یہ فساد ان لوگوں تک بھی پہنچے گا جو تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالات ان لوگوں سے سنکر امام کی اقتدا کرتے ہیں

کیونکہ مقتدی کی اقتدا چار چیزوں میں سے ایک چیز کے بغیر صحیح نہیں ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ پائی جائے گی۔ اقتدا نہ ہوگی۔ سب سے اوّل افضل یہ ہے کہ مقتدی امام کے افعال خود دیکھتا ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسری صورت یہ کہ امام کی آواز سنتا ہو اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو تیسری صورت یہ کہ اور مقتدیوں کے افعال دیکھتا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر چوتھی صورت یہ کہ مقتدیوں کی آواز سنتا ہو۔ لہذا یہ لوگ اسی وجہ سے کہ نغمات کی وجہ سے ان کی نماز باطل ہوگئی ہے۔ مقتدی نہ رہے اور مقتدی کا ایک رکن سے دوسرے رکن میں ایسے لوگوں کی آواز سن کر اپنے امام کے افعال دیکھنے اور اس کی آواز سننے کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہاں ایک اور مفسدہ بھی ہے اور وہ یہ

مکبّر کی ایک بے احتیاطی کا مفسدہ | ہے کہ امام جب تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو امام کے پیچھے کہ قبل اس کے کہ خود نماز میں داخل ہوں تکبیر کہہ دیتے ہیں تاکہ اور لوگ ان کی تکبیر سن کر نماز میں داخل ہو جائیں۔ پس جو کوئی ان کی تکبیر پر بدون امام کی تکبیر سننے کے تکبیر تحریمہ کہے گا۔ اس کی نماز میں اس وجہ سے بھی خلل رہے گا۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ اقتدا چار چیزوں میں سے ایک کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اور یہ ان چاروں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔

اللہ سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے اجتناب کرنا ہم پر آسان فرما۔

انچاسویں مجلس جمعہ کی فضیلت اور روز جمعہ کے تمام ایام پر افضل ہونے کے بیان میں

جمعہ کی فضیلت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سب سے اچھا وہ دن جس میں آفتاب نکلتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں جنت سے نکلے اور روز جمعہ کے سوا کسی اور دن قیامت ہوگی۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ اسی میں آدم نبی علیہ السّلام پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل ہوئے اور اسی میں جنت سے نکلے۔ اب اگر اس پر کوئی یہ کہے کہ آدم نبی علیہ السّلام کا جنت میں داخل ہونا تو بہتر اور نیک ہے لیکن ان کا جنت سے نکلنا کیونکر اچھا اور خوب ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ان کا جنت سے نکلنا بھی بہت سے فائدوں اور خوبیوں کو شامل ہے اور مصالح بہتر اور خوب ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جنت سے نکلنے ہی کی وجہ سے ان سے بہت سی اولاد پیدا ہوئی اور آگے کو نسل چلی اور اللہ تعالیٰ نے انہی کی نسل میں

سے ان کی اولاد پر نبی بھی بھیجے اور کتابیں بھی نازل کیں اور انہی میں سے صلحاء اور نیک لوگ بھی بنائے جن سے پسندیدہ عبادتیں اور رعایت کے قابل طاعتیں ظہور میں آئیں اور یہ سب باتیں خیر کثیر ہیں جو بہشت سے نکلنے ہی سے ہوئیں لہٰذا اس بنا پر جمعہ کا دن سب دنوں سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سے دین اسلام کو عظمت دی اور تمام خلق میں سے مسلمانوں ہی کے لئے اس کو خاص کیا۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

تمام امتوں کو جمعہ کے دن عبادت کا حکم اور مسلمانوں کی تخصیص

روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ وہ دن ہے جو اگلی امتوں پر فرض تھا لیکن وہ لوگ اس کے بارے میں مختلف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی ہدایت کی اور اس بارے میں لوگ ہمارے تابع ہیں۔ یہود ایک دن بعد اور نصاریٰ دو دن بعد یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا کہ جمعہ کے دن جمع ہو کر عبادت کر کے اس کی بزرگی کا اظہار کریں لیکن اس کو معین نہیں کیا بلکہ یہ حکم دیا کہ خود اپنے اجتہاد سے معین کر لیں لہٰذا ان میں اختلاف ہو گیا۔ یہود تو کہنے لگے کہ وہ یوم مامور بہ شنبہ کا روز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شنبہ کے روز تمام مخلوقات کی پیدائش سے فراغت پائی اور ہم بھی اس دن دنیا کے کاروبار سے فراغت پاتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور نصاریٰ کہنے لگے کہ وہ یوم مامور بہ یکشنبہ کا روز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن مخلوقات کی پیدائش کی ابتدا کی ہے اس لئے اسی دن کی تعظیم اولیٰ ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ہدایت کی اور ٹھیک سمجھنے کی توفیق دی یہاں تک کہ جمعہ کی تعیین کی۔

علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنوں میں تو صرف وہ چیزیں پیدا کیں جن سے انسان فائدہ اٹھائے اور جمعہ کے دن خود انسان کی ذات کو پیدا کیا اور نعمت وجود کی شکر گزاری بہت ضروری اور سب سے مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن میں شکر کی کیفیت بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان ہو۔ اللہ کی یاد کو دوڑو اور بیع و فروخت چھوڑ دو۔ سو اللہ تعالیٰ نے اول تو اس آیت میں جمعہ کی طرف سعی کا امر فرمایا اور پھر اس کے بعد دنیاوی کاروبار میں جو جمعہ کی طرف سعی سے روکتے ہیں مشغول نہ ہونے کا حکم کیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو جمعہ کی نماز کو چھوڑ دیتے ہیں چھوڑنے سے باز آ

جمعہ کی نماز ترک کرنے کا انجام

جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا جس سے وہ بالکل غافل ہو جائیں گے۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں بیان فرمایا کہ دو نوں بات میں سے ایک ضرور ہونے والی ہے۔ جمعہ ترک کرنے سے باز آنا یا اللہ کا ان کے دلوں پر مہر لگا دینا جس سے وہ اور غافل ہو جائیں گے۔ کیونکہ آدمی جب کوئی حکم احکام الٰہی میں سے ایک بار ترک کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے اور جب دوبارہ ترک کرتا ہے تو دوسرا سیاہ داغ پڑ جاتا

ہے اور اسی طرح داغ پڑتے پڑتے سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر غفلت چھا جاتی ہے اور موت اور گور میں جانے کو بھول کر فسق و فجور میں غرقاب ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس نے توبہ کر لی اور ان چیزوں کے ترک کرنے سے باز آگیا جن کا حکم تھا تو وہ داغ اس کے دل سے ایک ایک کر کے دور ہونے لگتے ہیں جس سے وہ گناہ کرنے سے متنفر ہو جاتا ہے اور اوامر ماموراتِ میں مشغول ہو جاتا ہے جن میں سے ایک جمعہ کی نماز بھی ہے۔ کیونکہ جمعہ کی نماز فرض ہے اور اسکی جمعہ کی نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے

توبہ کا اثر

فرضیت قرآن، سنت اور اجتماع سے ثابت ہے

قرآن کی تو یہ آیت ہے "اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو"۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر الٰہی کے لیے سعی کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اور ذکر الٰہی سے مراد خطبہ ہے اور خطبہ نماز جمعہ کی صحت کی شرط ہے۔ پھر جب خطبہ کے لئے سعی جو نماز جمعہ کی صحت کی شرط ہے واجب ہوئی تو مقصود اصلی یعنی نماز جمعہ کیلئے بطریق اولیٰ واجب اور سزاوار ہوگی

پھر اللہ تعالیٰ نے اس جواز کی تاکید کے لئے بیع مباح کے چھوڑ دینے کا بھی امر کیا اور یہ فرمایا اور ترک کر دو بیع کو اور اس قدر تاکید امر واجب کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی۔

رہی حدیث سو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ہے کہ خوب جان لو اللہ تعالیٰ نے آج کے دن اور اس مہینہ اور اس جگہ تم پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس کے بعد جو کوئی شخص امام کی موجودگی میں خواہ وہ ظالم ہو یا عادل اس کے حق کو ضعیف اور اسکو حقیر سمجھ کر ترک کرے گا خوب سمجھ لو اور خبردار ہو جاؤ کہ نہ اللہ اس کو پریشانی سے نجات و اطمینان دے گا اور نہ اس کی نماز قبول ہوگی نہ زکوٰۃ مقبول ہوگی نہ اسکا روزہ مقبول ہوگا ہاں جو شخص توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیگا۔

اور اجتماع امت یہ ہے کہ تمام امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج کے دن تک اس کی فرضیت پر متفق ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں ہے کہ فرض اصلی آیا ظہر ہے یا جمعہ اور بہر حال کچھ بھی ہو فرض دونوں میں سے ہر ایک کے ادا کر لینے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور نماز جمعہ کے لئے کئی ایسی شرطیں ہیں جو اور نمازوں کی شرطوں سے زیادہ ہیں اور وہ سب بارہ شرطیں ہیں۔ ان میں سے چھ کا تعلق تو مصلی سے ہے اور یہی چھ نماز جمعہ کی وجوب کی شرطیں ہیں اور اس کے ادا اور صحت کی یہ شرط نہیں ہیں

وجوب نماز جمعہ کے لئے شرطیں

اوّل شرط مرد ہونا ہے۔ لہٰذا عورت پر واجب نہیں ہے، دوسرے مقیم ہونا ہے۔ اس لئے مسافر پر فرض نہیں ہے اور جو شخص جمعہ کے دن شہر سے باہر ہو وہ بھی مسافر کے حکم میں ہے۔ تیسرے آزاد ہونا ہے اور اس وجہ سے غلام پر بالاتفاق واجب نہیں ہے اور مکاتب اور ماذون اور اس

غلام کے حق میں جو جامع مسجد کے دروازے پر اپنے آقا کے گھوڑے کی حفاظت کرنے کیلئے حاضر ہو اختلاف ہے۔ چوتھے صحیح وسالم ہونا پس بیمار پر واجب نہیں جبکہ جمعہ میں جانے سے بیماری کے بڑھ جانے یا دیر میں صحت ہونے کا خوف ہو اور اسی طرح پیر فرتوت کا حکم ہے جو چلنے میں ناتواں ہو پانچویں آنکھوں کی سلامتی ہے لہٰذا اندھے پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر کوئی لے جانے والا مل جائے تو واجب ہے۔ چھٹے دونوں پیروں کی سلامتی۔ لہٰذا لنجے پر واجب نہیں۔ اگر ایسا شخص مل جائے جو اپنے اوپر لاد کر جمعہ میں لے جائے اور تیماردار بھی اگر وہ چلا جائے تو مریض کو نقصان وتکلیف ہو بیماری کے حکم میں ہے۔ حیران رہ جاتے اور تیمارداری بھی ایسا عذر ہے جس سے جمعہ میں نہ جانا مباح ہے۔ ایسے ہی کسی ظالم وغیرہ کا خوف اور بارش اور برف اور کیچڑ وغیرہ امور جمعہ کو نہ جانے کو مباح کرتے ہیں لہٰذا وہ لوگ جن میں یہ سب شرطیں پائی نہ جائیں ان پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر جمعہ میں آگئے اور پڑھ لیا تو وقتی فرض کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اور ان میں چھ شرطیں غیر مصلی سے تعلق رکھتی ہیں اور یہی چھ شرطیں ادائے جمعہ اور صحت جمعہ کی شرطیں ہیں

ادائے جمعہ وصحت جمعہ کی شرطیں

پہلی شرط شہر ہے۔ پس جنگل اور گاؤں میں اس کا ادا کرنا جائز نہیں لیکن اگر گاؤں کے اندر جمعہ پڑھا جائے اور تم وہاں موجود ہو تو تم کو جمعہ میں جانا اور علی رضؓ کے قول پر عمل کرنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں ایسی بات سے بچتے رہو جس سے لوگ جلد بدظن ہو جاتے ہوں۔ اگرچہ تمہارے پاس عذر موجود ہو کیونکہ ہر ایک سامع منکر ایسا نہیں ہوتا کہ تم اپنا عذر اس کو سنانے پر قادر ہو خود حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ تہمت کے مواقع میں نہ بیٹھا کرے لہٰ مصر۔ کی تعریف میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جس میں گھر کوچے اور بازار ہوں اور حاکم اور قاضی ہو جو احکام جاری کرتا ہو اور حدود قائم کرتا ہو۔

اور جامع مسجد کا ہونا ادا کرنے کے لئے ضروری شرط نہیں ہے اس واسطے کہ فنائے مصر میں بھی جمعہ جائز ہے اور فنا وہ جگہ ہے جو شہر کے قریب مصالح شہر کے لئے مقرر کیا گیا ہو جیسے گھوڑوں کا باندھنا اور لشکر کا جمع کرنا اور مردوں کا دفن کرنا اور جنازہ کی نماز پڑھنی اور اسی طرح دیگر ضروریات۔

اور خلیفہ اور امیر حاج کو منٰی میں ایام حج میں جمعہ پڑھنا جائز ہے کیونکہ منٰی ایام حج میں تمام شرائط مصر جمع ہو جانے سے مصر ہو جاتا ہے جیسے امیر اور قاضی اور مکانات اور بازار، البتہ ایام حج گذر جانے کے بعد وہ مصر باقی نہیں رہتا اور مصر کا باقی رہنا شرط نہیں۔

اور عرفات میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصر نہیں اور نہ فنائے مصر ہے بلکہ وہ میدان اور جنگل ہے۔ اور ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ مصر میں ایک جگہ کے سوا جمعہ

قائم کرنا جائز نہیں اور اس بنا پر اگر دو یا اس سے زیادہ جگہ پڑھا جائے تو جمعہ ان کا ہوگا جنہوں نے پہلے نیت باندھی ہو اور بعضے کہتے ہیں جو پہلے فارغ ہوں اور بعضے کہتے ہیں جو دونوں میں اوّل ہوں اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کون اوّل ہے تو سب کی نماز باطل ہے اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے یہ ہے اور یہی امام محمدؒ کا بھی قول ہے کہ کئی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے اور ابویوسفؒ کی روایت میں دو جگہ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ ہاں دونوں جگہوں کے درمیان کوئی بڑی نہر حائل ہو جیسے بغداد میں دجلہ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہاں تک کہ ان سے بھی روایت ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے وقت پُل اٹھا دینے کا حکم فرماتے تھے تاکہ وہ جگہ دو شہروں کی طرح ہو جائے اور جس جگہ صحت جمعہ میں تعدد کی وجہ یا مصر میں شک واقع ہونے کے سبب سے اشتباہ ہو تو جب وہاں کے لوگ جمعہ پڑھ چکیں تو مناسب ہے کہ اس کے بعد چار رکعت الگ الگ پڑھ لیں۔ ہر ایک نیت یہ کرے کہ میں اس سب سے آخر ظہر کو پڑھ رہا ہوں جس کا وقت تو مجھ کو ملا ہے لیکن میں نے اب تک ادا نہیں کی ہے اور اس کی اصل بنا پر بیان قنیہ یہ ہے کہ مرد کے باشندے جب وہاں دو جگہ جمع ہونے میں باوجودیکہ علماء کا دو جمعہ کے جواز میں اختلاف تھا مبتلا ہو گئے تو ان کے اماموں نے ہر ایک کو اس نیت سے چار رکعت پڑھنے کا احتیاط کے لئے وجوباً حکم دیا کیونکہ وہ جمعہ جو اس نے ادا کیا ہے اگر جائز نہیں ہوا تو فرض وقتی کے وجوب سے پاک ہو جائے گا اور اگر جمعہ جائز ہو گیا تو پھر اس کے ذمے اگر کوئی اور ظہر قضا ہو گی تو وہ ساقط ہو جائے گی اور اگر اس کے ذمے کوئی ظہر قضا نہیں ہے تو یہ چاروں رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ پس چونکہ اس کے نفل ہونے کا احتمال ہے اس لئے ضرور ہے کہ پچھلی دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھے۔ اس واسطے کہ وہ اگر فرض ہوئیں تو سورت کا پڑھنا کچھ مضر نہیں ہے اور اگر دو رکعتیں نفل ہوئیں تو سورت کا واجب ہے۔ اور دوسری شرط جس کا تعلق غیر مصلی سے ہے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ہے اور وہ متغلب جس کے پاس سلطانی سند نہیں اس کو بھی جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا معاملہ رعیت سے بطور امراء ہو اور ان کے درمیان حاکموں کی طرح فیصلہ کرتا ہو اس لئے کہ ایسا کرنے سے سلطنت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا شرط بھی پائی گئی۔

اور جو شخص جمعہ کے لئے مامور ہے اس کو اپنا خلیفہ کر دینا بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس کو اس کی اجازت نہ ہو اور اس میں عذر ہونے اور نہ ہونے کا کچھ فرق نہیں اور نہ خطبہ اور نماز میں کچھ فرق ہے اور خطبہ کی اذان بھی نماز ہی کی اذان کی طرح ہے اور بالعکس اور قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ لوگوں کو بادشاہ کے حکم کے بغیر جمعہ پڑھائے اور ایسا ہی محتسب کو بھی جائز نہیں کہ لوگوں کو جمعہ پڑھائے۔

پس اگر حاکم شہر مر جائے تو دوسرے حاکم کے مقرر ہونے سے پہلے اگر لوگوں کو نائب یا قاضی یا محتسب

جمعہ پڑھائے تو جائز ہے کیونکہ عوام کا انتظام انہی کے سپرد ہے اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو اور لوگوں نے جمع ہو کر کسی کو امام کر لیا اور اس نے پڑھا دی تو بھی جائز ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کی موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

اور جس کو نماز کی اجازت تھی اگر وہ نماز شروع کر چکا۔ پھر اس کی جگہ دوسرا مقرر ہو کر آیا تو اگر شروع کرنے سے پہلے آگیا ہے تو شروع کرنا صحیح نہیں۔ ان شرطوں میں سے

تیسری شرط وقت ہے۔ اور وقت مشروط ظہر کا وقت ہے۔ لہٰذا دوپہر ڈھلنے سے پہلے جائز نہیں اور نہ وقت عصر آجانے سے جائز ہے اور وقت ختم ہو گیا اور امام نماز ہی میں ہے تو از سر نو ظہر کو پڑھے۔ اسی کو بڑھا کر ظہر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دونوں مقدار اور شرطوں میں مختلف ہیں۔ ان شرطوں میں سے چوتھی شرط خطبہ ہے۔ اور خود خطبہ کی بھی ایک شرط اور ایک رکن اور ایک واجب اور ایک سنت ہے۔ خطبہ کی شرط تو یہ ہے کہ وقت کے اندر جماعت کے سامنے اگر کوئی مانع نہ ہو۔ ایسی آواز سے پڑھا جائے کہ اس کے پاس کے لوگ سن لیں حتیٰ کہ اگر قبل از وقت پڑھ لیا یا لوگوں سے آنے سے پہلے پڑھ لیا تو یہ صحیح نہیں ہے اور خطبہ کا رکن یہ ہے کہ خطبہ کی نیت سے مطلق خداوند تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر خطبہ کی نیت سے الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لاالہ الا اللہ کہے تو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک کافی ہے اور اگر چھینک یا تعجب سے کہا تو کافی نہیں ہے۔ اور صاحبین رح کے نزدیک ذکر دراز ضروری ہے جس کو عرف میں خطبہ کہتے ہوں اور وہ تین آیتوں کی مقدار ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ تشہد یعنی التحیات للہ سے لے کر عبدہ ورسولہ تک کی مقدار ہے کیونکہ خطبہ بالاجماع واجب ہے اور صرف ایک بار الحمد للہ اور ایک بار سبحان اللہ اور ایک بار لاالہ الا اللہ کہنا خطبہ نہیں کہلاتا اور خطبہ کا واجب طہارت اور کھڑا ہو کر پڑھنا اور ستر عورت ہے اور سنت یہ ہے کہ دو خطبے ہوں اور دونوں کے درمیان ایک جلسہ ہو اور ہر ایک خطبہ حمد اور تشہد اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود کو شامل ہو اور پہلا خطبہ تلاوت آیت اور نصیحت کو اور دوسرا وعظ کے بدلے مسلمان مرد اور عورتوں کے حق میں دعا کو شامل ہو اور ان شرطوں میں سے

پانچویں شرط جماعت ہے اور جماعت میں امام کے سوا کم از کم تین آدمی ہوں اور ان کا مرد اور عاقل بالغ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا صرف عورتوں اور بچوں اور دیوانوں سے جمعہ نہیں ہوتا ہاں ان کا آزاد یا مقیم ہونا شرط نہیں اور اس بنا پر غلاموں اور مسافروں سے جمعہ ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک پہلے سجدہ تک سب کا باقی رہنا شرط ہے۔ لہٰذا اگر سجدہ سے پہلے ہی بھاگ جائیں یا کسی اور سبب سے تین سے کم رہ جائیں تو پھر از سر نو ظہر پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک اگر بعد تکبیر تحریمہ بھی چلے جائیں جب بھی جمعہ پورا کرلے اور ان شرطوں میں سے

چھٹی شرط اذن عام ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد کا دروازہ کھول دیا جائے اور لوگوں کو آنے کی اجازت دی جائے یہاں تک کہ مسجد میں جمع ہو کر دروازہ بند کر کے جمعہ کی نماز پڑھیں تو جائز نہیں اور ایسے ہی اگر سلطان نے اپنے محل کا دروازہ بند کر لیا اور اپنی فوج کے ہمراہ نماز پڑھی تو جائز نہیں ہے کیونکہ جمعہ شعائر اسلام اور دین کے خاص امروں میں سے ہے لہٰذا اسکو لامحالہ بطریق شہرت ادا کرنا چاہیئے اور اگر اپنے محل کا دروازہ کھولدے اور لوگوں کو اجازت آنے کی اد دے تو جائز ہے خواہ کوئی اس میں آئے یا نہ آئے لیکن جامع مسجد کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے یہ مکروہ ہے۔ پس جب یہ سب شرطیں پائی جائیں تو اصح قول کی بنا پر سعی اور بیع کا ترک کرنا پہلی اذان پر واجب ہے یعنی وہ اذان جو منارہ پر وقت ہو جانے کے بعد ہو جاتی ہے

اذان سے سعی اور بیع کا ترک اور سنت و بدعت اذان

کیونکہ آج یہی اذان معتبر ہے۔ اگرچہ نو ایجاد ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی جیساکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اور آپ کے بعد دونوں امام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ زوال کے بعد اذان سے پہلے منبر پر چڑھ جاتے اور مؤذن ان کے سامنے اذان کہتا لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت بھی ہو گئی تو ان کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ امام کے منبر پر جانے سے پہلے ہی مؤذن اذان کہا کرے تاکہ لوگوں تک آواز پہنچ جائے اور وہ آجائیں اور ایک دوسری اذان جو ایک گھر پر جو مدینہ کے بازار میں مسجد کے پاس تھا اور جس کو زورا کہتے تھے بڑھا دی اور یہ اذان بھی نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ لازم کر لو اپنے اوپر میرا طریقہ اور میرے بعد خلفائے راشدین کا طریقہ سنت ہے۔

رہی وہ اذان جو چاشت کے وقت اس اطلاع کے لئے ہوتی ہے کہ آج جمعہ کا دن ہے سو یہ بدعت ہے اس کو حجاج نے ایجاد کیا تھا جیساکہ کتاب مجمع الفوائد میں مذکور ہے۔

اور حاصل یہ ہے کہ جو اذان دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہو وہ غیر معتبر ہے بلکہ معتبر وہ پہلی اذان ہے جو دوپہر ڈھلنے کے بعد ہوتی ہے۔ اسی لئے کہ اسی سے اعلام حاصل ہوتا ہے پس جس پر جمعہ واجب ہے اس پر اس اذان کے بعد جمعہ کے لئے کوشش کرنا لازم ہے اور جب جامع مسجد میں پہنچ جائے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعت جمعہ کی رکعتیں پڑھے اور جب امام منبر پر جانے کو متوجہ ہو تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک نماز اور بات چیت سب حرام ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ خطبہ تمام ہو جائے اور صاحبینؒ کے نزدیک خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

اذان جمعہ سے نماز جمعہ کے درمیان معمولات

اور جب منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن اس کے سامنے دوسری اذان کہے اور جب اذان تمام ہو جائے تو امام کھڑا ہو کر دو خطبے پڑھے اور دونوں کے درمیان ہلکے سے جلسے کا فاصلہ کرے جس کی مقدار یہ ہے

کہ بدن کا ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ پر درست ہو جائے اور لوگوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ خطبہ کے وقت امام کی طرف منہ کر کے بیٹھیں لیکن آجکل رسم یہی ہے کہ رو بقبلہ بیٹھتے ہیں ورنہ صفیں سیدھی کرنے میں زیادتی مجمع کے سبب وقت ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہدایہ کی شرح میں جو سروجی کی ہے مذکور ہے اور جب

نماز جمعہ

خطبہ پڑھ چکے اور مؤذن تکبیر کہنے لگے تو امام منبر پر سے اترے اور لوگوں کو دو رکعت نماز جمعہ پڑھائے اور اگر جمعہ کی صحت میں کئی جگہ ہونے یا مصر میں شک ہونے کے سبب سے کچھ شبہ پیدا ہو جائے تو اس کے بعد ہر ایک آدمی الگ الگ چار رکعت پچھلی ظہر کی نیت سے پڑھے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

پھر سنت کی نیت سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چار رکعتیں اور صاحبینؒ کے نزدیک چھ رکعت

مسبوق کی نماز جمعہ

پڑھے اور جس نے امام کو نماز جمعہ میں پایا۔ اگرچہ تشہد یا سجدہ سہو میں ہو تو امام کے ساتھ پڑھے جس قدر پایا ہو پڑھ کر نماز جمعہ پوری کرے اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر دوسری رکعت کے رکوع میں پایا ہے جب تو نماز جمعہ پوری کرے اور اگر دوسری رکعت میں امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ملا ہے تو اب ظہر کی نماز پوری کرے اور جس کو کوئی عذر نہیں ہے۔ اگر وہ قبل اس کے کہ امام جمعہ

بلا عذر نماز جمعہ چھوڑنے کا حکم

کی نماز پڑھے ظہر کی نماز پڑھ لے تو اس کی ظہر صحیح ہے لیکن جمعہ چھوڑنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور معذور لوگوں کو اور قیدیوں کو مصر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی مکروہ

معذور لوگوں کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے

ہے۔ نماز جمعہ سے امام کی فراغت سے پہلے ہو یا اس کے بعد کیونکہ جمعہ تمام جماعتوں کا جمع کرنے والا ہے اور ظہر کو جماعت سے پڑھنے میں جمعہ کی جماعت کی تفریق ہے اور اس میں کمی ڈالنا ہے۔ بخلاف گاؤں والوں کے اس لئے کہ نہ ان پر جمعہ فرض ہے اور نہ ظہر کو باجماعت پڑھنا جمعہ کی تفریق جماعت کا اور نہ اس کی کمی کا سبب ہے لہٰذا جمعہ کا دن ان کے حق میں اس معنے کر کہ ظہر کی ادا جماعت سے بلاکراہت جائز ہے اور دنوں ہی کی طرح ہے اور بیمار کو مستحب ہے کہ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے قبل ظہر نہ پڑھے اس واسطے کہ ہر آن میں صحت کی امید ہے اور جو شخص جمعہ میں آیا اور مسجد بھری ہوئی پائی اور لوگوں کو پھلانگ کر مسجد میں جانے کا ارادہ کیا تو اگر پھلانگنے سے ان کو ایذا ہوتی ہو تو ایسا نہ کرے اور اگر کسی کو کچھ ایذا نہ

جمعہ میں شرکت کے لئے لوگوں کو پھلانگنے کی شرطیں

ہو یعنی نہ پاؤں تلے کسی کا کپڑا دبے اور نہ کسی کا کچھ بدن تو کچھ مضائقہ نہیں کہ پھلانگ جائے اور امام سے قریب ہو جائے اور فقیہ ابو جعفر حنفی علماء سے نقل کرتے ہیں کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہ کیا ہو پھلانگنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر خطبہ شروع کر دیا تو مکروہ ہے۔ پس اس بنا پر پھاندنے کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کو ایذا نہ ہو اور دوسرے یہ کہ امام خطبہ میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل کرنا اپنے لطف اور کرم سے آسان فرمائے۔

پچپاسویں مجلس مصافحہ اور اس کی کیفیت اور طرز اور اس کے فائدے اور بے محل اسکے بدعت ہونے کے بیانمیں

مسلمانوں کے باہم مصافحہ کرنے کا اجر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے کوئی دو مسلمان نہیں کہ ملیں اور مصافحہ کریں مگر دونوں جدا ہونے سے پہلے بخشے جاتے ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں تو ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ براء بن عازب نے روایت کیا ہے اور فاء اس میں ایسا لفظ ہے جو تعقیب کے لئے خاص ہے اور مصافحہ کے ملاقات سے بعد ہی ہونے کو مقتضی ہے اور تصافح بنا بر بیان صحاح جوہری مصافحہ کو کہتے ہیں۔ پس اپنے مسلمان بھائی کو ملنے کے وقت مصافحہ کا مشروع ہونا ثابت ہوا اور یہ ان دونوں کے درمیان سلام کا تتمہ ہے جیسا کہ ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے آپس کے سلام مصافحہ سے پورے ہوتے ہیں۔ یہ حدیث بھی ملاقات کے وقت مصافحہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصافحہ کو سلام کا تتمہ ٹھہرایا ہے اور تحیات تحیہ کی جمع ہے اور تحیہ سلام کو کہتے ہیں اور سلام ملاقات ہی کے وقت ہوتا ہے اور ایسے ہی جو چیز سلام کا تتمہ ہو اس لئے مناسب ہے کہ مصافحہ اسی جگہ ہوا کرے جہاں اس کو شرع نے قائم کیا ہے اور اس کی سنتوں کی رعایت کی جائے اور

مصافحہ کا مسنون طریقہ اور اس میں بدعات مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو اور وقت ملاقات کے علاوہ جیسے نماز جمعہ اور عیدین کے جیسا کہ اس زمانے میں عادت ہے تو یہ چونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے بلا دلیل ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ جس امر کی کچھ دلیل نہ ہو وہ مردود ہے۔ اس میں تقلید جائز نہیں بلکہ وہ روایت جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس کو رد کرتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو دین میں سے نہیں ہے سو وہ سب رد ہے یعنی مردود ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی پیروی جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول تم کو جو دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے کہ پس چاہیئے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا

پہنچے ان کو کوئی دردناک عذاب۔ علاوہ ازیں حنفی، شافعی، مالکی فقہاء نے اس کے مکروہ اور بدعت ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔ ملتقط میں ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ بہرحال مکروہ ہے۔ اس لئے کہ صحابہؓ نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا اور اس لئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے اور ابن حجر شافعی کہتے ہیں کہ یہ جو لوگ پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کیا کرتے ہیں بدعت مکروہہ ہے۔ شریعت محمدیہ میں اس کی کچھ اصل نہیں اس کے کرنے والے کو اول بتلایا جائے کہ یہ بدعت مکروہہ ہے اور اگر پھر کرے تو تنبیہ کرنی چاہئے اور ابن الحاج مالکی مدخل میں کہتے ہیں کہ امام کو چاہئے کہ لوگوں نے جو مصافحہ نماز فجر اور نماز جمعہ اور نماز عصر کے بعد ایجاد کیا ہے بلکہ بعضے تو بڑھا کر پنجگانہ نماز کے بعد بھی کرنے لگے ہیں اس سے منع کر دے کیونکہ یہ سب بدعت ہے اور شرع میں مصافحہ کا موقع صرف مسلمان کے اپنے بھائی سے ملاقات کا وقت ہے نہ کہ نمازوں کے بعد پس جس جگہ شرع نے مقرر کیا ہے اسی جگہ رکھنا چاہئے اور مصافحہ سے منع کرنا چاہئے اور اس کے کرنے والے کو جبکہ خلاف سنت کرنے لگے زجر کرنا چاہئے۔ فقہا کی تصریح سے اجماع معلوم ہوتا ہے پس مخالفت جائز نہیں بلکہ اتباع لازم ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے طریقہ کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا تو ہم اس پر وہی بات ڈالیں گے جو اس نے اختیار کی ہے اور دوزخ میں ڈالیں گے اور دوزخ بہت بری ہے اور وہ جو نووی نے اذکار میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اس سے بظاہر نماز صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کا مباح ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع وہ مضمون ہی اس کا غیر مشروع ہونا ظاہر کرتا ہے کیونکہ نووی نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے سنت

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اور مستحب ہونے کے بعد یہ کہا ہے اور وہ جو لوگوں نے نماز صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کی عادت کر لی ہے سو شرع میں اس طور پر اس کی کچھ اصل نہیں لیکن اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اب دیکھو خود اقرار کیا ہے کہ شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور اس اقرار کے بعد ان کا وہ قول کچھ مفید نہیں جو اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں آخر تک اور اگر فقہا اس مصافحہ کو صاف مکروہ نہ کہتے بلکہ فی نفسہ مباح ہی ہوتا جب بھی ہم اس زمانے میں اس کے مکروہ ہونے کا حکم لگاتے کیونکہ لوگ اس کو ہمیشہ کرتے ہیں اور ضروری سنت جانتے ہیں کہ اس کا ترک کرنا جائز نہیں سمجھتے یہاں تک کہ ہم کو ایک ایسے شخص سے جو صاحب علم مشہور ہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہیں جو ایمان والا ہے اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہے۔ پس اے انصاف والو دیکھو جب خواص کا یہ اعتقاد ہو تو عوام کا اعتقاد کیا ہو گا اور ہر امر مباح جو اس حد کو پہنچ جائے وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعضے فقہا نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا رواج ہو گیا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا کہ واجب

اعتقاد کر لینے کی نوبت نہ پہنچ جائے باوجودیکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں اس کے بارے بہت سی حدیثیں آئی ہیں تو پھر بھلا مباح اور مکروہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال اور کیا گمان ہے اور یہ منہیں ہے مگر وہی فتنہ جس کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسا فتنہ آئے گا جس میں ادھیڑ بڈھا اور صغیر جوان ہو جائے گا۔ لوگوں میں ایسی بدعت پھیل جائے گی کہ اس کو سنت سمجھ لیں گے۔ اگر اس کو بدلو تو کہیں گے سنت بدل ڈالی یا کیا یہ بری بات ہے۔ ابن قیم نے اپنی کتاب آغاثہ میں لکھا ہے کہ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب خلافِ سنت کسی عمل کا رواج ہو جائے تو نہ اس کا کچھ اعتبار ہے اور نہ وہ التفات کے قابل ہے اور خلاف سنت عمل تو مدتِ دراز سے جاری ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اب تم کو ضروری ہے کہ نئی نئی باتوں سے بہت ہی ڈرتے رہو اگرچہ اس پر جمہور کا عمل و اتفاق ہی ہو۔ اور ان امور پر جو صحابہؓ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں ان کا اتفاق فریب میں نہ دے بلکہ تم کو یہ مناسب ہے کہ ان کے اعمال اور احوال کی تفتیش پر حریص بنے رہو۔ کیونکہ

فتنۂ بدعت اور مسلمان کا عمل

سب لوگوں سے علم میں زیادہ اور مقرب خدائے تعالیٰ کا وہی ہے جو صحابہؓ سے بہت مشابہ اور انکے طریقے سے خوب واقف ہو کیونکہ دین انہی سے حاصل ہوا ہے اور شریعت کے صاحب شرع سے نقل کرنے میں وہ ہی اصل ہیں۔ لہٰذا تم کو مناسب ہے کہ اس کی کچھ پروانہ کرو کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کی موافقت کرنے میں اپنے زمانے کے لوگوں سے مخالفت ہوگی اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑ جائے تو بڑے گروہ کے ساتھ رہو۔

عبدالرحمٰن بن اسماعیلؒ جو ابو شامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں جس جگہ لزوم جماعت کا حکم آیا ہے اس سے حق کا لازم کر لینا اور اس سے اتباع مراد ہے۔ اگرچہ وہ تھوڑے لوگ ہوں اور مخالف حق بہت ہوں۔ کیونکہ حق وہ ہی ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہؓ تھے اور ان کے بعد اہل باطل کی کثرت کا کچھ اعتبار نہیں۔

اور فضل بن عیاضؒ کا مقولہ ہے کہ جس کا یہ مطلب ہے کہ ہدایت کی راہوں کو لازم کر لو۔ راہ چلنے والوں کی کمی تمکو مضر نہیں اور گمراہی کی راہ سے دور رہو اور ہالکین کی کثرت سے دھوکہ نہ کھانا۔

اور ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ آج تو کاموں میں جلدی کرنے والا ہی تم میں بہتر ہے۔ لیکن عنقریب تمہارے بعد ایسا زمانہ آتا ہے کہ ان میں بہتر وہی ہوگا جو بسبب کثرت شبہات توقف کرے۔

امام غزالی کہتے ہیں بے شک ابن مسعودؓ نے سچ فرمایا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانے میں توقف نہ کرے گا اور جمہور کی موافقت کر کے جس بات میں وہ پڑے ہیں اور جس میں وہ گھسے ہیں یہ بھی گھس

جائے گا تو جیسے وہ ہلاک ہوئے ہیں یہ بھی ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اصل دین اور اس کی خوبی اور ثبات کثرت عبادت اور تلاوت اور بھوک کے مجاہدہ وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ دین کو ان تمام آفات اور صدمات سے بچانے میں ہے جو دین پر آتی ہیں یعنی بدعتیں اور نئی نئی باتیں جس سے دین میں تبدل اور تغیر پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کثرت اور رواج کی وجہ سے گویا دین کی نشانیاں بن گئی ہیں یا ہمارے اوپر ان کا عمل فرض ہے۔ کاش ہم ان کو بدعت ہی جانکر کرتے ہوتے۔ اس واسطے کہ اگر ایسا ہوتا تو توبہ استغفار کی تو امید ہوتی لیکن ہم نے تو ان کو طاعت اور عبادت بنا رکھا ہے اور دین ٹھہرا لیا ہے اور ان لوگوں کی پیروی کرنے لگے ہیں جن سے سہو یا غفلت یا غلطی ہوگئی ہے ان لوگوں کے بعد جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہم نے اسکو اپنے دین کا پیشوا ٹھہرا لیا ہے۔ اب اگر کوئی آکر ہم کو ان باتوں کو جن کو ہم نے اختیار کر رکھا ہے منع کرتا ہے تو اس کی اگر ہمارے دل میں عزت ہوتی ہے تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ صاحب یہ تو جائز ہے اس کے جواز کا فلاں شخص قائل ہے اور اس کے رو برو ہم بعض ان متقدمین کا نام جن سے سہو یا غفلت یا غلطی ہوگئی ہے لے لیتے ہیں اور اگر وہ مانع ایسا ہے کہ ہمارے دل میں اس کی کچھ عزت نہیں تو ہم اسے ایسے برے الفاظ کہتے ہیں جس کا نہ اس کو گمان ہوگا اور نہ اس کے دل میں گذرے ہوں گے اور یہ سب ہمارے جہل مرکب کے سبب سے ہے کیونکہ اگر ہم اپنے دل میں اپنی جہالت کو سمجھتے تو جو شخص ہمیں حق کا راستہ بتاتا ہے اس کا جواب بے شک مان لیتے اور اس سہو اور غفلت اور غلطی کرنے والے کو اپنے دین کی حجت نہ بناتے اس واسطے کہ انسان کو اپنے دین میں صاحب شریعت کے یا اس کے سوا جس کے حق میں اس صاحب شریعت نے بھلائی کی گواہی دی ہو کسی کی پیروی نہ کرنا چاہیئے۔ اس کی پیروی جس کے حق میں صاحب شریعت نے کذب کی گواہی دی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے سے منع کیا ہے کبھی نہ چاہیئے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ سب زمانوں سے وہ بہتر زمانہ ہے جس میں میں مبعوث ہوا ہوں۔ پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں یعنی تبع تابعی پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ لہذا تم ان کے قول و فعل پر بھروسا نہ کرنا کیونکہ ان کے بعد جو آیا ہے بدعت کو بھی کہتا ہے کہ یہ مستحب ہے اور اس پر ایک دلیل بھی ان کے اصول کے مخالف قائم کر دیتا ہے اور یہ مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ غیر کی تقلید

تقلید صرف مجتہد کی جائز ہے

اور پیروی صرف حسن ظن سے اس ہی کی جائز ہے جو مجتہد اور عادل ہو نہ اس کی جو خود مقلد ہو لیکن چونکہ مدت دراز سے اجتہاد منقطع ہو گیا ہے لہذا مجتہد کے مذہب جاننے کا طریقہ کسی معتبر کتاب سے جو علماء سے مروج ہو نقل کرنے میں یا ایسے عادل کی خبر دینے میں منحصر ہے جس کے علم اور عمل کا اعتبار ہو۔ لہذا ہر کتاب پر عمل کرنا جائز نہیں کہ اس زمانے میں ایسی کتابیں ظاہر ہو گئی ہیں کہ جن کو غیر معتبر لوگوں نے جمع کیا ہے اور نہ ہر عالم کے قول پر کیونکہ بعد

قرون ثلثہ کے لوگوں میں فسق غالب ہوگیا ہے اور شخص مستور بھی فاسق کے حکم میں ہے۔ پس ایسی عدالت ضرور ہونی چاہیئے جس سے صدق کی جانب کو ترجیح ہو جائے تاکہ اس کا قول دیانات میں مقبول ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل اپنے لطف وکرم سے ہم پر آسان فرما۔

اکیاونویں مجلس کتاب اور حدیث اور اجماعِ اُمّت سے نماز کی فرضیت اور تارکِ نماز کی وعید کے بیان میں

بندے اور کفر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ درمیان بندے اور کفر کے صرف نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اسے جابر بن عبداللہ نے روایت کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کے کفر تک پہنچ جانے میں صرف نماز چھوڑ دینے کا فرق ہے۔ یعنی جب تک نماز پڑھتا ہے تو بندہ مومن ہے اور جب نماز چھوڑ دے تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے

نماز اسلام کا ضروری رکن ہے

معلوم ہوا کہ نماز اسلام کا بڑا ضروری رکن ہے اور بہشت میں جانے کا بڑا ضروری وقوی ذریعہ ہے اور نماز ہر ایک مسلمان صاحب عقل بالغ پر فرض ہے خواہ

نماز ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے

مرد ہو یا عورت ہاں کافر اور دیوانے اور بچے پر فرض نہیں ہے۔ لیکن بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیں اور جب دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارنا چاہیئے جیسا کہ ایک روایت میں نبی علیہ السلام کا

بچے کو نماز پڑھانے کا حکم

ارشاد ہے کہ اپنے بچوں کو جب وہ سات برس کے ہوں نماز کا حکم کرو اور جب وہ دس برس کے ہوں۔ اگرچہ بچوں پر نماز فرض نہیں ہے لیکن دس برس کی عمر ہو جانے پر نماز چھوڑنے سے سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ابھی سے ان کو نماز کی عادت اور نماز سے محبت پیدا ہو جائے تاکہ بڑے ہو کر نماز ترک نہ کریں اور فرضیت نماز قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "بے شک نماز ایمان والوں پر

قرآن حدیث سے نماز کی فرضیت کا ثبوت

فرض وقت مقرر کی ہوئی ہے اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نماز فرض ہے اور اوقات معینہ کی اس کے لئے حد مقرر کر دی گئی ہے بلا عذر وقت سے ٹال دینا ہرگز جائز نہیں جیسا کہ روایت میں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا پھر قضا کی تو اس پر دوزخ میں کئی حقبہ عذاب کیا جائے گا اور حقبہ اسی برس کو کہتے ہیں اور برس تین سو ساٹھ دن کا جس میں سے ہر ہر دن

ہزار ہزار برس کے برابر ہوگا اور وہ عذر شرعی جس سے نماز کا وقت سے ٹالنا مباح ہوجاتا ہے، چھ چیزیں ہیں ایک بھول جانا، دوسرے سو جانا تیسرے بیہوشی چوتھے دیوانگی پانچویں حیض چھٹے نفاس اور بجز ان عذرات مذکورہ کے نماز کو وقت سے مؤخر کر دینا جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ذخیرہ میں مذکور ہے کہ اگر حاملہ عورت کے بچے کا سر نکل چکا ہو اور نماز کا وقت جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو اگر وضو کر سکتی ہو تو وضو کرے ورنہ تیمم کرکے بچے کا سر ہنڈیا یا گڑھے میں رکھ دے اور نماز بیٹھ کر رکوع اور سجود سے ادا کرے اور اگر رکوع و سجود کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کرکے پڑھے یعنی عورت بقدر اپنی طاقت کے نماز ادا کرے اور نماز کو نہ چھوڑے کیونکہ نماز جب تک کہ وہ صاحب نفاس نہ ہو ساقط نہیں ہوتی اور نفاس بچے کے اکثر حصے اور خون نکلنے سے ثابت ہوتا ہے اور ایسے ہی جو دریا کے اندر تختہ پر گر پڑا اور نماز کا وقت چلے جانے کا اندیشہ ہو تو اعضائے وضو کو وضو کی نیت سے پانی میں داخل کرے۔ پھر اشارہ سے نماز پڑھ لے۔ اور نماز کو نہ چھوڑے اور ایسے ہی جس کے دونوں ہاتھ سن ہو گئے ہوں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نہ ہو جو وضو یا تیمم کرائے تو وہ اپنا منہ اور ہاتھ تیمم کی نیت سے دیوار پر ملے اور نماز پڑھے اور اس کو نماز کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ وقت سے مؤخر کرنا تو کیا عقلمند آدمی کو ان مسائل میں جو فقہا نے بیان کئے ہیں غور و فکر کرنے سے سوائے اس صورت کے جس میں بالکل قدرت نہ ہو بلا کوئی عذر چھوڑ دینا تو بڑی بات ہے۔ نماز کو وقت سے مؤخر کر دینا بھی ناجائز ہے۔ حاصل یہ کہ مکلف کو نہ نماز ترک کرنے کی گنجائش ہے اور نہ وقت سے تاخیر کرنے کی جبکہ وقت پر ادا کرنا ممکن ہے جس طرح سے ہو۔ یہ تو نماز کے فرض وقت ہونے کا بیان ہے۔ رہا پنجگانہ ہونا سو اس آیت سے ثابت ہے کہ محافظت کرو نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی اور یہ آیت فرض نمازوں کے ہونے کی قطعی دلیل ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایسا مجموعہ فرض کیا ہے جس کے ساتھ درمیانی نماز بھی ہو اور کم سے کم جمع سالم جس کے ساتھ درمیان بھی ہو چار ہیں نہ کہ تین پس ان نمازوں کی محافظت کا حکم جن کے ساتھ درمیانی نماز بھی ہو بالضرور پانچ نمازوں کا حکم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا ہے "اللہ کی پاکی بیان کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو اور اسی کو حمد ہے آسمان اور زمین میں اور شام کے وقت اور جب دوپہر کرو"

وقت مقررہ سے مؤخر کرنے والے شرعی عذر

عذر شرعی کے بغیر نماز کا ترک کرنا یا تاخیر جائز نہیں

قرآن حدیث اور اجماع امت سے پانچ نمازوں کا ثبوت

اور ان اوقات میں تسبیح کے حکم کرنے سے ان میں نماز کا حکم کرنا مراد ہے جزو کو ذکر کرکے کل مراد لیتے ہوئے یہ کہا گیا کہ خدا کی نماز ان اوقات میں ادا کرو۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا "کیا تم پانچوں نمازوں کا حکم قرآن میں پاتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اور یہ آیت پڑھ دی۔ لہذا اس قول الٰہی میں حین تمسون سے

مغرب اور عشا کی نماز مراد ہے اور حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ سے فجر کی نماز اور عَشِيًّا سے عصر کی اور قول باری حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔

رہی فرضیت نماز کی حدیث سے دلیل سو نبی علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر مرد مسلم اور عورت مسلمہ پر ہر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں"

اور یہ حدیث احادیث مشہورہ میں سے ہے۔ جس سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

رہا اجماع تو وہ یہ ہے کہ تمام امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج کے دن تک پانچ نمازوں کے فرض ہونے پر متفق ہے۔ لہٰذا جبکہ نماز کی فرضیت ان دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکی تو اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔

نماز چھوڑنے والے کے لئے سخت وعیدیں

نماز چھوڑنے والے کیلئے سخت وعیدیں اور شدید دھمکیاں آچکی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ روایت بھی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "جس شخص نے نماز قصداً ترک کی وہ کھلم کھلا کافر ہو گیا" اور ایک دوسری حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "قصداً نماز نہ چھوڑ ے کیونکہ جس نے نماز چھوڑی وہ دین سے باہر ہو گیا" اور ایک اور حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "نماز دین کا ستون ہے" پس جس نے نماز قائم رکھی اس نے گویا دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے گویا دین کو گرا دیا۔"

پس ایسی ایسی وعیدوں کے آنے کی وجہ سے اس کے قصداً چھوڑنے والے کے کفر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحابہؓ میں سے ایک جماعت اور ان کے بعد کے کچھ لوگ تو کفر کے قائل ہیں۔ وہ صحابہؓ تو یہ لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور معاذ بن جبلؓ اور جابر بن عبد اللہ اور ابو الدرداءؓ اور ابو ہریرہؓ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے لوگ یہ ہیں۔ احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ اور عبد اللہ بن المبارک اور نخعی اور حکم بن عتبہ اور ابو ایوب سختیانی اور ابو داؤد طیالسی اور ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ، اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا

نماز چھوڑدینے والا کافر نہیں ہوجاتا

اور جو حدیثیں نماز چھوڑنے والے کے کفر پر دلالت کرتی ہیں انکو بطور انکار ترک کرنے یا تنبیہ اور وعید پر محمول کرتے ہیں یعنی مومن کی شان نہیں کہ نماز کو ترک کرے اور اس کے کافر نہ ہونے پر ان کی دلیلوں میں سے ایک دلیل نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور وقت پر ان کو ادا کیا اور ان کے رکوع اور سجود اور خشوع کو کامل طرح سے ادا کیا تو اس کو بخشدینا اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ایسا نہ کیا اس کا اللہ پر کچھ حق نہیں۔ چاہے اسکو بخشدے چاہے اسکو عذاب دے۔ پس نبی علیہ السلام کا یہ قول کہ اگر چاہے اسکو بخشدے اُسکے کافر نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ کافر کی مغفرت نہ ہونے پر اجماع ہے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" البتہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جس

گناہ کو چاہے معاف کر دیتا ہے۔" نیز فقہاء نے بلا عذر قصداً نماز چھوڑنے والے کی سزا میں بھی
اختلاف کیا ہے۔ حماد بن زیدؒ اور مکحولؒ اور شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ اور مالکؒ تو کہتے ہیں کہ قصداً بلا عذر
نماز چھوڑنے والا قتل کر دیا جائے۔ اتنا فرق ہے کہ احمدؒ کے نزدیک کفر کی وجہ سے قتل ہوگا اور ان کے
سوا اور لوگوں کے نزدیک سزا کے سبب سے قتل ہوگا نہ کفر کے سبب سے اور ان احادیث کو جو

بلا عذر قصداً نماز چھوڑنے والے کی سزا

بے نمازی کے کفر پر دلالت کرتی ہیں اس معنے پر محمول کیا ہے
کہ وہ کفر کی سزا کا مستحق ہے اور کفر کا بدلہ دنیا میں قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے
نزدیک نہ کافر ہے نہ قتل ہوگا بلکہ ہمیشہ قید رکھا جائے گا اور بعضے کہتے ہیں کہ تارک نماز کو یہاں تک
ماریں کہ خون نکلنے لگے تاکہ خوب تنبیہ ہو جائے اور بعضے کہتے ہیں اتنا مارا جائے کہ یا نماز پڑھنے لگے یا
مرجائے اور بعضے کہتے ہیں کہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو مال واسباب کی ضبطی کی سزا دی جائے طمع کا خیال
نہ ہو کیونکہ ضبطی جائیداد کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ اس کا مال لے کر رکھ لے یہاں تک کہ
وہ توبہ کرے اور جب توبہ کرے تو وہ مال اسکو واپس کر دے جیسے باغیوں کے مال میں حکم ہے
اور اگر توبہ سے مایوسی ہو جائے تو پھر جہاں مناسب سمجھے صرف کر دے۔ پس اس بیان کی رو سے

مومن پر نمازوں کی محافظت لازم ہے

مومن پر واجب ہے کہ پانچوں نمازوں کی ادائیگی کی محافظت
کرے اور جیسا حکم ہے ان کو اسی طرح ادا کرے۔ اچھی طرح وضو کرکے اور وقتوں کی رعایت سے
رکوع اور سجود کامل طرح کر کے نہایت فروتنی سے اور اگر ان میں سے کسی امر میں غفلت ہو جائے تو

سنن ونفل نمازوں کی اہمیت

سنن اور نوافل میں خوب کوشش کرنی چاہیے اور اس میں ہرگز
سستی نہ کرے تاکہ اسی سے اسکے فرض کامل ہو جائیں۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا
ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے حقوق اللہ میں سے جس کا حساب لیا جائے گا
وہ نماز ہے پس اگر وہ پوری نکلی تو پوری لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ نقصان نکلا تو اللہ تعالیٰ
فرمائے گا دیکھو تو اس بندے کی کچھ نفلیں بھی ہیں پس اگر اس کی نفلیں ہونگی تو فرض جس کو خراب
کر دیا تھا نفلوں سے پورا کر دیا جائے گا یعنی جس نے فرض نماز پڑھی تھی اور اس میں کچھ نقصان ہو
گیا تھا تو وہ نقصان اگر نفلیں ہونگی تو نفلوں سے پورا کر دیا جائے گا۔ لیکن جو فرضوں کو ٹھیک نہ پڑھے
گا بھلا وہ نفلوں کو کب ٹھیک پڑھے گا بلکہ وہ تو خراب تر ہونگی کیونکہ نفلیں لوگوں کی نظروں میں بہت
خفیف ہوتی ہیں اور ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے جیسا کہ اکثر لوگ جن کو لوگ عالم خیال کرتے ہیں

نماز میں تعدیل ارکان فرض وواجب ہیں

دیکھے جاتے ہیں کہ وہ اپنی نفلوں بلکہ فرضوں میں بھی
ارکان کی تعدیل چھوڑ دیتے ہیں اور مرغ کی سی ٹھونگیں مارتے ہیں تو بھلا عوام کا کیا کہنا جو جانوروں
کی طرح نہ دین کو جانتے ہیں نہ اسلام کو۔ حالانکہ تعدیل ارکان امام ابو یوسفؒ اور امام شافعی رح کے

نزدیک فرض ہے۔ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد رح کے نزدیک واجب ہے اور امام کرخی رح کی روایت میں ہے کہ اس کے ترک سے نماز باطل نہیں بلکہ اگر بھول کر ترک کیا تو سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ اور اگر قصداً ترک کیا ہے تو گناہ ہے اور دوہرا کر پڑھنا واجب ہے جیسا کہ ہر اس نماز کا جو کراہت تحریمی سے ادا کی جائے حکم ہے اور تعدیل جرجانی کی روایت میں سنت ہے۔ پس اس روایت کے موافق نہ سہواً چھوڑنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے اور نہ عمداً چھوڑنے سے دوہرانا واجب ہوتا ہے بلکہ دوہرانا مستحب تو ہے لیکن اسی کے ساتھ عتاب اور محرومی شفاعت کا سزاوار ہے۔ پس جب یہ حال ہے تو جو شخص نفلیں بغیر تعدیل ارکان کے پڑھتا ہے تو روایت وجوب کی بنا پر وہ گنہگار عذاب دوزخ کا مستحق ہے اور اس پر دوہرانا واجب ہے اور اگر دوہرا کر نہ پڑھے گا تو یہ بھی پہلے کی طرح ایک اور دوسرا

نماز میں تعدیل ارکان کا خیال نہ رکھنے والے کا انجام

گناہ ہوگا اور اگر ہم سنت مان لیں تاہم عتاب اور محرومی شفاعت کا مستحق ہے اور ایسی صورت میں یہ نفلیں بھلا کیونکہ فرضوں کے نقصان کو پورا کر سکیں گی۔ یہ بات بعید ہے اور بہت ہی بعید بلکہ اگر ایسی نفلیں نہ پڑھتا تو عذاب وعتاب اور شفاعت سے محرومی کا مستحق نہ ہوتا۔ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع پورا نہ کرتا تھا اور سجدہ میں ٹکرسی مار دیتا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اسی حالت میں مر جاتا تو ملت محمدی ﷺ کے خلاف مرتا۔

اور بعضے لوگوں کو لفظ جواز سے شبہ پڑا ہے جو ائمہ کی کتابوں میں اس شخص کے حق میں واقع ہوا ہے جو قومہ اور جلسہ اور ان کے درمیان اطمینان کو ترک کرے اور اصول فقہ میں جو کچھ مذکور ہوا ہے اسکی خبر نہیں کہ عبادات میں جواز کے معنی یہ ہیں کہ قضاء کی فرضیت ذمہ سے ساقط ہوگئی یہ نہیں کہ ایسا کرنا حلال ہے اور اس سے گناہ نہیں ہوگا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ قومہ اور جلسہ اور اس کے درمیان ترک اطمینان کے مکروہ ہونے کی علماء نے تصریح کر دی ہے اور قرطبی نے تو اپنے تذکرہ میں اپنے استاد سے نقل کر کے کہا ہے کہ اس شخص کے قول کا کچھ اعتبار نہیں جو یہ کہتا ہے کہ ارکان کے لئے نماز میں کم سے کم وہ مقدار واجب ہے جس کو رکن کہہ سکیں کیونکہ جو اتنے ہی پر اکتفا کرے گا تو اس پر نماز میں ٹکریں لگانا صادق آئے گا اور وہ اس مذمت میں داخل ہو جائے گا جو اس حدیث میں ایسے فعل پر مرتب ہے کہ "یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا آفتاب کا منتظر رہتا ہے اور جب وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے اٹھ کر ٹکر مار لیتا ہے۔" جب نماز اس طرح کی ہوگی جیسی حدیث میں مذکور ہے تو نمازی اس آیت میں داخل ہو جائے گا "پھر ان کے بعد ناخلف آئے جنہوں نے گنوائی نماز اور پیچھے پڑے مزوں کے سو عنقریب ملیں گے گمراہی سے" اور اس آیت کے

ترجمہ: بعض علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ نماز ضائع کرنے سے اس کا چھوڑ دینا مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد

نماز کو ضائع کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا مطلب

ہے کہ نماز کے حدود کو قائم نہ رکھے یعنی نہ وقت کی رعایت رکھے اور نہ طہارت کی اور نہ رکوع اور سجود وغیرہ کو کامل طرح کرے اور اسی طرح اور ادھورے کام اور ابن مسعودؓ انصاری سے تو یوں روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ وہ نماز کافی نہیں کہ جس کے اندر آدمی رکوع اور سجود میں پیٹھ سیدھی نہ رکھے اور اسی مطلب کی اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں کہ وہ قول باری تعالیٰ وَاَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ کے معنی کو بیان کرتی ہیں کیونکہ جو شخص نماز کے اوقات اور اس کی طہارت اور رکوع اور سجود کی محافظت نہیں کرتا تو وہ نماز کی محافظت نہیں کرتا، اور جس نے اس کی محافظت نہ کی تو بے شک اس نے نماز کو ضائع کیا اور ایسا شخص ماسوائے نماز کو زیادہ تر ضائع کرنے والا ہوگا اور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جب آدمی

نماز کو اچھی طرح اور بری طرح پڑھنے کا نتیجہ

نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کا رکوع اور سجود کامل طریقہ سے کرتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ خدا تیری حفاظت کرے جیسے تو نے میری حفاظت کی اور مقبول ہو جاتی ہے اور اگر نماز بری طرح پڑھی اور رکوع اور سجود پورا نہ کیا تو نماز کہتی ہے اللہ تجھ کو برباد کرے جیسا تو نے مجھ کو برباد کیا اور وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر پھینک ماری جاتی ہے" اور ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ساٹھ برس تک نماز پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کی ایک نماز بھی مقبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع پورا کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا یا سجدہ پورا کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔ پس جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے

نماز کے مقبول اور غیر مقبول ہونے کو معلوم کرنے کا طریقہ

کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کرے کہ "بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے" پس اگر وہ شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہو اور پھر بھی اس کا اپنا حال اپنے رب کے ساتھ درست نہ ہو بلکہ اس سے بعضے فواحش اور منکرات عمل میں آتے ہوں تو اس کو جان لینا چاہیئے کہ اس کی نماز مقبول نہیں ہوئی بلکہ وہ نمازیں اس پر وبال اور خدا سے دور کرنے والی ہیں چنانچہ ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس کی نماز بھلے کام کا حکم نہ کرے اور برے کام سے منع نہ کرے وہ نماز اللہ سے دوری کے سوا اور کچھ نہ بڑھائے گی اور حسن رح اور قتادہ رح کہتے ہیں کہ جس شخص کو نماز فحش اور منکر سے نہ روکے اس کی نماز اس کے لئے وبال ہے۔

پس جو شخص تمام نمازیں ان کی شرائط اور ارکان واجب اور سنن اور آداب کی رعایت کر کے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو فحش اور منکرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری جوان پنجگانہ نمازیں تو رسول اللہ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا لیکن کوئی برا کام ایسا

نہیں تھا جس کو وہ نہ کیا کرتا ہو۔ لوگوں نے یہ حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یقیناً اس کی نماز کسی نہ کسی دن اس کو ضرور روک دے گی آخر کچھ دنوں بعد اس نے توبہ کرلی اور اس کا حال سنور گیا۔
الٰہی ہمارا حال نیک انجام کی طرف بدل دے۔

باونویں مجلس فرض نماز کی فرضیت اور اس کے ارکان کے تفصیلی بیان میں

اچھی طرح ادا کی گئی نمازیں گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جسکو نماز مفروضہ کا وقت ملے اور وہ اس کے وضو اور خشوع اور رکوع کو خوب پورا کرے مگر وہ اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کرے اور ہمیشہ ایسا ہوتا رہے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت عثمان بن عفانؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص فرض نمازیں اس کے وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرکے اور اس میں خشوع اور رکوع اور تمام ارکان پورے پورے ادا کرتا ہے تو نمازیں اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کرے اور یہ کفارہ تمام زمانے میں ہوا کرتا ہے اور صرف رکوع کے ذکر پر ہی اکتفا کیا اور ارکان کو اس لئے بیان نہیں کہ شارع نے جب نماز کے ایک رکن ہی کی درستی کا حکم دیا تو اور ارکان کی درستی بھی اس سے سمجھی جاتی ہے کیونکہ **درستی ارکان کے ساتھ ادائیگی نماز پر مداومت کا حکم** ارکان اگرچہ قرآن میں متفرق جگہ آئے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت سورۂ مدثر کے اس قول سے ثابت ہے" اور اپنے رب کی بڑائی بول اور قیام کی فرضیت سورۂ بقرہ کے اس قول سے" اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے" اور قرأت کی فرضیت سورۂ مزمل کے اس قول سے" سو پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے اور رکوع اور سجود کی فرضیت سورۂ حج کے اس قول باری سے اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو لیکن ترتیب نبی علیہ السلام کی تعلیم سے معلوم ہوئی ہے، کبھی آپؐ کے فعل سے اور کبھی آپؐ کے ارشاد سے، جیساکہ اس کو علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اب اس بیان کی رو سے مومن کو چاہیئے کہ نماز کو وقت پر تمام فرائض پورے کرکے ادا کرنے کی مداومت کرے اور فرائض چھ ہیں **نماز کے فرائض**

اوّل۔ تکبیر افتتاح ہے اور بدون اس کے نماز شروع نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ جو شخص نماز شروع

کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اکبر اس طرح کہے کہ اللہ کے ہمزہ اور اکبر کے ہمزہ اور "ب" پر مدنہ کرے کیونکہ اگر دونوں ہمزہ میں سے ایک پر مد ہو جائے گا تو نماز میں داخل نہ ہوگا بلکہ اگر مد نماز میں بیچ کی تکبیروں میں آجائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر قصداً مد کھینچے گا تو کافر ہو جائے گا اس واسطے کہ استفہام ہو جائے گا اور اس کا مقتضٰی اللہ کی بڑائی میں شک ہے اور محمد بن مقاتل کہتے ہیں کہ اگر مد اور غیر مد میں کچھ تمیز نہ ہو تو نماز میں داخل ہو جائے گا اور اگر اثنائے نماز میں ہو تو نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ استفہام تقریر کے لئے ہو لیکن قول اوّل ہی صحیح ہے کیونکہ ایسی حالت قابل عذر نہیں رہی وہ تقریر جو استفہام سے مستفاد ہوتی ہے اس کے معنی تو مخاطب کو اس امر کے اقرار پر ابھارنا ہے جس کو خود جانتا ہے اور انسان میں اس کی صلاحیت نہیں کہ خود اپنے نفس کو اس اقرار پر کہ اللہ بڑا ہے ابھارے اور اگر مد اکبر کی با پر واقع ہو کہ اکبار بار، اور را کے درمیان الف بڑھا کر کہے تو نماز میں داخل نہ ہوگا اور اگر درمیان کی تکبیروں میں آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ علماء کا مقولہ ہے کہ یہ شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اکبار کبر کی جمع ہے جو دونوں حرفوں کے زبر سے ہے اور اس کے معنی طبل کے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نماز میں بھی داخل ہو جائے گا۔ اور اگر مد نماز کے درمیان میں آجائے تو نماز فاسد بھی نہ ہوگی کیونکہ یہ اشباع ہے اور اوّل قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اشباع صرف آخر میں ہوتا ہے درمیان میں نہیں ہوتا۔ اور

تکبیر کا موقع محض قیام ہے۔ یہاں تک کہ اگر امام کو رکوع میں پایا اور جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز میں داخل نہ ہوگا کیونکہ نماز میں داخل ہونے کی شرط تکبیر کا خالص قیام میں واقع ہونا ہے اور اگر قیام میں اللہ کہا اور رکوع میں اکبر تو بھی نماز میں داخل نہ ہوگا اور

دوسرا امر نماز کے فرضوں میں سے قیام ہے اور قیام فرض اور واجب میں تو رکن ضرور ہے مگر نفل میں نہیں ہے اور اس کی مقدار دلیل قیام سے کچھ معین نہیں ہے۔ وہ دلیل یہ ہے "اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے" یہاں تک کہ اگر تکبیر کھڑے کھڑے کہی اور توقف نہ کیا تو فرض تکبیر اور قیام دونوں ادا کر چکا اور اس کے بعد قیام میں توقف کرنا اس کو لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس قدر قیام پایا گیا وہی کافی ہے اور اس کا فائدہ ناخواندہ اور گونگے اور امام کو رکوع میں پانے والے کے حق میں ظاہر ہوتا ہے مگر ہاں قاری کے حق میں پہلی دو رکعت میں قیام کی مقدار قرأت کی رو سے مقرر ہے اور پچھلی دو رکعت کے متعلق متقدمین کا یہ قول ہے کہ چاہے کچھ قرآن پڑھے چاہے سبحان اللہ کہے اور چاہے چپکا رہے ان دونوں میں قیام کی مقدار مقرر نہ ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن قنیہ میں مذکور ہے کہ قیام کم سے کم تین تسبیحات کے برابر ہے خواہ تسبیح کہے یا چپ رہے اور یہ سب کچھ قیام پر قادر ہونے کے وقت ہے۔ چنانچہ اگر بیمار باوجود قیام پر قدرت ہونے کے بیٹھ کر نماز پڑھ لے گا تو جائز

نہیں ہے اور کچھ تھوڑے قیام کی طاقت ہو تو تکبیر کھڑے ہو کر تو اتنا ہی اس پر لازم ہے کہ یہاں تک کہ اگر کھڑے کھڑے تکبیر کہنے کی طاقت ہو تو تکبیر کھڑے ہو کر کہے اور بیٹھ جائے اور وہ بیمار جو حقیقت میں قیام سے عاجز ہو کر اگر کھڑا ہو تو گر پڑے یا مرض کے بڑھنے یا دیر میں اچھے ہونے کا خوف ہو، یا سخت تکلیف ہوتی ہو تو اگر بیٹھنے کی طاقت ہو تو بیٹھ جائے جیسے تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ یہ قول زفرؒ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ یہ طریقہ نماز میں مقرر ہے اور امام محمدؒ کی روایت میں جو امام ابو حنیفہؒ سے ہے یہ ہے کہ جیسے چاہے بیٹھے چار زانو وغیرہ اور بعضے کہتے ہیں تشہد کے سوا اور جس طرح چاہے بیٹھا رہے اور تشہد میں اسی طرح بیٹھے جیسا اور نمازوں میں بیٹھتا ہے اور طاقت ہوتے ہوئے ظاہر اول روایت ہے اور جب طاقت نہ ہو تو پھر جیسی قدرت ہو اور نماز بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ کر کے پڑھے کیونکہ طاعت طاقت کے موافق ہے بوجہ اس قول باری تعالیٰ کے "اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی گنجائش کے موافق" اور اگر رکوع اور سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بیٹھا ہوا سر سے اشارہ کرے اور سجدہ کو رکوع کی بہ نسبت ذرا نیچے کرے تاکہ دونوں میں ذرا فرق ہو جائے اور کوئی چیز سجدہ کے لئے اونچی نہ کرے کیونکہ اگر کوئی چیز اونچی کی اور اس پر سجدہ کیا تو اگر اس نے سر کو نیچا کیا جب تو درست ہے اور اس کی نماز اشارہ سے ہو گئی ورنہ نہیں ہوئی۔

اور اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو چت لٹا دیا جائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر دیئے جائیں اور وہ رکوع اور سجود کے لئے سر سے اشارہ کرے لیکن مناسب ہے کہ اس کے سر کے تلے تکیہ رکھ دیں تاکہ سر سے اشارہ کر سکے کیونکہ چت لیٹنا اچھے بھلے کو اشارہ سے مانع ہے پھر بھلا بیمار کا کیا کہنا۔

اور اگر سر سے اشارہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو آنکھ ابرو یا دل سے اشارہ نہ کرے بلکہ اگر اس حالت میں نماز کی سمجھ باقی ہے جب تو قدرت کے وقت تک ملتوی رکھی جائے گی اور ساقط نہ ہو گی اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے کیونکہ حکم کا مضمون سمجھتا ہے اور اگر ایک رات دن سے زیادہ غفلت رہی تو نماز ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ اس مدت کے اندر افاقہ نہ ہوتا ہو اور اگر افاقہ ہوتا ہے تو کسی ایک وقت معین پر مثلاً صبح کے وقت کچھ افاقہ ہو کر بے ہوش ہو جاتا ہے تو یہ افاقہ پہلی بے ہوشی کے حکم کے باطل کرنے کے لئے معتبر ہے اور اگر افاقہ کا کوئی وقت معین نہیں بلکہ ناگاہ کبھی افاقہ ہو کر پھر بے ہوشی ہو جاتی ہے تو ایسے افاقہ کا اعتبار نہیں ہے۔

اور جو شخص چلتی کشتی میں ہو اور اگر وہ فرض نماز بیٹھ کر رکوع اور سجود کے باوجود قیام پر قدرت ہونے کے پڑھے تو صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ قیام رکن ہے اس لئے بدون عذر واقعی کے ساقط نہ ہو گا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ اس میں دوران سر کا غالب گمان ہے اور غالب گمان بھی واقعی بات ہی کی طرح ہے۔ لیکن قیام افضل ہے اور رہی وہ کشتی جو کنارہ پر بندھی ہوئی

ہو سو اس میں بالاجماع جائز نہیں اور

تیسرا۔ فرض نماز کے فرائض میں سے قرأت ہے اور یہ نفل اور وتر اور دوگانہ فرض کی سب رکعتوں میں فرض نہیں بلکہ دو رکعتوں میں بلا تعیین فرض ہے۔ رہا یہ امر کہ پہلی دو رکعت کیوں معین کی جاتی ہیں سو اس کی وجہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے کہ پہلی دو رکعت میں قرأت پڑھنا پچھلی دو رکعت میں پڑھنا ہے۔

اور کم سے کم قرأت جس سے فرض ساقط ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت ہے اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی کی ہو یا چھوٹے دو کلموں سے مرکب ہو جیسے قول اللہ تعالیٰ کا ثُمَّ نَظَرَ یا کئی کلمات سے جیسے یہ قول اللہ تعالیٰ کا فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ لیکن اسی قدر پر اکتفا کرنے والا گنہگار ہے۔ اس واسطے کہ الحمد کا پڑھنا اور کسی سورت کا یا تین آیتوں کا اس کے ساتھ ملانا واجب ہے اور اسی قدر پر اکتفا کرنے میں واجب ترک ہوتا ہے اور اگر آیت ایک ہی کلمہ کی ہو جیسے مُدْهَامَّتَانِ یا ایک ہی حرف کی ہو جیسے ص اور ق اور ن سو اس میں اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں اور اگر کوئی بڑی آیت جیسے آیۃ الکرسی اور آیۃ مداینہ آدھی ایک رکعت میں پڑھی اور آدھی دوسری رکعت میں تو اس میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس نے کسی رکعت میں پوری آیت نہیں پڑھی اور عام فقہا کہتے ہیں جائز ہے اس واسطے کہ ان آیتوں کا ٹکڑا چھوٹی چھوٹی تین آیتوں کے برابر یا زیادہ ہے لہٰذا ایک آیت سے کم نہ ہوئی۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک کم سے کم قرأت جو کافی ہو تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے جو تین آیت کے برابر ہو۔ اس واسطے کہ قرآن معجز ہے اور کم سے کم جس میں اعجاز واقع ہے ایک سورت ہے جس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اس جیسی کوئی سورت لاؤ اور سورتوں میں سب سے زیادہ چھوٹی سورت کوثر ہے اور وہ تین آیتیں ہیں

اور جو شخص ان پڑھ ہو کہ اس کی قرآن سیکھنے میں قابو نہ ہو اگر وہ رات دن سیکھنے میں محنت کرتا ہو تو اس کی نماز جائز ہے اور محنت چھوڑ دینے کے وقت نماز جائز نہ ہوگی۔ اس بنا پر جو شخص دارالاسلام میں ہو کر قرآن سیکھنا چھوڑ دے اور امی رہ جائے اور امیوں کی سی نماز کی عادت کرے تو اس کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ امی کی نماز جب ہی جائز ہے جبکہ وہ ابھی بالغ ہوا ہو یا جنون سے ہوش میں آیا ہو یا مسلمان ہوا ہو اور فوراً نماز کا وقت آگیا اور قرآن سیکھنے کی قدرت نہ ہوئی ہو اور جس صورت میں کہ سیکھنے میں قادر ہو کر محنت نہ کرے تو اس کی نماز جائز نہیں۔ اور

چوتھا۔ فرض نماز کے فرضوں میں سے رکوع ہے اور رکوع کمر ٹیڑھی کر کے سر کے جھکانے کا نام ہے اور اسی بنا پر جو شخص کچھ کمر ٹیڑھی کر کے سر جھکائے گا اور اگر وہ رکوع کے قریب ہوگا تو جائز ہے اور اگر قیام

سے قریب ہوگا یعنی سونڈھوں کو مائل کر کے سر تو جھکایا لیکن کمر نہیں جھکی تو جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ قائم ہی سمجھا جائے گا رکوع کرنے والا نہیں ہو سکتا اور جو شخص اس قدر کبڑا ہو کہ اسکا کوبڑ رکوع کی حد تک پہنچ چکا ہو تو وہ رکوع میں سر کو جھکا دے تاکہ قیام سے رکوع کی طرف انتقال ثابت ہو سکے۔

پانچواں نماز کے فرائض میں سے سجدہ ہے اور سجدہ زمین یا زمین کے قائم مقام چیز پر سر کا رکھنا ہے اور کامل سجدہ وہ ہے جس میں پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں سب عضو رکھے جائیں جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجھ کو حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی پر اور دونوں ہاتھوں پر اور دونوں گھٹنوں پر اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور ناک پیشانی میں آگئی اس لئے کہ دونوں کی ہڈی ایک ہی ہے اور اگر صرف پیشانی تو رکھے لیکن ناک نہ رکھے تو جائز تو ہے لیکن اگر بے عذر ہو تو مکروہ ہے اور اگر ایسے ہی صرف ناک رکھے اور پیشانی نہ رکھے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز تو ہے لیکن اگر بے عذر ہو تو مکروہ ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں مگر جبکہ اس کی پیشانی میں کوئی ایسا عذر ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کا رکھنا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور رہا دونوں قدموں کا رکھنا سو قدوری اور کرخی اور خصاف نے بیان کیا ہے کہ فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر سجدہ کیا اور دونوں پاؤں یا ایک پاؤں زمین پر نہ رکھا بلکہ دونوں زمین سے اٹھالئے تو اس کا سجدہ جائز نہیں ہوا اور اگر ایک پاؤں رکھے رہا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور تمرتاشی نے بیان کیا ہے کہ دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا رکھنا فرض نہ ہونے میں یکساں ہے اور اکمل الدین نے شرح ہدایہ میں کہا ہے یہی حق ہے اور شرح منیہ میں مذکور ہے کہ یہ حق سے دور ہے اور مراد دونوں پاؤں کے رکھنے سے خلاصہ کے بیان کی بنا پر دونوں پاؤں کی انگلیوں کا رکھنا ہے اور انگلیوں کے رکھنے سے قبلہ کی طرف ان کا متوجہ کرنا مراد ہے تاکہ انہی پر زور رہے۔ یہاں تک کہ اگر دونوں پاؤں کی پشت رکھدی اور دونوں پاؤں کی یا ایک پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف نہ کیں تو سجدہ صحیح نہ ہوگا اور یہ ایسی باتیں ہیں جن کا یاد رکھنا واجب ہے لیکن اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اور اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے آدھا ہاتھ اونچی ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ ہے تو جائز نہیں اور اگر پگڑی کے پیچ پر سجدہ کیا تو اگر وہ پیچ پیشانی سے لگا ہوا ہے اور ایسا موٹا نہیں ہے کہ زمین کی سختی معلوم نہ ہوتی ہو تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور اگر پیشانی سے لگا ہوا نہیں بلکہ پیشانی سے اوپر ہے یا ایسا موٹا ہے کہ سختی زمین کی معلوم نہیں ہوتی تو جائز نہیں اور ایسے ہی کسی ایسی چیز پر سجدہ کرنا جس سے زمین کی سختی معلوم نہ ہو جیسے دھنی ہوئی روئی اور برف اور چینا وغیرہ۔ پیشانی زمین پر یا قائم مقام زمین پر نہ جمنے کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور اگر لٹکتے کپڑے پر سجدہ کیا یا زمین پر کوئی کپڑا بچھا لیا اور اس پر سجدہ کیا تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، گفتگو تو صرف کراہت میں ہے اور صحیح مکروہ نہ ہونا ہی ہے جیسی کہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے

کہ انہوں نے مسجد حرام میں نماز پڑھی اور سجدہ کیا رومال پر، اس پر کسی نے کہا کہ یہ تو جائز نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ نے اس سے کہا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے کہا خوارزم کا اس پر امامؒ نے کہا کہ میرے پیچھے سے تکبیر ہوئی یعنی تم لوگ ہم ہی سے سیکھتے ہو، پھر ہم ہی کو سکھاتے ہو۔ بھلا کیا تم اپنے ملک میں بردی گھاس پر نماز پڑھتے ہو۔ اس نے کہا ہاں تو امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ تم گھاس پر تو نماز جائز رکھتے ہو اور کپڑے پر نہیں جائز رکھتے اور

چھٹا فرض نماز کے فرائض میں سے قعدہ آخیرہ ہے خواہ اس سے پیشتر کوئی قعدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو جیسے دوگانہ نماز میں اور فرض کی مقدار اس میں اتنی مقرر ہے جس میں عبدہٗ و رسولہٗ تک تشہد پڑھ سکے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابن مسعودؓ سے تشہد سکھاتے وقت یہ فرمانا کہ جب تو یہ پڑھ چکا یا کر چکا تو نماز تیری بے شک پوری ہوگئی اس کی دلیل یہ ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پورا ہونے کو فعل پر معلق کیا کچھ پڑھے یا نہ پڑھے اس واسطے کہ معنیٰ اذا قلت ھذا کے یہ ہیں کہ پڑھا تو نے تشہد کو بیٹھ کر کیونکہ تشہد کا پڑھنا بجز قعود کے مشروع نہیں ہے اور معنے اوفعلت ھذا کے یہ ہیں کہ تو بیٹھ گیا اور کچھ پڑھا نہیں پس اختیار قول میں ہوا نہ فعل میں اس واسطے کہ فعل دونوں حالتوں میں ثابت ہے اور جو امر شرط پر موقوف ہو وہ شرط سے پہلے نہیں موجود ہوتا اور ایک وجہ یہ ہے کہ نماز متناہی ہے اور تناہی بدون تمام ہوئے نہیں ہوتی اور تمام ہونا بدون تمام کئے نہیں ہوتا اور تمام کرنا بے شارع کے بتلائے معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ شارع نے قعدہ بتا دیا ہے لہٰذا وہ فرض ہوگیا اب اگر کوئی اس پر یہ کہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی پھر یہاں خبر واحد سے اس کے ثبوت کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ فرضیت کا خبر واحد سے ثابت نہ ہونا ہر صورت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جب خبر واحد سے کوئی بات از سر نو ثابت کریں اور اگر ابتداءً ثابت نہ کریں بلکہ خبر واحد اجمال کا بیان کر دے تو ایسی حالت میں وہ بات ثابت ہو جاتی ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ خود نماز تو قرآن سے ثابت ہے اور نماز کا تمام ہونا بھی اسی میں داخل ہے پس اس کا اتمام بھی قرآن سے ثابت ہونا لازم آیا۔ اب اس خبر نے تو صرف کیفیت اتمام بیان کی ہے لہٰذا قعدہ فرض ہوا اور اس کے فرض ہونے کا فائدہ کئی مسائل میں ظاہر ہوگا ان مسائل میں سے اوّل۔ یہ ہے کہ جس نے ظہر یا ایسی ہی کسی اور نماز میں پانچ رکعت پڑھیں اور اس طرح کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا اور چوتھی رکعت پر قعدہ نہ کیا تو اس نماز کی فرضیت باطل ہو کر امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نفل ہو جائے گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک تو فرضیت بھی باطل ہوگئی اور نماز بھی نہیں رہی اور ایسے ہی اگر مغرب کی تیسری رکعت یا فجر کی دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا اور

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسافر اگر قضا نماز میں مقیم کا مقتدی بنے تو یہ اس کی اقتدا صحیح نہیں

کیونکہ درمیان کا قعدہ مسافر کے حق میں تو فرض ہے اور مقیم کے حق میں فرض نہیں لہٰذا اس کا ایسے شخص کی اقتدا کرنا نفل پڑھنے والے کے ساتھ فرض پڑھنے والے کی اقتدا کی طرح ہوا اور یہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں اور مسافر کو مقیم کی اقتدا صرف وقت ہی میں جائز ہے کیونکہ مسافر کی نماز اقتدا کے سبب سے وقت میں تو چار رکعت ہو جائے گی۔ وقت کے بعد نہیں ہو سکتیں۔
تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کو بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد آخر نماز میں اگر سجدہ تلاوت یاد آیا اور اس نے سجدہ کیا تو وہ قعدہ باطل ہو گیا اور اب اگر سجدۂ تلاوت کے بعد بقدر تشہد قعدہ نہ کرے گا تو اسکی نماز ایک رکن یعنی قعدۂ آخیرہ کے فوت ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی۔
چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر نمازی پورے قعدۂ آخیرہ میں سو گیا تو جو نکلنے کے وقت اس پر فرض ہے کہ بقدر تشہد بیٹھے اور اگر نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جو نماز کے افعال سونے کی حالت میں ادا ہوں ان کا بلا اختیار ہونے کی وجہ سے کچھ اعتبار نہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور یہ مسئلہ اکثر واقع ہوتا رہتا ہے اور خاصکر تراویح میں اور بالخصوص گرمیوں کی راتوں میں لیکن لوگ اس سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی کے موافق عمل اپنے لطف اور کرم سے ہم پر آسان فرمائے۔

تریپنویں مجلس پنجگانہ نماز کی فضیلت اور گناہوں کے واسطے انکے کفارہ ہونے کے بیان میں

پنجگانہ نماز کی برکت سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دیکھو تو سہی اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ نہایا کرتا ہو تو کیا اس پر کچھ میل باقی رہے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا بس یہی پنجگانہ نمازوں کی بھی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ انسے خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔
یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو پنجگانہ نمازیں پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ان نمازوں کی برکت سے بخش دیتا ہے۔ لہٰذا مومن کو لازم ہے کہ نمازوں کو وقتوں پر رکوع اور سجود اور تمام ارکان کو جو نماز کے اندر ہیں کامل طور پر کر کے مداومت رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اپنی کتاب میں کئی جگہ اسکا حکم فرمایا ہے

قرآن سے ارکان نماز کی فرضیت

لیکن اس کے ارکان کو اس میں متفرق ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت سورہ مدثر کے اس قول میں "اور اپنے رب کی بڑائی کر" اور قیام کی فرضیت سورۂ بقرہ کے اس قول میں" اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے" اور قرأت کی فرضیت اس

ارشاد سے سورۂ مزمل کے اندر "پس پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے" اور رکوع اور سجود کی فرضیت سورۂ حج کے اس قول میں مذکور ہے "اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو" نبی علیہ السلام کی تعلیم سے صرف ترتیب معلوم ہوئی ہے کبھی تو آپ کے کرنے سے اور کبھی آپ کے بتانے سے جیسا کہ علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور علماء کہتے ہیں جو شخص نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور

نماز شروع کرتے وقت تکبیر اور ادائیگی کا طریقہ

اللہ اکبر کہے۔ اس طرح کہ اللہ کے ہمزہ اور اس کی با پر مد نہ کھینچے اس لئے کہ اگر ان دو ہمزوں میں سے ایک پر بھی مد پیدا ہوگا تو نماز شروع نہ ہوگی بلکہ اگر نماز کے درمیان کی کسی تکبیر پر مد ہو جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر قصداً کرے گا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ اب یہ کلام استفہام ہو جائے گا اور اس کا مضمون اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں شک ہونا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ کہنے والے کو مد اور غیر مد میں کچھ تمیز نہ ہو تو نماز شروع ہو جائے گی اور اگر درمیان نماز میں مد آجائے تو فاسد بھی نہ ہوگی اور استفہام میں یہ بھی احتمال ہے کہ تقریر کے لئے ہو لیکن اوّل مذہب اصح ہے کیونکہ اس جیسی جہالت عذر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور وہ تقریر جو استفہام سے حاصل ہوتی ہے اس کے معنی تو مخاطب کو اس چیز کے اقرار پر ابھارنا ہے جس کو خود جانتا ہے اور یہ بات کچھ ٹھیک نہیں کہ انسان خود اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے اقرار پر ابھارے اور اکبر کی بار میں اگر مد واقع ہوا اور بار اور را کے درمیان الف بڑھا کر اکبار کہا تو بھی نماز شروع نہ ہوگی اور اگر نماز کے درمیان میں ایسا ہوگا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ یہ شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ کبر کی جمع ہے جو کاف اور بار کے زبر سے ہے اور جس کے معنی نقارے کے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نماز شروع ہو جاتی ہے اور اگر درمیان میں کہے تو فاسد بھی نہیں ہوتی کیونکہ یہ اشباع ہے لیکن صحیح مذہب اوّل ہی ہے کیونکہ اشباع آخر کلمہ میں ہوتا ہے نہ درمیان میں اور تکبیر تحریمہ کا

تکبیر تحریمہ کا موقع

موقع خالص قیام ہے یہاں تک کہ اگر امام کو رکوع میں پایا اور جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا گیا تو نماز شروع نہ ہوگی کیونکہ نماز شروع ہونے کے لئے تکبیر کا خالص قیام میں واقع ہونا شرط ہے اور اگر اللہ کھڑے کھڑے کہا اور رکوع میں اکبر کہا تو بھی نماز شروع نہ

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا سنت ہے

ہوگی اور تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ یہاں تک کہ اگر بلا عذر ہمیشہ کو ان کا اٹھانا چھوڑ دے گا تو گنہگار ہوگا۔ ہاں کبھی کبھی چھوڑنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ لہٰذا نماز شروع کرنے والے کو مناسب ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ یہاں تک اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہو جائیں اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہ انگلیاں بند کرے اور نہ کشادہ کرے بلکہ اپنے حال پر چھوڑ دے۔ قاضی خاں کہتے ہیں کہ انگوٹھوں

کے سرے کانوں کی لَو سے لگائے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کامل طور سے متوجہ ہونے کے لئے قبلہ کی طرف رکھے اور بعضے کہتے ہیں کہ ہر ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسری ہتھیلی کی طرف رکھکر اللہ اکبر کہے اور یہ ہی اصح ہے اس واسطے کہ ہتھیلی کو اس طرح کرنے میں نفی کے معنی ہیں اور اس کے قول اللہ اکبر میں اثبات کے معنی ہیں اور نمازی اپنے عمل یعنی ہاتھ اٹھانے سے غیر اللہ تعالیٰ سے بڑائی کی نفی کرتا ہے اور اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کے واسطے بڑائی ثابت کرتا ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے۔ جیسا کہ کلمہ توحید میں ہے اور اگر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ نہ اٹھائے اور یوں ہی تکبیر کہہ لی تو پھر ہاتھ نہ اٹھائے اس واسطے کہ اب اس کا محل جاتا رہا ہاں اگر تکبیر کہتے ہوئے یاد آگیا تو اٹھادے اس واسطے کہ محل ابھی فوت نہیں ہوا ہے اور اگر مقام مسنون تک اٹھانے پر قدرت نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو اٹھائے اور اگر ایک ہاتھ اٹھ سکتا ہے دوسرا نہیں تو ایک ہی کو اٹھادے جیسی کہ نبی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم کیا کروں تو اس میں سے جتنا تم سے ہوسکا کرے بجالایا کرو اور اگر اس سے دونوں ہاتھ بغیر اس بات کے کہ مقدار مسنون پر کچھ زیادہ ہوجائے نہیں اٹھ سکتے جب بھی اٹھائے کیونکہ وہ سنّت کو بجالارہا ہے اور زیادتی سے بازرہنے کی طاقت نہیں۔

اور عورت اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے۔ یہ ہی صحیح ہے کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ پردہ پوشی ہے اور جب نمازی تکبیر سے فراغت پائے تو داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھکر چھنگلیا اور انگوٹھے سے گٹے پر ناف سے نیچے حلقہ باندھ لے اور یہی وضع ہر اس قیام میں مسنون ہے جس میں مسنون ذکر ہے اور جن میں مسنون ذکر نہ ہو اس میں چھوڑ دینا ہی مسنون ہے جیسے رکوع کے بعد قومہ میں اور عیدین کی تکبیروں میں عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے پردہ پوشی ہے۔ پھر سبحانک اللھم پڑھے جس کے معنے یہ ہیں کہ یا الٰہی میں تیری پاکی بھی بیان کرتا ہوں اور تعریف بھی کرتا ہوں۔ تیرا نام بڑا بابرکت ہے۔ تیری بڑائی برتر ہے اور

ثنا | تیرے سوا اور کوئی عبادت کے قابل نہیں اور جل ونثاؤک نہ کہے کیونکہ اس کا احادیث مشہورہ میں ذکر نہیں ہے اور کافی میں مذکور ہے کہ اگر اس کا ذکر نہ کہے تو حکم نہ کریں گے اور اگر کہے تو منع بھی نہ کریں گے۔ پھر اعوذ باللہ پڑھے جس کے معنے یہ ہیں کہ شیطان راندہ درگاہ سے اللہ کی

تعوذ | پناہ مانگتا ہوں اور امام ابوحنیفہ رح و امام محمد رح کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت کے ساتھ سبحانک اللھم کے ساتھ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مسبوق اس کو پڑھے موتم نہ پڑھے۔ اس کے بعد پھر

ہ مسبوق وہ شخص جسکی امام کے ساتھ کوئی رکعت چھوٹ جائے اور موتم وہ جو ابتدا سے امام کیساتھ ہو مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسبوق اپنی بقیہ رکعات امام کے نماز سے فراغت کے پڑھے گا تو وہ جب سبحانک اللّٰھم پڑھے تو اعوذ باللہ پڑھے اور موتم وہ جو ابتدا سے امام کے ساتھ ہے وہ صرف سبحانک اللھم پڑھ کر خاموش ہوجائے۔ ۱۲

تسمیہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور بسم اللہ ہر رکعت کے اوّل میں مسنون ہے جیسا کہ ابو یوسف ؒ نے امام ابو حنیفہ ؒ سے روایت کیا ہے مگر صرف امام پڑھے، مقتدی نہ پڑھے۔ اسکے بعد سورت فاتحہ

نماز میں قرأت کا مسئلہ | پڑھے اور اس کو پڑھ چکے تو آمین کہے۔ پھر اس کے ساتھ کوئی پوری سورۃ ملائے یا تین آیتیں جس سورت میں سے چاہے لیکن اگر سورت فاتحہ کے ساتھ ایک چھوٹی یا دو چھوٹی آیتیں پڑھیں تو ترکِ واجب کی وجہ سے کراہت تحریمی سے خالی نہیں ہے کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی پوری سورت یا تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو ملانا واجب ہے اور یہ مقدار گو کراہت تحریمی سے نکال دیتی ہے لیکن حد مسنون میں نہیں پہنچاتا بلکہ کراہت تنزیہی میں آجاتا ہے۔ اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا سفر میں ہوگا یا حضر میں اگر سفر میں ہے تو ضرورت کے وقت خوف ہے یا جلدی سورت فاتحہ کے ساتھ جس سورت کو چاہے یا ایک سورت کے برابر جس جگہ سے آسان ہو پڑھے اور حالت اختیار اور ضرورت نہ ہونے کے وقت فجر کی نماز میں تو سورت بروج سورت فاتحہ کے ساتھ یا اس کے برابر اور کوئی سورت اور اسی طرح ظہر میں پڑھے اور عصر یا عشاء میں یا اس سے کچھ کم اور مغرب میں بہت چھوٹی سورتیں جیسے سورت عصر اور سورت کوثر پڑھے اور اگر مقیم ہے اور وقت کے گزر جانے کا خوف ہے تو اتنا پڑھے کہ نماز فوت نہ ہو جائے اور اگر وقت کے جانے کا خوف نہیں ہے تو فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں چالیس آیتیں پڑھے اور یہ سنّت کا ادنیٰ درجہ ہے یا ساٹھ آیتیں اور یہ اوسط درجہ ہے یا سو آیتیں اور یہ اعلیٰ درجہ ہے جیسی کہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں چالیس آیتیں یا ساٹھ آیتیں یا سو آیتیں پڑھا کرتے تھے اور بعض دفعہ سورت والصّافات پڑھتے اور کبھی سورۃ قٓ پڑھتے اور حضرت ابن عمر ؓ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرأت میں تخفیف کا حکم فرماتے تھے اور خود والصافات سے امامت کیا کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ والصافات کا پڑھنا تخفیف ہی میں داخل ہے۔ پھر جب قرأت سے فارغ ہو تو جھکتے ہوئے رکوع کی تکبیر

رکوع وسجود اور ان کا طریقہ | کہے اور اگر جھکتے وقت تکبیر نہ کہی تو رکوع میں جا کر تکبیر نہ کہے۔ اس واسطے کہ اس کا محل فوت ہو گیا اور حلیہ میں مذکور ہے کہ جو اذکار انتقالات کے اندر شرع میں مقرر ہیں ان کو انتقالات کے بعد ادا کرنے میں دو کراہتیں ہیں۔ ایک تو ان کو اپنی جگہ سے ٹلانا اور دوسرے بے محل ادا کرنا اور تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ گھٹنوں پر انگلیاں کشادہ کر کے رکھنا اور اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ انگلیوں کا کشادہ کرنا مستحب نہیں اور اپنی پیٹھ کو برابر کردے۔ اس طرح کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی بھرا پیالہ رکھ دیا جائے تو ٹھہرا رہے اور سر کو پیٹھ کے برابر کردے اور نہ سانپ کی طرح اونچا کرے اور نہ سور کی طرح نیچے جھکائے اور رکوع کے اندر سبحان ربی العظیم

تین بار کہے اور یہ کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے اور اس سے گھٹانا مکروہ ہے اور اگر اس سے زیادہ کہے تو افضل ہے بشرطیکہ تنہا پڑھتا ہو اور عدد طاق پر پورا کرے۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا سر اٹھائے اور جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو قیام میں اگر تنہا ہو تو ربنا لک الحمد کہے۔

پھر سجدہ کے لئے جھکتا ہوا تکبیر کہے اور اگر جھکتے ہوئے تکبیر نہ کہی ہو تو سجدہ میں جا کر محل فوت ہو جانے کی وجہ سے پھر نہ کہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر زمین پر رکھے اور اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ انگلیوں کا ملانا مستحب نہیں۔ پھر اپنی پیشانی دونوں ہاتھوں کے درمیان میں اس طرح رکھے کہ اس کے دونوں انگوٹھے کانوں کے مقابل رہیں اور دونوں پہلوؤں کو ظاہر کرے مگر مجمع میں نہ کرے اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے الگ رکھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کر دے اور سجدہ کے اندر سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے اور یہ کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے یہاں تک کہ اس سے کم کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ کہے تو افضل ہے بشرطیکہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور طاق عدد پر تسبیح کو تمام کرے۔

اور عورت سجدہ کرنے میں مرد ہی کی طرح ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ عورت نہ اپنے پہلو کو ظاہر رکھے اور نہ اپنے پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے بلکہ اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا دے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردہ پوش ہے۔

اور پورا سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کے لگانے سے ہوتا ہے اور صرف ایک سے مکروہ ہے اور ایسا ہی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ اگر پیشانی سے ملا ہوا اور موٹا نہ ہو کہ زمین کی سختی معلوم ہوتی ہو اور اگر پیشانی پر نہ ہو بلکہ پیشانی سے اوپر ہو یا اتنا موٹا ہو کہ زمین کی سختی اس میں معلوم نہ ہوتی ہو تو ایسی حالت میں سجدہ جائز ہی نہیں ہے اور ایسے ہی ہر ایسی کسی چیز پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے جس میں زمین کی سختی نہ معلوم ہو جیسے دھنی ہوئی روئی اور برف اور چینا اور اسی طرح کی چیزیں کیونکہ پیشانی زمین یا زمین کے مثل پر نہیں پہنچی

اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا سجدہ میں فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور رہا دونوں پاؤں کا رکھنا سو قدوری اور کرخی اور خطاف نے تو ذکر کیا ہے کہ فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے سجدہ کیا اور دونوں پیر یا ایک پیر زمین پر نہ رکھا بلکہ دونوں کو زمین سے اٹھائے رہا تو سجدہ جائز نہیں اور اگر ایک پیر رکھ دیا ہے تو جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے اور مرتاشی نے نہ ہونے میں ذکر کیا ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں کا رکھنا فرض نہ ہونے میں یکساں ہے اور اکمل الدین نے شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ یہی حق ہے اور شرح منیہ میں مذکور ہے کہ یہ حق سے دور ہے اور دونوں پاؤں رکھنے سے جیسا کہ خلاصہ میں مذکور ہے دونوں پیروں کی انگلیاں رکھنا اور انگلیوں کے رکھنے سے انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا مراد ہے تاکہ زور ان ہی پر رہے۔ یہاں تک کہ اگر دونوں پیروں

کی پشت زمین پر رکھ دی اور دونوں پیروں یا ایک پیر کی انگلیاں قبلہ کی طرف نہ رکھیں تو اس کا سجدہ صحیح نہیں ہوگا اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کا یاد رکھنا واجب ہے۔ حالانکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں پھر تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اور بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے پس جب اطمینان سے بیٹھ جائے اور اعضاء کی حرکت تھم جائے اس طرح کہ ایک مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر ٹھہرے تو تکبیر کہہ کر پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کرے اور پہلے سجدے سے دوسرے سجدے کے واسطے سر اٹھانے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور اصح روایت جیسی کہ ہدایہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ اگر سجدے سے قریب ہے تو سجدۂ ثانی جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں بیٹھا ہوا نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہٰذا دوسرا سجدہ پایا نہ جائے گا بلکہ ایسا ہے کہ گویا ایک ہی سجدہ کیا اور اگر بیٹھنے سے قریب ہے تو جائز ہے اس لئے کہ ایسی حالت میں اس کو بیٹھا ہوا سمجھا جائے گا۔ لہٰذا دوسرا سجدہ ثابت ہو جائے گا اور بعضے کہتے ہیں کہ اگر اتنا سر اٹھائے کہ اس کی پیشانی اور زمین کے درمیان میں سے ہوا گزر جائے تو جائز ہے لیکن اتنی مقدار پر کفایت کرنا سخت مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ ایسا کرنا اس طریقے کے مخالف ہے جس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندگی بھر برابر کرتے رہے اور جب دوسرے سجدے سے فراغت پائے تو تکبیر کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے اور بلا عذر اپنے ہاتھوں کا سہارا زمین پر نہ دے بلکہ اپنے گھٹنوں پر سہارا کر کے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں ویسا ہی کرے جیسا کہ اوّل رکعت میں کیا ہے ہاں فرق اتنا ہے کہ نہ سبحانک اللھم پڑھے اور نہ اعوذ باللہ اور نہ ہاتھ اٹھائے۔ پھر جب دوسری رکعت پوری کر چکے اور اس کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو بایاں پاؤں بچھائے اور اس پر بیٹھ جائے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھے اور اس کی انگلیاں قبلہ رخ کر دے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا رکھے۔ اور قبلہ رخ کر دے کیونکہ حتی الامکان تمام اعضا کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے اور عورت اپنی سرین پر اس طرح بیٹھے کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھ جائے کیونکہ اس کے لئے اس میں پردہ زیادہ ہے۔ پھر تشہد پڑھے اور کہے التحیات للہ آخ جس کا ترجمہ یہ ہے" سلام ہے واسطے اللہ کے اور رحمتیں اور پاکیزگی تم پر سلام ہو اے نبی اللہ کی رحمت اور برکتیں ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ نماز جو پڑھی ہے فرض ہو اور دو رکعتوں سے زائد ہو تو اتنے تشہد سے زیادہ پہلے قعدہ میں کچھ نہ پڑھے بلکہ تکبیر کہے اور تیسری رکعت کے لئے اگر کوئی عذر نہ ہو تو زمین پر ہاتھوں کو ٹیکے بغیر کھڑا ہو جائے پھر وہ پچھلی دو رکعتوں میں مختار ہے

دوسری رکعت میں قرأت

قعدہ اور تشہد

دو رکعت نماز سے زیادہ فرض نماز میں قرأت

چاہے فقط سورۃ فاتحہ پڑھے اور یہی افضل ہے اس لئے کہ سورۃ فاتحہ کا پچھلی دو رکعتوں میں پڑھنا ظاہر روایت میں سنت ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو ترک کر دے یا اس کے ساتھ بھولے سے کوئی سورت ملائے تو سہو کا سجدہ لازم نہیں آتا اور اگر چاہے تو تین مرتبہ تسبیح کہے اور اگر چاہے اتنی دیر چپکا کھڑا رہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر قصداً چپکا کھڑا رہے گا تو ترک سنت کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اگر وہ نماز جو پڑھ رہا ہے فرض نہیں ہے بلکہ نفل ہے یا سنت مؤکدہ جیسے ظہر کی اور جمعہ کی سنتیں تو اب ان تین باتوں میں مختار نہیں بلکہ اس پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مع کسی سورت کے ملانے کے متعین ہے اس لئے کہ نفل اور سنتوں کی تمام رکعتوں میں قرآت فرض ہے۔ پھر نفلوں میں تو تشہد پر کچھ زیادتی کرے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلے قعدہ میں درود بھی پڑھے اور جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پہلے سبحانک اللھم اور اعوذ باللہ بھی پڑھے اس لئے کہ نفل کا ہر دوگانہ الگ الگ نماز ہے لیکن ظہر اور جمعہ کی سنتوں میں چونکہ ہر ایک ان میں سے علیحدہ مستقل نماز ہے جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو نہ سبحانک اللھم اور نہ اعوذ باللہ پڑھے اور نہ پہلے قعدہ میں تشہد پر زیادتی کرے یہاں تک کہ منیہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ظہر کی سنتوں کے پہلے قعدہ میں درود پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہونے میں دو قول ہیں۔ پھر قعدہ آخیرہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح کہ پہلے قعدہ میں بیٹھا تھا اور تشہد پڑھے اور تشہد کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے اور کہے۔

> دور کعت سے زیادہ سنت یا نفل نماز میں قرآت

> قعدہ آخیرہ میں تشہد کے بعد درود اور دعا

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید

اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ یا اللہ رحمت نازل فرما محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسے رحمت نازل کی تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بیشک تو صاحب حمد اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ برکت دی تو نے ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیم پر بیشک تو صاحب حمد اور بزرگی والا ہے۔

پھر اپنے اور اپنے ماں باپ کے واسطے اگر وہ دونوں مومن ہوں اور سب مومن مرد مومنہ عورتوں کے لئے استغفار کرے اور یوں کہے۔

اللھم اغفرلی ولوالدی ولجمیع المومنین والمومنات یوم یقوم الحساب

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ الٰہی بخشدے مجھکو اور میرے ماں باپ کو اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو جس دن حساب قائم ہو۔

اور وہ دعائیں پڑھے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں اور قرآن مجید کے

الفاظ سے مشابہ ہوں مثلاً یہ کہے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

ترجمہ اے رب ہمارے دے ہم کو خوبی دنیا میں اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ اے رب ہمارے نہ پھیر ہمارے دل بعد اس کے کہ ہم کو ہدایت دے چکا تو اور دے ہم کو اپنے پاس سے مہربانی تو ہی دینے والا ہے اور اسی طرح کی اور دعائیں۔ کیونکہ جب نمازی

نماز کے اندر دعا میں ایک ضروری احتیاط

ان آیات سے دعا کی نیت کرے گا کہ تلاوت کی تو یہ الفاظ قرآن کے الفاظ کے مشابہ ہوں گے اور خود قرآن نہ ہوں گے یہاں تک کہ ان الفاظ سے جنابت اور حیض میں بھی دعا مانگنی درست ہے اور ایسی دعا نہ مانگے جو آدمیوں کے کلام سے مشابہ ہو اور یہ وہ دعا ہے جسکا آدمیوں سے مانگنا محال نہ ہو مثلاً یہ کہے الٰہی مجھ کو مال دے، الٰہی مجھ کو لونڈی دے، الٰہی کسی عورت سے میرا نکاح کر دے۔ پس اگر یہ دعا مانگے گا تو اس کی نماز ناقص ہوگی۔ اس لئے کہ نماز سے لفظ سلام کے بغیر جو کہ واجب ہے باہر آیا۔ پھر جب تشہد

نماز سے فراغت کے لئے سلام اور اس کا طریقہ

کے بعد دعاؤں سے فراغت پائے تو سلام پہلے اپنی داہنی طرف اور دوبارہ اپنی بائیں جانب پھیرے اور ہر ایک میں یہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور دونوں میں سے کسی میں دبرکاتہ نہ کہے کیونکہ یہ جاہلوں کی عادت ہے اور اگر بائیں طرف پہلے سلام پھیر دیا تو داہنی طرف جب تک کلام نہ کیا ہو سلام پھیر دے اور بائیں طرف کا سلام دوہرائے نہیں اور اگر چہرے کے سامنے سلام پھیرا ہے تو دوبارہ بائیں طرف پھیر دے۔ یہ حضرت علیؓ سے منقول ہے اور اسی طرح زیلعیؒ نے شرح کنز میں ذکر کیا ہے اور تنہا نماز پڑھنے والا علیکم کے خطاب سے ان سب فرشتوں کی نیت کرے جو اس کے ہمراہ ہیں اور ان میں کسی عدد معین کی نیت نہ کرے اس لئے کہ ان کی تعداد میں احادیث مختلف ہیں۔ چنانچہ بعضے تو کہتے ہیں کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ فرشتے ہیں اور بعضے

ہر مومن کے ساتھ فرشتوں کی تعداد

کہتے ہیں کہ ساٹھ ہیں اور کوئی کہتا ہے ایک سو ساٹھ ہیں اور کوئی کہتا ہے دو ہیں اور کوئی کچھ اور کہتا ہے اور سب قولوں میں صحیح یہ ہے کہ وہ پانچ ہیں ایک داہنی طرف جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے ایک اس کے سامنے جو نیک بات کی تلقین کرتا ہے اور ایک اس کے پیچھے جو تکلیف کی چیزوں کو دور کرتا ہے اور ایک اس کی پیشانی کے پاس جو اس درود کو لکھتا ہے جو حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھیجتا ہے۔ اور حضور تک اسے پہنچاتا ہے اور نمازی کو بطور

آداب کے یہ مناسب ہے کہ قیام کی حالت میں اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے اور رکوع کی حالت میں پاؤں کی پشت پر اور سجدہ کی حالت میں ناک کے نتھنوں پر، اور بیٹھنے کی حالت میں اپنی گود پر جہاں دونوں زانوؤں کے اوپر کپڑا رہتا ہے اور پہلا سلام پھیرتے وقت داہنے مونڈھے پر اور دوسرا سلام پھیرتے وقت بائیں مونڈھے پر رکھے کیونکہ مقصود تو انکسار اور بناوٹ کا ترک کر دینا ہے اور یہ تمام باتیں انکساری کی ہیں کیونکہ نمازی جب بناوٹ چھوڑ دیگا تو اس کی نگاہ ان ہی مقاموں پر پڑے گی خواہ قصد کرے یا نہ کرے اور نمازی کو یہی مناسب ہے کہ دونوں پیروں کے درمیان میں قیام کے وقت چار ملی ہوئی انگلیوں کے برابر فرق رکھے اور نمازی کو کبھی داہنے پاؤں پر جھک جانا اور کبھی بائیں پر مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک انتہائی عبث فعل ہے جو انکساری کے خلاف ہے۔

نماز کے آداب

اللہ ہم پر خاشعین کے عمل آسان کر دے۔

چوّنویں مجلس جماعت کی فضیلت اور اس کے ترک کے نیکی وعید کے بیان میں

نماز باجماعت کی فضیلت و اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت کی نماز اکیلی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز سے ستائیس درجہ ثواب میں زیادہ ہے۔ لہٰذا اس بنا پر مومن کو چاہیے کہ ہمیشہ پانچوں نمازیں جماعت سے ادا کرے تاکہ جس ثواب کا وعدہ ہے پائے کیونکہ نماز کا جماعت سے پڑھنا اس قدر سخت سنّت ہے کہ واجب کے قریب قریب ہے یہاں تک کہ اگر کسی شہر کے سب لوگ جماعت چھوڑ دیں تو ہتھیار سے ان کے ساتھ لڑنا واجب ہے کیونکہ یہ جماعت شعائر اسلام کی خصوصیات سے ہے جو کسی دین میں نہ تھی اور اگر بعضے لوگ جماعت کو بلا عذر ترک کر دیں تو ان کو تنبیہ کرنا واجب ہے اور ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور ان کے ہمسائے اس سے خاموش رہنے (یعنی منع نہ کرنے) سے گنہگار ہوں گے اور مینہ اور کیچڑ کی کثرت اور جاڑے کی شدت اور اندھیرے کی زیادتی عذر ہے اور مسائل فقہ کی بحث اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ عذر نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی عذر ہے۔ بشرطیکہ نہ سستی اور جماعت کی بے پرواہی سے ہو اور نہ ترک جماعت کی

عذر شرعی اور گھر یا مسجد میں جماعت کا مسئلہ

عادت کرے اور گھر کے اندر جماعت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے اور اصح مذہب یہ ہے کہ گھر کے اندر جماعت بھی مسجد میں قائم کرنے ہی کی طرح ہے لیکن اتنی فضیلت نہیں اور جس کو اپنی مسجد میں جماعت نہ ملے تو اور مسجدوں میں تلاش کرنا اس پر واجب نہیں بلکہ اگر اور کسی مسجد میں آیا اور جماعت سے نماز پڑھی تو بھی بہتر ہے اور اگر اپنی ہی مسجد میں پڑھ لی تو بھی بہتر ہے اور اگر اپنے گھر گیا اور اپنے اہل کے ساتھ جماعت سے پڑھے یہ بھی بہتر ہے۔

امامت کے لئے سب سے بہتر آدمی کی علامت

اور امامت کے لئے وہ شخص اولیٰ ہے جو نماز کے احکام سب سے زیادہ جانتا ہو اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو جو سب سے اچھا قاری ہو اور اگر علم اور قرأت میں دونوں برابر ہوں تو جو سب میں پرہیزگار ہے اور اگر ان تینوں صفتوں میں برابر ہوں تو جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور اگر ان چاروں میں بھی برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ نیک سیرت ہو اور اگر ان پانچوں میں بھی برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ خوش رو ہو اور اگر ان چھوں وصف میں برابر ہوں تو جو نسب میں زیادہ شریف ہو اور اگر ان ساتوں میں برابر ہیں تو جس کے کپڑے زیادہ ستھرے ہوں اور اگر ان تمام اوصاف میں برابر ہوں تو یا قرعہ ڈالا جائے یا جماعت والوں کو اختیار ہے جس کو چاہیں امام بنا لیں، اور فاسق کو آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ایک تو وہ اپنے دینی کام کا اہتمام نہیں کرتا نیز یہ کہ امامت کے لئے اس کے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہوتی

فاسق اور بدعتی کی امامت مکروہ تحریمی ہے

ہے حالانکہ شرع میں اس کی اہانت واجب ہے اور ایسے ہی بدعتی کا آگے کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ جب ہے کہ بدعت اس کو حد کفر تک نہ پہنچاتی ہو اور اگر کفر تک پہنچا دے تو پھر اس کی امامت کے ناجائز ہونے میں کچھ کلام نہیں اور جو شخص مسجد میں آیا اور دیکھا کہ جماعت کھڑی ہو گئی تو یہ شخص صف کے اس طرف

جماعت کی صف میں بعد میں شامل ہونے والے کیلئے ہدایت

کھڑا ہو جس طرف آدمی کم ہوں یہاں تک کہ امام صف میں عین وسط میں ہو جائے اور اگر دونوں جانب برابر ہوں تو داہنی طرف کھڑا ہو اور پہلی صف میں کھڑا ہونا دوسری صف میں کھڑے ہونے سے افضل ہے اور دوسری میں تیسری سے افضل ہے۔ اسی طرح آخر صفوں تک کہ اگلی پچھلی سے افضل ہے۔

جماعت کی صفوں میں فضیلت کے درجے

اس لئے کہ حدیثوں میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جماعت پر رحمت کرتا ہے تو پہلے امام پر اتارتا ہے پھر اس سے بڑھ کر اس پر آتی ہے جو مقابل پر پہلی صف میں کھڑا ہو۔ پھر اس کی داہنی طرف، پھر بائیں طرف پھر اس کے بعد دوسری صف پر،

اور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اس کے لئے جو امام کے مقابل پیچھے

ہوتا ہے سو نمازیں لکھی جاتی ہیں اور اس کے لئے جو داہنی طرف ہو پچھتر نمازیں اور اس کے لئے جو بائیں طرف کھڑا ہو پچاس نمازیں اور اس کیلئے جو اور صفوں میں ہو پچیس نمازیں،
اور جو مسجد میں آئے اور دیکھے کہ پہلی صف پوری ہو چکی تو یہ شخص ان میں نہ گھسے کیونکہ یہ ایذا دینا ہے۔ اور دوسری صف میں کھڑا ہونا ایذا دینے سے بہتر ہے اور اگر پہلی صف میں جگہ باقی پائے اور دوسری میں نہ ہو تو دوسری کو چیر کر چلا جائے۔ اس واسطے کہ اب ان کی اس وجہ سے کچھ عزت نہیں کہ انہوں نے قصور اور گناہ اختیار کیا کہ اول صف کو پورا نہ کیا کیونکہ سنّت تو یہ ہے کہ اوّل پہلی صف کو پورا کرلیں، پھر اس کے پاس والی کو تا کہ جو کچھ نقصان رہنے سب سے پچھلی صف میں رہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا پوری کرو اگلی صف کو پھر اسکو جو اس سے متصل ہو اور جو کچھ نقصان رہے تو چاہیے کہ پچھلی صف میں رہے۔
اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ "ہمیشہ لوگ پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ ان کو آگ میں بھی پیچھے رکھے گا (یعنی دوزخ سے سب کے بعد نکالے گا) یعنی صفِ اوّل سے پیچھے رہنا خیر اور ثواب سے پیچھے رہنا ہے لہٰذا جو شخص خیر اور ثواب سے پیچھے رہا وہ رحمت الٰہی اور دخول جنت سے بھی پیچھے رہے گا جس سے اس کا دوزخ میں جانا لازم آیا یہ اور بات ہے کہ اللہ اس کو بخشدے۔ اور صفوں کا سیدھا کرنا اور خوب مل کر پاس پاس کھڑے ہونا بھی سنّت ہے جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا "سیدھا کرو اپنی صفوں کو کیونکہ صفوں کو سیدھا کرنا بھی نماز ہی کا تتمہ ہے" اور ایک روایت میں ہے کہ نماز کی درستی میں سے ہے۔

صفوں کو سیدھا کرنے کی تاکید اور اس کی مخالفت پر وعید

اور نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو سیدھا کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ نے ایک شخص کو صف سے باہر سینہ نکالے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے اللہ کے بندو اپنی صفیں سیدھی کرو نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے بگاڑ دے گا۔ بعضے کہتے ہیں کہ چہروں سے مراد دل ہیں جس کی دلیل ایک اور حدیث میں نبی علیہ السّلام کا یہ قول ہے کہ "آگے پیچھے نہ ہونا کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے" اور یہ اس لئے کہ دلوں کا اختلاف آخر کار چہروں کے اختلاف کا سبب ہو جاتا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے منہ پھیرتا ہے کیونکہ صف سے باہر ہونے والے کا آگے بڑھنا صف کے برابر والوں سے اپنی فوقیت جتلانا ہے اور صف سے باہر ہونے والے کا پیچھے ہٹنا ان لوگوں کو ایذا دینا ہے جو اس کے پیچھے ہیں اور یہ دونوں باتیں بغض اور عداوت کا سبب ہیں پس گویا نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم ظاہر میں نماز کے باجماعت قائم کرنے کے وقت

اتفاق ہو کر دگے اور اس میں اللہ اور رسول کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو تمہارے درمیان بغض واقع ہو جائے گا۔ اور انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ" اپنی صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہو اور گردنیں برابر رکھا کرو۔ قسم ہے کہ اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بیشک میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہ میں گھس جاتا ہے گویا سیاہ بکری کا بچہ ہے اور حذف حائے مہملہ اور ذال معجمہ کے زبر سے حجاز کی چھوٹی سیاہ بکریاں ہیں۔ گویا شیطان یہ تاکتا رہتا ہے کہ صف کی خالی جگہ میں گھس جائے اور نمازیوں کے دل پریشان اور ان کی نماز خراب کردے اور جو شخص جماعت میں آئے تو اس کو صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونا مکروہ ہے جب تک کہ صف میں کوئی خالی جگہ ملے اور اگر صف میں خالی جگہ نہ ملے تو رکوع تک منتظر کھڑا رہے۔ اگر کوئی اور آجاوے تو ایک دوسرے کے اغل بغل امام کے مقابل کھڑے ہو جائیں اور اگر کوئی نہ آئے تو صف میں سے کسی ایک کو اپنی طرف کھینچ لے اور اس کے برابر کھڑا ہو جائے لیکن اس زمانے میں تنہا ہی امام کے مقابل کھڑا ہو جانا اولیٰ ہے۔ کیونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے پس اگر کسی کو پیچھے کھینچے گا تو نماز توڑ دے گا۔ اور جو شخص ایک شخص کے ہمراہ نماز پڑھے تو اس کو اپنی داہنی طرف کھڑا کرے

دو آدمیوں کی جماعت کا طریقہ

اور مقتدی کو جائز نہیں کہ امام سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو اور اس میں اعتبار قدم کی جگہ کا ہے یہاں تک کہ اگر مقتدی امام سے اتنا لمبا ہو کہ اس کا سجدہ امام سے آگے واقع ہوتا ہو لیکن اس کا قدم امام کے قدم سے آگے بڑھا ہوا نہ ہو جائز ہے اور قدم میں ایڑی کا اعتبار ہے۔ یہاں تک کہ اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے تو آگے بڑھی ہوئی نہیں ہے لیکن اس کا قدم امام کے قدم سے اتنا بڑا ہے کہ اس کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے ہیں تو جائز ہے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ ایک مقتدی اپنی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے اور جو شخص دو

تین آدمیوں کی جماعت کا طریقہ

مقتدیوں کے ہمراہ نماز پڑھے تو ان سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو لہٰذا اگر ایک مقتدی کو پیچھے کھڑا کیا یا اپنی بائیں طرف تو مکروہ ہے اور امام دو کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ نہیں ہے اور اگر دو سے زیادہ کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔ اور جو شخص مسجد میں آیا اور امام کو جہری قرأت میں پایا تو اس کی اقتداء

جماعت شروع ہونے کے بعد شمولیت کرنے والے کی نماز کا طریقہ

کرلے اور سبحانک اللھم نہ پڑھے بلکہ سنے اور چپ رہے اور اگر امام کو رکوع میں پائے تو تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہے پھر رکوع میں چلا جائے لیکن اگر اس کا رکوع میں جھکنا امام کے سر اٹھانے کے ساتھ ہوگا تو اس کو وہ رکعت نہیں ملی بلکہ اس رکعت میں مسبوق ہوگا کیونکہ رکعت کا پایا جانا جب ہی ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ سارے رکوع میں یا ایک مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنے کے برابر شرکت

ہو جائے اور وہ پائی نہیں اور اگر ایسی حالت میں تکبیر کہی کہ رکوع کے لئے جھکتے ہوئے رکوع کے قریب تھا تو اس نماز میں شامل نہ ہوگا اس واسطے کہ تکبیر تحریمہ کا خالص قیام میں ہونا شرط ہے اور وہ نہیں ہوا اور جو شخص مسجد میں آیا اور امام کو سجدے یا قعدہ میں پایا تو لازم ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہے۔ پھر جلدی سے متابعت امام کے لئے سجدے میں یا قعدے میں چلا جائے اگرچہ وہ سجدہ اور وہ قعدہ اس کی نماز میں

امام کے سامنے سجدہ یا قعدہ میں ملنے والے کے لئے ہدایت

شمار نہ ہوگا لیکن اس کو لازم ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہے اور جلدی سے امام کی موافقت کے لئے سجدہ اور قعدے میں چلا جائے حالانکہ اکثر لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ بعض لوگ تو مسجد میں آتے ہیں اور امام کو سجدے یا قعدے میں پاتے ہیں تو منتظر کھڑے رہتے ہیں یہاں تک کہ سجدے یا قعدے سے فارغ ہو کر پھر کھڑا ہوتا ہے اس وقت اس کی اقتدا کرتا ہے پس جو شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اپنا بہت بڑا ثواب اور اجر عظیم کھوتا ہے لہٰذا اس کو لازم ہے کہ کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کی متابعت کرتا ہوا وہ جس حال میں ہو جلدی کرے۔ اس واسطے کہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور اس کو محسوب نہ سمجھو اور ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ وہ ایسے مسبوق کے حق میں کہتے تھے شاید وہ سر بھی نہ اٹھانے پائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے اور مقتدی کو مکروہ ہے کہ امام سے پہلے ہی رکوع اور سجدے کے لئے جلدی کرے اور امام سے پہلے رکوع اور سجدے سے سر اٹھائے اس لئے کہ ابوہریرہؓ

امام سے پہلے رکوع وسجود کرنے کی ممانعت اور وعید

سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" امام اسی واسطے مقرر ہوا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے لہٰذا اس کے خلاف نہ کرو پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو" اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف نہ ہو جبکہ امام سے پہلے رکوع اور سجدے سے اپنا سر اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا بنا دے اور اس کی صورت گدھے کی سی کر دے اور ان دونوں حدیثوں میں بڑی سخت وعید ہے جیسا کہ کرمانی نے ذکر کیا ہے کیونکہ صورت کے بدل دینے کا عذاب اور عقوبتوں کی طرح نہیں ہے اور اسی لئے اس کو ضرب المثل کیا گیا تاکہ لوگ اس کام سے بچیں اور باز رہیں اور جو شخص مسجد میں آیا اور اس نے دیکھا کہ لوگ نماز شروع کر چکے ہیں تو اس کو مکروہ ہے کہ صف کے اندر گھس کر صف میں مل کر سنتیں

جماعت کی صف کے اندر گھس کر سنتیں پڑھنے کی ممانعت

پڑھنے لگے اور قیام اور قعود اور رکوع اور سجود میں ان کی مخالفت کرے بلکہ سنت یہ ہے کہ

سنتیں یا اپنے گھر میں پڑھے اور یہ سب سے بہتر ہے یا مسجد سے باہر پڑھے یا کسی ستون یا ایسی کسی چیز کے پیچھے پڑھے جو آڑ بن جانے میں ستون ہی کی طرح ہو کیونکہ صف کے پیچھے سنتوں کا بلا کسی حائل چیز کے پڑھنا مکروہ ہے اور صف کے اندر مل کر بہت ہی کراہت ہے اور امام کو مکروہ ہے کہ جماعت پر قرأت اور اذکار حد مسنون کی ادنیٰ مقدار سے بڑھا کر بوجھ ڈالے جس سے کہ لوگ اکتا جائیں

امام کے لئے قرأت واذکار حد مسنون سے گھٹانا یا بڑھانا مکروہ ہے

کیونکہ امام کا یہ فعل جماعت سے نفرت ہوجانے کا سبب ہے اور جماعت سے نفرت ہوجانا اس ثواب سے محرومی کا باعث ہے جو اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہ مکروہ ہوگا لیکن قرأت اور تسبیحات کو حد مسنون کی ادنیٰ مقدار سے گھٹانا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اتنی مقدار میں وہ معذور نہیں ہیں اور فجر کی نماز میں دونوں

فجر کی نماز میں مسنون قرأت کی مقدار

رکعتوں کے اندر سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت مسنون کا ادنیٰ درجہ چالیس آیتیں ہیں اور اوسط درجہ ساٹھ اور اعلیٰ درجہ سو آیتیں ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام فجر کی نماز میں سورت فاتحہ کے بعد چالیس یا ساٹھ آیتوں یا ایک سو آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے اور کبھی سورت قٓ پڑھتے تھے اور کبھی سورت روم پڑھا کرتے تھے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ جیسا کہ سفر السعادۃ میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تخفیف کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ امامت میں سورۂ والصّٰفّٰت پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والصّٰفّٰت پڑھنا بھی تخفیف میں داخل ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور رکوع اور سجود

رکوع وسجود کی تسبیحات کی مسنون مقدار

کی تسبیحات میں ادنیٰ درجہ جس سے سنّت ادا ہوتی ہے تین بار ہے اس واسطے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے" اور ادنیٰ درجہ سے مراد وہ ہے جس سے سنّت ادا ہوتی ہے اور اسی لئے تین بار سے کم کرنا مکروہ ہے اور اگر تین بار سے زیادہ کہے تو افضل ہے کیونکہ تین مرتبہ جبکہ ادنیٰ درجہ ہے تو بیشک ادنیٰ مرتبہ سے زیادہ کہنا افضل ہوگا لیکن امام جماعت کی خوشی کے بغیر تین بار سے زیادہ نہ کرے پھر اگر ان کی مرضی سے زیادہ پڑھے تو سنّت یہ ہے کہ عدد طاق پر ختم کرے اور وہ یا تو پانچ ہے یا سات اس لئے کہ تین مرتبہ جب ادنیٰ درجہ ہے اور طاق عدد مستحب ہے تو مناسب ہوا کہ درمیانی درجہ پانچ ہوں اور کامل درجہ سات ہوں اور امام کے لئے

رکوع اور سجود اور قعدہ کے اذکار میں امام کی متابعت کا حکم

یہ مکروہ ہے کہ جلدی کرکے جماعت کو سنّت کی ادنیٰ مقدار تسبیح رکوع وسجود میں اور تشہد پورا کرنے دے لیکن اگر امام مقتدی کے تین بار تسبیح کہنے سے پہلے اپنا سر رکوع وسجود سے اٹھالے تو مقتدی متابعت ہی

ہی کرے ہاں اگر امام اس سے پہلے کہ مقتدی تشہد پورا کرے قعدہ اولی سے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی تشہد پورا کرے۔ پھر کھڑا ہو اور اگر پورا کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے تو بھی جائز ہے اور اسی طرح اگر قعدہ آخیرہ میں امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے سلام پھیر دے تو مقتدی تشہد پورا کرے پھر سلام پھیرے اور اگر تشہد پورا کرنے سے پہلے سلام پھیر دے تو بھی جائز ہے اور اگر امام نے اس سے پہلے کہ مقتدی درود اور دعا پڑھے سلام پھیر دیا تو اب امام کی متابعت ہی کرے کیونکہ درود و دعا سنت ہیں بخلاف تشہد کے کہ وہ واجب ہے۔

پچپنویں مجلس نماز جنازہ اور اس کی کیفیت کے بیان میں

نماز جنازہ کا حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب تم مردے پر نماز پڑھو تو اس کے لئے خالص دعا کرو۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابوہریرہ رض نے روایت کیا ہے اور اس میں مُردے پر نماز اور نماز میں مردوں کے واسطے خالص دعا کرنے کا ذکر ہے لہٰذا اس کا جاننا ضروری ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالی کا قول ہے اور نماز پڑھ ان پر بیشک تیری نماز ان کے لئے تسکین ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اس نماز کا اس آیت میں امر فرمایا ہے

نماز جنازہ کے فرض کفایہ ہونے کی دلیل لہٰذا فرض ہو گئی لیکن ان کی فرضیت علی الکفایہ ہے کیونکہ تمام خلق پر واجب کرنا تو محال اور تکلیف میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا بعض پر اکتفا کیا گیا اور اگرچہ وہ ایک ہی شخص ہو لیکن افضل یہ ہے کہ جماعت سے ہو اور لوگوں کی کثرت مطلوب ہو جیسا کہ ابن عباس رض سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کوئی نہیں کہ وہ مر جائے تو اس کے جنازہ پر چالیس مرد مومن جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں کھڑے ہوں مگر اللہ ان کی شفاعت اس کے حق میں مان ہی لیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ام المومنین عائشہ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مردہ نہیں کہ اس پر ایک جماعت مسلمانوں کی جو سو تک پہنچ جائے نماز پڑھے کہ وہ سب اس کی شفاعت کریں مگر ان کی اللہ اس کے حق میں شفاعت قبول کر ہی لیتا ہے اور اس نماز کے میت کے لئے واجب ہونے کا سبب اس کا میت کی طرف منسوب ہونا ہے کیونکہ اس نماز کو نماز جنازہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اس کو واجب بھی میت کے لئے ہونا چاہیئے اور اس کے صحیح ہونے کے لئے وہی شرطیں ہیں جو پنج وقتی نماز کے لئے ہیں اور

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرائط ان شرائط کے علاوہ مردے کا مسلمان ہونا اور پاک ہونا اور نمازیوں کے سامنے ہونا اور اس نماز کا رکن جبکہ کوئی عذر نہ ہو قیام ہے

اور چار تکبیریں اور دعا مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ دعا میں مسبوق کی طرف سے امام کافی ہوجاتا ہے

نماز جنازہ کے رکن

چنانچہ جس وقت یہ خوف ہو کہ جنازہ اٹھ جائے گا تو مسبوق دعا ترک کردے اور تکبیرات ہی پر اکتفا کرے اور اگر تکبیرات میں سے ایک کو بھی ترک کردے گا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ ہر ایک تکبیر ایک ایک رکعت کی قائم مقام ہے اور اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ چاروں تکبیریں ظہر کی چار رکعتوں کی طرح ہیں اور دعا کا مناسب محل یہ ہے کہ دو تین

نماز جنازہ کا طریقہ اور دعا کا مناسب محل

تکبیروں کے بعد ہو اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی ثنا سے ابتدا کرنا پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا دعا کا مسنون طریقہ ہے اور قبولیت کی زیادہ امید دلانے والا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی ثنا ہو جیسے کہ اور نمازوں میں ہوتی ہے اور دوسری تکبیر کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہو جیسے کہ تشہد کے بعد اور تیسری تکبیر کے بعد اپنے اور مردے کے لئے اور تمام مومنین کے واسطے دعا ہو اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام۔ پھر چوتھی تکبیر کے بعد

سلام کے بعد کوئی دعا نہیں

سلام کے سوا کوئی دعا نہیں ہے کیونکہ یہ وقت نماز سے فارغ ہونے کا ہے اور فراغت سلام ہی سے ہوتی ہے نہ کہ دوسری چیز سے اور سلام میں مردے کی مع تمام جماعت کے

نماز جنازہ کی دعا

نیت کرے اور دعا کی کیفیت یہ ہے کہ دعا یہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ وَخُصَّ ھٰذَا الْمَیِّتَ بِالرَّوْحِ وَالرَّاحَةِ وَالرِّضْوَانِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِیْ اِحْسَانِهٖ وَاِنْ کَانَ مُسِیْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَلَقِّهِ الْاَمْنَ وَالْبُشْرٰی وَالْکَرَامَةَ وَالزُّلْفٰی بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یا اللہ بخش دے ہمارے زندہ کو اور مردے اور ہمارے حاضر کو اور غائب کو اور چھوٹے کو اور بڑے کو اور مرد کو اور عورت کو الٰہی ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو تو موت دے تو اس کو ایمان پر موت دے اور اس مردے کو آرام اور راحت اور رضامندی کے ساتھ مخصوص کر الٰہی اگر یہ نیکوکار ہے تو اسکی بھلائی زیادہ کردے اور اگر گنہگار ہے تو اس سے درگزر فرما اور اس کو امن اور بشارت اور بزرگی اور قرب اپنی رحمت سے عنایت کر اے سب سے زیادہ مہربان ۔

اور اس کے سوا اور دعائیں بھی جائز ہیں اس لئے کہ نماز جنازہ کے واسطے کوئی دعا معین نہیں

مردہ بچہ یا دیوانہ کے لئے دعا

ہے اور اگر مردہ بچہ یا دیوانہ ہو تو ان کے لئے مغفرت کے لئے دعا نہیں ہے اس لئے کہ ان کا کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان

کے بعد یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا ۝ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

ترجمہ یہ ہے الٰہی اس کو ہمارے لئے میر منزل بنادے الٰہی ہمارے لئے محنت کا پھل اور سامان بنادے الٰہی اس کو ہمارے لئے سفارشی اور سفارش قبول کیا ہوا بنادے اپنی رحمت سے اے سب سے زیادہ مہربان اور جو شخص امام کے تکبیر تحریمہ کہہ چکنے کے بعد آئے تو وہ فوراً تکبیر نہ کہے بلکہ ٹھہرا رہے۔ یہاں تک کہ امام دوسری تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہے اور یہ تکبیر اس کے حق میں

مسبوق کے تکبیریں کہنے کا طریقہ

تکبیر تحریمہ ہوجائے گی۔ لہٰذا یہ شخص اس تکبیر میں مسبوق ہوگا پس جب امام سلام پھیرے تو اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے اس تکبیر کو قضا کرلے اور اگر امام کے دو تکبیریں کہہ چکنے کے بعد آیا جب بھی تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام تیسری تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہے اور اب یہ دونوں تکبیروں کا مسبوق ہوگا پس جب امام سلام پھیرے تو اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے دونوں کو قضا کرے اور اگر امام کے تین تکبیر کہہ چکنے کے بعد آیا جب بھی تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام چوتھی تکبیر کہے تو اسکے ساتھ تکبیر کہے اور اب یہ تین تکبیروں کا مسبوق ہوگا۔ پھر جب امام سلام پھیرے تو پے درپے بغیر دعا کے تکبیریں قضا کرلے قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جائے اس واسطے کہ اگر تکبیریں پوری ہونے سے پہلے جنازہ اٹھالیا جائے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر امام کے چوتھی تکبیر کہہ چکنے کے بعد آیا تو پھر اس کی نماز جنازہ فوت ہوگئی برخلاف

مسبوق اور صف میں شامل غافل کے تکبیریں کہنے میں فرق

اس شخص کے جو حاضر ہو صف میں کھڑا ہو لیکن امام کے ساتھ غفلت یا نیت میں مشغولی کی وجہ سے تکبیر نہ کہنے پائے تو یہ شخص تکبیر کہے اور امام کے تکبیر کہنے کا منتظر نہ رہے کیونکہ یہ شخص اس تکبیر میں مدرک ہی کی طرح ہے اس واسطے کہ اس کو امام کے ساتھ تکبیر کہنا مشکل سے ممکن ہے اور اگر پہلی تکبیر نہ کہی یہاں تک کہ امام نے دوسری تکبیر کہہ دی تو اب امام کے ساتھ تکبیر کہے اور تکبیر اولیٰ نہ کہے یہاں تک امام سلام پھیر دے اس لئے کہ اگر اب پہلی تکبیر کہے گا تو قضا ہوگی اور مسبوق کو گذشتہ فوت شدہ کی قضا میں امام کے فارغ ہونے سے پیشتر مشغول نہ ہونا چاہیئے اور اگر تکبیر اولیٰ نہ کہی یہاں تک کہ امام نے چاروں تکبیریں کہہ لیں تو اب یہ شخص امام کے سلام سے پہلے تکبیر افتتاح کہے اور جب امام سلام پھیر دے تو لگاتار تینوں تکبیریں بدون دعا کے کہے۔ قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جائے اور اگر امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ تو کہی اور دوسری اور تیسری تکبیر نہ کہی تو پہلے دونوں تکبیریں کہے پھر امام کے ساتھ چوتھی تکبیر کہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کی تکبیر اولیٰ کہنے کے بعد آیا تو آتے ہی تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور دوسری تکبیر کا منتظر نہ رہے۔ ابراہیم حلبی منیہ کی شرح میں کہتے ہیں کہ ہم انہی کا قول لیتے ہیں اور اگر امام کے چوتھی تکبیر کہہ چکنے کے بعد آیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر افتتاح کہے اور جب امام سلام پھیرے تو تینوں تکبیریں قضا کرے۔ ابراہیم حلبی کہتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے اور جو مردہ اس سے پہلے کہ اس پر نماز پڑھی جائے دفن

قبر پر نماز جنازہ

کر دیا گیا بدن نہ پھٹنے سے پہلے واجب کو بقدر امکان ادا کرنے کے لئے اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے اور بدن کے نہ سڑنے کے بارے میں صحیح مذہب کی بنا پر گمان غالب معتبر ہے۔ کیونکہ سڑ جانا موسم کی گرمی اور سردی اور مردے کے موٹا اور دبلا ہونے کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے اور نماز جنازہ کی امامت کے لئے سب سے مقدم اگر بروقت موجود

نماز جنازہ کی امامت کا حق اور اسکے استعمال کا طریقہ

ہو بادشاہ ہے، پھر قاضی پھر محلے کا امام پھر ولی اسی ترتیب سے جس طرح میراث میں عصبہ بننے کا سب سے پہلا سبب بیٹا ہونا اس کے بعد باپ ہونا اس کے بعد بھائی ہونا اس کے بعد چچا ہونا ہے اور جب امامت کسی کا حق ثابت ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ اور کسی کو نماز پڑھانے کی اجازت دیدے اور کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ مستحق امامت کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائے اور اگر غیر شخص نے بلا اجازت نماز پڑھا دی تو مستحق کو اختیار ہے اگر چاہے تو پھر سے پڑھے اور پھر جب ولی یا ولی سے جو مقدم ہے یعنی سلطان وغیرہ نماز پڑھ چکے تو اب اور کوئی نماز نہ پڑھے اس واسطے کہ اس شخص کے نماز پڑھنے سے جو مقدم ہے میت کا حق ادا ہو چکا لہذا نماز جنازہ کا فرض ساقط ہو چکا اب اگر کوئی اور اس کی نماز پڑھے گا تو نفل ہو گی اور جنازہ کی نفل مشروع نہیں اور اسی لئے جو شخص ایک بار ولی کی بلا اجازت نماز جنازہ پڑھ چکا ہو تو وہ پھر دوسری مرتبہ ولی کے ساتھ نہ پڑھے۔ اور اگر میت نے وصیت کی ہو کہ میری نماز فلاں شخص

امامت کے لئے میت کی وصیت کا حکم

پڑھائے تو یہ وصیت بالکل صحیح ہے اس فلاں کو ولی کی رضامندی کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر میت کا کوئی ولی نہیں ہے تو ہمسایہ کے لوگ اولیٰ ہیں اور امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔ مردہ مرد

امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو

ہو یا عورت کیونکہ سینہ اس وجہ سے سب اعضا سے اشرف ہے کہ سینہ میں دل ہے جس میں ایمان کا نور ہوتا ہے لہذا اس کے برابر کھڑے ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ اس مردے کی شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ تاکہ اس کی خطاؤں کو اس کا پروردگار معاف کر دے اور اگر میت کا سر امام کے دائیں ہاتھ کیطرف

رکھدیں تو بھی جائز ہے لیکن اگر قصداً ایسا کیا ہے تو سب خطاوار ہیں اور مستحب ہے کہ تین صفیں کریں یہاں تک کہ اگر سات ہوں تو ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھے اور تین اس کے پیچھے کھڑے ہوں اور دو ان کے پیچھے اور ایک ان دو کے پیچھے اور نماز جنازہ کی تمام صفوں میں پچھلی صف افضل ہے اور تمام نمازوں میں اول صف افضل ہے

نماز جنازہ کی صفیں اور انہیں افضلیت

اور اگر جمعہ کے دن صبح کو جنازہ تیار ہوگیا تو جمعہ کے وقت تک اس غرض سے ملتوی رکھنا کہ اس پر جمعہ کے بعد کثیر جماعت نماز پڑھے مکروہ ہے اور نماز جنازہ طلوع آفتاب کے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت اور غروب کے وقت جائز نہیں ہے بشرطیکہ جنازہ ان اوقات سے پہلے آچکا ہو اور اگر ان ہی اوقات میں آیا ہو تو بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ نماز جنازہ جیسی واجب ہوتی ہے ویسی ہی ادا کی جاتی ہے کیونکہ وجوب جنازہ آنے سے ہوا ہے اور ان اوقات میں پڑھ لینا ہی جائز ہے اور تاخیر مکروہ ہے اسلئے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ (چند چیزیں) ہرگز نہ موخر کی جائیں جن میں سے ایک جنازہ کا ذکر کیا ہے اور اگر جنازہ غروب آفتاب کے بعد آیا ہے تو پہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ کی پھر مغرب کی سنتیں پڑھیں اور بعضے کہتے ہیں کہ مغرب کی سنتیں بھی پہلے پڑھیں اور جنازہ کی نماز اگر مسجد کے اندر ہو مکروہ ہے اور اگر جنازہ اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور باقی لوگ مسجد میں ہوں تو مکروہ نہیں ہے اور اگر امام بے وضو ہے اور تمام لوگ باوضو ہوں تو اس وجہ سے نماز صحیح نہیں ہوئی دوبارہ پڑھیں اور امام باوضو ہو اور لوگ بے وضو ہوں تو نہ دوہرائیں اس لئے کہ امام کی نماز صحیح ہوگئی اور اسی سے میت کا حق بھی ادا ہوگیا اور نماز جنازہ کی فرضیت بھی ساقط ہوگئی اس لئے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں ہے۔ اور اگر مردوں میں سے کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا اور صرف عورتوں نے جماعت کر کے نماز پڑھی تو یہ جائز ہے اور اگر عورت اس نماز میں مردوں کی امام بنی تو نماز نہ دہرائیں اس واسطے کہ مردوں کی نماز اگرچہ فاسد ہوئی لیکن اس عورت کی نماز تو صحیح ہوگئی اور اس سے میت کا حق بھی پورا ہوگیا اور نماز جنازہ کا فرض بھی ادا ہوگیا لہٰذا دوہرا کر نہ پڑھی جائے کیونکہ اس کا مکرر پڑھنا شرع میں ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے اور جو بچہ پیدا ہوا اور اس سے پیدا ہوتے وقت ایسی باتیں ظاہر ہوں جن سے اس کی زندگی معلوم ہوتی ہو جیسے رونے کی آواز یا کسی عضو کا ہلانا تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور نہلائیں بھی اور نماز جنازہ بھی پڑھیں اور اگر پیدا ہوتے وقت کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی جس سے اس کی زندگی معلوم ہوتی ہو تو اس پر نماز نہ پڑھیں لیکن اس کے نام رکھنے اور نہلانے میں

نماز جنازہ میں وقت کے اعتبار سے کراہت و جواز

مسجد میں نماز جنازہ کا شرعی حکم

بلاوضو نماز جنازہ کا حکم شرعی

صرف عورتوں کے نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم

مردہ بچے کے جنازہ کی نماز کے ثبوت کی صورتیں

اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ نام رکھیں اور نہلائیں اور تعظیم انسان کی وجہ سے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں۔

اور اگر کوئی بچہ (دار الحرب) سے پکڑا گیا اور مر گیا تو اگر اس کے ساتھ اس کے ماں باپ میں سے کوئی قید ہو کر نہیں آیا ہے تو اس پر نماز پڑھیں کیونکہ اب وہ یا گرفتار کرنے والے کا یا دار الاسلام کا تابع ہے اور اگر وہ کسی ماں یا باپ کے ساتھ گرفتار ہوا ہے تو نماز نہ پڑھیں کیونکہ وہ ماں باپ میں سے جس کے ساتھ گرفتار ہوا ہے اس کی تبعیت میں کافر ہے ہاں اگر وہ بچہ اسلام کا اقرار کرے اور وہ اسلام کو اس طرح جانتا ہو جس طرح نبی علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں ان کے سوال کے وقت فرمایا تھا کہ ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور قیامت کے دن پر اور نیک و بد کے تقدیر پر" یا اس کے ماں باپ میں سے جس کے ساتھ وہ گرفتار ہوا ہے کوئی مسلمان ہو جائے تو اب اس پر نماز پڑھیں اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بچہ ماں باپ میں سے دین کے اعتبار سے جو اچھا ہو اس کا تابع ہوتا ہے۔ اگر وہ بچہ دار الاسلام میں اپنے باپ کے دار الاسلام میں مرنے کے بعد مر جائے تو اب اس پر نماز پڑھیں کیونکہ باپ کے ابھی مرنے کی وجہ سے تبعیت باقی ہے اور جو شخص کشتی میں مر جائے اور کہیں قرب و جوار میں زمین نہیں ہے تو غسل دے کر اور کفنا کر اور نماز پڑھ کر دریا میں ڈال دیں اور

سمندر میں مرنے والے کی تجہیز و تکفین اور تدفین

جو شخص حد یا قصاص میں مارا جائے تو اس کو نہلائیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ جیسی کہ روایت ہے کہ ماعزؓ جب رجم کئے گئے تو ان کے چچا نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ماعزؓ تو کتے کی موت مارے گئے اب جو حکم ہو کر دوں پس نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ مت کہہ کیونکہ اس نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے لوگوں پر تقسیم کی جائے تو سب کو کافی ہو جائے جاؤ اور اس کو نہلاؤ اور کفناؤ اور نماز پڑھو اور جو کوئی باغی اور

حد یا قصاص میں مقتول کی نمازِ جنازہ کا حکم

ڈاکو مارا جائے تو نہ نہلایا جائے اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے جیسا کہ

باغی اور ڈاکو پر نماز نہ پڑھی جائے

روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے باغیوں کو نہ غسل دیا اور نہ ان پر نماز پڑھی تو کسی نے ان سے پوچھا کیا یہ لوگ کافر ہیں تو جواب دیا نہیں بلکہ انہوں نے ہم سے بغاوت کی ہے۔ یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ انکا غسل اور نماز بغاوت کی وجہ سے ترک ہوئی ہے تا کہ انکے لئے سزا اور اوروں کو تنبیہ ہو اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ اس کے حق میں ہے جو عین جنگ میں لڑائی موقوف ہونے سے پہلے مقتول ہو اس کے لئے نہیں ہے جو امام کے قبضہ کے بعد مارا جائے پس اسے تو غسل بھی دیں اور اس پر نماز بھی پڑھیں۔ زیلعیؒ کہتے ہیں کہ یہ

اچھی تفصیل ہے۔ بڑے بڑے مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور ہمارے مشائخ نے معصیت کے مقتولوں کو بھی باغیوں ہی کے حکم میں ٹھہرایا ہے اور ایسے ہی ان لوگوں کا حکم ہے جو کھڑے رہ کر باغیوں کا تماشہ دیکھیں۔ اگر ان کے پتھر یا تیر لگ جائے اور اسی حالت میں مرجائیں تو ان پر بھی نماز نہ پڑھی جائے۔ اور اگر باغیوں کے بھاگ جانے کے بعد مریں تو ان پر نماز پڑھی جائے اور جو شخص اپنے آپ کو قصداً قتل کرے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی

اس پر نماز پڑھی جائے۔ اور یہی اصح ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ اپنی جان پر باغی ہے لیکن ملک میں فساد نہیں پھیلاتا۔ بلکہ وہ فاسق ہے اور اور فاسق مسلمان ہیں اور جس کو درندہ پھاڑ ڈالے یا آگ میں جل کر مرجائے یا پہاڑ سے گرپڑے

چند خاص صورتیں جن میں غسل دے کر نماز جنازہ پڑھی جائیگی

اور مرجائے یا مکان کے نیچے دب کر مرجائے تو اس کو نہلائیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ اور جس کو حربی لوگ یا باغی یا ڈاکو مار ڈالیں

شہید کی نماز جنازہ اور تدفین بلا غسل ہی ہوگی

اور وہ جنبی ہو یعنی اسے غسل کی حاجت ہو تو اس کو غسل نہ دیں اس لئے کہ وہ شہید ہے بلکہ اس پر نماز پڑھیں اور خون کے ساتھ ان ہی کپڑوں میں جن میں قتل ہوا ہے دفن کر دیں۔ ہاں جو کپڑے کفن کی طرح نہ ہوں جیسے پوستین اور روئی دار کپڑا اور موزے اور ٹوپی اتار لیں اور اگر اس کے کپڑے مسنون کفن سے کم ہوں تو زیادہ کر دیں اور اگر زیادہ ہوں تو رعایت سنت کی غرض سے کم کر دیں اور مقتول کے کسی عضو پر نماز نہ

مقتول کے کسی عضو پر نماز نہ پڑھیں البتہ اگر وہ عضو کل کے حکم میں ہو تو جائز ہے

پڑھیں۔ ہاں اگر وہ عضو کل کے حکم میں ہو کہ مردے کا اکثر حصہ ہو یا سر مع آدھے جسم کے ہو۔ برخلاف اس صورت کے کہ فقط سر ہی ملے یا آدھا طول کی جانب سے چرا ہوا ہو تو ایسی حالت میں نہ اس کو غسل دیں اور نہ اس پر نماز پڑھیں۔ اور جس کو سولی دی جائے۔ اس کو تین دن تک اس کی سزاً اوروں کو تنبیہ

سولی پانے والے کی سزا

کے لئے سولی پر لٹکا رہنے دیں۔ پھر جب تین دن پورے ہو چکیں تو وارثوں کو دے دیا جائے تاکہ اس کو دفن کر دیں اور اگر کوئی کافر مرجائے اور اس کا کوئی والی وارث نہ ہو اور اس کا کوئی مسلمان عزیز ہو تو وہی مسلمان عزیز اس کو غسل دے کر دفن کر دے

کافر کی تکفین و تدفین

کیونکہ روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ کے باپ مرگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مرگیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اس کو نہلاؤ اور دفن کر دو لیکن اس کو مسلمان کے غسل کی طرح نہ نہلائیں بلکہ اس پر پانی بہا دیں اور جیسے

ف۔ جیسے قزاق وغیرہ ہیں اور قزاقوں کا حکم اگرچہ اوپر گذر لیکن چونکہ حضرت علیؓ سے حکم باغیوں کا ذکر کیا۔ اب یہ کہتے ہیں کہ مقتول بالمعصیت یعنی قزاق بھی باغیوں کے حکم میں ہیں کہ جن کو حضرت علیؓ نے بیان کیا داخل ہیں۔

نجس کپڑا دھوتے ہیں بلا وضو اور داہنی طرف سے ابتدا کر کے غسل دے دیں اور کفن میں بغیر اسکے کہ سنت کی رعایت کریں بلا وضو کپڑے میں لپیٹیں اور بدون لحد کے ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیں اور مردہ کی طرح نہ اتاریں اور یہی جائز ہے کہ اس کا لاشہ اس کے ہم مذہبوں کے حوالے کردیں اور اگر کفار میں سے اس کا کوئی وارث ہو تو مسلمان کو نہیں چاہیئے کہ اس کے کاروبار کا ذمہ دار ہو بلکہ انہی کو دیدیں تاکہ جیسا وہ اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہیں اس کے ساتھ کریں یہ جب ہے کہ اس کا کفر مرتد ہونے کی وجہ سے نہ ہوا اور اگر وہ مرتد ہو کر کافر ہوا ہے تو اس کے ہم مذہبوں کو جن کے دین میں مل گیا ہے نہ دیں بلکہ کتے کی طرح بے غسل و بے کفن کسی گڑھے میں ڈالدیں۔

مرتد کی تکفین وتدفین

زوال ایمان سے بچنا۔ خداوند تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہم پر آسان فرمائے۔

چھپنویں مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کے بیان میں کہ جسکا آخر کلام لا آلہ الا اللہ ہے وہ جنتی ہے

زندگی کا آخری کلام کلمہ توحید جنت میں لیجائیگا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کا آخر کلام لا آلہ الا اللہ ہے وہ جنتی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ معاذ بن جبلؓ نے روایت کیا ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جس کا مرتے دم سب سے آخری کلام کلمہ توحید ہو وہ جنت میں داخل ہوگا یا تو عذاب سے پہلے کہ اس کی خطائیں معاف ہوجائیں یا گناہوں کے برابر عذاب بھگت چکنے کے بعد۔ لہذا اس بیان کی رو سے جس کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوجائے تو اس کو چاہیئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے دل میں یہ خیال رکھے کہ دنیا میں میرا یہی آخری وقت ہے اور یہ کوشش کرے کہ اس وقت کو نیکی پر تمام کرے۔ اور اپنے قرض کی آدائیگی میں جلدی کرے تاکہ اپنی قبر میں قرض کی وجہ سے پھنسا نہ رہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ مومن کی جان قرض کی وجہ سے اٹکی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ قرض خواہ راضی ہو جائے اور تمام حقداروں کے حق ادا کرنے میں جلدی کرے جس سے ناحق لیا ہو پھیر دے اور

استغفار کی کثرت اور گناہوں سے توبہ

ادائیگی قرض کی تاکید

حقداروں کے حق ادا کرنے کی تاکید

سے مرتد وہ شخص ہے جو پہلے مسلمان تھا بعد میں وہ اسلام سے پھر کر کفار کے کسی گروہ میں داخل ہوگیا۔

امانتیں اور مانگی ہوئی چیزیں واپس کر دے اور اپنے لوگوں سے یعنی اپنی بیوی اور ماں باپ اور اولاد اور غلاموں اور ہمسایوں اور دوستوں سے اور جس جس کے ساتھ کچھ معاملا پڑا ہو یا ساتھ رہا ہو معاف کرالے۔ اور جو حق کہ بالفعل ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کی وصیت کر دے یہاں تک کہ اگر اس کے **ادائیگی حقوق کی وصیت** ذمے حقوق اللہ ہوں جیسے نماز، اور زکوٰۃ اور روزے اور حج وغیرہ تو اس پر واجب ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو تہائی مال میں سے ان حقوق کے ادا کرنے کی وصیت کر دے اور اگر اس کے ذمے ان حقوق میں سے کوئی حق نہ ہو تو اس پر اس کے علاوہ اور کوئی وصیت واجب نہیں ہے بلکہ اب اس کو یہ چاہیئے کہ وارثوں کے حال کا لحاظ کرے چنانچہ اگر وارث بچے ہوں تو وصیت نہ کرنا ہی افضل ہے۔ اور ایسے ہی اگر بالغ ہوں اور محتاج ہوں کہ ترکہ میں سے اپنا اپنا حصہ لے کر بھی غنی نہ ہوں گے تو بھی وصیت نہ کرنی اس کے حق میں افضل ہے اور اگر غنی ہوں یا ترکہ میں سے اپنے اپنے حصے سے غنی ہو جائیں گے تو افضل یہ ہے کہ تہائی مال سے کم کی ایسے کام کی جو طاعت ہو معصیت نہ ہو وصیت کر دے۔

پس اوّل اپنے عزیزوں میں سے اگر وہ محتاج ہوں ان لوگوں کے لئے وصیت کرے جو وارث نہ ہوں اور اگر وہ محتاج نہ ہوں بلکہ غنی ہوں تو ہمسایوں کے لئے وصیت کرے اور وہ مقدار جس کے حصہ رسد مل جانے سے وارث غنی ہو جائیں جیسا کہ خلاصہ اور بزازیہ کے وصایا میں مذکور ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ وصیت ادا کرنے کے بعد چار چار ہزار ہر ایک وارث کے لئے بچ رہیں اور فضلیؒ سے دس ہزار کی روایت ہے۔ اور وصیت کرنے کے بعد چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ **اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور امید کی تاکید** کے ساتھ حسن ظن رکھے کہ مجھ پر اللہ رحمت کرے گا اور میرے گناہ معاف کر دے گا اور اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ میں اس کی مخلوقات میں سب سے ادنیٰ ہوں اور اللہ تعالیٰ کو میرے عذاب اور طاعت کی کچھ حاجت نہیں ہے اور مناسب ہے کہ قرآن مجید کی ان آیتوں کے پڑھنے میں مشغول رہے جن کا مفہوم امید واری ہے یا اس کے پاس اور لوگ پڑھیں اور وہ سنتا رہے اور ایسے ہی امید واری کے مضمون کی حدیثیں اور نیک لوگوں کی حکایتیں اور ان کے مرتے دم کے حالات پڑھے یا اور لوگ اسکے پاس پڑھیں اور یہ سنتا رہے **نماز اور طہارت کی پابندی کا حکم** اور مناسب ہے کہ پنجگانہ نماز اور وہ وظیفے جو شرعاً ثابت ہیں اپنی طاقت کے موافق ہمیشہ پڑھتا رہے۔ پس جب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع اور سجود کے ساتھ پڑھے اور اگر رکوع اور سجود کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اشارے سے پڑھے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے تاکہ دونوں میں فرق ہو جائے اور اگر بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو اشارے سے کروٹ سے یا چت لیٹ کر پڑھے کیونکہ طاعت باری تعالیٰ کے اس قول کے

کے مطابق طاقت کے موافق ہوتی ہے کہ تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس کی گنجائش کے اور ناپاکیوں سے حتی الامکان بچے یہاں تک کہ جب پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم سے نماز پڑھے اور اگر اس کے بدن یا کپڑے یا نماز کی جگہ پر نجاست ہو اور اس کو دور نہ کر سکے تو اسی طرح نماز پڑھ لے اور نماز کو قضا نہ کرے اور نہ جب تک اس کی عقل قائم ہو اس خوف سے وقت سے مؤخر کرے کہ ناگاہ موت ایسے وقت آجائے جبکہ بقدر طاقت واجبات کے ادا کرنے میں تقصیر ہوئی ہو۔ اور اس میں سستی کرنے سے ڈرتا رہے۔ اس لئے کہ یہ بڑی بات ہے کہ دنیا کا سب سے آخری وقت جو آخرت کا کھیت ہے کسی واجب یا مستحب امر کی کوتاہی کرنے میں گزرا ہو اور اپنی عمر کو اچھی سے اچھی حالت پر ختم کرنے کی کوشش کرے اور اپنے اہل اور اصحاب کو

اپنے اہل و اصحاب کو صبر و تحمل کی وصیت

ان حرکات پر جو اس سے بیماری میں واقع ہوں صبر اور تحمل کی وصیت کرے اور صبر کرنے اور نہ رونے کی وصیت کرے اور ان سے کہہ دے کہ صحیح روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ پس اے یارو میرے عذاب میں کوشش کرنے سے بچو۔ اور جنازہ کے بارہ میں جو جو

جنازہ میں مروجہ بدعات سے بچنے کی وصیت

بدعات رواج پا گئی ہیں ان سے بچنے کی بھی وصیت کر دے اور ان کو خوب تاکید کر دو اور چاہیئے کہ دم بدم یہ کہتا رہے کہ جب تم کسی بات میں میرے اندر کوتاہی دیکھو تو مجھ کو نرمی سے جتا دیا کرو کیونکہ اب میں غفلت اور کاہلی اور سستی میں پھنسا ہوں اور جب میں کوتاہی کروں تو مجھ کو بچاؤ اور اس میرے سفر کے سامان پر میری مدد کرو پھر

دم نکلنے کے وقت میت کے ساتھ برتاؤ

جب دم نکلنے لگے تو داہنی کروٹ پر اس کو قبلہ رخ کر دیں۔ زیلعیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مختار یہ ہے کہ چت لٹا کر اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں اور کچھ تھوڑا سا اس کا سر اونچا کر دیتے ہیں تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے آسمان کی طرف نہ رہے اور اس آخری صورت کو اگرچہ پہلی صورت مسنون ہے اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اور کلمہ شہادت کی تلقین کریں کیونکہ اس وقت شیطان اسکے مرنے والے کو کلمہ شہادت کی اعتقاد خراب کرنے کو آموجود ہوتا ہے۔ لہٰذا توحید یاد دلانے

تلقین اور اس کا صحیح طریقہ

والے اور بتلانے والے کی حاجت ہے اور تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاس کلمۂ توحید پڑھا جائے اور اس کو حکم نہ کریں۔ اس خوف سے کہ کہیں دل تنگ ہو کر رد کر دے۔ کیونکہ اس پر یہ وقت بہت سخت ہے اور جب وہ ایک بار بھی کہہ لے تو پھر اس پر نہ دہرائیں۔ ہاں اگر اس کے بعد اور بات چیت کی ہو تو اب دوبارہ تلقین کریں تا اس کا آخر کلام کلمۂ توحید ہو اور رہا بعد موت کے تلقین کرنا سو اس میں اختلاف ہے۔ بعضے

کہتے ہیں کہ اس روایت کے ظاہری معنوں کے اعتبار سے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے تلقین کریں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ تلقین کیا کرو اور کوئی کہتا ہے کہ تلقین نہ کریں اس لئے کہ موت کے بعد تلقین سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ مومن مرا ہے تو تلقین کی حاجت نہیں اور اگر کافر مرا ہے تو اس کو تلقین سے کچھ فائدہ نہیں اور جو حدیث مذکور ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مردے سے وہ آدمی مراد ہے جس کا دم ٹوٹ رہا ہو اور بعضے کہتے ہیں کہ نہ تو اس کا حکم کریں اور نہ منع کریں۔ اور جب مر جائے تو اس کی دونوں آنکھیں بند کر

دم نکلنے کے بعد میت سے برتاؤ

دی جائیں اور اس کے دونوں جبڑے کسی چوڑی پٹی سے سر کے اوپر سے باندھ دیں۔ کیونکہ اس میں خوبصورتی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے تو بدہیأت (اور منہ کھلا) رہ جائے گا اور اس سے بھی اطمینان نہیں کہ اس کے پیٹ میں کیڑے وغیرہ گھس جائیں اور نہلاتے ہوئے پانی چلا جائے اور اس کے ہاتھ پاؤں کھینچکر سیدھے کر دیں اور اس کے پیٹ پر لوہا رکھدیں تاکہ پھول نہ جائے۔

میت کی آنکھیں بند کرتے وقت کی دعا

اور آنکھیں بند کرنے والا یہ کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ حَالَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ

ترجمہ۔ ساتھ نام اللہ کے اور رسول اللہ کے دین پر الٰہی اس پر اس کا حال آسان فرما اور اس پر اس کا مابعد سہل کر دے اور اس کو اپنے دیدار سے سعادت مند کر دے اور اس کے لئے وہ جگہ جہاں گیا ہے اس منزل سے کہ جہاں سے نکلا ہے بہتر کر دے۔ اور جب تک نہلا نہ چکیں اس کے

میت کو غسل دینا واجب ہے

پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ پھر نہلانا پرانا طریقہ ہے جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب وفات پائی تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو لیکر آئے اور ان کو نہلایا اور ان کے بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے مردوں کی سنت ہے اور سنت سے مراد اس جگہ طریقہ ہے کیونکہ میت کا غسل کلمۂ اعلیٰ کی وجہ سے جو نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے واجب ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو مرنے کے بعد نہلائے لیکن جب کچھ لوگ اس کو ادا کرلیں تو اوروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ پس اس کے نہلانے کا جب ارادہ کریں تو تختہ پر لٹائیں تاکہ اس پر

میت کو غسل دینے کا طریقہ

سے پانی بہ جائے اور اس تختہ کو میت کی تعظیم اور بدبو دور کرنے کی غرض سے طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دیں اور دھونی کا طریقہ یہ ہے کہ لوبان دان کو مع خوشبو کے تختے کے گرد ایک بار یا تین بار یا پانچ بار پھرائیں۔ زیلعیؒ کہتے ہیں کہ اس سے

زیادہ نہ بڑھائیں اور اس کے کپڑے اتاریں اور شرمگاہ ڈھاکیں کیونکہ ستر عورت واجب ہے اور اس کا دیکھنا حرام ہے جیسا کہ حضور صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ کسی زندہ اور مردہ کی ران نہ دیکھنا اور بدون کلی اور ناک میں پانی ڈالے وضو کرائیں۔ اس واسطے کہ وضو غسل میں سنت ہے لیکن مردے میں کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا چھوڑ دیں کیونکہ اس پانی کا نکالنا مشکل ہے پس پہلے منہ دھلائیں ہاتھ نہیں اور پاؤں کا دھونا آخر پر نہ رکھیں۔

اور اس کے استنجا کرانے اور سر کے مسح میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ استنجا اور سر کا مسح بھی کریں لیکن نہلانے والا اس کی عورت کو نہ چھوئے کیونکہ عورت کا چھونا حرام ہے بلکہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے اور مخرج کو یہاں تک دھوئے کہ پاک ہو جائے۔

پھر بیری کے پتوں یا اشنان کا جوش دیا ہوا پانی اس پر بہائیں اور اگر ایسا پانی نہ ملے تو صاف پانی سے نہلائیں کیونکہ مقصود یعنی طہارت اس سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اور جب وہ مل جائے تو پھر جیسا کہ شیخ الاسلام نے مبسوط میں بیان کیا ہے اور جو ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ اوّل خالص پانی سے ابتدا کریں یہاں تک کہ جو کچھ بدن پر میل کچیل اور نجاست ہو بھیگ جائے۔ پھر بیری یا اشنان کے جوش دیئے ہوئے پانی سے تاکہ جو بدن پر ہو سب چھوٹ جائے۔ کیونکہ اس سے صفائی ستھرائی خوب ہوتی ہے۔ پھر اس پانی سے جس میں کافور پڑا ہوا گر مل جائے میت کا بدن کے خوشبودار ہو جانے کی غرض سے غسل دیں۔ پھر اس کا سر اور داڑھی گل خیرو سے دھوئیں کیونکہ یہ میل کے چھڑانے میں خوب چیز ہے۔ اس لئے کہ صاف کرنے میں یہ صابن کے برابر ہے اور اگر یہ نہ ملے تو صابن سے دھوئیں۔

پھر بائیں کروٹ پر لٹائیں اور نہلائیں۔ یہاں تک کہ پانی نیچے کی طرف ٹخنے تک بہہ جائے اور پیٹھ دھونے کے لئے منہ کے بل اوندھا نہ کریں۔ پھر اس کو نہلانے والا بٹھا دے اور اپنی ٹیک اس کو لگا کر کے نرمی سے پیٹ کو ملے اور اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالے اور نہ غسل دوہرائے اور نہ وضو کو کیونکہ غسل میت نص سے معلوم ہوا ہے اور نص یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ہے مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اور ان میں سے اس کے مر جانے کے بعد نہلانے کو ذکر فرمایا سو ایک بار حاصل ہو گیا لہٰذا دوہرایا نہ جائے۔ پھر کپڑے سے اس کا بدن پونچھ ڈالے تاکہ کفن تر نہ ہو جائے

میت کے خوشبو لگانے کا مسئلہ اور اس کے سر اور داڑھی پر ارگجہ لگا دیں اور وہ ایک عطر ہے جو چند خوشبودار چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور سب قسم کی خوشبوؤں کا بھی کچھ مضائقہ نہیں سوائے زعفران اور کسم کے کیونکہ یہ دونوں مردوں کے حق میں مکروہ ہیں۔ عورتوں کے حق میں مکروہ نہیں ہیں اور اعضائے سجدہ پر کافور مل دیں اور وہ اعضا اسکی پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں

گھٹنے اور دونوں قدم ہیں اس لئے کہ ان اعضاء سے سجدہ کرتا تھا لہٰذا ان کی زیادہ تعظیم اولیٰ ہے

بالوں میں کنگھی کرنے اور بال تراشنے کی ممانعت

اور بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کریں اور نہ اس کے ناخن تراشیں اور نہ بال کتریں کیونکہ یہ باتیں زینت کے لئے کی جاتی ہیں اور میت کو اس کی ضرورت نہیں اور وہ جو روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو ویسا ہی کرو جیسا اپنی دلہنوں کے ساتھ کرتے ہو تو یہ خوشبو لگانے اور طہارت پر محمول ہے۔ کچھ کم کرنے اور کسی جزو کے دور کرنے پر نہیں۔ کیونکہ یہ میت کے حق میں مسنون نہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ ناخن اگر ٹوٹا ہوا ہو تو اس کے کتر دینے کا کچھ مضائقہ نہیں اور اگر کوئی شخص مر جائے اور غسل دینے

غسل کی بجائے تیمم کا مسئلہ

کے لئے پانی نہ ملے تو اس کو تیمم کرا دیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ پھر اگر پانی مل جائے تو نہلائیں اور نماز دوہرا کر پڑھیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نماز دوہرا کر نہ پڑھیں اور

میت پر خود بخود پانی بہہ جانے سے غسل نہیں ہوتا

اگر میت پر خود بخود پانی بہہ گیا یا بارش میں بھیگ گیا تو امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ غسل کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ ہم کو غسل دینے کا حکم کیا گیا ہے اور پانی کا بہہ جانا اور بارش میں بھیگ جانا غسل نہیں ہے اور ڈوبے ہوئے کو امام ابو

ڈوبنے والے کا غسل

یوسفؒ کے قول کے موافق تین بار غسل دیں اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک روایت میں اگر پانی سے نکالتے ہوئے غسل کی نیت کر لی ہو تو پھر دوبارہ نہلائیں اور اگر نیت نہیں کی تو تین بار نہلائیں اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ ایک ہی دفعہ نہلائیں ۷ اور

میت کو غسل دینے والے کیلئے ہدایات

میت کے نہلانے والے کو چاہیئے کہ باوضو ہو اور میت کا سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اگر ایسا شخص نہ ملے تو کوئی پرہیزگار اور نیک آدمی نہلائے۔ اور جب نہلا چکیں تو کفن پہنائیں اور ہر ایک کے لئے عورت ہو یا مرد ایک

کفن

کفن سنت ہے اور ایک کفن کفایت اور ناچاری کا کفن دونوں کے لئے وہ ہے جو میسر ہو جائے۔ اور مرد کے لئے مسنون کفن تین کپڑے قمیص (یعنی کفنی) اور تہ بند اور پوٹ کی

مرد کے لئے مسنون کفن اور اس کو پہنانے کا طریقہ

چادر ہیں پس قمیص تو دونوں مونڈوں سے لے کر پاؤں تک ہونا چاہیئے جس میں نہ کلی ہو اور نہ گریبان اور نہ آستینیں اور نہ تہ بند اور پوٹ میں سے ہر ایک سر سے پاؤں تک ہو۔ پس جب کفنانے کا ارادہ کریں تو پہلے پوٹ کی چادر بچھائیں پھر اس کے اوپر تہ بند پھر قمیص، پھر اس کے اوپر میت کو رکھ کر کفنی پہنائیں پھر تہ بند بائیں طرف سے لپیٹیں، پھر داہنی طرف سے پھر پوٹ کی چادر اسی طرح سے لپیٹیں اور اگر کفن کے اڑنے کا خوف ہو تو کھلنے سے حفاظت کے لئے گرہ لگا دیں۔

اور کفن کفایت مرد کے واسطے تہ بند اور پوٹ کی چادر ہے اور اس سے کم مکروہ ہے مگر

لاچاری کے وقت اور کفن سنت عورت کے لئے قمیض اور اوڑھنی اور تہ بند اور پوٹ کی چادر ہیں اور سینہ بند جس سے اس کے پستان باندھے جائیں۔ پس عورت کو پہلے قمیض پہنائیں، پھر اس کے بالوں کی دو لٹیں کرکے اس کے سینہ پر قمیض کے اوپر سے ڈال دیں۔ پھر اوڑھنی اس کے سر پر مقنع کی طرح قمیض کے اوپر پھیلا کر رکھیں پھر تہ بند اور پوٹ کی چادر کو اسی طرح لپیٹیں جس طرح کہ مردوں کے حق میں بیان کیا گیا۔ پھر سینہ بند سب کفنوں کے اوپر لپیٹیں اور اس کی چوڑائی پستان سے ناف تک ہو۔

عورت کیلئے مسنون کفن اور اس کو پہنانے کا طریقہ

اور کفن کفایت عورت کا تہ بند اور پوٹ کی چادر اور اوڑھنی ہے اور اس سے کم مکروہ ہے مگر لاچاری کے وقت۔

اور کفنوں کو میت کے اس میں رکھنے سے پہلے طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دیں اور پانچ بار سے نہ بڑھائیں جیسا کہ زیلعیؒ نے بیان کیا ہے اور مرغینانیؒ نے جیسا کہ شرح مینہ میں مذکور کیا ہے کہ اگر ترکہ بہت زیادہ ہو اور وارث کم ہوں تو کفن سنت اولیٰ ہے۔ اگرچہ کفن کفایت اولیٰ ہے۔ اگرچہ کفن سنت بھی جائز ہے اور مراہق کے کفن کے بارے میں دو اعتبار ہیں خواہ بالغ کی طرح (اسے پورا کفن دیں) خواہ اس لڑکے کی طرح جو ابھی حد شہوت کو نہیں پہنچا ہے ایک کپڑے میں لپیٹ دیں، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو وہ کفن دیں جو بالغ کو دیا جاتا ہے اور اگر اس کو ایک ہی کفن میں کفنا دیں تو بھی جائز ہے اور کفنانے کے بعد اس پر نماز پڑھیں اور اس پر نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض لوگ ادا کرلیں۔ اگرچہ وہ ایک ہی مرد یا ایک ہی عورت ہو تو اوروں کے ذمے سے ساقط ہو جائے گی اور نہیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔ اور جب جنازہ کو لے کر چلیں تو سنت یہ ہے کہ چار آدمی چاروں طرف سے اٹھائیں کیونکہ اس میں اٹھانے والوں کو بھی آسانی ہے اور میت کے گرنے اور الٹ پڑنے سے بھی حفاظت ہے اور کثرت جماعت بھی ہے یہاں تک کہ اگر اور کوئی ساتھ نہ چلے تو یہی لوگ جماعت بن جائیں گے اور چلنے میں جلدی کریں مگر دوڑیں نہیں۔ اور لوگوں کی کثرت اور جنازہ کو باری باری لینے کے وقت مستحب یہ ہے کہ ہر شخص چاروں طرف سے دس دس قدم لے چلے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا قول ہے کہ جو کوئی چالیس قدم جنازہ لے کر چلے گا اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کے لے کر چلنے کی یہ صورت ہے کہ آگے کے داہنی طرف سے شروع کرے اور اپنے داہنے مونڈھے پر رکھے۔ پھر پچھلے داہنی طرف سے اور اس کو اپنے داہنے مونڈھے پر رکھے۔ پھر اگلے بائیں جانب سے اور اس کو اپنے بائیں مونڈھے پر رکھے پھر پچھلے بائیں

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے

جنازہ اٹھانے کا سنت طریقہ

جنازہ کو لیکر چلنے کا مستحب طریقہ

جانب سے اور اس کو اپنے بائیں مونڈھے پر رکھے اور باقی لوگوں کو جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ کیوں کہ اس طرح چلنا عبرت حاصل کرنے کے لئے بہت خوب ہے اور جب اس کی

جنازہ کے لئے اٹھنے بیٹھنے کا مسئلہ

قبر کے پاس پہنچیں تو جنازہ زمین پر اتارنے سے پہلے لوگوں کو بیٹھ جانا مکروہ ہے اور زمین پر اتارنے کے بعد مکروہ نہیں۔ یہ تو ان کے حق میں ہے جو جنازہ کے ساتھ ساتھ جائیں اور اگر کچھ لوگ نماز کی جگہ پہلے سے چلے گئے اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ پھر جنازہ وہاں پہنچا تو صحیح یہ ہے کہ یہ لوگ جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے نہ کھڑے ہوں اور ایسے ہی جو شخص رستہ پر بیٹھا ہو اور وہاں جنازہ آ گیا تو وہ بھی نہ اٹھے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ جانے کا ارادہ ہو تو اور بات ہے اور حدیثوں میں جنازہ کے لئے کھڑا ہونے کا جو ذکر ہے وہ منسوخ ہے اور جو کوئی ساتھ جائے اس کو نماز جنازہ پڑھے جانے سے

جنازہ سے واپس لوٹنے والوں کے لئے ہدایت

پہلے لوٹنا نہ چاہیئے اور نماز ہو چکنے کے بعد علماء کا قول ہے کہ ولی جنازہ کی اجازت کے بغیر نہ لوٹیں اور محیط میں مذکور ہے کہ غلام کو اختیار ہے کہ ولی میت کے بغیر اجازت لوٹ آئے اور یہی درست اور اولی ہے جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔ اور قبر کھودی جائے اور اس کی گہرائی میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا

قبر بنانے کا طریقہ

ہے کہ آدھے قد کے برابر ہو اور کوئی کہتا ہے کہ سینہ تک ہو اور اگر قد آدم کے برابر گہری کر دیں تو افضل اور احسن ہے۔ پھر اس میں لحد یعنی بغلی بنانا افضل ہے اور وہ اس طرح کہ قبر کے اندر قبلہ کی طرف گڑھا کھود کر اس کے اندر مردہ کو رکھیں اور اگر زمین نرم ہو تو صندوقی قبر کا کچھ مضائقہ نہیں اور وہ یہ کہ قبر کے عین وسط میں نہر کی وضع پر گڑھا کھودیں اور اس کے دونوں طرف کچی اینٹ سے چن دیں اور اس کے اندر مردہ کو رکھیں اور کچی اینٹ سے چھت پاٹ دیں اور چھت میت سے قریب نہ رہے۔ اور سنت یہ ہے کہ میت

میت کو قبر میں اتارنے کے وقت ہدایات

کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتاریں اور اتارنے والوں کا کوئی عدد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ یہی معتبر ہے کہ جسقدر کی ضرورت ہو، طاق ہوں یا کہ جفت اور اتارتے وقت سب کے سب بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ پڑھیں اور میت کا منہ قبلہ کی طرف کر دیں، پیٹھ کے بل نہ لٹائیں اور گرہ کھول دیں کیونکہ گرہ کفن کے کھل جانے کے خوف سے بھی اور اب اس سے امن حاصل ہو چکا اور لحد پر کچی اینٹ اور بانس رکھیں پکی اینٹ اور لکڑی رکھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چنائی کو مضبوط کرنے کی غرض سے ہیں اور قبر کہنگی اور فنا کی جگہ ہے اور عورت کو اتارنے کے لئے محرم عزیز اولی ہے پس اگر وہ نہ ہو تو اجنبی لوگوں میں سے کوئی پرہیزگار شخص اتارے اور عورت کو قبر میں اتارتے وقت کپڑے

سے پردہ کئے رہیں یہاں تک کہ اینٹیں وغیرہ قبر پر رکھ چکیں کیونکہ عورتوں کے حال کے مناسب پردہ ہے اور مرد کی قبر کا پردہ نہ کریں اس لئے کہ مردوں کے حال کے مناسب ظہور ہے۔ پھر اس پر مٹی ڈالدیں اور قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح ایک بالشت اونچی بنائیں اور برابر نہ

قبر کی ہیئت اور اس میں مکروہ امور

کریں اور جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ نہ کریں اور اس پر پانی چھڑکنے میں کچھ مضائقہ نہیں تاکہ مٹی ہوا سے پھیل نہ جائے اور قبر پر کوئی مکان یا برج وغیرہ بنانا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح کا پائمال کرنا اور اس پر بیٹھنا اور اس کے پاس سونا اور اس کی طرف نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے جیسا کہ مرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قبروں پر مت بیٹھو اور نہ اس کی طرف نماز اور قبر کے پاس ذبح کرنا بھی مکروہ ہے جیسا کہ انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسلام میں عقر نہیں ہے اور عقر یہ ہے کہ گائے یا بکری قبر کے پاس ذبح کیا کرتے تھے۔ اور میت والوں کے یہاں کھانا مکروہ ہے لیکن میت کے ہمسایوں اور دور کے رشتہ داروں کو ان کے واسطے کھانا تیار کرنا اور

میت والوں کے ہاں کھانا مکروہ اور ان کو کھلانا مستحب ہے

ان کو کھلانے میں اصرار کرنا مستحب ہے۔ اس واسطے کہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو جب جعفر بن ابی طالبؓ کی موت کی خبر پہنچی تو فرمایا عیال جعفر کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ ان کو ایسی خبر آگئی ہے کہ جس نے ان کا خیال بٹا دیا اور تعزیت مستحب ہے اس لئے کہ ابن مسعودؓ سے روایت

تعزیت مستحب ہے

ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے مصیبت زدہ کی تعزیت کی اس کو اسی کے برابر ثواب ہے اور تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا کوئی عزیز رشتہ دار مرگیا ہو اس سے کہے کہ خدا تجھ کو اجر عظیم عنایت کرے اور تیرا صبر اچھا کرے اور تیری میت کو بخشدے۔ اگر میت مکلف ہو اور نہیں تو تیری میت کو بخشدے نہ کہے اور

منکر نکیر کا سوال

جو شخص مرگیا ہو اور چند روز تک اس وجہ سے دفن نہ کیا گیا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کی غرض سے تابوت میں رکھ دیا گیا تو جب تک دفن نہ ہوگا سوال منکر نکیر کا بھی نہ ہوگا اسواسطے کہ سوال نہیں ہوتا ہے۔ مگر جہاں میت کو قرار ہو یہاں تک کہ اگر اس کو درندہ کھا جائے تو اس کے پیٹ میں سوال ہوگا اور یہ سوال بنی آدم کے ہر جاندار سے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دودھ پیتا بچہ سے بھی سوال ہوتا ہے۔ پس اس کو اللہ تعالیٰ جواب سکھا دیتا ہے۔ اور آیا انبیاء سے بھی قبر میں سوال ہوتا ہے سو ظہیریہ میں مذکور ہے

منکر نکیر کا سوال انبیاء سے نہیں ہوتا

کہ زاہد صفار کہتے ہیں کہ اس باب میں نہ کوئی نص ہے اور کوئی خبر اور ان سے سوال نہ ہونے کی دلیل بہت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مرنے

وقت خاتمہ یا خیر ہونے کو آسان فرمائے

ستاونویں مجلس زیارت قبور کے جائز اور ناجائز ہونے کے بیان میں

زیارت قبور کی ممانعت اور اجازت اور اس کی وجوہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سو اب قبروں کی تم زیارت کیا کرو۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ بریدہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور اس میں تصریح ہے کہ ابتدائے اسلام میں زیارت قبور سے ممانعت ہوئی تھی اس لئے بت پرستی کی ابتدا اسی سے ہوئی ہے اور اس مہلک مرض کی ابتدا نوح علیہ السلام کی امت میں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالے نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ

ترجمہ اور کہا نوحؑ نے اے میرے رب انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور پیرو ہوئے ایسے کے یعنی مال اور اولاد کے جس نے نہیں بڑھایا مگر نقصان اور داؤ کیا ہے۔ بڑا داؤں اور کہا انہوں نے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور کبھی چھوڑنا وَد کو اور سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سلف کہتے ہیں کہ یہ لوگ جن کے آیت میں نام آئے ہیں یہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں نیک لوگ تھے۔ پس جب یہ مرگئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر بیٹھ رہنا اختیار کیا۔ پھر ان کی صورتوں کی مورتیں بنالیں۔ پھر اسی طرح ان پر مدت گزر گئی اخیر ہوتے ہوتے ان کی پرستش کرنے لگے۔ پس چونکہ بت پرستی کی ابتدا قبروں سے ہے۔ لہٰذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو ابتدائے اسلام میں زیارت قبور سے منع فرمادیا تھا۔ تاکہ شرک کے ذریعے بند ہو جائیں کیونکہ ان کو کفر چھوڑے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا۔ پھر جب توحید ان کے دلوں میں جم گئی تو ان کو زیارت قبور کی اجازت ہوگئی۔

اور آپ نے اس کا طریقہ کبھی فعل سے اور کبھی قول سے سکھادیا اور یہ مضمون بہت حدیثوں میں ہے یعنی اجازت کے بارے میں ہیں اور بعضی تعلیم کے بارے میں اور ان کے ضمن میں ایک فائدہ کا بیان ہے

جو حدیثیں اجازت کے بارے میں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابوسعیدؓ سے

روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ایک وہ ہے جو علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تم کو آخرت یاد دلاتی ہے اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ زیارت قبور موت کو یاد دلاتی ہے اور ان میں ایک وہ ہے جو بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا پس اب جو کوئی زیارت کا ارادہ کرے تو زیارت کیا کرے اور بیہودہ نہ کہا کرو۔

اور وہ حدیثیں جو تعلیم کے بارے میں ہیں سو ان میں سے ایک وہ ہے جو بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جب لوگ مقابر کو جاتے یہ کہنا سکھایا کرتے تھے۔

السلام علیکم یا اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون انتم لنا سلف ونحن لکم تبع نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ

ترجمہ۔ السّلام علیکم اے اہل قبور مومنین و مسلمین اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تم سے آکر ملتے ہیں تم ہم سے آگے ہو اور ہم تم سے پیچھے اور ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔

اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میں زیارت قبور میں کیا کہا کروں۔ آپ نے فرمایا کہو

السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منکم والمستاخرین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔

ترجمہ۔ سلام گھر والوں (مومنین اور مسلمین) پر اور اللہ رحمت کرے۔ ہم میں سے اور تم میں سے آگے جانے والوں پر اور پیچھے رہنے والوں پر اور ہم انشاء اللہ تم ہی سے آکر ملتے ہیں

اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السّلام صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے۔ سو آپ نے فرمایا

السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاء اللہ عن قریب لاحقون

ترجمہ۔ سلام تم پر اے گھر والی مومن جماعت اور ہم انشاء اللہ عنقریب تم سے آکر ملتے ہیں

اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا

مدینہ کی قبروں کی طرف گزر ہوا تو ادھر متوجہ ہوئے اور فرمایا

السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر

ترجمہ۔ سلام تم پر اے قبر والو۔ خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہمارے اگلے ہو اور ہم پیچھے ہیں۔
پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان حدیثوں میں زیارت قبور کا فائدہ بیان فرما دیا ہے اور وہ فائدہ زیارت کرنے والے کا اپنے اور اہل قبور کے حق میں سلوک کرنا ہے۔ اپنے حق میں سلوک تو موت کا اور آخرت کا یاد کرنا ہے اور دنیا سے بے رغبتی اور نصیحت اور عبرت حاصل کرنا ہے اور اہل قبور کے حق میں سلوک ان پر سلام بھیجنا ہے اور ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کرنا اور عافیت کا سوال کرنا ہے۔ عام علماء کہتے ہیں کہ یہ مردوں کے حق میں ہے اور رہیں عورتیں سوان کو جائز نہیں کہ مقابر میں جائیں اس لئے کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ قاضی سے کسی نے عورتوں کے قبرستان کو جانے کے جواز کو پوچھا تو جواب دیا کہ ایسے مقام میں جواز کو کیا پوچھتے ہو۔ یہ پوچھو کہ اس پر کتنی لعنت برستی ہے کیونکہ عورت جب جانے کی نیت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی لعنت میں آجاتی ہے اور جب چل دیتی ہے تو شیاطین اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور جب قبر پر پہنچتی ہے تو میت کی روح لعنت کرتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو خدا اور اس کے فرشتوں کی لعنت میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں آجائے اور حدیث میں روایت ہے کہ جو عورت قبرستان کو جاتی ہے تو اس پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں اور جو عورت میت کے لئے دعائے خیر کرتی ہے اور اپنے گھر سے نہیں نکلتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت

اور سلمانؓ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز مسجد سے نکل کر اپنے گھر کے دروازے پر ٹھہر گئے۔ اتنے میں حضرت کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں تو آپ نے فرمایا کہاں سے آئی ہو۔ انہوں نے عرض کیا فلانی عورت کے گھر گئی تھی جو مر گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا اس کی قبر پر گئی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں کہ جو کچھ میں آپ سے سن چکی ہوں اس کو سن کر کوئی ایسا کام کروں۔ اسی پر آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کی قبر پر جاتی تو جنت کی خوشبو نہ پاتی۔ پس اس بنا پر مردوں میں سے بھی جو کوئی قبروں کی زیارت کا ارادہ کرے تو اسے چاہیئے کہ اپنا حصہ ان کی زیارت سے بہائم کی طرح قبر کا طواف نہ بنائے بلکہ جب قبر کے پاس آئے تو اس کو چاہیئے کہ قبر والوں پر سلام بھیجے۔ اور سامنے

قبروں کی زیارت کرنیوالے مردوں کو انتباہ

موجود لوگوں کی طرح مخاطب کرے اور ان کے لئے رحمت اور مغفرت اور عافیت مانگے جیسا کہ اوپر احادیث میں آچکا ہے۔ پھر ان کی حالت سے عبرت حاصل کرے جو مٹی کے نیچے پڑے اور عزیزوں

قبر والوں سے عبرت و موعظت

اور دوستوں سے جدا ہو گئے ہیں نیز اس سے کہ یہ لوگ جب قبر میں داخل ہوئے اور ان سے سوال کیا گیا تو آیا انہوں نے ٹھیک جواب دیا کہ ان کی قبر بہشت کے باغ کا ایک چمن ہو گئی ہے یا جواب میں غلطی کی ہے کہ ان کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہو گئی ہے۔ پھر اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے مر گیا ہے اور قبر میں داخل ہوا ہے۔ اور اسکا مال اور اہل اور اولاد اور دوست سب چلے گئے ہیں اور اکیلا تن تنہا رہ گیا ہے اور اب اس سے سوال ہو رہا ہے تو اب دیکھو کیا جواب دیتا ہے اور کیا حال ہوگا اور اسی طرح عبرت حاصل کرنے میں جب تک وہاں رہے مشغول رہے اور ان بہت بڑے اور خوفناک امور سے نجات پانے کے لئے اپنے مولا سے لو لگائے اور اسی کی طرف التجا کرتا رہے۔ رہا قبر پر قرآن پڑھنا سو بعضے علماء نے اجازت دی ہے اور بعضے منع

زیارت قبور اور قبر پر قرآن پڑھنے کا مسئلہ

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کو بھی ضروری ہے کہ عبرت حاصل کرنے میں لگا رہے اور قرآن پڑھنے والا مجبور ہے کہ اس میں غور اور خیال کو یکسو کرے اور عبرت اور فکر دونوں ایک دل میں ایک ہی وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اگر کوئی معترض یہ کہے کہ میں ایک وقت عبرت حاصل کروں گا اور دوسرے وقت قرآن پڑھوں گا اور جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو رحمت اترتی ہے۔ لہذا امید ہے کہ اس رحمت میں سے کچھ اہل قبور کو پہنچکر ان کو نفع بخشے تو اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اول یہ کہ قرآن کا پڑھنا اگرچہ عبادت ہے لیکن زیارت کرنے والے کا اس وقت گذشتہ باتوں کے متعلق فکر کرنے اور موت اور منکر نکیر کے سوال وغیرہ سے عبرت حاصل کرنے میں مشغول رہنا بھی عبادت ہے اور اس وقت اس عبادت کے سوا کسی اور عبادت کا موقع نہیں۔ لہذا ایک عبادت کو چھوڑ کر دوسری عبادت کی طرف اور خصوصاً دوسرے کے لئے نہ جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زیارت کرنے والا اگر اپنے گھر میں قرآن پڑھتا اور اس کا ثواب ان کو بخشدیتا کہ قرآن پڑھنے سے فارغ ہو کر اپنی زبان سے کہہ دیتا "الٰہی جو میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب اہل قبور کو پہنچا دے" تو بھی یہ ثواب ان کو پہنچ جاتا۔ کیونکہ یہ اہل قبور کو ثواب ملنے کی دعا ہے اور دعا بلا خلاف پہنچتی ہے۔ لہذا اس کی حاجت نہیں کہ قرآن ان کی قبروں پر پڑھے۔

اور تیسرا یہ جواب ہے کہ قبروں پر قرآن پڑھنا کبھی کسی مردے کے لئے عذاب کا سبب ہو جاتا ہے اس واسطے جب کوئی ایسی آیت آتی ہے جس پر مردے نے عمل نہیں کیا تھا تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا اس کو تو نے نہیں پڑھا تھا۔ اس کو نہیں سنا تھا پھر تو نے کیسے اس کے خلاف کیا اور اس

پر عمل نہ کیا۔ پس اس کی مخالفت کرنے کے سبب سے عذاب ہوتا ہے۔
اور چوتھا جواب یہ ہے کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کا ذکر حدیث میں نہیں آیا ہے اور حدیث میں اس کا ذکر نہ ممانعت کے لئے کافی ہے۔
پس جب یہ بات ہے تو زیارت کرنے والے کو مناسب ہے کہ سنت کا تابع رہے اور شرع میں جو کچھ مقرر ہوا ہے اسی پر ٹھہرا رہے اور اس سے آگے نہ بڑھے تاکہ اپنا اور اہل قبور کا محسن بنا رہے۔ کیونکہ زیارت قبور دو طرح کی ہے۔ ایک زیارت شرعی۔ دوسری زیارت بدعی۔
زیارت شرعی تو وہ ہے جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ پس اس زیارت سے دو باتیں مقصود ہیں۔ ایک کا تعلق تو زیارت کرنے والے سے ہے یعنی نصیحت اور عبرت حاصل کرنا۔ اور دوسری اہل قبور سے تعلق رکھتی ہے اور وہ یہ کہ زیارت کرنے والا ان کو سلام پہنچائے اور ان کے لئے دعائے خیر کرے۔
اور زیارت بدعی یہ ہے کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنے اور طواف کرنے اور بوسہ دینے اور چومنے اور قبروں پر منہ ملنے اور وہاں کی مٹی لینے اور اہل قبور کو پکارنے اور ان کے وسیلے سے مدد مانگنے اور ان سے مدد مانگنے اور رزق اور عافیت اور اولاد اور ادائے قرض کا سوال کرنے اور سختیوں کے دور ہونے اور لاچاروں کی امداد اور اس کے سوا اور دوسری ان حاجتوں کے لئے جن کو بت پرست اپنے بتوں سے مانگتے تھے۔ قبروں کی زیارت کرنا اور اس میں شک نہیں کہ اس زیارت بدعی شرکی کی اصل ان ہی سے لی ہوئی ہے اور کوئی امر اس میں سے باتفاق تمام علمائے مسلمین جائز نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس کو نہ تو رسول رب العالمین نے کیا ہے اور نہ صحابہؓ اور تابعین اور تمام آئمہ دین میں سے کسی نے کیا ہے بلکہ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ صحابہؓ نے تو اکثر اس سے گھٹی ہوئی بات کا بھی انکار کیا ہے جیسا کہ معرور بن سویدؓ سے روایت ہے کہ عمرؓ نے صبح کی نماز مکہ کے راستے میں پڑھی۔ پھر لوگوں کو دیکھا کہ ایک طرف کو جا رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں تو کسی نے کہا کہ اس مسجد میں جا رہے ہیں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔ لہٰذا یہ لوگ بھی وہاں نماز پڑھیں گے۔ پس آپ نے فرمایا پہلی امتیں ایسی ہی باتوں سے تو ہلاک ہوئی ہیں کہ اپنے اپنے انبیاء کے آثار کے پیرو رہتے تھے اور اس کو کنیسہ اور بیعہ (یعنی عبادت گاہیں) بنا لیا کرتے تھے۔ لہٰذا جس کو نماز کا وقت ان مساجد میں ہو جائے پس وہ تو وہیں نماز پڑھے اور جس کو وقت وہاں نہ ہو تو چلا جائے اور قصداً وہاں نہ جائے اور ایسے ہی جب حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے رہتے ہیں جس کے نیچے نبی علیہ السلام سے بیعت کی گئی تھی تو آدمی بھیج کر اس کو کٹوا ڈالا۔

پس جب حضرت عمرؓ نے اس درخت کے ساتھ ایسا کیا جسکے نیچے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے " اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے " تو اب غور کرو اور کسی بات کا کیا حکم ہوگا۔

اور توحید کو تو بے شک سلف صالحین نے خوب صاف کیا تھا اور اس کی چہار دیواری کی حفاظت کی تھی یہاں تک کہ صحابہؓ اور تابعینؒ جب تک حجرۂ نبوی ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک مسجد سے الگ رہا اس وقت تک کوئی اس میں نہیں جاتا تھا نہ نماز کے لئے نہ دعا کے لئے اور نہ کسی اور کام کے لئے جو عبادت کی جنس سے ہو بلکہ یہ تمام عبادتیں مسجد میں کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شخص انمیں سے نبی علیہ السلام پر سلام کر کے دعا مانگنے کا ارادہ کرتا تو قبلہ رخ ہوجاتا اور اپنی پشت قبر شریف کی دیوار کی طرف کر لیتا تب دعا مانگتا اور یہ تو وہ بات ہے جس میں علماء کو کچھ اختلاف نہیں ہے

روضہ اقدس کے پاس حضور پر سلام اور اللہ سے دعا کرنے کا طریقہ

اختلاف تو صرف حضور پر سلام کرنے کے وقت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ سلام کے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ کرے اور قبر کی طرف منہ نہ کرے اور ان کے علاوہ اور لوگ کہتے ہیں کہ صرف دعا کے وقت قبر کی طرف منہ نہ کرے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور قبر کی طرف منہ نہ کرے تاکہ دعا قبر کی طرف نہ ہو کیونکہ دعا عبادت ہے جیسا کہ حدیث مرفوع سے ثابت ہے کہ دعا ہی عبادت ہے اور سلف صالحین یعنی صحابہؓ اور تابعین نے عبادت کو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص کر رکھا تھا اور قبروں پر جاکر کسی قسم کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ مگر وہ ہے جس کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دی ہے۔ یعنی قبر والوں پر سلام کرنا اور اللہ سے ان کے لئے رحمت اور مغفرت اور عافیت مانگنا۔

قبر والوں پر سلام کرنا اور ان کے لئے دعا اور اسکا سبب

اور اس کا سبب یہ ہے کہ میت کا عمل تو بند ہوچکا ہے اور وہ اس کا محتاج ہے کہ کوئی اسکے لئے دعا مانگے اور اس کی سفارش کرے اور اسی لئے نماز جنازہ میں اس کے واسطے دعا بطور وجوب یا استحباب کے (علی اختلاف القولین) مقرر ہے کہ اس جیسی زندہ کے واسطے جائز نہیں پس جب ہم لوگ جنازہ پر کھڑے ہونے کے وقت اس کے واسطے دعا کرتے ہیں اور اس کی سفارش کرتے ہیں تو دفن کے بعد زیادہ بہتر ہے کہ اس کے لئے دعا مانگیں اور سفارش کریں کیونکہ مردہ قبر کے اندر دفن کے بعد اپنے لئے دعا کا اس سے زیادہ محتاج ہے جو کہ اس کی نعش پر دعا کی گئی تھی کیونکہ اب اس کو سوال وغیرہ کا سامنا ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان ابن عفانؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب میت کے دفن سے

فارغ ہوتے تو وہیں ٹھہرے رہتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت مانگو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔
اور سفیان ثوریؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب میت سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو اس کو شیطان ایک صورت میں دکھائی دیتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ بڑا فتنہ ہے اور اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت قدمی کی دعا مانگا کرتے تھے" الٰہی سوال کے وقت اس کی بات کو ثابت رکھ اور اس کی روح کے واسطے آسمان کے دروازے کھول دے"۔
اور سلف صالحین میت کو لحد میں رکھتے وقت اس کو بہتر جانتے تھے کہ یہ دعا مانگیں" الٰہی اس کو شیطان راندۂ درگاہ سے پناہ دے"۔
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ اہل قبور کے حق میں کچھ اوپر بیس سال یہی رہا اور یہی خلفائے راشدین اور تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کا طریقہ ہے۔ پھر گمراہ بدعتیوں نے وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالی۔ کیونکہ یہ لوگ زیارت سے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میت اور زیارت کرنے والے کے حق میں نیکی اور سلوک ہونے کی وجہ سے جائز رکھا تھا میت سے سوال کرنے اور اس سے مدد مانگنے کا تصوّر رکھتے ہیں اور نہیں ہے یہ مگر وہی فتنہ جس کے بارہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے کیا حال ہوگا کہ جب تم کو فتنہ چھپالے گا جس میں بڑا بڈھا ہو جائے گا اور بچہ جوان ہو جائے گا جو لوگوں میں رواج پا جائے گا اس کو سنت ٹھہرالیں گے اگر اس کو بدل دو تو کہیں گے۔ سنت بدل ڈالی۔ ابن قیم نے اپنے اغاثہ میں لکھا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب عمل سنت کیخلاف ہونے لگے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ وہ کچھ توجہ کے قابل ہے۔ اور مدت دراز سے صحابہؓ کے احوال و اعمال عمل سنت کے خلاف ہو رہا ہے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ تم تو ایجاد امور سے بہت ڈرتے رہو۔ اگرچہ اس پر عام لوگ متفق ہوں تاکہ صحابہ کے بعد ایجاد ہوئی باتوں پر عام لوگوں کا اتفاق تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ بلکہ تم کو چاہیئے کہ ان کے احوال اور اعمال کی تلاش کے حریص رہو کیونکہ سب سے بڑا عالم اور اللہ تعالیٰ کا بڑا مقرب وہی ہے جو ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ اور سب سے زیادہ ان کے طریقے سے واقف ہو اس واسطے کہ دین ان ہی سے لیا گیا ہے اور وہی صاحب شرع سے شریعت نقل کرنے میں اصل ہیں۔ لہٰذا تم کو ضروری ہے کہ اپنے اہل عصر کی مخالفت کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ والوں کی موافقت ہوتے ہوئے کچھ پروانہ کرو کیوں کہ

فتنۂ بدعت کی تباہ کاری

صحابہؓ کے احوال و اعمال اختیار کرنے کی ضرورت

لزوم جماعت کا حکم اور اس کا مطلب حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑے تو بڑی جماعت کو پکڑ لو عبد الرحمٰن بن اسمٰعیل جو ابو شامہ مشہور ہیں کہتے ہیں جس جگہ لزوم جماعت کا حکم ہے اس سے لزوم حق اور اس کا اتباع مراد ہے اور اگرچہ اس کے اختیار کرنے والے تھوڑے اور اس کے مخالف بہت ہوں یاد رکھو کہ حق وہی ہے جس پر جماعت اولی رہی ہے اور وہ صحابہ ہیں اور ان کے بعد باطل زیادہ ہو جانے کا کچھ اعتبار نہیں اور فضیل بن عیاضؒ نے کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ ہدایت کو لازم کر لو اور اس کے چلنے والوں کی کمی سے تم کو کچھ ضرر نہیں اور گمراہی کے راستوں سے بچتے رہو اور ہالکین کی کثرت سے دھوکے میں مت آؤ۔

اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں آج تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں تم میں اچھا شخص عمل میں جلدی کرنے والا ہے اور عنقریب تمہارے بعد وہ زمانہ آئے گا کہ کثرتِ شبہات کی وجہ سے تم میں سے بہتر اس میں ثابت رہنے والا اور توقف کرنے والا ہوگا۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ بیشک ابن مسعودؓ نے سچ کہا کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں توقف نہ کرے بلکہ جس کو وہ کر رہے ہیں جمہور کا ساتھ دے اور جس میں وہ گھسے ہیں یہ بھی گھس پڑے تو جیسے وہ ہلاک ہوئے ہیں یہ بھی ہلاک ہو جائے گا کیونکہ۔

دین کی اصل اور عمدگی و استواری دین کی اصل اور اس کی عمدگی اور استواری عبادت اور تلاوت کی کثرت اور بھوک وغیرہ کی مشقت اٹھانے سے نہیں ہے دین کی استواری تو صرف ان آفات اور صدمات سے بچنے سے ہے جو اس کے سامنے بدعتیں اور نئی نئی باتیں پیش آتی ہیں جو دین کو بدل دیتی اور بگاڑ دیتی ہیں جیسے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے دین اسی سبب سے بدل گئے اور تحریف ہو گئے

حق و ناحق کی تمیز میں ایک غلط فہمی کا ازالہ پس اس بنا پر مومن کو چاہیئے کہ دھوکے میں نہ پڑ جائے اور کسی بات پر سخت پختگی اور اپنی کثرتِ عبادت سے یہ استدلال نہ کرے کہ وہ حق پر ہے کیونکہ اسی بات پر جما رہنا اور اس سے نہ پھرنا اگرچہ آرد سے چیر دیا جائے اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس بارہ میں وہ برحق ہے کیونکہ اس کا یقین اور اس بات پر پختگی اس کے حق میں ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس قوم میں اپنی تربیت کی وجہ سے ہے جن کا یہی دین ہے اور تربیت اور رلنے ملنے کو ہر بات میں بڑا اثر ہے حق ہو یا باطل کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایسی پختگی تو تمام جہل مرکب والوں میں بھی ہے جیسے یہود اور انصاریٰ اور جو لوگ ان کی طرح ہیں اور جب یہ بات ہے تو ہر مسلمان پر اس زمانہ میں واجب ہے کہ دھوکے میں آنے اور بدعات اور نوایجاد باتوں کی طرف رغبت کرنے سے ہوشیار رہے اور اپنے ذہن کو ان روز مرہ کی باتوں سے بچائے جن سے مانوس ہو رہا ہے اور اس میں پرورش پائی ہے کیونکہ یہ زہر قاتل ہے ایسے بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچے رہے اور ان باتوں کی موجودگی میں حق ان پر ظاہر ہوا ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ قریش نے ان ہی روز مرہ کی باتوں کی وجہ سے جن کی الفت ان کے دلوں میں تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ہدایت اور بیان کا انکار کیا اور یہی ان کے کفر اور سرکشی کا سبب

ہوا اور اسی لیے حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ بدعات سے بچو کیونکہ دین ایک بارگی دلوں سے نہیں جائے گا بلکہ شیطان تمہارے لیے بدعتیں نکالے گا آخر ہوتے ہوتے تمہارے دلوں سے ایمان جاتا رہے گا۔

ہم خدا سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پر حق کو حق ظاہر کر دے اور اس کا اتباع نصیب کرے اور ہم پر باطل کو باطل ظاہر کر دے اور اس سے اجتناب نصیب کرے۔

اٹھاونویں مجلس موت کو یاد کرنے اور اس کی تیاری ضروری ہونے کے بیان میں

موت کو بکثرت یاد کرنے کا حکم اور اس کا فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کی توڑنے والی موت کو بکثرت یاد کیا کرو۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ موت چونکہ ہر لذت کو توڑ دیتی ہے لہٰذا اس کو کثرت سے یاد رکھو تاکہ اس کے لیے تیاری کر سکو۔

بیشک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول "لذات کی توڑنے والی کا ذکر زیادہ کیا کرو" نہایت مختصر کلام ہے لیکن اس میں تمام نصیحتیں بھر دی ہیں کیونکہ جو شخص موت کو یاد رکھے گا تو اس پر موجودہ لذت کم ہو جائے گی اور اس کو آئندہ کی امیدوں سے منع کرے گی اور جو امیدیں پکاتا ہے سب سے بے رغبت کر دے گی لیکن بستہ طبیعتیں اور غافل دل زیادہ کلام اور لمبے چوڑے وعظ کے محتاج ہیں ورنہ نبی علیہ السلام کا ارشاد "زیادہ کرو لذت توڑنے والی موت کو یاد" اللہ تعالیٰ کے قول کے ساتھ "ہر جان چکھنے والی ہے موت کو" اس قدر مضمون ہے کہ سمجھنے والے اور غور کرنے والے کو کافی ہے۔ کیونکہ موت کی یاد اس دار فانی سے بے تعلقی اور ہر لحظہ دار باقی کی طرف متوجہ رہنے کا شعور پیدا کرتی ہے۔

اس لیے کہ علماء کہتے ہیں کہ موت محض عدم اور صرف فنا ہی نہیں ہے بلکہ موت صرف روح کا بدن سے تعلق چھوٹ جانا ہے اور اس کا بدن سے جدا ہونا اور ایک حال سے دوسرے کی طرف بدل جانا اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلا جانا ہے۔

اور موت سب سے بڑی مصیبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا نام مصیبت رکھا ہے چنانچہ فرمایا "و پھر پہنچی تم پر مصیبت موت کی"، لہٰذا موت بڑی مصیبت ہے اور اس سے بڑھ کر اس سے غافل رہنا اور اس کو یاد نہ کرنا اور اس میں فکر نہ لگانا ہے باوجودیکہ خود اسی میں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے بڑی عبرت ہے

موت کا وقت متعین نہ ہونے کا سبب اور قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ موت کا نہ کوئی سال معین ہے اور نہ کوئی زمانہ معلوم ہے اور نہ کوئی مرض مقرر ہے اور یہ اس لیے ہے تاکہ آدمی اس سے ہر دم ڈرتا رہے اور اس کے لیے تیار رہے۔

موت کی یاد سے غفلت کا سبب لیکن جس پر دنیا کی محبت اور اس کی لذتوں میں گھسا رہنا غالب ہے وہ چاہتا ہے

اس کی یاد سے غفلت کرتا ہے اور یاد نہیں کرتا ہے بلکہ جب اس کے پاس ذکر آتا ہے تو برا مانتا ہے اور اس کی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے کیونکہ اس کے دل میں محبت دنیا کا غلبہ اور دنیاوی تعلقات کا مضبوطی سے دل میں بیٹھ جانا موت کی فکر سے جو کہ دنیا کی مفارقت کا سبب ہے مانع ہوتا ہے اور اس کے ذکر کو پسند نہیں کرتا اور اگر اس کو یاد بھی کرتا ہے تو اس لیے افسوس کی وجہ سے دنیا چھوٹ جائے گی اس کو یاد کرتا ہے اور اس کی مذمت میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کا پھر یاد کرنا اللہ تعالیٰ سے اور بھی دور کر دیتا ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو برا جانتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ملنے کو برا جانتا ہے

موت نصیحت کرنے والی ہے اس کے ساتھ پھر بھی موت کا یاد کرنا اس کے لیے بہتر ہی ہے کیونکہ موت کی یاد دنیا کے آرام کو گھٹا دیتی ہے اور صاف لذت کو مکدر کر دیتی ہے اور جو چیز انسان کو مکدر اور خواہش کو ناقص کر دے وہ اس کے اسباب سعادت میں سے ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "بہت یاد کرو لذت کو توڑنے والی کو" کیونکہ انسان دو حالتوں سے خالی نہیں یا تنگی اور محنت میں ہوگا یا فراخی اور نعمت میں۔ پس اگر تنگی اور محنت میں ہے تو موت کی یاد اس پر تنگی اور محنت کو آسان کر دے گی کہ یہ سب فنا ہونے والا ہے اور ہمیشہ نہ رہے گا اور موت تو اس سے بھی سخت ہے۔ اور اگر فراخی اور نعمت میں ہے تو موت کی یاد اس کو دنیا پر فریفتگی سے اور اسی کا ہو رہنے سے باز رکھے گی جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ موت کافی نصیحت کرنے والی ہے۔

موت کو یاد کرنے والے کا اعزاز اور لفاف کہتے ہیں جو شخص موت کو بہت یاد رکھے گا وہ تین چیزوں سے معزز کیا جائے گا۔ ایک توبہ میں جلدی۔ دوسرے دل میں قناعت۔ تیسرے عبادت میں سرور

موت کو بھلانے والے کی سزا اور جو شخص موت کو بھولا رہے گا اس کو تین چیزوں سے سزا دی جائے گی اول توبہ کا ٹالنا۔ دوم دنیا کا لالچ۔ سوم عبادت میں سستی۔

شہداء کے ساتھ اٹھنے والے لوگ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کوئی شہداء کے ساتھ بھی اٹھے گا آپ نے فرمایا ہاں جو ہر روز رات دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کیا کرے اور اس فضیلت کے پانے کا سبب یہ ہے کہ موت کی یاد دنیا سے بے تعلق ہو جانے اور آخرت کے لیے تیاری کرنے کا سبب ہے اور اس سے غفلت دنیا کی خواہشوں اور لذتوں میں ڈوب جانے اور آخرت کو بھول جانے کی مقتضی ہے۔ حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن عمرؓ سے فرما چکے ہیں "دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم مسافر یا راہ گیر ہو پس گویا نبی علیہ السلام نے ان سے یہ کہا تم مسافر ہو عنقریب آخرت کا سفر کرو گے لہٰذا دنیا کو وطن مت بناؤ اور اس کے لذات اور مال و اسباب پر نہ مائل ہو اور اپنی صحت کو غنیمت سمجھو اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرو۔ اور اس کی کوشش کرو کہ اپنی زندگی

میں ایسے اعمال آگے بھیج دو جس سے قیامت کے دن تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور یہ بات موت ہی کی یاد سے حاصل ہوتی ہے۔

پس اسی وجہ سے موت کی یاد افضل اور نافع ہے اور لوگوں کا اس سے غافل رہنا اس میں کم فکر کرنے اور یاد نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور جو کوئی یاد کرتا ہے تو وہ صاف دل سے یاد نہیں کرتا بلکہ ایسے دل سے یاد کرتا ہے جو دنیا کے مشغلوں میں پھنسا ہے لہٰذا اس کے دل میں یہ یاد کرنا فائدہ نہیں کرتا باوجودیکہ بندے پر واجب ہے کہ اپنے دل کو سوائے موت کے جو سامنے کھڑی ہے سب چیزوں سے خالی کر دے کیونکہ جب فارغ دل ہو کر موت کو یاد کرے گا تو بہت جلد اس میں تاثیر ہو گی اور اب دنیا کی فرحت اور خوشی کم ہو گی اور دل ٹوٹ جائے گا۔

دل کا علاج کر کے اصلاح نفس میں کوشش کرنے کا حکم اور اس کا طریقہ۔ پس جو شخص نفس کا قیدی ہو گناہوں پر اڑا ہوا ہو اس پر واجب ہے خاص کر جب سخت ہو گئے ہوں پس ان کا علاج چار چیزوں سے ہوتا ہے اس لیے کہ علماء نے کہا ہے کہ جب دل سخت ہو جائیں تو ایسے دل والوں کو چاہیے کہ چار چیزوں کو لازم کریں۔

اوّل ایسے عمل کی مجلسوں میں حاضر ہوں جن میں مخلوق کی دنیا سے آخرت کی طرف اور گناہ سے طاعت کی طرف رہنمائی ہوتی ہو کیونکہ ایسی مجلسوں میں شرکت دلوں کو نرم کرتی ہے اور ان میں درد پیدا کرتی ہے۔

اور دوسرے موت کا یاد رکھنا جو کہ لذتوں کو توڑنے والی اور جماعتوں کو پراگندہ کرنے والی ہے اور بیٹے بیٹیوں کو چھڑانے والی ہے۔

اور تیسرے ان لوگوں کا دیکھنا جن کا دم ٹوٹ رہا ہے کیونکہ دم ٹوٹتے ہوئے کا دیکھنا اور اس کی سکرات اور نزع کا دیکھنا اور مرنے کے بعد اس کی حالت پر غور کرنا طبیعتوں کو لذتوں سے اور دلوں کو خوشیوں سے الگ کر دیتا ہے اور پلکوں کو نیند سے اور بدنوں کو آرام سے باز رکھتا ہے اور طاعت پر ابھارتا ہے۔

پس یہ تین طریقے ہیں جو شخص سخت دل نفس کا قیدی اور گناہوں پر اڑا ہوا ہو اس کو چاہیے کہ ان چیزوں سے اپنے دل کے علاج میں مدد دے پس اگر نفع ہو گیا تو خیر۔

اور اگر دل کے عیب جم گئے اور گناہوں کے اسباب مضبوط ہو گئے ہیں تو پھر اس میں قبروں کی زیارت اس قدر اثر کرتی ہے جتنا اول اور ثانی طریقہ بھی اثر نہیں کرتا اور اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت اور آخرت کو یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے"۔

کیونکہ اوّل طریقہ کانوں سے سننے کا ہے اور دوسرا طریقہ دل سے اس انجام کی خبر دینے کا ہے جس کی طرف جانا ہے اور دم ٹوٹتے ہوئے شخص کو دیکھنا اور دفن کیے ہوئے کی زیارت میں انجام کار کا معائنہ ہے اور اسی لیے یہ دونوں اول اور ثانی سے بہت نافع ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سنا ہوا دیکھے کے برابر نہیں ہوتا۔

زیارت قبور کا حکم اور اس میں بدعات اور شرک سے بچنے کی ہدایت۔ لیکن دم ٹوٹتے ہوئے کے حال سے ہر وقت عبرت اور نصیحت حاصل کرنا غیر ممکن ہے اور جو شخص اپنے دل کا علاج کرنا چاہے اس کو ہر گھڑی اس کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن زیارت قبور تو جلدی ہو سکتی ہے اور اس کا نفع بھی بہت ہے لیکن جو شخص قبروں کی زیارت کا قصد کرے اس کو چاہیے کہ زیارت بدعی سے جس کا آج کل اکثر لوگ قصد کیا کرتے ہیں بچتا رہے اور وہ زیارت بدعی بعضے متبرک لوگوں کی قبروں کی زیارت کرتا ہے نماز پڑھنے اور ان کا طواف کرنے اور چومنے اور بوسہ دینے اور اس پر گال ملنے اور وہاں کی مٹی لینے اور ان مردوں سے دعا مانگنے اور ان سے مدد چاہنے اور ان سے امداد اور رزق اور اولاد اور عافیت اور قرضوں کی ادائگی اور سختیوں کی کشائش اور فریادیوں کی مدد مانگنے کے لیے اور اس کے سوا اور حاجتوں کے لیے جو بت پرست اپنے بتوں سے مانگا کرتے ہیں اس واسطے کہ اس میں سے کوئی چیز بھی تمام علمائے اہل اسلام کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو نہ رسول رب العالمین نے کیا ہے اور نہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی نے کیا ہے اور نہ کسی نے ائمہ دین میں سے کیا ہے بلکہ زیارت کے طریقے بجالائے اور بحضور دل ادا کرے اور زیارت سے صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے حال کی اصلاح اور اپنے دل کے علاج کا قصد کرے۔

زیارت قبور کا طریقہ اور اس کے آداب۔ اور قبروں کے اوپر چلنے اور ان پر بیٹھنے سے بچے اور اگر قبروں میں جائے تو جوتا اتار ڈالے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور مردوں پر سلام بھیجے اور حاضروں کی طرح ان سے خطاب کرے اور کہے۔ السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔ ترجمہ سلام تم پر اے گھر والے مومن لوگ!۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی کہا کرتے تھے اور جب کسی مردے کے پاس پہنچے تو چاہیے کہ اس کے منہ کے سامنے سے جائے اور اس پر ہی سلام کرے لیکن جب دعا کرنے کا قصد کرے تو رو بقبلہ ہو کر دعا کرے اور یہ ہی مسئلہ نبی علیہ السلام کی زیارت میں ہے۔

اہل قبور سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ۔ پھر ان سے عبرت حاصل کرے وہ مٹی کے نیچے ہیں اور اہل وعیال اور یاروں سے جدا ہو گئے ہیں اس کے بعد کہ یاروں اور کنبوں میں ملا جلا تھا اور مال اور ذخیرے جمع کیے تھے اور اس کو ایسے وقت موت آگئی جس کا گمان بھی نہ تھا اور ایسے ہی حال میں جس کا وہ منتظر نہ تھا۔ پھر یہ جب قبر میں داخل ہوا اور سوال میں مبتلا ہوا تو ٹھیک جواب دیا اور اس کی

قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک چمن ہو گئی یا جواب میں چوک گیا اور اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہو گئی ہے۔

پھر اپنے آپ کو تصور کرے کہ گویا مر گیا ہے اور قبر میں داخل ہوا ہے اور اہل اور اولاد اور شناسا و آشنا سب چلے گئے ہیں اور اکیلا تن تنہا رہ گیا ہے اور اب سوال ہو رہا ہے تو کیا جواب دے گا اور اس کا کیا حال ہو گا پھر ان لوگوں کے حال کو غور کرے جو اس کے بھائیوں اور ہم جولیوں میں سے گذر گئے جنھوں نے بڑی بڑی امیدیں کیں تھیں اور خوب مال جمع کیا تھا۔ کیونکہ ان کی امیدیں ٹوٹ گئیں اور ان کے مال و متاع نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا اور مٹی نے ان کے چہرے کی خوبصورتی بگاڑ دی اور قبر میں ان کے اجزا جدا جدا ہو گئے اور ان کی بیبیاں ان کے بعد رانڈ ہو گئیں اور ان کی اولادیں یتیم ہو گئیں اور اوروں نے ان کا مال بانٹ لیا اور یہ یقین کر لے کہ دنیا کی طرف میری توجہ بھی انہیں کی سی طرح ہے اور میری غفلت بھی ان کی سی غفلت ہے اور وہ بھی بیشک ان ہی کی جگہ جائے گا اور خوب سمجھ لے کہ میرا حال انہیں کے حال کی طرح ہونے والا ہے اور ناگوار موت اور جلدی پہنچنے والی بلا کی سامنے موجود ہے۔

مرنے والوں کی یاد اور اس عبرت کا طریقہ اور اس کی تاثیر اس یاد اور عبرت سے اس کا دل نرم ہو جائے گا اور ہاتھ پیر کانپ جائیں گے اور دنیا کی تمام فکریں جاتی رہیں گی اور آخرت کے اعمال پر متوجہ ہو جائے گا اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دے گا اور اپنے مولیٰ کی طاعت کی طرف توجہ کرے گا پھر اس کو چاہیے کہ دم بدم اپنے ہم جولیوں اور اپنے جیسے لوگوں کا جو کہ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ذکر کیا کرے پس ان کی سرور اور ان کے نشاط اور ان کے عیش اور عشرت اور بڑی بڑی امیدوں اور قوت اور جوانی پر ان کے بھروسے اور ہنسی اور کھیل کی طرف ان کی رغبت کو یاد کیا کرے پھر یہ سوچے کہ ان کا کیا حال تھا اور اب ان کی مجلسیں اور گھر بار کیسے ان سے خالی رہ گئے اور ان کے نشان مٹ گئے اور ان کے مال تباہ ہو گئے ہیں پھر اپنے آپ کو دیکھے کہ میرا بھی ان ہی کی طرح انجام ہونے والا ہے۔

پس اپنی نفس کی درستی میں ان کے ذمے جو فرائض اور واجبات ہوں ان کو ساقط کر کے اور حرام اور مکروہات سے بچ کے اور گناہوں اور برے کاموں سے توبہ کر کے کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ساری رات اور صبح و شام میں توبہ اور استغفار کی توفیق دے۔

انسٹھویں مجلس طاعون کی حقیقت اور وہاں نہ جانے اور وہاں سے نہ بھاگنے کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ’’طاعون عذاب ہے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا

پس جب تم کسی سرزمین میں اس کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب آجائے اور تم وہاں ہو تو طاعون سے بھاگنے کی غرض سے وہاں سے مت نکلو۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اسامہ بن زید نے روایت کیا ہے۔

طاعون ظاہر ہونے کا سبب امر الٰہی کی مخالفت کرنا ہے۔ | اور گروہ مذکور سے بنی اسرائیل کے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے گھسیں اور حطۃ کہیں سو وہ دروازے میں حنطۃ کہتے ہوئے داخل ہوئے پس حکم الٰہی کی انہوں نے مخالفت کی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیجا پس گھڑی بھر میں ان میں سے چوبیس ہزار ان کے شیوخ اور بڑے بڑے آدمی مر گئے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاعون ظاہر ہونے کا سبب امر الٰہی کی مخالفت ہی ہے اور اس حدیث میں وہاں جانے اور وہاں سے بھاگنے کی ممانعت ہے۔

طاعون کے علاقے جانے اور وہاں سے بھاگنے کی ممانعت۔ | پہلی ممانعت تو اس لیے ہے کہ ہلاکت میں پڑنے سے احتراز لازم ہے اس لیے کہ بندہ کو جائز نہیں ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ"۔ ترجمہ اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں" اور دوسری ممانعت اس لیے ہے کہ توکل اور حکم خداوندی اور تقدیر الٰہی پر رضا لازم ہے اور نیز یہ بیان کرنے کے واسطے کہ جو عذاب گناہوں کے سبب سے نازل ہوتا ہے بھاگ جانا اس کو دفع نہیں کرتا اس کو تو صرف توبہ اور استغفار ہی دفع کرتی ہے۔

طاعون سے بھاگنے کی ممانعت کا صحیح مفہوم اور اس کے دلائل۔ | اور اس نہی میں اختلاف ہے قاضی تاج الدین سبکی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب تو وہ نہی ہے جس پر اکثر علماء متفق ہیں کہ بھاگنے کی ممانعت حرمت کے لیے ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ تنزیہی ممانعت ہے اور بھاگنے کے سوا کسی اور کام کی غرض سے جانے کے جواز پر سب متفق ہیں اس لیے کہ آخر حدیث میں نبی علیہ السلام کا خود یہ قول ہے۔ فلا تخرجوا فرارا منہ ترجمہ اور وہاں سے مت نکلو طاعون سے بھاگ کر اور حرمت پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت ام المومنین عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا الفار من الطاعون کالفار من الزحف ترجمہ طاعون سے بھاگنے والے کے برابر ہے" اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ اس سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر عذاب کرے گا اگر نہ معاف کر دیا۔

طاعون سے بھاگنے کی ممانعت کی حکمت | اور اس کی حکمت میں علماء نے اختلاف کیا کوئی کہتا ہے کہ یہ امر تعبدی ہے اس کے معنی عقل میں نہیں آسکتے اس لیے کہ ہلاکت کے مقام سے بھاگنے کا حکم ہے حالانکہ ان میں ممانعت آئی ہے تو اس میں کوئی بھید ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی کہتا ہے کہ اس کی علت یہ ہے کہ طاعون جب کبھی ملک میں ہوتا ہے تو چونکہ سب میں گھسا ہوتا ہے اس لیے جو وہاں ہوتا ہے سب پر عام ہوتا ہے لہٰذا اس سے بھاگنا کچھ

کچھ مفید نہیں ہوتا بلکہ اگر اس کی موت آگئی ہے تو طاعون اسی کی موت کا سبب ہے خواہ وہ رہے یا چلا جائے پس جب خرابی متعین ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں لہٰذا وہاں رہنا ہی مقرر ہوا اس لیے کہ چلا جانا بے فائدہ حرکت ہے جو عقلاً بھی مناسب نہیں باوجود یکہ اس میں اس حکم سے بھاگنا بھی ہے جو تقدیر الٰہی میں مقرر ہے اور اس پر صبر کرنے کا حکم بھی ہے اور جو اس میں مر جائے اس کے لیے شہید کا ثواب مقرر ہے بلکہ جو اس میں صبر سے قائم رہے اس کے لیے بھی شہید کا ثواب ہے اگرچہ وہ طاعون سے نہ مرے اور ایسے ثواب سے بھاگنا بہت بڑا نقصان ہے باوجودیکہ یہ خبر بھی نہیں کہ جس موت سے بھاگتا ہوں اس سے سلامت بچوں گا یا نہیں۔

طاعون اور جہاد سے بھاگنے والے بہت کم زندہ بچتے ہیں | اور ابوالحسن مدائنیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایسے بہت کم لوگ ہیں جو طاعون سے بھاگے ہوں پھر وہ بچ گئے ہوں۔ تاج الدین سبکیؒ نے کہا ہے یہ جو بیان کیا آزمودہ ہے اور ایسا کرنا کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھاگنے کو اس کی عمر کوتاہ ہو جانے کا سبب کر دے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایسی آیت ہے جس سے یہ نکلتا ہے کہ جہاد سے بھاگنا عمر کی کوتاہی کا سبب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ترجمہ۔ تو کہہ ہرگز فائدہ نہ دے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگے موت سے یا مارے جانے سے اور اب نہ پھل پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں۔ اور نقل ہے کہ ان کے والد نے یہ مضمون اسی آیت سے نکالا ہے اور مفسرین نے اس قولِ خداوندی کے بارے میں کہا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ترجمہ کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے کہ ایک گاؤں میں طاعون واقع ہوا سو وہ لوگ وہاں سے بھاگ کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو موت دی پھر زندہ کیا تاکہ عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ حکم خداوندی اور تقدیر الٰہی سے نہیں بھاگا جا سکتا اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ ہمارے جنات دشمنوں کی نیزہ زنی ہے جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "میری امت کی موت طعن اور طاعون سے ہے" کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس طعن کو تو ہم جانتے ہیں لیکن طاعون کیا ہے تو آپ نے فرمایا "تمہارے جنات دشمنوں کی نیزہ بازی ہے اور ان دونوں میں شہادت ہے"۔

ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ طاعون کے ہمارے جنات دشمنوں کی نیزہ زنی ہونے میں ایک بڑی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے شیاطین ہمارے دشمن جو ان میں سے اہل طاعت ہیں وہ ہمارے دینی بھائی ہیں اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم کیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے انسان ہوں یا جن دشمنی رکھیں

اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے ان سے لڑتے ہیں۔ حالانکہ اکثر لوگ اس حکم سے انکار کرکے ان سے صلح اور محبت کرنے لگے لہٰذا ان کی عقوبت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کر دیا کیونکہ لوگوں نے جب جنات کی گرفت میں آکر ان کا کہا مانا اور انہوں نے ان کو فسق و فجور کا حکم دیا اور شر میں ان کے مطیع ہو گئے تو حکمت الٰہی نے یہ چاہا کہ ان کو ان پر نیزہ زنی کے لیے مقرر کر دے جیسے کہ ان پر ان کے انسانی دشمن جب وہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیتے ہیں مقرر کر دیتا ہے پس یہ معروف لڑائی ہے اور طاعون جنات کی لڑائی ہے اور ہر ایک ان میں سے اللہ عزیز حکمت والے کی تقدیر سے جو مستحق عذاب ہیں ان کے عذاب کے لیے اور جو شہادت کے مستحق ہیں ان کی شہادت کے لیے مقرر ہوتا ہے اور ان عقوبتوں میں جو عام نازل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے پس متقیوں کے واسطے طہارت اور بدکاروں کے لیے عذاب ہوتی ہیں۔

طاعون کا عذاب نازل ہونے کا سبب اور حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ طاعون ہونے کا سبب فحش باتوں کا ظاہر ہونا اور برائیوں کا برملا عمل میں آنا ہے جیسا کہ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہرگز کسی قوم میں فحش ظاہر نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر ضرور ان میں طاعون پھیلتا ہے اور مالکؒ نے ابن عباس سے موقوفاً اور طبرانیؒ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہیں ظاہر ہوا زنا کبھی کسی قوم کا مگر ان میں موت کی کثرت ہوئی ہے ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ زنا کی حد محصنین کے حق میں ایک خاص طریقے سے جان کا نکال کر دینا ہے اور وہ خاص طریقہ سنگسار کرنا ہے پس جب ان میں یہ حد قائم نہیں ہوتی تو جن ان پر معین ہوتے ہیں تاکہ ان کو قتل کریں سیوطیؒ نے کہا کہ اس کا بقیہ یہ ہے کہ زنا چونکہ اکثر اوقات پوشیدہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر ایسا دشمن مقرر کرتا ہے جو پوشیدہ طور پر قتل کرے کہ اس کو نہ دیکھ پائیں۔

کسی قوم پر نازل ہونے والے عذاب کا قاعدۂ الٰہیہ۔ اور عذاب کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو مستحق غیر مستحق سب کو عام ہوتا ہے پھر وہ اپنی اپنی نیتوں کے موافق مبعوث ہوں گے جیسا کہ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب اتارتا ہے تو جو وہاں ہوتا ہے سب کو پہنچتا ہے پھر وہ اپنی اپنی نیتوں پر حشر کے دن اٹھائے جائیں گے۔

نیک لوگوں کے عذاب اور غم میں مبتلا ہونے کا سبب۔ علماء نے کہا ہے کہ سب لوگوں کو عذاب برائیوں کے ظاہر ہونے اور برملا عمل میں آنے کی وجہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس کا منع کرنا اور اصلاح کرنا ان پر واجب ہے پس جس نے دیکھا اور منع نہ کیا اور استحقاق عقوبت میں گناہ کرنے والے

ہی کی طرح ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا تمام گاؤں ہلاک کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں عرض کیا کس وجہ سے یا رسول اللہ فرمایا خدا کی نافرمانیوں پر ان کی سستی اور چپ رہنے کی وجہ سے پھر بےشک طاعون اگرچہ ان کے لیے منکرات کے ظہور پر چپ رہنے کی سزا میں عذاب آتا ہے لیکن چونکہ ان کے لیے کفارہ اور طہارت بنایا گیا ہے اس لیے ان کے لیے رحمت ہے جیسا کہ ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب بندہ کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کا کوئی ایسا عمل نہیں ہوتا جو کفارہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو غم میں مبتلا کر دے گا تا کہ کفارہ ہو جائے اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس شخص کے حق میں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جو اس پر واجب ہے قصور نہ کرے حسنات کی زیادتی کے لیے ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی آدمی کا علم الٰہی میں ایک خاص مرتبہ تو ہوتا ہے لیکن وہ وہاں تک اپنے عمل سے نہیں پہنچتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ ایسی چیز میں مبتلا رکھتا ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔

طاعون مومن کے لیے شہادت اور رحمت ہے اور کافر کے لیے عذاب۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ طاعون مومنین کے لیے شہادت ہے اور ان کے واسطے رحمت ہے اور کافروں کے لیے عذاب ہے اور یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ طاعون کا شہادت اور رحمت ہونا مومنین کے ساتھ خاص ہے اور جب کافر پر جا پڑے تو وہ عذاب ہے کہ اس پر جلدی سے دنیا میں آگیا اور آخرت میں اس کے لیے بڑی سخت عذاب ہے۔

کیا کبیرہ گناہ کرنے والا مومن شہید ہوگا؟ اور رہا اس امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والا جب کہ وہ کبیرہ گناہوں پر اڑا ہوا ہو اور توبہ نہ کی ہو تو اس کے حق میں طاعون کے شہادت ہونے میں تامل ہے اس واسطے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے یہ شخص ان گناہوں کے وبال سے جن میں آلودہ تھا شہادت کا درجہ نہ پائے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ترجمہ کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے ان کو برابر ان کے جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اچھے کام کیے ہیں" اور نیز یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ طاعون فواحش کے ظاہر ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور گناہ کے سبب سے بطور عقوبت کے واقع ہوتا ہے پھر شہادت کیونکر ہو سکتی ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ عاصی بھی شہادت کا درجہ پائے کیونکہ ان حدیثوں میں حکم عام ہے جو اس بارہ میں آئی ہیں خاص کر وہ حدیث عام حکم ہونے میں بہت صاف ہے اور معرکہ

جنگ کے شہید پر قیاس کر کے ایسے شخص کے لیے شہادت کا حکم کرسکتے ہیں اور اگرچہ اس کے ذمے ایسے گناہ بہت ہوں جن سے توبہ نہ کی ہو۔

شہادت کی وجہ سے حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ مگر آدمیوں کے حقوق العباد اس حدیث کی وجہ سے جو اس مضمون کی آئی ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر قرض اور تمام حقوقِ عباد قرض ہی کی طرح ہیں اور اس شخص کے شہادت کا درجہ پانے سے جو گناہ کرتا رہا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مومن کامل سے درجے میں برابر ہو جائے اس واسطے کہ شہیدوں کے مرتبہ میں فرق ہوتا ہے ہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت حقوق کا کفارہ نہیں ہوتی۔

لیکن حقوق بھی شہادت سے مانع نہیں اس واسطے کہ شہادت کے معنی صرف یہی ہیں کہ یہ اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک خاص ثواب دے گا اور حقوق العباد کے علاوہ اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا پھر اگر اس کے اور نیک اعمال بھی ہیں تو وہ ان حقوق کے مقابلے میں فائدہ دیں گے جو اس پر ہیں اور درجہ شہادت کا اس کے لیے بچا رہے گا اور اگر کچھ نیک اعمال کیے ہیں تو شہادت حقوق العباد کے سوا اس کے اور گناہوں کو تو مٹا دے گی اور حقوق کے بارہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں رہے گا۔

قیامت کے دن حقوق العباد کی معافی کا طریقہ الٰہی پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ اس پر عذاب نہ کرے تو مدعیوں کو راضی کر دے گا جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ہنس پڑے یہاں تک کہ اگلے دندان مبارک کھل گئے پس کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ آپ کیوں ہنسے آپ نے فرمایا میری امت کے دو شخص رب العزۃ کے سامنے لائے گئے تو ایک کہتا ہے اے رب میری میرا حق اس بھائی سے دلا دے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے بھائی کا حق ادا کر دے تو وہ جواب دیتا ہے الٰہی میرے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ باقی نہ رہے پس اللہ تعالیٰ مدعی سے کہے گا اب تو اپنے بھائی سے کیا معاملہ کرے گا اس کے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ رہا نہیں ہے تو کہتا ہے یارب پھر وہ میرا بوجھ یعنی گناہ اٹھالے پس دونوں آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹپک پڑیں اور آپ نے فرمایا بیشک وہ دن بڑا سخت دن ہے لوگوں کو اس روز اس کی حاجت ہوگی کہ ان کے گناہ اوروں پر لادے جائیں پھر آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ اپنا حق مانگنے والے سے فرمائے گا نگاہ اٹھا کر جنت کی طرف تو دیکھ پس وہ آنکھ اٹھا کر کا تو شہر کے شہر چاندی کے اور محل کے محل سونے کے موتی جڑے ہوئے دکھائی دیں گے تو وہ عرض کرے گا اے میرے

اور ایسے ہی وہ روایت جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ ایک منادی قیامت کے دن عرش کے نیچے سے آواز دے گا۔ اے محمدؐ کی امت جو کچھ میرا حق تمہارے ذمے تھا وہ تو میں نے تم کو بخش دیا اب حقوق عباد باقی رہ گئے سو ہر ایک دوسرے کو معاف کر کے میری رحمت سے جنت میں چلا جائے۔

مومن گنہگار دوزخ میں جائے گا یا نہیں ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ سو یہ بھی بعضے لوگوں کے واسطے ہے کیونکہ اگر سب کے لیے یہ ہی ہو تو کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے حالانکہ صحیح حدیثیں اس بارہ میں آئی ہیں جن کو معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے اور ان پر ایمان لانا ضرور ہے کہ جو ایمان والا ہوگا وہ گناہوں کے سبب سے دوزخ میں پڑا نہ رہے گا بلکہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اگرچہ کچھ مدت اور کچھ زمانے کے بعد ہی سہی اور دوزخ سے باہر آنا اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دوزخ میں جانے سے بچائے۔

ساٹھویں مجلس طاعونی مقام میں صبر کی فضیلت اور اس کے دفع کے لیے دُعا ناجائز ہونے کے بیان میں

طاعون کے مقام پر صبر کرنے والا خواہ کسی طرح فوت ہو شہید ہوگا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں کہ کہیں طاعون واقع ہو پھر وہ اسی شہر میں صبر کر کے ثواب کے لیے یہ خیال کر کے ٹھیرا رہے کہ مجھ کو وہ ہی پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے مگر اس کے واسطے شہید کے برابر ثواب ہوگا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ام المومنین عائشہؓ نے روایت کیا ہے ابن حجر نے کہا ہے اس حدیث کا مقتضٰی تو یہ ہے کہ تو شہید کا ثواب اس کو ملے گا جو اس شہر سے نہ نکلے جہاں طاعون واقع ہوا ہے اور وہاں ٹھیرے رہنے سے اللہ تعالیٰ سے ثواب کا ارادہ رکھتا ہو اور یہ سمجھ کر اس کے وعدہ کا امیدوار رہے کہ مجھ پر جو کچھ گزرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوگا اور جو ٹل جائے گا وہ بھی تقدیر الٰہی سے ہوگا اس کے واقع ہونے سے دل تنگ نہ ہو اپنے رب پر ہر حال میں بھروسا کیے رہے پس جو شخص ان صفات سے موصوف ہو پھر وہ بلا طاعون مر جائے تو بھی ظاہر حدیث کے موافق اس کو شہید کا ثواب ملے گا اور اس قول کی تائید یہ روایت کرتی ہے کہ جو شخص طاعون میں مر

جائے پس وہ شہید ہے آخر حدیث تک کہ اس میں یہ نہیں فرمایا کہ طاعون سے مر جائے پھر ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جس شخص میں یہ صفتیں پائی جائیں پھر وہ زمانہ طاعون کے بعد مرے تو ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شہید ہوگا کیونکہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے (اور اس کی چونکہ نیت اچھی تھی اس لیے اس کو ثواب ملے گا)۔

تقدیر پر بھروسہ کر کے طاعون میں صبر کرنے والا قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا پھر وہ کہتے ہیں کہ اور اس حدیث سے نکلتا ہے کہ طاعون میں صبر کرنے والا ان صفات مذکورہ سے موصوف ہو قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا کیونکہ طاعون میں صبر کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سرحدوں پر پڑے رہنے ہی کی طرح ہے اور یہ ثواب مرابط[1] کے حق میں ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں موجود ہے۔

طاعون میں صبر نہ کرنے والوں کا طرز عمل پھر فرمایا اور جو شخص ان صفات مذکورہ سے موصوف نہ ہو تو دیکھو کہ اس کے دل میں کتنی تنگی بڑھ جاتی ہے اور طاعون کے دفع کرنے کے لیے قسم قسم کے حیلوں طرح طرح کی باتوں میں مشغول ہوتا ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ طاعون کو دفع کر دیتی ہیں جیسے منتر اور انگوٹھیاں اور تعویز جو گلے میں ڈالے جاتے ہیں اور دروازے پر لٹکے جاتے ہیں اور طرح طرح کی باتوں سے شگون بد لیتا ہے جس سے شارعؑ نے منع کیا ہے اور اپنے حال کو آپ وہم کے حوالے کرتا ہے اور حقیقی سبب یعنی فواحش کے ظہور اور برائیوں کے کھلم کھلا ہونے کو نہیں دیکھتا اور بیماروں کی عیادت اور جنازہ پر جاتے سے پرہیز کرتا ہے جن سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسو نکلتے ہیں اور خوف اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔

اور اکثر لوگ طاعون کے زمانے میں طاعون اور طاعون کے سوا اور طرح مر جاتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ وہ طاعون واقع ہونے کے وقت صبر کر کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے درجہ شہادت ان سے جاتا رہتا ہے اور کبھی ان میں سے کوئی طاعون میں مر جاتا ہے تو گمان کرتے ہیں کہ موت کے بعد یہ اٹھے گا اور رات میں اپنی قبر میں سے اٹھ کر لوگوں کے گھروں میں پھرے گا اور بعض بعض گھر والوں کو پکارے گا اور جس کو وہ پکارے گا مر جائے گا اور اس گمان پر اس کی قبر ادھیڑ دیتے ہیں اور اس کو ذبح کر ڈالتے ہیں بلکہ بعضی دفعہ اس کو نکال کر پھونک دیتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے ہندو کرتے ہیں باوجودیکہ یہ سب ایسے کام ہیں جن کی شرع محمدیؐ میں ممانعت آئی ہے اور

[1] مرابط وہ مقام جہاں دشمنوں کے روکنے کے لیے فوج ڈال دی گئی ہو تاکہ غفلت میں موقع پا کر وہ اندرون ملک میں گھس نہ پڑیں ۱۲ یاری

یہ حرکات صرف طاعون سے نفرت اور اس کو برا سمجھنے کی وجہ سے کرتے ہیں۔
آنحضرتؐ کی امت کے لیے قتل اور طاعون کے ذریعہ موت کی دعا۔ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے اس کی دعا کی ہے اور فرمایا ہے کہ الٰہی میری امت کی موت طعن اور طاعون سے کر اور بعضوں کو اگرچہ یہ حدیث مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ اکثر امت کی موت تو بغیر طعن اور طاعون کے ہوتی ہے لیکن جواب یہ دیا گیا ہے کہ موت اکثر ان ہی دونوں سے ہوتی ہے اور یہ بات بیشک صحیح ہے کیونکہ اگر تحقیق کیا جائے تو یقیناً جو طاعون سے مرے ہیں ان کا شمار ان لوگوں کے شمار سے زائد ہو گا جو طاعونوں کے درمیانی زمانہ میں مرے ہوں پھر اگر اس کے ساتھ قتل کو بھی جو جہاد یا فتنہ میں ہوا ہو شامل کر لیں تو پھر کیا ہو پھر تو یقیناً وہ ہی لوگ زیادہ ہو جائیں گے جو اسی طرح مرے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے اپنی امت کے لیے ہلاک کی کیسی دعا کی تو جواب یہ ہے کہ اس دعا سے مقصود ہلاکت کی بد دعا نہیں ہے اگرچہ ہلاکت اس کو لازم ہے بلکہ ان دونوں سببوں کے وسیلہ سے ان کے لیے شہادت مطلوب ہے کیونکہ موت تو ایسی لازم چیز ہے کہ اس سے تو کسی طرح چھٹکارا نہیں پس دعا کا مطلب یہ ہے کہ طعن اور طاعون ہی اس موت کا سبب ہوا کرے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہے اور اس سے کوئی جگہ بچاؤ کی نہیں ہے تاکہ ان دونوں کی وجہ سے شہادت ہی ہوا کرے۔

جہاد میں قتل کی طرح طاعون کی موت بھی شہادت۔ پھر شہادت کا طعن سے ملنا جو جہاد یا فتنہ میں ہوتا ہے یہ تو ظاہر ہی ہے رہا طاعون سے شہادت کا ملنا سو اس لیے کہ حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ یہ ہمارے جنات دشمنوں کا کونچہ ہے پس بے شک یہ بھی شہادت ہی ہو گا۔

طاعون دور ہونے کی دعا جائز نہیں۔ اور اسی لیے اس کے دور ہو جانے کی دعا جائز نہیں ہے بعضی کہتے ہیں کہ مکروہ ہے کیونکہ معاذؓ نے دعا نہ کی اور یہ دلیل بیان کی کہ طاعون شہادت اور رحمت ہے اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے جیسا کہ عبداللہ بن رافعؓ سے روایت ہے کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کو جب عمواس میں طاعون ہوا تو معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا ادھر طاعون کی بہت شدت ہوئی تو لوگوں نے معاذؓ سے کہا کہ اللہ سے اس عذاب کے اٹھا لینے کی دعا کرو تو فرمایا یہ نہیں عذاب ہے بلکہ یہ تمہارے نبیؐ کی دعا ہے اور اگلے نیکوں کی موت اور شہادت ہے تم میں سے جس کو اللہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے الٰہی معاذ کے اہل کو اس رحمت میں سے بڑا حصہ عطا کر۔ پس معاذ کا

یہ فرمانا صریح ہے کہ اس کے دور ہو جانے کی دعا جائز نہیں ہے اور تحقیق ہو چکا ہے کہ
معاذ تمام امت میں حرام اور حلال کو زیادہ جانتے تھے اور قیامت کے روز تمام فقہاء
کے پیشوا ہوں گے۔

پس اگر یہ دعا جائز ہوتی تو لوگوں کو اس کہنے کی حاجت نہ ہونے دیتے بلکہ وہ خود
اپنے آپ دعا کرتے بلکہ اگر یہ دعا مباح بھی ہوتی تو لوگوں کے اس سوال کے وقت
جس کو وہ لوگ اپنے لیے مصلحت سمجھتے تھے اس کے کرنے میں جلدی فرماتے۔

طاعون کے خاتمے کی دعا جمع کر کے کرنا بدعت ہے۔ اور حنبلیوں نے اس مسئلہ کی
تصریح کر دی ہے اور حنبلیوں میں سے صاحب فروع نے کہا ہے کہ اس کے لیے قنوت
نہ پڑھیں اس لیے کہ طاعون عمواس وغیرہ میں قنوت ثابت نہیں اور ابن حجرؒ اگرچہ تنہا
تنہا اس کے لیے دعا کرنے کے جواز کی طرف مائل ہوتے ہیں لیکن اجتماع کو وہ بھی
منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دفع طاعون کی دعا کے لیے نماز استسقاء کی طرح جمع
ہونا بدعت ہے دمشق میں بڑے طاعون کے زمانے میں سنہ سات سو انچاس میں
ایجاد ہوئی ہے اور اس سے کچھ فائدہ بھی نہ ہوا بلکہ اور بھی حالت خراب ہو گئی پھر
کہا اور اگر یہ بات جائز ہوتی تو سلف پر پوشیدہ نہ رہتی اور نہ ملک کے فقہاء پر اور
نہ زمانہ گذشتہ میں ان کی پیروی کرنے والوں پر چنانچہ اس بارہ میں نہ ہم کو محدثین سے کوئی
روایت ملی ہے اور نہ کوئی اثر اور نہ کوئی جزئی کسی فقیہ اور دین کے امام سے لکھی گئی۔

طاعون اور دوسری بیماریوں کے خاتمے کے لیے دعا کرنے میں فرق۔ اور ایک گروہ نے
اس کے جواز پر بعض فقہاء کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ دعائے قنوت
تمام نمازوں میں حوادث کے وقت مشروع ہے اور امراض عام ہو جانے کے وقت
جمع ہونا اور دعا کرنا جائز ہے اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عام مرض کی تصریح کرنا وباء
کی تصریح کرنا ہے جس میں طاعون بھی داخل ہے اور یہ بھی بڑا حادثہ ہے اور جواب یہ
ہے کہ وبا اور حوادث اگرچہ ہر ایک عام ہے کہ طاعون وغیرہ کو بھی شامل ہے لیکن
طاعون میں شہادت اور رحمت اور ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہونے کی
خصوصیت ہے برخلاف وباء اور حوادث کے اور اسی لیے ان کے رفع کی دعا جائز
ہے اور طاعون کے رفع کی جائز نہیں اور وباء اور حوادث کے علاوہ صرف طاعون
سے بھاگنے کی ممانعت ہونا اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ طاعون قرن اول میں کئی بار
واقع ہے اور صحابہ اس وقت بہت اور بڑے بڑے موجود تھے اور کسی سے یہ منقول

نہیں کہ کسی نے اس میں سے کچھ بھی کیا ہو یا کسی کو حکم دیا ہو اور معاذؓ کے اس قول سے مراد کہ تمہارے نبیؐ کی دعا ہے یہ حدیث ہے" الٰہی کر دے میری امت کی موت طعن اور طاعون سے"۔

نیک لوگوں سے مراد۔ اور اگلے نیکوں سے کون مراد ہیں اس کے بارے میں کلاباذی نے گفتگو کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان سے بنی اسرائیل مراد ہوں کیونکہ طاعون اگرچہ ان پر بری باتوں کے کھلم کھلا ہونے کے وقت سکوت کی وجہ سے بطور عذاب آیا تھا لیکن ان کے حق میں اس سکوت کی وجہ سے جو ان سے ظاہر ہوا تھا ایسا ہی کفارہ اور طہارت تھا جیسا کہ ایک کا دوسرے کو قتل کرنا ان میں سے گوسالہ پرستوں کے لیے کفارہ تھا پس اس وجہ سے بیشک یہ سب تائب اور صلحاء اور مطیع تھے۔

مسلمان کا فرض۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ ان امور کو جو اس کے ذمے فرض اور واجب ہیں ادا کر کے اور حرام اور مکروہ باتوں سے بچ کر اور گناہوں اور برائیوں سے توبہ کر کے مظالم اور حقوق العباد سے خلاصی پانے میں جلدی کر کے اپنے نفس کی اصلاح میں کوشش کرے اور یہ بات تو ہر وقت درکار ہے اور وبا پھیلنے کے وقت سب کے لیے عموماً اور جو شخص اس میں مبتلا ہو اس کے لیے خصوصاً ضروری ہے۔

وصیت کی اہمیت اور ضرورت۔ اور خاص کر وصیت بلا اس کے کہ اس میں کسی طرح کی بے انصافی ہو اسی لیے کہ نبی علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ نہیں حق ہے مسلمان شخص کا جس کی کوئی چیز قابل وصیت ہو کہ دو شب دیر کرے مگر اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کا حق اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کی وصیت اس کے لکھی ہوئی ہو کیونکہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کی موت کب اس کو آ پکڑے گی اور اس کے ارادوں میں حائل ہو جائے گی اور دو شب کی قید کچھ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ اسباب پر تنبیہ ہے کہ اس پر کچھ زمانہ گزرنا نہ چاہیے اگرچہ کم ہو مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود ہو اور خصوصاً جب کہ اس پر قرض ہو یا اس کے پاس امانت رکھی ہو یا کوئی اور حق ہو تو اب اس پر وصیت لازمی ہے اور اس میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے تو اطمینان نہیں کہ مرض بڑھ جائے اور زبان بند ہو جائے اور بے وصیت مر جائے اور واجب ترک کرنے کی وجہ سے اگر اس پر وصیت واجب تھی تو گناہگار رہو کہ اس کے ذمے کوئی حق اللہ تعالی

کا یا کوئی حق العبد ہو اور اگر اس کے ذمے اُن دونوں حقوں میں سے کچھ نہیں ہے تو اس پر وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور اس شخص کے لیے جس کے پاس مال تو ہے لیکن کوئی وارث نہیں تمام مال وصیت کا محل ہے اور اگر وارث ہے تو تہائی مال محل ہے اور واجب وصیت میں اگر ضرورت ہو تو پوری تہائی کی وصیت کر دے اور وصیت مستحب میں تہائی سے کم رکھے۔

وصیت کا طریقہ۔ اور وصیت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان سے دو عادل شخصوں کے سامنے ذکر کرے اور اس کی مقدار اور جنس اور کیفیت بیان کر دے اور اگر وصیت لکھ کر دونوں کو پڑھ کر سنائے اور ان کو اس پر گواہ کرے تو بہت بہتر ہے۔

وراثت سے کے اصول شرعی کی مخالفت کا نتیجہ۔ لیکن اس سے بہت بچے کہ اپنے وارثوں میں سے کسی ایک وارث کو خاص کر کے بطور تملیک یا اقرار کوئی چیز دیدے جس سے اس کا خاتمہ برا ہو خاتمہ بخیر نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود قسمت مواریث کا ذمہ دار ہوا ہے اور ایک کو خود اس نے حصہ دیا ہے اور ہر ایک حقدار کے لیے اپنی کتاب میں جو اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے حصہ معین کر چکا ہے اور نافرمان کے لیے جو اس کے حکم کو تبدیل کرے دوزخ میں جانے کا اور اس میں ہمیشہ رہنے کی وعید فرمائی ہے چنانچہ مواریث کے آخیر آیت میں فرمایا ہے وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ ترجمہ وہ اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور بڑھے گا اس کی حدوں سے اس کو داخل کرے گا آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کو ذلت کا عذاب ہے۔

اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا بیشک بعضے مرد اور عورت ساٹھ برس تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں پھر جب ان کی موت آتی ہے تو وصیت میں اوروں کو نقصان پہنچاتے ہیں پس ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے پھر ابو ہریرہؓ نے یہ آیت پڑھی مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ الخ۔ ترجمہ بعد وصیت کے کہ وصیت کیا جاتا ہے ساتھ اس کے یا قرض کے بلا اوروں کا نقصان کئے اخیر تک خداوند تعالیٰ اپنی رضا کے موافق اعمال ہم پر آسان کرے۔

اکسٹھویں مجلس بلیات اور مصائب پر صبر اور اس وقت انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں

مومن پر آنے والی ہر مصیبت اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مومن مرد اور عورت کے ساتھ بلا لگی رہتی ہے اس کی جان میں اور اس کے مال میں اور اس کی اولاد میں یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بلا ہمیشہ مومن کی جان اور مال اور اولاد پر آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اس حالت میں مرجاتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا بلکہ اس کے سب گناہ ان بلاؤں اور مشقتوں کے سبب سے جو اس کو پہنچی ہے دور ہو جاتے ہیں۔

اور ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب کسی بندہ کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کے پاس کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جو ان کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو مبتلائے غم میں کر دیتا ہے تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اور ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندے پر کوئی گزند تھوڑا ہو یا بہت نہیں پہنچتا مگر گناہ ہی کے سبب سے اور جو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ بہت ہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيرٍ ترجمہ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو بدلہ اس کا ہے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت۔

یعنی تم پر جو مصیبت آتی ہے کیسی ہی ہو سو وہ تمہاری نافرمانی کے سبب سے ہے جو تم کر چکے ہو اور اللہ تعالیٰ بہتیرے گناہ معاف کر دیتا ہے پس دنیا میں اس پر سزا نہیں دیتا ہے۔

گناہگار مومن کے لیے پانچ طرح کی سزائیں۔ | اور حضرت علیؓ کہتے ہیں مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں پانچ عقوبتیں ہیں۔ سب سے پہلی بیماری ہے۔ پھر دوسری عقوبت مصیبتیں ہیں۔ پھر تیسری عقوبت یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ زیادہ ہوں تو قبر میں عذاب ہوگا۔ پھر چوتھی عقوبت یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں تو پلصراط پر روک

رکھا جائے گا اور پانچویں عقوبت یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ اس سے بھی زاید ہوں تو اپنے گناہوں کے موافق دوزخ میں عذاب دیا جائے گا پھر اس میں سے نکال لیا جائے گا۔ اور یہ سب گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

بے گناہ مومن پر مصیبت اس کے درجات کی بلندی کے لیے ہے اب رہے بے گناہ مومن سو اُن پر دنیا میں مصائب اس لیے آتے ہیں کہ ان کے درجات عقبیٰ میں بلند کر دیے جائیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی شخص کا کوئی مرتبہ تو اللہ کے نزدیک مقرر ہوتا ہے وہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا پس اللہ تعالیٰ اس کو اُن باتوں میں پھنسا دیتا ہے جن کو وہ برا جانتا ہے یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ کو پا لیتا ہے اور اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

مصیبت پر ثواب کا دار و مدار صبر کرنے پر ہے لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ اہل بلا کے لیے ثواب جو ان حدیثوں میں اور دوسری جگہوں میں مذکور ہے وہ صبر پر موقوف ہے خود مصیبت پر اُس کا دار مدار نہیں ہے جیسا کہ سفیان ثوری رح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ثواب بقدر صبر ہوتا ہے اور صبر ایک کسبی صفت ہے جس سے انسان موصوف ہو جاتا ہے اور انسان ہی کے ساتھ خاص ہے اور فرشتے اور جانوروں میں نہیں ہوسکتا اور تقدیری اور شرعی احکام پر ثابت قدم رہنا اور نفس کو بے صبری سے اور زبان کو شکوہ و شکایت سے اور اعضاء کو بیہودہ محل سے روکنا صبر ہے۔

شیخ امام عزالدین بن عبدالسلام رح کہتے ہیں بعضے لوگ گمان کرتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت پر اجر ملتا ہے اور یہ غلط ہے کیوں کہ مصیبت خود انسان کا کسی طرح کسب نہیں ہے نہ عمل کے اعتبار سے اور نہ سبب کے اعتبار سے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ترجمہ۔ وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے پس جس کا بیٹا مرگیا اور مال لُٹ گیا اور بدن پر کوئی آفت آگئی تو یہ سب مصیبتیں نہ اس کے کسب سے ہیں اور نہ اُس نے اُن کا سبب پیدا کرنے سے تاکہ اُن کی وجہ سے اُس کو ثواب ملے بلکہ اگر اُس پر صبر کرے گا تو اُس کو صابروں کا ثواب ملے گا اور اگر اُس پر رضامند ہوگا تو رضامندوں کا اجر ملے گا۔

صبر پر بھی صدمہ کی ابتدا میں اجر ملے گا لیکن حدیث میں آیا ہے کہ صبر پر بھی صدمہ کی ابتدا میں اجر ملے گا چنانچہ انس رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا ایک عورت پر گزر ہوا جو ایک قبر پر رو رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا خدا سے ڈر اور صبر کر تو اس نے جواب دیا الگ ہو تم پر میری سی مصیبت پڑی ہے اور آپ کو اُس نے پہچانا نہیں پس کسی نے اس سے کہہ دیا کہ یہ تو نبی علیہ السلام ہیں پس وہ بھی علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میں نے

آپ کو پہچانا نہیں تھا. پس نبی علیہ السلام نے فرمایا صبر تو صدمہ کی ابتداء ہی میں ہوتا ہے اور اس لیے فرمایا کہ کچھ دیر گذر جانے کے بعد تو ہر مصیبت زدہ کو صبر آجاتا ہے وہ چاہے نہ چاہے۔

مصیبت پر بے صبری کا نتیجہ اور ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اول مصیبت ایک ہوتی ہے پھر اگر وہ بے صبری کرتا ہے تو دو مصیبتیں ہو جاتی ہیں ایک تو خود وہی مصیبت دوسرے ثواب کا جاتا رہنا اور یہ خود اس مصیبت سے بڑھ کر ہے کیوں کہ بے صبری نہ گذشتہ بات کو پھیر لاتی اور نہ غم کو دور کرتی ہے بلکہ مصیبت کا ثواب باطل کر دیتی ہے کیوں کہ جو شخص مصیبت پر بے صبری کرتا ہے وہ پروردگار کی شکایت کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ حکم الٰہی پھر جائے (حالانکہ ایسا ہو نہیں ہوسکتا۔)

میت پر رونے اور نوحہ کرنے کا حکم شرعی اور حدیث میں آیا ہے کہ میت پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے لیکن یہ عذاب اس وقت ہے جب کہ بطور نوحہ ہو اور مرنے والا مرنے سے پہلے اس پر رضامند ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس پر بطور شفقت و رحمت رونے میں کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ وہ سوال و جواب واجبی اور عقوبت موہوم میں تو مبتلا ہوتا ہی ہے کیوں کہ نبی علیہ السلام خود جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم رضؓ انتقال فرما گئے تو روتے تھے اور اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے جب عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلعم آپ روتے ہیں؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ابن عوف یہ وہ رحمت ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ اپنے رحیم بندوں ہی پر رحمت کرتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دل غمگین ہوتا ہے اور آنکھیں روتی ہیں اور ہم وہ کلمہ نہیں کہتے جو پروردگار کو ناخوش کرے اور ایک روایت میں ہے ہم کچھ نہیں کہتے ہیں مگر وہی جس میں ہمارا پروردگار راضی ہو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو سے عذاب نہیں دیتا اور نہ دل کے غم سے لیکن عذاب تو اس سے دیتا ہے اور زبان کی طرف اشارہ کیا اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو منہ کو پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی سی باتیں بکے اور جاہلیت کی باتوں سے یہ اقوال مراد ہیں ہائے ہائے ہائے مرنے والے ہائے پوشاک والے ہائے مددگار وغیرہ اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا زانو کا پیٹنا مصیبت کے وقت ثواب کو کھو دیتا ہے۔

اہل میت سے تعزیت کا حکم اور اسی لیے تعزیت مستحب ہے اور تعزیت یہ ہے کہ ورثاء میت کو اجر کا وعدہ یاد دلا کر عزا یعنی صبر پر ابھارنا ہے اور میت کے لیے دعائے خیر اور

مصیبت رسیدہ کے لیے دعائے مغفرت کرنا زیلعی رح کہتے ہیں کہ اہل میت کی تعزیت کرنے اور اُن کو صبر کی رغبت دلانے میں کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا قول "جس نے مصیبت رسیدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے بھی اس کے برابر ثواب ہے"

تعزیت کا طریقہ اور تعزیت کا یہ طریقہ ہے کہ جس کو مصیبت پہنچی ہے اس سے کہے خدا تم کو بڑا اجر عنایت کرے اور تمہیں اچھی طرح صبر دے اور تمہارے مردہ کو بخش دے۔

صبر کی اہمیت اور اس پر اجر عظیم اور فقیہ ابو اللیث رح کہتے ہیں کہ انسان نیکوں کا درجہ نہیں پاتا مگر سختی اور تکلیف پر صبر کرنے کی بدولت اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو صبر کا حکم فرما چکا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ترجمہ سو تو صبر کر جیسے صبر کیا ہے ہمت والے رسولوں نے"، اور نبی کو حکم کرنا آپ کی امت کو حکم کرنا ہے لہذا جو شخص امت میں داخل ہے اُس پر واجب ہے کہ اپنے نبی کی پیروی کرے اور جو رنج اس کو پہنچے اُس پر صبر کرے اور اس کا یقین رکھے کہ جو بلائیں اللہ تعالیٰ نے اس پر سے دفع کر دی ہیں وہ ان سے زیادہ ہیں جو اُس کو پہنچتی ہیں اور اُس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی جان نکال لی وہ عرض کرتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے کیا تم نے اُس کے دل کے پھل پر قبضہ کر لیا وہ عرض کرتے ہیں ہاں پھر پوچھتا ہے میرے بندے نے کیا کہا پس وہ کہتے ہیں تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا میرے بندے کے لیے ایک گھر جنت میں بناؤ اور اُس کا نام بیت الحمد رکھ دو اور مذکور ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج والے لوگ قیامت کے دن حاضر کئے جائیں گے تو اُن کا ثواب میزان سے تول کر پورا دیا جائے گا پھر مصیبت والے لوگ بلائے جائیں گے پس اُن کے لیے نہ ترازو کھڑی کی جائے گی اور نہ نامۂ اعمال کھولے جائیں گے بلکہ اُن کو اجر اتنا ایسا دیا جائے گا۔ جیسا بہا دیا پس یہ دیکھ کر عافیت والے آرزو کریں گے کہ کاش ہماری کھال دنیا میں قینچیوں سے کتری جاتی کہ مصیبت زدوں کو بے حساب ثواب عطا ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ترجمہ صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے اُن کا ثواب بغیر حساب،، کا یہی مطلب ہے اور اسی لیے متقدمین صلحاء دنیا میں مصیبت پر خوش ہوتے تھے کیونکہ اُن کو ثابت ہو چکا تھا کہ مصیبت پر صبر کرنے میں بہت بڑا ثواب ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

مصیبت میں صبر کرنے پر اجر اور ایک اعتراض کا جواب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بلا پر صبر کرنے سے اگر اُس پر راضی ہونا اور ناخوش نہ ہونا مراد ہے تو یہ آدمی کے اختیار میں نہیں ہے

اور اگر اس پر خوش ہونا مراد ہے تو یہ اول سے بھی زیادہ بعید ہے تو جواب یہ ہے کہ شارع نے ایسی چیز سے منع نہیں کیا جو اس کے اختیار میں نہ ہو ممانعت تو کسبی باتوں سے ہے جیسے گریبان پھاڑنا اور گلے پیٹنا اور زبان سے چیخنا اور نوحہ کرنا اور واویلا کی بلا پر جو فرحت مذکور ہے سو وہ فرح شرعی ہے ایمان اور یقین کے قوی ہونے سے حاصل ہوتی ہے اُس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص سے بادشاہ کہے کہ میں جب تجھ کو ایک کوڑا ماروں تو سو اشرفی دوں گا سو یہ شخص باوجود مار کی چوٹ معلوم ہونے کے اُس بڑی بخشش کی امید پر بادشاہ کی زیادہ مار پر خوش ہوگا اسی طرح نیک بندوں نے جب یہ ارشاد خداوندی سُنا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ترجمہ کہ صبر کرنے والوں ہی کو دیا جاتا ہے ان کا اجر بے حساب اور یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کا وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ ترجمہ اور بدلہ دیا اُن کو صبر کرنے کا باغ اور پوشاک ریشمی، اور بڑے ثواب کا ان کو یقین ہوگیا تو اُن پر دنیا میں جو مصیبتیں گزرتی ہیں سب آسان ہوگئیں چنانچہ کسی نیک بی بی کا قصہ ہے کہ ایک روز اُنہیں ٹھوکر لگی جس سے اُن کا ناخن ٹوٹ گیا اس پر وہ ہنس پڑیں۔

مصیبت کے ہلکا ہونے کی صورت تو کسی نے کہا کیا تم کو درد سے کچھ تکلیف نہیں ہوئی تو انہوں نے جواب دیا اُس ثواب کی لذت نے جو اللہ تعالیٰ سے صبر اور رضا پر ملے گا دُکھ کی تلخی کو میرے دل سے دور کر دیا ہے۔ علماء کہتے ہیں رضا کی حقیقت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتلایا ہے کہ مصیبت کے وقت ہم سب اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ ترجمہ کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، کہا کریں اور یہ زبانی استرجاع ہے پس عاقل کو اس کہنے کے وقت لازم ہے کہ اس مصیبت کے ثواب کا خیال کرے تاکہ اس پر مصیبت آسان ہو جائے۔

مصیبت پر ثواب کیونکہ مصیبت کا ثواب جب قیامت کے روز اُس کے سامنے آئے گا تو یہ آرزو کرے گا کہ کاش میری ساری اولاد اور تمام اقرباء دنیا میں میرے سامنے مر جاتے کہ اُن کی مصیبت کا ثواب ملتا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مصیبت میں بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور میووں کے نقصان سے اور خوشخبری دے دے صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچتی ہے اُن کو کچھ مصیبت تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف جانا ہے ایسے لوگوں ہی پر ہیں

شاباشیں اُن کے رب کی طرف سے اور مہربانی اور وہی ہیں راہ پر،،

یعنی ہر وہ شخص جس کو کوئی مصیبت پہنچے اُس کے مال میں یا اُس کی اولاد میں یا اُس کی جان پر یا آبرو پر جیسے کوئی بُرا کلمہ اپنے حق میں سنا یا کسی آئندہ بات نے اُسے پریشان کر دیا یا کسی گذشتہ بات سے مغموم ہو گیا معاش کی تنگی ہو یا روزی کی کمی ہو یا کمائی کا نہ چلنا یا کھیتی کا نہ اُگنا یا اس کے سوا کچھ اور ہو پس اگر وہ اس پر صبر کرے گا اور اُس مصیبت کے ثواب کا جو اُس پر گذری ہے امید رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ مغفرت اور رحمت اور ہدایت جس کا باری تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا ہے عطا کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

ہر مصیبت پر انا للہ الخ پڑھنے کا حکم۔ اور حضرت عکرمہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں جو چیز مؤمن کو ایذا دے وہی اس کی مصیبت ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو انا للہ پڑھے کیونکہ یہ بھی مصیبت ہے اور حضرت ام سلمہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جس کو کوئی مصیبت پہنچے پھر وہ کہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ o اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِيْبَتِیْ وَاخْلِفْ لِیْ خَيْرًا مِّنْهَا ترجمۃ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے الٰہی مجھ کو میری مصیبت کا اجر دے اور مجھ کو اس سے بہتر عوض دے،، مگر اللہ تعالیٰ اُس کو اس کی مصیبت کا اجر اور اس سے بہتر عوض دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے مصیبت کے وقت انا للہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو رفع کر دیتا ہے اور اُس کا انجام بہتر کرتا ہے اور اس کا ایسا اچھا بدلہ دیتا ہے کہ وہ خوش ہو جاتا ہے

مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے اور حضرت حسین رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جس پر کوئی مصیبت گذری ہو پھر وہ از سر نو انا للہ پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے لیے اتنا ہی ثواب لکھ دیتا ہے یعنے اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی اجر دیتا ہے جتنا کہ مصیبت کے روز عطا کیا تھا اور حضرت سعید ابن جبیر رضہ سے روایت ہے کہ استرجاع یعنی انا للہ الخ پڑھنا اس امت کے سوا اور کسی امت کو عطا نہیں ہوا اگر کسی کو ملتا تو البتہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو ملتا کیا تم نہیں دیکھتے جب ان کو مصیبت پہنچی تو انھوں نے انا للہ نہیں پڑھا بلکہ کہا اے افسوس یوسف ؑ پر اور حضرت ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ ان کو سفر میں بیٹی کی موت کی خبر آئی تو پہلے انا للہ پڑھا پھر اتر کر دو رکعت نماز پڑھی پھر کہا اللہ تعالیٰ جو حکم کیا ہے وہ ہم کر چکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مدد لو صبر سے اور نماز سے لہذا مومن کو

لازم ہے کہ یہی کیا کرے کیونکہ نبی علیہ السلام کو جب کسی بات سے پریشانی ہوتی تو گھبرا کر نماز شروع کر دیتے اس لیے کہ نماز سب عبادتوں کی اصل اور مومنین کے لیے معراج اور پروردگار سے سرگوشی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بڑا ثواب بڑی بلا ہی پر ہوتا ہے۔

رضا بالقضاء کی اہمیت و حقیقت اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی جماعت کو دوست رکھتا ہے تو ان کی آزمائش کرتا ہے پس جو کوئی اس پر راضی ہوتا ہے اس کے لیے رضامندی ہے اور جو بیزار ہوتا ہے اُس کے لیے بیزاری ہے یعنی ثواب کی کثرت بلا کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے پس جو کوئی راضی رہا اور اُس نے اُس پر صبر کیا تو اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اور جس نے بلا کو برا جانا اور واویلا کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہوا تو اس کو اللہ کی بیزاری اور غصہ حاصل ہوتا ہے۔

لیکن یہ جاننا چاہیے کہ رضامندی اور بیزاری دونوں کی جگہ دل ہے اور یہ دونوں دل سے علاقہ رکھتے ہیں زبان سے نہیں رکھتے اسی لیے اکثر لوگوں کو دیکھتے ہو کہ درد کے مارے یا بیماری کی شدت سے آہ اُف کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا و تسلیم ہوتی ہے پس اس بیان کے موافق جس سے آہ اُف سُنا جائے اُس کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ صابر اور اللہ کے حکم سے راضی نہیں ہے اس لیے کہ کوئی کسی کے دل کا حال نہیں جانتا۔

مومن اور منافق کی بیماری اور صحت میں فرق اور عامر رامی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو جب کوئی بیماری آتی ہے پھر اُس کو اللہ تعالیٰ صحت دیتا ہے تو وہ بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ اور آیندہ کے واسطے نصیحت ہو جاتی ہے اور منافق جب بیمار پڑتا ہے پھر صحت پاتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اُس کے مالکوں نے باندھ دیا پھر اُس کو چھوڑ دیا پس وہ نہیں جانتا کہ کیوں اُس کو باندھا تھا اور کیوں چھوڑ دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو اُس کے گناہ کے مٹانے اور درجات کی ترقی ہی کے لیے مبتلا کرتا ہے جن پر وہ ان طرح طرح کے مصائب کے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا پس اللہ تعالیٰ دنیا کے فتنہ سے بچانے اور دنیا سے بے رغبت بنانے کے لیے اُس پر دنیا ہی میں سختیاں اور محنتیں ڈال دیتا ہے تاکہ اس پر اطمینان نہ کرے اور اُس کی الفت میں نہ پھنس جائے کہ اُس کے جھگڑوں میں پھنس جانا اُس کو اخروی مرتبوں سے الگ کر دے۔

انسان پر مصیبت کا اثر کیونکہ جب انسان بلا میں پڑتا ہے تو اُس کے نفس کی تیزی سست ہو جاتی ہے اور بشری صفات جاتے رہتے ہیں اور ہوا و ہوس اور دنیا کی لذت کا مادہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے جس سے وہ راحت اور رنج ہر حال میں اپنے مولیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ادھر ہی

متوجہ رہنے سے مانوس ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے صبر اور رضا کا عادی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ صبر و تحمل اُس کو اللہ کے دوستوں اور اولیاء اللہ کے درجوں تک بلند کر دیتے ہیں اور حضرت انس رضہ سے جو روایت ہے اس کے بھی معنیٰ یہ ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے لیے بھلائی یا اُس کو محبوب رکھنا چاہتا ہے تو اس پر بہت سی بلائیں ڈال دیتا ہے۔

مصیبت پہنچنے کی صورتیں اور ان بلاؤں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ اس پر ڈالتا ہے ایک یہ ہے کہ اپنی کسی ایسی مخلوق کو اُس پر مقرر اور معین کر دیتا ہے جو اُس کی ایذا میں کوشاں رہے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ یا چوہے کے بل میں بھی جا کر چھپ رہے جب بھی اللہ تعالیٰ اُس جگہ کسی ایسے کو مقرر کر دیگا جو اُس کو ایذا پہنچائے جیسا کہ حضرت علی رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اگر مومن گوہ کے بھٹ میں ہو تو اسی میں اللہ تعالیٰ ایسے کو مقرر کر دے گا جو تکلیف دے اور ایسا ہی ان الفاظ سے حضرت انس رضہ سے مروی ہے کہ اگر مومن چوہے کے بل میں ہو تو اسی میں اللہ تعالیٰ ایسے کو مقرر کر دیتا ہے جو ایذا دے۔

اللہ کے بندوں پر مصیبت پڑنے کی حکمت اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مصیبت بندے کے انسانی صفات کو گلا دیتی ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے نفس کو محنت اور مصیبت کی آگ میں گلا کر صفاتِ بشری کی کدورتوں سے صاف کرتا ہے تاکہ وہ ولی اللہ اور خدا کی محبت کے قابل ہو جائے۔

باسٹھویں مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کی تحقیق کے بیان میں کہ پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو آخ اور ان باتوں کے بیان میں جو اس سے متعلق ہیں

پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس کو آپ نصیحت فرما رہے تھے فرمایا کہ "پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جان۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ اور صحت کو بیماری سے پہلے۔ اور امیری کو محتاجی سے پہلے۔ اور فرصت کو مشغولی سے پہلے۔ اور زندگی کو موت سے پہلے"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے میمون بن مہران رضہ نے روایت کیا ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرما دیا کہ آدمی چونکہ اپنی جوانی میں وہ اعمال کر سکتا ہے۔

جو بڑھاپے میں نہیں کر سکتا لہٰذا اس کو لازم ہے کہ فرصت کو غنیمت سمجھے اور جوانی ہی میں بڑھاپے سے پہلے عبادت میں مشغول رہے کیونکہ جوانی میں اگر نیک کام ترک کر دے اور ہوا و ہوس کا پیرو رہا اور معصیت کی عادت کر لی تو پھر بڑھاپے میں گناہ چھوڑنے پر قادر نہیں ہو سکتا اس کو مناسب ہے کہ معاصی کو جوانی ہی میں ترک کر دے اور نیک کاموں کی عادت ڈالے تاکہ بڑھاپے میں جا کر سہولت رہے اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ انسان اپنی صحت میں اپنے مال اور بدن سے ثواب حاصل کرنے پر قادر ہے اس لیے اس کو مناسب ہے کہ اپنی صحت کو غنیمت جانے اور اپنے مال اور بدن سے نیکیاں حاصل کرنے میں کوشش کرے کیونکہ جب بیمار ہو جائے گا تو بدن کمزور ہو جائے گا پس بدن سے عبادتیں کرنے کی قدرت نہ رہے گی اور اس کا ہاتھ تہائی مال سے زیادہ میں تنگ ہو جائے گا پس اپنے مال میں بھی تہائی سے زیادہ میں تصرف کی قدرت نہ رہے گی اور یہ بھی بیان فرما دیا کہ آدمی مالداری اور فرصت میں بغیر کسی مانع کے عبادتیں کر سکتا ہے اور جب مالداری محتاجی سے اور فرصت مشغولیت سے بدل گئی تو موانع پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر عبادتوں کی طاقت نہیں رہتی بلکہ اپنی معاش کی فکر میں لگا رہتا ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ مالداری اور فرصت کو نیک کاموں کے لیے غنیمت سمجھے کیونکہ مالداری کے پیچھے محتاجی آیا کرتی ہے اور فرصت کے پیچھے مشغولیت لگی ہوئی ہے اور یہ بھی بیان فرما دیا کہ اپنی اپنی زندگی میں عمل کر سکتا ہے اور جب مر گیا عمل سے الگ ہوا۔

زندگی ایک غنیمت ہے اس کو ضائع کرنا رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا

پس اُس کو یہ مناسب ہے کہ اپنی زندگی کو غنیمت جانے اور بیہودہ باتوں میں اپنی عمر نہ کھوئے کیونکہ عمر کے سانسوں کا ایک ایک دم ایسا نفیس جوہر ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اس لیے کہ اس کے بدلے میں جنت کے خزانوں میں سے کوئی ایسا خزانہ خریدا جا سکتا ہے جس کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی پھر ایسے سانسوں کو ضائع کرنا اور ہوا و ہوس کی پیروی کر کے اس سے ایسی چیز کا خریدنا جو اس کی ہلاکت کا سبب بنے حد درجہ کی رسوائی اور حد درجہ کا نقصان ہے کیونکہ جو شخص ہوا و ہوس کی پیروی کرتا ہے وہ وہی کام کرتا ہے جو اب یا آئندہ مضر اور مہلک ہو اور وہ یا تو سمجھتا نہیں یا سمجھتا تو ہے لیکن بے وقوفی سے موجودہ ناپائدار لذت کو اخروی عقوبات پر جن کی کوئی انتہا نہیں ہے بیچ دیتا ہے اور اپنے اندھے پن اور حد درجہ کی بے وقوفی سے یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے کچھ لذت حاصل کر لی حالانکہ وہ احمق یہ نہیں جانتا کہ وہ دنیا سے نکل کر دیکھ لے گا کہ اُس نے کچھ بھی لذت حاصل نہیں کی نہ تو دنیا کی عیش و لذت کیونکہ وہ سب جاتی رہیں گی اور نہ آخرت کی لذت کیونکہ وہاں تک اُس کی رسائی نہیں پس حسرت اور ندامت ہی میں رہ جائے گا جبکہ ندامت سے کچھ فایدہ نہ ہو گا۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کوئی نہیں جو مرتا ہے مگر وہ ضرور نادم ہوتا ہے" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ندامت کس بات کی آپ نے فرمایا" اگر نیکو کار ہوتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے کہ زیادہ کیوں نہ کیا اور اگر بدکار ہوتا ہے تو یہ پشیمانی ہوتی ہے کہ باز کیوں نہ آیا"

پس اے سمجھ دار اپنی عمر غفلت میں ضائع نہ کر اور اخروی سامان حاصل کرنے میں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جبکہ تو اُن کو حاصل نہ کر سکے گا کوشش کر کیونکہ بیشک تو عنقریب اُس دن کو دیکھ لے گا پھر تو اس گذری ہوئی عمر پر نادم ہوگا جو بدون عبادت پروردگار کے گذری ہے اور ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو کر نیک کاموں کو فرصت کے اوقات پر ٹالنا بے وقوفی ہے | کیونکہ آدمی جب دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو اور وہ شغل اس کو نیک کام سے باز رکھے اور اس نیک کام کو فرصت کے وقت پر حوالہ کرے اور کہے جب فرصت ہوگی اُس وقت کروں گا یہ اُس کی دو سبب سے بے وقوفی ہے۔

ایک تو دنیا کو آخرت پر مقدم کرنا اور یہ عاقل کی شان نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ؕ ترجمہ بلکہ تم مقدم رکھتے ہو دنیا کی زندگی حالانکہ دار آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

اور دوسرے عمل کو فرصت کے وقت پر ٹال رکھنا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مہلت نہ ملے بلکہ فرصت سے پہلے ہی دفعتًا موت آپہنچے یا وہ شغل اور بڑھ جائے کیونکہ دنیا کے کاموں کا تو ایک سے ایک کا سلسلہ لگا ہوا ہے پس آخرت کے توشہ سے خالی رہ جائے گا پس بندے پر واجب ہے کہ نیک کاموں میں موت آنے سے پہلے اور موقعہ فوت ہونے سے بیشتر کسی حالت میں ہو جلدی کرے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ؕ ترجمہ اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں تیار ہوئی ہے پرہیزگاروں کے واسطے۔

دنیا سے محبت کا اثر | کیونکہ جس کا دل دنیا سے لگ گیا اور دنیا سے اُس نے کچھ مقدار کھانا اور پینا اور پوشاک اپنی حاجت سے زائد لیا تو اُس کے حق میں نقصان رساں ہوگا ہاں اگر اس سے طاعت الٰہی میں مدد لے تو پھر مضر نہ ہوگا اس لیے کہ آدمی جس چیز سے محبت کرتا ہے اور اُس کو حاصل بھی کر لیتا ہے لامحالہ اُس سے جدا ہوگا پھر اگر اُس سے اللہ کے سوا کسی اور وجہ سے محبت رکھی تھی تو اس کی جدائی سے اُس کو اس طرح عذاب ہوگا کہ جس قدر اُسے دل لگا تھا اُسی قدر اُس کو رنج و قلق ہوگا۔

اور اسی لیے بعض متقدمین نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا کی محبت کرے تو اُسے چاہیے کہ اپنی جان کو

مصیبتیں جھیلنے پر مستعد کر رکھے کیونکہ دنیا سے محبت کرنے والا ان تین مصیبتوں سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اول فکر دائمی اور دوئم ہمیشہ کا رنج اور سوم بے انتہا حسرت پس اگر دنیا دار کو اس کے سوا فی الحال کوئی اور عذاب نہ ہو جب بھی اس کی مصیبت کے لیے یہی کافی ہے۔

موت کے بعد دنیا سے محبت کرنے والوں کا حال پس کیا حال ہوگا جب کہ موت اُس کے اور اُس کی تمام محبوب چیزوں اور لذتوں کے درمیان حائل ہو جائے گی اور خود اُنہی چیزوں سے جن سے مزے اڑاتا تھا جس قدر کہ ان لذتوں نے اُسے قیامت کے لیے سامان مہیا کرنے سے روکا تھا عذاب دیا جائے گا اس لیے اگر کسی کے ہزار محبوب ہوں تو موت کے وقت اس پر ایک وقت میں ہزار مصیبتیں پڑ جائیں گی کیونکہ وہ سب سے محبت رکھتا تھا اور وہ سب کے سب دم بھر میں اُس سے چھن جائیں گے اور مرنے کے بعد حسرت و ندامت میں رہ جائے گا اور یہ تو وہ پہلا الم ہے جو مرتے ہی پیش آئے گا اور وہ عذاب اخروی جو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جنہوں نے حیات دنیا کو پسند کیا اور اُسی پر راضی رہے ان کے علاوہ ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا اور سے محبت کرے گا اور وہ محبت نہ خدا کے واسطے ہوگی اور نہ اس وجہ سے کہ وہ چیز طاعتِ الٰہی پر مددگار ہے تو اُس کو اُس سے ضرر ہوگا چاہے وہ شے اس کو ملی ہو یا نہ ملی ہو کیونکہ اگر وہ چیز حاصل نہ ہوئی تو اُس کے غم میں زندگی بسر کرے گا اور رنج سے آرام نہ پائے گا اور اگر حاصل ہوگئی تو وہ الم جو اس کے مل جانے سے پہلے ہوا تھا اور وہ حسرت جو فوت ہونے کے بعد اس کو ہوگی چند در چند اُس لذت سے زیادہ ہے جو اُسے حاصل ہوئی ہے۔

دنیا سے محبت کرنے والوں کو آخرت میں پہلا عذاب اور اگر بندہ دُنیا کے تمام عیش اور آرام اور اُس کی تمام لذتیں پا جائے اور اس کی ساری عمر یوں ہی گذر جائے اور آخرت کی سعادت میں کچھ بھی کوشش نہ کرے تو وہ مرتے وقت ایسا ہی ہو جائے گا جیسے دنیا کے کچھ بھی مزے اور لذتیں نہ پائیں اور دو سبب سے خود وہ مزے اور لذتیں الٹی اُس کے حق میں عذاب ہو جائیں گی اور جن چیزوں سے عیش میں تھا خود اُن ہی سے اب عذاب میں ہوگا ایک تو ان کے باوجود قلبی شدید تعلق کے فوت ہو جانے سے اور دوسرے اُس چیز کے حاصل نہ ہونے سے جو اُس کے لیے مفید اور ہمیشہ رہنے والی ہے پس جو محبوب حاصل تھا وہ تو جاتا رہے گا اور سب سے بڑا محبوب اُس کو حاصل نہ ہوگا اور یہ وہ پہلا عذاب ہے جو دوزخ کے عذاب سے پہلے اُس کو پیش آئے گا۔

موت کی مصیبت اور موت سے بھی بڑی مصیبت اس واسطے کہ علماء کہتے ہیں کہ موت عدم محض اور فنا ہی فنا نہیں ہے بلکہ موت یہی روح کا بدن سے الگ ہو جانا اور اس سے جدا ہو جانا اور ایک حال سے دوسرے حال کا بدل جانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا ہے اور موت بہت

بڑی مصیبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی موت کا نام مصیبت رکھا ہے چنانچہ فرمایا فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ
ترجمہ "پھر پہنچی تم پر مصیبت موت کی" پس بڑی مصیبت موت ہی ہے اور اس سے بڑھ کر مصیبت اس سے
غفلت اور اس کو یاد نہ رکھنا اور اس کی کچھ فکر نہ کرنا اور اس کے لیے کچھ عمل نہ کرنا اور ہوا و ہوس کا پیرو
رہنا ہے کیونکہ ہوا و ہوس کی پیروی دین کے حق میں ایسا زہر ہے کہ قیامت کے روز ہلاک کر ڈالے گا۔

ایمان یعنی اللہ سے عہد کرنے کے تقاضے | باوجودیکہ مومن نے بواسطۂ نفس ایمان اللہ تعالیٰ سے
یہ عہد کیا ہے کہ نافرمانی نہ کروں گا اور یہ اس لیے کہ ایمان قبول کرنے اور مان لینے کا نام ہے پس جو
شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے جان لیا اور یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات
اور صفات اور افعال میں یگانہ ہے اور عالم میں کوئی شے بغیر اس کے علم اور ارادہ اور پیدا کرنے کے
ظاہر نہیں ہوتی اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں نے اس کی عبادت اپنے اوپر لازم
کر لی اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کروں گا لہٰذا اب اس معاہدے کے بعد اس کو حرام کہ امر و نہی میں سے
کسی بات میں اس کی نافرمانی کرے اور جب اس کا نفس اپنے مولیٰ کے عہد توڑنے کی طرف بلائے تو
اس کو لازم ہے کہ اپنے جی سے ویسا ہی کہے جیسے یوسف نبی علیہ السلام نے عزیز کی بیوی سے
کہا تھا جب اس نے آپ کو اپنے پاس بلایا تھا "خدا کی پناہ وہ عزیز میرا مالک ہے مجھے اچھی طرح
رکھا ہے بے شک بھلائی نہیں پاتے بے انصاف لوگ" کیونکہ جس کا میلان طبع اپنی مرغوب چیز
پر بہت سخت ہو اور وہ باوجود اس پر قادر ہونے کے ایسی جگہ پر کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے
اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اس کو چھوڑ دے تو یہ اپنے رب کے ساتھ سچے معاہدۂ ایمانی کی دلیل
ہے کیونکہ مومن جب یہ سمجھتا ہے کہ مولیٰ کی خوشی ہوا و ہوس کے ترک میں ہے تو اپنے مولےٰ کی
خوشی اپنی خواہش پر مقدم رکھتا ہے اور اس کی لذت اور خوشی اپنے مولیٰ کی رضامندی میں ہوتی
ہے اگرچہ اس کی اپنی خواہش کے مخالف ہو اور اس کا الم اور ناخوشی اپنے مولیٰ کی ناخوشی میں ہوتی
ہے اگرچہ خود اس کی اپنی خواہش کے موافق ہو بلکہ خدائے تعالیٰ کے لیے ترک شہوات میں اس کی لذت
ان کے حصول کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے بلکہ اس کے نزدیک خلوت میں ان کی حصول کی ناگواری
مار پیٹ اور رنج قید کی ناگواری سے بھی زیادہ ہوتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ یوسف نبی علیہ السلام
نے جب ان کے حق میں عزیز کی بیوی نے یہ کہا "اور اگر نہ کرے گا اس کو جو میں کہتی ہوں تو البتہ قید
کیا جائے گا اور ہوگا بے عزت" تو یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا "اے میرے رب مجھ کو
قید اس بات سے زیادہ پسند ہے جس طرف وہ مجھ کو بلاتی ہیں" کیونکہ عزیز کی بیوی کا دل
چونکہ ایمان سے خالی تھا لہٰذا باوجودیکہ شوہر والی تھی برائی اور فحش کی طرف جھکی اور یوسف علیہ السلام
کا چونکہ دل ایمان میں کامل تھا تو انہوں نے اس کا کہنا نہ مانا حالانکہ جوان اور مجرد تھے کیونکہ جو شخص

ایمان کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کو اُس چیز سے صبر کر لینے میں مزا آتا ہے جس کی طرف اُس کا نفس راغب ہو جب کہ اس میں خدا کی ناراضی ہو اور خود اپنے حساب میں لگا رہتا ہے تاکہ کل اس کو حساب دینا آسان ہو۔

اپنے نفس سے حساب لینے کا طریقہ | اور نفس سے حساب لینے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی حالت کو دیکھے کہ آیا اس پر کوئی حق تعالیٰ کا یا حقوقِ عباد میں سے کچھ باقی ہے یا نہیں پس فرائض الٰہی سے جو کچھ فوت ہوا ہو اُس کی قضا کرے اور رتی رتی لوگوں کے حقوق ادا کر دے اور جس کو ہاتھ اور زبان سے ستایا ہو اس سے معاف کرائے اور اُن کے ساتھ احسان کر کے اُن کا دل خوش کر دے یہاں تک کہ جب مرے تو اُس پر کوئی فریضہ اور دعویٰ باقی نہ ہو اور بے حساب وکتاب بہشت میں چلا جائے۔

حقوق ادا کئے بغیر مر جانے والے کا انجام | کیونکہ اگر حقوق ادا کئے بغیر مر گیا تو حقوق والے اُس کو گھیر لیں گے اور اُس کو نوچیں گے کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مارا تھا کوئی کہے گا تو نے مجھ کو گالی دی تھی کوئی کہے گا تو نے مجھ کو بیگار پکڑا تھا کوئی کہے گا تو نے میرا مال چھینا تھا کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مظلوم پایا تھا اور تو رفع ظلم پر قادر تھا پھر بھی تو نے مجھ سے ظلم کو دور نہ کیا اور کوئی کہے گا تو نے مجھ کو گناہ میں دیکھا اور مجھ کو اس سے منع نہ کیا اب وہ اسی حال میں مدعیوں کی کثرت سے بے حواس اور حیران ان کی جواب دہی اور مقابلے سے تھک کر مولائے غفار کی طرف امیدوار ہو گا کہ شاید وہی ان کے ہاتھ سے اس کو بچائے کہ ناگاہ اُس کے کان میں خدائے جبار کی آواز آئے گی آج بدلہ پائیگا ہر نفس جیسا اُس نے کمایا ہے کسی کا ظلم نہیں ہے آج اب اس وقت اس کا دل چھوٹ جائے گا اور اپنی ہلاکت کا یقین کرے گا۔

شیطان کی پیروی سے ممانعت کا حکم | پس اے غافل اس کو سوچ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اور ہرگز خیال نہ کر اللہ کو بے خبر اُن کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف لوگ اور شیطان کے وسوسے کی پیروی مت کر کیونکہ وہ بنی آدم کا دشمن ہے اُن کو بہکانا چاہتا ہے تاکہ اپنے ساتھ دوزخ میں کھینچ لے جائے۔ لہٰذا مومن پر واجب ہے کہ اس کے وسوسے کو دور کرے اور اس کو دشمن سمجھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن۔ اور فقیہ ابواللیث رح نے تنبیہ میں بیان کیا ہے کہ تمہارے چار دشمن ہیں ان سے ہر ایک کے ساتھ لڑنا تم کو ضروری ہے۔

ایک دشمن تو دُنیا ہے اور وہ عہد شکن اور مکار ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "پس نہ بہکائے تم کو دنیا کا جینا"

اور دوسرا دشمن تمہارا نفس ہے اور یہ سب دشمنوں سے بدتر ہے اس لیے کہ حضرت عباس رض سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا سب سے بڑا تمہارا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں

پہلو میں ہے" اور اللہ تعالیٰ نے بھی خبر دی ہے کہ نفس بنفسہٖ برائی کا حکم دیتا ہے چنانچہ فرمایا ہے" بیشک نفس بہت حکم کرتا ہے برائی کا" اور برائی کا حکم دینا اس کا طریقہ اور عادت ہے کیونکہ وہ ظالم اور جاہل پیدا کیا گیا ہے اور علم اور عدل تو اس پر عارضی ہوتا ہے اور اگر اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل نہ ہو تو جاہل کا جاہل اور ظالم کا ظالم ہی رہے اور شیطان کی جماعت میں بھرتی ہو اور اپنے فرمانبردار کو گناہوں میں اور رحمٰن کی مخالفت کی طرف کھینچ لے جائے کیونکہ وہ تو بالطبع مخالفت ہی کے میدان میں چلتا ہے اور آدمی اپنی کوشش سے اس کو بری خواہش سے روکتا ہے پس جس نے اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی وہ فساد میں اس کا شریک ہے۔

اور تیسرا دشمن جن شیطان ہے پس اس سے خدا کی پناہ مانگتے رہو۔

اور چوتھا دشمن انسانی شیطان ہے پس اس سے بچتے رہو کیونکہ یہ تمہارے حق میں جنی شیطان سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ جنی شیطان کا تو بہکانا صرف وسوسے سے ہوتا ہے اور انسی شیطان تمہارا برابر رفیق ہوتا ہے اس کا بہکانا آنکھوں کے سامنے اور رُو در رُو ہوتا ہے ہر دم ایسی بات کی تلاش رکھتا ہے کہ جس حال پر تم ہو اس سے تم کو ٹلا دے، جیسا کہ بعضے متقدمین نے کہا ہے کہ تم شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ لیتے ہو پس وہ ٹل جاتا ہے لیکن انسانی شیطان سو وہ نہیں ٹلتا ہے یہاں تک کہ تم کو گناہ میں ڈال دیتا ہے۔

برے انسان کی دوستی سے بچنے کا حکم اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومن کے سوا نہ کسی کے پاس بیٹھو اور نہ تمہارا کھانا سوائے پرہیزگار کے کوئی کھانے پائے" پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں جو پرہیزگار نہ ہو اس کی ہمنشینی اور ملنے جلنے سے ڈرایا ہے اس لیے کہ ہم نشینی اور میل جول دل میں الفت و محبت پیدا کرتا ہے پس ضرور ہے کہ ایسا ہی ہو جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر اٹھے گا پس دیکھ بھال لو کہ کس سے دوستی کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ پس بیشک ہر غیر پرہیزگار دوست قیامت کے دن یہ کہے گا اے خرابی میری کاش میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا کاش میرے اور تیرے درمیان بعد مشرقین کے برابر دوری ہوتی۔

دوست اور دشمن کا معیار پس انسان کا دوست اور محب وہی ہے جو اس کی آخرت کی بھلائی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا نقصان ہوتا ہو اور اس کا دشمن وہی ہے جو اس کی آخرت کی بربادی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو پس اس بیان کے مطابق مومن کو لازم ہے کہ کسی کو دوست نہ بنائے مگر ایسے شخص کو جس کے دین اور امانت پر اعتماد ہو اور اس کی صلاحیت اور تقویٰ معلوم ہو۔

اعمال کے بغیر صرف نیک لوگوں سے محبت کافی اور مفید نہیں | اس لیے کہ آدمی قیامت کے روز اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا تھا جیسی کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا آدمی اُس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرے، حسن بصری رح کہتے ہیں اس حدیث کے ظاہری معنوں سے دھوکا نہ کھانا کہ آدمی محبوب کے ساتھ ہوگا کیونکہ تم اعمال کے بغیر نیک لوگوں سے مل نہیں سکتے ہو کیونکہ یہود اور نصاریٰ بھی اپنے انبیاء سے محبت رکھتے تھے حالانکہ قیامت کے دن وہ اُن کے ساتھ نہ ہوں گے اور حضرت حسن بصری رح کا یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اعمال میں موافقت کئے بغیر صرف محبت مفید نہیں ہے۔

کیونکہ انبیاء اور علماء اور صلحاء کی تعظیم اور اُن کی محبت تو ان کے اُس علم نافع اور عمل صالح کی اطاعت ہی میں ہے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں اور ان کے قدم بقدم چلنے اور اُن کا طریق اختیار کرنے میں ہے کیونکہ جو شخص اُن کی پیروی کرے گا اور اُن کے قدم بقدم چلے گا تو یہ اُن کی زیادتی ثواب کا سبب ہوگا نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے "جس نے بلایا ہدایت کی طرف تو اُس کو بھی ان لوگوں کے ثواب کے برابر جنہوں نے اس کی پیروی اختیار کی ثواب ہوگا۔ اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے ان کی پیروی نہ کی اور ان کے قدم بقدم نہ چلا بلکہ عمل میں اُن سے مخالف رہا اور ان کے ہاتھ پاؤں چومنے اور جوتیاں سیدھی کرنی اور اُن کے سامنے خوشامد کرنی اور اُن کو دیکھ کے تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانے میں لگا تو یہ کچھ تعظیم اور محبت نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے ساتھ ان کو بھی ثواب سے محروم رکھا تو اس میں کونسی تعظیم اور محبت ہوتی۔

تریسٹھویں مجلس قیامت کے دن بندہ سے حساب اور حساب میں جرح کے بیان میں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے | قیامت کے دن چار چیزوں کے بارے میں یقیناً سوال ہوگا۔

"نہیں ٹل سکیں گے دونوں پاؤں کسی بندہ کے قیامت کے روز جب تک چار چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا نہ جائے گا۔ ایک عمر کے متعلق سوال ہوگا کہ کس کام میں کھوئی۔ دوم اپنے بدن سے کہ کس کام میں پرانا کیا۔ سوم اپنے مال سے کہ کہاں سے کمایا اور کس میں خرچ کیا۔ چہارم اپنے علم سے کہ اس پر کیا عمل کیا"۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابن مسعود رض نے روایت کیا ہے

ہر مومن کو حساب کے لیے تیار رہنا چاہیے | اور بندہ کا ذکر اگرچہ اس میں عام ہے کیونکہ نکرہ نفی کے تحت میں ہے لیکن نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے خاص ہے کہ "میری امت میں سے ستر ہزار بے حساب جنت میں جائیں گے"، پس اس حدیث کے موافق یہ سوال مذکور ان ستر ہزار کے سوا

اوروں سے ہوگا پس ہر شخص کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہے کہ وہ جان رکھے کہ قیامت کے دن سوال ہوگا اور حساب میں جرح کی جائے گی اور ذرہ ذرہ نفسانی خیالات اور وسوسوں پر مواخذہ ہوگا۔

نجات اخروی کا ذریعہ اور سمجھ لے کہ ان خطرات سے کوئی چیز نجات نہ دے سکے گی مگر صرف اپنے نفس سے تجارت اخروی کے بارہ میں حساب فہمی کو لازم کر لینا اور اس کی سانسوں اور وقتوں اور حرکات اور سکنات کے متعلق اس سے سوال کرنا نجات دلا سکے گا کیونکہ جس نے حساب لیے جانے سے پہلے ہی اپنا حساب درست کر لیا اس پر قیامت کے دن حساب دینا سہل ہوگا اور سوال کے وقت حاضر جواب رہے گا اور اس کا خاتمہ اور انجام نیک ہوگا اور جس نے نفس سے حساب فہمی نہ کی اس کی حسرت ہمیشہ رہے گی اور مدت دراز تک قیامت کے میدان میں کھڑا رہے گا اور اس کے تمام گناہوں کا انجام رسوائی اور عقوبت ہوگی پس اب مومن کو ضروری ہے کہ اپنی آخرت کی تجارت میں اپنے نفس کی حرکات اور سکنات اور وسوسوں اور خطرات کی نگہبانی میں غفلت نہ کرے کیونکہ اس تجارت کا فائدہ فردوس بریں اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتا ہے۔

اخروی تجارت اور دنیاوی میں فرق اور نتائج پس اس تجارت کے حساب کی صفائی دنیاوی تجارت کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہے کیونکہ دنیاوی تجارت کے فائدے اخروی دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں کم اور جلدی فنا ہو جانے والے ہیں اور اس بھلائی میں کچھ خوبی نہیں جو ہمیشہ نہ رہے بلکہ ناپائدار برائی ناپائدار بھلائی سے بہتر ہے کیونکہ ناپائدار برائی جب ٹل جائے گی تو پھر دائمی فرحت رہے گی اور عیش ناپائدار جب جاتا رہے گا تو ہمیشہ کو افسوس باقی رہے گا۔

اپنے نفس کے محاسبے کا طریقہ پس اس بیان کے مطابق مومن کو لازم ہے کہ جب صبح ہو اور فجر کی نماز سے فارغ ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے دل کو خالی کر کے اپنے نفس سے کہے کہ اے نفس میرے پاس عمر کے سوا اور کوئی سرمایہ نہیں ہے پس جب یہ جاتی رہے گی تو ساری پونجی جاتی رہے گی اور تجارت اور حصول منفعت سے مایوسی ہو جائے گی اور آج کا دن نیا دن ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس میں مہلت عطا کی ہے اور میری موت میں تاخیر کر دی ہے اگر موت دے دیتا تو میں یہی آرزو کرتا ہوتا کہ ایک ہی دن کے لیے مجھ کو دنیا میں پھر بھیج دے تاکہ اس میں کچھ نیک عمل کر لوں پس اے نفس تو یہی سمجھ کہ تو مر کر پھر سے دنیا میں لوٹایا گیا ہے پس خبردار خبردار اس دن کو ضائع مت کر کیونکہ عمر کی ایک ایک گھڑی بلکہ عمر کا ایک ایک سانس ایسا نفیس جوہر ہے جس کا کوئی عوض نہیں کہ اس کے بدلے جنت کے خزانوں میں سے کوئی ایسا خزانہ مول لے سکتے ہیں جس کی نعمتیں کبھی تمام نہ ہوں گی پس ایسی سانسوں کا بے کار گزار دینا یا گناہوں میں لگا دینا حد درجہ کی رسوائی اور حد درجہ کا نقصان ہے۔

انسانی زندگی کی قدر کیونکہ انسان کی زندگی ایسے نیک اعمال کرنے کا وقت ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ

سے قریب کر دینے والی اور قیامت کے دن اس کے لیے ثواب کثیر واجب کرنے والی ہیں اور یہی وہ سعادت ہے جس کے حاصل کرنے میں انسان کو سعی کرنی چاہیے اس واسطے کہ انسان کو وہی ملے گا جسکی سعی کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کو مگر وہی جو کمایا پس عمر کا جتنا وقت عمل صالح سے خالی گذرتا ہے اتنی ہی سعادت اخروی گھٹ جاتی ہے۔

متقدمین کا نفس کی خبر گیری کا انداز اور اسی لیے متقدمین اپنے انفاس اور لحظہ کی خبر گیری بہت کرتے تھے اور ہر دم اپنی گھڑی گھڑی اور ہر وقت کو غنیمت جانتے تھے اور اپنی عمر کو فضول اور بے کار نہ کھوتے تھے۔ حسن بصری رہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو اپنی گھڑی گھڑی پر تمہارے اپنے روپیہ پیسہ پر ڈرنے سے زیادہ ڈرتے تھے کیونکہ جس طرح تم میں سے کوئی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا ایک روپیہ بھی خرچ ہو مگر ایسے کام میں جس کا نفع اپنی طرف عاید ہو اسی طرح وہ لوگ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ ان کی عمر میں سے ایک ساعت بھی گذرے مگر ایسی حالت میں جس کا نفع ان کی طرف عائد ہو۔

دنیا میں گذاری ہوئی ساعتوں کے اخروی خزانے کیونکہ دن رات چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے اور حدیث میں ہے جیسا کہ امام غزالی رہ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے سامنے ہر دن رات کی چوبیس چوبیس قطاریں خزانہ کی پیش کی جائیں گی۔ پھر اس کے لیے ان میں سے کوئی خزانہ کھولا جائے گا تو دیکھے گا کہ ان نیکیوں کے نور سے پُر ہے جو اس ساعت میں کی تھیں پس اس کو اتنی خوشی اور سرور حاصل ہوگا کہ اگر وہ خوشی دوزخیوں پر تقسیم کر دی جائے تو وہ اس قدر مدہوش ہو جائیں کہ دوزخ کی تکلیف کا ادراک نہ کرسکیں اور اس کے لیے دوسرا خزانہ کھولا جائے گا تو اس کو سیاہ اور تاریک دیکھے گا کہ بدبو پھیل رہی ہے اور اندھیرا اس پر چھا رہا ہے اور یہ وہ ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی پس اس کو اس قدر رنج و ملال ہوگا کہ اگر جنتیوں پر تقسیم کر دیں تو ان پر تمام جنت کی نعمتیں بے مزہ اور تلخ ہو جائیں اور ایک اور خزانہ اس کے لیے کھولا جائے گا تو اس کو خالی دیکھے گا نہ اس میں وہ چیز ہے جو خوش کرے اور نہ وہ جو رنجیدہ کرے اور یہ وہ ساعت ہوگی جس میں سو رہا تھا یا دنیا کی کسی مباح چیز میں مشغول ہو رہا تھا پس اس کے خالی ہونے پر حسرت کرے گا اور اس کو اس قدر رنج ہوگا جتنا اس شخص کو جو بہت فائدے اور بڑے ملک کے حاصل کرنے پر قادر ہو اور اس کو چھوڑ دے اور سستی کرے یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے اسی طرح تمام عمر کی گھڑیوں کے خزانے پیش کیے جائیں گے لہٰذا اس کو مناسب ہے کہ عمر کی گھڑیاں آباد کرنے کی کوشش کرے اور ان خزانوں سے خالی نہ چھوڑے جو اس کی سعادت اور سلطنت کے باعث ہیں۔

اعضاء کی حفاظت کا حکم اور ساتوں اعضاء آنکھ اور کان اور زبان اور پیٹ اور شرم گاہ اور ہاتھ اور پاؤں کی حفاظت میں کوشش کرے کیونکہ ان میں سے اگر کسی سے بھی گناہ کرے گا تو اللہ کی نعمتوں کا اُن تمام اسباب میں منکر ٹھہرے گا جن اسباب کی عمل میں ضرورت ہوتی ہے۔

اس لیے کہ دنیا اور دنیا کے سامان کی پیدایش سے مقصود یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے میں اُن سے مدد لے اور طاعت الٰہی کر سکنا بغیر بدن باقی رہنے کے ممکن نہیں ہے اور بدن غذا کے بغیر باقی نہیں رہتا اور غذا پانی اور ہوا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ سب باتیں آسمان و زمین کی پیدایش کے بغیر پوری نہیں ہوتیں جس نے اپنا کوئی عضو عبادات کے سوا کسی اور کام میں استعمال کیا تو وہ اللہ تعالےٰ کی ان تمام نعمتوں کا ناشکر ہوا لہذا سارے اعضاء کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ ان کی حفاظت ہی تو اصل پونجی ہے فایدہ تو اس کے بعد ہوگا پس جس کے پاس اصل مال ہی نہیں ہے اُس کو فایدہ کیوں کر ہوگا اور یہی ساتوں اعضا ہلاکت اور نجات کے سبب ہیں پس جو ہلاک ہوتا ہے تو اُن کے چھوڑ دینے اور حفاظت نہ کرنے سے ہلاک ہوتا ہے اور جو نجات پاتا ہے وہ ان کی حفاظت اور نہ چھوڑنے سے نجات پاتا ہے پس انکی حفاظت تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور ان کا چھوڑ دینا تمام برائیوں کی جڑ ہے اور دوزخ کے سات دروازے ہیں اور یہ دروازے اُنہیں لوگوں کے لیے مقرر ہوتے ہیں جو ان اعضاء سے اللہ کی معصیت کرتے ہیں لہذا ان اعضاء کو ان کے گناہوں سے بچانا لازمی ہے۔

آخرت میں آنکھ کے بارے میں سوال آنکھ کو تو اُس شے کے دیکھنے سے بچائے جس کا دیکھنا حرام ہے بلکہ ہر فضول بات سے جس میں کچھ فایدہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے سے فضول نگاہ کے متعلق بھی سوال کرے گا جیسے کہ فضول کلام کے متعلق سوال کرے گا پس جبکہ اس سے محفوظ رکھے تو اسی پر قناعت کر کے بیٹھ نہ رہے بلکہ اُس کام میں لگائے جس کے لیے نگاہ پیدا کی گئی ہے یعنی اللہ کی عجیب عجیب صنعتوں کو دیکھ کر اس کے وجود اور دوام اور وحدت اور قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات پر استدلال کرے اور کتاب اور حدیث رسول اللہ ﷺ اور تمام دینی کتابوں کو دیکھے تاکہ اپنے امور دینی سیکھے اور نصیحت حاصل کرے۔

دل کے بارے میں آخرت میں سوال اسی طرح ہر عضو کے بارے میں کرے خصوصاً اُس عضو کے بارے میں جو تمام اعضاء کا سردار ہے یعنے دل جس کا بُری عادتوں سے پاک رکھنا اور نیک خصلتوں سے آراستہ کرنا اور علم باعمل سے کامل بنانا لازم ہے کیونکہ جو کوئی مسائل دینی میں سے ایک مسئلہ بھی سیکھے تو چاہیے کہ اس پر عمل کرے ورنہ قیامت کے دن اُس کا سوال ہوگا نبی علیہ السلام کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے اور اس کے علم سے کہ اس میں کیا عمل کیا، پس بے شک یہ خوفناک امر

ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ اس میں کیا کہا پس اب انسان اپنی معلوم شدہ چیز کو دیکھے آیا اس پر عمل کیا اور صادقین میں داخل ہوا جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے تعریف کی ہے۔ " یہ وہ لوگ ہیں جو سچے رہے " یا اپنے علم کے بر خلاف عمل کیا۔ اور نبی علیہ السلام کے اس قول میں داخل ہوا " عذاب میں سخت تر قیامت کے دن عالم ہے جس کو علم سے اللہ تعالیٰ نے نفع نہ دیا۔

قیامت میں اللہ بندے سے پوچھے گا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے تھے نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر ضرور تنہائی میں بلائے گا اس کا اللہ تعالیٰ جیسے خلوت کرتا ہے ہر ایک تم میں کا چاند سے چودھویں رات کو پھر فرمائے گا اے ابن آدم کس چیز نے دھوکا دیا اے ابن آدم تو نے علم کے موافق کیا عمل کیا اے ابن آدم تو نے مرسلین کا کیا کہنا مانا اے ابن آدم کیا میں تیری دونوں آنکھوں کا نگہبان نہ تھا اور تو اس سے وہ دیکھتا تھا جو تجھ کو حلال نہیں کیا میں تیرے کان کا نگہبان نہ تھا اسی طرح تمام اعضاء کے متعلق سوال کرے گا پس اے مسلین اپنی اتنی بڑی خطاؤں کو ذرا سوچ جب اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو منہ در منہ یاد دلائے گا، چنانچہ فرمائے گا اے بندے کیا تجھ کو مجھ سے شرم نہ آئی اور جلدی سے خطا کر بیٹھا اور میری خلقت سے شرم آئی کہ ان کے سامنے اپنی نیکوکاری ظاہر کی کیا میں تیرے نزدیک اپنے تمام بندوں سے ہلکا ٹھہر گیا تو نے اپنی طرف میرے دیکھنے کو ہلکا سمجھا اور اس کی کچھ پروا نہ کی اور اوروں کے دیکھنے کو بہت بڑا سمجھا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اور کیسی شرمندگی ہوگی جب تجھ پر اپنی نعمتیں اور تیرے گناہ اور اپنے انعامات اور تیری خطائیں شمار فرمائے گا پھر اگر تو کسی بات کا انکار کرے گا تو تیرے اعضاء تجھ پر گواہی دیں گے پھر تو تمام مخلوق کے سامنے اعضاء کی گواہی سے رسوا ہوگا۔

مومن سے اللہ کا وعدہ کہ اس کی خطاؤں کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرے گا ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے مومن سے وعدہ کیا ہے کہ اُس کی خطا چھپائے گا اور غیر کو اس پر مطلع نہ کرے گا جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو اپنے قریب بلائے گا اور اُس پر اپنا پردہ ڈال کر تمام خلائق سے چھپائے گا اور اس پردے کے اندر اسکو نامۂ اعمال دے کر فرمائے گا اپنا نامۂ اعمال پڑھ پس حسنات پر نظر کا گذر ہوگا تو اُس کا منہ روشن ہو جائے گا اور گناہوں پر گذر ہوگا تو چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کچھ جانتا بھی ہے عرض کرے گا ہاں اے پروردگار میں جانتا ہوں پس اللہ فرمائے گا میں تجھ سے زیادہ تجھ کو جانتا ہوں بے شک وہ گناہ میں نے تجھ کو معاف کر دئے پھر اسی طرح وہ نامۂ اعمال کی ہر اس نیکی پر گذرے گا جو مقبول ہوگی پس وہ سجدہ کرے گا اور اُس بدی پر گذرے گا جو بخش دی جائیگی پس یہ سجدہ بجالائے گا پس خلقت کو اس کا صرف یہی حال نظر آئے گا یہاں تک کہ مخلوق آپس میں ایک

دوسرے سے پکار کر کہے گی اس شخص کی خوش نصیبی ہے کہ اس نے گناہ کبھی نہیں کیا حالانکہ وہ یہ نہ جانتے ہوں گے کہ اُس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین وہاں کھڑے کھڑے کیا معاملہ گذر گیا اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں اور یہ اُس کا محض فضل ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس بندہ کو نرمی سے مخاطب کر کے فرمائے گا اے میرے بندے کیا تو جانتا ہے وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں جانتا ہوں پھر اللہ تعالیٰ اُس پر احسان کرتے ہوئے اور اُس پر اپنے فضل کا اظہار کرتے ہوئے فرمائے گا میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور تجھ کو اُن سے رسوا نہ کیا تھا اور آج تجھ کو معاف کئے دیتا ہوں۔

توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر نامۂ اعمال سے مٹائے نہیں جاتے

بعضے کہتے ہیں یہ وہ گناہ ہیں جن سے توبہ کر لی تھی جیسا کہ ابو نعیم رح نے اوزاعیؒ سے اور وہ ہلال بن سعد رح سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن نامۂ اعمال سے نہیں مٹاتا تاکہ قیامت کے دن اُس کو اُس سے آگاہ کر دے اگرچہ توبہ کر چکا ہو۔ قرطبی رح اپنے تذکرے میں اپنے اسناد سے روایت کر کے کہتے ہیں اور یہ روایت اُس مضمون کے خلاف نہیں ہے جو قرآن اور حدیث میں ہے کہ خطائیں بوجہ توبہ کے حسنات سے بدل دی جاتی ہیں کیونکہ شاید یہ بات آگاہ کرنے کے بعد ہوتی ہو۔ اور اس قول پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو حضرت ابن مسعود رض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ انسان قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال دیکھے گا تو اُسے اول میں معاصی نظر آئیں گے اور آخر میں حسنات پھر جب ابتدائے نامہ کی طرف دوبارہ دیکھے گا تو سراسر حسنات ہی دیکھے گا اور ابن عباس رض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ بھی اس پر رحمت کرتا ہے اور نگہبان فرشتوں کو جو اُس کے بُرے عمل وہ جانتے تھے بُھلا دیتا ہے اور اُس کے اعضاء کو جو جو خطائیں کی تھیں بُھلا دیتا ہے اور زمین میں گناہ کی جگہ اور آسمان کے نیچے سب جگہ کو بھلا دیتا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے کہ مخلوقات میں سے کوئی اُس کی بُری گواہی دینے والا نہ ہو۔

حقوق العباد حسنات سے بدلہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے

علماء کہتے ہیں یہ وہ گناہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے گناہ ہیں اور وہ گناہ جو بندوں کے ہیں سو اُن میں حسنات سے بدلہ ہونا ضروری ہے چنانچہ ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کے ذمے کوئی حق اپنے بھائی کا ہو آبرو کا ہو یا مال کا تو آج اُس سے معاف کرا لے اس سے پہلے کہ اُس سے اُس روز مواخذہ کیا جائے جس دن اس کے پاس نہ روپیہ ہو گا نہ پیسہ ہاں اگر اُس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو بقدر حقوق اُس سے لے لیے جائیں گے اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حق خواہ کے

گناہ لے کر اُس پر ڈال دئے جائیں گے۔
اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جانتے ہو مفلس کون ہے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کچھ اور سامان ہو آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز روزہ نماز اور زکوٰۃ تو لائے گا لیکن اس طرح کہ کسی کو گالی دی تھی اور کسی پر تہمت لگائی تھی اور کسی کو مارا تھا اور کسی کا مال کھا گیا تھا پس نیکیاں کچھ اس کو دی جائیں گی اور کچھ اس کو پس اگر اس کی نیکیاں اس سے پہلے ہی کہ جو حقوق اُس کے ذمے ہیں ادا ہو چکیں ختم ہو جائیں گی تو اُن لوگوں کے گناہ لے کر اُس کے ذمے ڈالے جائیں گے پھر وہ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔
جب یہ ثابت ہوا تو ہر ایک مسلمان پر اپنی حالت کا بندوبست کرنے میں عجلت کرنا واجب ہے پس غور کرے کہ میرے ذمے حقوق اللہ تعالیٰ اور حقوق العباد میں سے کچھ ہے یا نہیں پس فرائض الٰہی میں جو کچھ فوت ہوا ہو اُس کا تدارک کرے کہ قضا کرے اور تمام حقوق رتی رتی واپس کر دے اور جس کو ہاتھ سے یا زبان سے یا اور اعضاء سے ستایا ہو اُس سے معاف کرالے اور اُن کا دل خوش کر دے آخر اس طرح مرے کہ اُس پر نہ کوئی فریضہ باقی ہو اور نہ کوئی حق اور بہشت میں بے حساب چلا جائے اس لیے کہ اگر وہ حقوق ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو حق خواہ گھیر لیں گے اور اُس کو نوچیں گے پس کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مارا تھا اور کوئی کہے گا تو نے مجھ سے بیگار لی تھی اور کوئی کہے گا تو نے مجھ کو گالی دی تھی اور کوئی کہے گا تو نے میرا مذاق اُڑایا تھا اور کوئی کہے گا تو نے میری غیبت کی تھی اور کوئی کہے گا تو نے میرا مال چھینا تھا اور کوئی کہے گا تو نے میرے ہاتھ مال بیچا تھا اور اُس کا عیب ظاہر نہ کیا تھا اور کوئی کہے گا اپنے مال کے نرخ میں تو مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مظلوم پایا تھا اور ظلم کو دفع بھی کر سکتا تھا لیکن تو نے مجھ سے ظلم کو نہ ہٹایا اور کوئی کہے گا مجھ کو تو نے گناہ میں مبتلا دیکھا لیکن مجھ کو منع نہ کیا تھا پس وہ اس حالت میں حق خواہوں کی کثرت سے حیران پریشان ہو گا اس واسطے کہ ایسا کوئی باقی نہ ہو گا جس سے تمام عمر میں کبھی کچھ روپیہ پیسے کا معاملہ کیا تھا یا اس کے ساتھ کسی جگہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا مگر وہ اس پر کسی دعوے کا مستحق ہو گا غیبت کا دعویٰ ہو یا مذاق کرنے کا یا خیانت کرنے کا یا نظر حقارت سے دیکھنے کا اور یہ ان کے مقابلے سے عاجز رہے گا اور مولائے غفار کی طرف امیدوار ہو گا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ سے اُس کو بچائے کہ اتنے میں اُس کے کان میں خدائے جبار کی یہ آواز آئے گی آج بدلہ پائے گا ہر نفس جیسا اُس نے کمایا تھا آج ظلم نہیں ہے اب اس وقت اس کا دل چھوٹ جائے گا اور اپنی ہلاکت کا یقین کرے گا۔

حقوق کی ادائیگی میں غفلت کا انجام | پس اے غافل اُس کو یاد کر جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ڈرایا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔" اور ہرگز مت خیال کر اللہ تعالیٰ کو بے خبر اُن کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف لوگ پس آج کے دن تو تو لوگوں کی آبرو بگاڑ کر اور ان کا مال چھین کر کیسا خوش ہوتا ہے اور اس روز تجھ کو کس قدر زیادہ حسرت ہوگی جب تو عدالت کے سامنے کھڑا ہوگا اور سیاست کا خطاب رو در رو کیا جائے گا اور تو مفلس فقیر ہوگا یہ طاقت نہ ہوگی کہ کوئی حق ادا کر سکے یا کوئی عذر پیش کر سکے پس اُس وقت تیری نیکیاں جن میں تو نے اپنی عمر صرف کی ہے لے کر حقوق کے بدلے تیرے مدعیوں کو دی جائیں گی جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اپنی ایسے دن کی مصیبت کو غور کر کیونکہ اول تو ایسے بہت کم نیک عمل ہوں گے جو ریا کی آفت اور شیطان کے مکر سے سلامت بچے ہوں اور اگر مدت دراز میں کوئی نیکی بچ بھی گئی تو تیرے مدعی جھپٹیں گے اور چھین لیں گے۔

اور علماء کہتے ہیں اگر کسی شخص کے پاس ستر نبیوں کا ثواب ہو اور صرف ایک مدعی نیم دانگ کا ہو تو بغیر حق خواہ کے راضی کئے جنت میں نہ جائے گا اور کہتے ہیں کہ ایک دانگ کے بدلے سات سو مقبول نمازوں کا ثواب لے کر مدعی کو دیا جائے گا۔ امام قشیری رحمہ اللہ نے اس کو تحبیر میں ذکر کیا ہے۔ اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء میں کہا ہے اور کاش کے اگر تم باوجود رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے کے اپنے نفس سے حساب لیتے رہو اور رات کے قیام اور دن کے صیام پر ملادمت کرتے رہو تو تم کو معلوم ہو کہ تم پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں تمہاری زبان پر مسلمان کی غیبت انتہیٰ نہ آتی ہو جو تمہارے تمام حسنات کو پورا کر لیتی ہے پھر باقی گناہوں یعنی مال حرام اور مشتبہ کھانے اور عبادت میں کوتاہی کرنے سے کیونکر بنے گی اور اس روز حقوق سے کیوں کر رستگاری ہوگی جس روز منڈے جانور کا سینگ والے جانور سے بدلہ لیا جائے گا اور کہے گا کافر اے کاش میں مٹی ہوتا۔

حقوق میں کوتاہی کی بخشش کرانے کا طریقہ | سو اے مسکین حقوق العباد میں خدا کا خوف کر کیونکہ جو حقوق خاص تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اُن کی مغفرت تو جلد ہو سکتی ہے لیکن جو حقوق العباد تجھ پر ہیں تو اُن میں مالکوں سے معاف کرانا ضروری ہے اور جس کو معاف کرانا دشوار ہو وہ جس قدر ہو سکے اعمال صالح کی زیادہ کثرت کرے اور اپنے مظلوم مومنین اور مومنات کے لیے تمام اوقات مغفرت مانگا کرے کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ قیامت کے دن اُس کے مدعی کو راضی کر دے۔

قیامت میں اللہ تعالیٰ مومنوں میں صلح کرا دے گا اس لیے دنیا میں بھی مومن صلح رکھیں | جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام بیٹھے تھے کہ ناگاہ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے اگلے دندان مبارک ظاہر ہو گئے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس لیے ہنستے ہیں فرمایا میری امت کے

دو شخص رب العزت کے سامنے حاضر کئے گئے پھر ایک کہنے لگا اے میرے رب میرا حق اس بھائی سے دلا دے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا حق ادا کر دے اس نے عرض کیا اے رب میری نیکیوں میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اپنے بھائی سے کیا معاملہ کرے گا اس کے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں رہی اس نے عرض کیا تو پھر یہ میرے گناہ ہی اپنے اوپر لے لے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہ پڑے پھر فرمایا بے شک وہ ایسا ہی دن ہوگا کہ لوگوں کو یہ حاجت ہوگی کہ ان کے گناہ اوروں پر پڑ جائیں پھر آپ نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے حق خواہ سے فرمایا جنت کی طرف تو نظر اٹھا وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو اس قدر بھلائیاں اور نعمتیں دیکھتا ہے کہ پھڑک اٹھتا ہے پس پوچھتا ہے الٰہی یہ کس کا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ اس کا ہے جو اس کی قیمت ادا کر دے وہ عرض کرتا ہے الٰہی اس کی قیمت کا کون مالک ہے اللہ فرماتا ہے تو مالک ہے اس پر وہ عرض کرتا ہے الٰہی یہ کس طرح اللہ فرماتا ہے اپنے بھائی کو معاف کرنے سے وہ عرض کرتا ہے الٰہی میں نے اس کو معاف کیا پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں جا۔ پھر رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔

قیامت میں مومنوں کی بخشش کا طریقہ خداوندی قرطبی رحمہ اللہ نے اپنے تذکرہ میں اپنے شیخ سے نقل کر کے کہا ہے یہ ان بعض لوگوں کے لیے ہے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ عذاب نہ کرے بلکہ یہ چاہے گا کہ ان کو معاف کر دے اور بخش دے اور مدعی کو راضی کر دے اور ایسے ہی یہ جو نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ منادی کرنے والا قیامت کے دن عرش کے نیچے سے آواز دے گا اے امت محمد جو میرا حق تمہارے ذمے تھا وہ میں نے بخش دیا اب حقوق عباد باقی رہے وہ تم آپس میں معاف کر دو اور میری رحمت سے جنت میں چلے جاؤ۔

اور یہ بھی بعضے شخصوں کے لیے ہے ہر ایک کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر ہر ایک کے لیے ہوتا تو کوئی بھی دوزخ میں نہ جاتا حالانکہ اس بارے میں صحیح حدیثیں جن کو معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے آئی ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے کہ جو ایماندار ہوگا وہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور دوزخ سے نکلنا بدون داخل ہوئے نہیں ہو سکتا۔

روزہ مومن کے لیے ڈھال ہونے کا مطلب قرطبی رحمہ اللہ نے اپنے تذکرہ میں کہا ہے کہ بعضے علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ روزہ صرف روزہ دار کے کام آئے گا اسی کے ثواب کو بڑھائے گا اس میں سے کسی کے حق کے بدلے میں کچھ نہ لیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا لیکن بدلہ لینے کی حدیثیں اس خیال کو رد کرتی ہیں کیونکہ حقوق تمام

اعمال سے ادا کئے جائیں گے روزہ ہو یا کچھ اور ہو اور بعضے کہتے ہیں روزہ بندہ اور پروردگار کے درمیان راز ہے اس پر اس کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا کیونکہ روزہ نیت اور روزہ توڑنے والی چیزوں سے بچنے کا نام ہے اور فرشتے کراماً کاتبین بھی اس چیز پر مطلع نہیں ہوتے جس کا ان کو علم نہیں پس جب روزہ کسی کو معلوم نہیں ہے اور نہ نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو چھپا رکھے گا تاکہ اس کے لیے دوزخ کی ڈھال بن جائے کیونکہ وہ لوگ اس پر اپنے گناہ ڈال دیں گے۔ لہٰذا وہ ان سے اُتر جائیں گے پس ان کو کچھ ضرر نہ دیں گے کیونکہ ان کے ذمے سے جاتے رہے ہیں اور اس کو بھی کچھ ضرر نہ دیں گے اس لیے کہ روزہ اس کے لیے ڈھال موجود ہے قاضی ابوبکر بن عربی اپنی کتاب سراج المریدین میں کہتے ہیں یہ تاویل خوب ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور کچھ تعارض نہیں ہے اور اللہ کا شکر ہے۔

چونسٹھویں مجلس اس بیان میں کہ بندے کو اپنے نفس سے اس سے پہلے کہ اُس سے حساب لیا جائے اور اس میں جرح کی جائے اور وہ ہلاک ہو حساب لینا ضروری ہے

قیامت میں حساب لینے اور پیش کرنے کا بیان فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایسا کوئی نہیں جس سے قیامت کے دن حساب طلب ہو مگر ہلاک ہو جائے گا" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے یہ سنا تو عرض کیا کیا اللہ تعالےٰ یہ نہیں فرماتا ہے پس اس سے حساب لیا جائے گا آسان حساب" اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تو صرف پیش کرنا ہے ولیکن حساب میں جس سے جرح کی گئی وہ ہلاک ہوا اور حساب میں جرح یہ ہے کہ اس کی خوب جانچ کی جائے کہ نہ تھوڑی نہ بہت اور نہ چھوٹی نہ بڑی ایسی کوئی چیز نہ چھوٹے جس سے سوال نہ ہو اور پیش نہ کرنا یہ ہے کہ بندے کے سامنے صرف اس کے اعمال پیش کر دیئے جائیں اور جانچ نہ ہو اور یہ حدیث دو معنی کی متحمل ہے ایک تو یہ کہ خود مناقشہ ہی اس میں زجر و توبیخ کی وجہ سے ہلاکت ہے اور دوسرے یہ کہ آخر کار ہلاکت پر پہنچا دے۔

انسان کو اپنا محاسبہ کرنا ضروری ہے پس جب یہ ثابت ہوا کہ آدمی سے قیامت کے دن ہر شے کا سوال ہو گا یہاں تک کہ کان اور آنکھ اور دل کے متعلق بھی سوال ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ترجمہ "بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا"

پس آدمی پر واجب ہے کہ اس سے پہلے کہ حساب میں جرح کی جائے خود اپنا حساب کرے کیونکہ وہ تو آخرت کا سوداگر ہے اور اس کا مال خود اس کی عمر ہے اور عمر کو طاعات اور عبادات میں

صرف کرنا اس تجارت کا فایدہ ہے اور اُس کا معاصی اور گناہوں میں صرف کرنا نقصان ہے اور اس تجارت میں نفس اس کا شریکدار ہے اور اگرچہ وہ نیکی بدی دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن معاصی کو زیادہ قبول کرتا ہے اور شہوات کی طرف زیادہ جھکتا ہے لہذا اُس کو نگاہ میں رکھنا اور اس سے حساب لیتے رہنا ضروری ہے کیونکہ اگر دم بھر بھی اُس کو چھوڑ دے گا تو وہ فوراً خیانت کریگا اور اگر مدت دراز تک چھوڑے رکھا تو خیانت کرنے میں بڑھتا رہے گا یہاں تک کہ سارا اصل مال جاتا رہے گا اور جس نے اُس کو بالکل نہ چھوڑا بلکہ دیکھتا رہا اور حساب لیتا رہا تو اُس کو نفع ونقصان اور زیادتی وکمی معلوم ہوتی رہے گی اور نفس سے حساب لینا واجب ہونے کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ قول ہے یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ط **ترجمہ** اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر جی کہ کل کے واسطے کیا اٹھا رکھا ہے۔

محاسبہ نفس کا فائدہ اور نہ کرنے کا نقصان پس اس آیت میں کیے ہوئے اعمال پر محاسبہ نفس لازم ہونے کا اشارہ ہے پس گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہر ایک تم میں سے خیال کرلے کہ قیامت کے دن کے لیے اس نے کیا عمل کر رکھے ہیں آیا وہ نیک عمل ہیں جن سے نجات ہو یا وہ اعمال بد ہیں جو ہلاک کر ڈالیں گے کیونکہ قیامت کے دن حساب دینا اُسی شخص پر آسان ہوگا جو اپنے نفس سے دنیا ہی میں حساب لیتا رہتا ہے اور اُس پر دشوار ہوگا جس نے اس کو چھوڑ رکھا ہے اور حساب نہیں لیتا رہا ہے کیونکہ جو شخص آرام کے وقت میں سختی کے وقت سے پہلے ہی اپنے نفس سے حساب لیتا ہے اُس کا انجام رضامندی اور قابل رشک ہے اور جو نفس کو چھوڑے رکھتا ہے اور اس سے حساب نہیں لیتا ہے تو اس کا انجام ندامت اور حسرت ہے۔

مرنے کے بعد انسان کی کیفیت اور اس کو سب سے پہلا عذاب کیونکہ انسان جب مرے گا تو موت سے وہ سب باتیں ظاہر ہو جائیں گی جو زندگی میں معلوم نہ تھیں جیسے نیند سے جاگتے ہی وہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جو سوتے میں معلوم نہ تھیں اور آدمی اب سو رہے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے پس اُن کو سب سے پہلے فایدہ پہنچانے والی نیکیاں اور نقصان دینے والے گناہ معلوم ہوں گے پس کسی بدی پر نظر نہ پڑے گی مگر اتنی حسرت سے دیکھے گا کہ یہ پسند کرے گا کہ اُس سے بچنے کے لیے آگ کے دریا میں ڈوب جاؤں کیونکہ وہ جب تک دنیا میں رہا دنیا کے مشغلے اُن کے معلوم ہونے سے روکتے رہے پس موت سے وہ سب مشغلے چھوٹ جائیں گے اور جان الگ ہوتے ہی دفن ہونے سے پہلے ہی اس کے سب اعمال اُس پر کھل جائیں گے اور دنیائے فانی کی لذتوں میں سے جس طرف دل لگائے ہوئے تھا اُس کی جدائی کی آگ بھڑک اٹھے گی اور یہ بھی ایک طرح کا عذاب ہے جو دفن سے پہلے دفعۃً آ پہنچے گا اور دفن کے بعد ایک اور طرح کے عذاب کے لیے اس کے بدن میں پھر جان

ڈالی جائے گی اور اس کا حال اُس شخص کی طرح ہوگا جو کچھ دیر تک بادشاہ کے گھر میں اُس کی غیر موجودگی میں اس بھروسے پر عیش اُڑانے لگا کہ بادشاہ اس بارہ میں درگذر کرے گا یا اُس کو اس کے بُرے افعال کی جو کر رہا ہے خبر نہ ہوگی پھر اس بادشاہ نے ایک روز اچانک گرفتار کر لیا اور اس کے عمل کی فردپیش کی جس میں اُس کی تمام بُرائیاں اور ذرہ ذرہ اور قدم قدم کی خیانتیں لکھی ہوئی ہیں اور بادشاہ بڑا زبردست اور اُس کے جرم پر صاحب غیرت ہے اپنی سلطنت میں خطاؤں کا سزا دینے والا ہے گنہگار کے بارہ میں کسی کی سفارش پر توجہ نہیں کرتا تو اب تم ایسے شخص کی حالت کا خیال کرو کہ بادشاہ کے عذاب کرنے سے پہلے ہی خوف اور خجالت اور رنج اور ندامت سے اُس کا کیا حال ہوگا اور یہی حال میت کا موت کے وقت عذاب قبر سے پہلے ہوگا جو دنیا کی لذتوں پر اطمینان سے بھولا بیٹھا ہوا تھا۔

دنیا کی شہوات سے الگ اور طاعات میں مصروف رہنے والے انسان کی کیفیت

اور جو شخص دنیا کی شہوات سے الگ رہا اور طاعات میں مصروف رہا اور اس کو یاد الٰہی کے سوا اور کسی سے انس نہ تھا پس اس کا حال اُس شخص کی طرح ہوگا جو ایک تنگ تاریک مکان میں قید ہو پھر اس کے لیے ایک دروازہ کھل جائے پس وہ اس میں سے ہو کر ایک ایسے وسیع باغ میں چلا جائے جس کی کہیں انتہا نظر نہیں آتی اور اس میں قسم قسم کے درخت اور پھول اور پرند اور میوے اور حوض اور نہریں ہوں۔

موت کا کوئی وقت متعین معلوم نہیں

تو اس صورت میں عاقل کو لازم ہے کہ اپنے نفس پر متوجہ ہو اور اس سے کہے اے نفس کیا تجھ کو خبر نہیں ہے کہ تیرے آگے بہشت بھی ہے اور دوزخ بھی ہے اور تو عنقریب ان میں سے کسی ایک میں جانے والا ہے پھر تجھ کو کیا ہوا کہ موت کا سامان نہیں کرتا حالانکہ موت ہر نزدیک شے سے زیادہ تیرے نزدیک ہے پس تو اگرچہ اس کو دور جانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ تجھ سے بہت قریب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ترجمہ بے شک موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ملی ہوئی ہے۔ اور شاید تم کو آج یا کل دفعۃً موت آجائے کیونکہ وہ جب آئے گی تو دفعتاً آجائے گی اُس سے پہلے کوئی ایلچی نہ آئے گا اس لیے کہ اس کی آمد کا نہ کوئی سال مقرر ہے نہ کوئی وقت معلوم ہے اور نہ گرمی اُس کا وقت اور نہ جاڑے اور نہ رات اُس کا وقت ہے اور نہ دن اور نہ لڑکپن اور نہ جوانی بلکہ تمہارا ہر سانس ممکن ہے کہ ناگاہ اس میں موت آجائے اور اگر اس میں موت ناگاہ نہ آئے تو مرض ناگاہ پیدا ہو جائے اور اس کا انجام موت ہو پس ایسی حالت میں تمہاری غفلت کیا ہی عجیب ہے کہ تم اس آیت میں غور نہیں کرتے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ترجمہ نزدیک آگیا ہے لوگوں کو اُن کے حساب کا وقت اور وہ غفلت میں مُنہ پھیرے ہوئے ہیں۔

دعوائے ایمان کے ساتھ حالت نفاق کا ظہور اور تمہارا کیا ہی عجیب حال ہے کہ زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہاری حالت سے نفاق ظاہر ہے کیونکہ تمہارا آقا سید اور تمہارا مولیٰ تو تمہارے دُنیا کے امور کا ذمہ دار ہو چکا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ترجمہ۔ اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی،، اور تم اس کے اس قول کو اپنی حرکات سے جھٹلاتے ہو اور تم اس پر دیوانے بنے جاتے ہو جیسے کوئی مدہوش اور بدحواس ہو۔ اور اُس نے آخرت کے معاملے کو تمہاری سعی پر حوالہ کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ترجمہ اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کے لیے مگر وہی جو اُس نے کمایا ہے،، اور تم اُس سے ایسا اعراض کرتے ہو جیسا کوئی متکبر حقیر سمجھنے والا منہ پھیرتا ہے اور یہ تو ایمان کی علامت نہیں کیونکہ اگر ایمان کا زبانی دعویٰ کافی ہوتا تو منافق لوگ دوزخ کے نیچے کے درجے میں کیوں جاتے خدا تعالیٰ کی معصیت پر یہ کیسی تمہاری جرأت ہے کہ۔

معصیت پر جرأت کی دو صورتیں اگر جرأت اس اعتقاد کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو نہیں دیکھتا ہے تو یہ کتنا بڑا کفر ہے اور اگر یہ جرأت یہ جانتے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھتا ہے تو یہ تمہاری کتنی بڑی قباحت اور کیسی سخت حماقت ہے پس تم کس دلیری پر خدا کے بغض اور غضب اور عقاب شدید اور دردناک عذاب کے سامنے آتے ہو کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تم اُس کے عذاب اور عقاب کو سہار لوگے افسوس تم تو گویا قیامت کے دن پر ایمان ہی نہیں لائے کیونکہ ایک یہودی اگر تم سے لذیذ سے لذیذ طعام کو کہہ دے کہ یہ تمہارے مرض میں تم کو نقصان کرے گا جب تو تم اس سے صبر کر لوگے اور اُس کو چھوڑ دوگے تو کیا اللہ تعالیٰ کا قول اپنی اُتاری ہوئی کتابوں میں اور اُن انبیاء علیہم السلام کا ارشاد جن کے معجزہ سے تائید ہو چکی ہے تمہارے نزدیک یہودی کے قول سے تاثیر میں کم ہے جو محض گمان اور اٹکل سے کہتا ہے باوجودیکہ نہ اُس کی عقل درست ہے اور نہ دین بلکہ اگر تم سے کوئی بچہ یہ کہہ دے کہ تمہارے کپڑے میں بچھو ہے تو تم فوراً بے سوچے ہوئے اور اُس سے سوال کئے بغیر اپنے کپڑے کو پھینک دوگے تو کیا انبیاء اور علماء کا قول تمہارے نزدیک بچہ کے قول سے بھی کم ہے یا دوزخ کی آگ اور زنجیریں اور اُس کے سانپ اور بچھو تمہارے نزدیک اس بچھو سے بھی کم درجے کے ہیں جن کی تکلیف صرف ایک دن یا اس سے بھی کم ہوتی ہے۔

شہوات میں مشغول رہنے اور عمل میں تاخیر کا آخر کیا سبب ہے؟ اگر اُن کو سچا جانتے ہو اور اس کا یقین رکھتے ہو پھر تم کو کیا ہوا کہ شہوات میں مشغول رہتے ہو اور نیک عمل میں تاخیر کرتے ہو حالانکہ موت تمہاری تاک میں ہے شاید کہ وہ تم کو ابھی بلا کسی مہلت کے اچک لے پھر تم اس کی جلدی سے کس لیے بے خوف ہو گئے اکثر صبح پانے والے ایسے ہیں جن کو پورا دن نہیں ملتا اور بہتیرے اگلے دن کے ایسے امیدوار

یں کہ کل تک نہیں پہنچ سکتے اور مانا کہ تم سے سو برس کی عمر کا وعدہ کیا گیا ہے اور تم آخر تک عمل میں تاخیر کرتے رہے تو تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے کہ جو شخص اپنے ٹٹو کو دامن کوہ کے سوا کبھی دانہ پانی نہ دے تو کیا وہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اُس ٹٹو سے پہاڑ پر چڑھ جائے اور کیا عمل میں جلدی کرنے سے روکنے اور تاخیر کرنے کا سبب اس کے سوا کچھ اور ہے کہ تم تھوڑی سی دشواری اور مشقت کی وجہ سے اپنی خواہش کی مخالفت کرنے سے عاجز ہو اور کیا تجھ کو کوئی ایسا دن ملے گا جس میں خواہش کی مخالفت تم کو دشوار نہ ہو ایسا دن تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے سوا اور کوئی نہ پیدا کیا ہے اور نہ پیدا کرے گا۔

اور جنت ناپسند باتوں سے ڈھک دی گئی ہے اور ناگوار باتیں نفس پر کبھی ہلکی نہیں ہوتیں اس کا وجود محال ہے پس اگر تم ان کھلی باتوں کو نہیں سمجھتے اور عمل میں تاخیر ہی کی طرف مائل ہوتے ہو تو اس سے زیادہ کونسی حماقت اور نادانی ہوگی اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل پر بھروسہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ دنیا کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل پر بھروسا نہیں کرتے بھلا کیا تم جاڑے کے لیے جس قدر موسم ہو اُس کے لائق تیاری نہیں کر لیتے پس کھانا اور ایندھن اور پوشاک وغیرہ ضروریات سب جمع کر لیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ یوں ہی جاڑے کی سردی بغیر جبہ وغیرہ کے دفع کر دے گا کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جہنم کے طبقہ زمہریر کی ٹھنڈک چلے کے جاڑوں کی سردی سے ہلکی اور بدت میں کم ہوگی یا تم کو یہ خیال ہے کہ اس سے بے محنت کے بچ جاؤ گے کبھی نہیں یہ بات بہت دور ہے کیونکہ جاڑے کی ٹھٹھر جیسے بدون جبہ اور ایندھن اور اور لوازم کے دفع نہیں ہوتی ایسے ہی دوزخ کی گرمی اور اُس کے طبقہ زمہریر کی ٹھٹھر طاعات اور عبادات سے پناہ لینے اور برائیوں کو چھوڑ دینے کے بغیر ہرگز تم سے دفع نہ ہوگی۔

تکلیف اور عذاب سے پناہ کا طریقہ بتا دینا اللہ کا فضل و کرم ہے اور اللہ تعالیٰ کا کرم اور فضل یہی ہے کہ تم کو پناہ لینے کا طریقہ بتا دیا یہ نہیں کہ پناہ لینے کے بغیر تم سے عذاب کو دور کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور فضل جاڑا دفع کرنے کے بارہ میں یہ ہے کہ تمہارے لیے آگ پیدا کر دے اور چقماق اور لوہے سے اُس کے نکالنے کا طریقہ تم کو سکھا دے تاکہ تم اپنے نفس سے جاڑے کی سردی دفع کر سکو پس جیسے کہ جبہ اور ایندھن اور تمام لوازم کے خریدنے سے تمہارا خالق اور مولیٰ مستغنی ہے اور تم اپنے لیے صرف اس لیے خریدتے ہو کہ اللہ نے اُن کو تمہاری راحت کا سبب بنایا ہے ایسے ہی تمہاری طاعت اور مجاہدہ سے تمہارا خالق اور مولیٰ مستغنی ہے یہ تو تمہارے عذاب الیم سے نجات کا اور عیش دائمی تک تمہارے پہنچنے کا صرف طریقہ ہے سو جس نے بھلائی کی سو اپنی جان کے لیے اور جس نے برا کیا سو اپنی جان کے لیے اور جس نے برا کیا سو اپنے نقصان کو اور اللہ بے پرواہ ہے عالم والوں سے۔

دنیا اور آخرت کے عیش و راحت میں فرق اور شائد تم یہ کہو کہ مجھ کو ثابت قدمی سے خواہشات

نفسانی کے مزوں کی حرص اور تکلیفوں اور مشقتوں پر کم صبر ہونے کے سوا اور کوئی چیز نہیں روکتی پس اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو یہ تمہاری کس قدر نادانی اور کتنا بُرا تمہارا یہ عذر ہے کیونکہ دنیا کی شہوات تو فانی جلدی چلی جانے والی اور کبھی کسی وقت کدورتوں سے خالی نہیں ہیں پس تمہیں کیا ہوا کہ جنت میں جانا طلب نہیں کرتے کہ اُس میں ہمیشہ باقی رہنے والی خواہشوں سے عیش کیا کرو جو ہمیشہ ہر حال کدورتوں سے صاف ہیں کیونکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے پس آخرت کے لیے جس قدر تمہیں وہاں رہنا ہے اُس کے لائق سامان کرلو کیونکہ تمہارا سرمایہ تمہاری زندگی کے دن ہیں سو تم اُس میں سے اکثر حصہ تو کھو چکے اس میں سے اب صرف چند روز باقی رہ گئے ہیں پس اُس بقیہ میں اگر تم تجارت کرو گے تو فائدہ ہوگا اور اگر باقی کو بھی کھو دوگے اور اپنی قدیم عادت پر چلتے رہو گے تو یہ تو خوب کھلا ہوا نقصان ہوگا۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے | پس اے مسکین خواب غفلت سے بیدار ہو کیونکہ موت تیرا وعدہ ہے اور گور تیرا گھر ہے اور مٹی تیرا بچھونا ہے اور فزع اکبر یعنی قیامت تیرے سامنے ہے اور مُردوں کا لشکر شہر سے باہر تیرا منتظر ہے اور اُن سب نے بڑی سخت قسمیں کھائی ہیں کہ تجھ کو جب تک اپنے ساتھ نہ لے لیں گے اور اپنے ساتھ نہ ملالیں گے اپنی جگہ سے نہ ٹلیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ صرف ایک دن کے واسطے دنیا میں آنے کی آرزو کرتے ہیں تاکہ جو کچھ اُن سے کوتاہی ہوئی ہے اُس دن میں اُس کا عوض کر لیں اور تو اپنے دن ضائع کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ تو آخرت میں بُلا لیے گئے ہیں لیکن تو ہمیشہ یہیں رہے گا کبھی نہیں کبھی نہیں کیونکہ جب سے تو اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اپنی عمر کی بربادی میں لگا ہے زمین پر اپنا محل بنوا رہا ہے اور عنقریب زمین کا گڑھا تیری قبر ہونے کو ہے ہر روز مال بڑھنے سے خوش ہوتا ہے اور عمر گھٹنے سے رنجیدہ نہیں ہوتا آخرت سے منہ پھیرتا ہے اور وہ تیرے سامنے چلی آرہی ہے اور تو دنیا پر متوجہ ہو رہا ہے اور وہ تجھ سے منہ پھیرتی جاتی ہے۔

انسان کی کوتاہی پر تنبیہ | تیرا کیا ہی عجیب حال ہے کہ باوجودیکہ تو قسم قسم کے گناہ کرتا ہے آخرت کی درستی میں کوشش نہیں کرتا بلکہ دنیا کی درستی میں ایسا لگا ہوا ہے کہ گویا کبھی وہاں سے تجھ کو جانا نہ ہوگا پس اے مسکین اُس دن سے اپنی جان کا خوف کر جس دن کہ تو خدا کے سامنے جائے گا اور وہ اُس دن کسی بندے کو نہ چھوڑے گا، جس کو دنیا میں کسی بات کا حکم کیا تھا یا دنیا میں جس بات کی ممانعت کی تھی یہاں تک کہ اُس سے اُس کے اعمال کے بارے میں تھوڑے ہوں یا بہت معمولی ہوں یا اعلیٰ پوشیدہ ہوں یا ظاہر سوال کرے گا۔ پس اے غافل تو دیکھ کہ کس دل سے تو اُس کے سامنے کھڑا ہوگا اور کس زبان سے اس کے سوال کا جواب دے گا اور سوال کا جواب اور جواب کی درستی ٹھیک کر رکھ اور اپنی باقی عمر دارِ فنا یعنی دنیا کے چھوٹے چھوٹے دنوں میں دارِ بقا یعنی آخرت کے بڑے بڑے دنوں کے واسطے نیک کاموں میں صرف کر۔

نفس کو مجاہدے اور طاعات کی راہ لگانے کا طریقہ اگر تو یہ کہے کہ میرا نفس مجاہدے اور ہمیشہ طاعات کرنے پر رہنے کو نہیں مانتا تو اُس کے علاج کا کیا طریقہ ہے تو سمجھ لے کہ اس کے علاج کا سب سے مفید طریقہ جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ تو ایسے شخص کی صحبت اختیار کر جو اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں مجاہدہ کرتا ہو اور تو اُس کے حالات کو دیکھ اور اُس کی پیروی کر لیکن یہ علاج اس زمانے میں دشوار ہے کیونکہ ایسا شخص جو متقدمین کی طرح عبادت میں مجاہدہ کرتا ہو مفقود ہے پس اب تیرے لیے اس زمانے میں اس سے زیادہ مفید اور کوئی علاج نہیں کہ تو اُن کے حالات سُننے اور اخبار دریافت کرے کہ وہ کیا کیا دشوار مجاہدہ کرتے تھے اور ان کی محنت تو ہو چکی اور ثواب اور عیش باقی رہ گیا جو کبھی تمام نہ ہوگا اور کس قدر سخت افسوس اُس شخص پر ہے جو ان کی پیروی نہیں کرتا پس اپنے نفس کو چند روزہ مکدر شہوات سے منتفع کرتا ہے پھر اس کو اسی حال میں موت آجاتی ہے اور اُس کے اور اُس کی شہوات کے درمیان میں حائل ہو جاتی ہے لہٰذا تو لازم کرے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ اور ان کے بعد کے مجاہدین کے احوال کا مطالعہ کرے اور اُن کے احوال دیکھ کر تجھ پر کھل جائے گا کہ تو اور تیرے زمانے کے لوگ اصل دینداروں سے کتنے دور ہیں

نفس کا ایک دھوکا اور اس کا علاج پھر اگر تیرا نفس تجھ کو یہ وسوسہ دلائے اور کہے کہ عبادت اسباب کی کثرت کی وجہ سے اُسی زمانے میں ہو سکتی تھی لیکن اس زمانے میں اب اگر تو اپنے اہل عصر کے خلاف کرے گا تو وہ تیرا مذاق اُڑائیں گے اور دیوانہ کہیں گے لہٰذا انہیں کے موافق جو وہ کرتے ہیں کئے جا جو اُن کا حال سو تیرا حال مرگ انبوہ جشنے دارد تو خبردار اس کے باطل حیلے اور فریب اور مکر اور دھوکے میں نہ آجانا اور تو اُس کو یہ جواب دینا کہ اگر پانی کی ایسی رَو چڑھ آئے کہ جو اُس کے سامنے سے آئے سب کو ڈبو دے اور تیرے گاؤں والے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں اور اپنا بچاؤ نہ کریں اور تجھ کو اتنی قدرت ہو کہ اُن سے الگ ہو کر کشتی پر سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ جائے تو کیا اب بھی تیرے دل میں یہ خیال آئے گا کہ مرگ انبوہ جشنے دارد یا اُن کا ساتھ چھوڑ دے گا اور اس حرکت سے اُن کو نادان بنائے گا اور اس بلائے ناگہانی سے اپنا بچاؤ کرلے گا جو تجھ پر آپڑی ہے پھر جب تو ڈوبنے کے خوف سے اُن کا ساتھ چھوڑتا ہے حالانکہ ڈوبنے کی تکلیف رات دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں ہو سکتی تو پھر دائمی عذاب سے کیوں نہیں بھاگتا اور ہر وقت اُس کے سامنے چلا آتا ہے۔

زمین کے اکثر باشندوں کی راہ گمراہی کی راہ ہے اور مرگ انبوہ کیسے جشن ہو سکتا ہے کفار تو اہل زمانہ کی موافقت ہی سے ہلاک ہوئے ہیں تو کیا اُن کی یہ ہلاکی مرگ انبوہ جشنے دارد ہو سکتی ہے کبھی نہیں کیونکہ وہ یہی کہتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پہ پایا اور ہم اُن ہی کے قدموں پر چلتے ہیں لہٰذا خبردار خبردار اپنے اہل زمانہ اور اُن سے پہلے گذرے ہوؤں کا خیال نہ کر کیونکہ تو اگر زمین کے

اکثر باشندوں کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے خدا سے دعا ہے کہ ہم کو گمراہی سے بچائے۔

پینسٹھویں مجلس امت کو توبہ کی رغبت دلانے اور اُس کے فوراً واجب ہونے اور تین باتوں سے اُس کے حاصل ہونے کے بیان میں

امت کو توبہ کی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! اللہ کے سامنے توبہ کیا کرو کیونکہ میں اللہ کے سامنے دن میں سو بار توبہ کیا کرتا ہوں" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اعز مزنی نے روایت کیا ہے اور اس میں امت کو توبہ کی ترغیب ہے کیونکہ جب نبی علیہ السلام باوجود معصوم اور عظیم الشان ہونے کے دن میں سو بار توبہ کیا کرتے تھے تو وہ شخص کیونکر رات دن توبہ میں مشغول نہ رہے جو اپنا نامۂ اعمال پے در پے گناہوں سے سیاہ کرتا رہتا ہے۔

ثبوت توبہ کی تین شرائط لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ توبہ ان تین امور مرتبہ کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے۔ اوّل علم۔ دوّم حال۔ سوّم عمل۔ اول مرتبہ علم کا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ حال کا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ عمل کا ہے۔

اور یہ اس لیے کہ آدمی جب گناہ کا بڑا نقصان ہونا اور آخرت میں اُس کے اور اُس کے محبوب کے درمیان حجاب ہو جانا جانتا ہے تو اس معرفت سے اُس کے دل میں ایک الم پیدا ہوتا ہے اور اس الم کو معرفت کہتے ہیں بس یہ معرفت تو علم ہے اور یہ ندامت حال ہے جو اس معرفت سے پیدا ہوا ہے پھر جب یہ ندامت دل پر غالب ہو جاتی ہے تو دل میں ایسے کام کا ارادہ پیدا ہوتا ہے جس کو زمانۂ موجودہ اور آئندہ اور گذشتہ سے لگاؤ ہے زمانۂ موجودہ سے تو گناہ ترک کر دینے کا تعلق ہوتا ہے اور زمانۂ آیندہ سے عمر بھر میں کبھی گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لینے کا تعلق ہے اور زمان ماضی سے فوت شدہ کے عوض اور قضا کا اگر وہ قابلِ عوض اور قضا کے ہو تعلق ہے اور اسی کا یہ فعل عمل ہے جو ندامت سے حاصل ہوا ہے جو علم سے پیدا ہوتی تھی۔

اور علم سے یہاں مراد اس بات کا ایمان اور یقین ہے کہ گناہ آخرت میں زہر قاتل ہے۔ اور اس ایمان کا نور جب دل پر چمکتا ہے تو ندامت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے کیونکہ اپنے اوپر نور ایمان کے چمکنے سے وہ دیکھ لیتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے الگ ہوگیا ہوں بس اب محبت کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے پھر اُس آگ سے اس فعل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے جو اوقات مذکورہ حال واستقبال وماضی سے علاقہ رکھتا ہے۔ پس علم اور ندامت اور فعل مذکور کا ارادہ یہ تین چیزیں ہیں کہ اسی مجموعہ پر توبہ کا لفظ بولا جاتا ہے پس جب یہ تینوں باتیں موجود ہوں گی تب توبہ ثابت ہوگی،

توبہ کی حقیقت۔ ندامت اور کبھی اوقات توبہ کا لفظ صرف ندامت پر بولا جاتا ہے اور علم کو مقدمہ اور فعل مذکور کو ثمرہ ٹھہرایا جاتا ہے اور اسی اعتبار سے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "ندامت ہی توبہ ہے" اس لیے کہ ندامت بدون علم کے جو اس کا باعث اور موجد ہے اور بغیر قصد یقینی کے جو اس کے پیچھے اور بعد میں ہوتا ہے نہیں ہوتی پس ندامت دونوں طرف سے گھری ہوتی ہے ایک طرف ثمرہ ہے اور دوسری طرف باعث ہوتا ہے۔

توبہ مسلمانوں پر واجب ہے پھر توبہ تمام مسلمانوں پر فوراً واجب ہے سب پر اس کا واجب ہونا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ **ترجمہ** "اور توبہ کرو اللہ کی طرف سب اے ایمان والو" اور نیز اس قول باری تعالیٰ کی وجہ سے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا **ترجمہ** اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کے آگے صاف دل کی توبہ" اور ان دونوں آیتوں کے ظاہری معنے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ توبہ ہر مومن پر واجب ہے اس لیے کہ ان دونوں آیتوں میں حکم عام ہے نیز نور عمل بھی یہی بتلاتا ہے۔

توبہ کا معنیٰ مطلب اس واسطے کہ توبہ کے معنے اللہ تعالیٰ کی نارضامندی کی باتوں سے رضامندی کی باتوں کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ امر عاقل ہی سے ہوسکتا ہے اور عقل کامل نہیں ہوتی مگر قوائے شہوانی اور غضبی اور تمام بُرے اوصاف کے کامل ہونے کے بعد جو انسان کے بہکانے کے لیے شیطان کے ذریعے ہیں کیونکہ شہوت شیطانی لشکر ہے اور عقل فرشتوں کا لشکر ہے اور ایسا کوئی انسان نہیں پایا جاتا جس کی شہوت جو شیطانی سامان ہے عقل پر جو فرشتوں کا سامان ہے مقدم نہ ہو پس شہوات کی موافقت سے جو پہلے ہوچکی ہے اب اس سے رجوع کرنا ہر آدمی کو بلوغ کے بعد ضروری ہے۔

بالغ ہونے کے بعد انسان کے بعض احوال جو توبہ سے زیادہ دشوار ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص حالت کفر میں دین اسلام سے ناواقف بالغ ہوا تو اس پر ان باتوں کو سیکھ کر جن سے اسلام حاصل ہو اپنے کفر اور جہالت سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اور جو شخص ماں باپ کے ساتھ حالت اسلام میں حقیقت اسلام سے بے خبر بالغ ہوا تو اس پر اسلام کے معنے اب خود سمجھ کر اس غفلت سے توبہ کرنا واجب ہے اس لیے کہ بالغ ہوکر جب تک خود مسلمان نہ ہو ماں باپ کا اسلام اُس کو کچھ مفید نہیں پھر جب بالغ ہوکر اسلام کے معنے سمجھ چکا تو اب اس پر اپنے عادات اور شہوات عادیہ میں بے مہار ہونے سے باز آنا واجب ہے اور یہ سب احوال توبہ سے زیادہ دشوار ہیں اور اسی میں اکثر خلقت اس سے عاجز رہنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے اس لیے کہ شہوت لڑکپن ہی میں بلوغ اور کمال عقل سے پہلے ہی مستحکم ہوجاتی ہے پس شیطانی لشکر پہلے ہی دل کی ولایت کیا

غلبہ کرلیتا ہے اور دل کو شہوات اور عادات کی خواہشوں سے محبت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بات دل میں غالب آجاتی ہے اور اس سے اس کو نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔

عقل اللہ کا گروہ ہے اس کا شہوات پر غلبہ ہی توبہ ہے

پھر عقل ظاہر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا گروہ اور لشکر ہے پھر اگر وہ کامل اور قوی ہوئی تو خدا کے بندوں کو اس کے دشمنوں کے ہاتھ سے چھوڑانے کے لیے آہستہ آہستہ بتدریج تیار ہوتی ہے پس شہوتوں کو توڑ کر شیطانی لشکر کا اکھاڑنا اور عادات کا چھوڑنا اور طبیعت کو جبریہ طور پر عبادت پر لگانا اس کا اول شغل ہوتا ہے اور توبہ کے اس کے سوا اور کچھ معنے نہیں ہیں۔

اولاد آدم کی گمراہی کے لیے شیطان کا اعلان

اور اگر عقل کامل اور قوی نہ ہو تو دل کی سلطنت شیطان کے حوالے ہو جاتی ہے اور وہ ملعون اپنا وعدہ پورا کرتا ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا ترجمہ کہ اگر تو مجھ کو ڈھیل دے قیامت کے دن تک تو ضرور میں اس کی اولاد (یعنی اولاد آدمؑ) کو لگام دوں گا مگر تھوڑوں کو" اور مراد یہ ہے کہ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک زندہ رکھے گا تو بے شک میں ان کو جدھر چاہوں گا کھینچ لے جاؤں گا اور بے شک ان پر اچھی طرح غالب رہوں گا ہاں مگر ان میں سے بعض کو وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور نیک بندے ہیں اور یہ اس ملعون کے اس قول کی طرح ہے کہ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ترجمہ البتہ میں ان کو زینت دکھاؤں گا دنیا میں زمین میں اور ضرور بہکاؤں گا ان سب کو"

توبہ فرض عین ہونے کا سبب

اور اس لعین نے باوجودیکہ وہ غیب دان نہیں ہے اس مطلب کا اپنے لیے حاصل ہو جانا ان چیزوں سے استدلال کرکے جو اس نے ان میں دیکھیں معلوم کرلیا کہ بدی کے اسباب بہت ہیں اور بھلائی کا سبب صرف ایک ہے کیونکہ انسان میں چوپایوں کی شہوانی قوت اور درندوں کی غضبی قوت اور شیطان کی قوت وہمیہ موجود ہیں اور یہ تینوں قوتیں ابتدائے پیدائش سے اس پر غالب ہوتی ہیں اور شر کی طرف متوجہ رکھتی ہیں اور ان تینوں قوتوں کے بعد اس میں قوت عقلی ملکی پیدا ہوتی ہے اور یہ اگرچہ بھلائی کی طرف بلاتی ہے لیکن ان پہلی تین قوتوں کے دل پر غالب ہو جانے کے بعد کامل ہوتی ہے پس جب شیطان ملعون نے انسان میں یہ دیکھا تو جان گیا کہ میری جو مراد ہے اس کا حاصل ہونا ممکن ہے پس اس بیان کے موافق ہر شخص پر توبہ فرض عین ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ افراد انسان میں سے کوئی فرد بھی اس سے بے نیاز ہو۔

توبہ کے فوراً واجب ہونے کا فائدہ اور اس میں تاخیر کے نقصانات

اور رہا توبہ کا فوراً واجب ہونا سو اس لیے کہ تاخیر کرنے میں اصرار حرام لازم آتا ہے جس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں کیونکہ توبہ سے ایک دم بھر بھی تاخیر کرنے سے ایک اور گناہ واجب التوبہ لازم آتا ہے یہاں تک کہ علماء کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کی توبہ میں ایک گھڑی تاخیر کرنے سے دو کبیرہ ہو جاتے ہیں ایک وہی پہلا اور دوسرا اس سے

توبہ نہ کرنا اور دوسری گھڑی میں چار کبیرہ گناہ ہو جاتے ہیں دو نوں پہلے اور دو دو نوں سے توبہ نہ کرنا اور تین ساعت میں آٹھ کبیرہ ہو جاتے ہیں اور چار ساعت میں سولہ کبیرہ ہو جاتے ہیں اور پانچ ساعت میں بتیس ۳۲ کبیرہ ہو جاتے ہیں اور اسی طرح گناہ بڑھتے جائیں گے جس قدر تاخیر ہوتی جائے گی۔

ایمان کامل اور ایمان ناقص اور اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ گناہ کو زہر قاتل جاننا خود ایمان ہی میں سے ہے پس جب یہ ثابت ہوا کہ علم خود ایمان میں سے ہے تو لازم ہے کہ ایمان گناہوں کے ترک کا باعث ہوا کرے پس جس نے گناہ کو نہ چھوڑا تو اس میں ایمان کا یہ جزنہیں ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نہیں زنا کرتا ہے زانی جبکہ زنا کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو پس اس سے نبی علیہ السلام نے اس ایمان کی نفی نہیں کی ہے جو خدا اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں کا جاننا ہے کیونکہ اس ایمان کے زنا اور گناہ منافی نہیں ہیں بلکہ اس سے اس ایمان کی نفی مراد لی ہے جو اس علم کا نام ہے کہ زنا خدا سے دور کر دیتا ہے اور اس کی ناخوشی کا باعث ہے پس اس بیان کے موافق گناہوں پر جمے رہنے والا اپنے ایمان میں کامل نہیں ہے بلکہ ایمان میں ناقص ہے۔

گناہوں پہ جمے رہنے والے کے خاتمہ کی دو صورتیں اور یہ اس لیے کہ گناہوں کا چھوڑنا بدون صبر کے نہیں ہو سکتا اور صبر بدون خوف کے میسر نہیں ہوتا اور خوف بدون اس بات کے پیدا نہیں ہوتا کہ گناہوں میں بہت بڑا نقصان ہے اور گناہوں کے ضرر عظیم کا یقین بدون تصدیق خدا اور رسول ؐ کے حاصل نہیں ہوتا پس جس نے گناہوں کو نہ چھوڑا اور اس پہ جما رہا تو گویا اس نے خدا و رسول ؐ کی تصدیق نہیں کی لہذا اس پر مرتے دم بڑا خوف ہے اس لیے کہ شاید اس اصرار پہ اس کی موت اس کے ایمان کے جاتے رہنے کا سبب ہو جائے لہذا اس کا خاتمہ برائی پر ہو اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پڑا رہے اور اگر خاتمہ برائی پر نہ ہوا بلکہ ایمان پہ مرا تو اب مشیت الٰہی میں رہے گا چاہے اس کو دوزخ میں ڈالدے اور بقدر معاصی عذاب دے کر پھر دوزخ سے نکالے اور جنت میں داخل کرے اگرچہ کچھ ہی مدت کے بعد ہوا اور چاہے اس کو معاف کر دے اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے۔

بخشش خداوندی اس لیے کہ یہ محال نہیں کہ بخشش عام کسی پوشیدہ سبب سے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہو اس کے شامل حال ہو جائے جیسے کہ یہ محال نہیں کہ کوئی کسی ویرانہ میں خزانہ ڈھونڈھنے کے لیے جائے اور اتفاق سے خزانہ پا جائے لیکن جس نے اپنا گھر خراب کر دیا اور مال تلف کر دیا اور اپنی جان اور اولاد کو بھوکا مارا اس خیال سے کہ وہ اللہ کے فضل کا منتظر ہو کہ گھر کے اندر زمین میں سے خزانہ عنایت کرے تو یہ شخص بے وقوف احمقوں میں سے سمجھا جائے گا اگرچہ اس کی خواہش بلحاظ قدرت اور فضل الٰہی کے کچھ محال نہیں ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ سے بخشش کا امیدوار ہے باوجودیکہ وہ گناہوں پر جما ہوا ہے اور بخشش کی راہ نہیں چلتا بے وقوف

سمجھا جائے گا۔

دین و دنیا کے لیے اللہ کے قاعدہ میں تغیر نہیں

پھر بعضے ان مغرور احمقوں میں سے اپنی حماقت کو اچھی اچھی باتوں سے رواج دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے شک کریم ہے اس کی جنت مجھ جیسے شخص سے تنگ نہ ہو جائے گی اور میری معصیت سے کچھ اس کا ضرر نہیں پھر تم اس احمق کو دیکھتے ہو کہ دریا کا سفر کرتا ہے اور روپیہ اشرفی کی تلاش میں سفر کی مشقت کو اختیار کرتا ہے اور جب اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ بے شک کریم ہے اور اس کے روپیہ اشرفی کے خزانے تجھ جیسے سے کم نہ ہوں گے اور تجارت میں تیری سستی سے اس کا کچھ نقصان نہیں پس تو اپنے گھر بیٹھا رہ شاید ابھی تجھ کو ایسی روزی دے جہاں سے تیرا گمان بھی نہ ہو پس جو ایسا کہے اس کو وہ احمق بنائے گا اور اس کا مذاق اڑائے گا اور کہے گا یہ کیسی ہوس ہے کیونکہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا یہ تو محنت ہی سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عادت اور اس کا قاعدہ جاری ہے اللہ کے قاعدوں میں تغیر نہیں ہوتا اور یہ احمق نہیں سمجھتا کہ دین و دنیا کا پروردگار ایک ہی ہے اور اس کے قاعدے کو ان دونوں میں تغیر نہیں اور اس نے یہ خبر بھی دے دی ہے" اور نہیں ہے واسطے انسان کے مگر وہی جو کمایا"۔

پس کیونکر اسکو آخرت کے لیے تو تو کریم جانتا ہے اور دنیا کے بارہ میں تو کریم نہیں سمجھتا پس جو شخص اس دار فانی میں ہلاکت سے ڈرتا ہو جب اس پر زہر اور تمام ہلاک کرنے والی مضر چیزوں سے ہر وقت احتراز کرنا واجب ہے پس ہلاک ابدی سے ڈرنے والے کو بدرجہ اولیٰ ان گناہوں سے احتراز واجب ہے جو دین کے لیے زہر ہیں کیونکہ اس زہر سے اس آخرت باقیہ کی فوت کا خوف ہے جس کے سو میں سے ایک حصے کے برابر بھی دنیا کی چند گنی زندگی نہیں ہو سکتی کیونکہ آخرت کی مدت کی نہ کوئی غایت ہے اور نہ کچھ انتہا اور اسی میں عیش دائمی اور بڑی سلطنت ہے اور اسی کے فوت ہو جانے میں دوزخ کی آگ اور عذاب دردناک ہے۔

چھیاسٹھویں مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک سانس گلے میں نہ آئے

قبولیت توبہ کی میعاد

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ سانس کا گلے میں غرغرہ نہ ہونے لگے یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عمر رضہ نے روایت کیا ہے اور عربی محاورہ میں غرغرہ کسی چیز کے حلق میں آنے جانے کو کہتے ہیں اور حلق میں روح کی آمد و رفت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور یہاں یہی

مراد ہے اور معنے یہ ہیں کہ گنہگار کی توبہ اُس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک روح گلے تک نہ پہنچ جائے۔

موت کے آثار نظر آنے کے بعد توبہ اور ایمان کے مفید نہ ہونے کی وجہ اس لیے کہ غرغرہ اور روح کے حلق میں پہنچ جانے کے وقت وہ اپنے انجام کو دیکھ لیتا ہے کہ رحمت ہوگی یا خواری لہذا اس کو نہ توبہ مفید ہے اور نہ ایمان چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے اشارے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ؕ ترجمہ پھر نہ ہوا کہ کام آئے اُن کو یقین لانا اُن کا جب دیکھ چکے ہمارا عذاب"۔ اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ ترجمہ اور نہیں ہے توبہ اُن کی جو کرتے جاتے ہیں بُرے کام یہاں تک کہ جب سامنے آئے اُن میں سے کسی کو موت تو کہنے لگا اب میں نے توبہ کی۔

اس واسطے کہ شرائطِ توبہ میں سے یہ بھی ہے کہ جس گناہ سے تم نے توبہ کی ہے اس کے چھوڑ دینے کا اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ توبہ کرنے والے کو اس پر قدرت ہو اور اختیار کا وقت باقی ہو سو جب تک روح حلق میں نہیں پہنچتی امید منقطع نہیں ہوتی پس اُس وقت اس گناہ سے ندامت اور ترکِ گناہ کا پختہ ارادہ کرنا صحیح ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کے لیے توبہ کا وقت فراخ ہے یہاں تک کہ قابض الارواح کو دیکھے اور یہ وقت غرغرہ اور روح کے حلق تک پہنچنے کا وقت ہے۔

بندہ پر گناہوں سے توبہ واجب ہے پس اس بیان کی بنا پر بندہ پر واجب ہے کہ اپنے تمام اُن معاصی سے جن پر قائم ہے معائنہ اور غرغرہ سے پہلے توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے" ناامید نہیں ہوتے اللہ کی رحمت سے مگر کافر لوگ" اور ایک اور آیت میں فرمایا اور وہ ایسا ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور معاف کرتا ہے"۔ پس سمجھدار آدمی کو مناسب ہے کہ ہر وقت توبہ کیا کرے اور گناہ پر اڑا نہ رہے کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ پر مصر نہیں سمجھا جا سکتا اگرچہ دن بھر میں وہ ستر مرتبہ گناہ کرے۔

استغفار اور توبہ کی کثرت کا حکم اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے رستگاری دے گا اور ہر غم سے کشادگی دے گا اور اس طرح رزق دے گا جس کا اُس کو گمان بھی نہ ہوگا اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمام بنی آدم خطا وار ہیں اور اچھے خطاوار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے قسم ہے اللہ کی کہ میں ہر روز ستر دفعہ سے زیادہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا

اے لوگو! اللہ کے آگے توبہ کرو کہ میں اُس کے آگے ہر روز استغفار و توبہ کرتا ہوں پس اے انصاف والو دیکھو جبکہ نبی علیہ السلام باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ سب معاف کر دئیے ہیں اور توبہ کرتے ہوں تو سب کا حال کچھ معلوم نہیں کہ اُس کو معاف کر دیا گیا ہے یا نہیں وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت توبہ نہ کرے اور کیونکر اپنی زبان کو ہمیشہ استغفار میں مشغول نہ رکھے۔

ہلاک ہونے والے لوگ اور ابن عباس رضہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہلاک ہو گئے دیر کرنے والے اور دیر کرنے والے وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آئندہ توبہ کر لیں گے اور وہ ہلاک اس لیے ہوئے کہ بقا پر بھروسا رکھتے ہیں جو کہ ان کو حوالہ نہیں ہے پس ممکن ہے کہ باقی نہ رہے اور اگر باقی رہے بھی تو جیسے آج گناہ چھوڑنے پر قادر نہیں کل بھی نہ چھوڑ سکے کیونکہ بالفعل ترک گناہ سے عاجز رہنا غلبۂ شہوت کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں اور شہوت کل اس سے جدا نہ ہو گی بلکہ عادی ہو جانے کی وجہ سے زیادہ اور مضبوط ہو جائے گی پس جس شہوت کو آدمی نے عادی ہو کر قوت بخشی ہے وہ اُس جیسی نہیں ہے جس کی عادت نہیں کی ہے اور اسی وجہ سے دیر کرنے والے ہلاک ہوئے ہیں کیونکہ وہ دو یکساں چیزوں میں فرق سمجھ رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ترک شہوات کے دشوار ہونے میں سب دن ایک ہی سے ہیں اور دیر لگانے والا اُس شخص کی طرح ہے جس کو ایک درخت اکھاڑنے کی ضرورت ہو پس اُس کو مضبوط دیکھ کر کہ بلا زیادہ مشقت کے نہیں کٹ سکتا وہ یہ کہے کہ ایک برس رہنے دوں گا پھر آکر اس کو اُکھاڑوں گا اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ درخت جتنا ہی زمین میں کھڑا رہے گا اُس کی مضبوطی بڑھتی جائے گی پس دنیا میں اس حماقت سے بڑھ کر اور کوئی حماقت نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی مضبوطی زیادہ ہو جانے کے قبل تو اُس کے اُکھاڑنے سے عاجز رہا پھر اُس کی زیادہ جڑ پکڑ لینے کے بعد اُس کے اکھاڑنے پر قادر ہونے کا منتظر رہے۔

توبہ کرنے والوں کی اخروی جزا جب یہ ثابت ہو چکا تو مومن کو ضروری ہے کہ توبہ سے کبھی کسی وقت فارغ نہ رہے یہانتک کہ موت ایسے وقت آئے کہ یہ تائب ہو کیونکہ توبہ تمام مومنوں پر بالاتفاق اہل اسلام فرض ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ ۵ ترجمہ- اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب کے سب اے ایمان والو، اور باری تعالیٰ کا یہ ارشاد یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۵ اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کے آگے خالص توبہ، پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بندوں کے حال پر مہربانی کو دیکھو کس طرح اُن کو توبہ کی طرف بلایا اور اُن کو اس کا حکم دیا ہے اور اُن کا نام گناہ کرنے کے بعد بھی مومن ہی رکھا ہے پھر توبہ سے جو اُن کو عزت ہو گی

بیان کی اور فرمایا شاید تمہارا رب دُور کر دے تمہاری بُرائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں" اور خبر دے دی کہ میں اُن کے گناہوں کا بخشنے والا ہوں اور فرمایا
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝
ترجمہ اور وہ لوگ کہ جب کرتے ہیں کوئی بُرا کام یا بُرائی کرتے ہیں اپنے حق میں تو یاد کرتے ہیں اللہ کو پس بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے سوائے اللہ کے اور نہیں اڑے رہتے ہیں اُس پر جو کیا ہے جان بوجھ کر ان لوگوں کی جزا ہے بخشش اُن کے رب کی طرف سے اور باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے اُس میں اور کیا اچھی مزدوری ہے کام کرنے والوں کی اور کھول کر فرما دیا کہ توبہ کے بعد وہ اُن کو محبوب رکھتا ہے پس فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ ترجمہ بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور ستھرے لوگوں سے۔"

توبہ کی شرائط اور یہ اشارہ کر دیا کہ توبہ اُن کے لیے گناہوں کی نجاست سے طہارت ہے پس مومن کے لیے توبہ کرنی ضروری ہے لیکن توبہ کے واسطے چار شرطیں ہیں اگر اُن میں سے ایک بھی کم ہوگی تو توبہ ٹھیک نہ ہوگی۔ اوّل زمانۂ گذشتہ کے گناہوں پر دل سے نادم ہونا اور ندامت سے یہ مراد ہے کہ اپنے کئے ہوئے پر غمگین اور دردمند ہونا اور آرزو کرنا کہ کاش یہ نہ کرتا۔ اور دوسری شرط معصیت کا فی الفور ترک کر دینا ہے۔ اور تیسری شرط اُس کا پختہ قصد کرنا کہ پھر آیندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہو کسی اور وجہ سے نہ ہو کیونکہ جو شخص شراب پینے پر نادم ہو کر اس لیے چھوڑ دے کہ اُس میں دردِ سر ہوتا ہے اور عقل جاتی رہتی ہے اور مال اور آبرو خراب ہوتی ہے تو ایسا شخص شرعاً تائب ہے اور ایسے ہی وہ شخص کہ زبان سے تو استغفراللہ کہا کرے اور اُس کا دل معصیت پر جما ہوا ہے تو ایسی توبہ سے بھی ایسی توبہ کرنا چاہیے جو ندامت کے ساتھ ہو جیسا کہ

توبہ کی حقیقت حضرت علی رضہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی نماز سے فارغ ہوا اور جلدی سے کہنے لگا الٰہی میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیرے آگے توبہ کرتا ہوں تو حضرت علیؓ نے کہا اے شخص جلدی سے زبان کا استغفار کرنا جھوٹوں کی توبہ ہوتی ہے لہٰذا تیری یہ توبہ خود قابلِ توبہ ہے۔ اور حسن بصری رہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری توبہ بھی توبہ کے قابل ہے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حسن بصریؒ کا یہ قول اُن کے زمانے میں ہے تو ہمارے اس زمانے کا کیا حال ہے جس میں تمام

انسان ظلم پر جھکے ہوئے ہیں ایسے حریص ہیں کہ باز نہیں آتے اور تسبیح ان کے ہاتھوں میں ہے بایں خیال کہ ہم توبہ کرتے ہیں اور یہ اُن کا مذاق اور استخفاف ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ زبانی توبہ کرنے والا دل سے گناہ پر اڑا ہوا گویا اپنے رب سے مذاق کرتا ہے اور توبہ تو یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل سے یہ نیت کرے کہ پھر کبھی گناہ نہ کروں گا جب ایسا کرے گا تو اللہ اُس کے گناہ معاف کر دے گا اگرچہ بڑا ہو کیونکہ کفر سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی ؐ سے کفار کے حق میں فرماتا ہے قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ﴿ ترجمہ تو کہہ دے کافروں سے کہ اگر باز آئیں گے تو معاف ہو جائے گا اُن کو جو ہو چکا پھر بھلا اس سے کم درجہ کے معاصی کی نسبت تیرا کیا خیال ہے۔

اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی تم میں سے اتنی خطائیں کرے کہ آسمان و زمین کا خلا سب بھر جائے پھر وہ توبہ کرے تو اللہ اُس کی توبہ قبول کرتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمی جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ بھی اُس کی توبہ قبول کرتا ہے یعنی جب وہ اپنے خطادار ہونے کا اقرار کر کے پھر توبہ کرے اور اپنے کئے ہوئے گناہوں اور کمائی ہوئی بُرائیوں سے نادم ہو اور نیت کرے کہ ایسا کام پھر نہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اُس کے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے۔

گناہوں کی قسمیں اور ان سے توبہ کا طریقہ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک طرح کے گناہ تو وہ ہیں جو تمہارے اور خدا کے درمیان ہیں اور دوسری قسم کے گناہ وہ ہیں جو تمہارے اور بندہ کے درمیان ہیں پس جو گناہ صرف تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں تو اس میں صرف زبان سے استغفار اور دل سے ندامت اور پھر نہ کرنے کی نیت کافی ہے جب ایسا کیا تو اپنی جگہ سے بھی ہٹنے نہیں پاتا کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ہاں اگر کوئی فریضہ ترک ہوا ہو کیونکہ شرع نے اس بارہ میں صرف توبہ پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اس توبہ کے ساتھ بعض جگہ قضا لگا رکھی ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ اور بعض جگہ کفارہ بھی اور رہے حقوق العباد پس ان کا مالکوں تک پہنچانا ضرور ہے پس اگر وہ لوگ نہ ملیں تو اُتنا ان کی طرف سے اس نیت سے خیرات کر دے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں امانت رہے قیامت کے دن مالکوں کو پہنچا دے۔

پھر جس کو مفلسی کی وجہ سے حقوق ادا کرنے کی کوئی صورت نہ ملے تو اُس کو یہ لازم ہے کہ اعمالِ صالحہ کی کثرت کرے اور جن مومنین اور مومنات پر ظلم کیا ہے اکثر اوقات اُن کے لیے استغفار کیا کرے کیونکہ جب وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے امید ہے کہ قیامت کے دن اُس کے حق خواہوں کو راضی کر دے۔

قبولیت توبہ علامت اور اثرات کسی عالم سے پوچھا گیا آیا تائب کے واسطے کوئی ایسی علامت ہے جس سے اس کی توبہ کا قبول ہونا معلوم ہو کہا کہ ہاں اس کی چار علامتیں ہیں اوّل یہ کہ بُرے دوستوں سے الگ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ ہر گناہ سے نفرت کرے طاعات کی طرف متوجہ ہو اور تیسرے یہ کہ اس کے دل سے دنیا کی فرحت جاتی رہے اور آخرت کا غم دل میں ہمیشہ لگا رہے اور چوتھے یہ کہ اپنے نفس کو ایسی چیزوں کی فکر سے جس کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہو چکا ہے فارغ پائے جیسے رزق اور جس کا حکم ہوا ہے اُس میں مشغول رہے۔

پس جب اُس میں یہ علامتیں موجود ہوں تو اُس کو اللہ تعالیٰ چار کرامتوں سے اعزاز بخشتا ہے ایک یہ کہ گناہوں سے ایسا صاف کر دیتا ہے کہ گویا کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور دوسرے یہ کہ اس کو دوست رکھتا ہے اور تیسرے یہ کہ اُس کو شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اور اُس کو اُس پر غلبہ نہیں دیتا اور چوتھے یہ کہ دنیا سے نکلنے سے پہلے اس کو خوف سے بے ڈر کر دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

ترجمہ اُن پر اُترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور غم نہ کھاؤ اور خوشخبری سنو اُس بہشت کی جس کا تم وعدہ کئے جاتے تھے۔

اور اور لوگوں پر اس کے چار حق واجب ہو جاتے ہیں، اوّل یہ کہ اس سے محبت کیا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے محبت کی ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کے حق میں توبہ پر قائم رہنے کی دعا کیا کریں اس لیے کہ توبہ پر قائم رہنا توبہ سے زیادہ دشوار تر ہے، اور تیسرے یہ کہ اُس کے پاس بیٹھا کریں اور یا دانہی کیا کریں۔ اور امداد کیا کریں، اور چوتھے یہ کہ باعتبار پہلے گناہوں کے طعنہ زنی نہ کیا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے حکایت کرکے فرمایا کہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ترجمہ کچھ الزام نہیں تم پر۔

توبہ کے بعد مومن کے گذشتہ گناہوں پر طعنہ زنی کی ممانعت فقیہ ابو اللیث کہتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ مومن کی شان نہیں کہ گناہ میں پڑے اور عمداً کیا کرے چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے "اور ناپسند کر دیا تمہاری طرف کفر اور گناہ اور نافرمانی" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ہم نے مومنوں پر معصیت کو ناپسند کر دیا ہے پس مومن گناہ میں نہیں پڑتا تا وقتیکہ اُس کا ایمان حقیقی ہو صرف زبانی نہ ہو مگر حالت غفلت میں پس جب اُس نے اُس سے توبہ کر لی تو طعنہ زنی کرنا جائز نہیں۔

سڑسٹھویں مجلس ہوشیار اور احمق کے حال کے بیان میں

عقل مند اور بے وقوف لوگ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ہوشیار وہ ہے جو اپنی جان کو

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے شداد بن اوس رضؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس پر غالب رہے اور اس کو دبائے اور اُس سے حساب لے اور دیکھے کہ آخرت کے لیے اُس نے کیا عمل کیا ہے پس اگر نفس کو نیک عمل کرتا ہوا پائے تو خدا کا شکر کرے اور زیادتی کی کوشش کرے اور اگر بُرا کام کرتا ہوا پائے تو توبہ اور استغفار میں مشغول ہو جائے اور اپنی حالت درست کرنے کے لیے طاعات کی طرف متوجہ ہو جو میدانِ قیامت کی گھاٹیوں سے نجات دینے والی اور موت کے بعد بلند درجوں پر پہنچانے والی ہیں۔

اور بیوقوف وہ ہے جس پر اُس کا نفس غالب آئے اور وہ اس کا تابع ہو جائے اور محرمات اور منہیات میں سے جس چیز کو نفس چاہے وہ اس کو پورا کرے اور ادھر اللہ سے یہ تمنا کرے کہ اُس کو بخش دے اور بلا توبہ اور استغفار اور اپنا حال درست کیے جنت میں داخل کرے اور یہی غرور ہے۔

نفس کا دھوکہ اور امام غزالیؒ نے جیسا کہ احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ غرور نفس اُس چیز کی طرف جو ہوا وہوس کے موافق ہو اور طبیعت اُس کی طرف راغب ہو کسی شبہ اور شیطانی مکر کے سبب سے مطمئن ہو جانا ہے پس جو شخص کسی شبۂ فاسد کی وجہ سے یہ اعتقاد کرے کہ میں بھلائی پر ہوں فی الحال یا آخر کو تو وہ دھوکے میں گرفتار ہے اور اکثر لوگ اپنے دل میں تو اپنا حال بہتر سمجھتے ہیں باوجودیکہ وہ خطاوار اور گنہگار ہوتے ہیں پس ایسے لوگ دھوکے میں ہیں۔

نفس کے دھوکے کے طریقے اور درجے اور اگرچہ جہات اور طریقے دھوکے کے مختلف ہیں اور ان کے درجے کم زیادہ ہیں یہاں تک کہ کسی کا دھوکا دوسرے سے واضح اور زیادہ ہوتا ہے پس کسی کو تو زندگانی دنیا نے دھوکے میں ڈالا ہے اور کسی کو اللہ کے متعلق شیطان نے دھوکا دیا ہے وہ لوگ جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نقد اُدھار سے بہتر ہے اور دنیا تو نقد ہے اور آخرت ادھار ہے لہذا دنیا بہتر ہے پس دنیا کا اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ استدلال فاسد ہے ابلیس کے قیاس کے مشابہ ہے کہ اُس نے آدم علیہ السلام کے حق میں کہا تھا أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ؕ **ترجمہ** میں اُس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے آگ سے بنایا ہے اور اُن ہی لوگوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ؕ **ترجمہ** اُن لوگوں نے کہ خریدی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔

نفس کے دھوکے کا علاج اور اس دھوکے کا علاج صرف ایمان کے ذریعہ تصدیق کرنا یا تصدیق برہانی ہے مطلق ایمان کی تصدیق تو یہ ہے کہ اُن آیات کی تصدیق کرے جو قرآن میں آئی ہیں جن میں

ایک باری تعالیٰ کا یہ قول ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ترجمہ جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ترجمہ اور آخرت بہتر ہے اور زیادہ رہنے والی، اور یہ آیت وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ترجمہ اور نہیں ہے دنیا کا جینا مگر پونجی دغا کی۔ پس نبی علیہ السلام نے اس کی خبر کفار کی جماعتوں کو سنائی پس انہوں نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور کوئی دلیل آپ سے طلب نہ کی اور یہ ایسا ایمان ہے کہ عوام لوگوں کو دھوکے سے نکال دیتا ہے۔

رہی تصدیق برہانی سو وہ یہ ہے کہ اُس قیاس کے فساد کی وجہ معلوم کرے جو ابلیس نے اپنے دل میں مرتب کیا تھا کیونکہ یہی ہر دھوکے میں آنے والے کے دھوکے کا سبب ہوتا ہے اور وہی سبب اس کی دلیل ہوتی ہے اور ہر دلیل ایک طرح کا قیاس ہوتا ہے جو دل میں آتا ہے اور اُس پر اطمینان کا باعث ہوتا ہے اگرچہ قیاس والے کو اس کی خبر نہ ہو اور علماء کی عبارت میں اُس کو مرتب کرنے پر قادر نہ ہو۔

شیطان کے دھوکے کا ایک انداز اور اس میں غلطی

پس وہ قیاس جو شیطان نے اس مغرور کے دل میں مرتب کیا ہے دو اصل سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار ہے اور یہ صحیح ہے اور دوسری یہ کہ نقد اُدھار سے بہتر ہے اور یہ دھوکے کی جگہ ہے کیونکہ مطلقاً یوں نہیں ہے بلکہ نقد اگر مقدار اور مقصود میں برابر ہو جب تو نقد اُس سے بہتر ہے ورنہ اگر نقد اُدھار سے کم ہو تو پھر نقد سے اُدھار بہتر ہے کیونکہ یہ مغرور اپنی تجارت میں ایک روپیہ نقد خرچ کرتا ہے تاکہ روپیہ آئندہ کو حاصل کرے اور یہ نہیں کہتا کہ نقد اُدھار سے بہتر ہے اور ایسے ہی اگر طبیب میوے اور لذیذ کھانوں سے منع کر دے تو آئندہ کی تکلیف مرض کے خوف سے فی الحال چھوڑ دیتا اور سب تاجر دریا کا سفر کرتے ہیں آئندہ کی منفعت اور آرام اور لذت کے لیے بالفعل سفر کی مشقتیں گوارا کرتے ہیں پس جبکہ آئندہ کے دس موجودہ ایک سے بہتر ہوئے اور ایسے ہی آئندہ کی منفعت اور راحت اور لذت موجودہ الم اور مشقت سے بہتر ہوئی تو دنیا کی لذت اور راحت کا دُنیا کی مدت آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قیاس کرو اس لیے کہ انسان کی غایت سے غایت عمر سو برس کی ہوتی ہے اس سے بہت کم بڑھنے پاتا ہے اور یہ مدت آخرت کی ہزار دیں حصے کا سواں حصہ بھی نہیں ہے گویا اس نے ایک کو دس لاکھ لینے کے لیے ترک کیا بلکہ بے انتہا لینے کے واسطے یہ تو باعتبار وقت کے ہے اور رہا باعتبار نوعیت کے سو دنیا کی لذتیں طرح طرح کی تکلیفوں اور سختیوں سے مکدر ہیں اور آخرت کی لذتیں صاف اور بے کدورت ہیں لہٰذا اس کی غلطی اس قول میں صاف ظاہر ہوتی ہے کہ نقد اُدھار سے بہتر ہے۔

شیطان کے دھوکا دینے کا دوسرا انداز اور اس کی غلطی اور اس وقت شیطان ایک اور قیاس کی طرف رجوع ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یقین شک سے بہتر ہے اور دنیا یقینی ہے اور آخرت میں شک ہے لہذا یقین کو ترک نہ کرنا چاہیے اور یہ قیاس پہلے سے بھی زیادہ فاسد ہے کیونکہ اس کی دونوں اصلیں باطل ہیں اس لیے کہ یقین جب ہی بہتر ہوتا ہے جبکہ شک کی طرح ہو مطلقاً نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ سوداگر مشقت میں تو یقیناً ہے اور فائدہ ہونے میں شک ہے اور ایسے ہی بیمار کڑوی بدمزہ دوا پیتا ہے اور وہ تلخی دوا کے اعتبار سے تو یقین پر ہے اور صحتیاب ہونے میں شک پر ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ کڑوی دوا کا رنج بہ نسبت زیادتی مرض کی تکلیف کے کم ہے جو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے پھر جس کو آخرت کی بات میں شک ہو تو اس کو واجب ہے کہ یوں کہے کہ چند روز یعنی آخر حیات تک صبر کرنا بہ نسبت اس کے مقابل یعنے آخرت کے کمتر ہے پس اگر وہ باتیں جو آخرت کے بارے میں لوگ کہتے ہیں جھوٹ نکلیں تو میرا سوائے عیش زندگانی کے اور کچھ نہیں گیا اور میں ازل سے اب تک نابود ہی تھا سو میں سمجھوں گا کہ میں معدوم ہی رہا اور عیش نہیں کیا اور اگر وہ باتیں جو اس بارے میں کہتے ہیں سچ ہوئیں تو میں زمانہ دراز تک آگ میں رہوں گا اور اس مصیبت کی طاقت ہرگز نہیں ہے اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ملحد منکر آخرت سے کہا تھا کہ جو تو کہتا ہے اگر سچ ہوا تو تم بھی بچے اور ہم بھی بچے اور اگر ہمارا قول حق ہوا تو ہم بچے اور تم ہلاک ہوئے اور یہ قول حضرت علی رضہ کا آخرت میں شک کی راہ سے نہ تھا بلکہ ملحد سے اس کی عقل کے موافق کلام کیا اور اس کو ظاہر کر دیا کہ اگر وہ یقین نہیں رکھتا ہے جب بھی وہ دھوکے میں ہے۔

آخرت مومن کے نزدیک یقینی ہے اور اس قیاس کی دوسری اصل یعنی آخرت مشکوک ہے یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ مومن کے نزدیک تو یقینی ہے اور اس کا ایمان شیطان کے فریب کو دفع کر دیتا ہے مگر اتنا ہے کہ اس نے جب احکام الٰہی کو چھوڑ دیا اور اعمال صالحہ کو ضائع کیا اور معاصی اور منکرات میں مبتلا ہوا تو اس دھوکے میں وہ کفار کا شریک ہو گیا کیونکہ اگرچہ وہ آخرت کو دنیا سے بہتر ہونیکا اقرار کرتا ہے لیکن وہ دنیا کی طرف راغب ہو گیا ہے اور دنیا کو آخرت پر پسند کر لیا ہے اور اس بات کا مستحق ہوا ہے کہ کفار کی طرح دوزخی ہو لیکن اس کا حال خفیف ہوگا۔

تکمیل نجات اخروی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی اہمیت کیونکہ اصل ایمان عذاب ابدی سے اس کو بچائے گا اور دوزخ سے اس کو نکال دے گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد سہی اتنا فائدہ تو مطلق ایمان کا ہے

اور رہا مقصود میں کامیاب ہونا سو اس میں صرف ایمان کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عمل کا ملنا بھی ضروری ہے چنانچہ قرآن کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ ارشاد

الٰہی ہے "وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی" ترجمہ اور میں بہشت بخشنے والا ہوں اُسے جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کئے بھلے کام پھر راہ پر رہا" اور نیز یہ آیت اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ترجمہ بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیکی والوں سے" اور نیز آیت وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝ ترجمہ قسم ہے عصر کے وقت کی بے شک انسان ٹوٹے میں ہے مگر وہ جو یقین لائے اور بھلے کام کرے۔

پس کتاب اللہ میں بخشش کا وعدہ ایمان اور عمل صالح دونوں پر موقوف ہے مطلق ایمان پر نہیں۔

دنیا سے دھوکا کھانے والے لوگ پس جس نے زبان سے یہ اقرار کیا کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے پھر عمل خیر ترک کئے اور معاصی میں مشغول ہوا تو وہ دنیا سے دھوکا کھانے والوں اور اس سے محبت کرنے والوں اور موت کو اس وجہ سے بُرا جاننے والوں میں سے ہے کہ لذات دنیا چھوٹ جائیں گی لذائذ آخرت کے چھٹنے اور عذاب آخرت کے خوف سے موت کو بُرا سمجھنے والا نہیں ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات دنیا نے دھوکا دیا ہے اور آخرت سے وہ لوگ بیخبر ہیں۔

اور رہے وہ لوگ جن کو شیطان نے اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں ڈالا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان میں سستی کرتے ہیں اور منکرات میں مشغول رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کریم اور رحیم ہے ہم کو اُس کی رحمت اور مغفرت کی امید ہے اور یہ کلام اگرچہ حقیقت میں صحیح ہے دل اُس کو مانتے ہیں لیکن انسان کو شیطان ایسی ہی بات سے بہکاتا ہے جو ظاہر میں مقبول ہو اور باطن میں مردود اور اگر وہ ظاہر بات میں پسندیدہ نہ ہو تو اُس سے دل فریب نہ کھاتے لیکن نبی علیہ السلام نے اس فریب کو اپنے اس ارشاد سے کھول دیا کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو ہوا و ہوس کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے آرزوئیں کرے اور یہ آرزوئیں بکانا ہی دھوکا ہے جس کا شیطان نے بدل کر امید نام رکھا ہے یہاں تک کہ بہتیرے لوگوں کو اس سے فریب دیا ہے۔

رجا یعنی امید کا حقیقی مفہوم اور رجا کی شرح تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے خود کر دی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ۝ ترجمہ وہ لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور مجاہدہ کیا اللہ کی راہ میں وہ ہی امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے"۔

کسی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے عمل خیر ضائع کرتے رہتے ہیں تو انہوں نے کہا افسوس افسوس یہ اُن کی محض آرزوئیں ہیں کہ ان کی فکر میں پڑے ہیں جو شخص کسی شئے کی امید رکھتا ہے تو اُس کو طلب کرتا ہے اور جو کسی بات سے ڈرتا ہے تو اُس سے بھاگتا ہے اور جیسے دنیا میں کھیتی بدون بونے نہیں اُگتی ایسے ہی آخرت میں

اجر اور ثواب بدون ایمان اور عمل کے نہیں ملتا اور جیسے وہ شخص نادان ہے جو اولاد کی امید رکھے اور نکاح نہ کرے یا نکاح تو کرے اور صحبت نہ کرے یا جماع کرے لیکن منزل نہ ہو ایسے ہی وہ شخص نادان ہے جو اللہ کی رحمت کی امید رکھے اور ایمان نہ لاوے یا ایمان لائے اور عمل صالح نہ کرے یا اعمال صالح کرے اور برائیاں نہ چھوڑے اور جیسے جو شخص نکاح کرے اور جماع کرے اور منزل ہو تو اُس کو لائق ہے کہ اولاد ہونے کی امید رکھے اور نہ ہونے کا خوف بھی کرے اسی طرح جو ایمان لایا اور اعمال نیک کئے اور برائیاں چھوڑ دیں تو اُس کو لائق ہے کہ اجر اور ثواب ملنے کا امیدوار رہے اور نہ ملنے کا خوف رکھے۔

مومن پر گناہوں سے توبہ کے ساتھ یہ بھی واجب ہے کہ خوف ورجا، کے درمیان رہے ناامید نہ ہو | پس مومن پر یہ واجب ہے کہ برائیوں سے توبہ کرے اور طاعت پر مداومت کرے پھر خوف اور رجاء دونوں کے درمیان میں رہے اور نہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو اور نہ عذاب الٰہی سے بے خوف ہو کیونکہ ایسے شخص کے دل میں جو گناہوں میں ڈرا ہو کبھی توبہ کا خیال آتا ہے تو اُس سے شیطان کہتا ہے تیری توبہ ایسے ایسے گناہوں کے ساتھ کیوں کر قبول ہوگی پس ایسی حالت میں ناامیدی کو امید سے دفع کرنا واجب ہے اور یہ کہے کہ بے شک اللہ کریم اور رحیم ہے اور توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ ترجمہ اور میں البتہ بخش دیتا ہوں جو توبہ کرے" اور توبہ قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ "اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے"۔

توبہ امید ورجا، اور دھوکے کی حقیقت | کیونکہ توبہ ایسی عبادت ہے جو سب چھوٹے بڑے گناہوں کو دور کر دیتی ہے یہانتک کہ کفر کو بھی بخلاف اور عبادات کے کہ وہ صرف گناہ صغیرہ کو دور کرتی ہیں پس جو شخص توبہ کر کے بخشش کی امید رکھے تو وہ امیدوار ہے اور جو گناہ پر اڑا رہ کر بخشش کی توقع کرے وہ مغرور ہے اور جو توقع توبہ اور عبادت میں مستعدی کا سبب ہو وہ رجا ہے اور جو توقع عبادت میں سستی اور بیہودگی کی طرف رغبت کا سبب ہو وہ دھوکا ہے کیونکہ جس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور عبادت میں مشغول ہو تو شیطان اُس سے کہتا ہے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنی جان کو تکلیف اور عذاب دیتا ہے تیرا پروردگار تو کریم اور غفور اور رحیم ہے سو اس فریب میں آکر وہ توبہ اور عبادت سے باز رہتا ہے پس یہی تو دھوکا ہے اور ایسی حالت میں بندہ پر واجب ہے کہ خوف سے کام لے اور اپنے نفس کو غضب الٰہی اور اُس کے بڑے عذاب سے ڈرائے اور اس سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے گناہوں کا معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اسی طرح وہ سخت عذاب والا بھی ہے اور وہ کریم اور رحیم ہونے کے ساتھ ہی کفار کو دوزخ میں ہمیشہ کے لیے ڈالیگا

باوجودیکہ اُن کا کفر اُس کو کچھ مضر نہیں بلکہ دنیا میں اپنے بندوں پر عذاب اور محنت اور دُکھ اور بیماری اور فقیری اور بھوک مقرر کر رکھی ہے باوجودیکہ وہ کریم اور رحیم اور ان کے دور کرنے پر قادر ہے پس جس کا بندوں کے حق میں یہ طرز ہو تو اس سے بندہ کیسے دھوکا کھاجاتا ہے اور اُس سے نہیں ڈرتا ہے اور حالانکہ وہ اپنے عقاب سے ڈرا ہی چکا ہے۔

اور اس زمانہ میں اکثر لوگوں کی امید عمل میں سستی اور دنیا پر متوجہ ہونے اور طاعت الٰہی سے منہ پھیرنے اور آخرت کے لیے سعی چھوڑ دینے کا سبب ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دھوکا ہے امید نہیں ہے اور نبی علیہ السلام خبر بھی دے چکے ہیں کہ دھوکا عنقریب اس امت کے آخری لوگوں پر غالب آئے گا۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جو خبر دی تھی وہ ہوگئی کیونکہ اول زمانہ میں لوگ ہمیشہ طاعت اور عبادت میں لگے رہتے تھے اور شبہات اور شہوات سے خوب بچتے تھے اور اس پر بھی اپنے متعلق ڈرا کرتے تھے اور تنہائی میں رویا کرتے تھے اور اب آج کل تمام مخلوق کو مطمئن خوش و خرم بے خوف و ہراس دیکھوگے باوجودیکہ گناہوں پر اڑے ہوئے اور دنیا میں کیسے ہوئے اور طاعت الٰہی سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی نعمت فراخ ہے اور اُس کی رحمت عام ہے۔ اور بندوں کے معاصی کی اُس کے دریائے مغفرت کے سامنے کیا اصل ہے اور اپنی اس تمنا اور دھوکے کا نام رجاء رکھ چھوڑا ہے اور کہتے ہیں کہ رجا دین میں پسندیدہ مقام ہے پس گویا انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل کے متعلق وہ کچھ جانتے ہیں جو انبیاءؑ اور صحابہؓ اور سلف صالحین بھی نہیں جانتے تھے۔

اڑسٹھویں مجلس تقوے اور حسن خُلق کی فضیلت اور دونوں کی حقیقت کے بیان میں

سعادت ابدی کا سبب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کیا چیز جنت میں لوگوں کو زیادہ لے جائے گی! اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہ رضؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اکثر سعادت ابدی کا سبب ان دونوں خصلتوں کے جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ تقوے سے خالق کے ساتھ خوبی معاملہ کی طرف اشارہ ہے اور حُسن خُلق سے مخلوق کے ساتھ خوش معاملہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس بناء پر اُس شخص کو جو یہ جانتا ہے کہ سعادتِ دنیوی فانی اور سعادتِ اُخروی باقی ہے مناسب ہے کہ سعادتِ اخروی کو سعادت دنیوی کے مقابلے میں پسند کرے۔

سعادت اخروی کے لیے تقوی کی شرط اور سعادت اخروی تقویٰ الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ حسن خلق کا تقویٰ الٰہی کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا ہے لیکن درحقیقت وہ بھی تقوے ہی میں داخل ہے اس لیے کہ تقویٰ سے مراد برائیوں اور منع کی ہوئی باتوں سے بچنا اور اچھے کام اور خدا کے حکم کو بجالانا ہے اور اسی سے دنیا اور آخرت کی سب خوبیاں حاصل ہوتی ہیں۔

دنیا کی بھلائیاں پھر دنیا کی نیکیاں تو ان میں سے ایک حفاظت اور نگہبانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ترجمہ اور اگر تم صبر کرو اور ڈرتے رہو تو کچھ نہ بگاڑے گا تمہارا ان کا فریب۔" اور ان میں سے ایک سختیوں سے نجات اور رزق حلال پانا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط ترجمہ جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ اس کی سبیل کر دے گا اور روزی دیگا اس کو جہاں سے اس کو خیال نہ ہو۔

آخرت کی نیکیاں اور بھلائیاں رہیں آخرت کی نیکیاں تو ان میں سے ایک عمل کی درستی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ترجمہ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو ٹھیک بات سنوار دے گا تمہارے لیے تمہارے کام۔ اور ایک ان میں سے عمل کا قبول ہونا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ترجمہ اللہ قبول کرتا ہے صرف تقویٰ والوں سے۔ اور ایک ان میں سے اکرام اور عزت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ترجمہ بیشک زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک زیادہ تقویٰ والا ہے۔" اور ایک ان میں سے خوشخبری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ ترجمہ وہ لوگ جو یقین لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے حیات دنیا میں اور آخرت میں۔" اور ایک ان میں سے دوزخ سے نجات پانا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ترجمہ پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں گھٹنوں کے بل اور ایک ان میں سے ہمیشہ جنت میں رہنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج ترجمہ اللہ محبت کرتا ہے تقوے والوں سے۔

تقویٰ کی فضیلت اور اگر تقوے میں درجہ محبت پانے کے سوا کوئی اور بات نہ ہوتی جب بھی یہی کافی تھی پھر ایسی حالت میں کہ درجہ محبت پانے کے سوا اس میں اور بھی بہت سے اوصاف ہیں اور قرآن ان کے ذکر سے بھرا ہے بندہ کیونکر تقویٰ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ

نے ایک آیت میں فرمایا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ اللہ رفیق ہے ڈرنے والوں کا۔ اور دوسری آیت میں فرمایا وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ "اور نزدیک لائی گئی بہشت ڈرانے والوں کے" اور اس کے علاوہ اور آیتیں جو تقوے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اگلوں اور پچھلوں کو اسی کی وصیت کی ہے چنانچہ فرمایا ہے وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ ترجمہ۔ اور بلیشک ہم نے وصیت کی ہے اُن کو جو دئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور حاصل یہ ہے کہ تقویٰ تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

تقویٰ کے معنی اور مفہوم اور تقویٰ لغت میں بہت بچنے کا نام ہے اور عرف شرع میں اُس چیز سے بچنا مراد ہے جو آخرت میں مضر ہو فعل ہو یا ترک پس اس کے حاصل کرنے کے واسطے کبائر سے بچنا بالاتفاق لازم ہے اور بعضوں کے نزدیک تقویٰ حاصل کرنے کے لیے صغیرہ گناہوں سے بھی بچنا ضروری ہے اور یہی حق ہے، اور بعضے کہتے ہیں کہ صغائر سے اجتناب ضروری نہیں کیونکہ صغائر کبائر سے بچنے والے سے خود دُور کر دئے جاتے ہیں لہذا بندہ اس سے مستحق عقوبت نہیں ہوتا۔ خداوند تعالیٰ کا خود یہ ارشاد ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ترجمہ۔ اگر تم بچتے رہو گے بڑی اُن چیزوں سے جس سے تم منع کئے جاتے ہو تو ہم دور کر دیں گے تمہارے گناہ"

تقویٰ کی حقیقت لیکن یہ غلطی ہے اہل سنت والجماعت کے قواعد کے خلاف ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اگرچہ آدمی کبائر سے بچتا ہو صغیرہ گناہوں پر عذاب ہونا جائز ہے اس لیے کہ بعض مفسرین نے اس آیت میں کبائر کو اقسام شرک پر محمول کیا ہے جیسے یہود اور نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کا شرک کیونکہ مطلق سے قرینہ نہ ہونے کے وقت فرد کامل مراد لیا جاتا ہے اور وہ شرک ہے اور اس سے بچنے سے اور گناہوں کا کفارہ ہو جانا متعین نہیں بلکہ اس آیت کے مطابق مشیت الٰہی میں باقی رہتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا ہے اُس کو کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جس کو چاہتا ہے۔ باوجودیکہ صغائر پر جمے رہنا بھی کبیرہ ہے اور اب تو کفارہ نہ ہوگا بلکہ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اور عطیہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک متقین کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُن چیزوں کے خوف سے جن کے کرنے میں حرج ہے اُن کو بھی چھوڑ دے جن میں کچھ حرج نہیں اور یہ حدیث تقویٰ حاصل کرنے کے لیے صغیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہونے میں صریح ہے کیونکہ کبائر سے بچنے والے کے حق میں ان کا کفارہ ہو جانے کی صورت میں

صغائر اُن چیزوں ہی میں سے ہوں گے جن کے کرنے میں مضائقہ نہیں لہذا ان سے بچنا ضروری ہوا باوجودیکہ لغوی معنے کی رعایت یعنی خوب احتیاط کرنا شرعی معنوں میں حتی الامکان ضروری ہے اور خوب احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کبائر اور شبہات سے بھی بچے لیکن اس زمانے میں تمامی شبہات سے احتراز نہیں ہو سکتا چنانچہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں ہے مسلم کے ذمے یہی ہے کہ حرام ظاہر سے پرہیز رکھے اور ایسے ہی صاحب ہدایہ نے تجنیس میں لکھا ہے اور ان دونوں کا زمانہ ۶۰۰ھ سو سے پہلے ہے اور اب تو تاریخ جہاں تک پہنچی ہے پہنچی اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ عہد نبوت سے فاصلہ بڑھنے میں فساد اور تغیر بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں شبہات سے احتراز نہ ہو سکنے کے اسباب | اور اس زمانہ میں شبہات سے احتراز نہ ہو سکنے کا سبب کئی باتیں ہیں

اول یہ کہ بدن کی تندرستی اور گذران کا انتظام بدون نقود اور غلہ وغیرہ کے جو زمین سے پیدا ہوتا ہے نہیں ہوتا اور اکثر معاملات کے کرنے اور توڑنے میں چلن دراہم ہی کا ہے اور ان کو اس قدر کم کر ڈالا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کتنے کے درہم ایک درہم شرعی کے وزن کے برابر ہوتے ہیں بلکہ لالچی فرمایہ فاسق اور کفار ہمیشہ دراہم کو کترتے ہی جاتے ہیں یہاں تک کہ جس قدر کترا جا چکا ہے وہ اس سے زیادہ ہے جو بچ رہا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ دراہم کو تولنا چھوڑ دیا ہے اور ان کو خرید و فروخت اور قرض وغیرہ میں معدودات میں سے ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ چاندی ہمیشہ کے لیے تصریح شارع کی وجہ سے ایسی شے ہے جس کے وزن کا اعتبار ہے لہذا عرف سے نہیں بدل سکتا اس لیے کہ عرف کے معتبر ہونے کی شرط تصریح کا نہ ہونا ہے اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام محمد رحمہ کا اور یہی روایت ظاہر ہے امام ابو یوسف رحمہ سے اور ایک ضعیف روایت امام ابو یوسف رحمہ سے یہ ہے کہ عرف مطلقاً معتبر ہوتا ہے پس جب ہمیشہ کے لیے چاندی کے وزن کا اعتبار ہے تو اس کا وزن بیان کر دینا خرید و فروخت اور قرض میں ضروری ہوا اس لیے کہ ثمن کی مقدار بیان کر دینا خرید و فروخت وغیرہ کی صحت کے لیے شرط ہے اور وزن کی مقدار گننے سے معلوم نہیں ہو سکتی جیسے تولنے سے گنتی کی مقدار معلوم نہیں ہوتی پس جب اس کا وزن معلوم نہ ہوا تو بیع اور اجارہ اور قرض وغیرہ سب فاسد ہو گئے پس جو کھانا اور لونڈی بیع فاسد سے خریدی ہے وہ سب قبضہ کے بعد خریدار کی ملک تو ہو جائیں گے لیکن اس کو نہ کھانے کی چیزوں کا کھا لینا حلال ہے اور نہ لونڈی سے صحبت کرنا حلال ہے اور اس سے نہ کوئی چھٹکارا ہے اور نہ کوئی حیلہ ہے بجز اس کے کہ اُسی ضعیف روایت پر جو امام ابو یوسف رحمہ سے منقول ہے اعتماد

کیا جائے کیونکہ گنتی اور تول کا جمع کرنا بہت دشوار ہے خاص کر فقراء کے حق میں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ضرورت ممنوع کو مباح کر دیتی ہے۔

اور دوسرا سبب لوگوں پر طمع کا غالب ہو جانا ہے چنانچہ تم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہو کہ اپنے اپنے حقوق پر راضی نہیں ہوتے اور اپنے اپنے حصوں پر قناعت نہیں کرتے بلکہ حرام تک بڑھ جاتے ہیں۔

اور تیسرا سبب خلقت میں ظلم کا پھیل جانا ہے یعنی زبردستی مال چھین لینا چرا لینا خیانت اور دغابازی کرنا اور اسی طرح اور ظلم۔

اور چوتھا سبب سوداگروں اور کاریگروں اور مزدوروں اور شریکداروں پر اصل معاملہ یا علت معاملہ کے بارے میں جہالت کا چھا جانا ہے جس کے سبب سے یہ لوگ شرعی شرطوں کی رعایت اپنے معاملہ میں نہیں کرتے۔

لوگوں کے معاملات کی حالت پس ایسی حالت میں ان کے معاملات اس سے خالی نہیں کہ یا باطل ہوں گے تو اُن کی کمائی حرام ہو گی یا فاسد اور مکروہ ہوں گے تو ان کی کمائی خبیث ہو گی اور حرام قبضہ سے ملک نہیں ہو جاتا بلکہ اگر اس کے مالک کو واپس کر دینا ممکن ہو تو واپس کر دینا واجب ہے اور بدون اس کے گنہگار رہتا ہے اور کسی کو خرید کر یا اجارہ یا ہبہ یا صدقہ یا کسی اور طرح سے اس کا لینا جائز نہیں ہے کیونکہ حرام ان باتوں سے حلال نہیں ہوتا اور اگر مالک تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس کی صورت بجز صدقہ دے دینے کے اور کوئی نہیں اور خبیث اگرچہ قبضہ کرنے سے ملک ہو جاتا ہے لیکن مالک کو خیرات کر دینا واجب ہے اور اس کے علاوہ اور طرح گنہگار رہتا ہے اور کسی کو اس کا لینا جائز نہیں ہاں جس کو صدقہ دیا جائے اور وہ فقیر ہو تو مضائقہ نہیں)

پس جب مخلوق کا یہ حال ہے تو اس زمانے میں شبہاب سے بچ کر لوگوں سے معاملہ کرنا کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ اکثر مال جو لوگوں کے قبضہ میں ہیں بعض کے بعض پر ظلموں یعنی غصب یا چوری یا خیانت یا دغابازی وغیرہ کی وجہ سے یا اپنے معاملات میں شرعی شرائط کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے یا حرام ہیں یا خبیث۔

آج کے دور میں معاملات کی صورت پس احتیاطی قول کو لینا اور شبہات سے بچنا اس زمانہ میں یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کیجئے اور ان سے سراسر الگ ہو جانے اور پہاڑوں میں بھاگ جانے اور غاروں اور نالوں کے اندر رہنے اور گھاس پھوس کھانے کو مقتضی ہے اور اس میں بہت بڑا حرج اور طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔ اور شرع کے اندر حسب تصریح قرآن یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ انسان میں خلقی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملکر رہنے کا مادہ ہے تنہا گزر کرنا

اُس کو ممکن نہیں بلکہ ضروری ہے کہ بسر اوقات لوگوں کے ساتھ ہو۔

پس اس زمانہ میں لامحالہ اُسی روایت کو اختیار کرنا چاہیے جو امام محمدؒ اور ان کے پیرو بعضے مشائخ نے فرمایا ہے کہ غیر کا مال اس کی اجازت اور خوشی سے کسی چیز کے بدلہ میں ہو یا بغیر بدلے کے جبتک اُس کا خود حرام ہونا معلوم نہ ہو لینا جائز ہے اور ان قواعد مقررہ شرع سے تمسک کیا ہے کہ قبضہ دلیل ملک ہے۔ اور چیزوں میں اصل اباحت ہے اور یقین شک سے دفع نہیں ہوتا یقین اُسی یقین سے جاتا ہے جو اُسی کی طرح ہو اور عقود اور فسوخ میں ثمن جبکہ نقد روپیہ ہو تو تعین کرنے سے متعین نہیں بلکہ ذمہ پر لازم ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ثمن نقد کو اشارہ سے متعین کر دے اور اُس کے سوا اور روپیہ دیدے تو جائز ہے برخلاف بیع کے کہ وہ عقد کرنے سے متعین ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اُس کو اور چیز سے بدل لینا اور اُس کی جگہ دوسری دینا جائز نہیں ہے مگر ہاں پہلا عقد توڑ کر اور دوبارہ عقد کر کے دوسری چیز دے سکتے ہیں۔

اور وہ روایت اختیار کرنا چاہیے جو امام کرخی رحؒ نے فرمایا ہے۔ اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اس زمانہ میں اسی پر فتوے ہے کہ حرام بعینہ سے خریدی ہوئی چیز حلال پاکیزہ مگر اُس صورت میں کہ عقد کرتے وقت اُس کی طرف اشارہ کر دے پھر وہی دے بھی دے بس اب وہ شئے ملک خبیث ہوگی اُس کا صدقہ کر دینا واجب ہے اور نیز اُس کو اختیار کرنا چاہیے جو امام ابو حنیفہ رحؒ کا مذہب ہے کہ دو چیزوں کا اس طرح ملا دینا کہ اُن میں امتیاز باقی نہ رہے ہلاک کر دینا ہے جو ملک اور ضمان کا باعث ہے اور وہ اختیار کرنا چاہیے جو اُن سے مروی ہے کہ حلت کا سبب ضمان کا لازم آنا ہے نہ اس کا ادا کرنا ہاں جو چیز ساری نہ ہو سکے اسے بالکل چھوڑنا بھی نہ چاہیے۔

اس زمانہ میں تقویٰ کا مفہوم پس تمام شبہات سے بچنا جبکہ اس زمانے میں ممکن نہیں ہے تو اُن شبہات سے بچنا جن سے بچنا ممکن ہے ثبوتِ تقویٰ کے لیے لازم ہے اس واسطے کہ اطاعت طاقت کے موافق ہوتی ہے پھر جو شخص ان شبہات سے بچتا ہے جو اس کی وسعت میں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اُن باتوں کو جو اُس کی طاقت میں نہیں معاف کر دے اور اس کو متقیوں کا ثواب عنایت کرے۔

وظائف و تنخواہ پر کام کرنے والوں کا رزق اور رہا وظیفہ داروں کا اوقاف یا بیت المال میں سے کھانا سو وہ اور تمام کمائیوں کی طرح ہے کیونکہ بیع اور اجارہ وغیرہ کمائیوں میں جب شرعی شرطوں کی رعایت کی جائے تو جیسے یہ حلال طیب ہوتا ہے ایسے ہی وقف اگر صحیح ہو اور اُس میں وقف کی شرطوں کی رعایت کی جائے تو حلال طیب ہوتا ہے اور ایسے ہی بیت المال اُسی کے لیے حلال ہوتا ہے جو اُس کا اہل ہو اور بقدر کفایت لیا کرے اور کفایت کی تفصیل وہی ہے جو کچھ احیاء العلوم

وغیرہ کتب تصوف میں مذکور ہے اور وقف اور بیت المال اور اس کے علاوہ اور کمائیوں میں اس بارہ میں کچھ فرق نہیں ہے کہ سب حلال طیب ہیں اگر ان میں شرائط شرعی کی رعایت کی جائے اور اگر ان میں شرائط شرعی کی رعایت نہ ہو تو حلال نہیں ہیں۔

اور واقعات میں مذکور ہے کہ جو لوگ قاضی ہیں اور مفتی ہیں اور درس و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور بیت المال میں سے کھاتے ہیں سو یہ لوگ اجرت پر کام کرنے والے نہیں ہیں بلکہ وہ للہ کاروبار کرتے ہیں اور ان کا اجر خدا پر ہے اور ایسے ہی جو کچھ امراء بادشاہ اپنے مال میں سے کسی کو دیں وہ حلال ہے جب تک اس کا حرام بعینہ ہونا معلوم ہو۔

جس رزق کو شریعت برا نہ کہے وہ حلال ہے ہاں حلال کے مرتبے بہت ہیں ایک سے بڑھ کر دوسرا ہے لیکن ہمارے زمانے میں تقویٰ کے بارے میں احتیاطی قول کو اختیار کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ حلال کے بارہ میں اعلیٰ رتبہ کی پرہیز گاری کے موافق نہایت درجہ کا مبالغہ کرنے سے ہمارے زمانے میں بڑا حرج ہوتا ہے اور دین کے اندر حرج نہیں ہے بلکہ شرع سیدھی ترازو ہے سو جس کو شرع برا نہ کہے وہ حلال ہے اللہ کی طرف سے بندوں کے حال پر رحمت ہے اور جب کوئی شریعت سے سند لائے تو پھر یہ کسی کو حق نہیں کہ اس سے انکار کرے کیونکہ اس کا انکار کرنا شریعت کی تحقیر ہے اور جو شخص شرع کی تحقیر کرے تو اس کے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے۔

جب تک حرمت یقینی معلوم نہ ہو تو کھالینا حلال ہے کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے جب یہ امر ثابت ہوگیا تو ورع اور تقوے اس زمانے میں یہ ہے کہ جو چیز جس شخص کے قبضہ میں ہے اسی کی ملک مانی جائے جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز چھینی ہوئی یا چرائی ہوئی ہے تو اگرچہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کے مال میں حرام بھی ملا جلا ہے اس لیے کہ قاضی خان نے اپنے فتاوے میں کہا ہے کہ ایک شخص حاکم کے پاس گیا پس اس کو کوئی کھانے کی چیز دی گئی اگر یہ اس کو نہ معلوم ہو کہ یہی غصب کی ہوئی ہے تو اس کو کھا لینا حلال ہے اس لیے کہ اس کی حرمت معلوم نہیں ہے اور اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اگر معلوم ہو کہ یہ خاص چیز حرام ہے تو کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کو حرمت معلوم ہوگئی ہے۔

کسی نے ابو بکر بلخیؒ سے فقیر کا حال پوچھا کہ اس نے اگر عطیہ سلطان کا یہ جان بوجھ کر لے لیا کہ سلطان نے اس کو چھین کر لیا ہے تو کیا اس کو یہ حلال ہے انہوں نے جواب دیا کہ اگر سلطان نے یہ دراہم دوسرے دراہم میں ملا دئے ہیں تو لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کو خاص وہی چھینے ہوئے درہم بدون ملانے کے دیدئے تو لینا جائز نہیں ہے۔

فقیہ ابو اللیثؒ کہتے ہیں یہ جواب ابو حنیفہ رحمہ کے قول کی بناء پر درست ہے اس لیے کہ ان کے

نزدیک اگر کسی نے کسی قوم سے دراہم چھین کر ایک دوسرے میں ملا دئے تو غاصب مالک ہو جاتا ہے اور اُن کا قرضدار رہے گا اور بستان العارفین میں مذکور ہے کہ عطیہ سلطان کے قبول کرنے میں لوگوں کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے جائز ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ حرام کا مال دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے جائز نہیں ہے۔

جس نے جائز کیا ہے اُس نے تو وہ اختیار کیا ہے جو حضرت علی ابن ابی طالب رضہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سلطان کے پاس حلال اور حرام سب ہی کچھ آتا ہے پس جو کچھ وہ تجھ کو دیتا ہے سو لیلے کیونکہ تجھ کو حلال ہی دیتا ہے، اور حضرت عمر رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جسکو کوئی شخص بے مانگے کچھ دے تو لے لینا چاہیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے رزق دیا ہے۔

اور حبیب رضہ ابن ابی ثابت سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضہ و ابن عباس رضہ کو دیکھا ہے کہ اُن کے پاس مختار کے ہدیے آیا کرتے تھے اور وہ دونوں لے لیتے تھے باوجودیکہ مختار ظلم میں مشہور تھا۔

اور محمد بن الحسن ابو حنیفہ رحمہ سے اور وہ حماد رحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی زہیر بن عبداللہ ازدی کے پاس جبکہ وہ حلوان کا حاکم تھا اپنا اور ابوذر ہمدانی کا وظیفہ لینے گئے امام محمد رحمہ کہتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی شے عطیہ میں بعینہ حرام ہے اور یہی قول ابو حنیفہ رحمہ کا ہے۔

انہترویں مجلس حلال کمائی کی تلاش لازم ہونے کے بیان میں اور یہ کہ کونسی کمائی پاک ہے اور کون سی بُری ہے

کسب حلال کی ترغیب | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک سب سے پاکیزہ تمہارا کھانا وہ ہے جو تمہاری کمائی کا ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ام المومنین حضرت عائشہ رضہ نے روایت کیا ہے اور اس میں کسب حلال کی ترغیب ہے اس لیے کہ پاکیزہ سے مراد یہاں حلال ہے اور کسب کے معنے رزق کی تلاش اور کوشش کے ہیں اور اولاد کو کمائی اس واسطے ٹھہرایا کہ باپ کو اس کی طلب ہوتی ہے اور اُس کے حاصل کرنے میں سعی کرتا ہے پس وہ بھی منجملہ اُس کی کمائی کے ہے لہٰذا اُس کو اولاد کی کمائی میں سے جب کہ محتاج ہو کھا لینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہاں اگر وہ دل سے خوش ہو تو اور بات ہے۔

کسب معاش کو مکروہ کہنے والوں کا استدلال | فقیہ ابو اللیث رحمہ نے بستان العارفین میں کہا ہے بعضے لوگ کسب میں

مشغول ہونے کو مکروہ کہتے ہیں اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص پر عبادت الٰہی کا مشغلہ اور اس پر بھروسہ کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل یہ آیت ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۞ ترجمہ اور نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انس کو مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔ اور فرمایا نبی علیہ السلام نے مجھ پر یہ وحی نہیں آئی کہ مال جمع کیا کروں اور تاجر ہو جاؤں البتہ یہ وحی آئی ہے اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ترجمہ کہ تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور ہو جا سجدہ کرنے والوں میں سے اور بندگی کر اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھ کو موت آ جائے۔

محنت مزدوری کی شرعی حیثیت

اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ اتنی مزدوری کہ اُس کو اور اُس کے عیال کو کافی ہو واجب ہے اگر اس سے زیادہ ہو تو مباح اور زیادہ کی تلاش حرام نہیں ہے بشرطیکہ اُس سے فخر اور ریا مقصود نہ ہو اور اُن لوگوں کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شک فرائض ذمہ پر مقرر کئے ہیں اور اُن کا ادا کرنا بدون ستر عورت اور قوت بدن کے ممکن نہیں اور ستر عورت بدون پوشاک کے اور بدن کی قوت بغیر کھائے پیئے نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ترجمہ اور ہم نے ایسے بدن نہیں بنائے کہ کھانا نہ کھائیں۔ اور میسر آنا قوت اور لباس کا اکثر اوقات بدون کسب کے نہیں ہوتا۔

اور جو دلیل اس کے انکار میں مذکور ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یوں کہیں کہ تجارت یا تو طلب کفایت کے لیے ہے یا قدر کفایت سے زیادہ کے لیے پس اگر طلب کفایت کے لیے ہے تو یہ واجب ہے اس کے کرنے والے کو ثواب دیا جاتا ہے لہذا اس میں مشغول ہونا عبادت میں مشغول ہونا ہے اور اگر طلب زیادت کے لیے ہے تو اگر وہ زیادتی کی طلب کثرت مال اور اس کے جمع کرنے کے لیے ہو نہ خیرات اور حسنات میں خرچ کرنے کے لیے تو یہ دنیا کی طرف توجہ ہے جس کی محبت تمام گناہوں کی سردار ہے پس اس میں مشغولی عبادت کی مشغولی نہیں ہے بلکہ اگر اس میں کچھ فریب اور خیانت ہو تو فسق اور ظلم ہے اور اگر یہ طلب اس لیے ہے کہ اس مال سے فقراء اور ضعفاء کے ساتھ ہمدردی کریں تو یہ شغل عبادات بدنیہ نفلوں وغیرہ کے پڑھنے سے افضل ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی کماتے تھے

پھر بھلا یہ شغل کیونکر عبادت کا شغل نہ ہوگا حالانکہ اختیار میں مذکور ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کمایا کرتے تھے اور اپنی کمائی سے کھاتے تھے۔ پس آدم علیہ السلام نے تو گیہوں بوئے اور اس کو سینچا اور کاٹا اور گاہا اور پیسا اور گوندھا اور پکایا اور کھایا۔ اور نوح علیہ السلام بڑھئی کا پیشہ کیا کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام بزازی کرتے تھے اور داؤد نبی علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے اور سلیمان نبی علیہ السلام برگ خرما کی زنبیل بنایا کرتے تھے اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں اور احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم بری اور بحری

تجارت اور اپنے باغوں کے اندر کام کیا کرتے تھے اور یہ لوگ پیشوا ہیں لہٰذا اُن کی پیروی ضروری ہے اور اُن لوگوں کی طرف کچھ توجہ نہ کی جائے جو اس کا انکار کر کے مسجدوں میں بیٹھ رہے اور اُن کی آنکھیں لوگوں کے مال کو تک رہی ہیں اور اپنا نام متوکل رکھ چھوڑا ہے اور حقیقت میں وہ ایسے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ شرع سے باہر نکل گئے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سند پکڑی ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ترجمہ اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم وعدہ کئے جاتے ہو۔ لیکن وہ اس آیت کے معنے اور مطلب سے جاہل ہیں کیوں کہ آیت میں رزق سے مراد مینہ ہے جو رزق کی پیدائش کا سبب ہے۔

کسب رزق کا حکم کیونکہ اگر ہم پر رزق آسمان سے بے محنت اُترا کرتا تو ہم کو کسب اور اسباب میں سعی کرنے کا حکم نہ ہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ترجمہ جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔ اور ایک اور روایت میں فرمایا ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ترجمہ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا۔ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا گناہوں میں سے بعضے ایسے گناہ ہیں کہ اُن کا طلب معیشت کی فکر کے سوا اور کچھ کفارہ نہیں ہے۔

محبوب تاجر اور ابراہیمؒ سے کسی نے سچے تاجر کا حال پوچھا کہ آیا وہ تم کو محبوب ہے یا عبادت کے لیے یکسو ہو کر بیٹھنے والا تو انھوں نے جواب دیا مجھ کو سچا تاجر محبوب ہے اس لیے کہ وہ جہاد کرتا رہتا ہے اُس کے پاس شیطان ناپ تول اور لینے دینے کی راہ سے آتا ہے پس یہ اُس سے جہاد کرتا ہے۔ اور ابوقلابہؒ نے ایک شخص سے کہا کہ میں تجھ کو اپنی معاش طلب کرتا دیکھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں تجھ کو مسجد کے کونے میں پڑا دیکھوں لیکن تاجر کو یہ نہ چاہیے کہ معاش کے دھندے اُسے آخرت کو بالکل بھلا دیں کہ اُس کی عمر برباد ہو جائے اور تجارت میں ٹوٹا آئے کیونکہ جتنا اُخروی فائدہ اس کا تلف ہو گا اُس کا عوض جو کچھ اُس نے دنیا میں پیدا کیا ہے نہیں ہو سکتا ہے پس اُن لوگوں میں سے ہو جائے جنھوں نے دنیا کی زندگی بعوض آخرت مول لی ہے بلکہ اس کو یوں چاہیے کہ تجارت میں اپنی جان پر ڈرتا رہے اور دنیا سے اپنا آخرت کا حصہ نہ بھولے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ترجمہ اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا میں سے۔

کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اسی میں حسنات حاصل ہو سکتے ہیں اور مسجد اور گھر اور بازار سب کا ایک ہی حکم ہے اور نجات تقویٰ ہی سے ہوتی ہے اور تقوے ہر حال میں پایا جاتا ہے۔

اور ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اللہ سے ڈرتا رہ جہاں تو رہے کیونکہ

تقوے کی باتیں دین کے لیے عزلت نشینوں سے کبھی دُور نہیں ہوتیں اُن کا حال خواہ کیسا ہی بدلتا رہے کیونکہ وہ لوگ اسی میں اپنی نجات اور فائدہ دیکھتے ہیں اور اسی سے اُن کی زندگی اور آرام ہے

ایک مسلمان تاجر کا طرزِ عمل اور تجارت میں اپنی جان پر شفقت کئی امور کی رعایت کرنے سے پوری ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ اس نیت سے کمائے کہ سوال کرنے سے بچتا رہے اور لوگوں کی طرف طمع نہ ہو اور دین کی مدد کرتا رہے اور اپنے عیال کی خبر گیری کرے تاکہ مجاہدوں میں داخل ہووے جیساکہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے عیال کی خبر گیری حلال مال سے کرے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے پس جب اپنے دل میں یہ نیتیں کرے گا تو آخرت کی راہ کا عامل ہو گا پھر اگر اس کو مال ہاتھ لگ گیا تو دنیا اور آخرت دونوں میں نفع ملا اور اگر مال حاصل نہ ہوا تو آخرت ہی کا فایدہ ہو۔

اور دوسرے یہ کہ اپنے پیشے اور تجارت سے فرض کفایہ میں سے ایک فرض کے ادا کرنے کی نیت کرے اس لیے کہ اگر تمام پیشے اور تجارتیں چھوڑ دی جائیں تو طریق بسر اوقات باطل ہو جائے اور خلقت ہلاک ہو جائے کیونکہ سب کی معیشت کا انتظام ایک دوسرے کی امداد اور ہر فریق کی ایک ایک عمل کی ذمہ داری سے ہے اس لیے کہ اگر سب ایک ہی پیشہ پر جھک پڑیں تو باقی پیشے بے کار رہیں اور لوگ ہلاک ہو جائیں لیکن بعضے پیشے تو ضروری ہوتے ہیں اور بعضوں کی اس لیے چنداں ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ دنیا کا عیش اور سنگار ہے تو لائق یہ ہے کہ ضروری پیشے کو اختیار کرے تاکہ اس پیشے کے اختیار کرنے میں ضروریات دین میں سب مسلمانوں کا حاجت روا ہو اور نقاشی اور زرگری اور تمام وہ پیشے جن میں محض دنیا کی زیب و زینت ہے اختیار نہ کرے۔ اور اختیار میں مذکور ہے کہ سب سے عمدہ کمائی کی صورت تجارت ہے پھر کھیتی پھر ہاتھ کی کاریگری چنانچہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "پیشہ فقیری کا بچاؤ ہے" اور بعضوں نے تجارت سے کھیتی کو بہتر کہا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے نہیں دیا مسلمان نے کوئی کھیت اور نہیں لگایا کوئی درخت پس اس میں سے کسی انسان یا چوپایہ یا پرندہ نے کھایا مگر اس کے لیے صدقہ ہو گا۔

اور تیسرے یہ کہ اُس کو دنیا کا بازار اُخروی بازار یعنی مسجد سے نہ روک رکھے پس اس کو یوں چاہیے کہ دن کا پہلا حصہ بازار جانے تک آخرت کے لیے مقرر کرے پس اس وقت میں مسجد کے اندر بیٹھا ہوا ذکر اور وظیفہ میں مشغول رہے تاکہ ان لوگوں میں داخل ہو جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ترجمہ اُن گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا اُن کے بلند کئے جانے کا اور وہاں اُس کا نام پڑھے جانے کا یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام وہ مرد کہ نہیں غافل کرتی ہے اُن کو سوداگری اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے پھر جس وقت ظہر اور عصر کی اذان سُنا کرے تو چاہیے کہ اپنے دھندے سے فارغ ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہو اور جس میں لگا تھا سب چھوڑ دے اس لیے کہ اول وقت امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کا جو ثواب فوت ہوگا اس کے برابر دنیا اور کائنات دنیا نہیں ہو سکتی اور اس قول الٰہی کی تفسیر میں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ترجمہ وہ لوگ کہ نہیں غافل کرتی ہے ان کو سوداگری اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

دنیا کی تجارت آخرت کی تجارت کے خسارے کا سبب نہ بنے یہ آیا ہے کہ وہ لوگ لوہار اور موچی تھے اور ہر ایک کا یہ حال تھا کہ ہتوڑا اُٹھایا یا سوتالی چھوئی اور اذان سُن پائی تو نہ سوتالی نکالتا تھا اور نہ ہتوڑا مارتا تھا بلکہ پھینک پھانک کر نماز کو اُٹھ کھڑا ہوتا تھا اور اُس شخص کی تجارت جو محض طلب کفایت کے لیے کرے دنیا میں عیش کی غرض سے نہ ہو ایسی ہی ہوتی ہے کیونکہ ایسا شخص دنیا کی تجارت کرتا ہے اور اپنی تجارت میں اپنا دین ضائع نہیں کرتا اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ آخرت کا فائدہ بہ نسبت دنیا کے فایدہ کے بدرجہا ادنیٰ طلب کے لائق ہے کیونکہ جو شخص دنیا کو آخرت کی امداد کے واسطے حاصل کرے وہ آخرت کا فائدہ کیونکر چھوڑ دے بلکہ اُس کو یوں لازم ہے کہ بازار اور تجارت کا بہت لالچ نہ کرے کہ بازار میں سب سے پہلے جایا کرے اور سب سے پیچھے آیا کرے کیونکہ معاذ بن جبل رضؓ اور عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ ابلیس اپنے لڑکے زانبور سے یہ کہتا ہے کہ تو اپنی کتاب لے کر بازار میں جا اور وعدہ خلافی اور جھوٹ اور فریب دکمر کو اُن کے سامنے اچھا کر کے پیش کر اور اُس شخص کے ساتھ رہ جو بازار میں سب سے پہلے آئے اور سب سے پیچھے وہاں سے جائے

سب سے بری جگہ بازار اور اس سے بچنے کا طریقہ اور حدیث میں ہے کہ سب سے بری جگہ بازار ہیں اور سب سے بُرا وہ بازاری شخص ہے جو سب سے پہلے آئے اور سب سے پیچھے جائے اور اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھتا رہے کہ کسقدر وقت اس کو کسب کفایت کے لیے کافی ہو گا پس جب اُتنے وقت میں کام کر چکے تو چلا آئے اور آخرت کی تجارت میں لگ جائے پہلے زمانے کے صلحاء ایسا ہی کیا کرتے تھے پس ان میں سے بعضے تو ظہر کے بعد ہی چلے آتے تھے اور کوئی عصر کے بعد چلا آتا تھا اور کوئی ہفتہ بھر میں بجز ایک یا دو روز کے کام نہ کرتا تھا اور اسی پر اکتفا کرتے تھے۔

تجارت میں ظلم کا مطلب اور اس سے بچنے کا حکم | پھر پیشہ ور کو چاہئے کہ اپنے معاملہ میں عدل کا لحاظ رکھے اور ظلم سے بچتا رہے اس لیے کہ بعضے وقت معاملہ ایسے طور پر ہوتا ہے کہ گو مفتی اسکی صحت اور انعقاد کا حکم لگاتا ہے لیکن اس میں ظلم ہوتا ہے جس سے کرنے والے پر غضب الٰہی پیش آتا ہے اس لیے کہ ہر نہی فساد عقد کو مقتضی نہیں ہوتی اور ظلم سے وہ بات مراد ہے جس میں غیر کا نقصان مطلوب ہو لہٰذا ہر بات جس میں غیر کا نقصان ہو وہ ظلم ہے اور عدل وہی ہے جس سے کسی کو کچھ نقصان نہ ہو اور قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے پس جس بات کا معاملہ اس کے ساتھ کیا گیا اگر وہ اس پر شاق ہو اور اس کے دل پر گراں گذرے تو اس کو چاہیے کہ ویسا معاملہ غیر سے نہ کرے بلکہ یوں لازم ہے کہ اس کے نزدیک اپنا روپیہ اور غیر کا روپیہ یکساں ہو یہ تو مجمل بیان ہے اور رہی تفصیل سو کئی باتوں میں ہے۔

تاجر کا اپنے مال کی بیجا تعریف کرنا ظلم ہے | اول یہ کہ مال کی بیجا تعریف نہ کیا کرے کیونکہ اگر ایسی تعریف کی جو اس میں موجود نہیں ہے پس اگر خریدار نے اس کو نہ مانا تو وہ سراسر جھوٹ ہے اور اگر خریدار نے مان لیا تو اب وہ باوجودیکہ جھوٹ ہے دھوکے بازی اور ظلم بھی ہے اور اگر اس کی ایسی تعریف کی جو اس میں موجود ہے تو اگر خریدار کو معلوم ہو تو یہ فضول بکواس اور بے فائدہ بات کرنا ہے اور اس کا حساب لیا جائے گا اس لیے کہ جو بات انسان کرتا ہے اس سے اس کا حساب لیا جائے گا۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ترجمہ نہیں بولتا کوئی بات مگر ہے اس کے پاس نگہبان حاضر۔ اور اگر خریدار کو بیان کئے وہ بات معلوم نہ ہو تو جتنی بات اس میں موجود ہو بلا مبالغہ اور بڑھائے اتنا کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اس بیان سے غرض صرف یہ ہو کہ اپنے مسلمان بھائی کو بتا دے تاکہ اس شے کی اسے رغبت ہو تو اس نے یمین غموس کھائی اور یہ ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ آبادی کو ویران کر کے چٹیل میدان بنا دیتی ہے اور اگر سچا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانا بنایا اور برا کیا اس لیے کہ دنیا اس بات سے حقیر ہے کہ بے ضرورت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کو رونق دی جائے۔

مال کا عیب چھپانا بھی ظلم ہے | دوسرے یہ کہ اس کے عیوب اور اس کی پوشیدہ باتوں میں سے کچھ بھی نہ چھپائے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کے تمام عیب چھپے ہوں خواہ ظاہر سب بیان کر دے کیونکہ اگر کوئی عیب اس میں سے چھپائے گا تو ظالم دھوکہ باز اور خیر خواہی کا تارک ٹھہرے گا اور دھوکہ بازی حرام ہے اور خیر خواہی واجب ہے اور اگر تھان کا اچھا پلا دکھلایا اور دوسرا پلا چھپا لیا تو دھوکہ باز ہوا اور ایسے ہی اگر موزہ کے جوڑے میں سے ایک اچھا والا موزہ پیش کر دے یا ایک اچھی والی جوتی دکھلائے

یا اور اسی طرح تو ان صورتوں میں دھوکہ باز ہوگا اور ایسے ہی اگر اسباب کو اندھیرے میں پیش کیا اور حاصل یہ ہے کہ دغا تمام بیوع اور صنعتوں میں حرام ہے پس کاریگر کو نہیں چاہیے کہ اپنے کام میں ایسی سستی کرے کہ اگر کوئی اور اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرے تو کبھی پسند نہ کرے بلکہ اس کو یہ مناسب ہے کہ اپنا کام بہت درست اور مضبوط بنائے اور اگر اس میں کوئی عیب ہو جائے تو اُس کا عیب بیان کر دے اسی سے حرام دغا اور خلق پر ظالم ہونے سے بچ جائے گا اور اسی قسم سے وہ ہے جو امام احمدؒ سے مروی ہے کہ اُن سے کسی نے ایسے رفو کا مسئلہ پوچھا کہ کسی طرح معلوم نہ ہو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ بیچنے والے کو جائز نہیں کہ اُس کو چھپائے اور رفو کرنا جب ہی حلال ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ بیان کر دے گا اور چھپانے کا نہیں یا بیچنے ہی کا ارادہ نہ ہو اور دغا کی حرمت پر یہ روایت دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام ایک شخص پر گذرے جو غلہ بیچتا تھا پس آپ کو پسند آیا پھر آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو انگلیوں میں تری معلوم ہوئی فرمایا یہ کیا اے غلہ والے اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ بوندیں پڑ گئی ہیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس تری کو اوپر کے رُخ کیوں نہ کر دیا تاکہ اُس کو سب لوگ دیکھتے جو کوئی ہم کو دغا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مسلمانوں سے خیر خواہی کا حکم اور عیوب کو ظاہر کر کے خیر خواہی کے وجوب پر یہ دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام نے جب حضرت جریرؓ سے اسلام پر بیعت لی اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے اُن کو کھینچا اور مسلمانوں سے خیر خواہی کرنے کی شرط کی اور جریرؓ کا یہ حال تھا جب اسباب بیچنے کھڑے ہوتے تو اُس کے عیب دیکھ لیتے اور خریدار کو بتلا دیتے اور اُس سے کہہ دیتے کہ چاہے لو اور چاہے رہنے دو اور واثلہ بن الاسقعؓ کھڑے تھے کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی تین سو درہم کو بیچی اور واثلہؓ کو خبر نہ ہوئی اور خریدار اونٹنی لے کر چلدیا پس واثلہؓ نے پیچھے سے دوڑ کر پکار کر کہا اے شخص یہ اونٹنی تو نے سواری کے لیے لی ہے یا گوشت کے لیے اُس نے جواب دیا سواری کے واسطے پس واثلہؓ نے کہا اس کے پاؤں میں ایک زخم ہے میں نے دیکھا ہے یہ خوب نہیں چل سکتی پس وہ لوٹ کر پھیرنے لگا پس بائع نے سو درہم قیمت میں سے کم کر دیئے اور واثلہؓ سے کہا اللہ تم پر رحم کرے تم نے میرا سودا بگاڑ دیا واثلہؓ نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں ہے کہ کوئی شے بیچے مگر جبکہ جو کچھ اس میں ہے بیان کر دے اور نہ عیب کے جاننے والے کو حلال ہے مگر یہ کہ بیان کر دے اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ لوگ یہ خوب سمجھتے تھے کہ خیر خواہی اُن شرطوں میں سے ہے جو اُن کی اُس بیعت میں داخل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر ہوتی تھیں۔

خیر خواہی کا سبب اور خیر خواہی یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے واسطے پسند نہ کرے مگر وہی بات

جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور یہ بات اکثر لوگوں کو دشوار گذرتی ہے اور بدون دو باتوں کے اعتقاد کئے ہوئے ہرگز کسی پر آسان نہیں ہوسکتی۔ ایک تو یہ یقین کرے کہ عیوب کو چھپانا اور مال کو رونق دینا رزق نہیں بڑھاتا۔ بلکہ اس کو مٹاتا ہے اور برکت کھوتا ہے اور جو کچھ کئی مرتبہ میں دغا بازیوں سے جمع کرتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ ایک ہی دفعہ ہلاک کر دیتا ہے یا تو جلا کر یا ڈوب کر یا چوروں اور ظالموں یا کفار کے چھین لینے سے۔ اور دوسرے یہ یقین کرے کہ آخرت کا فائدہ دنیا کے فائدہ سے بہتر ہے اور دنیاوی مال کے فائدے عمر ختم ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں اور اُن کا وبال اور گناہ سر پہ رہ جاتا ہے پھر عاقل بھلا کیونکر پسند کرے گا کہ ادنیٰ چیز کو اعلیٰ سے بدل لے۔

اگر کوئی یہ کہے جبکہ بیچنے والے پر یہ واجب ہوا کہ اپنے مال کے عیب کہہ دیا کرے تو اس کا معاملہ کبھی پورا نہ ہوگا تو اُس کی کیا سبیل ہے تو جواب یہ ہے کہ تاجر جب یہ عہد کرے کہ عمدہ شئے کے سوا اور کچھ مول نہ لیا کرے کہ اگر اپنے لیے روک رکھے تو خوش رہے تو جب اس کو بیچے گا اور تھوڑے سے نفع پر قناعت کرے گا اس میں برکت ہوگی دغا فریب کی کچھ حاجت نہ پڑیگی پس جس کی یہ عادت ہو جائے گی وہ عیب دار چیز مول ہی نہ لے گا اور اگر اتفاقاً اس کے ہاتھ آ جائے تو اُس کا عیب بیان کر دے اور اُس کی قیمت ہی پر قناعت کرے اور یہ بات بیوپاریوں کو اس لیے مشکل ہوتی ہے کہ وہ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بہت فایدہ چاہتے ہیں اور یہ بات بلا فریب کے حاصل نہیں ہوتی لیکن جو شخص تھوڑے نفع پر قناعت کرتا ہے اُس کو یہ آسان ہے۔

متقدمین صلحاء کا طرز عمل | اور متقدمین صلحاء کی ایسی باتیں بہت منقول ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ابن سیرین نے ایک بکری بیچی اور خریدار سے کہا میں اس کا عیب تجھ سے بیان کرتا ہوں یہ بکری گھاس کو پاؤں سے روند کر خراب کر دیتی ہے، اور حسن بن صالح نے ایک لونڈی بیچی اور خریدار سے کہا کہ اس نے ہمارے پاس ایک دفعہ خون ڈالا تھا اور دینداروں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور جو کوئی اس پر قادر نہ ہو اُس کو چاہیے کہ معاملہ چھوڑ دے یا دوزخ کے لیے اپنے آپ کو مقرر کرے۔

مقداروں میں کمی بیشی کی صورتیں اور ان کی ممانعت | اور تیسرے یہ کہ مقدار میں کمی بیشی نہ کرے اور یہ امر پیمانہ اور ترازو کی درستی اور دونوں میں احتیاط کرنے سے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

ترجمہ خرابی ہے گھٹانے والوں کی کہ وہ جب ناپ لیں گے لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ناپ دیں اُن کو یا تول دیں اُن کو تو گھٹا کر دیں۔

اور اس سے اس کے سوا اور کوئی بچاؤ نہیں کہ دیتے ہوئے کچھ بڑھا دے اور لیتے ہوئے کچھ کم لے اس لیے کہ بالکل درست بہت کم ہو سکتا ہے پس جو شخص اپنا حق پورا لینے میں مبالغہ کریگا تو عجب نہیں کہ حق سے بڑھ جائے اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی شے خریدتے تو ثمن تولنے والے سے فرماتے ثمن تول دے اور جھکتا تول اور بعضے متقدمین کہا کرتے تھے کہ ہم ایک دانہ کے عوض میں خرابی نہیں خریدتے لہذا جب آپ لیتے تو بمقدار ایک دانے کے کم لیتے اور اگر اور کسی کو دیتے تو بمقدار دانہ کے زیادہ دیتے اور کہتے اس شخص پر افسوس ہے جو جنت کو ایک دانہ کے عوض میں دیدے جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے پس جس نے گیہوں میں مٹی یا تنکے ملا دیئے پھر ناپ کر دیا تو وہ پیمانہ کا گھٹانے والا ہے اور جو قصائی گوشت کے ساتھ ہڈی یا اور کچھ چھیچھڑے وغیرہ تول دے جس کی رسم نہ ہو تو وہ وزن گھٹانے والا ہے اور اسی پر تمام اندازہ کی چیزوں کو قیاس کر لو یہاں تک کہ گز جس سے بزاز لین دین کیا کرتے ہیں اگر ناپتے ہوئے جب آپ خریدے کپڑا ڈھیلا کر دے اور کھینچے نہیں اور جب دوسرے کے ہاتھ بیچے تو ڈھیلا نہ کرے اور کھینچے تو یہ سب وزن گھٹانے میں شامل ہے جس کے کرنے والے کو خرابی پیش آئے گی۔

خرید و فروخت میں موجودہ نرخ سچ سچ بتانا ضروری ہے اور چھٹے یہ کہ موجودہ نرخ سچ سچ کہا کرے اس لیے کہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بائع سے یا خریدار سے موجودہ نرخ چھپائے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر بائع سے نرخ کی گرانی یا خریدار سے ارزانی چھپا ڈالے کیونکہ جو ایسا کریگا وہ ان ظالموں میں سے ہے جو واجب خیر خواہی کے تارک ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان کا حکم کیا ہے چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ " بیشک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل یعنی انصاف اور احسان یعنی بھلائی کا"

عدل فقط نجات کا اور احسان کامیابی اور حصول سعادت کا سبب ہے اور عدل فقط نجات کا سبب ہے اور اصل مال کی سلامت رہنے کے قائم مقام ہے۔ اور احسان کامیابی اور حصول سعادت کا سبب ہے اور نفع کے قائم مقام ہے پس جس طرح کہ وہ شخص عاقل شمار نہیں کیا جاتا ہے جو معاملات دنیا میں اپنے اصل مال پر قناعت کرے ایسے ہی معاملاتِ اخروی میں ہے۔ لہذا مومن کو مناسب نہیں ہے کہ صرف عدل پر اکتفا کرے اور احسان کا طریقہ چھوڑ دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ " اور بھلائی کر جیسے بھلائی کی ہے اللہ نے تیرے ساتھ" اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ "بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے احسان کرنے والوں سے"

احسان اور اس کی مختلف صورتیں اور اس جگہ ہمارے کلام میں احسان سے وہ مراد ہے جس سے معاملہ میں منفعت ہو اور احسان واجب نہیں ہے بلکہ وہ خوبی کی بات ہے اور واجب صرف عدل اور ظلم نہ کرنا ہی ہے اور معاملہ کرنے والا احسان کا مرتبہ ان چند امور میں سے کسی ایک سے پاتا ہے۔

اوّل دوسرے کو نقصان پہنچانے میں پس یوں مناسب ہے کہ اپنے معاملہ کرنے والے کو اتنا نقصان نہ دے جس قدر باعتبار عادت نہ کیا کرتے ہوں یہاں تک کہ اگر خریدار اپنی ضرورت کی وجہ سے معمولی نفع سے زیادہ دے تو بائع کو چاہیے کہ اس کے قبول کرنے سے باز رہے اس لیے کہ زیادہ نفع لینا جبکہ دغابازی نہ ہو اگرچہ ظلم نہیں ہے لیکن احسان کا ترک ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ جو کوئی تھوڑے نفع پر قناعت کرتا ہے تو اس کی بکری بہت ہونے لگتی ہے اور بکری کی کثرت سے بہت فائدہ ہوتا رہتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔

اورؔ دوسرے نقصان اٹھانے میں پس جو شخص غلہ یا اور مال فقیر سے خریدے اور نقصان اٹھائے اور اس میں تساہل کرے تو وہ اس کا محسن ہوگا اور اس قول نبی علیہ السلام میں داخل ہوگا کہ رحم کرے اللہ اس پر جو نرمی سے کرے خرید و فروخت کو لیکن جو شخص کسی مالدار سوداگر سے کوئی چیز خریدے جو معمولی فایدہ سے زیادہ مانگتا ہو تو اس سے نقصان اٹھانا قابل تعریف نہیں بلکہ بغیر دنیوی اور اُخروی فائدے کے مال کا ضائع کرنا ہے اور حدیث میں آچکا ہے کہ نقصان زدہ کی نہ تعریف ہے اور نہ ثواب ہے اور کمال تو یہ ہے کہ نہ کسی کو نقصان دے اور نہ آپ نقصان اٹھائے اور سلف صالحین اول تو خریدتے ہوئے خوب جھگڑا کیا کرتے تھے پھر اکثر مال بخش دیتے تھے پس ان میں سے کسی سے پوچھا گیا خریدتے وقت تو ذرا سی چیز پر جھگڑتے ہو پھر بہت کچھ بخش دیتے ہو تو اس کی پروا نہیں کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ بخشنے والا تو اپنی مہربانی سے عطا کرتا ہے اور نقصان اٹھانے والا اپنی عقل ضائع کرتا ہے۔

اورؔ تیسرے ثمن اور تمام قرضوں میں اور اس میں احسان کبھی تو درگزر کرنے میں ہوتا ہے اور کبھی مہلت دینے اور دیر کرنے میں اور کبھی کھرا روپیہ لینے کے بارہ میں تساہل کرنے میں اور یہ سب باتیں محبوب اور مرغوب ہیں کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے رحم کرے اللہ نرمی سے بیع کرنیوالے نرمی سے وصول کرنے والے پر لہٰذا اس کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو غنیمت جانے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا درگزر کر درگزر کیا جائے گا تجھ سے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے مہلت دی تنگ دست کو یا اس کو معاف کیا تو اس سے اللہ تعالیٰ آسانی سے حساب لے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو اللہ اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا اس روز کہ سوا اس سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا پس یہ طریقہ تھا سلف کی

تجارت کا جواب مٹ گیا پس جو شخص اس زمانے میں اس کو پھر قائم کرے تو وہ اُن میں سے ہوگا جس نے یہ سنت زندہ کی اُس کے لیے فضلِ الٰہی سے بہت رحمت کی اُمید ہے۔

سترویں مجلس احتکار کی حرمت اور اُسکے متعلق شرعی احکام کے بیان میں

ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے احتکار کیا وہ خطاوار ہے یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے عمر بن عبداللہ رضہ نے روایت کی ہے اور معنے اس کے یہ ہیں جو شخص وہ غلہ جمع کرے جو شہر کو لایا جاتا ہے اور اس کو اس نیت سے روک رکھے کہ گرانی کے وقت بیچے گا تو وہ گنہگار ہے کیونکہ اس میں سب کا حق ہے اور وہ اُس کو روک کر اور اُس کو نہ بیچ کر اُن کا حق باطل اور اُن کا حال تنگ کیا جاہتا ہے اور یہ ظلم عام ہے اور ایسا شخص ملعون ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ غلہ لانے والا رزق دیا جاتا ہے اور غلہ روکنے والا ملعون ہے۔

پس بے شک نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرما دیا ہے کہ جو شخص اسباب اور رزق لا لاکر تحصیلِ فائدہ کے لیے بیچتا ہے اُس کو نفع ہوگا اور کچھ اُس پر گناہ نہیں ہے اس لیے کہ سب خلقت اس سے فائدہ پاتی ہے پس اُس کو اُن کی دعا کی برکت پہنچے گی اور جو شخص تمام غلہ جو شہر کو آتا ہے خرید لیتا ہے اور اس نیت سے روک رکھتا ہے کہ گرانی کے وقت بیچے تو وہ ملعون ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے اور جب تک ایسا کرتا رہے گا اُس کو کبھی برکت نہ ہوگی۔

قیمت متعین کرنا اور کنٹرول کرنا ناجائز ہے

پھر اگر اس کا یہ مقدمہ قاضی تک جائے تو قاضی اُس کو اتنے غلہ کو مناسب قیمت سے بیچ دینے کا حکم دے گا جو اُس کے اور اُس کے عیال کو فراغت کے ساتھ کھانے سے زیادہ ہو کہ اُس سے یہ کہے کہ اس کو بیچ ڈال جیسے کہ لوگ بیچتے ہیں اور بھاؤ نہ ٹھہرائے اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا قول ہے تم بھاؤ معین نہ کرو کیوں کہ اللہ ہی بھاؤ مقرر کرنے والا تنگی اور فراخی کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔

اور اس حدیث میں نرخ معین کرنے کی بڑی ممانعت ہے اس لیے کہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نرخ کی تعیین کا مہتمم خود اللہ تعالیٰ ہے اس کو بندوں میں سے اُس نے کسی اور کے حوالے نہیں کیا ہے لہٰذا اُن کو یہ حق نہیں ہے کہ اس میں تکلیف کریں اور اگر کریں گے تو قضائے الٰہی کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے بجز تنگی اور سختی عذاب کے اُن کو اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

پس اس بیان کے موافق قاضی کو چاہیے کہ نرخ مقرر نہ کرے اس لیے کہ ثمن بائع کا حق ہے لہٰذا اُس کی مقدار کی تعیین اُسی کے حوالہ ہے پس قاضی کو نہیں چاہیے کہ اس کے حق میں دخل دے۔

نرخ مقرر کرنے کی ایک صورت کی اجازت | ہاں مگر جبکہ عام لوگوں کا ضرر ہوتا ہو کہ مال والے اس کی قیمت میں حد سے بہت بڑھے جاتے ہوں کہ دو چند قیمت کو بیچنے لگیں تو اب قاضی اہل رائے اور اہل بصیرت کی صلاح سے لوگوں کا حق بچانے کے لیے نرخ متعین کر دے پھر اگر کسی نے ان میں سے قاضی کے بھاؤ پر بیچا تو اگرچہ بیع زبردستی نہیں ہوئی ہے لیکن اگر اس بھاؤ سے کم کرنے پر یہ خوف ہو کہ قاضی اس کو مارے گا تو مشتری کو بائع کا بیچا ہوا مال حلال نہیں ہے کیونکہ یہ بھی زبردستی ہی کے حکم میں ہے لہذا مشتری کو لازم ہے کہ خریدتے وقت اس سے یہ کہہ دے میرے ہاتھ اپنی مرضی کے موافق بیچ دے اس وقت جتنے کو بیچے گا حلال ہوگا۔

احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کے لیے حکم | پس اس بنا پر قاضی کو لازم ہے کہ جب اس کے پاس غلہ روکنے والے کا مقدمہ آئے تو نہ سزا دینے میں جلدی کرے اور نہ بھاؤ مقرر کرنے میں بلکہ احتکار سے منع کرے اور اس سے ڈانٹ دے اور بیچ ڈالنے کا حکم دے اور اگر حکم نہ مانے تو اس کو نصیحت کرے اور دھمکائے اور اگر پھر بھی نہ مانے اور نہ بیچے تو اس کو قید کرے اور تنبیہ کرے یہاں تک کہ اپنے فعل قبیح سے باز آجائے کیونکہ اس بات کے کرنے سے جو اس کو حلال نہیں سزا کا مستحق ہوگیا ہے اور اس میں کوئی حد تو مقرر ہی نہیں تاکہ ناچار سب لوگوں سے ضرر دفع کرنے کے لیے تعزیر دیا جائے بلکہ صحیح یہ ہے اگر وہ آپ نہ بیچے تو سب فقہا کے نزدیک قاضی بیچ ڈالے اور یہ اس چیز کا حکم ہے جس کا روک رکھنا حاجت کے وقت مضر ہو جیسے آدمیوں اور جانوروں کا رزق جیسے گیہوں اور جَو اور چھوہارے اور انجیر اور کشمش وغیرہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں جس چیز کا روک رکھنا لوگوں کو نقصان پہنچائے خواہ خوردنی ہو یا غیر خوردنی یہ سب احتکار ہے اس کا روکنا جائز نہیں ہے اگرچہ کپڑا ہو یا سونا چاندی۔

ذخیرہ اندوزی کا تعین اور مذمت | اور روک رکھنے کی مدت کوئی کہتا ہے چالیس دن ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے احتکار کیا چالیس دن بیشک وہ اللہ سے بیزار ہوا اور اللہ اس سے بیزار ہوا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے چالیس روز تک احتکار کیا پھر اس نے وہ چیز صدقہ کر دی تو یہ صدقہ اس کے احتکار کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔

اور کوئی کہتا ہے ایک مہینہ ہے اور یہ مدت سزائے دنیاوی کے حق میں ہے اور رہا گناہ وہ بہر صورت ہوتا ہے اگرچہ مدت کم ہو اور جو اپنی زمین کا غلہ جمع کر رکھے تو وہ محتکر نہیں ہوتا اس واسطے کہ یہ صرف اسی کا حق ہے اس سے عوام کا حق متعلق نہیں ہے لیکن اگر لوگوں کو اس کی حاجت ہو تو افضل یہی ہے کہ بیچ ڈالے اور اگر بیع سے باز رہا تو بُری نیت اور مسلمانوں پر کم شفقت ہونے کی وجہ سے بُرا کیا اور جو کچھ کہ اور شہر سے لائے تو اس میں اختلاف ہے اور احتیاطاً اسی روز کے بھاؤ سے

بیچ ڈالنے میں ہے تاکہ وہ ثواب پائے جس کا نبی علیہ السلام کے اس قول میں وعدہ ہے۔" جو کوئی باہر سے غلہ لایا اور اُسی روز کے بھاؤ سے بیچ ڈالا تو گویا اس نے وہ تمام صدقہ کردیا" اور ایک اور روایت میں ہے "گویا اُس نے غلام آزاد کردیا"

ایک حکایت | اور کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ شہر واسط میں تھے پس انہوں نے ایک کشتی گیہوں کی بصرہ کو روانہ کی اور اپنے گماشتہ کو لکھ بھیجا کہ اس غلہ کو جس دن بصرہ میں جائے اُسی دن بیچ دینا گلے دن تک نہ رکھنا اتفاق سے اُس دن بھاؤ ارزاں تھا پس تاجروں نے اس سے کہا اگر ایک ہفتہ رہنے دو تو کئی گونہ فائدہ ہو جائے اُس نے ایک ہفتہ روک لیا جس سے کئی گونہ فائدہ ہوا پس مالک کو اس کی خبر لکھ بھیجی مالک نے گماشتہ کو لکھا اے شخص ہم نے تو تھوڑے سے نفع پر دین کی سلامتی کے لیے قناعت کی تھی اور تو نے اُس کے خلاف کیا پس جب خط تجھ کو پہنچے وہ سب مال لے اور بصرہ کے فقیروں پر خیرات کر دے شائد برابر سرابر ہو کر میں احتکار کے گناہ سے چھوٹ جاؤں۔

اور اس سے معلوم ہوگیا کہ احتکار بہرحال کراہت سے خالی نہیں اور اگرچہ غلہ بہت موجود ہو اور کھانا کثرت سے ملتا ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو اور نہ اس کی اُن کو کچھ رغبت ہو اور یہ اس لیے کہ محتکر اسباب ضرر رسانی یعنی بھاؤ کے چڑھ جانے کا منتظر رہتا ہے اور اسباب ضرر کا انتظار کرنا لیکن ہاں وہ اس سے کمتر ہے۔

غلہ کی تجارت کی ایک غلط صورت | اور حاصل یہ ہے کہ غلہ اور رزق کی تجارت نفع کے واسطے اچھی نہیں ہے بلکہ اور چیزوں کی تجارت سے نفع طلب کرنا چاہیے اور اس تفصیل کے موافق جَلَب کا لینا احتکار ہی کے حکم میں ہے اور جَلَب جیم اور لام کے زبر سے وہ چیز ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لائی جائے پس وہ مال جب شہر کے پاس آپہنچے تو پھر آگے بڑھ کر وہاں جا کر خریدنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے سب کا حق متعلق ہے اور آگے بڑھ کر خریدلینے والا ان کا حق باطل اور ان کو تنگ کرنا چاہتا ہے حالانکہ نبی علیہ السلام تلقی جلب سے منع کرچکے ہیں اور فرمایا ہے کہ رسد کو آگے بڑھ کر مت خریدو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اسباب کو خریدنے نہ جاؤ جب تک بازار میں نہ اُترے۔

اور یہ جب ہے کہ آنے والوں سے نرخ نہ چھپائے اور اگر اُن کو بھاؤ غلط بتایا اور ان کا مال کم قیمت پر اُن سے خرید لیا تو اب کئی کراہتیں جمع ہوں گی اور حرمت سخت ہو جائے گی اس لیے کہ یہ عمل حرام خیانت میں داخل ہے اور خلوص واجب کے برخلاف ہے جس کی یہ تفسیر ہے کہ اپنے بھائی کے واسطے پسند نہیں کرتا بلکہ یہ ظلم ہے اس واسطے کہ جس میں کسی مسلمان کا نقصان ہوتا ہو وہ ظلم ہے اور عدل یہ ہے

کہ کوئی اپنے بھائی مسلمان کو نقصان نہ دے اور اس کے واسطے پسند نہ کرے مگر وہی جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ پسند کرے اپنے بھائی کے واسطے وہی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے بعضے علماء کہتے ہیں جس شخص نے کوئی شے ایک روپیہ کو بیچی پس اگر وہ شے ایسی ہے کہ خود آپ آٹھ آنہ سے زیادہ کو ہرگز نہ لیتا پس وہ اُن لوگوں میں سے ہوگا جنہوں نے اُس خیر خواہی کو جس کا حکم ہے چھوڑ دیا اور اس نے اپنے بھائی کے لیے وہ بات پسند کی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حکایت ہے کہ یونس ابن عبید اللہ کے پاس مختلف قیمت کی چادریں تھیں بعضی چار سو کی اور بعضی دو سو کی پس یونس رحمہ نماز کو چلے گئے اور اپنے بھتیجے کو دکان میں بٹھا دیا اتنے میں ایک اعرابی نے آکر چار سو درہم کی چادر مانگی اس لڑکے نے دو سو والی اُس کے سامنے کر دی اس نے پسند کی اور چار سو کو خرید کر لی اور چل دیا آگے اس کو یونس رحمہ مل گئے اور اپنی چادر اس کے ہاتھ میں دیکھ کر پہچان لی پس اُس سے پوچھا تم نے کتنے کو خریدی ہے اُس نے جواب دیا چار سو کو یونس رحمہ نے کہا یہ چادر دو سو سے زیادہ کی نہیں ہے پس لوٹ چل تاکہ اسے پھیر دو اُس نے جواب دیا یہ چادر ہمارے شہر میں پانچ سو روپیہ کی ہے اور میں اس کو پسند کرتا ہوں اور میں نہیں پھیرتا اس پر یونس رحمہ نے کہا تو نے اگرچہ پسند کر کے لی ہے لیکن دین کی خیر خواہی دنیا وما فیہا سے بہتر ہے پس اُس کو دکان پر پھیر لائے اور دو سو روپے پھیر دئے پھر بھتیجے کی طرف متوجہ ہو کر کہا تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا کہ ثمن کے برابر تو نے نفع لیا اور مسلمانوں کی خیر خواہی ترک کر دی اس پر اُن کے بھتیجے نے جواب دیا خدا کی قسم اُس نے تو بلا پسند کئے نہیں لی تھی یونس رحمہ نے کہا تو پھر تو نے اُس کے لیے وہ بات کیوں نہ پسند کی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے

دوسری حکایت اور اس سے بڑھ کر وہ ہے جو ایک شخص تابعی کی حکایت منقول ہے کہ وہ بصرہ میں تھے اور ان کا ایک غلام سوس میں تھا جو ان کے پاس شکر بھیجا کرتا تھا پس اُن کے غلام نے اُن کو لکھا کہ اس سال گنے کی فصل ماری گئی ہے شکر خرید لینا اس میں بہت نفع ہوگا لہذا انہوں نے ایک شخص سے بہت سی شکر خرید لی پھر جب وقت آیا تو بیچی تیس ہزار درہم کا نفع ہوا پس وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور رات تمام رات دل میں سوچتے رہے اور کہا کہ میں نے تیس ہزار درہم نفع لیے اور ایک مرد مسلمان کی خیر خواہی چھوڑ دی پس جب فجر ہوئی تو تڑکے ہی اُس کے پاس جا کر تیس ہزار درہم اُس کو دے دئے اور کہا تجھ کو خدا اس میں برکت دے اُس نے کہا یہ درہم میرے کیونکر ہو گئے جواب دیا میں نے تجھ سے اصل حال چھپا لیا تھا شکر اُس وقت مہنگی ہو گئی تھی اُس نے کہا خدا تم پر رحم کرے اب تم نے مجھ کو بتایا میں نے تمہیں حلال کئے پس وہ اپنے گھر چلے آئے پھر سوچے اور کہا یہ تو میں نے اُس کے ساتھ کوئی خیر خواہی نہ کی شاید اُسے شرم آئی ہو اور اس لیے اُس نے مجھ کو دے دیے ہوں پھر تڑکے اُس کے پاس جا کر

کہا خدا تجھ کو معاف کر دے اپنا مال لے میرے دل کو یہی پسند آتا ہے پس اُس نے ان سے تیس ہزار درہم لے لیے۔

بائع سے بھاؤ کی گرانی اور خریدار سے ارزانی چھپانا ظلم ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو یہ درست نہیں کہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر بائع سے بھاؤ کی گرانی اور خریدار سے ارزانی چھپالے کیونکہ جو کوئی ایسا کرے گا وہ ظالم اور خائن اور واجب خیر خواہی کا چھوڑ دینے والا ہے کیونکہ معاملہ بعضے وقت ایسے طور پر ہوتا ہے کہ مفتی تو اُس کے درست اور منعقد ہو جانے ہی کا فتوے دیتا ہے لیکن اس میں ظلم ہوتا ہے جس سے اُس کے کرنے والے کو غضب الٰہی کا سامنا ہوتا ہے اس لیے کہ ہر ممانعت تو عقد کے فاسد ہونے کو مقتضی نہیں ہوتی جیسے۔

جمعہ کی اذان کے بعد خرید وفروخت کا حکم شرعی جمعہ کے روز پہلی اذان کے وقت بیچنا کہ یہ بیع اگرچہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں سعی واجب میں دیر ہوتی ہے یہ جب ہے کہ دونوں بیٹھ جائیں یا کھڑے رہ کر بیع کریں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ترجمہ جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑو بیچنا" ہاں اگر دونوں چلتے چلتے بیع کرلیں تو اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

نجش کی صورت اور حکم اور ایسے ہی نجش مکروہ ہے اور نجش یہ ہے کہ سودے کے اپنی قیمت تک پہنچ جانے کے بعد ایسا شخص قیمت بڑھادے جس کو خریداری منظور نہ ہو تاکہ دوسرے کو اس میں رغبت پیدا ہو اور یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں ایک مسلمان کو دھوکا دینا اور اُس پر ظلم کرنا ہے باوجودیکہ نبی علیہ السلام نے نجش سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لَا تَنَاجَشُوْا نجش نہ کرو یہ جب ہے کہ مال اپنی قیمت پر آچکا ہو اور اگر ابھی اپنی قیمت پر نہیں آیا اور اس شخص نے قیمت بڑھادی جس کو خریدنا مقصود نہیں یہاں تک کہ مال اپنی پوری قیمت کو پہنچ گیا تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

نرخ طے ہو جانے کے بعد مزید بڑھانے کا حکم اور ایسا ہی فریقین کے کسی نرخ پر راضی ہو جانے کے بعد کچھ بڑھانا مکروہ ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی کی خرید پر کوئی بھاؤ نہ کرے اور یہ نہی چونکہ بصورت نفی ہے اس لیے اس میں زیادہ مبالغہ ہے ہاں اگر ابھی ایک دوسرے کی طرف مائل نہیں ہے تو کسی اور کو کچھ مضائقہ نہیں کہ بھاؤ کرکے خریدلے کیونکہ یہ نیلام کی صورت ہے اور اس میں کچھ کراہت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارہ میں حدیث آئی ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک پیالہ اور ٹاٹ بطور نیلام بیچا۔

آڑھت کا حکم اور ایسے ہی شہر والے کا گاؤں والے کی طرف سے بیچنا نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے مکروہ ہے کہ شہر والا گاؤں والے کی طرف سے نہ بیچا کرے اور یہ جب ہے کہ شہر کے لوگ

قحط میں ہوں اور وہ گراں قیمت کے لالچ سے دیہاتی کی طرف سے بیچے کیونکہ اس میں شہر والوں کو ضرر دینا ہے اور اگر ایسا حال نہ ہو تو ضرر نہ ہونے کی وجہ سے کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

اور بعضے کہتے ہیں اس کی صورت یوں ہے کہ کوئی دیہاتی شہر میں سودا لے کر آئے تو اس سے شہری یہ کہے اپنا مال میرے پاس چھوڑ جا میں گراں قیمت سے بیچ رکھوں گا پھر اپنے پاس اس کو اتنے دنوں تک روک رکھے کہ مہنگا ہو جائے اور ایسا کرنا تنگی کے دنوں میں مکروہ ہے۔

بیع جس طرح قول سے منعقد ہوتی ہے فعل سے بھی ہو جاتی ہے | پھر جاننا چاہیے کہ حنفیوں کے نزدیک بیع جس طرح قول سے پوری ہو جاتی ہے اور اس کا رکن ایجاب اور قبول ہیں ایسے ہی فعل سے بھی پوری ہو جاتی ہے اور اس کا رکن لین دین ہے پس اس بیع میں بعضوں کے نزدیک دونوں کی طرف سے لین دین ہونا ضروری ہے اور بعضوں کے نزدیک صرف ایک کا دے دینا جبکہ ثمن بیان کر دے یا معلوم ہو کافی ہے مثلاً کوئی شخص گیہوں بیچنے والے سے پوچھے تو گیہوں کس طرح بیچتا ہے وہ کہے بارہ صاع ایک درہم میں پھر وہ کہے پانچ قفیز میرے لیے ناپ دے اور اس نے ناپ دیئے اور وہ لے گیا سو یہ بیع پوری ہے اور اس کے ذمے پانچ درہم ہو گئے اور ایسے ہی اگر بائع مشتری سے کہے میں نے یہ سودا تیرے ہاتھ ایک درہم کو بیچا پھر مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا اور کچھ نہ کہا تو یہ بیع بھی پوری ہے اور اس کے ذمے ایک درہم ہے اور ایسے ہی اگر ایک بوجھ لکڑی کا آٹھ پیسے کو مول لیا پھر کہا ایک بوجھ اور لا کر یہاں ڈال دے اور اس نے ایسا ہی کیا تو یہ بیع بھی پوری ہے اور وہ آٹھ پیسے مانگ لے اور ایسے ہی اگر ایک شخص کے دوسرے کے ذمے ہزار روپیہ قرض آتے ہوں اور قرضدار نے قرضخواہ سے کہا میں تیرے قرضہ کی بابت اشرفیاں لائے دیتا ہوں اور ان دونوں میں بیع واقع نہ ہوئی بلکہ وہ چلا گیا پھر اشرفیاں لا کر اس کے حوالے کر دیں تو اب اس وقت اس لین دین سے بیع ہو جائے گی۔

خرید و فروخت کے ناجائز طریقے | البتہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے تکیے اور فرش خریدے اور وہ ابھی تک بنے نہیں اور کوئی مدت بھی نہیں ٹھہرائی تاکہ بیع سلم ہو جائے تو یہ جائز نہیں اور اگر تکیے اور فرش تیار کر کے اس کے حوالے کر دئے تو بھی بیع جائز نہیں ہے اس لیے کہ لین دین سے بیع اسی وقت ہوتی ہے جبکہ بیع فاسد یا باطل طریقے سے بیچنے پر مبنی نہ ہو اور اگر اس پر مبنی ہو تو جائز نہیں ہوتی۔

پس اس بیان کے موافق اس زمانے میں جو اکثر لوگوں کا عمل ہے کہ جو چاہتے ہیں دکاندار سے کھانے پینے کی چیز اور اس کے علاوہ اور چیزیں بلا عقد صحیح کے اور بلا طرفین سے لین دین ہونے کے حساب کے وقت تک کے لیے بلا قیمت بیان کئے لے لیتے ہیں سو یہ سب حرام ہے اور جو شخص

ان میں سے کھاتا ہے یا جان بوجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ قصداً حرام خوری کرتا ہے اور حرام سے نفع اٹھاتا ہے اور گناہ اختیار کرتا ہے اس لیے کہ بجز روٹی اور گوشت کے سب سودوں میں قیمت کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ تعاطی سے بیع ہو جائے۔

ناجائز بیع کی قسمیں | پھر یاد رکھنا چاہیے کہ جو بیع جائز نہیں ہے تین قسم پر ہے فاسد اور باطل اور موقوف۔

بیع فاسد کی صورتیں اور احکام | لیکن بیع فاسد تو وہ منعقد تو ہو جاتی ہے لیکن صرف عقد سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ بائع کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے پس جب خریدار مجلس عقد میں بائع کے سامنے بیع پر قبضہ کر لے اور بائع اُسے منع نہ کرے تو خریدار خبیث ملکیت سے اُس کا مالک ہو جائے گا۔

اور اسی لیے کہتے ہیں کہ خریدار کو اس میں کسی کو دینے یا برتنے کا تصرف کرنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کھانا ہو تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور اگر لونڈی ہے تو اس سے صحبت حلال نہیں ہے بلکہ ہر ایک بائع اور مشتری پر دفع فساد کی غرض سے عقد کا فسخ کرنا واجب ہے اور اگر دونوں نے عقد فسخ نہ کیا بلکہ مشتری نے فاسد خرید سے جس پر قبضہ کیا تھا اس کو بطور عقد صحیح کے بیچ ڈالا تو اُس کی بیع پوری ہو جائے گی کیونکہ وہ جب اس کا مالک ہو گیا تو بذریعۂ بیع وغیرہ کے غیر کو اس کے مالک بنانے کا بھی مالک ہے اب اس کے بعد فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب اس سے حقِ عبد متعلق ہو گیا اور پہلے فسخ کا واجب ہونا حقِ شرع کے لیے تھا اور جب حقِ شرع اور حقِ عبد جمع ہو جائیں تو حاجتمندی کی وجہ سے حقِ عبد مقدم کیا جاتا ہے۔

ہاں مشتری ثانی کے حق میں بہتر یہ تھا کہ اُس کی خریداری سے کنارہ کرتا اس لیے کہ مقولہ ہے کہ جس کو یہ گمان غالب ہو کہ بازار والوں کے اکثر معاملات فاسد ہیں تو اس کو چاہیے کہ اُن سے کوئی شے مول نہ لے اور پھر بھی اگر اُن سے کوئی چیز مول لے گا تو اس کو اگر پچھلا عقد صحیح ہوا ہو اس چیز کا برتنا حلال ہے۔

اور یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ اگر کسی نے ہزار روپیہ کا مال بیع فاسد کے ذریعہ سے مول لیا اور قبضہ کر لیا پھر اس کو بیچا اور اس میں نفع ہوا تو اس کے لیے یہ نفع حلال نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کو خیرات کر دے اور اگر کسی نے ہزار روپیہ کا مال بیع فاسد سے بیچا اور قیمت لے لی پھر اس روپیہ سے اور مول لیا اور اس کو بیچا اور اُس میں نفع ہوا تو اس شخص کو یہ نفع حلال ہے اس پر اس کا خیرات کرنا واجب نہیں ہے اور ان دونوں صورتوں میں جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے یہ فرق ہے کہ اسباب چونکہ متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔

بیع باطل کی صورت اور حکم | لہٰذا دوسرا عقد اسی اسباب سے متعلق ہو گا اور اس وجہ سے فاسد میں خباثت سے اثر کرے گی اور درہم و دینار چونکہ عقود اور فسوخ میں متعین نہیں ہوتے ہیں بلکہ مشتری کے

ذمہ قیمت ثابت ہو جاتی ہے لہذا دوسرا عقد اُن ہی دراہم اور دنانیر سے متعلق نہیں ہوا اس لیے فائدہ میں خباثت اثر نہ کرے گی ہاں اگر اُن کی طرف اشارہ کرے پھر اُنہیں میں سے ادا کر دے تو اب خریداری اس لیے کہ وہی قیمت ٹھہرے ہیں انہیں سے متعلق ہو گی لہذا یہ ملک خبیث ہو گی خیرات کرنا واجب ہو گا اور بیع باطل سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی ہے لہذا ملک بالکل ثابت ہی نہیں ہوتی۔

اور اسی لیے کہتے ہیں کہ جس کو یہ گمان غالب ہو کہ بازار والوں کے اکثر معاملات باطل ہیں تو اسکو کوئی چیز اُن سے مول لینا جائز نہیں اور اُن سے جو کچھ مول لیا ہو وہ اُس کے لیے حلال نہیں ہے۔

بیع موقوف کی صورت اور حکم | اور بیع موقوف غیر کے مال کو اُس کی اجازت کے بغیر بیچ ڈالنا ہے پس یہ بیع اگرچہ منعقد ہو جاتی ہے اور اجازتِ مالک پر موقوف رہ کر ملکیت کا فائدہ دیتی ہے لیکن غیر کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے پوری ملک نہیں ہوتی اور تمام وہ معاملات جو آجکل چھینی ہوئی اور لوٹی ہوئی اشیاء میں جاری ہیں سب اسی طرح ہیں اور اسی لیے صاحب بزازیہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ کے زمانہ میں لشکریوں سے کوئی شے مول نہ لی جائے اس لیے کہ یہ حرام ہے غیر کی ملک ہے۔

تاجر کی ذمہ داری | پھر تاجر کو یہ لائق ہے کہ اپنے معاملہ میں عدل کا لحاظ رکھے اور ظلم سے بچے اور ظلم سے وہ مراد ہے جس سے کسی اور کو نقصان پہنچے پس جس جس بات سے دوسرے کو ضرر ہو وہ سب ظلم ہے اور عدل وہی ہے جس میں کسی کا کچھ نقصان نہ ہو اور یہ بات کئی باتوں سے احتراز کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ایک یہ کہ مقدار میں تجاوز عن الحد نہ کرے اور یہ بات پیمانہ اور ترازو پوری پوری رکھنے اور احتیاط کرنے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "خرابی ہے اُن گھٹانے والوں کی جو جبکہ ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ناپ کر دیں اُن کو یا تول کر دیں تو وہ گھٹا کر دیتے ہیں" اور اس سے نہیں بچ سکتا مگر وہی شخص جو دیتے وقت کچھ زیادہ دے اور لیتے ہوئے کچھ کم لے اس لیے کہ عدل حقیقی تو بہت ہی کم ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص اپنا پورا پورا لینے کی کوشش کرے گا تو ممکن ہے کہ وہ حد سے بڑھ جائے اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ مول لیتے تو قیمت ادا کرنے والے سے فرماتے تول دے اور جھکتا تول اور بعضے گذشتہ بزرگ کہتے تھے کہ ہم ایک دانہ کے لیے خرابی نہیں لیتے اور اگر کچھ مول لیتے تھے تو کچھ کم لیتے تھے اور اگر دیتے تو کچھ زیادہ دیتے تھے اور کہتے تھے افسوس ہے اُس پر جو ایک دانہ کے بدلے ایسی جنت دے ڈالے جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے۔

مال کی بیجا تعریف کی ممانعت | اور دوسرا امر جس سے احتراز واجب ہے یہ ہے کہ مال کی تعریف نہ کیا کرے کیونکہ اگر ایسی تعریف کی جو اُس میں موجود نہیں ہے تو اگر خریدار نے اس کا قول نہ مانا تو سراسر جھوٹ ہوا اور اگر مان لیا تو باوجودیکہ جھوٹ ہوا دغا بازی اور ظلم بھی ہے اور اگر ایسی تعریف کی

جو اُس میں موجود ہے تو اگر خریدار بھی جانتا ہے تو بیہودہ بکواس اور بے فائدہ بات بولنا ہے پس اس کا حساب دینا ہوگا کیونکہ انسان سے جو کلمہ نکلتا ہے اُس سے اُس کا حساب ہوگا کیونکہ باری تعالے کا قول ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ ترجمہ نہیں بولتا کوئی بات مگر ہے اُس کے پاس نگہبان حاضر؛ اور اگر خریدار وہ وصف جب تک بیان نہ کیا جائے نہ جانے تو پھر جتنا ہے اُتنا ہی بلا مبالغہ اور لمبے چوڑے کلام کے بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

بیع میں قسم کھانے کی ممانعت اور قسم ہرگز نہ کھائے اس لیے کہ اگر جھوٹی ہے تو یمین غموس ہوگی اور قسم غموس ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ بستیوں کو اُجاڑ دیتی ہے اور اگر سچی ہے تو اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ بنایا اور بُرا کیا اس لیے کہ دنیا اس سے زیادہ حقیر ہے کہ اُس کو بلا ضرورت اللہ کے نام سے رونق دی جائے یہاں تک کہ فقہاء کہتے ہیں کہ تاجر کو مکروہ ہے کہ اپنا مال کھولتے ہوئے ترویج کی نیت سے اللہ کا نام لے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرے کہ یوں کہے اللھم صلی علی محمد کیا خوب مال ہے۔

مال کا عیب چھپانا ناجائز ہے اور تیسرا امر جس سے احتراز واجب ہے یہ ہے کہ مال کا کوئی عیب چھپا رکھے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اُس کے تمام ظاہری و باطنی عیب ظاہر کر دے کیوں کہ اگر کوئی عیب بھی چھپا رکھے گا تو دغاباز؛ اور واجب خیر خواہی کا تارک ٹھہرے گا پس جس نے تھان کا اچھا پلّہ دکھا دیا یا اندھیری جگہ میں پیش کیا یا موزہ جوتی وغیرہ میں سے اچھا والا دکھایا تو یہ شخص دغاباز ہے اور دغابازی تمام بیوع اور صنعتوں میں حرام ہے لہٰذا کاریگر کو لائق نہیں کہ اپنے کام میں ایسی سستی کرے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ کرے تو پسند نہ کرے بلکہ اُس کو چاہیے کہ اچھا اور مضبوط کام بنایا کرے پھر اگر اتفاقاً اس میں کوئی عیب ہو جائے تو بیان کر دیا کرے۔

بلا عیب تجارت کا طریقہ اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب تاجر پر مال کا عیب بیان کرنا واجب ہوا تو اُس کا معاملہ کبھی پورا نہ ہوگا تو پھر اُس کی کیا سبیل ہے تو سمجھ لو کہ تاجر جب اپنے لیے یہ شرط کرے کہ بیچنے کے لیے عمدہ مال کے سوا اور کچھ کبھی نہ لوں گا اور تھوڑے سے نفع پر قناعت کرے تو اسی میں اُس کو برکت ہوگی اور دغابازی کی حاجت نہ پڑے گی۔ پس جو شخص اس کی عادت کرے گا تو وہ عیب دار مال نہ لے گا اور اگر اتفاقاً اُس کے ہاتھ آبھی جائے تو اُس کا عیب بیان کر دے اور اس کی اصل قیمت ہی پر قناعت کرے اور یہ بات تاجروں پر اس لیے دشوار ہوتی ہے کہ وہ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بہت نفع چاہتے ہیں اور بہت فائدہ دغابازی کے سوا حاصل نہیں ہوتا اور دغابازی حرام ہے پس نہ بائع کو جائز ہے اور نہ خریدار کو کہ ایک دوسرے کو دھوکا دے اس لیے کہ جو ایسا کرے گا وہ ظالم اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا چھوڑنے والا ہے۔

برکت والی بیع اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا بائع اور مشتری دونوں اگر سچ بولیں اور غیر خواہی کریں تو ان کے لیے اُن کی بیع میں برکت ہو گی اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپالیں تو بیع کی برکت نکال لی جائے گی اور جو شخص بڑھنے گھٹنے کو پیمانہ اور ترازو کے سوا اور کسی طرح سے نہیں جانتا وہ اس حدیث کی تصدیق نہیں کرے گا اور یہ کہ ایک درہم میں بھی کبھی برکت ہوتی ہے اور اُس کے دین اور دنیا کی سعادت کا سبب ہو جاتا ہے کہ اُس کو کسی ایسی بات میں صرف کرے جو اُس کے لیے دین یا دنیا میں ضروری ہو اور ہزاروں جمع شدہ میں سے کبھی برکت نکل جاتی ہے اور اُس کی دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں دنیا میں تو جیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے کہ ظالم لوگ ایسے شخص پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس کا مال طرح طرح کے عذاب دے دیکر چھین لیتے ہیں اور رہا آخرت میں سو اس طرح کہ مال کو حرام اور ممنوعات میں خرچ کرے اور خاص کر رشوت میں جس کے سبب رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا اور بیچ کا دلال ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعنت فرمانے کے مطابق ملعون ہے۔

دین و دنیا کی بھلائی کا اصول پس جو شخص چاہے کہ اس پر اہل اسلام کی خیر خواہی آسان ہو جائے تو اُس کو دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ سمجھے اور یقین کرے کہ اس کی دغابازی روزی نہیں بڑھاتی بلکہ مٹاتی ہے اور برکت دور کرتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ طرح طرح کے فریب اور حیلہ سے جمع کرتا ہے اُس کو بعضی دفعہ تو اللہ تعالیٰ ڈبو کر یا جلا کر یا چوروں یا ظالموں یا کافروں کے چھین لینے سے یکبارگی تلف کر دیتا ہے۔

اور دوسرے یہ سمجھے اور یقین کرے کہ آخرت کا فائدہ دنیا کے فائدہ سے بہتر ہے۔ اور یہ کہ دنیاوی مال کے فائدے زندگی کے تمام ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں اور اُس کا وبال اور گناہ سر پر رہ جاتا ہے پس عاقل کب پسند کرے گا کہ ادنےٰ چیز کو اس چیز کے بدلے لے لے جو بہتر ہے اور سراسر بہتری دین کی سلامتی میں ہے خداوند تعالیٰ ہمارے لیے دین کی سلامتی آسان فرمائے۔

اکہتر ویں مجلس اس بیان میں کہ کونسا سوداگر قیامت کے دن فاجر ہو کر اٹھے گا اور کون سا صادق ہو کر

قیامت کے روز دو قسم کے تاجر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تاجر لوگ قیامت کے دن فاجر ہو کر اُٹھائے جائیں گے مگر جس نے تقوےٰ سے کام لیا اور بھلائی کی اور سچ بولا۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے عبید بن رفاعہ رضہ نے اپنے باپ سے روایت

کیا ہے اور اصلی معنے فجور کے میانہ روی سے ٹل جاتا ہے اور اسی سبب سے جھوٹے کو فاجر کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے سوداگروں کا اس حدیث شریف میں فجار نام رکھا ہے کیونکہ تجارت میں اسباب کے رواج دینے کے لیے ہر ممکن طریقے یعنی جھوٹی قسموں وغیرہ سے دھوکہ دہی اور فریب دہی ان کی عادت ہوتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ان کے حق میں حکم کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر اُن جھوٹوں کی جماعت میں ہو گا جن کا جھوٹ کثرت سے ہوتا ہے مگر وہ تاجر جو جھوٹ سے بچے اور سچی قسم کھائے اور اپنی بات میں سچا رہے پس اُس کا حشر اُن کے ساتھ نہ ہو گا بلکہ نیکوں کے ساتھ ہو گا۔ چنانچہ ابو سعید خدری رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے سچے اور امانت دار تاجر کا نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ حشر ہو گا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ تاجر کو لازم ہے کہ اپنے معاملہ میں سچائی اور امانت برتے اور جھوٹ اور خیانت سے بچے تاکہ نیکوں کے ساتھ حشر ہو اور فاجروں کے ساتھ اُس کا حشر نہ ہو بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنی تجارت میں عدل اور انصاف کا لحاظ رکھے اور ظلم اور ناانصافی سے الگ رہے اس لیے کہ معاملہ بعض دفعہ ایسے طور پر ہوتا ہے کہ گو مفتی اُس کی درستی اور منعقد ہونے کا حکم دے دیتا ہے لیکن اس میں ظلم شامل ہوتا ہے جس سے اس کے کرنے والے کو غضب الٰہی کا سامنا ہوتا ہے اس لیے کہ ہر ممانعت تو عقد کے فاسد ہونیکو نہیں چاہتی۔

عدل اور ظلم سے مراد

اور ظلم سے مراد وہ بات ہے جس سے غیر کو نقصان ہو پس جس بات سے غیر کو نقصان ہو وہ ظلم ہے اور عدل تو یہ ہے کہ اس سے کسی کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔

اور عدل چند باتوں سے احتراز کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

کھوٹے روپے پیسے کو رواج دینا ظلم عام ہے

اوّل کھوٹے روپے پیسے کو رواج دینا کہ یہ ظلم عام ہے اس سے لوگوں کا نقصان ہوتا ہے اس لیے کہ جو کوئی ان میں سے کسی چیز کو دوسرے کو دے گا تو اگر دوسرے نے نہ جانا کہ وہ کھوٹا ہے تو اس کو اس سے نقصان ہو گا اور اگر جان لیا کہ یہ کھوٹا ہے تو وہ اور کو دے گا اور وہ اور کو دے اور اسی طرح لوگوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہے گا اور اُس کا نقصان عام ہو جائے گا اور فساد پھیلتا جائے گا اور سب کا وبال جب سے اُس نے دیا تھا اُس کے کٹنے تک اُسی پہلے شخص کے سر پر پڑے گا جیسا کہ نبی علیہ السلام کے اس قول کا مقتضٰے ہے جس نے بُرا طریقہ نکالا پھر اُس پر بعد کے لوگوں نے عمل کیا تو خود اُس کا اور جو اس پر عمل کریں گے اُن سب کا گناہ اُس پر ہو گا اور دوسرے لوگوں کے گناہوں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اسی لیے بعضے متقدمین کہتے تھے کہ کھوٹے ایک درہم کا چلانا عمدہ سو درہم کی چوری سے بدتر ہے اس لیے کہ سو درہم کی چوری ایک ہی مرتبہ ختم ہو جانے والا گناہ ہے اور کھوٹا روپیہ چلانا جاری گناہ ہے جب تک وہ

کھوٹا روپیہ لوگوں کے ہاتھ میں پھرتا رہتا ہے عمل میں آئے جاتا ہے پس اُس کی زندگی بھر اور موت کے بعد بھی اُس بات کا گناہ ہوگا کہ لوگوں کا مال اُس کے سبب سے خراب اور تلف ہوگا باقی رہے گا یہاں تک کہ وہ کھوٹا روپیہ کٹ کر فنا نہ ہو جائے پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو مر جائے اور اس کے ساتھ اس کے تمام گناہ بھی ختم ہو جائیں اور افسوس ہے اس کے لیے جو مر جائے اور اس کے گناہ موت کے بعد بھی باقی رہیں اور کوئی کہتا ہے کہ جاننے والے کا کھوٹا روپیہ چلانا زیادہ گناہ ہے انجان کے چلانے سے اس لیے کہ اول تو قصداً کرتا ہے اور خطاوار ہے لیکن خطا یعنی لاعلمی حقوق العباد میں معاف نہیں ہے۔

کھوٹے روپے پیسے لینے دینے کے بارے میں اچھے اور برے تاجر کا طریقہ

پس اس کے موافق تاجر پر واجب ہے کہ روپیہ کا پرکھنا بھی سیکھے تاکہ کھوٹے کھرے کی تمیز کر سکے نہ اس لیے کہ اپنا حق پورا لے سکے بلکہ اس نیت سے کہ لاعلمی سے غیر کو نہ دے بیٹھے کہ پھر جس بات کا اپنے معاملات میں سیکھنا ضروری ہے اُس میں قصور کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو کیونکہ ہر کاروبار کے متعلق ایک علم ہوتا ہے جس کا سیکھنا اُس کے کرنے والے کو واجب ہے تاکہ گناہ میں نہ پڑے اور اسی واسطے متقدمین نقود کا پرکھنا سیکھا کرتے تھے اپنے دین کے لحاظ سے نہ دنیا کے واسطے پس اس لیے جس کے ہاتھ کھوٹا روپیہ پیسہ آجائے تو اُس کو لائق ہے کہ اس کے کھونے اور فنا کرنے اور اس کا نشان مٹانے میں کوشش کرے اور اس کے چلانے میں سعی نہ کرے کیونکہ اگر اس نے کسی ایسے کو دے دیا جو نہیں جانتا ہے تو اُس کو نقصان دینے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اگر ایسے کو دیا جو جانتا ہے تو بھی گنہگار ہوگا اس لیے کہ جو لیتا ہے وہ اسی لیے لیتا ہے کہ اور کو دیدے کیونکہ اگر اس کی یہ نیت نہ ہوتی تو اس کے لینے کی طرف توجہ ہی نہ کرتا تو گویا ایسے شخص کو دینا اُس کو فساد پر مقرر کرنا اور بدی پر اس کی امداد کرنا اور گناہ میں شریک ہونا ہے اور رہا وہ شخص جو اس واسطے لیتا ہے کہ اُن لوگوں میں شامل ہو جائے جن کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں دعائے خیر فرمائی ہے رحم کرے اللہ آسانی سے بیچنے والے آسانی سے خریدنے والے آسانی سے ادا کرنے والے نرمی سے وصول کرنے والے شخص پر تو اُس کو ضروری ہے کہ اُس کو کھو دینے اور فنا کر دینے اور نشان مٹا دینے کی نیت سے لے نہ اپنے معاملات میں اُس کے چلانے کے قصد سے کیونکہ اگر اس کی یہ نیت ہے، تو وہ اُس برائی میں داخل ہے جس کو شیطان نے خوبصورت بنا کر دکھایا ہے۔

کھوٹے درہم دینار اور روپے سے مراد

اور کھوٹے درہم اور دینار سے وہ مراد ہے جس میں نہ کچھ چاندی ہو اور نہ سونا بلکہ صرف ملمع ہو، اور وہ جس میں چاندی اور سونا ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار ہے اگر درہم میں چاندی زیادہ ہو تو وہ چاندی ہے اور دینار میں اگر زیادہ سونا ہو تو وہ سونا ہے کیونکہ نقدی تھوڑی ملاوٹ سے

تو سالم نہیں ہوتی یا تو اصلی پیدائش کے اعتبار سے جیسے خراب چاندی سونا یا عادت کے اعتبار سے سبب کہ وہ ریزہ ریزہ ہوتی ہے اور بدون میل کے ڈھلتی نہیں اور ڈھلتی تو جب ہے جبکہ اس میں کچھ میل ملا لیا جائے پس اس بنا پر اکثر کا اعتبار ہوگا کیونکہ غالب کے سامنے مغلوب معدوم ہی کی طرح ہے۔

پس اگر روپوں میں چاندی غالب ہو اور اشرفیوں میں سونا تو پھر وہ چاندی اور سونے ہی کے حکم میں ہیں اور اگر میل زیادہ ہو تو پھر اگر اس شہر میں ان کا رواج ہو تو جبتک ان کا رواج باقی رہے جب تک وہ ثمن ہیں عقد خود اُن سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اُس سکہ کی جنس سے متعلق ہوگا اور اگر ان کا رواج جاتا رہا تو پھر اسباب میں داخل ہیں عقد خود اُن ہی سے متعلق ہوگا بشرطیکہ بائع اور مشتری دونوں کو اُن کا حال بھی معلوم ہو اور ہر ایک یہ بھی جانتا ہو کہ دوسرے کو ان کا حال معلوم ہے اور اگر بائع اور مشتری دونوں نہ جانتے ہوں یا ایک نہ جانتا ہو یا دونوں کو معلوم تو ہے لیکن ہر ایک کو یہ خبر نہیں کہ دوسرا بھی جانتا ہے تو اب عقد اُن سے متعلق نہ ہوگا بلکہ اُن دراہم سے متعلق ہوگا جن کا اس شہر میں رواج ہے اور اگر اُن کا رواج بالکل اُٹھ نہیں گیا بلکہ ایسے ہیں کہ انہیں کوئی تو لے لیتا ہے اور کوئی نہیں لیتا ہے تو اب یہ کھوٹوں ہی کی طرح ہیں عقد خود اُن سے متعلق نہ ہوگا بلکہ اسی جنس کے کھوٹے دراہم اور دنانیر سے متعلق ہوگا اگر بائع کو اُن کا حال معلوم ہے کیونکہ بائع اس سکہ کے کھوٹوں پر راضی ہوچکا ہے اور اگر بائع کو اُن کے حال کی اطلاع نہیں تھی تو پھر عقد اسی سکہ کے کھرے دراہم سے متعلق ہوگا کیونکہ بائع کی رضامندی اس قسم کے کھوٹے دراہم پر ثابت نہیں ہوئی۔

مال واسباب کی غلط تعریف کی ممانعت | اور دوسرا امر جس سے احتراز کرنا واجب ہے اسباب کی تعریف کرنی ہے کیونکہ جو شخص اسباب کی ایسی تعریف کرے جو اس میں موجود نہیں ہے اور اس کا قول مانا نہیں گیا تو وہ جھوٹ ہے اور اگر اس کا کہا مان لیا گیا تو یہ جھوٹ کے ساتھ دغابازی اور ظلم بھی ہے اور اگر ایسی تعریف کی جو اس میں موجود ہے تو اگر مشتری اس کو جانتا ہے تو یہ بیہودہ بکواس اور بے فائدہ کلام ہے اور اس پر اُس سے محاسبہ ہوگا کیونکہ کوئی بات انسان سے نہیں نکلتی مگر اس کا حساب ہوگا کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے نہیں بولتا ہے کوئی بات مگر ہے اس کے پاس نگہبان حاضر اور اگر مشتری اُس کا وصف نہیں جانتا تو جتنی بات اس میں موجود ہے بلا مبالغہ کئے اور بڑھائے ہوئے اس قدر کہہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اس سے نیت اُس کی یہ ہو کہ اُس کا مسلمان بھائی جان لے اور رغبت کرے اور اس کا مقصود حاصل ہو جائے۔

مال کی تعریف میں قسم کھانے کی ممانعت | اور قسم ہرگز نہ کھائے کیونکہ اگر جھوٹی ہے تو یہ یمین غموس ہے اور یہ ایسی کبیرہ گناہ ہے کہ آبادیوں کو اُجاڑ دیتی ہے اور اگر سچی ہے تو پھر اُس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ بنایا اور بُرا کیا کیونکہ دنیا اس سے زیادہ حقیر ہے کہ بلا ضرورت خدا کا نام لیکر

اُس کو رونق دی جائے یہاں تک کہ فقہاء کہتے ہیں کہ تاجر کو مکروہ ہے کہ اسباب کھولتے ہوئے ترویج کی نیت سے اللہ تعالٰے کا نام لے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے یوں کہے اللھم صلّ علی محمد یہ کیا خوب مال ہے۔

مال کا عیب چھپانا ناجائز ہے اور تیسرا امر جس سے احتراز واجب ہے مال کا عیب چھپا لینا ہے کیونکہ جو شخص کوئی عیب چھپائے گا وہ ظالم اور واجب خیر خواہی کا تارک اور دغا بازی حرام کا اختیار کرنے والا ہے پس اُس پر واجب ہے کہ اس کے تمام ظاہری وباطنی عیوب بیان کر دیا کرے اور یہ بات اکثر لوگوں کو دشوار گذرتی ہے پس جو کوئی اس پر قادر نہ ہو وہ تجارت چھوڑ دے یا اپنے آپ کو دوزخ کے لیے آمادہ کر لے۔

خیانت کی صورتیں اور خیانت سے خرید و فروخت میں احتراز کا حکم اور چوتھا امر جس سے احتراز کرنا واجب ہے خیانت ہے کیونکہ جو خیانت کرتا ہے تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو اس کی خیانت مقدار میں ہوگی یا نرخ میں یا مرابحت اور تولیہ میں پس جس کی خیانت مقدار میں ہے وہ تو اس قول الٰہی میں داخل ہے "خرابی ہے گھٹانے والوں کی کہ وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ناپ کر دیتے ہیں اُنکو یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں" اور اس سے وہ ہی بچتا ہے جو دیتے ہوئے کچھ زیادہ اور لیتے ہوئے کچھ کم لے اس لیے کہ حقیقی عدل تو بہت کم پایا جا سکتا ہے پس کیونکہ جو کوئی اپنا حق پورا پورا لینے میں مبالغہ کرے گا تو کیا بعید ہے کہ حد سے بڑھ جائے۔

اور اسی واسطے نبی علیہ السلام جب کوئی شئے مول لیتے تھے تو قیمت دینے والے سے فرمادیتے کہ قیمت تول دے اور جھکتا تول اور بعضے متقدمین کا قول ہے کہ ہم ایک دانہ کے عوض خرابی نہیں خریدتے اور وہ جب لیتے تو کچھ کم لیتے اور جب دیتے تو کچھ بڑھا کر دیتے اور یہ کہتے کہ افسوس ہے اُس پر جو ایک دانے کے بدلے ایسی جنت بیچ ڈالے جس کا پھیلاؤ زمین و آسمان ہے اور وہ شخص جس کی خیانت نرخ میں ہوتی ہے سو وہ اُن ظالموں میں سے ہے جو خیر خواہی واجب کے تارک ہیں اس لیے کہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بائع یا مشتری سے موجودہ نرخ غلط بتادے اور موقع کو غنیمت سمجھے اور بائع سے نرخ کی گرانی اور مشتری سے ارزانی چھپائے پس جو ایسا کرتا ہے وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ پسند نہیں کرتا جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔

حالانکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے مؤمن نہیں ہوتا کوئی تم میں سے جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور وہ شخص جس کی خیانت مرابحت اور تولیت میں ہوتی ہے تو ایسے شخص کو پہلے اُن دونوں کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان سے بچنا اس کو ممکن ہو سکے چنانچہ مرابحت تو مال کو جتنے میں اُس کو پڑا ہو اُس پر کچھ نفع لے کر بیچتا ہے اور تولیہ مال کو

جتنے میں اُس کا پڑا ہو اُتنی ہی قیمت پر بلا نفع لیے بیچنا ہے اور یہ دونوں اُس وقت صحیح ہوتے ہیں جبکہ اصل مال ایسا ہو کہ اُس جیسی چیز مل سکتی ہو کیونکہ ان دونوں کی بنیاد امانت اور خود خیانت اور نہ خیانت کے شبہ سے احتراز کرنے پر ہے کیونکہ سیدھا سادھا آدمی جو کہ تجارت کا ڈھنگ نہیں جانتا ہے ایسے شخص کے ذکر کرنے پر بھروسا کر لیتا ہے جو تجارت کا مشاق ہو اور خریدے کچھ فائدہ زیادہ دے کر مرابحہ میں اور بدون فائدے کے تولیہ میں اپنے جی کو خوش کر لیتا ہے۔

اور اگر راس المال ایسی چیز نہ ہو جن کی مثل مل سکتی ہو بلکہ اُس کا اندازہ قیمت سے کیا جاتا ہو تو اُس کی مقدار مجہول رہے گی صرف گمان اور اٹکل سے معلوم ہوگی لہذا اس میں خیانت کا شبہ قائم رہتا ہے پس ایسی صورت میں مرابحہ اور تولیہ ثابت نہیں ہو سکتے ہاں اس صورت میں ممکن ہے جبکہ بطور مرابحہ اور تولیہ خریدنے والا ایسا شخص ہو جو بائع کو عوض میں دینے والی چیز پر کسی طرح سے مالک ہو گیا ہو پس اس وقت بائع کو ممکن ہے کہ اپنی خریدی ہوئی چیز اُس کے ہاتھ اسی بدل کے عوض کچھ نفع لے کر مرابحت میں یا بدون نفع کے بیع تولیہ میں بیچ ڈالے

نفع لینے کی صحیح صورت اور جس شخص نے کچھ مال روپوں سے خریدا تو اُس کو جائز ہے کہ اُس کی قیمت میں دھوبی اور رنگریز اور پٹہ دار وغیرہ کی مزدوری جس سے کہ خود مبیع یا قیمت مبیع بڑھ جائے بڑھا لے جیسے بکریاں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا کہ جس طرح کہ مال لدوائی وغیرہ مال کی قیمت کو بڑھاتی ہے اسی طرح اس سے بھی قیمت بڑھ جاتی ہے کیونکہ مکان بدلنے سے قیمت بھی بدل جاتی ہے اور یوں کہے کہ مجھ کو اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے کو خریدی ہے تاکہ جھوٹ سے بچے اور اگر کوئی کام ان مذکورہ سابقہ میں سے خود کر لیا ہو تو اُس کی مزدوری نہ بڑھالے اور ایسے ہی اپنا خرچ بھی نہ ملائے اور نہ بھاگے ہوئے غلام کا انعام اور نہ حفاظت کے مکان کا کرایہ اور نہ طبیب اور استاد اور چرواہے اور دلال کی اجرت ملادے کیونکہ ان اخراجات سے مبیع میں کچھ نہیں بڑھتا۔

نفع لینے کی ایک غلط صورت اور اگر کسی نے ایک تھان کپڑے کا بیس روپے کو لے کر قبضہ کر لیا پھر اُس کو بطور مرابحہ تیس روپے کو بیچا اور طرفین کا مبیع اور قیمت پر قبضہ ہو گیا پھر اُس شخص نے اپنے خریدار سے اُسی تھان کو بیس روپیہ کو خرید لیا اور اس کو بطور مرابحہ بیچنا چاہتا ہے تو پہلے اُس کو جتنا نفع ہوا تھا وہ کم کر دے اور دس روپیہ کو بیچے اور یوں کہے کہ یہ مجھے دس روپیہ کو پڑا ہے اور اگر اول مرتبہ میں بیس روپیہ کو لے کر چالیس روپیہ میں بیچا ہو پھر اُس کو دوبارہ بیس میں لیا ہو تو اس صورت میں ہرگز مرابحۃً نہ بیچے اس لیے کہ اُس کے دوبارہ خریدنے سے پہلے یہ احتمال تھا کہ وہ تھان عیب کی وجہ سے پھیر دیا جائے اور جس قدر اُس نے نفع لیا ہے جاتا رہے پس جب اس نے دوبارہ خرید لیا تو وہ نفع جس کے سقوط کا احتمال تھا قائم اور ثابت ہو گیا پس یہ دوبارہ خریدنا ایسا ہے جیسے کہ خود اسی کے ذریعہ سے وہ نفع جس کے سقوط کا

احتمال تھا حاصل اور ثابت ہوا ہے اور نفع کے ثابت اور قائم ہو جانے کا وہی حکم ہے جو خود نفع کے مل جانے کا حکم ہے (یعنی اب مرابحۃً نہیں بیچ سکتا) پس اب پہلی صورت میں مسئلہ کی صورت یوں ہوئی کہ گویا اُس نے ایک تھان اور دس روپیہ بیس روپیہ کو لیے پھر دس روپیہ تو دس روپیہ کے مقابلہ میں ہو گئے اور تھان دس روپیہ میں پڑا لہذا اس کو بطور مرابحہ اور تولیہ نہ بیچے مگر دس ہی روپیہ پر اور دوسری صورت میں ایسا ہوا کہ گویا ایک تھان اور بیس روپیہ بیس روپے کو لیے پس بیس روپے تو بیس روپے کے مقابلہ میں ہو گئے اور وہ تھان مفت پڑا لہذا شبہہ خیانت سے بچنے کے لیے نہ مرابحۃً بیچے اور نہ تولیۃً کیونکہ خیانت کا شبہ بھی ان دونوں میں احتیاطاً خود خیانت ہی کی طرح ہوتا ہے اور اسی لیے اگر کسی کے دوسرے پر دس روپے قرض آتے ہوں پس قرضدار اُس سے ایک تھان پر صلح کر لے تو اس تھان کو بطور مرابحہ اور تولیہ کے دس روپے نہ بیچے کیونکہ صلح کا دارومدار کمی اور معافی پر ہوتا ہے برخلاف اُس صورت کے کہ تیسرا شخص بیچ میں آجائے اس لیے کہ اب تقرر غیر سے حاصل ہوا ہے۔

فروخت میں احتیاط | اور جس نے کئی چیزیں ایک عقد میں ایک قیمت ٹھہرا کر مول لیں تو اُس کو جائز نہیں ہے کہ اُن میں سے کسی کو بطور مرابحہ کچھ اُس کی قیمت ٹھہرا کر بیچے کیونکہ یہ بدون قیمت کے اعتبار کے نہیں ہو سکتا اور قیمت کی تقسیم کرنے میں غلطی کا شبہ ہے۔

فروخت کی چیز میں عیب بیان کرنا ضروری ہے | اور جس نے ایک بھلی چنگی لونڈی خریدی پھر آفت سماوی سے کانی ہو گئی یا اُس سے صحبت کی اور وہ شوہر رسیدہ تھی اور صحبت سے اُس میں کچھ نقصان نہ آیا تو اُس کو جائز ہے کہ لونڈی کو بطور مرابحہ یا تولیہ کے بیچے لیکن اس پر عیب بیان کر دینا واجب ہے ہاں یہ بیان کرنا واجب نہیں کہ یہ عیب میرے پاس پیدا ہوا ہے جب تک خریدار اُس سے نہ پوچھے اور نہ صحبت کا بیان کرنا واجب ہے اس لیے کہ اُس کے پاس کوئی ایسی شے نہیں رُکی رہی جو قیمت کے مقابلہ میں ہو۔ کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت کا کچھ حصہ نہیں ہوتا اور ایسے ہی بضع کے منافع کہ اگر اس میں وطی سے کچھ نقصان نہ آیا ہو تو ثمن میں سے اُس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوتا ہاں اگر خود مشتری ہی نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی یا کسی غیر شخص نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی اور مشتری نے اس کی دیت لے لی یا مشتری نے اُس سے صحبت کر لی اور وہ کنواری تھی تو ایسی حالت میں اُس کو بدون بیان کیے نہ بیچے کیونکہ اُس نے کچھ مبیع روک رکھی ہے اس لیے کہ جو چیز اُس میں سے جاتی رہی ہے تو اگر کسی دوسرے کے فعل سے نقصان ہوا ہے تو اس لیے کہ اگر وہ اُس کا مالک نہ ہوتا تو اُس نقصان کا ذمہ دار ہوتا اور اب ملکیت کی وجہ سے چونکہ وہ ذمہ دار نہیں ہوا تو یہ اسی حکم میں ہے جیسے کہ اس نے اُس نقصان کا بدلہ لے لیا اور ان دونوں صورتوں میں گویا کہ یہ چیز اس کے پاس سالم موجود ہے تو اب ایسی حالت میں واقعہ کو بیان کرنے کے بغیر پوری قیمت پر مرابحۃً یا تولیۃً بیچنا جائز نہیں کیونکہ جس وقت اوصاف ہی کا

تلف کرنا مقصود ہو تو اُس وقت ان کے مقابلہ میں کچھ قیمت ہو جاتی ہے اور ایسی ہی کنواری ہونے کے مقابلے میں قیمت کا کچھ حصہ ہوتا ہے کیونکہ بکارت اصل کا ایک جزء ہے اور اس کو اس نے روک رکھا ہے لہذا بیان کرنا ضروری ہے۔

اور جس نے تھان خریدا پھر اُس کو چوہے نے کتر دیا یا کچھ جل گیا تو اُس کا مرابحۃً یا تولیۃً بلا اس بیان کے بیچنا کہ یہ عیب میرے یہاں پیدا ہوا ہے جائز ہے اس واسطے کہ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اوصاف تابع ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ قیمت نہیں ہوتی اور اگر اس نے پھیلانے اور تہ کرنے میں خراب کیا تو جائز نہیں کہ بطور مرابحہ یا تولیہ بلا بیان کئے بیچ ڈالے اس لیے کہ وہ وصف تلف کرنے سے مقصود ہو گیا۔

منافع پر چیز بیچنے کا حکم اور جس نے کوئی گھر یا جانور خریدا اور اس کے کرایہ سے کچھ نفع پیدا کیا تو اُس کو جائز ہے کہ دونوں کو بطور مرابحہ یا تولیہ کے بلا بیان کئے بیچ ڈالے اس لیے کہ کرایہ اصل سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ کرایہ منفعت کا وصول کرنا ہے اور منفعت کا وصول کرنا بیع مرابحہ اور تولیہ سے منع نہیں کرتا برخلاف اُس صورت کے کہ ایک بکری مول لے اور اُس کے دودھ اور اُون سے فائدہ اُٹھائے تو یہ شخص جب اُس کو بطور مرابحہ یا تولیہ بیچے تو جتنا فائدہ اٹھایا ہے اصل قیمت میں سے کم کر دے اور اگر لونڈی مول لی یا بکری خریدی یا کوئی درخت مول لیا پھر لونڈی جنی یا بکری بیائی یا درخت پھل لایا تو اب اصل کو اس زیادتی یعنی بچہ اور پھل کے ساتھ بطور مرابحہ یا تولیہ بیچے اور اگر وہ زیادتی تلف ہو جائے تو صرف اصل کو بطور مرابحہ یا تولیہ جب تک کہ جو کچھ اس میں تلف ہو گیا ہے بیان نہ کر دے نہ بیچے

اور اگر کوئی شے کسی قیمت پر مول لی پھر قیمت پر مشتری نے کچھ بڑھا دیا یا بائع نے قیمت میں کچھ گھٹا دیا یا مبیع میں کچھ بڑھا دیا تو یہ تمام گھٹی بڑھی اصل عقد میں مل جائے گی اور اس ملنے کا اثر مرابحہ اور تولیہ میں ظاہر ہوگا یہاں تک کہ اگر اُس کو بطور مرابحہ یا تولیہ بیچنا چاہے تو نہ بیچے مگر اسی قیمت پر جو کم کرنے کی صورت میں کم کرنے کے بعد باقی رہی ہے اور زیادتی کی صورت میں اصل قیمت یا اصل مبیع پر بڑھانے کے بعد ہوگئی ہے۔

چیز ادھار خرید کر منافع پر بیچنے کا حکم اور جس شخص نے کچھ مال ہزار روپے کو اُدھار مول لیا اور اس کو سو روپے کے نفع پر بیچا اور مشتری سے یہ بیان نہ کیا پھر مشتری کو معلوم ہوا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے وہ مال پھیر دے اور چاہے گیارہ سو روپے کو رکھ لے اس لیے کہ مدت بھی اس معنے کر بیع کی مشابہ ہے کہ مدت کے سبب سے قیمت بڑھ جاتی ہے اور مرابحہ اور تولیہ میں مشابہت اصل ہی کے حکم میں ہے تو ایسا ہوا کہ گویا اُس نے دو چیزیں مول لیں اور ایک چیز دونوں کی قیمت پر مرابحۃً بیچ ڈالی اور مرابحۃ میں ایسی ایسی خیانتوں سے احتراز واجب ہے۔

خداوند تعالیٰ تمام شبہات اور خیانات سے احتراز کرنا آسان فرمائے۔

بہترویں مجلس تاجر کے تمام اقوال اور افعال میں صدق و امانت لازم رکھنے کی ترغیب میں

تجارت میں صدق و امانت کی ضرورت اور سچے اور امانتدار تاجر کا مرتبہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء ۔
"ترجمہ سچا اور امانت دار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ہمراہ ہوگا"
یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ابو سعیدؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں تاجر کو تمام اقوال اور افعال میں سچائی اور امانت کے لازم رکھنے کی ترغیب ہے خاص کر خرید و فروخت میں جیسے کہ صدوق اور امین مبالغہ کے صیغہ کا مقتضٰی ہے کیونکہ پروردگار عالم اور مسبب الاسباب نے آخرت کو ثواب اور عذاب کا گھر بنایا ہے اور دنیا کو مستعدی اور کمانے کا گھر مقرر کیا ہے لیکن دنیا میں مستعد رہنا صرف آخرت ہی کے لیے منحصر نہیں کہ معیشت کے لیے مستعدی نہ ہو بلکہ معیشت دنیوی آخرت کا وسیلہ ہے اور معیشت دنیا آخرت کا وسیلہ اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا طالب شرعی طریقے اختیار نہ کرے کیونکہ شرع نے طلب دنیا کے لیے چند ارکان اور شرطیں مقرر کی ہیں جن کا لحاظ رکھنا دنیا طلب کرتے ہوئے ضروری ہے تاکہ اس کی کمائی درست بطلان اور فساد سے خالی اور حرمت اور کراہت کے میل سے صاف ہو کیونکہ اگر ان کی رعایت چھوڑ دے گا تو اس کی کمائی درست نہ ہوگی بلکہ بعضی دفعہ باطل اور کبھی فاسد ہوگی لہٰذا حرمت اور کراہت سے خالی نہ ہوگی پس اس بیان کے موافق طالب دنیا کو خرید و فروخت اور ان کے انعقاد کی کیفیت کا جاننا ضروری ہے تاکہ باطل کو فاسد اور فاسد کو صحیح سے تمیز کر سکے اور حرمت اور کراہت سے بچے اور بیع اور شرا میں اس کو صدق و امانت میسر ہو سکے ۔

بیع کے انعقاد کی صحیح صورت | پس بیع تو مال کا مال سے بدلنا ہے اور ایجاب اور قبول سے پوری ہو جاتی ہے اور ایجاب سے وہ کلام مراد ہے جو عاقدین میں سے کسی ایک سے اول صادر ہو بائع ہو یا مشتری اور قبول سے مراد وہ کلام ہے جو دوسرے سے اس کے بعد صادر ہو بائع ہو یا مشتری اور بیع ایجاب و قبول سے جب ہوتی ہے کہ دونوں ماضی کے لفظ ہوں مثلاً بائع مشتری سے یوں کہے یہ مال میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچا پھر مشتری کہے میں نے لیا یا مشتری بائع سے کہے میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے کو مول لی پھر بائع کہے میں نے بیچی اس لیے کہ بیع ایک تصرف شرعی کا پیدا کرنا ہے اور اس سے اس چیز کا ثابت کرنا مقصود ہے جو ثابت نہ تھی اور یہ بدون شرع کے معلوم نہیں ہو سکتا اسواسطے

کہ لغت بنانے والے نے تو اس کے لیے کوئی خاص لفظ بنایا نہیں ہے۔

انعقاد بیع کے لیے الفاظ اور ان کا حکم اور شرع نے اس میں وہ لفظ استعمال کیا ہے جو خبر دینے کے لیے بنایا گیا ہے اور ماضی کے لیے مستعمل ہے اور جس کی دلالت اس بات پر ہوتی ہے کہ وجود شے زمانہ گذشتہ میں ہوچکا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہ تصرف اس قبیل سے ہے جس کا وجود مقصود ہے لہٰذا اس سے بیع منعقد ہو جاتی ہے اور ایسے دو لفظوں سے بیع منعقد نہیں ہوتی جن میں سے ایک امر کا صیغہ ہو بلکہ اس وقت تین لفظوں کی ضرورت ہے جیسے اگر مشتری بائع سے کہے یہ مال میرے ہاتھ اتنے کو بیچ دے اور بائع کہے میں نے بیچا پھر جب تک مشتری دوبارہ یوں نہ کہے گا کہ میں نے خریدا بیع منعقد نہ ہوگی اور ایسے ہی اگر بائع مشتری سے کہے مجھ سے یہ اتنے کو خرید لے اور مشتری کہے میں نے خریدا تو پھر جب تک بائع دوبارہ یوں نہ کہے گا کہ میں نے بیچا بیع منعقد نہ ہوگی اور اگر دونوں میں سے ایک لفظ یا دونوں مضارع کے صیغے ہوں تو اگر بیع کی نیت کی ہو تو بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے اور اس وقت لفظ مضارع سے حال کے معنے لیے جائیں گے اور ایسے ہی ہر اس لفظ سے جو بعث اور اشتریت پر دلالت کرتا ہو بیع منعقد ہو جاتی ہے جیسے بائع مشتری سے کہے میں نے یہ شے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچی اور مشتری کہے میں نے قبول کی۔ یا مشتری بائع سے کہے میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے کو مول لی اور بائع کہے لے لے تو بیع دونوں صورتوں میں منعقد ہو جائے گی پہلی صورت میں تو ظاہر ہے اور دوسری صورت میں اس لیے کہ جب بائع نے اس کو حکم دیا کہ بعوض بدل لے لے اور یہ چونکہ بدون بیع کے نہیں ہوتا تو ایسا ہوا کہ گویا اس نے یہ کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچی سو تو لے لے پس اسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے بیع اقتضاء لفظ کی وجہ سے مقید ہوگی اور عقد ثابت ہو جائے گا اور ایسے دو لفظوں سے منعقد نہ ہوگی جن میں سے ایک امر ہے کہ بیان سابق کے منافی ہو اس لیے کہ ان عقود میں معنی ہی معتبر ہوتے ہیں۔

بیع تعاطی کا حکم اور اسی سبب سے تعاطی[ع] سے بھی بیع پوری ہو جاتی ہے حقیر چیز ہو خواہ اعلیٰ چیز یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ رضامندی ثابت ہے لیکن اس میں بعضوں کے نزدیک دونوں طرف سے تعاطی ہونا ضروری ہے اور بعضوں کے نزدیک صرف ایک کا دے دینا کافی ہے کیونکہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اشارہ کیا ہے کہ بیع کا حوالہ کر دینا ثبوت بیع کے لیے کافی ہے یہ جب ہے کہ قیمت بیان کر دے یا معلوم ہو۔ جیسے کوئی گیہوں بیچنے والے سے پوچھے گیہوں کیا بھاؤ بیچتا ہے وہ کہے فی روپیہ ایک قفیز پھر اس نے کہا مجھ کو پانچ قفیز ناپ دے پس اس نے ناپ دئے پس وہ لے کر چلا گیا تو یہ بیع ہے اور اس کے ذمہ پانچ روپے ہو گئے اور ایسے ہی اگر ایک بوجھ لکڑی کا آٹھ پیسے کو خریدا پھر کہا ایک بوجھ اور یہاں

[ع] تعاطی یہ ہے کہ بائع اور مشتری بغیر اس کے کہ ایک دوسرے سے کچھ کہے اور نرخ طے کرے مشتری قیمت دیدے اور بائع مال حوالہ کرے ۱۲

لا کر ڈال دے پس اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ بیع ہے اور بائع کو آٹھ پیسے کے مطالبہ کا حق ہے اور اگر لکڑہارے سے کہا لکڑی کا یہ بوجھ کتنے کو بیچتا ہے اُس نے کہا آٹھ پیسے کو پس اُس نے کہا گدھا ہانک لا پس وہ ہانک لے گیا تو اُس میں علماء کا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں جب تک لکڑیاں حوالہ نہ کر دے اور پیسے نہ لے لے بیع نہ ہوگی اور بعضے کہتے ہیں بیع ہو گئی کیونکہ دونوں لینے دینے پر راضی ہو گئے اور دونوں کی رضامندی ہی اس بارہ میں معتبر ہے مگر رضامندی چونکہ مخفی بات ہے اس لیے ایجاب و قبول اس وجہ سے کہ یہ رضامندی پر دلالت کرتے ہیں اُس کے قائم مقام ہیں۔

بیع میں خیار قبول کا حکم شرعی

پھر جب دونوں معاملہ کرنے والوں میں سے ایک نے ایجاب کیا بائع ہو یا مشتری جیسے کہ بائع مشتری سے کہے میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز اتنے کو بیچی یا مشتری بائع سے کہے میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے کو خیارِ قبول کہتے ہیں اور یہ اختیار آخر مجلس میں عقد کو قبول کرے اور چاہے رد کر دے اور اس اختیار کو خیارِ قبول کہتے ہیں اور یہ اختیار آخر مجلس تک باقی رہتا ہے اور تاخیر سے باطل نہیں ہوتا اگرچہ عرصہ گذر جائے جب تک کہ کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہو جو اس اختیار کو باطل کر دے اس لیے کہ انسان کو اس میں سوچنے کی ضرورت ہے اور اُس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مبیع کے ایک حصہ میں عقد کو قبول کرے دوسرے میں نہیں اس میں عقد متفرق ہو جاتا ہے جس سے دوسرے کا نقصان ہوگا کیونکہ مبیع اگر ایک ہی چیز ہے تو یہ نقصان ہوگا کہ اس میں دوسرا شریک ہو گیا اور اگر کئی چیزیں ہیں تو عادت یوں ہے کہ عمدہ کو ناقص کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور عمدہ کی قیمت ناقص کی نکاسی کے لیے کچھ کم کر دیا کرتے ہیں تو اگر بعض کے قبول کرنے کا اُس کو اختیار ہو تو وہ عمدہ کو تو لے لے گا اور ناقص کو چھوڑ دے گا پس بائع کے ہاتھ سے عمدہ مبیع قیمت سے کم پر نکل جائے گی اور اس میں اس کا ضرر ہے ہاں اگر بائع دو عقد کرے اور ہر ایک کی قیمت جدا جدا بیان کر دے اور یوں کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے کو اور یہ چیز اتنے کو بیچی تو اب اُس کو ضرر نہ ہوگا، پھر جب تک قبول نہ ہو ایجاب دونوں میں سے کسی ایک کے کھڑے ہو جانے سے باطل ہو جائے گا کوئی کھڑا ہو جائے اور اس کے بعد دونوں میں سے کسی کو قبول کا اختیار باقی نہ رہے گا کیونکہ کھڑا ہو جانا رجوع کی دلیل ہے۔

اور ایسے ہی اگر بائع مشتری سے کہے میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز اتنے کو بیچی اور ابھی مشتری نے کچھ نہیں کہا کہ بائع اور شخص سے کچھ بات چیت کرنے لگا تو ایجاب باطل نہیں ہوگا۔

خیار عیب

اور جب ایجاب و قبول ہو چکیں تو عقد پورا ہو جاتا ہے اور دونوں میں سے کسی کو کچھ اختیار نہیں رہتا نہ مجلس میں نہ مجلس کے بعد ہاں عیب یا نہ دیکھنے کی وجہ سے اختیار باقی رہتا ہے۔

نقد و ادھار بیع صحیح ہے

اور عوض میں جو چیز دی جائے اُس کی طرف اشارہ کر دینا مبیع ہو یا قیمت صحت بیع کے لیے بلا مقدار اور وصف کے جانے ہوئے اشارہ ہی کافی ہے اور جس کی طرف

اشارہ نہ کیا گیا ہو اُس کی مقدار اور وصف کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ عقد کے بعد قبضہ کرا دینا واجب ہے اور اس جہالت سے جس کا انجام جھگڑا ہو اس کا حاصل ہونا محال ہے اور بیع نقد قیمت یا اُدھار دونوں سے صحیح ہے کیونکہ قولِ الٰہی وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ "اور حلال کیا اللہ نے بیع کو" مطلق ہے اور اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ مدت پر اُدھار غلہ مول لیا اور اپنی زرہ گروی رکھ دی۔

ادھار بیع کی صورت میں قیمت کی ادائیگی کی مدت متعین کرنا ضروری ہے | لیکن مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے اس واسطے کہ اگر مدت معلوم نہ ہوگی بلکہ مجہول ہوگی جیسے حاجیوں کی واپسی کے وعدہ پر بیچنا یا کھیتی کٹنے پر یا کھلیان کے دائیں چلانے پر یا انگور ٹوٹنے پر یا اُون کترنے پر تو اُس کی جہالت اُس قبضہ کرا دینے سے جو عقد کے بعد واجب ہے مانع ہوگی اس لیے کہ یہ اوقات کبھی پہلے ہوتے ہیں اور کبھی پیچھے سو کبھی بائع اول وقت میں تقاضا کرے گا اور خریدار پچھلے وقت پر ٹالے گا اور دونوں میں جھگڑا پڑے گا جو عقد کے فاسد ہو جانے کو چاہتا ہے۔

اور اگر دونوں نے ان ہی مدتوں پر بیع کی پھر دونوں نے رضا مندی سے حاجیوں کے آنے اور لوگوں کے کھیتی کاٹنے اور کھلیان ڈالنے وغیرہ پہلی مدت کو ساقط کر دیا تو وہ ہی بیع صحیح ہو جائیگی کیونکہ باعثِ فساد تقررِ عقد سے پہلے جاتا رہا اور اگر دونوں میں بیع بلا شرط واقع ہوئی پھر اُس کے بعد ادائے قیمت کے یہی اوقات مقرر کر دئے تو جائز ہے اس لیے کہ یہ دین کے لیے مدت بیان کرنا ہے اور دین میں تھوڑی سی جہالت گوارا کی جا سکتی ہے کیونکہ جس دین کی قرض خواہ کوئی مدت معین کر دے تو وہ مدت معلوم ہو یا تھوڑی سی جہالت کی وجہ سے مجہول ہو جیسے یہی مذکورہ اوقات تو وہ دین مؤجل ہو جاتا ہے اور اُس کی مدت لازم ہو جاتی ہے مگر وہ قرض [1] جو نقد دیا جائے کہ اُس کی مدت لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کا باطل کر دینا جائز ہے کیونکہ قرض ایک احسان ہے اور نہ اس میں کوئی زبردستی نہیں جیسے عاریت میں

اور اگر یہ قصد ہو کہ نقد قرض کی مدت لازم ہو جائے تو اُس کا طریقہ یہ ہے کہ قرضدار قرضخواہ کو کسی ایسے شخص پر حوالہ کر دے جس پر اُس کا دین آتا ہو پھر قرض خواہ اُس شخص کو ایک مدت معلومہ تک مہلت دے تو اب یہ مدت لازم ہو جائے گی یہاں تک کہ اگر قرض خواہ اس مدت سے پہلے طلب کرنا چاہے تو اُس کو یہ اختیار نہیں ہے۔

---

[1] اردو میں تو دین کا ترجمہ بھی قرض ہے اور قرض کو سب جانتے ہیں لیکن عربی میں دین اُس کو کہتے ہیں کہ کوئی چیز خریدی اور اُس کی قیمت اُس وقت ادا نہ کی بلکہ بعد میں دینے کا وعدہ ہو اور قرض وہ ہے جس میں خرید و فروخت نہ ہو بلکہ ویسے ہی کوئی شخص کسی سے کچھ اُدھار لے ۱۲

خریدی ہوئی چیز کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے آگے فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے کوئی چیز منقولات میں سے مول لی تو اُس کو جائز نہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچ ڈالے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس کا قبضہ نہ کیا ہو اس لیے کہ شے منقول کی بیع میں اُس کے تلف ہو جانے کی صورت میں عقد ٹوٹ جانے کا احتمال ہے اگر مبیع قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گئی تو عقد ٹوٹ جائے گا اور بیع اول بائع کی ملک میں لوٹ جائے گی تو اب مشتری غیر کے مال کا بائع ہو جائے گا اور اگر قبضہ کر لیا ہے تو اب بیع اول پوری ہو چکی پس اب وہ دوبارہ اپنے مال کا بائع ہو گا اور چونکہ قبضہ سے پہلے یہ نہیں معلوم تھا کہ آیا بیع پوری ہو گی کہ دوبارہ بیع کی صورت میں اپنے مال کا بائع ہو گا یا ٹوٹ جائے گی پس غیر کے مال کا بائع ہو جائے گا اس لیے جائز نہ ہونے کا حکم ہوا برخلاف غیر منقول کی بیع کے کہ قبضہ سے پہلے بھی یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں وہ مانع یعنی ہلاک ہو جانے کی تقدیر پر عقد ٹوٹ جانے کا شبہ نہیں ہے اس لیے کہ زمین کا ہلاک ہو جانا شاذ نادر ہے۔

قیمت میں قبضہ سے پہلے تصرف کے جائز ہونے کی صورت اور قیمت میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے خواہ قیمت ایسی شے ہو جس کی تعیین نہ ہو سکتی ہو جیسے نقود یا متعین ہو سکتی ہو جیسے مکیل اور موزون یہاں تک کہ اگر کچھ مال کچھ دراہم یا ایک پیمانہ گیہوں کے عوض بیچا تو بائع کو جائز ہے کہ اُس کے بدلے کوئی اور چیز لے لے کیونکہ جائز کرنے والا یعنی ملک موجود ہے اور کوئی مانع یعنی ہلاک ہو جانے سے ٹوٹنے کا شبہ نہیں موجود کیونکہ قیمت مشتری کے ذمہ ثابت ہو جاتی ہے اور معین کرنے سے معین نہیں ہوتی ہے اور مکیل اور موزون چیزیں اگرچہ ایک طرح خود مبیع ہیں لیکن ایک طرح سے قیمت بھی ہیں لہٰذا اُن کے ہلاک ہونے سے بیع نہ ٹوٹے گی اور قیمت میں قبضہ سے تصرف جائز ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس کے ذمے ثابت ہے خود اسی کو مالک بنا دے تو جائز ہے اگرچہ بعوض ہو جس کے ذمہ ہے اُس کے علاوہ کسی اور کے مالک بنانے کا جواز مراد نہیں اس لیے کہ جس کے ذمے دین ہے اُس کے سوا کسی اور کو مالک بنانا شرع سے ثابت نہیں۔

گیہوں وغیرہ کی خرید و فروخت کا صحیح طریقہ اور گیہوں وغیرہ غلوں کا ناپ تول کر بھی بیچنا جائز ہے اور اٹکل سے بھی اور ایک ایسے پیمانہ سے ناپ کر بیچنا بھی جائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو اور دبانے سے دب نہ جاتا ہو تو جائز ہے اور اگر دبانے سے دب جاتا ہو جیسے زنبیل وغیرہ تو جائز نہیں اور جس نے ناپ کر بکنے والی چیز کی ڈھیری اٹکل سے مول لی تو اُس کو جائز ہے کہ بغیر ناپے ہوئے بیچ ڈالے یا کھائے اس واسطے کہ بیع اُس چیز پر واقع ہو گی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نہ مقدار معین پر۔ لہٰذا وہ سب کا سب اُسی کا ہے اور اگر ڈھیری اس شرط پر مول لی کہ اسے ناپ دو تو بغیر ناپے

نہ بیچے اور نہ کھائے اس واسطے کہ شاید مقدار مشروط سے کچھ بڑھ جائے اور وہ بائع کا مال ہے اور غیر کے مال میں تصرف حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے۔

اشیاء کے ناپ تول کا صحیح طریقہ اور بیچنے کے بعد مشتری کے سامنے بائع کا ناپ دینا بنا بر مذہب صحیح کافی ہے کیونکہ مقدار مبیع اس سے معلوم ہو جاتی ہے اور قبضہ دے دینا ثابت ہو جاتا ہے اور بیچنے سے پہلے بائع کے کیل کا کچھ اعتبار نہیں ہے اگرچہ مشتری کے سامنے ہو کیونکہ شرط بائع یا مشتری کا کیل کرنا ہے اور اس وقت نہ وہ بائع ہے نہ مشتری اور بیع کے بعد خریدار کی غیر حاضری میں ناپنے کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ ناپنا بھی ایک گونہ قبضہ دینا ہے کیونکہ ناپنے سے مبیع معلوم ہو جاتی ہے اور تسلیم بغیر مشتری کی موجودگی کے ہوتی نہیں اور ایسے ہی وہ چیز جو وزن سے یا گنتی سے بکتی ہے بشرط وزن یا شمار کے مول لی تو نہ بیچے اور نہ کھائے جب تک کہ تول یا گن نہ لے ہاں اگر بائع بیع کے بعد مشتری کے سامنے تول دے یا گن دے تو یہ کافی ہے اور اگر گز سے ناپنے کی چیز ناپ دینے کی شرط سے مول لی تو جائز ہے کہ ناپنے سے پہلے بیچ ڈالے اس لیے کہ گز وصف ہے اس کے مقابلے میں کچھ قیمت نہیں ہوتی پس وہ سب اُسی کا ہے زیلعی رح کہتے ہیں یہ جب ہے جبکہ بائع فی گز کے حساب سے قیمت نہ ٹھہرائے اور اگر اُس نے معین کر دیا اور کہہ دیا کہ فی گز اتنے کو تو پھر مشتری کو حلال نہیں ہے کہ ناپے بغیر اُس میں تصرف کرے۔

فی پیمانہ کے حساب سے منعقد ہونے والی بیع اور جو کوئی اناج کا ڈھیر فی پیمانہ اتنا کہہ کر بیچے اور یہ بیان نہ کرے، کہ کتنے پیمانے ہیں تو امام ابی حنیفہ رح کے نزدیک یہ بیع ایک پیمانے کے سوا جائز نہیں کیونکہ مبیع اور قیمت دونوں کے مجہول ہونے کے سبب سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا عقد کل ڈھیر سے متعلق ہونا متعذر ہے اس واسطے کہ بائع بمقتضائے عقد پہلے قیمت طلب کرے گا اور مشتری قیمت کی مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ادا نہ کرے گا اس لیے کہ خود مبیع معلوم نہیں اور جب کہ عقد کو تمام مبیع پر واقع نہیں کر سکتے تو ایک پیمانہ پہ واقع کریں گے اور ایک معلوم ہی ہے اور اگر جہالت مجلس کے اندر ہی ناپ دینے یا تمام پیمانے بیان کر دینے سے دفع ہو جائے تو بیع تمام ڈھیر کی جائز ہو جانے گی لیکن مشتری مختار ہوگا اور یہی ان تمام موزونات اور معدودات کا حکم ہے جو یکساں ہوں۔

جانوروں کے ریوڑ کی بیع کا صحیح طریقہ۔ اور اگر بکریوں کا ریوڑ اس طرح بیچا کہ ہر ایک راس اتنے کو اور ان کا شمار بیان نہ کیا تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک بیع بالکل جائز نہیں کیونکہ ذکر ہو چکا ہے کہ عقد ایک عدد پر واقع ہوتا ہے اور وہ یہاں متفاوت ہیں اس لیے کہ بکریوں کی راسیں ایک سی نہیں ہوتیں اور افراد کا متفاوت ہونا جہالت کو مقتضی ہے جس سے جھگڑا ہوگا اور ایسا ہی ہر معدود متفاوت کا

حکم ہے اگر گٹھڑی بقان کی فی تھان اتنے کو کہہ کر بیچے اور گنتی بیان نہ کرے تو بیع جہالت کی وجہ سے جو جھگڑا کھڑا کر دیتی ہے بالکل جائز نہ ہوگی اور صاحبین رح کے نزدیک بیع تمام کی جائز ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے کہ لوگوں پر آسانی کے لیے صاحبین رح ہی کے قول پر فتویٰ ہے اور اگر اُن کا عدد بیان کر دیا اور مشتری سے کہا میں نے تیرے ہاتھ یہ ریوڑ کہ سو بکریاں ہیں یا یہ گٹھڑی کہ سو تھان ہیں اتنے کو بیچا تو بیع صحیح ہے کیونکہ بیع اور ثمن بتلا دینے کی وجہ سے دونوں معلوم ہیں لیکن اگر مشتری نے کم یا زیادہ پائے تو بیع فاسد ہو جائے گی اس کو زائد پانے کی صورت میں تو بیع کا فساد اس وجہ سے ہے کہ یہ زائد عقد میں داخل نہیں ہے پس اُس کا پھیر دینا واجب ہے اور وہ مجہول ہے اس لیے کہ بکریاں اور کپڑے کے تھان آپس میں متفاوت ہوتے ہیں لیکن اگر کم پائے تو بیع کا فساد اس وجہ سے ہے کہ جس قدر کم ہے اس کے حصہ رسد قیمت اُس کے ذمہ سے ساقط کرنا واجب ہے اور وہ مجہول ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ جو چیز کم ہو گئی ہے وہ عمدہ تھی یا اوسط درجہ کی یا گھٹیا تھی اور اگر بائع نے ہر ایک کی قیمت بیان کر دی کہ فی راس یا فی تھان اتنے کو تو بیع کمی کی صورت میں صحیح ہے لیکن مشتری مختار ہے چاہے موجود کو حصہ رسد قیمت سے مول لے لے کیونکہ ثمن معلوم ہے اور چاہے نہ لے اور زیادتی کی صورت میں فاسد ہے کیونکہ بیع مجہول ہے۔

بیع ناجائز ہونے کی صورت اور جس نے دوسرے سے کہا میں نے تیرے ہاتھ ایک پیمانہ گیہوں کا جو اس ڈھیر میں ہیں یا اس خرمن میں ہیں بیچا پھر اس کو اور جگہ سے گیہوں دئے تو جائز نہیں ہے اس لیے کہ نقدی کے سوا سب خرمن متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں پس اس کا بدلنا اور دوسرے کا اس کی جگہ رکھ دینا بلا عقد اول کو فسخ کئے اور دوبارہ عقد کئے جائز نہیں ہے اور جس نے کوئی شے بیچی اور مشتری سے کہا میں نے یہ چیز تیرے ہاتھ بغیر قیمت کے بیچی تو یہ بیع باطل ہے اس لیے کہ جب قیمت کی نفی کر دی تو بیع کا رکن جاتا رہا پس بیع بھی نہ ہوگی اور اگر اس نے بیچا اور قیمت کے متعلق چپ ہو رہا تو بیع باطل نہ ہوگی بلکہ فاسد ہوگی اس لیے کہ مطلق بیع معاوضہ کو چاہتی ہے اور جب اُس نے قیمت بیان نہ کی تو اُس کی غرض اس شے کی اصلی قیمت کا لینا ہے اور ایسا ہوگا کہ گویا اس نے اُس چیز کو اپنی واجبی قیمت پر بیچا اور کسی چیز کو واجبی قیمت سے بیچنا فاسد ہوتا ہے نہ باطل۔

بیع باطل اور فاسد کا فرق اور حاصل یہ ہے کہ بیع اگر صحیح نہ ہو تو کبھی باطل ہوتی ہے اور کبھی فاسد لہٰذا ہر ایک کا بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ اُن سے بچنا ممکن ہو۔

پس بیع باطل تو وہ ہے کہ اپنی اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح نہ ہو اور ایسی بیع ملک کا فائدہ بالکل نہیں دیتی اور اسی لیے کہتے ہیں جس کا گمان غالب ہو کہ اکثر معاملات ان بازار والوں کے باطل ہیں تو اُس کو اُن سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں اور نہ اُس کو وہ چیز حلال ہے جو اُن سے خریدی ہو۔

اور بیع فاسد وہ ہے جو باعتبار اصل تو صحیح ہو باعتبار وصف نہیں اور مشتری کے اس پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ ملک کا فائدہ دیتی ہے لیکن پاکیزہ طریقہ سے نہیں بلکہ خبیث طریقہ سے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ کسی کو مالک بنا کر یا خود نفع اٹھا کر اُس میں تصرف کرنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کھانے کی چیز ہو تو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر لونڈی ہے تو صحبت حلال نہیں بلکہ ہر ایک بائع اور مشتری پر فساد اٹھانے کی غرض سے عقد کا توڑ دینا واجب ہے۔

اور اگر دونوں نے عقد توڑا بلکہ مشتری نے وہی چیز جو بیع فاسد سے قبضہ کی ہے کسی اور کے ہاتھ عقد صحیح سے بیچ ڈالی تو اُس کی بیع ہو جائے گی کیونکہ جب وہ اُس کا مالک ہے تو بطور بیع وغیرہ کے دوسرے کو مالک بنانے کا بھی مالک ہے اور اب اس کے بعد عقد اول فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب بندہ کا حق متعلق ہو گیا کیونکہ پہلے تو فسخ کا واجب ہونا حقِ شرع کے لیے تھا اور جب حق عبد اور حقِ شرع جمع ہو جائیں تو حقِ عبد اس کے حاجتمند ہونے کی وجہ سے مقدم رکھا جاتا ہے ہاں مشتری ثانی کو اُس کے خریدنے سے الگ رہنا ہی اولیٰ تھا کیونکہ کہتے ہیں جس کو معلوم ہو کہ اکثر معاملات بازار والوں کے فاسد ہیں تو اُس کو مناسب ہے کہ اُن سے کسی چیز کے مول لینے سے الگ رہے اور باوجود اس کے اگر اُن سے کوئی چیز مول لے لیگا تو اس کو اس سے نفع اٹھانا حلال ہوگا بشرطیکہ یہ اخیر کا عقد صحیح ہو اور یہ اس لیے کہ بیع کا رکن ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے پس جس بیع کے رکن میں خلل پایا جائے وہ تو باطل ہے اور جس بیع کے رکن میں خلل نہ پایا جائے بلکہ وصف میں پایا جائے جیسے قبضہ دینا اور قبضہ لینا جو عقد کے بعد ہو جائے واجب ہیں اور انتفاع جو مبیع سے مقصود ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اور اوصاف تو وہ بیع فاسد ہے۔

بیع باطل اور فاسد کی مثالیں پس اس بنا پر خون اور مردار کے عوض میں جو خود بخود مر گیا ہو اور اسی قسم کی اور چیزوں کے عوض میں بیع باطل ہے اس لیے کہ یہ بیع اپنی اصل اور وصف دونوں میں صحیح نہیں ہے کیونکہ رکن بیع یعنی مال کا مال سے بدلنا موجود نہیں ہے اس واسطے کہ کسی چیز میں مالیت کی صفت تمام لوگوں یا بعضوں کے اس کو مال سمجھنے کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں کسی ایسے شخص کے نزدیک مال نہیں ہیں جس کا دین سماوی ہو اور شراب اور سور وغیرہ سے بیع فاسد ہے اس لیے کہ یہ باعتبار اصل کے صحیح ہے کہ اُس کا رکن یعنی مال کا مال سے بدلنا تو موجود ہے اس لیے کہ یہ چیزیں بعض کافروں کے نزدیک مال سمجھی جاتی ہیں اور باعتبار اپنے وصف کے صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں باقیمت نہیں ہیں کیونکہ کسی چیز کا باقیمت ہونا اُس سے شرعاً انتفاع مباح ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور شرع نے ان دونوں سے انتفاع مسلمانوں کے حق میں باطل کیا ہے۔

اور جس نے ایک پیمانہ گیہوں کا بیچا اور اُس کی ملک میں گیہوں نہیں ہیں تو بیع باطل ہو گی کیوں کہ

اس کا رکن یعنی مال کا مال سے بدلنا موجود نہیں ہے اس لیے کہ مال تو وہ ہے جو موجود ہو جس کی طرف طبیعت راغب ہو اور اُس کو خرچ کرنا نہ کرنا دونوں ہو سکتے ہوں اور معدوم چیز تو مال ہی نہیں ہے اور اگر اُس کی ملک میں گیہوں تو ہیں لیکن اُس سے کم ہیں جتنی مقدار اُس نے بتائی ہے تو معدوم میں بیع باطل ہے اور موجود میں فاسد۔

روغن سمیت برتن بیچنے کی غلط اور صحیح صورت | اور روغن زیتون کا بایں شرط بیچنا درست نہیں کہ برتن سمیت تول دے اور بعوض برتن اتنے رطل گھٹا دئے جائیں اس لیے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اس کو مقتضی نہیں ہے عقد کا مقتضی تو یہ ہے کہ برتن کا جتنا وزن ہو اتنا گھٹائیں اور جب یہ شرط ٹھہری کہ اتنے رطل گھٹائیں تو یہ شرط مقتضائے عقد کے مخالف ہوئی ممکن ہے کہ برتن کا وزن اُس سے کم ہو یا زیادہ ہو لہٰذا بیع کا مجہول ہونا یا کچھ تیل کا بلا قیمت پڑنا یا کچھ قیمت کا اُس تیل کے عوض پڑنا جو موجود نہیں ہے لازم آتا ہے اور اگر یہ شرط کی کہ جتنا وزن برتن کا ہو اُتنا کم کر دیں تو جائز ہے اس لیے کہ یہ صورت مقتضائے عقد کے موافق ہے اور جو شرط مقتضائے عقد کے موافق ہو عقد کو فاسد نہیں کرتی بلکہ عقد کو محکم کرتی ہے۔

پانی میں مچھلی کی بیع کی غلط اور صحیح صورت | اور ایسے ہی پانی کے اندر کی مچھلی کا بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ شکار سے پہلے وہ مملوک نہیں ہے پس اس موقع پر جائز نہ ہونے کے معنیٰ باطل ہونا ہیں اور نہ شکار کر کے اُس کو حوض میں چھوڑ دینے کے بعد اگر وہ حوض اتنا بڑا ہو کہ بدون تکلیف اور حیلے (یعنے جال) کے اُس کا پکڑنا ممکن نہ ہو تو اُس پر قبضہ دینا قدرت میں نہیں ہے لہٰذا اس موقعہ پر نا جائز ہونا فساد کے معنوں میں ہے اور اگر حوض چھوٹا ہے کہ بلا تکلیف اور بے حیلہ اس کا پکڑنا ممکن ہے تو بیع جائز ہے کیونکہ قبضہ دے دینے کی قدرت ہے لیکن جب مشتری کو دے چکا تو اُس کو خیارِ رویت ہے اگر چہ اس سے پہلے وہ پانی کے اندر دیکھ چکا ہو اس لیے کہ پانی سے باہر آ کر متفاوت ہو جاتی ہے۔

اڑتے ہوئے جانور کی بیع | اور ایسے ہی اُڑتی ہوئی چڑیا کی بیع جائز نہیں ہے اس لیے کہ پکڑنے سے قبل مملوک نہیں پس یہاں بھی یہ عدم جواز باطل ہی کے معنوں میں ہے اور اُس کو پکڑ لینے اور ہاتھ سے پھر چھوڑ دینے کے بعد اگر اُس کے پاس لوٹ کر نہ آتا ہو تو قبضہ دینے پر قدرت نہ ہوگی، پس عدم جواز بمعنے فساد ہے اور اگر اُس کے پاس چلا آتا ہے جیسے کبوتر تو اُس کی بیع جائز ہے اس لیے کہ قبضہ دینے پر قدرت ہے۔

دودھ کی بیع | اور ایسے ہی دودھ کا دوھنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے اس واسطے کہ اس کا وجود مشکوک ہے کہ تھن پھولے ہوئے ہوں تو وہ کچھ مال نہ ہوگا پس اس صورت میں بیع باطل ہوگی یا اسلیے

کہ دودھ تھوڑا تھوڑا بڑھتا رہتا ہے اور بیع میں بڑھتی مال داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ عقد کے وقت موجود نہ تھا لہذا بیع غیر مبیع کے ساتھ ایسی طرح مل جائے گی کہ تمیز نہیں ہو سکتی پس اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی۔

بکری کی اُون کی اس کے جسم پر بیع اور ایسے ہی بکری کی اُون کی بیع بغیر کترے دو وجہ سے جائز نہیں ہے ایک تو یہ کہ اُون حیوان سے ملا ہوا ہے پس وہ اُس کا صرف وصف ہی وصف ہے برخلاف اُسکے جو درخت میں لگا رہتا ہے کیونکہ یہ ایک وجہ سے خود مال مقصود ہے لہذا اُس کی بیع جائز ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اُون نیچے کی طرف بڑھتا ہے لہذا بیع غیر مبیع کے ساتھ مل جائیگی برخلاف ٹہنیوں کے جو درخت سے ملی ہوں کہ یہ اوپر کی جانب سے بڑھتی ہیں لہذا بیع غیر مبیع کے ساتھ نہ ملے گی اور یہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُون کو بکری کی پیٹھ پر رنگ دیا جائے تو چند روز کے بعد رنگی ہوئی اوپر کی طرف ہو جاتی ہے جڑ میں نہیں رہتی اور رہیں ٹہنیاں سو اگر اُس کے سرے میں تاگا باندھ دیا جائے تو وہ تاگا چند روز کے بعد سرے سے نیچے کی طرف رہ جاتا ہے اور اوپر کی جانب خریدار کی ملک ہے اور ادھر کو جو بڑھتا جائے گا سو اسی کی ملک میں بڑھے گا۔

مردار کی کھال اور ہڈیوں وغیرہ کی بیع کی جائز و ناجائز صورت اور ایسے ہی مردار کی کھال کا دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ بسبب ناپاکی کے اس سے فایدہ نہیں اُٹھا سکتے اور نبی علیہ السلام فرما چکے ہیں مردار کے اہاب کو مت برتو اور اہاب بے پکائے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں اور پکا کر بیچنا اور برتنا پکانے سے پاک ہو جانے کی وجہ سے جائز ہے پھر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نجاست تو چکنائی کے ملنے کی وجہ سے ہے اور یہ جواز بیع سے مانع نہیں جیسے ناپاک کپڑا تو جواب یہ ہے کہ چمڑے میں چکنائی پیدائشی ہے پس جب تک دباغت سے دور نہ ہو بمنزلہ عین جلد کے ہے اور اس اعتبار سے چمڑے کی ذات حرام ہوئی برخلاف ناپاک کپڑے کے کہ یہ پیدائشی نہیں بلکہ اس میں لگ گئی کہ اس سے پہلے لگی نہ تھی پس اُس کا حکم جواز بیع اور برتنے میں نہ بدلے گا پھر جیسے کہ دباغت کے بعد مردار کا چمڑہ بیچنا اور برتنا جائز ہے ایسے ہی مردار کی ہڈیاں اور سینگ اور پٹھے اور بھیڑ کے بال اور اونٹ کے بال اور اُن کا بیچنا اور اُن کا برتنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اُن پر چکنائی نہ ہو کیونکہ یہ سب پاک ہیں ان میں موت کا اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ ان میں جان نہیں ہوتی بلکہ ان میں نباتات کی طرح نمو ہے البتہ اگر ان پر چکنائی ہو تو ناپاک ہیں نہ اُن کی بیع جائز ہے اور نہ ان کا استعمال۔

چھت میں شہتیر اور تھان میں سے تھوڑے کپڑے کی بیع اور ایسے ہی چھت میں پڑے ہوئے شہتیر کا بیچنا اور ایک گز کا سارے کپڑے میں بیچنا جائز نہیں اس لیے کہ بغیر ایسا نقصان اُٹھائے جس کو عقد واجب نہیں کرتا قبضہ نہیں دے سکتا اور اگر بائع نے شہتیر کو نکال لیا اور گز بھر

کپڑا پھاڑ دیا اس سے پہلے کہ مشتری عقد کو توڑے تو بھی بیع صحیح ہو جائے گی کیونکہ مفسد یعنی ضرر تفرر بیع سے پہلے ہی دفع ہو گیا اور یہ تب ہے کہ شہتیر معین ہو اور کپڑا ایسا ہو جس کے پھاڑنے سے نقصان ہوتا ہو جیسے کرتا وغیرہ اس واسطے کہ اگر کپڑا ایسا نہ ہو کہ پھاڑنے سے نقصان ہو جیسے تھان تو بیع جائز ہے اور اگر شہتیر معین نہ ہو تو بیع بوجہ جہالت درست نہیں ہے۔

بعض معاملوں میں بیع جائز یا ناجائز ہونے کی وجہ | اگر کوئی یہ اعتراض کرے اگر کوئی کسی معین بکری کا چمڑا ذبح سے پہلے بیچ ڈالے تو جائز نہیں ہے اور پھر وہ اگرچہ بکری کو ذبح کر کے اور اُدھیڑ کر مشتری کے حوالہ کر دے تو بھی بیع درست نہیں ہوتی اور اگرچہ چمڑا معین اور موجود ہے جیسے کہ شہتیر چھت میں پڑے ہونے کی حالت میں معین اور موجود تھا۔ اور ایسے ہی اگر بکری کی اوجھڑی یا پائے بیچ ڈالے پھر اُس کو ذبح کر کے جو چیز بیچی تھی حوالہ کر دی جب بھی بیع صحیح نہیں ہوتی (تو اس کی کیا وجہ کہ شہتیر کی بیع تو جائز ہے اور بکری کے چمڑے وغیرہ کی بیع جائز نہیں) تو جواب یہ ہے کہ چمڑا اگرچہ معین اور موجود ہے لیکن وہ غیر مبیع کے ساتھ پیدائشی متصل ہے لہٰذا اسی کا تابع ہے لہٰذا قبضہ دینے میں عجز اصلی ثابت ہے عجز حکمی نہیں بر خلاف شہتیر کے کہ وہ بذات خود ایک مال ہے اور اُس کا دوسری چیز سے اتصال بندوں کے فعل کی وجہ سے ہو گیا ہے اور قبضہ دینے میں عجز حکمی ہے اس لیے کہ اس میں ایک مکان کا خراب کرنا ہے جس کا استحقاق عقد سے نہیں ہوا پس جب اُسے نکال دیا اور اپنا ضرر قبول کر لیا تو مانع جاتا رہا پس بیع جائز ہو گئی۔

فروخت شدہ چیز کے استعمال کی بعض جائز و ناجائز حدود میں | اور جس نے لونڈی بیچی پھر بیع سے مکر گیا تو اُس کو لونڈی سے صحبت کرنا تاوقتیکہ مشتری اپنا دعویٰ نہ چھوڑے حلال نہیں ہے پس جب وہ دعوے چھوڑ دے اور بائع سُن لے کہ اُس نے دعویٰ چھوڑ دیا اُس وقت صحبت حلال ہو گی اور جو شخص لونڈی خرید کر مکر جائے تو بھی بائع کو صحبت کرنی حلال نہیں ہے جب تک دعوے نہ کرنے کا پکا قصد نہ کر لے اس لیے کہ بیع صرف مشتری کے انکار سے نہیں ٹوٹتی کہ بائع دعوے نہ کرے پس جب دعوے نہ کرنے کی نیت کر لی تو اب دونوں کی رضامندی سے فسخ ہو گیا لہٰذا صحبت حلال ہے جیسے کہ کسی نے ایک لونڈی اس شرط پر خریدی کہ تین دن تک مجھے اختیار ہے اور قبضہ کر لیا۔ پھر خیار کی مدت کے اندر اندر ایک اور لونڈی واپس کی اور بیان کیا کہ یہ وہی لونڈی ہے جس کو میں نے مول لیا تھا اور قبضہ کیا تھا تو اس کا قول معتبر ہو گا اس لیے کہ دوسری لونڈی کے قبضہ کا انکار کرتا ہے پس اگر بائع اس پر راضی ہو گیا تو اُس کو اس لونڈی سے صحبت کرنا حلال ہے اس لیے کہ مشتری نے جب ایک دوسری لونڈی پھیری تو وہ تو پہلی لونڈی کے عوض اس پر بائع کے مالک ہو جانے پر راضی ہے اور جب بائع بھی اس پر راضی ہو گیا تو ان دونوں میں بطریق تعاطی بیع کامل ہو گئی اور ایسے

ہی دھوبی اگر کپڑے کے مالک کو بدل کر اور کپڑا دیدے اور وہ مالک راضی ہو جائے تو اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

بعض صورتوں میں فروخت کرنا جائز ہے | اور اگر کسی نے کوئی ایسی چیز خریدی جو بگڑ جاتی ہے جیسے گوشت اور پھل وغیرہ اور قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنے گھر چلا گیا تاکہ قیمت لے آئے اور اس میں اُسے دیر لگ گئی اور بائع کو اس چیز کے بگڑ جانے کا خوف ہوا تو اُس کو استحساناً کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالنا جائز ہے اور اس دوسرے مشتری کو اس کا خریدنا جائز ہے اور اگرچہ وہ یہ حال جانتا ہو اس لیے کہ بائع فسخ پر راضی ہے اور ایسے ہی بظاہر پہلا مشتری بھی راضی ہے۔ پھر اگر دوسری دفعہ سے زیادہ ہو تو اُس کو اتنی زیادتی کا خیرات کر دینا لازم ہے اور اگر کم ہے تو یہ نقصان بائع کے ذمہ ہے مشتری اول کے ذمہ نہیں ہے۔

اور اگر کوئی لڑکا نابالغ پیسہ یا ردی لے کر کسی دکاندار کے پاس آیا اور کوئی ایسی چیز مانگی جو گھر میں کام آتی ہے جیسے نمک اور اشنان وغیرہ تو اُس کے ہاتھ بیچنا جائز ہے اور اگر اس سے اخروٹ یا پستہ وغیرہ مانگے جو لڑکے اپنے واسطے لیا کرتے ہیں تو اُس کے ہاتھ نہ بیچے اس لیے کہ پہلی صورت میں لڑکے کو بظاہر اجازت ہے اور دوسری صورت میں نہیں۔

صرف نیت سے بیع منعقد نہیں ہوتی | اور اگر کسی نے نان بائی کو کچھ روپے دئے اور کہا میں نے تجھ سے ان روپوں کے بدلے اتنے من روٹی خریدی اور ہر روز بعوض ایک ایک درہم کے پانچ من روٹیاں لینی شروع کیں تو بیع فاسد ہے اور جو کھاتا ہے وہ چونکہ عقد فاسد سے کھاتا ہے لہذا وہ مکروہ ہے ہاں اگر اُس کو روپے دیدئے اور یہ نہ کہا کہ میں نے تجھ سے اتنے من روٹیاں مول لیں اور ہر روز اس سے پانچ من روٹیاں ایک ایک روپے کی لینی شروع کیں تو بیع جائز ہے اور جو کھاتا ہے حلال ہے اگرچہ روپیہ دیتے وقت خریداری کی نیت ہو اس واسطے کہ صرف نیت سے بیع نہیں ہوتی بیع تو صرف لیتے وقت منعقد ہوگی اور لیتے وقت بیع اور ثمن دونوں معلوم ہیں۔

درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع | اور درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع جائز ہے خواہ پک گیا ہو یا نہیں اس لیے کہ وہ ایسا مال ہے جس کی قیمت ہے کیونکہ وہ اب یا آئندہ کام کے لائق ہے اور مشتری پر ملک بائع کو خالی کر دینے کے لیے ابھی اُس کا کاٹ لینا لازم ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ بغیر شرط کے خرید کیا ہو یا توڑ لینے کی شرط کر لی ہو اور اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط کی ہو تو بیع فاسد ہے اس لیے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس کا عقد مقتضی نہیں اور اس میں ایک کا فائدہ ہے اس واسطے کہ اس میں مشتری کے لیے زیادہ عمدگی اور تازگی حاصل ہوگی۔

اور اگر پھل کو بغیر شرط کے خرید کر کے بائع کی اجازت سے درخت پر لگے رہنے دیا تو اُس کو

یہ زیادتی حلال ہے اور اگر بے اجازت درخت پر رکھا جائے تو جس قدر پھل میں زیادتی ہوئی ہے اُس کو خیرات کر دے کیونکہ یہ زیادتی بطور ممنوع حاصل ہوئی ہے اور یہ بات زمین مغصوب کے زور سے حاصل ہوتی ہے اور یہ جب ہے کہ پھل کا بڑھنا ختم ہونے سے پہلے خرید کر درخت پر رکھے۔

اور اگر بڑھنا ختم ہو چکنے کے بعد بے اجازت درخت پر رکھا تو اس میں سے کچھ خیرات نہ کرے کیونکہ اب صرف حالت کا تغیر ہے کچا تھا اب پک گیا کچھ جسم اس کا نہیں بڑھا کیونکہ پھل جب اپنی مقدار کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اُس میں بائع کے ملک سے کچھ نہیں بڑھتا بلکہ اُس کا پکنا آفتاب کی گرمی سے ہوتا ہے اور اس کی رنگت چاند کی تاثیر سے اور مزہ تاروں کے اثر سے لہذا اُس میں بجز سورج اور چاند اور تاروں کی تاثیر کے اور کچھ نہیں ہے اور یہ عزیز حکیم کے حکم سے ہے۔

تہترویں مجلس سود کی حقیقت اور اُس کے انجام بد کے بیان میں

سود کا لین دین پھیل جانے کی پیشین گوئی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اُن میں سے کوئی بے سود کھائے نہ رہے گا اگر کوئی خود سود کو نہ کھائے گا تو اُس کو اس کا غبار ہی پہنچے گا" اور ایک روایت میں ہے اُس کا بخار اس کو پہنچے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جس میں سود کی کثرت ہو جائے گی اور اُس وقت ان میں سے کوئی بے سود کھائے نہ رہے گا اور اگر صاف نہ کھائے گا تو اُس کو اس کا بخار یا غبار ہی پہنچے گا۔

اور بخار وہ بھاپ ہے جو پانی میں سے جوش کھاتے وقت دھوئیں کی طرح اٹھتی ہے اور پانی بلا آگ کے جو اُس کے تلے جلائی جائے جوش نہیں کھاتا اور سود قیامت کے دن چونکہ ایسی آگ بن جائیگا جس سے کھانے والے کا دماغ پکے گا اور اس میں سے بھاپ نکلے گی اس وجہ سے سود کی طرف بخار کی نسبت کرنا مناسب ہوا اور ایسے ہی غبار جب اُڑتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان پھیل جاتا ہے پس جو اُس کے قریب ہوتا ہے سب پر پڑتا ہے

پس اس بنا پر اس حدیث کے معنے جیسے کہ تورپشتی نے بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ سود کا لین دین بہت پھیل جائے گا پس معاملہ کے وقت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو کر تمام لوگوں کے مالوں میں مل جائے گا لہذا سب اُس کو بلا ارادہ سود کھائیں گے پس کوئی اس کے گناہ اور ضرر سے سلامت نہ بچے گا اگرچہ سودی لین دین سے سلامت رہے۔

سود کے کثرت سے پھیلنے کا سبب اور اس کا سبب جہالت کا پھیلنا اور بیع و شرا کے احکام سے

واقف نہ ہوتا ہے اس لیے کہ ایسا شخص بہت کم ملے گا جو نبی علیہ السلام کی بتائی ہوئی بات بتلائے اور اُس پر عمل کرے پس تم دیکھو گے کہ دیندار آدمی سود کھا رہا ہے اور اُس کو اُس کی خبر نہیں کہ یہ سود ہے لہٰذا وہ دین کی کوتاہی کے سبب سے گنہگار ہو گا کیونکہ جو شخص بغیر اس کے کہ مسائل اور احکام بیع وشرا کے سیکھے بیع وشرا کرے گا تو وہ سود کھائے گا چاہے یا نہ چاہے۔ اور اسی لیے حضرت عمرؓ بازار میں پھرا کرتے تھے اور سوداگروں کو کوڑے سے مارا کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے بازار میں وہ نہ بیچے جو مسائل دینی نہ جانتا ہو ورنہ وہ سود کھائے گا چاہے یا نہ چاہے۔

سود کھانے والوں کا انجام | اس بیان کے موافق مومن پر واجب ہے کہ بیع وشرا کے مسائل سیکھے تاکہ سود سے بچنا اُس کو ممکن ہو کیونکہ سود حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے اور کئی آیتوں سے اس کے حکم میں سختی کی ہے اُن میں سے ایک یہ آیت ہے اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھو دیے ہوں شیطان نے لپٹ کر۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دے دی ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں میں سے جب نکالے جائیں گے تو وہ اس جنون کی وجہ سے جو اُن کو سود کھانے سے پیدا ہو گیا ہے ایسے اٹھیں گے جیسے مرگی مارے ہوئے کا اُٹھنا پس اُن کا اُٹھنا اور گرنا مرگی والے کی طرح ہو گا لیکن نہ اس وجہ سے کہ اُن کی عقل میں فتور ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے پیٹ میں جو سود کی چیزیں کھائی ہیں اُن کو بڑھا دے گا لہٰذا بوجھ سے حاملہ کی طرح کبھی اٹھیں گے اور کبھی گریں گے اور یہ عذاب قیامت کے دن اُن کو ایسا گھیرے گا کہ اسی سے اہلِ محشر کے نزدیک پہچانے جائیں گے پس بے شک اہلِ محشر میں سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ یہ سود خوار ہیں۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ معراج کی شب میں ایک قوم پر پہنچا جن کے پیٹ گھروں کی طرح فراخ تھے اُس کے اندر بہت سے سانپ اور بچھو باہر سے نظر آتے تھے میں نے پوچھا اے جبریلؑ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود خوار ہیں۔

تجارت کرنے والے کے لیے علم سیکھنے کی ضرورت | اس بیان کے موافق جو تجارت کرے اس کو چاہیے کہ اتنا علم ضرور سیکھ لے جس کی تجارت میں حاجت پڑتی ہے تاکہ سود کھانے سے بچے کیونکہ سود کبیرہ گناہ ہے۔

سود کے معنی | اور سود کے معنی لغت میں مطلق زیادتی کے ہیں اور اصطلاح شرع میں وہ زیادتی مراد ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو اور دو مالوں میں سے کسی ایک مال میں شرط ہو۔

سود کی قسمیں | اور سود کی دو قسم ہیں ایک زیادتی کا سود اور دوسرا ایک ادھار کا سود۔

زیادتی تجارت کے سود کی شرط | زیادتی کے سود میں تو یہ شرط ہے کہ دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور ایسے ہوں کہ دونوں ناپ کر بکتے ہوں یا تول کر بکتے ہوں اور دونوں ایسے ہوں کہ شرعی اندازہ کے تحت میں داخل ہوں اور شرعی اندازہ ناپ کر بکنے والی چیزوں میں ناپ ہے اور تول کر بکنے والی چیزوں میں تول ہے اور ناپ وزن کی تعبیر قدر سے کرتے ہیں اب اس بیان کے موافق دو پیمانہ جو کی زیادتی ایک پیمانہ گیہوں پر سود نہ ہوگی کیونکہ دونوں ایک جنس کے نہیں اور گز کی چیز کی زیادتی دوسری گز کی چیز پر جیسے دو گز کپڑے کا ایک گز کپڑے سے زیادہ ہونا اور معدود کی زیادتی جیسے دو انڈوں کا ایک انڈے سے زیادہ ہونا سود نہیں کیونکہ یہ دونوں نہ ناپنے والی چیز ہیں اور نہ تولنے والی اور دو آبخورہ گیہوں کا ایک آبخورہ گیہوں سے زیادہ سود نہیں اس لیے کہ یہ دونوں شرعی اندازہ کے تحت میں داخل نہیں ہیں اس لیے کہ شرع میں ناپنے والی چیزوں کا اندازہ کرنے کے لیے کم از کم آدھا صاع معتبر ہے اس سے کم معتبر نہیں اور دو پیمانہ گیہوں اور دو پیمانہ جو کا ایک پیمانہ گیہوں اور ایک پیمانہ جو سے زیادہ ہونا سود نہیں ہے اس لیے کہ اول اگرچہ دوسرے سے زیادہ ہے لیکن ایک جنس کو دوسری خلاف جنس سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے عوض سے خالی نہیں ہے کیونکہ جب ایک جنس اپنی جنس کے ساتھ مقابل ہوتی ہے تو ایک کا ہر ہر جز دوسرے کے ہر ہر جز کے مقابل ہوتا ہے پس اگر ایک میں زیادتی ہو تو وہ زیادتی مالک کی طرف سے مفت جاتی ہے لہذا لوگوں کا مال تلف ہونے سے بچانے کے لیے شارع نے اس میں مقدار کی برابری واجب کر دی ہے اور جب ایک جنس کا خلاف جنس سے مقابلہ ہو تو پھر ایک چیز کے ایک جز کا مقابلہ دوسری چیز کا ایک جز نہیں ہو سکتا کہ مفت جاتا رہنا ثابت ہو اس لیے کہ مفت جانا صرف جنس کا جنس سے مقابلہ ہونے اور ایک میں زیادتی ہونے کے وقت ثابت ہوتا ہے۔

ادھار کے سود کی شرط | اور رہا ادھار کا سود پس اس میں یہ شرط ہے کہ دونوں عوض میں جنس یا قدر ایک ہی ہووے۔

سود کی علت اور اس کا اثر | کیونکہ سود کی علت علمائے حنفیہ کے نزدیک کیل (یعنی ناپ) مع الجنس ہے یا وزن مع الجنس ہے پس جب دونوں وصف یعنے جنس اور اس کے ساتھ کے معنے یعنے کیل یا وزن دونوں پائے جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کی حرام کرنے والی علت موجود ہے اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں کیونکہ دونوں کی حرام کرنیوالی علت نہیں ہے اور جب ایک ہو اور دوسرا نہ ہو تو زیادتی حلال ہے اور ادھار حرام اس لیے کہ علت کا جز اگرچہ حکم کو پیدا نہیں کرتا لیکن شبہ کو پیدا کرتا ہے اور سود کے بارہ میں اس قدر بھی حقیقت ہی شمار کیا جاتا ہے اگرچہ درجہ میں اس سے کم ہے پس دونوں طرف کا اعتبار کرنا ضروری ہوا پس ادھار میں

چونکہ احد البدلین معدوم ہوتا ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے لہٰذا یہ بات اس شبہ کو قوی کر دے گی اور نا جائز ہونے کا حکم ہوگا اور اُدھار کے علاوہ یہ شبہ معتبر نہیں کیونکہ شبہ حقیقت سے کم درجہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ زیادتی کی حرمت دونوں وصفوں کے ہونے پر ہے اور ادھار کی حرمت صرف ایک ہی وصف کے ہونے پر ہے یا قدر ہو یا جنس۔

ایک جنس کی اشیاء اور مختلف جنس کی اشیاء کی بیع پس اس بنا پر جو چیزیں ایک جنس کی ہیں اور جو ایک جنس کی نہیں ہیں اُس کا بیان کر دینا ضروری ہوا پس انگور سب ایک جنس ہیں اگرچہ اُن کے رنگ اور نام جُدا جُدا ہوں اور ایسے ہی منقے یہاں تک کہ ایک کا دوسرے سے بیچنا جائز نہیں مگر برابر برابر اور ایسے ہی چھوارے سب ایک جنس ہیں اگرچہ ان کی قسمیں مختلف ہیں یہاں تک کہ ایک قسم کی بیع دوسری قسم سے جائز نہیں مگر برابر سرابر اور ایسے ہی پھل کی ہر ایک قسم کا یہی حکم ہے جیسے امرود وغیرہ ایک ہی جنس ہیں ان کی ایک قسم کو دوسری قسم سے بیچنا جائز نہیں مگر برابر سرابر اور ایسے ہی گائے اور بھینس ایک جنس ہے ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت سے بیچنا جائز نہیں مگر برابر سرابر اور ایسے ہی عربی اور بختی اونٹ ایک جنس ہیں ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت سے بیچنا جائز نہیں مگر برابر سرابر ایسے ہی بھیڑ اور بکری ایک جنس ہیں ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت سے بیچنا جائز نہیں مگر برابر سرابر۔

اور اونٹ اور گائے اور بکری کا گوشت اور اُن کا دودھ مختلف جنسیں ہیں اور ایسے ہی دُنبے کی چکتی اور گوشت اور پیٹ کی چربی مختلف جنسیں ہیں اور ایسے ہی لوہا اور رانگ اور تانبا اور پیتل مختلف قسمیں ہیں یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کو دوسری جنس سے برابر سرابر یا کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا دونوں طرح جائز ہے اُدھار جائز نہیں کیونکہ علت کے دو جز میں سے ایک جز یعنی وزن ان سب میں موجود ہے۔

ایک ہی جنس کی اشیاء کی بیع کا اصل مدار اور ان مسائل کی اصل نبی علیہ السلام کا یہ قول ہے الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الاٰخذ والمعطی سواء ترجمہ سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے اور گیہوں گیہوں کے بدلے اور جَو جَو کے بدلے اور چھوارے چھوارے کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر سرابر ہاتھوں ہاتھ بیچے جائیں پس جس نے زیادہ دیا اور زیادہ لیا پس اُس نے بے شک سُود لیا لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں اور یہ حدیث مشہور ہے اس کو علماء نے قبول کیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حکم ان ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ یہ نص معلول ہے اور اس کی علت حنفیہ کے نزدیک سونے اور چاندی

میں تو وزن مع الجنس ہے پس اس کا اثر ہر موزون تک پہنچتا ہے لوہا وغیرہ اور باقی چاروں میں کیل مع الجنس ہے پس اس کا اثر ہر مکیل میں پہنچتا ہے جیسے چونا وغیرہ اس لیے کہ لفظ مثل سے جو حدیث میں آیا ہے مکیلات میں کیل مراد ہے اور موزونات میں وزن کیونکہ ایک دوسری روایت میں بجائے مثلاً بمثل کے وزناً بوزن وکیلاً بکیل آیا ہے۔

اور حدیث کی زبر اور پیش دونوں طرح سے روایت کی گئی ہے زبر کی صورت میں تو معنے کلام کے یہ ہیں کہ بیچو تم سونے کو سونے سے پس اس صورت میں یہ کلام امر ہوگا۔

اور رہا پیش سو اس صورت میں معنی کلام کے یہ ہونے کہ بیچا جائے سونا سونے سے اور اس صورت میں یہ کلام خبر ہوئی اور رسول علیہ السلام کی خبر بھی امر ہے پس چونکہ امر وجوب کے لیے ہے حالانکہ بیع مباح ہے اس لیے اس وجوب کو برابری کی رعایت کی طرف راجع کیا گیا اور برابری سے مراد مقدار کی برابری ہے صفت کی برابری مراد نہیں ہے کیونکہ عبادہ ابن الصامت رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ چیزیں عمدہ اور ناقص سب برابر ہیں اور رسول ع کا ایک کلام دوسرے کی تفسیر کیا کرتا ہے۔

اشیاء کے وزنی و کیلی ہونے کا معیار پھر جس چیز میں شارع کی طرف سے یہ تصریح آئی ہے کہ یہ کیل (یعنی ناپ) سے بیچی جائے جیسے گیہوں اور جو اور چھوہارے اور نمک سو وہ چیز ہمیشہ کے لیے کیلی ہے اگرچہ لوگ اس میں کیل (یعنی ناپ) کو ترک کر دیں اور جس چیز میں شارع سے یہ تصریح آئی ہے کہ یہ وزن سے بیچی جائے جیسے سونا اور چاندی سو وہ ہمیشہ کو وزنی ہے اگرچہ آدمی اس میں وزن کرنا چھوڑ دیں اور جس میں شارع کی طرف سے کچھ تصریح نہیں ہے کہ وہ کیل سے بیچی جائے یا وزن سے تو وہ لوگوں کی رسم اور عادت پر حوالہ ہے پس اگر گیہوں گیہوں سے وزن میں برابر بیچیں یا سونا سونے سے کیل میں برابر بیچیں تو جائز نہیں اس لیے کہ جو ان دونوں میں معیار شرعی ہے یعنی گیہوں میں کیل اور سونے میں وزن اس کے اعتبار سے کمی زیادتی کا احتمال ہے اور ایسے ہی اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض اٹکل سے بیچیں تو اگر دونوں معاملہ والوں کو گیہوں اور سونے سے وزن میں برابر ہی ہوا سو اسطے کہ عقد کے وقت برابری کا معلوم ہونا صحت عقد کے لیے شرط ہے یہاں تک کہ اگر دونوں نے گیہوں گیہوں کے عوض اور سونا سونے کے عوض اٹکل سے بیچا اور دونوں نے قبضہ بھی کر لیا پھر گیہوں کیل کرنے سے اور سونا تولنے سے برابر ہونا معلوم ہوا تو بھی عقد صحیح نہ ہوگا۔

ہم جنس اشیاء میں سود پس اس بیان کے موافق حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی وزنی چیز یا کیلی اپنی ہم جنس چیز سے بیچی جائے تو اس کا وزن اور کیل میں برابر ہونا واجب ہے پس اگر کم و زیادہ بیچیں تو حرام ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے زیادہ دیا زیادہ لیا

وہ سب سود ہی میں داخل ہے اور دینے والا اور لینے والا گناہ اور اُس لعنت میں دونوں برابر ہیں جو اُس حدیث میں وارد ہے جس کو حضرت جابر رضؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے ۔

چیز اور اس کی قیمت پر فوری قبضہ کی شرط

اور ایسے ہی ہاتھوں ہاتھ بیچنا بھی واجب ہے لیکن بیع صرف[1] کے علاوہ اُن چیزوں میں جن میں سود ہو سکتا ہے دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں صرف متعین کر دینا معتبر ہے طرفین کا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے یہاں تک کہ اگر گیہوں گیہوں کے بدلے متعین کر کے بیچے پھر وہ دونوں قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع جائز ہے اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول یداً بید سے عیناً بعین ہی مراد ہے اس دلیل سے کہ عبادہ بن الصامت نے اسی طرح عیناً بعین ہی روایت کیا ہے برخلاف بیع صرف کے کہ وہ اس قسم کی بیع ہے جس میں دونوں عوض جنس ثمن سے ہوتے ہیں یعنی روپیہ اشرفی پس جب اس میں ایک جنس کو اپنے جنس سے بیچیں جیسے سونا سونے سے یا چاندی چاندی سے تو وزن میں برابر ہونا اور افتراق جسمانی سے پہلے قبضہ ہونا شرط ہے اور جب ایک جنس دوسری جنس سے بیچیں جیسے سونا چاندی سے یا چاندی سونے سے بیچیں تو وزن میں برابر ہونا شرط نہیں بلکہ کمی بیشی اور اٹکل سے بھی جائز ہے لیکن افتراق جسمانی سے پہلے طرفین کا قبضہ شرط ہے اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے الفضۃ بالفضۃ هاء یعنی چاندی چاندی کے عوض ادھر لے اُدھر دے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الذھب بالورق هاء وهاء سونا چاندی کے عوض ادھر لے اُدھر دے اور ہا، مد اور ہمزہ کے زبر سے ایک آواز ہے جو "لے" کے لیے مستعمل ہے اور اس قول سے مراد افتراق جسمانی سے پہلے طرفین کا قبضہ ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ ہر ایک معاملہ کرنے والوں میں سے دوسرے سے "لے" کہے تاکہ دونوں افتراق بدنی سے پہلے قبضہ کر لیں اگرچہ وہ دونوں ایک طرف کو ہمراہ چلے جاتے ہوں یہاں تک کہ اگر کوس بھر چلے گئے پھر افتراق سے پہلے قبضہ کیا تو بھی درست ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اگر وہ چھت پر سے کود پڑے تو تو بھی اُس کے ساتھ کود پڑ اور اس کلام سے کود پڑنے کا حکم مراد نہیں ہے جو ہلاک کر دیتا ہے بلکہ اس کلام سے قبل از قبضہ افتراق کو ترک کر دینے کے متعلق مبالغہ مقصود ہے۔

اور عقد کے وقت دونوں عوض کا طرفین کی ملک میں ہونا شرط نہیں یہاں تک کہ اگر ایک نے دوسرے کے ہاتھ ایک دینار دس درہم کے عوض بیچا اور کسی کے پاس کچھ نہیں تھا اور ہر ایک نے اپنا اپنا واجب الاداء قرض لے کر افتراق سے پہلے ادا کر دیا تو جائز ہے۔

سونے چاندی کی بیع کی جائز اور ناجائز صورتیں

پس اس بیان کے موافق آجکل جو اکثر لوگ کیا کرتے

---

[1] بیع صرف سونا چاندی سے بیچنا خریدنا بیع صرف کہلاتا ہے ۱۲

ہیں سب سود میں داخل ہے کہ ایک شخص بازار میں دوکاندار کے پاس جاکر ایک دینار یا قرش اس کو دیتا ہے اور کہتا ہے مجھے اس کے بدلے دراہم دے دے پس وہ اس کو کچھ دراہم دیدیتا ہے یا کچھ بھی نہیں دیتا بلکہ اُس سے کہتا ہے میرے پاس دراہم نہیں ہیں لہذا گھڑی بھر کے بعد آجانا تمہارے دراہم حوالے کردوں گا پس وہ شخص سب دراہم لیے بغیر چلا جاتا ہے اور یہ باطل ہے سود میں داخل ہے کیونکہ قبضہ جو کہ صرف میں واجب ہے اُس سے پہلے جدائی ہوگئی اور جدائی سے پہلے تمام دراہم پر قبضہ کر لینے کی صورت میں گنکر قبضہ کرتے ہیں نہ وزن کرکے اور یہ اگرچہ دینار میں اس وجہ سے جائز ہے کہ جنس بدل جانے کے وقت وزن واجب نہیں ہوتا لیکن قرش میں جائز نہیں ہے اس لیے کہ جنس ایک ہونے کے وقت وزن واجب ہے تاکہ وزن کی برابری معلوم ہوجائے اور ظاہر یہ ہے کہ قرش جتنے درہموں کو چلتا ہے وزن میں اُن سے زیادہ ہوتا ہے پس یہ سود ہوا اور اگر بے وزن زیادہ چاندی تھوڑی چاندی سے بیچیں تو سود سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ جو چاندی وزن میں تھوڑی ہو اس کے ساتھ کچھ اور قیمت دار خلاف جنس چیز ملادیں اس لیے کہ اگر وہ چیز بے قیمت شے ہوگی جیسے ایک مٹھی مٹی تو بیع جائز نہ ہوگی اور کم سے کم قیمت دار شے جس سے بیع درست ہوجائے ایک پیسہ ہے۔

پھر اگر اس شے مخالف کی قیمت اُس زیادتی کے برابر ہو تو بیع جائز بھی ہے اور مکروہ بھی نہیں اور اگر تھوڑی چیز ہو تو بیع جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے ایسا ہی امام محمدؒ سے روایت ہے کسی نے ان سے پوچھا یہ بات تمہارے دل میں کیسی معلوم ہوتی ہے انہوں نے کہا جیسے پہاڑ۔

اور اگر کسی شخص نے صرّاف کے پاس کسی درمیانی آدمی کے ہاتھ دینار بھیجا تاکہ بھنا لائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ قبضہ افتراق جسمانی سے پہلے واجب ہے اور درمیانی آدمی کا قبضہ کرنا اور قبضہ دینا معتبر نہیں ہے پس مناسب ہے کہ درمیانی آدمی کو وکیل بنادے اس لیے کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے لہذا اُس کا دیا لیا سب معتبر ہوگا اور اب طرفین کا قبضہ افتراق جسمانی سے پہلے ہوجائے گا۔

| سونے چاندی کی بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں | اور بیع صرف میں قبضہ سے پہلے قیمت میں تصرف جائز نہیں کیونکہ اگر کسی نے ایک دینار دس دراہم کو بیچا اور دراہم پر ابھی قبضہ نہیں کیا بلکہ دراہم کا ایک تھان مول لے لیا تو کپڑے کی بیع اُس قبضہ کے فوت ہوجانے کی وجہ سے جو بسبب عقد اللہ کا ایک حق واجب ہوا تھا فاسد ہے حالانکہ قیاس اس کے جائز ہونے کو چاہتا ہے کیونکہ دراہم اور دنانیر چونکہ متعین نہیں ہوتے لہذا یہ عقد مطلق ثمن کی طرف پھرنا چاہیے لیکن اس وجہ سے جائز نہیں ہوا کہ بیع صرف بھی ایک بیع ہے اور بیع میں مبیع کا ہونا ضروری ہے حالانکہ بیع

صرف میں قیمت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور دونوں عوض میں سے کسی کو بیع ہونے میں دوسرے پر کچھ فوقیت نہیں ہے لہٰذا ہر ایک ایک وجہ سے بیع اور ایک وجہ سے قیمت ہے گو اصل خلقت کے اعتبار سے دونوں قیمت ہی ہیں اور قیمت باب صرف میں چونکہ ایک وجہ سے بیع ہوتی ہے اور مبیع کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے (اس لیے قبضہ سے پہلے یہ بیع بھی جائز نہیں ہے) اور اس کے بیع ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ متعین بھی ہو کیونکہ مسلم فیہ متعین نہیں ہوتا ہے حالانکہ وہ بیع سلم میں بیع ہے خداوند تعالیٰ اپنی رضامندی کے موافق اعمال ہم پر آسان کر دے۔

چوہترویں مجلس بیع سلم کی حقیقت اور اُس کے احکام اور اسکے علاوہ اور دیگر اقسام کے عقود کے بیان میں

بیع سلم | قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسلف فی شئ فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔ ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی شے میں بدھنی کرے تو چاہیے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم اور مدت معلوم میں کرے"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مع اس کے سبب کے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں ایسی حالت میں تشریف لائے کہ وہاں کے لوگ پھلوں میں بدھنی کیا کرتے تھے ایک سال کی دو سال کی تین سال کی یعنی قیمت اب دیدیتے اور پھل ایک سال یا اس سے اور بعد میں لیتے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چیز میں بدھنی کرے تو چاہیے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں مدت معلوم تک بدھنی کرے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے اس قول میں) اُن سے فرمایا کہ کیلی کی مقدار کیل سے اور وزنی کی مقدار وزن سے بیان کر دیا کریں جبکہ ان دونوں میں سے کسی چیز کو بدھنی کر کے خریدیں اور سلف سین اور لام کے زبر سے ہے اور اگرچہ اس کے دو معنی ہیں ایک قرض اور دوسرے بیع سلم لیکن یہاں بیع سلم ہی مراد ہے کہ وہ بھی ایک قسم کی بیع ہے اور اس میں مبیع بائع کے ذمہ دین ہوا کرتی ہے اور مبیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں اور بائع کو مسلم الیہ اور طے شدہ قیمت کو راس المال اور مشتری کو رب السلم کہتے ہیں۔

بیع سلم ہر اُس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار اور وصف معلوم ہو | اور بیع سلم ہر اُس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار اور وصف معلوم ہو سکتا ہو جیسے کیلی اور وزنی اور گز سے ناپنے کی چیزیں اور گنتی سے گننے کی جو تقریباً ایک سی ہوں اور اُن کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے

کیونکہ ان میں بڑا اور چھوٹا برابر ہوتا ہے اس لیے کہ اس تفاوت کے چھوڑ دینے پر سب لوگ متفق ہیں یہ نہیں کہ ایک اخروٹ تو ایک پیسے کا ہو اور دوسرا دو پیسے کا اور ایسے ہی انڈے برخلاف تربزے اور انار کے کہ ان کے افراد میں زیادہ فرق ہوتا ہے اور باعتبار مالیت ان کے افراد کے مختلف ہونے سے ان کا مختلف الافراد عددی ہونا معلوم ہوتا ہے عددی متقارب میں سے نہیں کیونکہ مالیت میں افراد کا مختلف ہونا ہی عددی متفاوت اور عددی متقارب کی شناخت کا قاعدہ ہے اور یہی امام ابو یوسف رحمہ سے مروی ہے اور وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ سے مروی ہے کہ بیع سلم شتر مرغ کے انڈوں میں جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے افراد مالیت میں مختلف ہیں پھر معدودات متقارب میں بیع سلم جیسے گنتی سے جائز ہے کیل سے بھی جائز ہے اس لیے کہ مقدار کبھی گنتی سے معلوم ہوتی ہے اور کبھی کیل سے۔

جس چیز کی مقدار اور وصف معلوم نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں | اور ہر اُس چیز میں جائز نہیں جس کی مقدار اور وصف معلوم نہ ہو سکے جیسے حیوانات اور ان کے اعضاء اور گوشت اور چمڑا اور ایسے ہی ان چیزوں میں بھی جائز نہیں جو عقد کے وقت سے مدت مقررہ آنے تک برابر موجود نہ رہیں کہ یا عقد کے وقت نہ ہوں یا وقت ادائیگی آنے پر باقی نہ رہیں یا ان دونوں وقت کے درمیان میں نہ رہیں اور انقطاع کا یہ مطلب ہے کہ بازار میں جہاں وہ شے بکتی ہو نہ ملے اور گھروں میں اُس کے ملنے کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ اُن کا حاصل کرنا اور رب السلم کو دینا ممکن نہیں اور ایسے ہی کسی خاص گاؤں کے غلہ اور کسی خاص درخت کے پھل میں بھی جائز نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی آفت کی وجہ سے تلف ہو جائے تو حوالہ کرنے پر قدرت نہ رہے۔

کسی خاص پیمانہ سے بھی سلم جائز نہیں | اور ایسے ہی ایک شخص خاص کے پیمانہ سے یا کسی خاص شخص کے گز سے بھی جائز نہیں بشرطیکہ اُس کی مقدار معلوم نہ ہو کیونکہ اس بیع میں چونکہ حوالہ کرنا بعد میں ہوتا ہے اس لیے احتمال ہے کہ وہ پیمانہ یا وہ گز جاتا رہے تو جھگڑا ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سات شرطوں کے بغیر بیع سلم جائز نہیں | اور خلاصہ یہ ہے کہ بیع سلم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سات شرطوں کے بغیر جائز نہیں ہے اور وہ یہ ہیں۔ اوّل جنس بیع کا بیان جیسے گیہوں یا جَو دوئم نوع بیع کا بیان جیسے صیفی اور خریفی۔ سوم وصف کا بیان جیسے عمدہ یا خراب۔ چہارم مقدار کا بیان جیسے بیس یا تیس رطل۔ پنجم مدت کا بیان اور کم سے کم مدت سلم اصح روایت میں ایک مہینہ ہے ششم راس المال کا بیان جبکہ وہ کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو۔ ہفتم اُس جگہ کا بیان جہاں وہ شے ادا کی اگر اس کے اٹھانے میں کچھ دقت ہو کہ باربرداری اور مزدوری کی حاجت پڑتی ہو اور اگر اُس کے پہنچانے میں کچھ خرچ نہ ہوتا ہو جیسے مُشک اور عنبر تو جہاں چاہے

ادا کر دے۔

عقد بیع سلم کے صحیح باقی رہنے کی شرط اور رہا راس المال کا افتراق جسمانی سے پہلے قبضہ کر لینا سو یہ عقد بیع سلم کی صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ عقد کے صحیح باقی رہنے کے لیے شرط ہے کیونکہ عقد صحیح ہو کر پھر قبل از قبض جدا ہو جانے سے باطل ہو جاتا ہے اور افتراق کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کی نظر سے چھپ جائے یہاں تک کہ اگر کسی نے بیس دراہم سے گیہوں کے ایک پیمانہ میں عقد سلم کیا اور اُس کے پاس دراہم نہ تھے اور وہ گھر میں گیا کہ دراہم لا دے اور وہ اُس کی نظر سے غائب ہو گیا تو سلم باطل ہو جائے گی اور اگر غائب نہ ہوا تو باطل نہ ہو گی بلکہ درست رہے گی اور ایسے ہی اگر دونوں کوس بھر یا زیادہ چلے گئے اور بلا قبض کئے جدا نہ ہوئے تو سلم باطل نہ ہو گی بلکہ درست رہے گی۔

ثمن اور مبیع پر قبضہ کی بعض صورتوں کا حکم اور اگر کسی نے ایک شخص سے قرض کے بدلے جو اُس کے ذمہ آتا تھا بیع سلم کی اور روپیہ دینے سے پہلے جدا ہو گئے تو جائز نہیں ہے اور اگر جدائی سے پہلے دے دیا تو جائز ہے اور راس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے راس المال میں تصرف کا جائز نہ ہونا تو اس لیے ہے کہ اس سے اُس قبضہ کو فوت کرنا ہوتا ہے جو عقد سے واجب ہو جاتا ہے اور مسلم فیہ میں تصرف جائز نہ ہونا اس لیے ہے کہ وہ مبیع میں ہے اور مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اور ایسے ہی اس میں قبضہ سے پہلے نہ شرکت جائز ہے اور تولیہ وغیرہ کیونکہ یہ سب قبضہ سے پہلے تصرف ہے کیونکہ شرکت کی صورت تو یہ ہے کہ رب السلم کسی سے کہے کہ مجھ کو آدھا راس المال دیدو تاکہ آدھا مسلم فیہ تمہارا ہو جائے اور تولیہ کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے کہے کہ تمام راس المال مجھ کو دے دو تاکہ تمام مسلم فیہ تمہارا ہو جائے۔

اور اگر کسی نے ایک پیمانہ گیہوں کی بیع سلم کی پس جب وقت ادائیگی آیا تو مسلم الیہ نے کسی شخص سے ایک پیمانہ گیہوں کا مول لیا اور رب السلم کو حکم دیا کہ وہ یہ گیہوں اپنے حق میں وصول کر لے اور اُس نے لے لیے تو اُس کا حق وصول نہ ہوا یہاں تک کہ اگر وہ قبضہ کی ہوئی چیز رب السلم کے قبضہ میں تلف ہو جائے تو مسلم الیہ ہی کی جائے گی۔

اور اگر اس سے یوں کہے کہ اُس گیہوں پر پہلے میری طرف سے قبضہ کر پھر اپنے لیے پھر اُس نے پہلے اس کے لیے کیل کئے پھر اپنے لیے تو جائز ہے کیونکہ دو عقد بشرط کیل ہوئے ہیں لہذا دو دفعہ کیل کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس وقت تک غلہ بیچنے سے منع کیا ہے جب تک اس میں دو بار پیمانہ جاری نہ ہو جائے۔

اور جس نے ایک پیمانہ گیہوں کی بیع سلم کی اور جب وقت روانگی آیا تو اس نے مسلم الیہ کو بورے دئے اور کہا کہ مسلم فیہ اس میں ناپ لو اور اس نے کیل کرکے بھر دئے اور رب السلم خود غائب رہا اور ان بوروں میں مسلم فیہ کی جنس کی اور کوئی چیز نہ تھی تو اس طرح ادائگی نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ گیہوں تلف ہو جائیں تو مسلم الیہ کا مال تلف ہوگا اس لیے کہ رب السلم کا حکم خود اس کی ملک سے متصل نہیں ہوا کیونکہ اس کا حق تو دین میں ہے نہ کہ عین میں اور ایسا ہوگا کہ گویا مسلم الیہ نے وہ بورے عاریت مانگ کر اپنا مال اس میں بھر دیا۔

اور اگر دین اور عین اس طرح جمع ہو جائیں کہ کسی شخص نے ایک پیمانہ گیہوں کے لیے بیع سلم کی اور جب مدت تمام ہوئی تو رب السلم نے مسلم الیہ سے ایک پیمانہ اور گیہوں خریدے اور اس کو بورا دے دیا کہ اس میں وہ معین گیہوں اور دین کے گیہوں بھر دے تو اب مسلم الیہ نے اگر وہ معین گیہوں بورے میں پہلے بھر دئے تو مشتری دونوں کا قابض ہو جائے گا عین کا تو اس لیے کہ اُنکے متعلق اس کا حکم درست ہے کہ اس کی ملک میں واقع ہوا ہے کیونکہ وہ اُن کا خریداری سے مالک ہو چکا ہے پس مامور کا فعل بجائے آمر کے فعل کے ہے اور رہا دین کا قبضہ سو اس لیے کہ دین اس کی ملک میں اس کی رضامندی سے ملا ہے اور برضامندی ملک میں ملجانے سے قبضہ ثابت ہو جاتا ہے اور اگر مسلم الیہ نے مسلم فیہ کو پہلے بھر دیا تو مشتری دونوں میں سے کسی کا قابض نہ ہوگا دین کا تو اس لیے کہ دین کے متعلق ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس کا حق تو دین میں ہے نہ کہ عین میں اور یہ عین ہے لہذا مامور بوروں کے اندر بھرنے میں اپنی ملک میں تصرف کر رہا ہے لہذا اس کا فعل آمر کے فعل کی طرح نہیں اور رہا عین سو اس لیے کہ اس نے قبضہ دینے سے پہلے اپنی ملک میں ملا لیے اور چونکہ یہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ہلاک کر دینا ہے لہذا بیع فسخ ہو جائے گی۔

بیع استصناع اور اس کا حکم اور یہاں بیع کی ایک اور قسم ہے جس کو استصناع کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کاریگر سے کہے کہ میرے لیے اپنے مال میں سے اتنے درہم کی فلاں چیز بنا دے جس کی صورت ایسی ہو اور اتنی بڑی ہو بلا کسی مدت کا کچھ ذکر کیے ہوئے پس وہ اگر چیز ایسی ہے جس میں لوگوں کا عمل درآمد ہے جیسے موزہ اور لگن اور قمقمہ وغیرہ تو استحساناً درست ہے اس لیے کہ یہ اس اجماع سے ثابت ہے جو نبی علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک لوگوں کے عملدرآمد سے ثابت ہے اور یہ بیع ہی ہوگی صرف وعدہ ہی نہیں یہانتک کہ وہ کاریگر اس کے بنانے پر مجبور کیا جائیگا اور سائی دینے والا پھر نہیں سکتا اور اگر وعدہ ہوتا تو سائی دینے والے کو رجوع کرنے کا حق ہوتا اور کاریگر مجبور نہ کیا جاتا۔

اور بیع وہ چیز ہے اس کا عمل بیع نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ عقد سے پہلے کا بنا ہوا یا کسی اور کا بنا ہوا لاکر دیدے تو جائز ہے اور اگر بیع عمل ہوتا تو جائز نہ ہوتا اور مبیع پسند کیے بغیر سائی دینے والے کی نہیں ہوتی یہاں تک کہ کاریگر کو بنوانے والے کے دیکھنے سے قبل اس کا بیچ ڈالنا جائز ہے اور اگر خریدار کی ہو چکتی تو اس کی بیع جائز نہ ہوتی اور بنانے والے کو دیکھنے کے وقت لینے نہ لینے کا اختیار ہے اس لیے کہ بے دیکھے خریدا ہے لہذا اس کو خیار رویت ہوگا اور اگر وہ چیز ایسی نہیں ہے جس میں لوگوں کا عمل درآمد ہو جیسے کپڑا وغیرہ تو جائز نہیں ہاں اگر اس میں کچھ مدت معین کر دے اور سلم کی سب شرطیں بیان کر دے تو اب بطور بیع سلم جائز ہوگی استصناع کے طریقہ سے نہیں۔

اشیاء کے قرض کی جائز اور ناجائز صورتیں

پھر چونکہ سلف کے ایک معنے قرض تھے لہذا یہاں اس کا بیان بھی مناسب ہے اور اگرچہ حدیث میں قرض مراد نہیں ہے اس لیے کہ شرع نے اس کی اجازت دے رکھی ہے اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے اور قرض یہ ہے کہ تم اپنا مال غیر کو اس طرح دو کہ اس کو پھر ادا کر دے اور ہر ایک کیلی اور وزنی اور عددی متقارب میں قرض جائز ہے عددی متفاوت میں نہیں جیسے حیوان اور کپڑا اور لکڑی اور قاعدہ اس میں یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو مثلی ہے اور ہلاک کرنے کے وقت اس کا ضمان مثل سے ہوتا ہے نہ قیمت سے تو اس کا قرض لینا جائز ہے اور جو چیز مثلی نہیں ہے اور ہلاک کرنے کے وقت اس کا ضمان مثل سے نہیں ہوتا بلکہ قیمت سے ہوتا ہے تو اس کا قرض لینا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے دوسرے سے غلام یا حیوان ادھار لیا پھر اپنا قرض ادا کر دیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ حیوان کا قرض لینا فاسد ہے اور قرض فاسد قبضہ کے بعد ملک کا فائدہ دیتا ہے اور ہلاک کرنے کے وقت اس کا ضمان بیع فاسد کی طرح قیمت سے ہوتا ہے۔

اور اگر کسی نے دوسرے کو کچھ مال دے کر کہا یہ مال لو اور اپنی ضروریات میں لگا لو تو یہ مال قرض ہوگا اس لیے کہ اس قول میں اگرچہ ہبہ کا احتمال ہے لیکن اس سے ہبہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرض ہوتا ہے کیونکہ یہی دونوں میں کم ہے اور اگر اس کو کپڑا دے کر کہا کہ اس سے کوڑا اٹھایا تو قرض نہ ہوگا کیونکہ کپڑے کا ادھار فاسد ہے بلکہ ہبہ ہوگا تاکہ اس کا تصرف درست رہے اور جس نے قصائی سے گوشت لیا اور یہ نہ بیان کیا کہ یہ قرض لیتا ہے یا مول لیتا ہے تو یہ قرض فاسد ہوگا قبضہ سے مالک ہو جائے گا اور کھانا اس کا حلال نہ ہوگا اور منتقی میں مذکور ہے کہ گوشت بحساب وزن کے قرض لینا ہمارے اصحاب کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ گوشت جیسا کہ نوادر ابن رستم میں امام محمدؒ سے مذکور ہے مثلی ہے اس کا ضمان مثل سے ہوتا ہے اور جامع کبیر میں مذکور ہے کہ گوشت کا ضمان قیمت سے

ہوتا ہے اور اسبیجابی کہتے ہیں کہ یہ سبب ہے کہ لوگوں کے پاس نہ رہا اور شرح صحاوی ہے کہ ہر وزنی چیز مثلی ہے اور ان کا یہ قول اس کو چاہتا ہے کہ گوشت بھی مثلی ہو اور ایسے ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ انگور اور سوت بھی مثلی ہو۔

اور کاغذ کا بحساب عدد قرض لینا جائز ہے اس لیے کہ یہ عددی متقارب ہے اور جو شخص کسی کا دوشاب تلف کر دے تو قیمت کا ضمان دے گا اس لئے کہ جو چیز آدمیوں کی بنائی ہوتی ہے اس میں کاریگری مختلف ہونے کی وجہ سے مماثلت ممکن نہیں۔ پس اس تقریر کے موافق چاہیے تو یہ تھا کہ اس کا قرض لینا جائز نہ ہو لیکن علماء کہتے ہیں کہ اس کا قرض لینا جائز ہے اس لیے کہ وہ صاحبینؒ کے قول کی بنا پر مثلی ہے۔

اور شیرۂ انگور مثلی ہے اور ایسے ہی اگر وہ پکائے بغیر دوشاب ہو جائے اور آٹا اور روٹی قیمت والی ہیں پس اس کے موافق یوں چاہیے تھا کہ ان کا ادھار لینا جائز نہ ہوتا لیکن فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ آٹے کا قرض لینا بحساب وزن یا کیل جائز ہے اور ایسے ہی روٹی کا قرض لینا وزن سے یا گن کر امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وزن کر کے جائز ہے عدد کے حساب سے نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قرض لینے دینے اور اس کی ادائیگی کی جائز و ناجائز صورتیں۔ اور اگر ایک جماعت نے مل کر ایک شخص سے کچھ روپیہ قرض مانگے اور سب نے کہا کہ ہم میں سے فلانے شخص کو دے دینا اور اس نے اس کو دے دئیے تو اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس فلانے سے سوائے اس کے حصہ کے زیادہ کا تقاضا کرے اور قرض کے قبضہ کرنے کے لیے تو وکیل بنانا درست ہے جیسے کوئی شخص کسی کہے مجھ کو اتنے درہم قرض دیدے پھر کسی کو ان کے قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنائے تو صحیح ہے اور قرض لینے میں وکیل کرنا صحیح نہیں حتیٰ کہ وہ قرض جو وکیل نے موکل کے لیے لیا ہے اس میں موکل کی ملک ثابت نہ ہوگی اس واسطے کہ قرض لینے کے لیے وکیل بنانے کی صورت میں غیر کی ملک میں تصرف کا حوالہ کرنا ہے لہذا جائز نہیں برخلاف ایلچی گری کے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اس میں ملک غیر میں تصرف کا حوالہ کرنا نہیں ہے اس لیے کہ ایلچی صرف واسطہ ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ مجھ کو فلانے نے تیرے پاس بھیجا ہے اور اتنے درہم تجھ سے قرض مانگتا ہے لہذا اب بھیجنے والے کی ملک ثابت ہوگی۔

اور قرض دینے میں وکیل کرنا درست ہے کیونکہ اس صورت میں اپنی ملک میں تصرف کا حوالہ کرنا ہے۔

اور جس کے گیہوں دوسرے کے ذمے آتے ہوں اور وہ اس کے ہاتھ ایک درہم کے

بدلے بیچ ڈالے کہ درہم کچھ دنوں بعد دے تو جائز نہیں کیونکہ یہ دین کی دین سے بیع ہے اور اس سے نبی علیہ السلام نے منع کیا ہے اور جواز کا حیلہ یہ ہے کہ قرضدار سے گیہوں کے عوض کپڑا خرید کر قبضہ کرے پھر وہ کپڑا اس کے ہاتھ بعوض درہم کسی مدت پر بیچ ڈالے اور یہ ایسی بات ہے جس کا یاد رکھنا اس زمانے میں واجب ہے اس لیے کہ بعض آدمی گیہوں یا جو وغیرہ جس کا قرض لینا درست ہے قرض لیتے ہیں اور خرچ کر ڈالتے ہیں پھر مالک اُن سے مانگتا ہے اور اُس کو ادا نہیں کر سکتے تو اسے کسی مدت پر دراہم کے بدلے خرید لیتے ہیں یہ بیع فاسد ہے جائز نہیں۔

قرض میں تعین مدت کا مسئلہ پھر جاننا چاہیے کہ جس دین بلا مدت میں مالک مدت ٹھہرائے تو وہ دین مؤجل ہو جاتا ہے اور مدت لازم ہو جاتی ہے بجز قرض کے کہ اس میں مدت لازم نہیں ہوتی بلکہ قرض خواہ کو جائز ہے جب چاہے مانگ لے کیونکہ قرض ابتدا میں عاریت ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اس میں مدت لازم نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ احسان ہے اور احسان میں کسی کا کچھ زور نہیں جیسے عاریت میں اور آخر کو بدلا ہو جاتا ہے اور اس اعتبار سے بھی اس میں مدت درست نہیں ہے کیونکہ یہ درہم کا درہم سے اُدھار بیچنا ہوا اور یہ سود ہے اور اس کو چاہتا ہے کہ قرض جائز ہی نہ ہو اور یہ صرف بلحاظ ابتدا جائز رکھا گیا ہے لیکن بغیر مدت لازم ہونے کے اور اگر یہ قصد ہو کہ اس میں مدت لازم ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرضدار قرض خواہ کو کسی اور پر جس پر اس کا دین آتا ہو حوالہ کر دے پس اب قرض خواہ اُس کے لیے کوئی معین مدت مقرر کر دے تو اب یہ مدت لازم ہو جائیگی یہاں تک کہ قرضخواہ کو یہ حق نہ ہوگا کہ اُس سے اُس مدت کے ختم ہونے سے پہلے تقاضا کرے۔

پچھترویں مجلس سوال حرام اور اس کے متعلق وعید اور اس بیان میں کہ سوال کس موقع پر جائز ہے

سوال کرنے والے کی آخرت میں رسوائی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَا یزال الرجل یسأل الناس حتی یأتی یوم القیٰمۃ لیس فی وجھہ مُزعۃ۔ ترجمہ آدمی ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن آئے گا کہ اُس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عمرؓ نے روایت کی ہے اور مزعہ میم کے پیش اور زائے معجمہ کے جزم اور عین مہملہ کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں اور قیامت کے دن سائل کے منہ پر نہ ہونے سے وہ مراد ہے جو آخرت میں اس کو فضیحت اور ذلت پیش آئے گی اس لیے کہ سوال اصل میں حرام ہے اور بلا ضرورت مباح نہیں ہے۔

سوال حرام ہونے کی وجوہات اور سوال اصل میں اس لیے حرام ہے کہ سوال کئی حرام باتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

اوّل اللہ تعالٰے کی شکایت کا ظاہر کرنا پس جس طرح کہ مملوک غلام اگر بھیک مانگے تو اُس کے مانگنے سے مولا کو عار آتی ہے ایسے ہی بندے کا سوال اللہ تعالٰی کو بُرا لگتا ہے اور یہ بات اس کی مقتضی ہے کہ سوال حرام ہو اور بلا ضرورت حلال نہ ہو جیسے مردار بلا ضرورت حلال نہیں

اور دوسرے اپنے آپ کو غیر اللہ کے سامنے ذلیل کرنا حالانکہ مومن کی یہ شان نہیں کہ اپنے آپ کو غیر اللہ کے سامنے ذلیل کرے بلکہ اس پر واجب تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا ہی کے سامنے ذلیل کرے کیونکہ اس میں تو دنیا اور دنیا اور آخرت میں اُس کی عزت اور شرافت ہے۔

اور تیسرے اکثری طور پر جس سے سوال کیا ہے اس کو ستانا اس لیے کہ بعض وقت دینے کو اُس کا دل نہیں چاہتا ہے اور یہ شرم بھی معلوم ہوتی ہے کہ نہ دینے سے بخیل سمجھا جائے پس دینے میں تو مال کا نقصان ہے اور نہ دینے میں عزت کا نقصان ہے اور دونوں سے ہر ایک سے اس کو ایذا ہوتی ہے اور ایذا دینا حرام ہے بلا ضرورت حلال نہیں۔

پھر یہ کہ اگر اس نے دیا تو یہ شرما شرمی یا ریا کے واسطے دے گا پس لینے والے پر اس کا لینا بھی حرام ہے جب تم نے یہ خرابیاں سمجھ لیں تو نبی علیہ السلام کے اس قول کے معنی بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ آدمیوں سے سوال کرنا ایک امر فاحشہ ہے فواحش میں سے اس کے سوا کوئی حلال نہیں پس دیکھو تو سہی آپ نے اس کا کیوں کر فاحشہ نام رکھا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ فاحشہ بلا ضرورت مباح نہیں ہوتا۔

کس وقت سوال کرنا حلال ہے؟ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس وقت سوال کرنا حلال ہے بعضے کہتے ہیں جس کے پاس ایک دن رات کا کھانا موجود ہے اس کو سوال کرنا حلال نہیں اور بعضے کہتے ہیں جو شخص کما سکتا ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہاں اگر سارا وقت تحصیل علم میں صرف ہو جائے اور بعضے کہتے ہیں ہم کو مقدار مقرر کرنے کا کچھ اختیار نہیں بلکہ اس کو نقل پر موقوف رکھتے ہیں اور حدیث میں آچکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا حتّٰی رہو اللہ تعالٰی کی غنا سے صحابہ رضؓ نے پوچھا وہ کیا ہے یا رسول اللہ! فرمایا کھانا صبح کا اور کھانا رات کا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو شخص مانگے اور اس کے پاس پچاس درہم یا اس کے برابر سونا ہو تو اس نے بجاحت سے سوال کیا اور ایک روایت میں چالیس درہم آئے ہیں پس جب مقدار کے متعلق روایتیں مختلف ہیں تو لازم ہے کہ اختلافِ احوال پر محمول کی جائیں پس جس چیز کا سائل اسی وقت محتاج ہو مثلاً دن اور رات کے کھانے کا اور کپڑے کے پہننے کا اور رہنے کے گھر کا تو اس کے جواز میں

کچھ شک نہیں۔

آئندہ ضرورت کے لیے مانگنے کا حکم شرعی رہا آئندہ کے لیے مانگنا تو اس میں سوال کے تین درجے ہیں ایک وہ جس کی کل ہی حاجت ہو اور دوسرے وہ جس کی چالیس یا پچاس دن کے بعد احتیاج ہو اور تیسرے وہ جس کی سال بھر میں احتیاج رہے پس اس کا تو ہم کو یقین ہے کہ جس کے پاس اتنا ہو کہ سال بھر تک اُس کو اور اُس کے بال بچوں کو کفایت کرے تو اس کو مانگنا حرام ہے کیونکہ یہ سب سے بڑی غنا ہے پھر اگر سال سے پہلے اُس شے کی حاجت پڑے لیکن اس وقت بھی سوال کر سکتا ہے اور سوال کا موقعہ ہاتھ سے نہ جائے گا تو اُس کو سوال کرنا حلال نہیں کیونکہ ابھی سوال کی حاجت نہیں اور شاید کل تک جیتا نہ رہے تو اب اُس نے ایسی چیز کا سوال کیا جس کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس کے پاس اتنا تھا جو صبح اور شام کے کھانے کو کافی ہو اور اگر سوال کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے کہ اگر سوال آیندہ پر رکھے تو دینے والا نہ ملے تو اب سوال کرنا مباح ہے کیونکہ برس بھر جینا کچھ بعید نہیں اور سوال میں دیر کرنے سے اُس کو یہ خوف ہے کہ اپنی ضروریات میں مضطر و عاجز رہ جائے اور اس مدت تک مؤخر کرنا جس میں سوال کی ضرورت ہو مقرر کرنے کے قابل نہیں ہے وہ صرف اس کے اجتہاد اور اپنی جان کے متعلق اس کی رائے پر موقوف ہے پس یہ شخص اپنے دل سے فتوے لے اور اس پر عمل کرے اور شیطان کے ڈرانے پر کان نہ دھرے کیونکہ وہ تو فقیر کا وعدہ اور فحشار کا حکم کیا کرتا ہے اور سوال بھی وہ فحش ہے جو ضرورت کے لیے مباح ہوا ہے۔

ایسی صورت جس میں سوال کرنا لازم ہے کیونکہ جو شخص کمائی سے ناچار ہو اور زور کی بھوک اُسے لگے اور اپنی جان کا خوف ہو تو اُس کو سوال کرنا لازم ہے کیونکہ سوال بھی ایک طرح کی کمائی ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سوال آخر درجہ کمائی کا ہے پس اگر ایسی حالت میں سوال نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا اس واسطے کہ سوال سے وہ چیز میسر ہو جاتی ہے جس سے ایسی حالت میں اُس کی جان بچ جاتی جیسے کمائی سے اور ایسی حالت میں مانگنا کچھ ذلت نہیں ہے اور ذلت تو جب ہے کہ بلا ضرورت مانگے پس جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اس کو سوال کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ اب اپنے آپ کو وہ بے ضرورت ذلیل کرتا ہے اور یہ حرام ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مسلم کو یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

کمائی سے عاجز شخص کی ہلاکت سے سب لوگ گنہگار ہوں گے اور اگر وہ اپنے لیے کما سکنے سے عاجز ہو تو جو شخص اُس کے حال سے واقف ہو اُس پر فرض ہے کہ اس کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اُس کو خود کھانا کھلائے یا ایسے شخص کو بتلا دے کہ جو اس کو کھانا دے اور اگر سب لوگ اس سے

باز رہے یہاں تک کہ وہ مرگیا تو سب گناہ میں شریک ہوں گے اور اگر کسی ایک نے بھی کھلا دیا تو سب سے گناہ جاتا رہا۔

غنی سے مراد حسن بصری رہ اور ابو عبید رہ کہتے ہیں جس کے پاس چالیس درہم ہوں وہ غنی ہے اور ثوری اور ابن مبارک اور احمد بن حنبل رہ اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہوں یا اُس قیمت کا سونا تو ایسے شخص کو زکوٰۃ میں سے کچھ نہ دینا چاہیے اور حنفیہ کہتے ہیں ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا درست ہے جو پورے نصاب کا مالک نہ ہو اگرچہ بھلا چنگا کماؤ کماؤ ہو باوجود دیکھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس کے پاس ایک روز کا گذارا ہو اُس کو سوال کرنا حلال نہیں اور خانیہ میں مذکور ہے کہ صبح شام کے کھانے کی قدرت صبح شام کا کھانا مانگنا حرام کر دیتی ہے پھر بھی کرتے اور چادر کا مانگنا جائز ہے۔

سائل حد شرعی سے بڑھ جائے تو اس کو تنبیہ اور تادیب جائز ہے | اور زیلعیؒ نے کہا ہے اور ایسے ہی ہٹے کٹے فقیر کو سوال کرنا حرام ہے اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سُنا کہ مغرب کے بعد مانگتا ہے پس آپ نے اپنے ایک خادم سے کہا شام کی خوراک اس سائل کو دیدے وہ اٹھا اور خوراک دیدی پھر اُس کو دوبارہ مانگتے ہوئے سُنا پس آپ نے خادم سے کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ اُس کو شام کی خوراک دیدے؟ اُس نے عرض کیا یا امیر المومنین میں نے تو دیدی پس حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اُس کی بغل میں ایک تھیلا روٹیوں سے بھرا ہوا ہے پس آپ نے اُس سے فرمایا تو سائل نہیں ہے بلکہ تو سوداگر ہے پھر اُس کا تھیلا لے کر اُس میں جو کچھ تھا سب خیرات کے اونٹوں کے آگے جھاڑ دیا اور اس کو کوڑے سے مارا پس اگر اُس کا سوال کرنا حرام نہ ہوتا اُس کو نہ مارتے اور اُس کا تھیلا لے کر جو کچھ اُس میں تھا اونٹوں کے آگے نہ ڈالتے۔

رہا اُس کو مارنا سو تادیب کے لیے تھا پس سائل کی تادیب اور اُس کا جھڑکنا جبکہ اُس کا سوال خلافِ شرع ہو جائز ہے اور رہا اُس کا مال لے لینا سو اس لیے تھا کہ آپ نے اُس کو سوال کرنے سے مستغنی پایا اور یہ جانا کہ جس نے اُس کو دیا ہے یہ سمجھ کر دیا ہے کہ وہ محتاج ہے حالانکہ یہ سائل حاجت کے اظہار میں جھوٹا تھا اور مکر و فریب سے لینے کی وجہ سے یہ چیزیں اُس کے ملک میں نہیں آئی ہیں اور پہچان پہچان کر مالکوں کو واپس کرنا دشوار ہے کیونکہ خود وہ لوگ معلوم نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ مال بلا مالک ہو گیا پس اب اس کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کرنا واجب ہے اور صدقہ کے اونٹ اور اُن کا چارا مسلمانوں کی مصلحت میں ہیں لہٰذا آپ نے اُس میں صرف کر دیا۔

پس حضرت عمرؓ کے اس فعل سے یہ معلوم ہوا کہ سائل جب حد شرعی سے بڑھ جائے تو اس کی تنبیہ اور تادیب جائز ہے۔

سائل کو نہ جھڑکنے کے حکم کا مطلب رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ترجمہ اور سائل کو نہ جھڑک، سو یہ وقت ضرورت سوال کرنے والے کے لیے ہے کیونکہ جو شخص فاقہ اور ضرورت سے مانگتا ہو اور اس کا سوال شریعت کے مطابق ہو تو ایسے کا جھڑکنا گناہ ہے کیونکہ جیسا کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا ہے وہ طالب آخرت ہے کہ سائل آخرت کا طالب ہوتا ہے جو تمہارے دروازے پر آکے کہتا ہے کیا کچھ اپنے لوگوں کو بھجواتے ہو اور ابراہیم بن ادہم رح کہتے ہیں مانگنے والے کیا خوب لوگ ہیں ہمارا توشہ آخرت میں اٹھائے چلتے ہیں پس جب ایسا ہے تو یہ مناسب نہیں کہ سائل محروم لوٹا دیا جائے بلکہ اس کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیے اگرچہ تھوڑا ہی سا ہو اس خوف سے کہ شاید وہ اپنی حاجت بیان کرنے میں سچا ہو پس اس کو محروم پھیر دینے والا ہلاکت میں پڑے بشرطیکہ اس کو کچھ دینے پر قدرت رکھتا ہو اور اگر کچھ دینے کی طاقت نہیں ہے تو لائق ہے کہ اچھی نرم بات کہہ کر لوٹا دے اور اس کو جھڑکے نہیں اور نہ سخت بات کہے ہاں اگر وہ ضد کرے تو اب جھڑکنا اور اس کو سخت بات کہنا جائز ہے جیسا کہ بعضے علماء کہتے ہیں کہ جب فقیر نے کسی شخص سے کچھ مانگا پس اس نے اس کو نرم بات سے جواب دیدیا پھر فقیر وہیں اڑ گیا تو اس کا اس طرح جھڑکنا اور سخت بات کہنا جائز ہے کہ یہ کیا ضد ہے خدا سے ڈر اپنے الحاح سے لوگوں کو مت ستا کیونکہ ضد ممنوع ہے۔

مسجد میں سائل کو دینے کا حکم اور ایسے ہی جو سائل مسجد میں مانگتا ہو اور نمازیوں کی گردنیں پھاند پھاند کر ستاتا ہو تو ایسے کو دینا نہ چاہیے اس لیے کہ اس کو دینا مسجد میں گناہ کرنے کی امداد ہے چنانچہ قاضی خان رح نے اپنے فتاوے میں کہا ہے کہ جامع مسجد سے نکال دے تو مجھ کو امید ہے کہ خدا اس کو مسجد سے نکالنے کی وجہ سے بخش دے اور خلف بن ایوب رح سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ اگر میں قاضی ہوتا تو میں مسجد کے سائل کو خیرات دینے والے کی گواہی قبول نہ کرتا اور ابی بکر بن اسماعیل رح سے روایت ہے انہوں نے کہا یہ ایک پیسہ ستر پیسوں کا محتاج ہے تاکہ وہ ستر اس ایک پیسے کے کفارہ بنیں اور ابو مطیع بلخی رح سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ مسجد کے سائلوں کو دینا کسی کو حلال نہیں کیونکہ اس میں وعید آئی ہے۔

پس اگر سائل لوگوں کی گردنیں نہ پھاندتا ہو اور نہ نمازیوں کے سامنے پھرتا ہو اور ناچاری سے سوال کرتا ہو اور ضد نہ کرتا ہو تو مانگنے اور دینے میں کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سائل لوگ مسجد میں مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے کہ حضرت علی رضہ نے عین رکوع کے اندر اپنی انگوٹھی دے دی تھی پس اللہ تعالٰے نے اس قول میں ان کی تعریف فرمائی وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ترجمہ اور دیتے ہیں زکوٰۃ اس حال

میں کہ وہ رکوع میں ہیں۔

جمعہ کے خطبہ کے دوران یا پہلے سوال کرنے حکم اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ قاضی سے کسی نے جامع مسجد کے مانگنے والوں کو خطبہ کے وقت اور خطبہ سے قبل صدقہ دینے کا مسئلہ پوچھا تو قاضی نے جواب دیا کہ خطبہ کے وقت خیرات کرنا تو کسی حالت میں جائز نہیں ہے اگرچہ سائل کی ہلاکت کا بھی خوف ہو اس لیے کہ خطبہ کے وقت تو خود نماز بھی جو تمام عبادتوں کی سردار اور اُن کی بنیاد ہے جائز نہیں ہے اور نہ سبحان اللہ پڑھنا اور لا الٰہ الا اللہ کہنا اور نہ قرآن مجید کی تلاوت تو صدقہ کی کیا اصل ہے۔

اور رہا خطبہ سے پہلے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر سائل اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہے اور ایک صف سے دوسری صف میں گھومتا نہیں پھرتا ہے اور نہ گردنوں پر سے پھاندتا ہے تو ایسے کو دیدینا جائز ہے اور ثواب ہے اور رہا وہ سائل جو لوگوں کی گردنوں پر پھاندے سو ایسے کو دینا حرام ہے اور جو شخص ایسے کو دے گا تو وہ شخص اس کے اس گناہ میں شریک ہوگا جو اُس پر نمازیوں کے سامنے پھرنے اور قرأت سے خیال ہٹانے اور نمازیوں کی گردنوں پر سے پھاندنے کا ہوتا ہے۔

مسجد میں سوال کرنے والوں کے لیے وعید اور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی آواز دے گا خبردار ہو کہ خدا کے دشمن کھڑے ہو جائیں پس مسجد کے سائلوں کے سوا اور کوئی نہ کھڑا ہوگا کیونکہ مسجدیں صرف نماز اور یاد الٰہی کے واسطے بنائی گئی ہیں کمائی اور اللہ تعالےٰ کی شکایت کے لیے نہیں ہیں کیونکہ اگر کوئی انسان بادشاہ کے دربار میں ایسے وقت جائے کہ وہ اپنے دوستوں میں بیٹھا ہو پھر اس کی شکایت اس کے دوستوں کے سامنے کرنے لگے تو وہ بادشاہ ضرور اس پر خفا ہوگا ایسے ہی یہاں ہے۔

ضرورت مند کو مسجد میں صدقہ دینا استحساناً جائز ہے پس اس کے موافق قیاس تو یہ تھا کہ مسجد کے سائلوں کو صدقہ دینا ان عقلی اور نقلی دلیلوں کی وجہ سے جو مذکور ہو چکیں بالکل جائز نہ ہو لیکن ایسے سائل کے لیے جو حاجت مند ہو اور نمازیوں کی گردنوں پر نہ پھاندتا ہو اور ضد کر کے سوال نہ کرتا ہو تو اُن عام نصوص کی وجہ سے جو صدقہ دینے اور سائل کے حق میں ہیں استحساناً جائز ہے۔

سوال کی قسمیں اور ان کا شرعی حکم اور خلاصہ یہ ہے کہ سوال میں بعض روایتیں جواز کی آئی ہیں اور بعض ناجائز ہونے کی لہذا سوال دو قسم کا ہوا ایک جائز کہ اس میں دینا جائز ہے اور نہ دوسرا ممنوع کہ اُس میں دینا جائز نہیں اور جب سائل کا حال معلوم نہ ہو کہ آیا ضرورت سے مانگتا ہے یا بلا ضرورت اور اُس سے کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہو جو شرع کے خلاف ہو تو مومن کو چاہیے کہ ایسے کو اگر کچھ دینے

کی قدرت ہو محروم نہ پھیرے ممکن ہے کہ وہ محتاج ہو پس محروم رکھنے والے کو اگر کچھ دینے کی قدرت ہو گی تو بہتری نہ ہو گی اور کسی فقیر کا قصہ ہے کہ وہ بھوک کے مارے ناتواں ہو گیا پس کسی نے اس سے کہا تو مانگتا کیوں نہیں تجھ کو تو سوال حلال ہے پس اُس نے کہا مجھ کو یہ ڈر ہے کہ کہیں میں لوگوں سے مانگوں پھر وہ مجھ کو باوجود دینے کی قدرت ہونے کے محروم پھیر دیں تو اللہ تعالے اُن کو ہلاک کر ڈالے۔ پھر یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اگر علماء مجلس علم میں لوگوں سے کچھ مانگیں تو یہ اُن کو حلال نہیں کیونکہ یہ تو علم اور طاعت سے کمانا ہے خواہ اپنے لیے طلب کریں یا غیر کے واسطے اور بڑے سوال میں سے ایک یہ ہے کہ بہت لینے کے لیے تھوڑا سا تحفہ دینا جیسا کہ ولیمہ اور ختنوں کی دعوت میں ہوتا ہے اور نسل کے واسطے بکریاں پالنا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت اسی بارہ میں نازل ہوئی ہے اور احسان نہ جتا کہ زیادہ ہو۔

سوال کی حرمت جس طرح مال میں ہے خدمت میں بھی ہے۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت ابو بکرؓ اور ابو ذرؓ اور ثوبانؓ سے فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا اگرچہ تمہارا کوڑا گر پڑے اور ابو بکرؓ اور ثوبانؓ کا یہ حال تھا کہ لوگوں کے مجمع میں کوڑا اگر پڑنے کے وقت خود اُٹھ پڑتے اور کسی پاس کے چلنے والے سے نہ کہتے کہ کوڑا اٹھا دو اس سے معلوم ہوا کہ سوال کی حرمت مال ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ خدمت کو بھی شامل ہے اور سوال نفقہ کو بھی شامل ہے خصوصًا ایسے شخص کے لیے جس کا اس میں کچھ حق نہیں اگرچہ نابالغ یا غیر کا غلام ہو۔

خدمت لینے کی جائز صورتیں البتہ اگر اپنا لڑکا ہو تو اُس سے خدمت لینا تہذیب و تادیب کے لیے جائز ہے اور ایسے ہی اپنے غلام سے اور مزدور سے خدمت لینی اور اپنی بیوی سے گھر کے اندر کے کاروبار میں اور اپنے شاگرد سے خود اُس کی اجازت سے اگر بالغ ہو اور اجازت ولی سے اگر نابالغ ہو جائز ہے۔

خداوند تعالے ہم پر اپنی رضا کے موافق عمل آسان کرے۔

چھہترویں مجلس مالک پر غلاموں کے حقوق اور اس کے سوا اور احکام کے بیان میں

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کا مالک پر کھانا اور لباس ہے اور طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہ دی جائے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ نے روایت کی اور اس کے

معنے یہ ہیں کہ مملوک غلام ہو یا لونڈی اُس کا بقدر کفایت کھانے کا خرچ اور حاجت کے موافق کپڑا مولے پر واجب ہے اور اُس کو یہ جائز نہیں کہ ایسے کام کی اُنہیں تکلیف دے جو اُن کی طاقت سے باہر ہو اس واسطے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جیساکہ خود کلام مجید میں فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ترجمہ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اُس کی طاقت کے موافق۔"

اور علی ابن ابی طالبؓ سے بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو اپنے غلام اور لونڈیوں کے حق میں پس اُن کو جو تم کھاتے ہو وہ کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ پہناؤ اور ایسی تکلیف نہ دو جس کی اُن کو طاقت نہیں کیونکہ وہ بھی گوشت اور خون ہیں اور تمہاری طرح پیدا ہوئے ہیں پس جو کوئی اُن پر ظلم کرے گا تو میں قیامت کے دن اُس پر مدعی ہوں گا اور اللہ اُن کا حاکم ہوگا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا وہ (لونڈی غلام) تمہارے بھائی ہیں خدا نے اُن کو تمہارے ہاتھ کے نیچے کردیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے جس کے ہاتھ کے نیچے اُس کے بھائی کو کردیا ہو تو وہ اُس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر گراں گذرے اور اگر ایسی کوئی تکلیف دے جو اُس پر گراں گذرے تو اُس کی مدد کرے۔

پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے کہ مملوک غلام ہوں یا لونڈیاں اپنے مالکوں کے بھائی ہیں یا بنی آدم ہونے کی وجہ سے یا اُن کے مسلمان ہونے کی وجہ سے پس جس کے ہاتھ کے نیچے اُس کا بھائی ہو تو اُس پر واجب ہے کہ اُس کو وہی کھانا دے جو آپ کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو آپ پہنتا ہے اور ایسی کام کی تکلیف دے جس کے کرلینے پر وہ قادر ہو اور اُسکو برابر کرتے رہنے کی طاقت رکھتا ہو ایسا کام نہیں کہ ایک دو دن یا کچھ زیادہ کرسکے پھر اُس سے تھک جائے بلکہ اگر کوئی دشوار کام کی تکلیف دے تو اُس پر اُس کی مدد کرے اور (ایک وقت میں) دو کام یا زیادہ اُس پر نہ ڈالے مثلاً اس کو روٹی پکانے اور سالن پکانے اور کپڑا دھونیکا حکم دے جیساکہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت سلمان رضؓ کے پاس آیا اور اس وقت وہ آٹا گوندھ رہے تھے اس نے تعجب سے کہا اے ابو عبداللہ یہ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا میں نے خادم کو ایک کام کے لیے بھیجا ہے پس مجھ کو یہ بُرا معلوم ہوا کہ اس پر دو کام ڈال دوں۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بُرا مالک جنت میں نہ جائے گا اور بُرے مالک سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے غلام کے ساتھ بُرائی کرتا ہو اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے

کہ مالک پر غلام کا خرچہ واجب ہے پس اگر اُس پر خرچہ نہ کرے تو اگر وہ غلام خود کما سکتا ہے تو کمائے اور اپنے اوپر خرچ کرے اور اگر وہ کمانے پر قادر نہیں ہے تو مولٰے کو اس کے بیچ دینے کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ ابو ذر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو غلام تمہارے موافق ہو اس کو جو تم کھاتے ہو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ پہناؤ اور جو تمہارے موافق نہ ہو اس کے ساتھ احسان کرو اور جو تمہارے موافق نہ ہو اس کو بیچ ڈالو اور اس پر عذاب مت کرو۔

غلاموں کو مارنے کی ممانعت اور فقیہ ابو اللیث رحمہ نے تنبیہ الغافلین میں عطا بن یسار رضؓ سے روایت کی ہے کہ ابو ذر رضؓ نے اپنے غلام کے منہ پر مارا پس نبی علیہ السلام نے اُس کی فریاد رسی کی اور فرمایا مسلمانوں کے منہ پر مت مارو اور اُن کو جو تم کھاتے ہو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو پہناؤ پھر اگر وہ تمہارے ساتھ دھوکہ بازی کریں تو اُن کو بیچ ڈالو اور ابو مسعود انصاری رضؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی اے ابو مسعودؓ جان لے کہ اللہ تیرے اس غلام پر قادر ہونے سے زیادہ تجھ پر قادر ہے پس میں نے پھر کر جو دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا یہ خدا کے لیے آزاد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو ایسا نہ کرتا تو البتہ تجھ کو آگ پھونک دیتی یا یہ فرمایا ، بے شک تجھ کو آگ لگتی :
اور ایک اور حدیث میں ابن عمر رضؓ کی روایت سے ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے اپنے غلام کو ناحق سزا دی یا طمانچہ مارا تو اُس کا کفارہ یہی ہے کہ اُس کو آزاد کر دے یعنی جس نے اپنے غلام کو ایسی خطا پہ مارا جو اُس نے نہیں کی یا طمانچہ مارا تو اس مار کا وبال آزاد کئے بغیر نہیں جاتا یہ سبب ہے کہ اُس سے کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

تادیب کے لیے مارنے کی اجازت اور اس میں احتیاط اور اگر اُس سے خطا ہوئی ہو تو نبی علیہ السلام نے قصور کے برابر ادب سکھانے کی اجازت دی ہے کیونکہ تنبیہ کے لیے مار کی سزا دینا بھی سزائے شرعی کی کم سے کم مقدار کے برابر نہ ہونے پائے اور سزائے شرعی کم سے کم چالیس دُرّے ہیں اور یہ مقدار غلام اور لونڈیوں کی تہمت لگانے اور شراب خواری میں شرعی سزا ہے پس امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک تعزیر اس سے کم ہونی چاہیے اور اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ انتالیس دُرّے ہوں اور کم سے کم تین درے اور کم سے کم تین اس لیے ہیں کہ اس سے کم میں کچھ دھمکی نہیں ہوتی لہٰذا تین سے لے کر انتالیس تک جتنے میں خیال ہو کہ اُس کو تنبیہ ہو جائے گی مارے لیکن غصہ کے وقت اُس کو نہ مارے بلکہ غصہ جاتے رہنے کے بعد مارے اس واسطے کہ شاید خطا سے زیادہ مار بیٹھے پس اُس زیادتی کے بدلے قیامت کے دن اُس سے مواخذہ ہو بلکہ یوں چاہیے کہ جرم اور خیانت کی وجہ سے جس وقت غلام پر غصہ آئے اپنے گناہ اور اللہ تعالیٰ کے مجرم ہونے اور طاعت الٰہی میں کوتاہی

کرنے کو سوچے اور یہ سمجھے کہ میری خدمت میں میرے مملوک کی کوتاہی میرے اپنے خالق کی خدمت میں کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

غلاموں کی خطائیں ستر دفعہ معاف کرنے کا حکم اور ہر رات دن میں ستر دفعہ اُس کی خطائیں معاف کر دیا کرے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا یا رسول اللہ ہم خادم کو کتنے بار معاف کر دیا کریں پس آپ چپ ہو رہے اُس نے دوبارہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا ہر روز ستر بار معاف کیا کر اور۔

گھر کا نقصان کرنے پر غلاموں کو مارنے سے ممانعت ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے پس وہ اللہ کا نام لے لے تو چاہیے کہ رُک جائے یعنی معاف کر کے الگ ہو جائے اور قیامت کے دن کا بدلہ یاد کرے اور اُس لغزش اور بھول پر نہ مارے اور نہ برتن ٹوٹنے پر مارے جیسا کہ کعب بن عجرہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارا کرو کیونکہ برتنوں کی بھی آدمیوں کی طرح عمر ہوتی ہے اور ایک اور حدیث میں جس کو صعق رضہ نے بیان کیا ہے آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ برتن توڑنے پر غصہ مت کرو اور مت جھنجھلاؤ کیونکہ ان کی عمریں انسانوں کی سی ہیں۔

حکایت اور حکایت ہے کہ میمون بن مہر بن رضہ کے پاس ایک مہمان آئے تھے پس انہوں نے لونڈی سے کھانے کی جلدی کی پس وہ جلدی سے آئی اور اُس کے ہاتھ میں گرم کھانے کا بھرا ہوا پیالہ تھا پس اُس کو ٹھوکر لگی اور وہ کھانا مولی کے سر پر گر گیا اُس کے مولی نے کہا اے لونڈی تو نے مجھ کو جلا دیا پس اُس لونڈی نے کہا اے بھلی بات بتلانے والے اور اے لوگوں کو ادب سکھانے والے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو خیال کر مولی نے کہا اللہ تعالیٰ کیا کہتا ہے وہ بولی فرماتا ہے۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ "اور دبا لینے والے غصہ کے"، میمون رضہ نے کہا میں اپنا غصہ پی گیا۔ لونڈی بولی زیادہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ "اور معاف کرنے والے لوگوں کو" میمون رضہ نے کہا میں نے تجھ کو معاف کیا لونڈی نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ "اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو" میمون رضہ نے کہا خدا کے لیے تو آزاد ہے۔

حکایت اور احنف بن قیس رضہ سے کسی نے پوچھا تم نے تحمل کس سے سیکھا انہوں نے کہا قیس بن عاصم رضہ سے وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں اُن کی لونڈی کباب کی جلتی ہوئی سیخ لیے ہوئے آئی پس اُس کے ہاتھ سے وہ سیخ چھوٹ کر قیس کے بیٹے پر گر پڑی اور اس کو زخمی کر دیا پس وہ مر گیا پس وہ لونڈی بہت گھبرا گئی پس قیس نے کہا اس لونڈی کا خوف آزادی کے سوا اور کوئی چیز دور نہ کرے گی پس کہا اے جاریہ تو خدا کے لیے آزاد ہے مت ڈر۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت اور ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضؓ کو ایک غلام دیا اور فرمایا اس کو مارنا مت کیونکہ میں نمازی کے مارنے سے منع کیا گیا ہوں اور میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اشارہ فرمادیا کہ نمازی غالبًا ایسی خطا نہیں کرتا جس سے مار کھانے کا مستحق ہو کیونکہ نماز فحش اور برائیوں سے بچاتی ہے۔

عبادات کی ادائیگی میں غلام کے لیے حکم اور حسن بصری رح سے روایت ہے کہ اُن سے کسی نے ایسے غلام کا مسئلہ پوچھا جس کو مولیٰ نے کسی کام کو بھیجا ہو اور اُس کو جماعت یا جمعہ کی نماز کا وقت آجائے تو پہلے کیا کرے انہوں نے جواب دیا مولیٰ کا کام۔

فقیہ ابو اللیث رح کہتے ہیں یہ جب ہے کہ وقت میں گنجایش ہو اور نماز فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور جب اُس کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو نماز کو وقت سے ہٹا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدا کے گناہ میں بندہ کی تابعداری نہیں ہے اور مظہر میں مذکور ہے کہ مولیٰ کو جائز نہیں ہے کہ اپنی خدمت کی وجہ سے اپنے غلام کو اللہ تعالےٰ کے فرائض سے روکے اور غلام جب اللہ تعالےٰ کے فرائض ادا کر چکے تو اُس کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے مولےٰ کی خدمت چھوڑ کر ایسی عبادت میں مشغول ہو جو اس پر واجب نہیں مگر جب اس کا مولیٰ خود اُس کی اجازت دیدے یہاں تک کہ اگر مولیٰ کی اجازت کے بغیر حج کے لیے احرام باندھ لیا تو مولےٰ کو جائز ہے کہ اس کو احرام میں سے نکال لے اور حج پورا کرنے سے روک دے اور اگر اُس نے حج کر لیا اور اس میں مولیٰ کی خدمت اُس سے فوت ہو گئی تو گنہگار رہو گا۔

مولیٰ اور غلام کے ایک دوسرے پر حقوق اور ایسے ہی مولیٰ کو یہ بھی جائز ہے کہ نفل نماز اور نفل روزہ سے اس کو منع کر دے اور اس کو یہ جائز نہیں کہ تشہد اور الحمد اور کچھ قرآن کی سورتیں اور نماز روزہ کے فرائض سیکھنے سے منع کرے اس لیے کہ یہ چیزیں واجب ہیں ان کا چھوڑنا جائز نہیں بخلاف اور چیزوں کے اور غلام کو چاہیے کہ اپنی غلامی کا زمانہ غنیمت سمجھے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "جب غلام اپنے مالک کی خیر خواہی کرے اور اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کو دوہرا ثواب ہے" اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "وہ کیا ہی اچھا غلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں وفات دے کہ اپنے پروردگار کی عبادت اور مولےٰ کی اطاعت اچھی طرح کرتا تھا" اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے مولےٰ سے بھاگے ہوئے غلام کی وعید میں فرمایا "جب غلام بھاگ جائے تو اُسکی نماز قبول نہیں ہوتی" اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جو غلام بھاگا

وہ اللہ تعالٰی کی ذمہ داری خارج ہے۔

غلاموں کو آزاد کر دینے کا حکم مولٰی کو چاہیے کہ جب غلام کو اس کی خدمت میں زیادہ مدت ہو جائے تو اُس کو آزاد کر دے شاید اس سے باقی حقوق اور ظلموں سے برابر سرابر چھوٹ جائے اور شاید کہ اللہ تعالٰی غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کے اعضا کو آزاد کر دے جیسا کہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جس نے کوئی مسلمان غلام آزاد کیا تو اللہ تعالٰی اُس کے ہر عضو کے بدلے اس کے اعضاء آگ سے آزاد کر دے گا یہاں تک کہ اُس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صحیح الاعضاء والے کو آزاد کرنا مستحب ہے کہ ذکر کیا ہوا یا بعوضانہ ہو پورا مقابلہ کرنے کے لیے اس لیے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالٰی غلام کی شرمگاہ کو غلامی سے آزاد کرنے کے بدلے میں آزاد کرنے والے کی شرمگاہ کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور اسی لیے کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مرد تو غلام آزاد کرے اور عورت لونڈی تاکہ مقابلہ ثابت ہو جائے۔

مولٰی کے لیے غلام کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کا حکم اور ایسے ہی مالک کو لازم ہے کہ جب غلام کھانا پکا کر لائے تو اُس کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھائے اور اگر ساتھ نہ بٹھائے تو ایک لقمہ ہی دیدے اور اُس سے کہے کہ لے کھالے جیسا کہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تمہارے کسی کے لیے اُس کا غلام کھانا پکائے پھر لے کر آئے اور وہ اُس کی وجہ سے آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اُٹھا چکا ہے تو مناسب ہے کہ اُس کو اپنے ساتھ بٹھالے تب کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو تو اُس کے ہاتھ پر اس میں سے ایک یا دو لقمہ رکھ دے۔

اور فتاویٰ میں مذکور ہے کہ جو شخص غلام کا خرچ نہ اٹھاتا ہو تو اگر وہ غلام کمانے پر قادر ہو تو اپنے مولٰی کے مال میں سے اُس کی رضامندی کے بغیر نہ کھائے اور اگر کمانے پر قادر نہ ہو یا مالک کمانے نہیں دیتا اُس کو جائز ہے کہ مولٰی کے مال میں سے اُس کی رضامندی کے بغیر کھالے اور لونڈی بہرحال کھایا کرے۔

غلام کو دین کی باتیں سکھانا مولٰی پر واجب ہے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام مرض کی حالت میں فرماتے تھے "نماز اور مملوک کی خبرگیری کرو" پس نبی علیہ السلام نے اس قول میں غلاموں کا ذکر نماز کے ساتھ ملادیا اور جیسے کہ نماز کی حفاظت کا حکم کیا ان کی حفاظت کا بھی حکم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بقدر حاجت غلاموں کی خبرگیری کھانے اور پہننے اور دین سیکھنے کے متعلق مالکوں کے ذمہ جیسے کہ ان پر نماز واجب ہے یہ بھی واجب ہے کیونکہ مسلمان پر جیسے اُس کے غلاموں اور لونڈیوں کا خرچ بقدر کفایت واجب ہے اسی طرح

اُس پر یہ بھی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر جو کچھ فرض کیا ہے اور جس سے اُن کو منع کیا ہے اُن کو سکھائے اور یہ ایسی بات ہے کہ آجکل اس کو اکثر علماء نے چھوڑ دیا ہے عوام کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ آجکل غلام اور لونڈیوں کے متعلق دین سکھانے کا ارادہ ہی نہیں کرتے بلکہ اُن سے صرف دنیاوی حاجتیں پوری کرنے کا ارادہ کرتے ہیں گویا کہ وہ لوگ اپنے مالکوں کے نزدیک حیوان ہیں کہ ان کے ذمہ کوئی احکام شرعی نہیں ہیں پس بے شک اس زمانے میں اکثر وہ لوگ جو اسلام کا دعوےٰ کرتے ہیں اُن کے پاس غلام اور لونڈیاں ہوتی ہیں لیکن وہ ان کو نہ کسی واجب کا حکم کرتے ہیں اور نہ کسی حرام سے روکتے ہیں بلکہ غلام اور لونڈیوں کو اُن کی ملک میں کئی کئی سال گذر جاتے ہیں کہ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے اور اکثر ممنوع اور بُری باتیں کہتے رہتے ہیں اور وہ دیکھا کرتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے اُن سے اور گمان کرتے ہیں کہ اُن کا گناہ خود اُن ہی پر ہے مجھ پر کچھ نہیں حالانکہ اُس بیچارہ کو یہ خبر نہیں ہے کہ جو گناہ اُن سے ہوگا وہ بھی اس میں پکڑا جائے گا اور اُس سے پوچھا جائے گا اور قیامت کے دن اُن کے گناہوں سے اُس کو بھی عذاب ہوگا جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم سب نگہبان ہو اور اپنی اپنی رعیت کے متعلق تم سب سے پوچھا جائے گا پس جب انسان کو یہ معلوم ہوگیا کہ قیامت کے دن میرے غلام اور لونڈیوں کے متعلق مجھ سے پرسش ہوگی تو اُن کو آزاد جانوروں کی طرح قاعدۂ دینی اور تنبیہ شرعی کے بغیر نہ چھوڑے بلکہ ان کو شریعت کی رسی میں مضبوط باندھے اور احکام دینی میں گھیرے اور عذاب اُخروی کے اسباب سے بچائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا "اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے" پس بیشک لفظ اہل اگرچہ باعتبار اصل قرابت دار پر بولا جاتا ہے لیکن نوکر چاکر پر بھی بولتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ بیان عموم کی وجہ سے یہی معنیٰ مراد ہوں۔

پس اس بنا پر مومن کو واجب ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کو جس قدر اُن پر احکام دینی واجب ہیں سکھا دے پھر اُن کو فرائض اور واجبات ادا کرنے کا حکم کرے اور گناہ اور حرام باتوں کے کرنے سے پہلے تو نرمی سے پھر اگر نہ مانیں تو اُن کو سخت سست کہہ کر منع کرے پھر بھی اگر نہ مانیں تو مارے پھر اس کے بعد بھی جو کوئی ان میں سے راہ راست پر نہ آئے اُس کو بیچ ڈالے اس لیے کہ جب تک اُس کی ملک میں رہے گا اُس کی حفاظت اس پر واجب رہے گی جیسا کہ قاضی خان اپنے فتاوے میں کہتے ہیں ایک شخص کا غلام بیمار ہے کہ وضو نہیں کرسکتا تو امام محمدؒ سے منقول ہے کہ مولےٰ پر اُس کو وضو کرانا واجب ہے اس لیے کہ جب تک اُس کی ملک میں ہے اُس کی خبر گیری اُس پر واجب ہے۔

مولےٰ غلام کو سزائے شرعی نہیں دے سکتا

لیکن سمجھنا چاہیے کہ مولیٰ کو اگرچہ غلام کا ایسی خطا پر مارنا جو حد یعنی سزائے شرعی کے قابل نہ ہو مارنا جائز ہے لیکن اگر ایسا کام کرے جس میں سزائے شرعی واجب ہے تو اُس کو یہ اختیار نہیں کہ اُس کو سزائے شرعی ثابت ہو جائے پھر اگر اُس کو سزائے شرعی دی جا چکی اور وہ باز نہ آیا تو بیچ ڈالے اگرچہ کم داموں ہی پر سہی جیسا کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کسی کی لونڈی زنا کرے اور وہ زنا ظاہر ہو جائے تو اُس کو سزائے شرعی دے اور بُرا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ وہ زنا کرے تو پھر اُس کو سزائے شرعی دے اور کچھ سرزنش نہ کرے پھر اگر تیسری دفعہ زنا کرے تو اُس کو بیچ ڈالے اگرچہ بال کی ایک رسّی کے بدلے میں ہو۔

اور لونڈی کے مطلق بیان کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ لونڈی کی حد بیاہی ہو یا بے بیاہی دُرّے ہی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ آزاد عورت سے آدھے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ترجمہ پھر اگر کریں بے حیائی تو اُن پر ہے اُس کی آدھی مار جو بی بیوں پر مقرر ہے" اور بے حیائی سے اس آیت میں زنا مراد ہے اور محصنٰت سے مراد آزاد عورتیں ہیں اور عذاب سے مراد دُرّے ہیں سنگساری نہیں ہے کیونکہ سنگساری کا نصف نہیں ہو سکتا۔

اور امام شافعیؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مولا کو اپنے غلام پر حد لگانا جائز ہے اور حنفی کہتے ہیں کہ بلا اجازت امام اُس کو یہ جائز نہیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ چار باتیں والیوں ہی کے سپرد ہیں اور اُن ہی میں سے آپ نے حدود کو بھی ذکر کیا اور ولاۃ والی کی جمع ہے اور جب صرف والی بولتے ہیں تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے جس کو عام ولایت حاصل ہو اور ایسا شخص بادشاہ یا اُس کا نائب ہے، اور دُرّے لگانے کا حکم کرنے کے بعد سرزنش سے ممانعت کی تصریح اس لیے ہے کہ زنا کی عقوبت دُرّہ مقرر ہونے سے پہلے سرزنش تھی یعنے جھڑکنا اور شرم دلانا تو معنی حدیث کے یہ ہوئے کہ سرزنش ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اُس کو شرعی سزا دی جائے اور بعضے کہتے ہیں کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اُس کو شرعی سزا دینے کے بعد اب اُس پر سرزنش کا کوئی حق نہیں رہا تیسری دفعہ میں اُس کے بیچ ڈالنے کا حکم ہوا اس لیے ہے کہ اس میں فساق اور فجار سے میل جول کا ترک ہے پھر اگر کوئی یہ اعتراض کرے بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو اپنے لیے بُرا سمجھے اور اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے باوجودیکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے مومن نہ ہوگا کوئی تم میں سے جب تک کہ پسند نہ کرے اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی چیز جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نیت سے

بیچے کہ مشتری کے پاس اُس کی نگرانی یا احسان کرنے اور فراخی برتنے سے عفیفہ ہو جائے۔

غلام کے ساتھ بُرا سلوک کرنے والے کا حکم

اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے جس کی یہ عادت پڑ جائے کہ غلاموں کو ہر روز اور ہر وقت گالیاں دیا کرے تو اُس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور کبھی کبھی ہو تو گواہی مقبول ہوگی جبکہ تہمت زنا نہ ہو اور اگر زنا کی تہمت لگائے تو وہ عادل نہیں رہتا اور درّہ مارنا واجب ہے لیکن دنیا میں نہ مارے جائیں گے اس لیے کہ دنیا میں غلام کی وجہ سے مولیٰ پر عقاب نہیں ہوتا بلکہ آخرت میں لگیں گے جیسا کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے غلام کو تہمت لگائے حالانکہ وہ اس سے بری ہو تو قیامت کے دن درّے لگایا جائے گا مگر جبکہ وہ ایسا ہی ہو جیسا اُس نے کہا تھا۔

اور فقیہ ابواللیثؒ نے تنبیہ میں عامر شعبی رحؒ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک شخص نے اپنی بی بی سے پانی مانگا پس بی بی نے اپنی لونڈی کو بلایا اُس نے دیر کی پس بی بی نے اس کو گالی دی پس اس شخص نے کہا کہ سُنتی ہے قیامت کے دن بے شک شرعی سزا دی جائے گی یا چار گواہ کہ یہ لونڈی ایسی ہی ہے جیسا تو نے کہا ہے پس بی بی نے اُس کو آزاد کر دیا اُس پر اس شخص نے کہا امید ہے کہ یہ تیرے لیے کفارہ ہو جائے۔

حد قذف کی شرائط

یہ حدیث اگرچہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ غلام کو گالی دینے سے شرعی سزا لازم آتی ہے لیکن اس لیے کہ اس میں احسان نہیں ہے شرعی سزا کا دیا جانا واجب نہیں کرتی کیونکہ حد قذف کے لیے احصان کی پانچ شرطیں۔ آزادگی اور اسلام اور عقل اور بلوغ اور پاکباز ہونا زنا سے۔ پس جس میں ان پانچ شرطوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے وہ محصن نہیں ہے ایسے پر تہمت لگانے سے شرعی سزا واجب نہیں ہوتی بلکہ بڑی سے بڑی تعزیر آتی ہے جس کی انتہائے حد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انتالیس درّے اور امام ابویوسف رحؒ کے نزدیک ایک روایت میں پچپن اور ایک روایت میں اناسی درّے ہیں پس اگر دنیا میں نہ لگیں تو آخرت میں سب کے سامنے آگ کے درّے مارے جائیں گے۔

اور جس میں یہ پانچوں شرطیں سب موجود ہوں تو وہ محصن ہے اس پر تہمت لگانے سے حد یعنی شرعی سزا واجب ہوتی ہے اور اُس کی مقدار اسیؔ درّے آزاد کے لیے۔

حد قذف کے بعد اس شخص کی گواہی مقبول نہیں

اور اُس کے آدھے غلام کے لیے ہیں مع اس بات کے کہ گو توبہ کے بعد سہی ان کی گواہی بھی کبھی مقبول نہ ہوگی کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ترجمہ اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو پھر نہ لائے چار گواہ تو مارو ان کو اسّی درّے اور نہ مانو ان کی کبھی کوئی گواہی اور یہی لوگ ہیں فاسق مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے پیچھے اور نیک ہو گئے ''

کسی پر تہمت زنا لگانے والوں کے لیے حکم | پس اللہ تعالٰے نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ جو لوگ پاک عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان پر تین حکم جاری ہوں گے ایک درّے مارنے کا واجب ہونا۔ دوم اُن کی گواہی کا مردود ہونا اور سوم ان کا فاسق ہونا لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنے جھوٹ اور جس پر تہمت لگائی ہے اس کے بری ہونے کا اقرار کریں اور اُس سے معاف کرالیں اور جو خرابی بے آبروئی اور پردہ دری کی انھوں نے کی تھی اُس کو درست کریں تو اُن کا فسق اس استثنار کی وجہ سے جو آیت میں واقع ہوا ہے دور ہوجائے گا اور درہ لگنا معاف نہ ہوگا اور نہ گواہی کا مردود ہونا علمائے حنفیہ کے نزدیک معاف ہوگا۔

اور حاصل یہ ہے کہ آیت میں ان پر تین حکموں کے جاری ہونے کا حکم صرف گواہ گذرانے سے عاجز ہونے پر ہے بلا اس شرط کے کہ حقیقت اور نفس الامر میں جھوٹ ہو اس لیے کہ قذف خبر ہے جھوٹ سچ دونوں کا احتمال رکھتی ہے لیکن بے فائدہ عفت کی پردہ دری کی وجہ سے جب ثابت کرنے سے عاجز رہیں گے تو فاسق ہوجائیں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے جو کہ درہ لگنا اور شہادت کا رد ہوجانا ہے اور اگرچہ واقع میں وہ سچے ہی ہوں اس واسطے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

ترجمہ کیوں نہ لائے اس بات پر چار گواہ پس جب نہ لائے گواہ تو اللہ کے نزدیک وہی ہیں جھوٹے ''

پس اس سے معلوم ہوا کہ جس بات پر دلیل نہ ہو وہ حکم الٰہی میں جھوٹ ہے اور اسی لیے اس پر حد یعنی سزائے شرعی مقرر ہوئی اس لیے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے نہ تنبیہ کا اور نہ زجر اور سیاست کا بلکہ یہ صرف پردہ دری اور بے آبرو کرنا ہے اور یہ تو جب ہے جبکہ سچے ہوں پھر اگر جھوٹے ہوں تو کیا حال ہوگا اور لوگ اُس کو سہل سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کرنا حلال ہے | ہاں جو شخص کسی کو زنا کرتے دیکھے تو اُس کا قتل کرنا حلال ہے اور اگر قتل نہ کرے تو اس لیے کہ یہ کوئی نہ مانے گا کہ اس نے زنا کرتے دیکھ کر قتل کیا ہے۔

ستترویں مجلس اغلام کی حرمت اور اس کی سزا وغیرہ کے بیان میں

لواطت کی ذلت و خباثت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سب سے بڑے سے بڑا خوف جس سے میں اپنی امت کے متعلق خوف کرتا ہوں قوم لوط کا عمل ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے جابرؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں اس بات پر بڑی تنبیہ ہے کہ ان کا یہ عمل سب گناہوں سے بڑھ کر ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سزا دی کہ تمام امتوں میں سے کسی کو نہیں دی اور ان پر ایسے کئی قسم کے عذاب جمع کر دئے جو اور کسی بنی آدم پر جمع نہیں کئے اور اُن کی بُرائی بیان کی اور بار بار اُن کا قصہ اپنی کتاب کریم کی کئی سورتوں میں بیان کیا تاکہ اُن کے عمل سے وہ لوگ اچھی طرح باز آئیں جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اُس سے اور اُس کے اسباب سے بھی کماحقہٗ بچیں جیسے دیکھنا اور پاس بیٹھنا اور ہاتھ لگانا اور مُنہ چومنا اور نہ اس کے پاس پھٹکیں اور نہ اس کے گرد جائیں کرنے کا تو کیا ذکر اس لیے کہ روایت ہے کہ سور اور بندر کے علاوہ تمام حیوانات کی طبیعتیں بھی اس سے نفرت کرتی ہیں اور ایک روایت میں ہے بجز سور اور گدھے کے۔

پس جس کی طبیعت اُدھر مائل ہوئی وہ کمینگی اور ذلت اور خباثت میں سور اور بندر اور گدھے کے برابر ہے بلکہ اُن سے بھی اس کا حال بدتر ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا سور اور بندر اللہ کے نزدیک اُن لوگوں سے زیادہ ہوشیار ہیں جو گناہ کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جو شخص بغیر توبہ اور استغفار کے ہمیشہ گناہ کرتا رہتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ”وہ لوگ چوپائے کے برابر ہیں بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔“

لواطت کرنے والے چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دل و دماغ کے اسباب دنیاوی کی طرف متوجہ ہونے اور اسی کے ہو رہنے اور جو آیتیں اُن کے کانوں میں پڑتی ہیں اُن کے نہ سوچنے اور اُن سے کچھ نفع نہ لینے میں چوپایوں سے تشبیہ دی ہے بلکہ اُن کو اُن سے بھی زیادہ گمراہ ٹھہرایا ہے کیونکہ وہ اتنا تو سمجھتے ہیں جو اُن کی سمجھ کے لائق فائدہ اور نقصان کی چیزیں اور فائدہ کے حاصل کرنے میں اور مضرت کے دفع میں خوب کوشش کرتے ہیں اور اپنے مالک کے مطیع رہتے ہیں اور جو اُن کے ساتھ احسان کرے اور جو برائی کرے دونوں کو خوب پہچانتے ہیں حالانکہ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں اس لیے کہ یہ لوگ نہ نفع نقصان میں تمیز کرتے ہیں اور نہ اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نہ اپنے ساتھ اُس کے احسان کو پہچانتے ہیں جو اس نے شیطان کی

بدی کے مقابلہ میں جو اُن کا سب سے زیادہ دشمن ہے کیا ہے اور دردناک عذاب کی طرف دوڑتے ہیں اور عیش دائمی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

آخرت سے غافل لوگ اور ان لوگوں میں داخل ہیں جن کے حق میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ۔

ترجمہ "جانتے ہیں ظاہری دنیا کے جینے کو اور وہ لوگ آخرت سے غافل ہیں" یعنے وہ لوگ دنیا کی ظاہری حقیر بے حقیقت باتوں کو تو جانتے ہیں یعنی جن کا انہیں دنیا کی زیب وزینت اور لذتوں اور تمام وہ حالات جو اُن کی خواہشوں کے موافق اور ہوا وہوس کے مناسب ہیں مشاہدہ ہے حالانکہ یہ لوگ آخرت سے جو سب سے بڑا مطلب اور اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے غافل ہیں اس کا خطرہ بھی دل میں نہیں لاتے اور دنیا کے حالات میں ایسی باتوں پر نظر ہی نہیں ڈالتے جن سے اُنہیں آخرت کی معرفت حاصل ہو اور نہ ایسی باتوں میں کچھ فکر کرتے ہیں تاکہ آخرت کا کچھ علم اُن کو حاصل ہو کیونکہ امور آخرت کا جاننا اللہ کے وجود اور اس کی قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات کے جاننے پر موقوف ہے اور یہ علم مخلوقات کی حالت پر نظر کرنے اور ان کے بدلتے ہوئے احوال میں فکر کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا حالانکہ اُن لوگوں نے اپنی نظر کو چوپایوں کی طرح ظاہری ذلیل حالات تک ہی کوتاہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالےٰ کی عجیب صنعتوں میں غور ہی نہیں کرتے تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُس کے وجود اور اُن صفات پر دلیل قائم کر سکیں جن پر عالم کا وجود موقوف ہے پس اس سے اُنہیں یہ معلوم ہو جائے کہ آخرت کی جن جن باتوں کی خبر دی گئی ہے سب ممکن ہیں اور اُن کا ثبوت ضروری ہے۔

آخرت میں لوگوں کی قسمیں اور نیز یہ کہ آخرت کے بارے میں مکلف نیک اعمال اور بداعمال کے لحاظ سے دو قسم کے ہوں گے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

گناہوں سے محبت کا سبب پھر بندے کی گناہوں سے محبت کا سبب یا علم کی خرابی ہے یا قصد کی خرابی یا دونوں کی خرابی بلکہ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ ارادہ کی خرابی کا سبب بھی علم کی خرابی ہے اس لیے کہ جو شخص مضر چیز کے نقصان کو بخوبی جانتا ہے وہ کبھی اُس طرف رغبت نہ کریگا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جس کو کسی مزہ دار کھانے کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے تو اس کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوگا۔

ایمان حقیقی کا تقاضا پس اس بیان کے مطابق ایمان حقیقی وہی ہے جو ایماندار کو ایسے فعل کے کرنے پر آمادہ کرے جو آخرت میں مفید ہے اور ایسے کام کے چھوڑنے پر آمادہ کرے جو وہاں

مضر ہے پس جب اُس نے ایسا کام نہ کیا جو آخرت میں مفید ہے اور اُس کام کو نہ چھوڑا جو وہاں مضر ہے تو اُس کا ایمان حقیقی نہیں ہے بلکہ زبانی ہے دلی نہیں ہے کیونکہ جس شخص کو دوزخ پر ایسا ایمان کامل ہو جیسے اُس کو دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کبھی ایسی راہ نہ چلے گا جو دوزخ میں لے جائے چہ جائیکہ خود اُس میں داخل ہونے کی کوشش کرے اور جنت پر ایسا کامل ایمان رکھنے والا گویا اس کو دیکھ رہا ہے اُس کی طلب میں سستی نہ کرے گا بلکہ اُس میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا اور یہ ایسی بات ہے جس کو ہر آدمی اپنے دل میں دنیاوی امور میں دفع مضرت اور تحصیلِ منفعت کے وقت پاتا ہے۔

لواطت کرنے والے کا ایمان پس اس بنا پر جس شخص کی عادت قومِ لوط کے فعل کی پڑ جائے اُس کا ایمان حقیقی نہیں بلکہ زبانی ہے اس لیے کہ اُس کا جرم اور جرموں کے مشابہ نہیں ہے۔

لواطت کی سزا اور اسی لیے علماء نے اس کی حد میں اختلاف کیا ہے ایک گروہ کا تو یہ مذہب ہے کہ فاعل پر زنا کی حد لگائی جائے گی پس اگر وہ محصن ہے تو سنگسار کیا جائے اور اگر محصن نہیں تو سو درے مارے جائیں اور یہ امام شافعی رحؒ اور ابو یوسف رحؒ اور محمد ابن حسنؒ اور حسن بصری رحؒ اور عطاء رحؒ اور نخعیؒ اور قتادہ رحؒ اور اوزاعی رحؒ کا قول ہے، اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اُس کو بہر حال سنگسار کیا جائے محصن ہو یا غیر محصن اور ایسے ہی مفعول کو اور یہ امام مالک رحؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے اور اپنے اس قول پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالے نے قومِ لوط کو پتھروں سے ہلاک کیا چنانچہ اپنے کلام میں فرماتا ہے وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ "اور برسائے ہم نے اُن پر پتھر پکے ہوئے" وجہ استدلال یہ ہے کہ اگلے لوگوں کی شریعت بھی ہماری شریعت ہے جبکہ اس کا بیان بلا انکار ہو اور اس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہو اور اس قصہ کی حکایت بلا انکار ہوئی ہے اور نسخ ظاہر نہیں بلکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ قومِ لوط والا فعل کرتا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو اور کل صحابہ اس پر متفق ہیں اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے کیونکہ چار خلیفوں نے تو ایسے شخص کو جلا دیا ہے اور وہ حضرات ابو بکرؓ، علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور ہشام بن عبدالملکؒ ہیں اور حضرت ابو بکرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "اُس پر گھر گرا دیا جائے" اور حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ ایک سب سے بلند مکان تجویز کیا جائے پس اس پر سے سر کے بل گرا دیا جائے پھر پتھر پھینکے جائیں اس لیے کہ لوطؑ کی قوم اسی طرح ہلاک کی گئی چنانچہ ان کے گاؤں اٹھا لیے گئے تھے اور اُن پر اُلٹ دیئے گئے تھے اور گرتے وقت مکان کے اُن پر آ پڑنے میں کچھ شک نہیں اور صدر الشریعۃ نے دُرَر الاحکام میں لکھا ہے کہ صحابہ رضؓ نے ایسے شخص کو سزا یعنی آگ میں جلانے اور دیوار کو گرانے

اور بلند مقاموں سے اوندھا گرانے اور اس پر پتھر برسانے میں اختلاف کیا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسی قسم کی تنبیہ دینی چاہیے اور جرم سخت ہونے اور صحابہؓ کی موافقت پائے جانے کی غرض سے ایسے موقع پر بھی مناسب ہے۔

لواطت کی سزا سنگین ہونے کی وجہ | کیونکہ اس طرح کی تنبیہ اگرچہ حد سے بڑھ کر ہے لیکن بطور سیاست جائز ہے تاکہ لوگوں کے لیے لواطت کی طرف رغبت کرنے میں کوئی گنجائش نہ رہے کیونکہ حد کا لازم نہ ہونا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس لیے نہیں ہے کہ جرم خفیف ہے کیونکہ اس کی حرمت تو ان کے اور تمام علماء کے نزدیک زنا کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ اس لیے کہ اس کی عباثت عود طبیعتوں میں ودیعت کی گئی ہے کیونکہ وہ مقام گندہ ہے سلیم طبیعت والا خود اس کی طرف کبھی مائل نہ ہوگا اور اس سے روکنے کے لیے کسی تنبیہ کرنے والے کی حاجت نہیں ہے بلکہ اس میں طبعی مانع کافی ہے جیسے کہ گو کھانے اور موت پینے میں طبعی مانع کافی ہے۔

لیکن چونکہ خبیث طبیعتوں میں جو حدود الٰہی سے بڑھ جانے والی ہیں اس کا مقتضی بڑا قوی ہے، اس لیے اس سے کامل طریق پر زجر کرنا واجب ہوا کیونکہ آجکل تو یہ امت محمدیہ میں بھی بہت جاری ہو گیا ہے اور عرب اور عجم اور عالم اور جاہل اور خاص اور عام سب میں پھیل گیا اور اس حد کو پہنچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں اور جس کے پاس لونڈا نہ ہو اس کو ملامت کرتے ہیں اور طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آدمی ہی نہیں ہے اور اس کو کچھ دلچسپی ہی نہیں اور اپنے سامنے لونڈوں کے کھڑے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کو اچھے اچھے حرام کپڑے پہناتے ہیں تاکہ اچھا معلوم ہو۔

بالغ کے لیے نابالغ سے میل جول جائز نہیں | حالانکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جس کو یہ بات بھلی معلوم ہو کہ اس کے سامنے آدمی تصویر کی طرح کھڑے رہیں اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہیے" پس یہ وعید بالغ مردوں کے سامنے کھڑے رہنے کے متعلق پھر بھلا لونڈوں کے کھڑے رہنے کا کیا کہنا جن پر نظر کرنا بھی جائز نہیں جیسا کہ نوازل میں مذکور ہے کہ لڑکا اگر خوبصورت ہو تو اس کی طرف نظر کرنا جائز نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا امیروں کے لڑکوں کے پاس بیٹھنے سے بچو کیونکہ ان کی صورت عورت کی سی ہوتی ہے اور ان کا فتنہ عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔

لڑکے عورت کے حکم میں ہیں | اور ملتقط ناصری میں لکھا ہے کہ لڑکا جب مرد کے برابر ہو جائے اور خوبصورت نہ ہو تو وہ مردوں کے حکم میں ہے اور اگر خوبصورت ہو تو اس کا حکم عورتوں کا سا ہے اور وہ سر سے پیر تک عورت ہے اس کی طرف شہوت سے دیکھنا

جائز نہیں رہا سلام کرنا اور بے شہوت دیکھنا سو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور اسی لیے اُس کو نقاب کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضؓ اپنے گھر کے دروازے پر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے پس انہوں نے ایک لڑکے کو سامنے گلی میں آتے دیکھا پس آپ اُٹھے اور گھر میں چلے گئے پس جب لوگوں نے کہا کہ وہ چلا گیا تب آپ گھر سے نکلے پس کسی نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمٰن یہ آپ کا ذاتی فعل ہے یا اس بارے میں آپ نے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول علیہ السلام کو فرماتے سنا ہے کہ اُن کی طرف دیکھنا اور ان کے ساتھ باتیں کرنا اور ان کے پاس بیٹھنا سب حرام ہے۔

لڑکوں سے تعلقات کی خرابی اور قاضی ابو یوسف رحؒ کہتے ہیں ہیں نے امام صاحب رحؒ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان رہتے ہیں اور ہر خوبصورت لونڈے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں اور محمد بن حسن رحؒ خوبصورت تھے اور امام ابو حنیفہ رحؒ آنکھ کی خباثت کے خوف سے باوجود اپنے انتہائی تقوے کے اُن کو اپنے پیچھے یا مسجد کے ستون کی آڑ میں بٹھاتے تھے تاکہ اُن پر نگاہ ہی نہ پڑے۔

اور سفیان رحؒ کہتے ہیں کہ اس امت میں تین قسم کے لوطی ہوں گے ایک قسم تو گھورنے والے اور ایک قسم ہاتھ ملانے والے اور ایک وہ جو اس کام کو کر لیتے ہیں۔

اور لڑکوں کی بُرائی عورتوں سے زیادہ ہے اس لیے کہ جس کا دل کسی عورت پر آگیا تو اس کا نکاح سے جائز کر لینا تو ممکن ہے اور لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنے سے محبت پیدا ہوتی ہے تو اس میں لواطت کا جائز ہونا کسی طرح ممکن نہیں پس جب اس کی محبت اُس پر غالب ہوگی تو وہ فعل بد کرے گا اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگا جو آیاتِ الٰہی اور اس کے دین کو ہنسی کھیل سمجھتے ہیں اس لیے کہ بعض اوقات اُن دونوں میں اس قدر محبت ہو جاتی ہے اور ان کے درمیان وہی میل جول ہوتا ہے جیسا میاں بی بی میں ہوتا ہے یہاں تک کہ فاسق بدکار تو اُن کو میاں بی بی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو بی بی بنا لیا اور حاضرین اُن کی یہ باتیں سُنا کرتے ہیں اور ان کا یہ حال دیکھا کرتے ہیں اور منع نہیں کرتے بلکہ ہنستے ہیں اور اُن کو ایسا مذاق اچھا معلوم ہوتا ہے اور ایمان و اسلام کے جاتے رہنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور قاضی خان نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ امرد غلام کا بدکار آدمی کے ہاتھ ایسے شخص کو بیچنا مکروہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ یہ اُس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کرے گا اس لیے کہ اس میں گناہ کی مدد ہے۔

لواطت حرام ہونے کے دلائل اور تمام اگلے اور پچھلے علماء لواطت کے حرام ہونے پر متفق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نر و مادہ پیدا کیا اور اُن میں سے ہر ایک کو الگ الگ عضو دیئے ہیں کہ دونوں ہر عضو سے وہی کام لیں جس کے لیے وہ اعضاء پیدا کیے گئے ہیں اور عورت کو کھیتی کا محل بنایا جیسا کہ کلام پاک میں خبر دی اور فرمایا ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ "تمہاری بی بیاں تمہاری کھیتی ہیں پس اپنی کھیتی کو جس طرح چاہو لو"

پس کیا عاقل کو لائق ہے کہ اپنے کسی عضو کو کسی ایسے کام میں لگائے جس کے لیے وہ نہیں بنایا گیا ہے اور کیا اُس جگہ کھیتی ہو سکتی ہے جو کھیتی کا موقع نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ ہم نے مانا کہ لڑکا کھیتی کا محل نہیں ہے لیکن وہ شہوت پوری کرنے اور لذت لینے کا موقع تو ہے پس اگر مملوک ہو تو اُس کے مالک کو اس میں تصرف کرنا کیوں جائز نہیں جیسا کہ اور تمام املاک کھانے اور پہننے میں تصرف کیا جاتا ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ اگرچہ انسان کو بھی اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے لیکن اُس پورا تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے اس لیے کہ جو مال اُس کے قبضہ میں ہے درحقیقت اُس کا نہیں ہے بلکہ اُس کے ہاتھ میں ایسی عاریت ہے کہ شریعت میں اُسے اجازت ہے کہ اس میں ایک قسم کا تصرف کرے اور دوسری طرح سے تصرف کرنے کی ممانعت ہے اور شریعت نے اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ ایسے مکروہ موقع پر غایت درجہ کی خباثت اور نہایت درجہ کی ناپاکی کی وجہ سے تصرف کرے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اپنی بی بی سے گو پیشاب گاہ میں وطی کرنا حلال ہے لیکن حیض کی حالت میں گندگی کے سبب سے اُس سے بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ "اور لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو وہ گندگی ہے پس الگ رہو عورتوں سے حیض میں" اور وہ مہینے میں چند دن ہیں پھر ایسی جگہ سے کیوں ممانعت نہ ہوگی جہاں سے ایسی نجاست کبھی جدا نہیں ہوتی جو حیض کے خون سے بھی زیادہ سخت ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ محض مالک ہونا ایسی چیز میں تصرف کا مقتضی نہیں جس میں شریعت نے اجازت نہیں دی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آتش پرست لونڈی یا بت پرست باوجودیکہ کھیتی کا محل ہے لیکن اس کے مالک کو جائز نہیں کہ اُن میں بوسہ اور تفخید وغیرہ لوازم جماع کا کوئی تصرف کرے چہ جائیکہ جماع اور ایسے ہی چوپایہ باوجودیکہ وہ شہوت پوری کرنے کا موقع ہے لیکن اُس کے مالک کو اس سے شہوت پوری کرنا جائز نہیں جب یہ ثابت ہو گیا تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس فعل بد سے الگ رہے۔

لواطت کی اخروی سزا کیونکہ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "جس نے قوم لوط کا کام کیا اس پر دوزخ میں اوندھا کر کے عذاب کیا جائے گا"، اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب نر نر پر چڑھتا ہے تو عرش ہل جاتا ہے اور آسمان کہتے ہیں خداوندا ہم کو اس کے ہلاک کرنے کا حکم دے اور زمین کہتی ہے یا اللہ مجھ کو حکم دے کہ میں اُس کو نگل جاؤں پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جانے دو اس کا راستہ میری ہی طرف ہے اور اس کا کھڑا ہونا میرے ہی سامنے ہے"، اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوطی اگر سات سمندر میں نہائے جب بھی قیامت کے دن نہ آئے گا مگر ناپاکی کی حالت میں۔

لواطت خبیث فعل ہے اور فتاوے صوفیہ میں سفیان رحمہ سے نقل ہے کہ لواطت جنت میں نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند کیا ہے اور برا قرار دیا ہے اور فرمایا مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۞ "کہ تم سے پہلے جہان میں ایسا کام کسی نے نہیں کیا" اور اس کا نام خبیثہ رکھا چنانچہ فرمایا ہے وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ "اور بچایا ہم نے اُس کو اُس گاؤں سے جو کرتے تھے خبیث کام" اور جنت خبیث کاموں سے پاک ہے کسی نے کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت چونکہ نہایت پاکیزہ اور مدرجہ کی لطیف ہے جب اُس میں لواطت بوجہ خبیث فعل ہونے کے نہیں ہوسکتی تو لازم آتا ہے کہ اس شخص کو بھی قبول نہ کرے جو دنیا میں اس کام کو کرتا ہے اس لیے کہ وہ نہایت درجہ کا خبیث اور ذلیل ہے کیونکہ جو خبیث بات سے موصوف ہو وہ خود بھی خبیث ہے ہاں مگر جبکہ اللہ اُس کو سچی توبہ سے جس سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں درست کر دے۔

اٹھترویں مجلس شراب نوشی کی حرمت اور اُس کے عذاب اور تمام برائیوں کے بیان میں

شراب حرام اور نجاست غلیظہ ہے اس کا پینے والا جنت میں نہ جائے گا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے شراب دنیا میں پی اور مر گیا اور وہ ہمیشہ پیتا رہتا تھا اور اس سے توبہ بھی نہیں کی تو آخرت میں شراب طہور نہ پینے پائے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عمرؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اسکے معنے یہ ہیں کہ جس شخص نے ہمیشہ مے نوشی کی اور ایسی حالت میں مر گیا اور اس سے توبہ نہیں کی وہ نہ جنت میں داخل ہوگا نہ اُس کو وہاں کی شراب پینے کو ملے گی اس لیے کہ وہاں ایک قسم کی

شراب دنیاوی شراب جیسی خمر بھی ہے اس لیئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۵ "اور شراب کی نہریں ہیں جس سے لذت ہے پینے والوں کو"۔ یعنے جنت میں مزہ دار خمر یعنی دنیاوی شراب کی نہریں ہوں گی جن میں نہ بدبو ہوگی نہ بدمزگی اور نہ نشہ اور نہ خمار کی تکلیف ہوگی بلکہ وہ محض مزہ اور لطف ہوگا جس سے پینے والے مزے اڑائیں گے پس جو جنت میں جائے گا وہ اس میں سے ضرور ہی پیئے گا اور اس سے محروم نہ رہے گا پس اس میں سے پی نہ سکنا دنیا میں شراب نوشی کی وجہ سے جنت میں نہ داخل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دنیا کی شراب حرام اور نجاست غلیظہ ہے اس کا پینا جائز نہیں

شراب پینے کی دنیاوی سزا اور جو شخص اپنی خوشی سے اس کو پئے گا خواہ ایک قطرہ ہی ہو اس پر حد لگے گی اور اس کی مقدار آزاد پر اسی درے اور غلام پر اس کے آدھے ہیں پس اگر دنیا میں نہ لگے تو آخرت میں سب کے سامنے آگ کے درے مارے جائیں گے۔

شراب کو حلال سمجھنا کفر اور اس کا کاروبار حرام ہے اور جو شخص اس کو حلال سمجھے وہ کافر ہے اور اس کا بیچنا اور خریدنا اور اس کی قیمت کو کھانا سب حرام ہے اور ذمی لوگوں کو شراب علانیہ پینے اور بیچنے سے منع کیا جائے گا اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ شہروں اور گاؤں اور گھر ایسے شخص کو کرایہ پر دینا جو اس میں شراب بیچے مسلمان ہو خواہ کافر جائز نہیں ہے اس لیے کہ گناہ میں مدد دینا ہے اور اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۵ "نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور نافرمانی اور ظلم میں مدد نہ دو" اور امام ابو حنیفہ رح سے روایت ہے کہ اپنے اپنی بستی کے اطراف میں اس کی اجازت دی ہے تو ان کی بستی کے اطراف سے مراد جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے سواد کوفہ یعنی اس کے اطراف ہیں اس لیے کہ وہاں کے اکثر رہنے والے ذمی ہی تھے رہے ہمارے شہروں کے سواد یعنی اطراف سو اس میں چونکہ اسلام کے جھنڈے غالب ہیں لہٰذا یہاں ان کو قدرت نہ دی جائے گی جیسے کہ شہروں میں ان کی اجازت نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

شراب خانے کو جلانے کا حکم شرعی اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے اگر محتسب مشہور شراب خانے کو پھونک دے تو تاوان نہیں ہوتا جبکہ یہ جانے کہ اس کے بغیر باز نہ آئے گا کیونکہ ایسی حالت میں یہی انتظام کا طریقہ ہے البتہ ہمارے علماء سے گھر جلانے کے متعلق کوئی روایت نہیں آئی بلکہ صرف گھر کا گرانا اور مٹکے کا توڑ دینا آیا ہے لیکن محیط کی کتاب الصلوٰۃ کی آٹھویں فصل میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی سے کہہ دوں کہ نماز پڑھائے اور ان لوگوں کو دیکھوں جو جماعت میں نہیں آتے ہیں پس ان کے گھر جلادوں اور یہ حدیث جماعت سے

پیچھے رہ جانے والے کے گھر کو پھونک دینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ رسول سے گناہ کا ارادہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ارادہ بھی گناہ ہے پس جب سنت مؤکدہ کے چھوڑ دینے سے گھر کے جلا دینے کا جواز معلوم ہوا تو واجب اور فرض کے چھوڑ دینے پر گھر جلانے کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔

اور خصاف کی شرح ادب القاضی کے تیسویں باب میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ پڑھا تو آپ نے فرمایا مجھ کو خبر ملی ہے کہ فلاں اور فلاں کے گھر میں شراب ہے پس میں ان کے گھروں کی تلاشی لوں گا اگر ٹھیک ہوا تو دونوں کے گھر پھونک دوں گا اور یہ دونوں آدمی ایک تو قریش میں سے تھا اور ایک قبیلہ ثقیف میں سے تھا پس قریشی نے یہ بات سنی تو ڈر گیا اور اس کے گھر میں جو نشہ کی چیزیں تھی سب پھینک دی اور ثقفی نے ایسا نہیں کیا اور اس کا نام مرشد تھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریشی کے گھر آئے تو اس میں کوئی چیز نشہ کی نہ پائی اور ثقفی کے گھر آئے تو اس میں شراب پائی پس آپ نے اس کا گھر جلا دیا اور فرمایا تو مرشد نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ محتسب کو جب کسی بری بات کی خبر ملے تو اس کو چاہیے کہ مشہور کر دے اور اس پر دھمکائے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب شراب کی خبر پہنچی تو آپ نے خطبہ دیا اور وعظ میں ظاہر کر دیا اور گھر پھونک دینے کی دھمکی دی اور قریشی نے نصیحت مان لی اور اس کا گھر نہیں جلایا گیا اور ثقفی نے نصیحت نہ مانی لہذا اس کا گھر پھونک دیا کیونکہ جلانے ہی سے دھمکایا تھا اور یہ سیاست کے لائق نہیں کہ کسی بات سے دھمکائے پھر اس کو نہ کرے۔

شراب کو حلال قرار دینے والے مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا اور روایت ہے کہ چند شامیوں نے شراب پی اور کہا کہ ہمارے لیے تو یہ حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا ”نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کچھ گناہ اس چیز میں جو کہ انہوں نے کھایا“ پس ان کے بارے میں اس بات کی تحریری اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور آپ نے لکھ بھیجا کہ ان کا چالان میرے پاس کر دو پس جب وہ لوگ آ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو جمع کیا اور ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا ان حضرات نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اور اس کے دین میں ایسی بات نکالی ہے جس کی اس نے اجازت نہیں دی ہے لہذا آپ ان کی گردنیں مار دیجیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سب میں خاموش تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ان سے توبہ کرائیے پس اگر توبہ کر لیں تو ہر ایک کے اسی درے مار دیجیے اور اگر توبہ نہ کریں تو ان کی

گردنیں مار دیجیے پس آپ نے اُن سے توبہ کرائی پس انہوں نے توبہ کر لی اور ہر ایک کو اسّی اسّی درّے لگے۔

اور اس آیت کا جواب جس سے وہ شراب کے جائز ہونے پر دلیل لاتے تھے یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو سب نے کہا یا رسول اللہؐ ہمارے اُن بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب خواری کی حالت میں مر گئے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی کہ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا "نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کچھ گناہ اُس چیز میں جو پہلے کھا چکے" یعنی جن لوگوں نے حرام ہونے سے پہلے شراب پی اُن پر کچھ گناہ نہیں گناہ تو اُن ہی پر ہے جو اُس کے حرام ہونے کے بعد پیتے ہیں۔

اسلام میں شراب حرام ہونے کی وجہ | اگر کوئی یہ کہے کہ ایسی چیز کا پینا حرام ہونا جو اُس عقل کو کھو دے جو معرفت الٰہی اور شکر نعمت کی جڑ ہے اس میں شک نہیں بہت ہی اچھا ہے لیکن پہلی اُمتوں کے لیے کیوں حلال تھی حالانکہ اُن کو بھی اس کی حاجت تھی تو جواب یہ ہے کہ تھوڑی سی پینے میں عقل نہیں جاتی عقل تو نشہ سے جاتی ہے اور نشہ سب دینوں میں حرام رہا ہے لیکن اس اُمت پر جس کے خیر ہونے کی سب نے گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تکریم کے سبب سے تھوڑی سی شراب بھی حرام کر دی گئی تاکہ نشہ میں نہ پڑ جائیں جو کہ ممنوع ہے کیونکہ تھوڑی شراب بہت کا تقاضا کراتی ہے اور یہ اس کا خاصہ ہے اسی لیے شرابی کا مزہ زیادہ پینے سے بڑھتا جاتا ہے برخلاف اور شربتوں کے۔

اسلام میں حرمت شراب کا تدریجی حکم اور اس کی حکمت | اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تقاضائے مذکور تو اس میں پہلے سے موجود تھا پس پہلے ہی کیوں نہ حرام ہوگئی اور آہستہ آہستہ کیوں حرام ہوئی تو جواب یہ ہے کہ خیر ہونے کی گواہی اس وقت نہ تھی اور رہی آہستگی سو اس لیے کہ اسلام سے نفرت نہ ہو جائے کیونکہ وہ لوگ جاہلیت میں اس کے پینے کے بڑے شائق تھے پس اس کے پینے کی طرف اُن کے شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اور احسان ظاہر فرمایا اور دفعۃً حرام نہیں فرمایا بلکہ آہستہ آہستہ یہاں تک کہ اس شان میں چار آیتیں اُتریں۔

پہلا حکم نفرت دلانے کے لیے | مکہ میں تو یہ آیت آئی وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ "اور کھجوروں اور انگوروں کے میووں سے بناتے ہو نشہ اور روزی اچھی" اور نشہ سے مراد شراب ہے پس بڑے بڑے صحابہؓ نے فرمایا کہ اگر شراب میں کچھ خوبی ہوتی تو رزق حسن سے الگ نہ کی جاتی پس انہوں نے اُس کو چھوڑ دیا اور

لوگوں پر یہ بات پوشیدہ رہی کہ معطوف کو بھلائی سے موصوف کرنا اس دلالت سے خالی نہیں ہے کہ معطوف علیہ میں کچھ نہ کچھ برائی ہے لہٰذا انہوں نے اس کو نہیں چھوڑا۔

دوسرا حکم شراب کا گناہ فائدہ سے بڑا ہے پھر حضرت عمرؓ اور معاویہؓ اور کئی اور صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کو شراب اور جوئے کے بارے میں فتوے دیجیے کیونکہ ایک تو عقل کھو دیتی ہے اور دوسری چیز مال تلف کرتی ہے تب یہ آیت آئی یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ "تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ ان میں گناہ بڑا ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے سے بڑا ہے"۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام نہیں کیا بلکہ اس کی ہجو کی اور اس سے آگاہ کر دیا کہ ان دونوں سے بچنا ان کے پاس جانے سے بہتر ہے اس لیے کہ ہر کام میں اکثر پر ہوتا ہے پس بہتیرے لوگ تو ان دونوں سے باز آئے اور کہا ہم کو اس کی کچھ حاجت نہیں جس میں بڑا گناہ ہو اور بعضوں نے کہا ہم ان کا فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اور گناہ چھوڑ دیا کریں گے پس وہ ان دونوں سے باز نہ آئے۔

تیسرا حکم نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت پھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کھانا پکا کر صحابہؓ کی ایک جماعت کو بلایا اور شراب پیش کی پس سب نے پی اور مست ہوئے اور وہیں مغرب کا وقت آگیا تو انہوں نے آپس میں سے ایک کو آگے کیا اس نے اس طرح پڑھا قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ○ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ آخر سورۃ تک لفظ لا کو چھوڑ کر پھر یہ قول اللہ تعالیٰ کا نازل ہوا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی "اے ایمان والو پاس نہ جاؤ نماز کے حالت نشہ میں" یہ آیت پہلی آیت سے سخت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اوقات نماز میں نشہ حرام کر دیا اس لیے کہ نہی کا تعلق مقید (یعنی نماز) سے اس طرح نہیں ہے کہ قید (یعنی شراب کے پینے) کی اسی طرح اجازت ہو بلکہ نہی کا تعلق قید (یعنی شراب کے پینے) سے اس طرح پر ہے کہ مقید (یعنی نماز) اسی طرح لازم رہے کیونکہ نماز مسلمانوں پر فرض وقت بندھی ہوئی ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا "اے ایمان والو نماز کے وقتوں میں شراب نہ پیا کرو"، پس بہتوں نے اس کا پینا چھوڑ دیا اور کم لوگ اوقات نماز کے علاوہ اور وقتوں میں بعضے تو نماز عشا کے بعد پیتے تھے کہ صبح ہوتی تو نشہ اتر چکا ہوتا اور بعضے صبح کی نماز کے بعد پیتے پس ظہر کا وقت آنے تک ہوش میں آجاتے پس اُن کا اکثر وقت شراب سے خالی رہتا اب مطلقاً حرمت کی طرف منتقل کر دینا ان کا آسان ہو گیا۔

چوتھا حکم صریح حرمت شراب پھر عتبان بن مالکؓ نے کئی مسلمانوں کی دعوت کی اور اُن کے لیے اونٹ کی سری بھونی پس انہوں نے کھائی اور شراب پی پس جب مست ہوئے تو اپنی اپنی شیخی مارنے لگے اور شعر پڑھنے لگے اور اس جماعت میں سعد بن ابی وقاص تھے پس انہوں نے

ایسا شعر پڑھا جس میں انصار کی ہجو تھی پس ان میں سے ایک نے اونٹ کا جبڑا لے کر سعد رض کے سر پر ایسا مارا کہ سر کھل گیا پس سعد رض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فریاد کی اور حضرت عمر رض اس وقت حاضر تھے پس انہوں نے دعا کی "یا الٰہی ہمارے لیے شراب کے بارے میں شافی طور پر بیان کر دے" پس یہ آیت اتری یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ "اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے گندے ہیں کام شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان چاہتا ہے کہ ڈال دے تم میں دشمنی اور بغض شراب سے اور جوئے سے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے پس کیا تم اس سے باز آتے ہو" پس حضرت عمر رض نے کہا الٰہی ہم باز آئے۔

حرمت شراب کی آیت کی شراب کے حرام ہونے پر دلالت کے دس وجوہ

پس یہ آیت شراب کے قطعی حرام ہونے پر دس وجہوں سے دلالت کرتی ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو جوئے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا اور وہ بالاتفاق حرام ہے اور اسی طرح وہ جو اس کے ساتھ ہو اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو بتوں کے ساتھ ملایا اور وہ بھی حرمت میں ایسے ہی ہیں اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانسو کے ساتھ ملایا اور وہ بھی حرمت میں ویسے ہی ہیں اور چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام رجس رکھا اور رجس حرام نجس ذاتی کو کہتے ہیں اور پانچویں یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس تنبیہ کے لیے کہ اس کا کرنا محض برا ہی برا ہے شیطانی کام قرار دیا اور چھٹے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کا حکم کیا اور حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے لہٰذا تعمیل حکم واجب ہے اور ساتویں یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے بچنے پر کامیابی کا وعدہ فرمایا اور کامیابی حرام سے بچے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور آٹھویں یہ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا شیطان یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور جو چیز یہاں تک پہنچائے وہ حرام ہے اور نویں یہ کہ اللہ تعالےٰ نے بیان کیا کہ شیطان کی غرض یہ ہے کہ یادِ الٰہی اور نماز سے تم کو روک دے اور ایسا کرنا حرام ہے اور دسویں یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے باز رہنے کو فرمایا اور باز آنا اسی سے واجب ہوتا ہے جو حرام ہو۔

حرمت شراب کے حکم کی تعمیل میں صحابہ رض کا عمل

پس ان وجہوں سے شراب کی قطعی حرمت ثابت ہوئی لہٰذا سب نے اس کا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ حضرت انس رض سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں صحابہ رض کی ایک جماعت کے ساتھ ابو طلحہ رض انصاری کے گھر میں تھا اور وہ

سب شراب پی رہے تھے اور میں ان کا ساقی تھا اتنے میں وہاں ایک شخص آگیا اور اس نے کہا شراب تو حرام ہو گئی پس خدا کی قسم نہ اُن لوگوں نے ذرا دیر کی اور نہ اس کے متعلق کچھ پوچھا یہاں تک کہ انہوں نے کہا انس رضؓ جتنی تیرے برتن میں ہے سب گرا دے پس میں نے گرا دی اور کسی نے پھر کبھی نہ پی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے مل گئے۔

شراب کی قباحت اور حضرت علی رضؓ سے روایت ہے آپ فرماتے تھے کہ اگر شراب کی ایک بوند کنوئیں میں گر جائے پھر اس کی جگہ مینارہ بنا ہو تو میں اس پر اذان نہ کہوں اور اگر شراب کی بوند دریا میں گر پڑے پھر وہ خشک ہو کر گھاس جم آئے تو میں جانور نہ چراؤں اور حضرت عثمان رضؓ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے شراب سے بچو بیشک وہ تمام خبیثوں کی جڑ ہے پس قسم ہے اللہ کی کہ کسی شخص کے دل میں ایمان اور شراب دونوں جمع نہیں ہوتے مگر قریب ہے کہ ان میں سے ایک چیز دوسرے کو کھو دے گی یعنی شرابی جب مست ہوتا ہے تو اس کی زبان پر کلمۂ کفر آ جاتا ہے پس اب حالت مستی میں قصد اور اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس کے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں ہے لیکن اس کی زبان کو یہی عادت پڑ جاتی ہے اور اس پر خوف ہے کہ مرتے دم بھی اس کی زبان سے کلمۂ کفر نہ نکل جائے اور دنیا سے کافر ہو کر جائے کیونکہ عموماً جو چیز آدمی کا مرتے وقت ایمان کھو دیتی ہے وہ صرف گناہوں کے سبب سے ہے جن کو زندگی میں کیا کرتا تھا پس ہمیشہ کو دوزخ میں پڑا رہے گا۔

دوزخ کا عذاب اور روایت ہے کہ دوزخی دوزخ کی طرف لیجائے جائیں گے پس جب وہ دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو فرشتے لوہے کے گرزلے کر اُن کے سامنے آئیں گے پس جب وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اُن کے بدن کا کوئی عضو باقی نہ رہے گا کہ اس کو عذاب نہ ہو یا تو اس کو سانپ ڈستا رہے گا یا بچھو ڈنک مارتا رہے گا یا آگ جلا کر کوئلا کرتی رہے گی یا فرشتہ گرز سے مارتا رہے گا پس جب فرشتہ اس کو ایسی چوٹ لگائے گا تو چالیس برس کے برابر آگ میں دھنستا جائے گا ابھی اس کی تہ کو نہیں پہنچنے پائے گا کہ آگ کی لپٹ پھر اس کو اُچھال دے گی پس جب اس کا سر نکلے گا پھر فرشتہ دوسری ایسی چوٹ لگائے گا کہ آگ میں اُتر جائے گا پس یہی عذاب جب تک مرضی الٰہی عذاب دینے کی ہو گی ہوتا رہے گا پھر دوزخ کے نگہبانوں کو وہ لوگ یہ کہہ کر پکاریں گے کہ دعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کر دے ہم پر ایک دن تھوڑا عذاب سو وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے کہ دعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کر دے ہم پر ایک دن تھوڑا عذاب سو وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے پھر وہ مالک کو پکاریں گے وہ بھی کچھ جواب نہ دے گا پس وہ کہیں گے ہم نگہبانوں کو پکار چکے اور نہ مالک کو پکار چکے اور کسی نے جواب نہیں دیا آؤ ہم ہی فریاد کریں پس انہیں اس سے کچھ فائدہ

نہ ہوگا پھر کہیں گے آؤ صبر کریں پھر صبر کریں گے اور کچھ فائدہ نہ ہوگا پھر کہیں گے برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں نہیں ہے ہم کو کچھ خلاصی پس یہ عذاب اگرچہ کفار کے لیے ہے لیکن مسلمان بھی جب شراب پیئے گا اور اُس کی زبان سے کلمۂ کفر نکلے گا اور اس کی زبان کو کلمۂ کفر بکنے کی عادت پڑ جائے گی تو اُس کا ایمان جاتا رہے گا اور کفار کی جماعت میں داخل ہو جائے گا اور ہمیشہ کو دوزخ میں پڑا رہے گا۔

شراب کے بارے میں مومن کا رویہ لہٰذا مومن کو چاہیے کہ اس کے پینے سے باز رہے اور شرابی کے پاس نہ بیٹھے اور قیامت کے ہول کا خیال رکھے کیونکہ جو شخص قیامت کے ہول کا خیال رکھیگا اُس کا دل اُس کے پینے اور شرابی کی صحبت کی طرف مائل نہ ہوگا۔

شراب کی حقیقت، اقسام اور ان کا حکم لیکن اس کی حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے شراب وہ ہے جو انگور کے کچے شیرہ کی ہو جب خوب جوش کھا کر کف گرانے لگے اور جب تک کف نہ گرائے تو امام ابو حنیفہ رہ کے نزدیک خمر نہیں ہوتی اور صاحبینؒ کے نزدیک جب خوب جوش کھا جائے خمر ہو جاتی ہے اگرچہ کف نہ گرائے اور مثلث وہ ہے کہ انگور کا شیرہ پکا ڈالا جائے یہاں تک کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی رہ جائے پھر وہ خوب جوش کھا کر نشہ دار ہو جائے۔

پس امام محمد رہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس میں سے تھوڑی اور بہت سب حرام ہے اور ایسے ہی ہر نشہ لانے والی اور قسم کی شراب حرام ہے خواہ غلوں سے بنتی ہو جیسے گیہوں اور جَو اور جوار یا دودھ اور شہد اور انجیر سے بنتی ہو۔

اور امام ابو حنیفہ رہ اور امام ابو یوسف رہ کے نزدیک جب تک نشہ نہ لائے مثلث کا پینا حلال ہے اور جب پینے والے کو مست کر دے تو پینا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ ابو اللیثؒ نے تنبیہ میں کہا ہے کہ مطبوخ کا پینے والا شراب پینے والے سے بھی زیادہ گنہگار ہے اس لیے کہ شراب پینے والا قائل تو ہے کہ میں نے حرام شراب پی پس وہ فاسق ہوگا اور مطبوخ پینے والا نشہ کی چیز پیتا ہے اور پھر اُس کو حلال جانتا ہے حالانکہ سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ نشہ کا پینا حرام ہے اور جب اُس چیز کو حلال سمجھا جو بالا جماع حرام ہے تو کافر ہو گیا۔

اور مطبوخ غیر مسکر کا پینا جب ہی تک حلال ہے کہ اُس سے لہو اور طرب مقصود نہ ہو اور جب اُس سے لہو اور طرب کا قصد ہو تو اُس کا پینا حلال نہیں یہاں تک کہ ابو حفص رہ کبیر سے پوچھا گیا تو کہا اُس کا پینا حلال نہیں ہے پس کسی نے کہا شیخین (یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) کے خلاف کہتے ہو انہوں نے جواب دیا نہیں اس لیے کہ وہ دونوں ہضم طعام کے لیے حلال کہتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ فجور اور لہو کے لیے پیتے ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف اس صورت

میں ہے کہ عبادت پر قوت حاصل کرنا مقصود ہو اور اگر لہو مقصود ہو بالاتفاق حلال نہیں ہے بلکہ اگر پانی وغیرہ مباح چیزیں بھی لہو اور طرب سے فاسقوں کی وضع پر پیے تو وہ بھی حرام ہو جائے گا۔

اُناسویں مجلس غنیمت میں خیانت اور غازیوں میں اس کی تقسیم واجب ہونے کے بیان میں

غنیمت میں خیانت کا انجام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ادا کرو سوئی اور تاگا اور بچو چوری سے کیونکہ وہ قیامت کے دن خیانت کرنے والے پر بڑی شرم ہوگی۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اس کو عبادہ بن صامت رضؓ نے روایت کیا ہے اور غلول سے مراد غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔

مال غنیمت اور اس کے جمع تقسیم کرنے کے احکام اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے بطور غلبہ چھینا جائے اور غنیمت اگلی امتوں کو حلال نہ تھی لیکن اللہ تعالےٰ نے اس امت پر اپنا فضل کیا پس اُن کے لیے اس کو حلال کر دیا چنانچہ فرماتا ہے فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔ ”پس کھاؤ جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا حلال اور طیب“ اور دارالاسلام میں لانے کے بعد اُس کا حکم یہ ہے کہ غازیوں کے پاس جو کچھ ہو سب جمع کیا جائے حتیٰ کہ عطیہ کے سوا جس کا ذکر آگے آئے گا دانے چارے سے جو کچھ بچا ہو وہ بھی جمع کیا جائے پھر اُس میں سے پانچواں حصہ یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے واسطے نکال لیا جائے پھر باقی اُن ہی غازیوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

پس امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک پیادے کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصے دئے جائیں اور اوروں کے نزدیک سوار کو تین حصے دئے جائیں اور جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے امام کو یہ اختیار نہیں ہے کہ غنیمت کو دارالحرب سے دارالاسلام میں لانے سے پہلے ہی تقسیم کر دے ہاں اگر کوئی شہر اہل حرب کا فتح کر لیا ہو اور اُس میں مال غنیمت بانٹ دے تو اب اُس کا تقسیم کرنا جائز ہے اس لیے کہ جب اُس کو فتح کر لیا تو وہ جگہ بھی دارالاسلام ہو گئی پس اُس میں مال غنیمت کی تقسیم کرنا جائز ہو گیا مال غنیمت میں یہ تو شرعی حکم ہے لیکن اس زمانہ میں یہ حکم چھوٹ گیا اور منسوخ شریعت کی طرح ہو گیا کیونکہ نہ تو مال غنیمت غازیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے نہ اس کا پانچواں حصہ نکالا جاتا ہے اس لیے کہ آجکل تو یہ عادت ہو گئی ہے کہ جب فوج دارالحرب میں داخل ہوتی ہے اور کافروں پر غالب آجاتی ہے تو اُن کا مال لوٹنے لگتے ہیں پس کوئی تو بہت مال لے لیتا ہے اور کوئی تھوڑا اور بعض کو کچھ بھی نہیں ملتا بلکہ محروم رہ جاتے ہیں پھر اسی حالت میں آپس میں بانٹنے

اور پانچواں حصہ نکالنے کے بغیر متفرق ہو جاتے ہیں۔

مال غنیمت میں خیانت پر وعیدیں اور یہ وہی خیانت ہے جس کی نسبت شارع کی طرف سے کئی حدیثوں میں سخت وعیدیں آئی ہیں جن میں سے

ایک یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک غلام تحفہ میں بھیجا جس کا نام مدعم تھا۔ پس ایک مرتبہ جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا یکایک کسی دشمن کا تیر اس کو آکر لگا اور اس کو ہلاک کر دیا پس لوگوں نے کہا کہ اس کو جنت مبارک ہو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ کملی جس کو خیبر کے دن تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے اس نے لے لی تھی آگ بن کر بھڑک رہی ہے لوگوں نے جب یہ سنا تو بھڑا اگئے پس ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمہ لایا اور کہا کہ یہ میں نے خیبر کے دن لیے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمہ ہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے جو زید بن خالد رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص نے خیبر کے روز وفات پائی پس اس واقعہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اپنے یار پر تم ہی نماز پڑھ دو اس پر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے تو فرمایا تمہارے یار نے غنیمت میں خیانت کی ہے پس ہم نے اس کے اسباب کی تلاشی لی تو یہود کے مہروں میں سے ایک مہرہ پایا جو دو درہم کے برابر بھی نہ تھا۔

اور ایک یہ ہے جو عبداللہ ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ جب غنیمت کا مال ملتا تو بلال رضؓ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں پکار دیتے اور لوگ اپنی اپنی غنیمت لاکر جمع کر دیتے پھر آپ خمس نکال کر تقسیم کر دیتے پس ایک شخص تقسیم کے بعد بالوں کی رسی لے کر آیا اور عرض کیا اس کو میں نے غنیمت میں سے لے لیا تھا پس نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے بلال رضؓ کو تین مرتبہ آواز دیتے سنا تھا اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا پھر لانے سے تجھے کون چیز مانع ہوئی اس نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا تو ہی قیامت کے روز لے کر آنا میں تجھ سے ہرگز نہ لوں گا اور نبی علیہ السلام نے وہ رسی اس واسطے نہ لی کہ اس میں تمام غازیوں کی شرکت تھی اور وہ سب ادھر ادھر ہو گئے تھے اور ہر ایک کا حصہ اس رسی میں سے حصہ دار کو پہنچانا ناممکن نہ تھا لہذا اسی کے پاس رہنے دی کہ اس کا گناہ اسی پر رہے کیونکہ وہ ہی غاصب تھا۔

شرعی طریقے کے سوا مال غنیمت میں سے کچھ لینا حلال نہیں پس اس بنا پر ہمارے زمانے کے غازی غنیمتوں میں سے جو کچھ بلا تقسیم کئے اور بغیر پانچواں حصہ نکالے لے لیتے ہیں اس میں سے کسی کو

کھانا حلال نہیں کیونکہ اُن کا قبضہ شرع کے موافق نہیں ہے اور اس پر بھی بہتوں سے تم سنتے ہو کہ کہتے ہیں کفار سے ہم کو ایسا مال ملا ہے کہ ہمارے لیے اُس مال سے بھی زیادہ حلال ہے جو ہمارے ماں باپ سے میراث میں ملا ہے حالانکہ ان مغرور لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ انہوں نے طریق شرع کے خلاف لیا ہے لہذا حلال نہیں ہے۔

غنیمت کے مستحق دو فریق کیونکہ اس میں مستحقوں کے دونوں فریق کا حق ہے ایک فریق تو یتیم اور مساکین اور مسافر ہیں اس لیے کہ پانچواں حصہ اُن کا حق ہے اور وہ اس میں باقی ہے اور دوسرا فریق غازی ہیں جو اُن کے ہمراہ تھے اس لیے کہ پانچویں حصہ کے بعد جو بچا اُس میں اُنکا بھی حق ہے اور وہ اس میں باقی ہے کہ بطور شرع اُن میں تقسیم نہیں ہوا ہے پھر حلال کیوں کر ہوگا۔

شرعی طریقے کے بغیر مال غنیمت میں تصرف کرنے والے کا حکم بلکہ اس طرح کی لی ہوئی چیز اگر لونڈی ہو تو اس طرح کے لینے والے کو اُس میں تصرف جائز نہیں اس لیے کہ وہ مشترک ہے اوروں کا بھی اُس میں حق ہے اگرچہ خمس نکل چکا ہو اس لیے کہ باقی لشکر کا حق اُس میں باقی ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مشترک لونڈی سے تمام شرکاء کو وطی حرام ہے اور حرمت میں کچھ اس سے فرق نہیں ہوتا کہ حصہ تھوڑا ہو یا بہت اور اس پر سب علماء متفق ہیں کہ لشکر میں سے کسی کو جائز نہیں ہے کہ قیدیوں میں سے کسی لونڈی سے تقسیم سے پہلے وطی کرے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر صحبت کر لی تو اس پر کیا واجب ہے پس امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اس کو حد لگائی جائے کیونکہ وہ زانی ہے اور امام ابو حنیفہ رحؒ کہتے ہیں کہ اُس کے لیے حد نہیں ہے بلکہ اُس کے لیے تنبیہ ہے اور اگر اس لونڈی سے بچہ پیدا ہو تو وہ غلام ہے غنیمت میں شامل کیا جائے۔

پس جب یہ بات ہے تو اُس شخص پر جو کافر کو کفر کے سبب سے قتل کرتا ہے یہ خوف ہے کہ وہ خود بے تقسیم کی ہوئی غنیمتوں اور مشترک شرمگاہوں کو حلال سمجھنے کی وجہ سے خود کافر ہو جائے۔

پھر یہ فساد ہر اُس شخص تک پہنچے گا جو کوئی لونڈیوں وغیرہ کو اُن سے لے گا اور یہ بڑا سخت دشواری سے جانے والا مرض ہے کیونکہ اُس زمانے کے اکثر لشکریوں نے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ اُن کو کچھ اس کا حکم ہی نہیں پس جو کرتے ہیں اُس کی کچھ پرواہ نہیں ہے پھر اُس کا علاج کیسے ہو سکتا ہے کہ جو غنائم اُن کے قبضہ میں ہیں جمع کریں اور اُن کے درمیان تقسیم کریں حالانکہ وہ شرع کے تابع نہیں ہیں۔

پھر جبکہ جمع کرنا اور اُن میں تقسیم کرنا دشوار ہوا تو جو چیز ہر ایک کے ہاتھ میں ہے وہ لقطہ[۵] کے حکم میں ہے پس جو شخص فقیر ہو تو امید ہے کہ اُس میں اس کو تصرف کرنا جائز ہو اور جو غنی ہے اُس کو

---

۵ لقطہ وہ پڑی گری چیز جس کو کوئی شخص پائے۔

جائز نہیں کہ اُس میں تصرف کرے بلکہ اُس کو لازم ہے کہ کسی فقیر پر خیرات کر دے پھر اگر چاہے تو اس فقیر سے لے کر مالک ہو جائے یا بطور ہبہ یا خرید کر یہ سب اُس وقت ہے کہ جو کچھ اُس کے قبضہ میں ہے بغیر تنفیل یعنی انعام کے ہو۔

تنفیل یعنی انعام میں ملنے والے مال غنیمت اور اس میں تصرف کا حکم شرعی

اور جس چیز کو بطور انعام لیا ہو تو وہ خاص اُسی کی ہے اُس میں کوئی اُس کا شریک نہیں لیکن دارالاسلام میں لائے بغیر اُس کا مالک نہیں لیکن دارالاسلام میں لائے بغیر اُس کا مالک نہیں یہاں تک کہ اگر امام نے یا سردار لشکر نے حکم دیا کہ جس کے ہاتھ لونڈی آئے وہ اُسی کی ہے پس کسی غازی کو لونڈی ملے اور حیض سے رحم پاک ہو تو بھی وطی حلال ہے اور نہ دارالاسلام میں لانے سے پہلے اس کی بیع حلال ہے۔

اور تنفیل سے مراد کچھ مال کا حصۂ غنیمت سے زائد وعدہ کر کے لڑائی کی رغبت دلانا ہے اور یہ مستحب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ "اے نبی مشوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا" لہٰذا امام یا سردار لشکر کو مناسب ہے کہ کچھ زائد حصے کا وعدہ کرے اور کہے جو کسی کو قتل کرے تو مقتول کا سامان اُسی کا ہے یا سریہ[۱] سے کہے جو کچھ لوٹ میں تم کو ملے سب تمہارا ہے یا اُس کا چوتھائی یا تہائی وغیرہ اور تمام لوٹ کا انعام مقرر نہ کر دے کیونکہ اس میں سب کا حق باطل کرنا ہے اور اگر سریہ کے ساتھ ایسا کرے تو جائز ہے اس لیے کہ بعضے وقت اسی میں مصلحت ہوتی ہے ہدایہ میں یہی مذکور ہے۔

اور شرح مجمع میں مذکور ہے کہ امام تمام لوٹ کو نفل کر دے کیونکہ اس میں وہ تقسیم باطل ہوئی جاتی ہے جو غنیمت میں مشروع ہے اور سیر الکبیر میں مذکور ہے کہ امام اگر تمام لشکر سے کہے کہ جو تم کو ملے خمس نکال کر وہ تمہارا ہی ہے تو جائز نہیں ہے اس لیے کہ تنفیل سے غرض لڑائی پر اُبھارنا ہے۔ اور یہ بات کسی کے لیے کچھ مقرر کر دینے سے حاصل ہوتی ہے اور تعمیم میں سوار کی فضیلت کو جو اُسے پیادے پر ہے باطل کرنا ہے اور ایسے ہی اگر یہ کہے کہ جو کچھ تم کو ملے سب تمہارا ہے اور بعد الخمس نہ کہے تو یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ اس میں خمس کا جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں واجب کیا ہے باطل کرنا ہے۔

پس اس بیان کے موافق فتاوےٰ قاضی خان میں جو یہ مذکور ہے کہ امام نے اگر کہہ دیا کہ جس کو جو شے ملے وہ اسی کی ہے پھر کسی کو کوئی چیز دارالحرب میں ملی تو وہ خاص اُسی کی ہوگی اس میں خمس واجب نہیں اور نہ کوئی اور اس میں شریک ہے اور اگر دارالحرب میں وہ مر جائے تو جو اُس کو ملا تھا اُس کی میراث ہوگی اور ایسے ہی وہ جو کہ منیۃ المفتی میں مذکور ہے کہ امام اگر کہہ دے کہ

---

[۱] سریہ پانچ آدمی سے تین سو یا چار سو تک کا ہوتا ہے یعنی چھوٹا سا لشکر ۱۲ منہ

جس کو جو کچھ ملے وہ اسی کا ہے تو اس صورت میں امام بھی تنفیل میں داخل ہوگا تو مناسب ہے کہ یہ سب باتیں اس بات پر محمول کی جائیں کہ امام کا یہ قول سریہ کے لیے ہو پورے لشکر کے لیے نہیں تاکہ اس سے اور کتابوں کے خلاف نہ سمجھا جائے اور تنفیل کے عموماً جائز ہونے کا گمان نہ ہو اور امام کا تنفیل میں داخل ہونا اس لیے ہے کہ وہ اُن کے ساتھ جاتا ہے تنفیل عام ہونے کی وجہ سے نہیں اور ان دونوں نے اس لیے اس کی تصریح نہیں کی اور اس لیے مطلق پر اکتفا کیا کہ یہ بات قانون فقہ اور اصول فقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ظاہر ہے اور مشہور ہے کہ محتمل محکم پر محمول ہوتا ہے۔

تنفیل کے سوا دارالحرب سے ملنے والی اشیاء کا حکم اور حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی چیز دارالحرب میں بلا تنفیل کے لی تو وہ اُس کے لیے نہ ہوگی بلکہ مال غنیمت ہے اور اس میں سے خمس نکالنا واجب ہے جیسا کہ فتاوے قاضی خان میں مذکور ہے کہ سریہ اگر تنفیل امام کے بغیر لڑائی کو نکلے یا چارہ کی تلاش کو نکلے تو جو اُن کو ملا ہے وہ سب مال غنیمت ہے اس میں خمس واجب ہے اور سریہ اُس کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح اگر کسی کافر کو قتل کریں تو اُس کا مال اسباب مال غنیمت ہے اور خاص قاتل کا نہیں اور اُسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ غازی اگر دارالحرب میں کوئی ایسی مباح چیز لے جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو تو اگر اُس کی کچھ قیمت ہو جیسے پرندہ اور مچھلی اور لکڑی اور خزانہ تو یہ چیز بھی غنیمت ہے اُس میں بھی خمس واجب ہے اور اگر اُس کی کچھ قیمت نہیں ہے تو وہ اُسی کی ہے جس نے اُسے پایا ہے اور اُس میں خمس نہیں ہے کیونکہ وہ پانی اور گھاس کے حکم میں ہے پھر اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر غازی غنیمت کی گائے یا بکری کھانے کے لیے ضرورت کے وقت ذبح کر ڈالے تو اُس کا چمڑا مال غنیمت میں شامل کر دے اس لیے کہ چمڑا نہ کھانے کی چیز ہے اور نہ چارہ ہے۔

اور ہدایہ میں مذکور ہے کہ مسلمان جب دارالحرب سے نکل آئیں تو اُن کو جائز نہیں ہے کہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے چارہ کھلائیں اور نہ یہ کہ خود اُس میں سے کھائیں اس لیے کہ اب ضرورت جاتی رہی اور اجازت اسی کی وجہ سے تھی اور جس کے پاس کھانا یا چارہ بچ گیا ہو تو مال غنیمت میں تقسیم ہونے سے پہلے شامل کر دے اور اگر اس کو کام میں لے آیا ہے تو اُس کی قیمت غنیمت میں شامل کر دے اور تقسیم کے بعد اگر غنی ہے تو صدقہ کر دے اور اگر کام میں لا چکا ہے تو اُس کی قیمت خیرات کر دے اور اگر محتاج ہے تو کام میں لے آئے اس لیے کہ اب وہ لقطہ کے حکم میں ہے کیونکہ اب غازیوں پر تقسیم کرنا دشوار ہے۔

تجارت اور بندرگاہوں وغیرہ پر ٹیکس لینے کی شرعی حیثیت پس جبکہ غنیمت کا یہ حکم ہے باوجودیکہ اس میں بھی غانمین کا حق ہے کیونکہ وہ سب اس میں شریک ہیں تو بھلا غصب اور لوٹ ظلم کی

کمائی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو آجکل اسلامی شہروں میں پھیلی ہوئی ہے خصوصًا بیت المال کی تحصیل کے وقت کیونکہ جو لوگ اُس کی تحصیل کے لیے مقرر کیے گئے ہیں وہ ظلمًا بندرگاہوں اور بازاروں وغیرہ میں عشر اور زکوٰۃ کے نام سے لوگوں کا مال لے لیتے ہیں اور مالکوں پر نہایت سختی کرتے ہیں حالانکہ نبی علیہ السلام جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو کسی کام کے لیے بھیجتے تو فرما دیتے خوش کیجیو نفرت نہ دلائیو آسانی کیجیو اور دق نہ کیجیو یعنی لوگوں کو عبادتوں اور طرح طرح نیکیوں کے اجر سُنا کر جن میں سے اُن حقوق کا ادا کرنا بھی ہے جو اُن پر عشر و زکوٰۃ واجب ہے بشارت و خوشخبری دینا اور اُن کو بُری باتوں کے کرنے اور حرام کام ہو جانے کے وقت رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ کرنا بلکہ اُن کو توبہ اور عبادت کی ترغیب دیجیو اور قبولیتِ توبہ سے اُن کا دل خوش کر دینا اور اُن پر سب کاموں کو سہولت اور نرمی سے اُن چیزوں کو وصول کر کے جو اُن پر عشر و خراج اور چوپایوں اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ واجب ہے سہل کر دینا اور جو حق اُن پر واجب نہیں اُس کو لے کر یا اگر واجب ہے تو اُس سے زیادہ لے کر سختی نہ کرنا۔

اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صاحب مکس جنت میں نہ جائے گا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا صاحب مکس دوزخی ہے بغوی رح نے کہا ہے کہ صاحب مکس سے مراد وہ شخص ہے جو تاجروں سے عشر کے نام سے محصول لے لیتا ہے جبکہ وہ اُس کے پاس سے گذرتے ہیں۔

اور حافظ رح کہتے ہیں کہ آجکل لوگ کچھ تو عشر کے نام سے لیتے ہیں اور بہت کچھ اور بھی لے لیتے ہیں جس کا کچھ نام نہیں ہے بلکہ جو کچھ وہ لیتے ہیں سب حرام ناجائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خرابی ہے کم تولنے والوں کی پس جب کم تولنے والے کا یہ حال ہے باوجودیکہ وہ تول یا ناپ میں سے بہت کم رکھ لیتا ہے تو اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو خواہ مخواہ بے ناپے تولے لوگوں کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سلطان کا حق ہے یہ فلاں کا حق ہے اور ایمان سے نکلجاتے ہیں اس لیے کہ اکثر فتاوے کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص بیت المال میں بھی خیانت کرتے ہیں۔

سرکاری بیت المال میں ناجائز تصرف کی اخروی سزا اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہتیرے لوگ اللہ کے مال میں بلا کسی حق کے گھس پڑتے ہیں پس قیامت کے دن اُن کے لیے دوزخ ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان کر دیا کہ جو لوگ بیت المال میں ہاتھ ڈالتے ہیں اور بدون حکم خدا اور رسول ؐ اس میں تصرف کرتے ہیں تو قیامت کے دن اُن کے لیے دوزخ ہے۔

اسلامی بیت المال کی قسمیں کیونکہ بیت المال کی جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم صدقات وزکوٰۃ اور اس کے مصارف | اول صدقات اور آمدنیاں جو اُسی کے حکم میں ہیں جیسے عشر پس یہ اُن موقعوں پر صرف کیا جائے گا جن کا اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ذکر ہے کہ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ " صدقے فقرا اور محتاجوں کے لیے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے جو اُس پر کام کرتے ہیں اور جن کی تالیف قلب کرنا ہے اور گردن چھڑانے میں اور جو لوگ قرضدار ہیں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے۔"

پس یہ سب آٹھ طرح کے لوگ ہیں لیکن ان میں سے مؤلفۃ القلوب نکل گئے اور سات قسمیں باقی رہیں اول وہ فقرا اور مساکین اور صدقہ کے وصولی وغیرہ کا کام کرنے والے اور مکاتب اور قرضدار اور مفلس غازی اور مسافر ہیں۔

دوسری قسم غنائم وغیرہ کا خمس اور اس کے مصارف | دوسری قسم غنیمتوں اور کانوں اور دفینوں کا خمس ہے یہ اُن جگہوں پر صرف ہوگا جو اس قول الٰہی میں مذکور ہیں وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ "اور جان لو کہ جو کچھ لوٹا ہے تم نے اُس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور رسول ﷺ کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔

اور یہ چھ قسمیں ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کا ذکر برکت کے لیے ہے اور رسول ﷺ اور قرابت والوں کا حصہ ساقط ہوگیا لہٰذا تین قسمیں باقی رہیں اور وہ یتیم اور مسکین اور مسافر ہیں لیکن محتاج قرابت والے ان میں داخل ہیں اور فقراء پر مقدم ہیں غنی اس میں شامل نہیں۔

تیسری قسم خراج وجزیہ اور اس کے مصارف | اور تیسری قسم زمینوں کا خراج ہے اور جو آدمیوں سے جزیہ لیا جاتا ہے اور وہ چیزیں جو اہلِ حرب کی طرف سے امام کو نذرانہ آئی ہیں اور جو کچھ عاشر ذمی اور مستامن تاجروں سے لیتا ہے یہ سب مسلمانوں کی بہبودی کے کاموں میں صرف ہوگا جیسے سرحدوں پر چھاؤنی ڈالنا اور سرائے اور پُل بنوانا اور عام نہریں کھدوانا اور نفع پہنچانے والے علماء اور عدل کرنے والے قاضیوں اور غازیوں اور محتسبوں کو دینا۔

چوتھی قسم لقطہ اور بے وارث مردہ کے ترکہ کا مال اور اس کے مصارف | اور چوتھی قسم پڑا پایا مال ہے یا اُس مردہ کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں ہے یہ مال بیماروں کے علاج اور اُن کی دوا اور غذا اور مُردوں کے کفن اور لاوارث بچوں اور ان لوگوں پر جو کمائی سے عاجز ہیں صرف کیا جائے گا۔

ع۔ مؤلفۃ القلوب وہ جماعت ہے جو کافر تھے لیکن ابتدائے اسلام ہی ان کو غنیمت میں سے کچھ حصہ اس خیال سے دیا جاتا تھا کہ کفار کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے نہ لڑیں جب اسلام قوی ہوگیا تو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ان کا حق ساقط ہوگیا۔

بیت المال کے چاروں قسم کے اموال کو انکے مصارف پر خرچ کرنیکا حکم اور کوتاہی کا وبال

پس امام پر واجب ہے کہ ان مالوں کا خیال رکھے اور اپنے اپنے موقع پر صرف کرے کیونکہ شارع علیہ السلام نے ہر ایک کے صرف کا موقع مقرر کر دیا ہے اور ہر ایک مال کے لیے حقدار مقرر کر دئیے ہیں پس اگر اس میں زیادتی کرے گا اور اپنی لذتوں اور شہوتوں میں اُس کو صرف کر دے گا تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں پر اس لیے حاکم نہیں کیا ہے کہ کھانے اور پینے اور مزے اُڑانے میں سب سے بڑھ کر ہو بلکہ اس لیے حاکم بنایا ہے کہ دین کی مدد کرے اور مفسدین کے فساد کو دفع کرے اور علماء اور فقراء اور دیگر مستحقین کو نظر میں رکھے اور ان کو ان کے مرتبہ پر رکھے اور اُن کی ضرورت کے موافق بیت المال سے دیتا رہے جو اُس کے پاس امانت ہے اور اُس کا بھی اُس میں اسی قدر حق ہے جتنا کسی اور ایک شخص کا۔

اس لیے کہ تجنیس میں لکھا ہے کہ اماموں اور سلطانوں اور والیوں پر واجب ہے کہ اُن حقوق کو اُن کے حقداروں پر صرف کریں اور اُن سے روک نہ رکھیں اگر اس میں کچھ کوتاہی کریں گے تو اُس کا وبال اُن پر ہوگا اور قیامت کے دن اُن سے سوال ہوگا۔

اور شرح مجمع میں لکھا ہے کہ امیروں پر واجب ہے کہ ہر قسم کے مال کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر کریں اور اُن میں سے ہر ایک کو اُس کے موقع پر صرف کریں اور اگر اس میں سے اپنے لیے اُس سے زائد لیا ہے جو اُن کے واسطے کافی تھا یا اُس سب کو ملا جلا دیا اور بے محل خرچ کر دیا اور اُس کے موقع کا خیال نہ رکھا تو وہ ظالم ہوں گے۔

بیت المال کے ایک قسم کے مال کو دوسری قسم کے مصارف میں خرچ کرنے کے بارے میں حکم شرعی

اور زیلعی رح نے کہا ہے کہ امام پر واجب ہے کہ ہر قسم کے مال کے واسطے خاص حجرے مقرر کرے اور ایک کو دوسرے میں نہ ملائے اس لیے کہ ہر قسم کے لیے ایک خاص حکم ہے اور اگر کسی قسم میں کچھ نہ رہے تو امام کو جائز ہے کہ اُس خزانے کے لیے دوسرے خزانے میں سے قرض لے لے اور اس کے اہل پر صرف کرے پھر جب اُس قسم میں کچھ آجائے تو اُس خزانہ میں جس سے قرض لیا تھا واپس کر دے سوا اُس صورت کے کہ صدقات یا مالِ غنیمت کے خمس میں سے غریب اہلِ خراج پر صرف کیا گیا ہو تو وہ اُس میں واپس نہ کیا جائے گا اس لیے کہ حاجتمندی کی وجہ سے وہ بھی حقدار تھے اسی طرح اور خزانوں کا بھی اگر مستحق پر خرچ ہوا ہو واپس نہ کیا جائے گا۔

اور امام پر واجب ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہے اور ہر حقدار کو اُس کی ضرورت کے مطابق دیا کرے زیادہ نہیں اور اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالےٰ اُس سے حساب لے گا۔

اور محیط میں لکھا ہے کہ امام اگر بیت الصدقات کے مال کے لیے بیت الخراج کے مال سے قرض لے

اور اس کو فقیروں پر صرف کر دے تو یہ قرض نہ ہوگا اس لیے کہ خراج فے اور غنیمت کے حکم میں ہے اور فقیروں کا بھی اُس میں حصہ ہے اور خراج میں اُن کو صرف اس لیے نہیں دیا جاتا ہے کہ وہ صدقات کی وجہ سے خراج میں سے دئے جانے کے حاجتمند نہیں رہتے پس اگر اُن کو ضرورت ہو تو اُس میں سے دے دے۔

پس امام پر واجب ہے کہ ان مالوں کو اپنے اپنے موقع پر صرف کرنے اور ان حقوق کو حقداروں تک اس طرح پہنچانے میں کہ جس کو جس قدر زیادہ یا کم یا برابر دینا مناسب ہو اللہ سے ڈرتا رہے بلا اس کے کہ اس میں اپنے خواہش نفس کی طرف مائل ہو اور حقداروں سے اُس کو روک نہ رکھے اور اُن کو اتنا ہی دے جتنا اُن کو اور اُن کے متعلقوں کو دستور کے موافق کافی ہو اگر اس میں کوتاہی کی اور بیٹھ رہا تو اللہ اُس سے حساب لے گا۔

بیت المال حکمران کی ملکیت نہیں ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کے ہاتھ میں جو بیت المال ہوتا ہے وہ اُس کی ملک نہیں ہے بلکہ اُس کے پاس امانت ہے اُس پر واجب ہے کہ اُس کو اُس کے محل پر صرف کرے لیکن چونکہ وہ خود بھی اُس کا محل ہے اس لیے اُس کو جائز ہے کہ خراج کے مال میں سے صرف بقدر حاجت لے لے زیادہ نہ لے اور اگر اپنی حاجت سے زیادہ لے لیا اور اپنے غلاموں پر صرف کیا جن کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے اور اُن کو طرح طرح کے حرام لباسوں سے آراستہ کیا اور اپنے سامنے اُن کے کھڑے رہنے سے فخر کیا تو وہ خائن ہے۔

روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کو یہ بات پسند آئے کہ اُس کے سامنے لوگ تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو اُس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لینا چاہیے۔

بیت المال سے تنخواہ اور وظائف لینے کا مسئلہ پھر جاننا چاہیے کہ جس شخص کو بیت المال سے کچھ وظیفہ ملتا ہو تو اگر وہ مصارف میں سے ہے تو اُس کو جائز ہے کہ اپنی ضرورتوں پر صرف کرے اور اگر مصارف میں سے نہیں ہے تو اُس کو جائز نہیں کہ اپنی ضرورتوں میں صرف کرے بلکہ اُس کو لازم ہے کہ فقیروں پر خیرات کر دے اور جب وہ مرے گا تو وہ مال اس کی میراث نہ ہوگا بلکہ اب وہ اوروں کے لیے ہوگا پس سلطان یا نائب سلطان کو چاہیئے کہ اُس وظیفہ پر ایسے شخص کو مقرر کر دے جو مصارف میں سے ہو اور اگر کسی شخص کو مقرر کیا جو مصارف میں سے نہیں ہے تو بادشاہ پر واجب ہے کہ اُس کو الگ کر دے اور اس کی جگہ ایسے شخص کو مقرر کر دے جو مصارف میں سے ہو اور اگر ایسا نہ کرے گا تو دو وجہوں سے گنہگار ہوگا جیسا کہ بزازیہ میں لکھا ہے کہ جس کا دفتر میں وظیفہ تھا اگر دو بیٹے چھوڑ کر مر جائے پس ان دونوں نے اس طرح صلح کر لی کہ دفتر میں اُن میں سے ایک کا نام لکھا جائے اور وہ ہی وظیفہ لیا کرے

اور دوسرے کو اُس وظیفہ میں سے کچھ نہ ملا کرے اور وہ وظیفہ لینے والا اس کو ایک معین رقم دیدیا کرے تو یہ صلح باطل ہے اور بدلِ صلح واپس کیا جائے اور وظیفہ اسی کا ہے جس کے لیے امام وظیفہ مقرر کرے اس لیے کہ وظیفہ کا استحقاق امام کی تجویز پر ہے دوسرے کی رضامندی اور تجویز کو اس میں کچھ دخل نہیں ہاں اگر سلطان حقدار کو نہ دے تو ایک مقدمہ میں دو گناہ ہوں گے حقدار کو محروم کرنا اور غیر مستحق کو مقرر کرنا۔

اللہ ہم پر اپنی رضامندی کے موافق عمل کرنا آسان فرمائے۔

اسیؔ مجلس فتنے اور خلاف شرع باتیں ظاہر ہونے کے بیان میں اور یہ کہ اُس وقت کیا کرنا چاہیے

مسلسل فتنوں کے ظہور سے پہلے عمل کی تلقین رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نیک عملوں میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ ایسے فتنے پیدا ہوں جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو آدمی مسلمان ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا یا شام کو مسلمان ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا اپنا دین متاعِ دنیا کے عوض بیچ ڈالے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بکثرت اور آگے پیچھے فتنوں کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اندھیری رات کی تاریکی کی طرح تہ بتہ ہوں گے کسی کو اس سے نجات کا راستہ معلوم نہ ہوگا اور ان کے آنے سے پہلے نیک عملوں میں جلدی کرنے کا حکم فرمایا اس لیے کہ اُن کے آجانے کے وقت معاملہ سخت ہوگا اور کوئی شخص نیک عمل میں مشغول ہونے پر قادر نہ ہوگا بلکہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر۔

فتنوں کے سبب مسلمان کے کافر ہو جانے کی وجوہ اور فتنوں کے ظاہر ہونے کے وقت مسلمان کے کفر میں پڑ جانے کی وجہ ممکن ہے کہ آپس میں لڑائی واقع ہو جانا ہو کہ ایک شخص دوسرے کا خون اور مال حلال سمجھے پس ہر شخص دوسرے کا خون اور مال حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو جائے اور ممکن ہے کہ آپس کی نااتفاقی اس کا سبب ہو کہ کفار ان پر غالب آ جائیں اور اپنے دین کی طرف کھینچیں پس بعضے مال وجاہ کی خواہش میں مُرتد ہو جائیں جیسا کہ آخر حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ اپنا دین عرض یعنی متاعِ دنیا کے عوض میں بیچ ڈالے گا۔

کیونکہ عرض بفتح وا متاعِ دنیا اور اس کے مال کو کہتے ہیں اور ممکن ہے کہ ان پر ظلم وفساد کا

غالب آجانا اُس کا سبب ہو کہ وہ فیصلوں میں شریعت کی رعایت نہ کریں بلکہ شریعت سے نکل کر طرح طرح کے ظلم اور سختیاں کرنے لگیں اور خونریزی کریں اور ناحق لوگوں کا مال چھینیں اور یہ سمجھیں کہ ہم اِن گناہوں کے کرنے میں حق پر ہیں اور یہ نہ سمجھیں کہ وہ لوگ اس خیال سے اسلام سے نکل گئے۔

اور بعض اوقات چور کو یہ خیال کر کے سولی دے دیں اور قتل کر ڈالیں کہ اس کا قتل کر دینا جائز ہے پس اس اعتقاد سے وہ کافر ہو جائیں اس لیے کہ چور کی حد سولی اور قتل نہیں ہے بلکہ اُس کی حد ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا "چور مرد اور چور عورت پس دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو"

اور بعض وقت بادشاہ کسی پر غصہ ہو اور اس کے قتل کا حکم دیدے بغیر کسی ایسے سبب کے جو قتل واجب کرتا ہو پس لوگ اُس کو یہ خیال کر کے قتل کر ڈالیں کہ اُس کا حکم ہم پر واجب اور ضروری ہے پس اس اعتقاد سے وہ کافر ہو جائیں اس لیے کہ خدا کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے پس اگر یہ کہا جائے کہ بادشاہ کا صرف حکم ہی بلا دھمکی اور وعید کے جبر ہے پس جب جبر ہوا تو جواب یہ ہے کہ مسلمان کا ناحق قتل کرنا کسی ضرورت سے جائز نہیں جیسا کہ شرح ہدایہ کے باب اکراہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی کو قتل کی دھمکی دے کر دوسرے کے ناحق قتل کرنے پر مجبور کیا تو اُس کو جائز نہیں کہ اس پر پیش قدمی کرے بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ جان دیدے اور اگر اُس کو قتل کر ڈالے گا تو گنہگار ہو گا کیونکہ کسی مسلمان کا ناحق قتل کرنا کسی ضرورت سے جائز نہیں پس ایسے ہی جبر کی حالت میں اور اصول میں مذکور ہے کہ اجازت کی دلیل ہلاکت کا خوف ہے اور قاتل اور مقتول دونوں اس میں برابر ہیں پس جب برابر ہوئے تو فاعل کو غیر کا قتل اپنی جان چھڑانے کے لیے جائز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے قتل کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا "اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اُس میں"

عرف کی بنیاد پر شریعت کے خلاف فیصلہ شریعت کے احکام منسوخ کرنے کے مترادف ہے

پس جب یہ بات ہے تو جاننا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر حاکموں اور قاضیوں نے شرع محمدیؐ کو چھوڑ دیا ہے اور ناپسندیدہ طریقہ نکالا ہے اور اُس کا نام عرف رکھا ہے اور اسی پر عمل کرنا سب میں پھیل گیا ہے یہاں تک کہ اب قریب قریب یہ حالت ہو گئی ہے کہ شریعت اُس کی وجہ سے ترک ہو جائے کیونکہ اب کوئی مقدمہ بلا عرف کے ملائے صرف شریعت سے فیصل نہیں ہوتا البتہ بہت سے مقدمے بلا شریعت کے ملائے صرف عرف سے فیصل کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ محض شریعت سے نہ انتظام پورا ہوتا ہے

اور نہ خلقت کی حالت ٹھیک ہوتی ہے اور اس کو کھلم کھلا کہتے ہیں اور کچھ برا نہیں جانتے۔

پس اے منصف مزاج سوچ آیا ایسی باتوں اور ایسی سمجھ کا کچھ اور مطلب ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ شریعت محمدیہ اُن احکام کی وجہ سے جو انہوں نے اپنی ناقص عقلوں سے بُری سیاستوں اور سخت سزاؤں کے متعلق ایجاد کئے ہیں منسوخ ہو گئی ہے۔

جرم کی تفتیش میں سختی کا نتیجہ ظلم ہے | اور اُن کا یہ اعتقاد اور اس فساد پر عملدر آمد صرف اس لیے ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ان کی زیادہ سختی اور بہت دھمکی سے چور اور قاتل کا پتہ لگ جاتا ہے بے شک اُن کی اس دھمکی اور سختی سے کبھی کبھی چور اور قاتل تو مل جاتا ہے لیکن ایک ظالم کے پتہ لگنے تک بہتیری خلق کی جان اور آبرو پر ظلم ہو چکتا ہے بلکہ بعض آدمی طرح طرح کے عذاب اور قسم قسم کی سختیوں سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے اعضا بیکار ہو جاتے ہیں رہا مال لے لینا اور اُس کو تلف کر دینا اس کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں بلکہ اس کو مباح اور حلال جانتے ہیں۔

پس جب ایک ظالم کا ظلم دفع کرنا بہت سے بے شمار ظلموں کو شامل ہو تو اے عاقل اب غور کر کیا ایماندار کو ایسا کرنا زیبا ہے اور کیا دارالایمان میں ایسا کام جائز ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ شارع نے اس قاعدہ کو نہیں چھوڑا مگر اس کے بعد کہ اس کو حکمت کی ترازو میں خوب تول لیا اور اُس کا نقصان بہ نسبت فائدہ کے زیادہ معلوم ہو چکا کیونکہ حکیم حکم نہیں دیتا ہے مگر اسی کا جس میں عام نفع ہو جو سب کو شامل ہو یا جس میں فائدہ نقصان سے زیادہ ہو نہ اُس چیز کا جس کا ضرر فائدہ سے زیادہ ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب اور جوے کو اللہ نے قرآن میں اس کے بعد کہ اُن دونوں کے فائدے کی قرآن میں تصریح کر دی کیونکہ حرام کر دیا چنانچہ فرمایا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ”تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور اُن کا گناہ بڑا ہے اُن کے فائدے سے“ کیونکہ نفع کے پہلو پر جب ضرر کا پہلو غالب ہو تو ضرر کے پہلو کا لحاظ ہوتا ہے۔

عرف کی بنا پر ظلم کی انتہا | پس بے شک اس زمانے کے اہل عرف ایک ظالم کی وجہ سے شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں والوں پر قسم قسم کے اکثر ظلم کر ڈالتے ہیں اور باوجود اس کے اُس ظالم پر کامیاب نہیں ہوتے تو اُن کا ظلم اُس ظالم کے ظلم سے ہزار درجہ زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ ظلم بھی اسی طرح باقی رہا۔

عرف کی بنیاد پر ظلم و سختی کرنے والوں کی مثال | پس ان کی مثال ایسی ہے جیسی کوئی کھیت کے اندر کی گھانس جلانے کا قصد کرے پس اُس کھیت کے عین وسط میں آگ جلائے کہ تمام کھیت پھنک جائے اور وہ گھانس جس کا جلانا مقصود تھا ممکن ہے جلے اور ممکن ہے نہ جلے۔

قابل غور سوال | پس خدا کی قسم یہ اصلاح نہیں ہے بلکہ بگاڑنا ہے کیونکہ اگر عرف میں خوبی ہوتی تو یہ زمانہ جس میں یہ عرف خوب استعمال کیا جاتا ہے اس زمانہ سے بہتر ہوتا جس میں یہ عرف استعمال نہیں کیا گیا جیسے نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین رح اور تابعین رح کا زمانہ اور اس میں شک نہیں کہ سب زمانوں سے بہتر نبی علیہ السلام کا زمانہ ہے پھر اُن کے بعد والوں کا پھر اُن کے بعد والوں کا پھر ہمارے زمانے تک جو سب سے بُرا زمانہ ہے برابر جھوٹ اور فساد پھیلتا رہا مشہور حدیثیں اسکی گواہ ہیں بلکہ متواتر حدیثیں اگرچہ تواتر مقدار مشترک میں ہو۔

عرف کی بنیاد پر ظلم وستم کے جواز پر استدلال اور اس کی حقیقت | پھر اگر کوئی یہ کہے کہ وہ زمانے چونکہ رشد اور صلاح اور صدق اور فلاح کے تھے اس لیے شرعی سہولت سے کام بن جاتا تھا اور عرف کی اس سختی کی حاجت نہ تھی رہا یہ زمانہ سو چونکہ اس میں فسق اور فساد اور جھوٹ اور عناد بہت زیادہ ہے اس لیے عقلاً اس سخت عرف کی طرف مجبور ہوئے جبکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ اس زمانے کے لوگ صرف شرع حکم سے باز نہیں آتے۔

سو جواب یہ ہے کہ اس سوال کا اب کوئی محل نہیں جب عرف کے جاری کرنے میں خرابیاں گنا دی گئیں اور شریعت کا تمام زمانوں میں تمام مطالب کے لیے کافی ہونا بتلا دیا گیا تو پھر وہ جو مذکور ہوا کہ وہ زمانے رشد اور صلاح کے تھے اور یہ زمانہ فسق اور فساد کا ہے تو یہ بات نہیں ہے مگر اس وجہ سے کہ اُس زمانہ میں شریعت کے احکام جاری کرنے کی برکت تھی اور اس زمانے میں اس نکمے عرف کے ایجاد کی نحوست ہے کیونکہ اس زمانے میں حرام کی اولاد اس وجہ سے بہت ہو گئی کہ اہل عرف ہر ایک شہر اور ہر ایک گاؤں والوں کو ہر سال بلکہ ہر ماہ کئی کئی بار طرح طرح کے مقدموں میں طلاق کی قسمیں دلاتے ہیں پھر قسم کا ٹوٹنا بالضرور لازم آجاتا ہے اور اس سبب سے اس زمانہ میں حرام کی اولاد بہت ہو گئی ہے اور مکر اور فریب اور طرح طرح کے فساد کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں کیونکہ بدذات آدمی سے نہیں ہوتے مگر بدذاتی کے کام۔

مشتبہ افراد کو سیاست کے طور پر سخت سزا کا شرعی حکم | پھر اگر کوئی یہ کہے کہ ایسی عقوبت جو شرع کی حد معین سے بڑھ جائے سلف سے بھی صادر ہوئی ہے اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ سیاست پر محمول ہے پس یہ کیوں نہیں جائز ہے کہ یہ عرف مذکور بھی سیاست پر محمول ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ سیاست جیسا کہ معین الاحکام میں مذکور ہے دو قسم کی ہے ایک ظالمہ ہے اور دوسری عادلہ ظالمہ کو تو شرع نے حرام کیا ہے اور اُس کے ناجائز ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ عرف مذکور بعینہ وہی ہے اور اس کے سبب سے بڑے بڑے ظلموں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور مال چھین لیے جاتے ہیں اور خلاف شرع خونریزی ہوتی ہے۔

اور رہی عادلہ سو شرع اُس کی طرف توجہ کرنا اور اُس پر اعتماد کرنا واجب کرتی ہے اور یہ وہ ہے جو عنایہ میں مذکور ہے کہ کسی خطا پر حکم شرعی سے زیادہ فساد کے دور کرنے کی غرض سے زیادہ سزا دینا۔
اور کوئی کہتا ہے کہ وہ بھی شریعت کا سخت حکم ہے اور اُس کے سبب سے حق ظالم کے قبضہ سے نکل آتا ہے اور بہت سے اور ظلم بند ہو جاتے ہیں اور مفسد لوگ فساد سے باز آجاتے ہیں اور اُس کو چھوڑ دینے سے حقوق تلف ہو جاتے ہیں اور شرعی سزائیں بے کار ہو جاتی ہیں پس اُس کا اعتبار ضروری ہے لیکن اُس کے جاری کرنے کا طریقہ سمجھ لینے کے بعد تاکہ اُس سے بڑھ کر اور کچھ نہ کر بیٹھے۔ اس لیے کہ روئے زمین سے فساد کا دور کرنا مشتبہ اور جرائم پیشہ مشہور لوگوں کو تہمت و شہرت کے برابر عقوبت شرعی دئے بغیر ممکن نہیں یا تو قید کر کے جیسا کہ فتاوے قاضی خان کی کتاب الحدود میں مذکور ہے کہ جس پر خون اور چوری اور لوگوں کو مارنے کی تہمت ہو اُس کو قید کریں اور قید خانہ میں ایک مدت تک پڑا رکھیں یہاں تک کہ توبہ کرے۔
اور خلاصہ کی بحث قضا کے باب الحبس میں اور بزازیہ میں مذکور ہے کہ مفسد یعنی وہ لوگ جو لوگوں کا مال اور جان تلف کرنے کا قصد رکھتے ہیں قید کئے جائیں جب تک کہ اُن کی پیشانی میں نیکوں کے آثار نمایاں ہو کر اُن کی توبہ معلوم ہو جائے یا مار کر چنانچہ بزازیہ کے باب اکراہ میں مذکور ہے کہ حسن بن زیاد سے کسی نے ایسے شخص کا حکم پوچھا جس پر چوری کا شبہ ہو کہ آیا اس کو اس لیے مارنا جائز ہے کہ وہ اقرار کرے اُنہوں نے کہا جب تک کہ مار گوشت نہ پھاڑ دے اور ہڈی نہ نکل آئے یعنی ایسی مار چاہیے کہ شرعی سزا کی حد سے نہ نکل جائے اور کوئی اور سزا سوائے شرعی سزا کے نہ دیں بلکہ تعزیر کی نیت سے اُسے ماریں حد کی نیت سے نہ ماریں۔

باغیوں کو قتل کرنے کا حکم | یا قتل کر کے چنانچہ بزازیہ کے باب السیر میں مذکور ہے کہ عطاء بن حمزہؒ سے ایام فتنہ میں باغیوں اور ظالموں کے حامیوں کو قتل کرنے کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا اُن کا قتل مباح ہے کیونکہ وہ ملک میں فساد کرنے کی کوشش کرتے ہیں کسی نے اُن سے کہا ان دنوں تو وہ اس کوشش سے باز آتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں تو انہوں نے کہا یہ باز آنا مجبوری سے ہے اور اگر پھر وہی حالت ہو جائے تو پھر وہی کرنے لگیں گے جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا۔
اور ایسے ہی امام سید ابو شجاع نے کہا ہے اور اتنا زیادہ کہا کہ اُن کا قاتل ثواب پائے گا کسی نے کہا کہ قاتل کو ثواب کیسے ہو گا تو اُنہوں نے کہا اس لیے کہ اسلام کے لیے مخلوق پر شفقت کرنا اور اُن کی خوشی سے خوش ہونا اور اُن کے غم سے غمگین ہونا شرط ہے اور یہ لوگ اس کے برخلاف ہیں اور بزازیہ کے باب کراہیۃ میں مذکور ہے کہ وہ اُن کے کفر پر فتوے دیتے تھے لیکن عام مشائخ کا مختار مذہب یہ ہے کہ ان کے کفر پر فتویٰ نہ دیا جائے اور قتل جائز ہونا کفر پر دلالت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا " یہی سزا ہے اُن کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں اور اُن کے مددگار بھی اللہ اور رسول سے لڑنے والے ہیں۔"

فتنہ کے زمانہ میں باغیوں کے مددگاروں کو قتل کرنا جائز ہے

اور بزازیہ کی بحث جنایت کے باب السعایہ میں مذکور ہے کہ مشائخ نے چغل خوری کے سبب سے ملک میں فساد پھیل جانے کی وجہ سے فتوے دیا ہے کہ فتنہ کے زمانے میں باغیوں کے مددگاروں کا قتل کرنا بھی جائز ہے اور قید کی سزا دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ لوگ ایسے زمانے میں بہت مضر ہیں لہذا ایسے لوگ اُن ہی لوگوں کے حکم میں ہیں جو اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں پس اس کے موافق اُن کا قتل کرنا جائز ہے مگر آسان طریق سے جس سے تکلیف نہ ہووے جیسے سولی دینا اور سر اُڑا دینا نہ سخت طریقے سے جس میں تکلیف زیادہ ہو جیسے وہ سیاسات جو اس زمانے میں مروج ہیں کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو۔

شبہ کے سبب صرف اُس ملزم پر سختی کی جاسکتی ہے جو جرائم میں مشہور ہو

پس ان نقلوں سے معلوم ہوا کہ ان عقوبات کا جاری کرنا اُسی وقت جائز ہے جبکہ مدعا علیہ پر جرم کا شبہ ہو اور جرم کرنے میں وہ مشہور ہو اور جس بات کا اُس پر دعوے ہے وہ اُس سے منکر ہو۔

لیکن اگر جرم کرنے میں مشتبہ نہ ہو بلکہ نیک آدمی ہونے کے ساتھ مشہور ہو تو ایسے کو عقوبت دینا کسی طرح جائز نہیں بلکہ اُس سے قسم لی جائے اور چھوڑ دیا جائے اگر اُس پر گواہ قائم نہ ہوں اور اگر مجہول الحال ہو کہ نہ نیک مشہور ہے اور نہ بدکار تو ایسے شخص کو ایک یا دو دن حوالات کر دینا جائز ہے یہاں تک کہ اُس کا حال گواہی یا اقرار سے ظاہر ہو جائے اور اگر کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو قسم لی جائے اور چھوڑ دیا جائے اور اُس کو مارنا جائز نہیں۔

چنانچہ خلاصہ اور بزازیہ کے باب السرقہ میں مذکور ہے کہ عصام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ امیر کے پاس گئے وہاں ایک چور پکڑا آیا پس اُس نے چوری سے انکار کیا پس امیر نے عصام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اس پر کیا واجب ہے عصام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر قسم ہے اور مدعی پر گواہ پس امیر نے کہا کوڑا اور دو رسیاں تو لاؤ پھر دس کوڑے نہیں لگائے تھے کہ اُس نے اقرار کر لیا اور چوری کا مال لے آیا اس پر عصام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سبحان اللہ میں نے اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں دیکھا جو عدل سے مشابہ ہو۔

پس دیکھو تو سہی کیونکر انھوں نے اس کا نام ظلم رکھا باوجودیکہ اس سے حق ظاہر ہو گیا تھا اور اُس کو عدل نہیں ٹھہرایا بلکہ عدل کا مشابہ قرار دیا کیونکہ کوئی ظاہری دلیل ایسی نہ تھی جس سے اس کو

مارنا واجب ہوا اس واسطے کہ اگرچہ اُس وقت تو حق ظاہر ہوگیا لیکن اکثر حق ظاہر نہیں ہوا کرتا ہے پس ایسی صورت میں محض ظلم ہوگا برخلاف مشتبہ آدمی کے کہ اس کا مارنا ضروری حق نکالنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اپنے افعال بد سے باز آئے خواہ حق ظاہر ہو یا نہ ظاہر ہو لہٰذا ان دونوں میں فرق ہے۔

اور جو کچھ ہم نے یہاں تک ذکر کیا یعنی مشتبہ لوگوں پر اجرائے عقوبت کا جائز ہونا تو یہ حکم گواہی یا اقرار کے ذریعہ ثبوت ہوجانے سے پہلے پہلے کے لیے ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ جرم ثابت ہوجانے کے بعد تو اُس پر وہی قائم ہوگا جو شرع نے اُس کے لیے حد اور تعزیر مقرر کی ہے۔

خداوند تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل کرنا ہم پر آسان فرمائے۔

اکیاسویں مجلس قاضی بننے بنانے کے احکام اور عہدۂ قضا کو رشوت سے لینے اور جھوٹی گواہی پر حکم کرنے کے بیان میں

قاضی کا فیصلہ ظاہری گواہی کے مطابق ہوگا نفس الامر کے مطابق ہونا ضروری نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم یکون الحن بحجتہ من بعض واقضی لہ علی ما نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشیٔ من حق اخیہ فلا یأخذ نہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار " میں بھی ایک آدمی ہوں اور تم میرے پاس فیصلے لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک دوسرے سے دلیل بیان کرنے میں زیادہ ہوشیار ہو بعضے سے اور اس وجہ سے جیسا اُس سے سنوں اُس کے موافق میں فیصلہ کردوں تو ایسی حالت میں جس کو میں اُس کے بھائی کا حق دلا دوں تو وہ ہرگز نہ لے کیونکہ اُس کو آگ کا ٹکڑا دئے دیتا ہوں۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے فیصلے میرے پاس لاتے ہو اور شاید کوئی اپنے دعوے میں جھوٹا ہو اور میں اُس کا اپنے دعوے میں جھوٹا ہونا نہ جانوں لیکن چونکہ وہ حجت میں ایسا قوی اور تقریر میں اتنا چُست ہو کہ اُس کے دعوے کو سچا گمان کرلوں اور اُس کے دعوے کے موافق فیصلہ کردوں پس وہ چیز جو میں نے اُس کو اُس کے بھائی کے حق میں سے دلائی ہے آگ کا ٹکڑا ہے کیونکہ حرام ہونے کی وجہ سے وہ اُس کو دوزخ میں کھینچ لے جائے گی۔

پس نبی علیہ السلام نے اپنے کلام کو اس حدیث میں اس لفظ سے کہ میں ایک آدمی ہوں اس تنبیہ کے لیے شروع کیا ہے کہ آپ کے حکم کا نفس الامر سے مطابق نہ ہونا جائز ہے اس لیے کہ آپ بشر ہونے کی وجہ سے غیب داں نہیں ہیں اور نہ دل کے بھید پر مطلع ہوتے ہیں مگر اسی بات پر جس کی آپ کی طرف وحی آئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا حکم بیجا ہو اس واسطے کہ یہ بات حکم میں غلطی ہونے کی طرح نہیں ہے کیونکہ حاکم کو صرف یہ حکم ہے کہ دونوں مدعی مدعا علیہ میں ظاہر کے موافق جیسا اُن کا کلام سُنے اور جو اُن کی حجت سے ثابت ہو حکم کرے یہ نہیں کہ نفس الامر کے مطابق حکم ہو یہاں تک کہ جس کا دعوےٰ جھوٹا ہو جب وہ دو جھوٹے گواہ گذار دے اور قاضی کو اُن کا جھوٹ معلوم نہ ہو تو وہ اُن کی عدالت ثابت ہو جانے کے بعد گواہی کے موافق جو حکم کر دے گا وہ اُس حکم میں حق پر ہوگا اور اگرچہ اُس نے جو کچھ حکم کیا ہے نفس الامر میں درست وحق نہ ہو پس اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی گواہی سے قاضی کا حکم حرام کو حلال نہیں بناتا اور نہ حلال کو حرام اور اُس کا حکم ظاہر ہی میں جاری ہوتا ہے اور اس بات پر مطلق ملک میں یعنی جس میں اسباب ملک میں سے کسی خاص سبب کا ذکر نہ ہو سب کا اتفاق ہے۔

عقد کے انعقاد اور فسخ میں قاضی کا فیصلہ ظاہر و باطن دونوں طرح نافذ ہوگا۔ رہا عقد کا کرنا جیسے بیع اور شرا اور نکاح اور اجارہ وغیرہ اور عقد کا فسخ کرنا جیسے اقالہ اور طلاق وغیرہ سو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک قاضی کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں جاری ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اوروں کے نزدیک صرف ظاہر ہی میں جاری ہوتا ہے باطن میں نہیں۔

اوروں کی دلیل تو یہ ہے کہ قضا یعنی فیصلہ کسی ثابت چیز کے ظاہر کرنے کا نام ہے غیر ثابت کا ثابت کرنا قضا نہیں ہے اور چونکہ جن عقود اور فسوخ کا دعوےٰ تھا وہ دعوے کے باطل اور گواہوں کے جھوٹے ہونے کی حالت میں ثابت نہیں ہے لہذا قضا صرف ظاہر ہی میں نافذ ہوگی باطن میں نہ ہوگی اس لیے کہ قضا حجت کے موافق نافذ ہوتی ہے اور یہ حجت اس لیے کہ جھوٹے گواہ ظاہری دلیل ہے باطن میں نہیں باطن میں غلط ہے اور گواہوں والا اس کو جانتا ہے اور قاضی نہیں جانتا ہے لہذا اس کی قضا صرف ظاہر میں نافذ ہوگی باطن میں نہیں جیسے کہ مطلق ملک میں حکم ہے۔

اور امام صاحب رح کی یہ دلیل ہے کہ قاضی کے پاس جب گواہ گذار دئیے گئے اور تعدیل ہو چکی تو اس پر حکم دینا واجب ہے یہاں تک کہ اگر حکم نہ دے یا دیر کرے گنہگار ہوگا لیکن چونکہ قضا ثابت چیز کا ظاہر کرنا ہے اور جن عقود اور فسوخ کا دعوےٰ ہے وہ دعوے کے باطل اور گواہوں کے جھوٹے ہونے کی تقدیر پر ثابت نہیں ہیں تو اب بطور اقتضا اُس کا ثابت کرنا ضروری ہوا

تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ قاضی اس بات کا حکم کرے جو اس کی طاقت سے خارج ہے پس قاضی کا حکم ایسے محل میں جس میں انشا^عـہ^ کی قابلیت ہو اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو اور گواہ جھوٹے ہوں تو انشا ہو جائیگا کیونکہ قاضی کو حق فیصلہ کرنے کا حکم ہے اور اُس کا فیصلہ ایسے محل میں جس میں انشا کی قابلیت ہو اور اُس محل میں کوئی مانع بھی نہ ہو اور گواہ جھوٹے ہوں انشا پر محل کئے بغیر حق نہیں ہو سکتا اور چونکہ عقود اور فسوخ میں انشا کی قابلیت ہے اور قاضی انشا کا تھوڑا بہت مختار بھی ہے لہٰذا اُس کی قضا بطریق اقتضا انشا ہو جائے گی پس عقد نکاح کا دعویٰ گویا ایسا ہوگا کہ قاضی نے کہا میں نے تیرا نکاح اُسکے ساتھ کر دیا اور میں نے تم دونوں میں نکاح کا حکم دے دیا اور فسخ نکاح کے دعوے میں گویا ایسا ہوگا کہ قاضی نے کہا میں نے تجھ کو اُس سے اب جدا کر دیا اور تم دونوں میں طلاق کا حکم دے دیا اور ایسے ہی عقود اور فسوخ کے دعووں کا حکم ہے۔

مطلق ملک میں قاضی کا فیصلہ صرف حال کے مطابق ہوگا نفس الامر میں نہیں | برخلاف مطلق ملک کے کہ اُس میں قضا جھوٹی گواہی سے صرف ظاہر میں نافذ ہوگی کیونکہ ملک کے واسطے کوئی سبب چاہیے اور اسباب بہت اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور قاضی کو یہ ممکن نہیں کہ اُن میں سے کسی ایک کو بلا دلیل معین کر دے کیونکہ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں پس اب بطریق اقتضا قضا سے پہلے کسی بات کا ثابت کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ملک میں انشا کی قابلیت نہیں اور قاضی کو ملک کے حکم دینے کا حکم نہیں بلکہ اس کو مدعا علیہ کا ہاتھ مدعی سے روک دینے کا حکم ہے پس اسی قدر اُس سے ظاہر میں نافذ ہوتا ہے نہ کچھ۔

ملک عقد اور ملک مطلق کے فیصلے کی مثالیں | اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی شخص پر ایک لونڈی یا کھانے کی خرید یا فروخت کا دعوے کیا اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے اُن دونوں میں خرید یا فروخت کا فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں اُس کا حکم ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جائیگا یہاں تک کہ جس کے لیے اُس لونڈی یا کھانے کا حکم ہوا ہے اُس کو جائز ہے کہ بعد استبرا^عـہ^ لونڈی سے وطی کرے اور کھانا کھائے کیونکہ اس کی ملک اس قیمت سے ثابت ہو گئی جس پر گواہ گذر گئے۔

اور جس صورت میں ایک شخص کسی شخص پر لونڈی یا کھانے کی مطلقاً ملکیت کا دعوے کرے بغیر اس کے کہ اسباب ملک میں سے کسی سبب کو معین کرے اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دے اور قاضی نے ان دونوں میں ملک کا فیصلہ کر دیا تو اُس کا حکم صرف ظاہر میں نافذ ہوگا یہاں تک کہ جس کے لیے لونڈی یا کھانے کا حکم دیا ہے اُس لونڈی سے صحبت کرنا یا کھانا کھانا حلال نہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے درمیان اس کے لیے ملک ثابت نہیں ہے۔

عـہ انشا یعنی کسی عقد کا از سر نو کرنا عـہ استبرا یہ ہے کہ لونڈی خریدنے کے بعد اُس کے حیض آنے تک انتظار کیا جائے کہ آیا اس کو حمل تو نہیں ہے اگر حیض اپنے معمول سے آجائے تو اب وطی کرنا جائز ہے۔

اور ایک مثال عقود کی یہ ہے کہ کسی مرد یا عورت نے دوسرے پر نکاح کا دعوے کیا اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دئے اور قاضی نے ان دونوں میں نکاح کا حکم کر دیا تو اُس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ ہو جائے گا یہاں تک کہ مرد کو صحبت کرنا اور عورت کو اپنے اوپر قابو دینا جائز ہے یہ جب ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے کے نکاح یا عدت میں نہ ہو اور اگر کسی اور کے نکاح یا عدت میں ہو تو حکم صرف ظاہر میں نافذ ہو گا نہ باطن میں۔

اور فسخ کی ایک مثال یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے پر فسخ نکاح کا دعویٰ کیا اور دو جھوٹے گواہ گذار دئے اور قاضی نے ان دونوں میں جدائی کا حکم دے دیا تو اس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ ہو جائے گا یہاں تک کہ مرد کو صحبت کرنا اور عورت کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہے اور عورت کو اور مرد سے نکاح کر لینا ہے اور اُس دوسرے خاوند کو اُس سے صحبت کرنا درست ہے اگرچہ اُسے یہ معلوم ہو کہ پہلے خاوند نے اُس کو طلاق نہیں دی اور یوں کہ اُن دو جھوٹے گواہوں میں سے ایک خود یہی ہو۔

جھوٹے دعوے اور جھوٹی گواہی پر وعیدیں | یہ سب باتیں اوپر کے بیان سے ظاہر اور معلوم ہیں لیکن یہ بھی جاننا چاہیے کہ عقود اور فسوخ میں جھوٹی گواہی سے قاضی کا حکم اگرچہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اس لیے حلال بھی کر دیتا ہے کہ وہ بطور اقتضاء انشا ہے مگر اتنی بات ہے کہ مدعی اور گواہ غضب الٰہی اور اُس کے عذاب میں پڑ جانے سے بچ نہیں سکتے کیونکہ اُنھوں نے وہ کام کیا ہے جس کو خدا اور اُس کے رسول نے منع کیا ہے اور دوسرے کی حق تلفی کرنے اور ظلم کرنے کی کوشش کی ہے خصوصاً جبکہ وہ قیمت جس کی گواہی دی ہے اصل قیمت کے برابر نہ ہو۔

مدعی تو اس لیے کہ اُس نے جھوٹ بولا ہے اور اُس چیز کا دعوے کیا ہے جو اُس کی نہ تھی اور روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اُس چیز کا دعوے کرے جو اُس کی نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں اور اُس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لینا چاہیے۔

اور گواہ اس لیے کہ اُنھوں نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے جو شرک کے قریب ہے اور وہ جھوٹی گواہی ہے اور مدعی بھی اس گناہ میں شریک ہے کیونکہ وہ اس پر راضی تھا اور روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے ہم پلہ ہے پھر یہ آیت پڑھی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ "کہ بچو بتوں کی ناپاکی سے اور بچو جھوٹی بات سے" پس آنحضرت ؐ نے اس حدیث میں یہ بیان فرما دیا کہ جھوٹی گواہی گناہ میں شرک کے برابر ہے جو کہ جہنم میں لے جانے والا ہے ہاں اتنی بات ہے کہ شرک دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا موجب ہے اور جھوٹی گواہی اس کی موجب نہیں۔

مذکورہ صورتوں میں قاضی کے فیصلے کے نافذ ہونے کی شرط | اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ قاضی کا حکم جھوٹی گواہی سے عقود اور فسوخ میں جب ہی نافذ ہوتا ہے اور حلت جبھی ثابت کرتا ہے جبکہ قاضی نے عہدۂ قضا بلا رشوت پایا ہو۔

اور جب رشوت دے کر عہدۂ قضا پایا ہے تو وہ قاضی نہیں ہوتا اور نہ اس کا حکم نافذ ہوتا ہے جیسا کہ تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

آجکل کے ججوں کے دینی معاملات میں فیصلے نافذ نہیں ہوں گے | پس اس بیان کی رو سے اس زمانے میں ایسا کوئی قاضی نہیں مل سکتا جس کا حکم نافذ ہو کیونکہ ایسے قاضی بہت کم ہیں جنہوں نے قضا بلا رشوت حاصل کی ہو اس لیے کہ اس زمانے میں قاضی رشوت سے عہدۂ قضا حاصل کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے بہت بہت مال خرچ کرتے ہیں اور رشوت کے علاوہ انہوں نے اس کا کچھ اور نام رکھ چھوڑا ہے حالانکہ یہ سب رشوت ہے۔ پس ایسا قاضی بھلا کیونکر ملے کہ جس کا حکم نافذ ہو کیونکہ یہ لوگ تو رشوت سے عہدۂ قضا حاصل کر کے بہت سے شرعی احکام باطل کرنے کے سبب بنتے ہیں اور وہ یوں کہ مسلمانوں کے اکثر معاملات اُن کی رائے پر حوالہ اور اُن کے حکم پر موقوف ہیں اور انہوں نے جب عہدۂ قضا رشوت سے پایا تو احکامات شرعیہ میں اُن کا کوئی حکم نافذ نہیں پس مسلمانوں کے بہت سے معاملات کا باطل ہونا لازم آتا ہے بالخصوص نکاح جو اُن ہی کے سپرد ہے کیونکہ جس قاضی نے رشوت سے عہدۂ قضا لیا ہے جب کوئی ایسا نکاح کرے گا جو اس کے سپرد ہے تو وہ نکاح باطل ہوگا لہٰذا لازم آتا ہے کہ میاں بیوی جب تک اُس نکاح میں ہیں زانی ہوں۔

اور یہ حالت صرف دنیا سے اُن کی محبت کی کثرت اور دین کی بے پرواہی کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ لوگ آخرت سے بے انتہا غفلت کی وجہ سے عہدۂ قضا رشوت سے لیتے ہیں اور رسول علیہ السلام کی لعنت سے اپنے ملعون ہونے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ اُس پر فخر کرتے ہیں باوجودیکہ اگلے لوگ خود اس کے قبول کرنے سے باز رہے ہیں یہاں تک کہ اس کے قبول کرنے پر بہت مجبور کئے گئے پھر بھی اس کو قبول نہیں کیا چہ جائیکہ اس کے حاصل کرنے میں مال خرچ کرنا۔

عہدۂ قضاء قبول کرنے میں علماء دین کا طرز عمل اور اس کا سبب | کیا تمہیں نہیں معلوم کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تین دفعہ عہدۂ قضا کے لیے بلائے گئے اور آپ نے انکار کیا یہاں تک کہ قید کئے گئے اور ہر مرتبہ تیس تیس کوڑے لگے پھر جب اپنی جان کا خوف ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر لوں پس آپ نے مشورہ کیا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر آپ قبول کر لیں تو لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچے پس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی طرف غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ اگر مجھ کو سمندر کو تیر جانے کا حکم دیا جاتا تو مجھ کو اس کی قدرت تھی میری بجائے تو ہی قاضی ہو جا پھر منہ پھیر لیا اور اس کے بعد اُن کی طرف پھر نہ دیکھا۔

اسی طرح امام محمد رح کو عہدۂ قضا کے لیے کہا گیا آپ نے انکار کر دیا یہاں تک کہ قید ہو گئے اور کچھ اوپر پچاس دن قید رہے اور آخر مجبور ہوئے اور قبول کر لیا۔

اور یہ بزرگ اس کے قبول کرنے سے اس لیے باز رہے کہ ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کا قاضی کر دیا گیا تو بے شک وہ بے چھری ذبح ہوا اور ذبح سے مراد اس حدیث میں قتل ہے کیونکہ بغیر چھری کے قتل ہونا یعنی جیسے زہر پی لینا ظاہر میں کچھ اثر نہیں کرتا صرف باطن میں اثر کرتا ہے کہ جان چلی جاتی ہے اسی طرح عہدۂ قضا ظاہر میں تو کچھ اثر نہیں کرتا کیونکہ ظاہر میں تو وہ مرتبہ کی بلندی اور عظمت ہے لیکن اس کا اثر صرف باطن میں ہوتا ہے جو کہ دین تباہ کر دیتا ہے اس لیے کہ قاضی طرفین میں بہت ہی کم انصاف کرتے ہیں بلکہ اکثر اوقات فیصلہ میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کی طرفداری کر جاتے ہیں یا اُس شخص کی جو ذی مقدرت ہو اس سے کچھ ملنے کی امید ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو اور اکثر اوقات اُس کے دل میں رشوت قبول کرنے کا وسوسہ آتا ہے پس جس کا یہ حال ہو تو اُس کو مر جانا قضا سے بہتر ہے اس لیے کہ موت گناہوں سے اُس کو جدا کر دے گی اور قضا گناہوں میں ڈالتی ہے۔

عہدۂ قضا کو طلب کر کے لینے والے کا انجام

پس اگر کوئی یہ کہے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا سب سے بڑا فرض اور سب سے عمدہ عبادت ہے اس لیے کہ نیک بات کا حکم اور بدی سے روکنا ہے اور اللہ نے نبیوں کو اس کا حکم کیا ہے جیسا کہ اپنی کتاب میں فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ "کہ ہم نے اتارا توریت کو جس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے اُسی پر پیغمبر حکم کرتے ہیں" اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے لیے یوں فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ "ہم نے اتاری تم پر کتاب سچی کہ تم لوگوں میں حکم کرو" پس اس سے باز رہنے کی کیا وجہ ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ سب سے بڑا فرض اور سب سے عمدہ عبادت ہے لیکن فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص اس کے قابل ہو اُس کو چاہیے کہ نہ دل سے اُس کا طالب ہو اور نہ زبان سے اس کی درخواست کرے پس اگر بلا درخواست کئے اس کے لیے بلایا جائے تو بعضے علماء کہتے ہیں کہ اپنے اختیار سے اس میں پڑنا مکروہ ہے اس لیے کہ حضرت انس رض سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جس نے عہدۂ قضا تلاش کیا اور اُس کی درخواست کی وہ اپنے نفس کے سپرد کیا جاتا ہے اور جو اُس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کو راہِ حق پر رکھتا ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو شخص عہدۂ قضا کو دل سے چاہتا ہے اور اپنی زبان سے درخواست کرتا ہے تو اُس کا حال اُس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جس کا معاملہ اُسی کے نفس کے حوالہ ہو وہ ٹھیک راستہ نہیں پاتا اس لیے کہ نفس برائی کا حکم بہت

دیتا ہے آدمی کو مخالفتِ حق اور بری خواہش کی طرف کھینچتا ہے لہذا ظلم اور معصیت میں پڑ جانے سے نہیں بچتا۔
نیز یہ کہ جو شخص قضا کی درخواست اور سوال کرتا ہے تو وہ اپنے علم اور پرہیز گاری پر بھروسہ کرتا ہے لہذا خود پسندی والا ہوا پس توفیق سے محروم رہتا ہے اور جو اس پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ جبر کی وجہ سے پژمردہ دل ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی رسی سے سہارا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور جس نے اللہ کا سہارا پکڑا بے شک وہ سیدھی راہ دکھایا گیا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا وہ اس کو کافی ہے پس اس کے دل میں رشد پیدا کر دیتا ہے اور سیدھی راہ لے جاتا ہے خدا تعالیٰ ہم پر اپنی رضا کے مطابق عمل اپنے لطف اور کرم سے آسان فرمائے۔

بیاسویں مجلس اس بیان میں کہ کس شخص کو لوگوں کے سامنے وعظ کہنا جائز ہے اور کس کو جائز نہیں اور جو باتیں اس سے نکلتی ہیں

وعظ کہنے والے لوگوں کی تین قسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یقص الا امیر او مامور او مختال" وعظ نہیں بیان کرتا مگر امیر یا اس کام پر مقرر کیا ہوا یا شیخی والا"
یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے عوف بن مالکؓ نے روایت کی ہے۔
اور اسی طرح وہ روایت ہے جو عوفؓ ہی نے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا اَلْقُصَّاص ثلثۃ امیر و مامور و مختال" وعظ کہنے والے تین ہیں امیر اور مقرر کیا ہوا اور شیخی کرنے والا۔
اور قص کے معنی قصہ بیان کرنے کے ہیں اور وعظ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جو لوگوں کو وعظ کہتے ہیں تین قسم کے ہیں ایک تو امیر یعنی حاکم کیونکہ پہلے زمانہ میں حکام ہی لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے اور گذری ہوئی خبریں ان کو سناتے تھے تاکہ عبرت حاصل کریں اور دوسرا محکوم یعنی وہ جس کو امیر نے وعظ کے لیے مقرر کیا ہو اور اس کی اجازت دی ہو اور تیسرا شیخی کرنے والا اور یہ وہ ہے کہ نہ امیر ہے اور نہ امیر کی طرف سے مقرر ہے بلکہ وہ فضولی ہے لوگوں پر بڑا بننے اور ان میں سردار بننے کے لیے ایسا کرتا ہے اور اپنے قول و فعل سے ریاکاری کرتا ہے اور اس میں بلا اجازت امام وعظ کہنے سے ممانعت ہے۔

صحیح العقیدہ علماء کو وعظ کہنے کے لیے مقرر کرنے کی وجہ اور یہ اس لیے ہے کہ امام پر واجب ہے کہ رعیت کی مصلحتوں کو پورا کرے اور ہر گاؤں اور ہر محلہ میں ایک عالم دیندار مقرر کر دے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم کیا کرے لہذا علماء میں غور کرے پس جس میں علم اور دیانت اور نیک عقیدہ دیکھے اسکو اجازت دے

کہ لوگوں کو وعظ کہا کرے اور جس میں یہ صفات نہ دیکھے اُس کو وعظ کی اجازت نہ دے تاکہ لوگوں کو بدعت اور بے راہی میں نہ ڈالے جیسا اس زمانہ میں ہو رہا ہے اور یہ اس واسطے کہ مخلوق علم لے کر پیدا نہیں ہوتی بلکہ جاہل پیدا ہوتی ہے اور جہالت دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے لہذا اس بیماری کے لیے ایک لائق طبیب کی ضرورت ہے کہ اُن کا علاج کرے اور دین کے اصلی اور فرعی احکام سکھا کر اُن کا مرض دور کرے اور جو طبیب لائق نہ ہوگا تو وہ اُن کا مرض دور نہ کر پائے گا بلکہ اُن کا مرض زیادہ کر دے گا اور اُن کو ہلاک کر دے گا اور احیاء میں مذکور ہے کہ دنیا بیماری کا گھر ہے کیونکہ زمین کے اندر مردوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اُس کے اوپر بیماروں کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور دلوں کی بیماری جسمانی بیماری سے بڑھ کر ہے اور اس کی کثرت تین وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ جو دل کا بیمار ہوتا ہے وہ اپنے کو بیمار نہیں سمجھتا۔

اچھے علماء کو وعظ کے لیے مقرر کرنے کی دوسری وجہ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دل کی بیماری کا انجام موت سے پہلے نہیں معلوم ہوتا برخلاف جسمانی مرض کے کہ اس کا انجام موت ہے مشاہدہ سے معلوم ہے جس سے طبیعتیں نفرت کرتی ہیں اور چونکہ موت کے بعد کا حال دکھائی نہیں دیتا اسلیے گناہوں سے بہت کم نفرت ہے اور (اس بارے میں) گنہگار اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کر لیتا ہے اور اپنے دلی مرض کے علاج میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ جسمانی مرض کے علاج میں مشغول ہوتا ہے بغیر اسکے کہ (یہاں بھی) اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے۔

اچھے علماء کو وعظ کے لیے مقرر کرنے کی تیسری وجہ اور تیسری وجہ جو کہ خود وہی بڑی سخت بیماری ہے طبیب کا نہ ہونا ہے کیونکہ طبیب صرف علماء ہیں اور وہ اس زمانہ میں خود ہی سخت بیمار ہیں یہاں تک کہ اپنے ہی علاج سے عاجز ہیں چہ جائیکہ اوروں کا علاج کرنا اور اسی سبب سے بیماری سب میں پھیل گئی اور دوا نہیں رہی اور خلق ہلاک ہو گئی بلکہ اطبا طرح طرح سے بہکانے میں مشغول ہو گئے پس کاش وہ طبیب اگر درستی نہ کرتے تو بگاڑتے بھی نہیں اور کاش وہ خاموش رہتے اور کچھ نہ بولتے کیونکہ جب وہ بولتے ہیں تو اپنے وعظ سے سوائے عوام کے دل اپنی طرف مائل کرنے کے اور کچھ ان کی نیت نہیں ہوتی اور امید رحمت کے ذکر ہی کو اُس کا وسیلہ بناتے ہیں کیونکہ یہ ذکر کانوں میں لذیذ اور طبیعتوں پر ہلکا ہے پس خلقت اُن کی مجلس وعظ سے اس حال میں لوٹتی ہے کہ گناہوں پہ اور بھی جرأت پیدا ہو گئی۔

روحانی بیماریوں کے علاج کا طریقہ اور جب طبیب ایسا ہو تو مریض دوا سے ہلاک ہو جائے گا اس لیے کہ وہ بے محل دوا استعمال کر رہا ہے کیونکہ خوف اور رجا دو دوائیں ہیں لیکن ایسے دو شخصوں

کے لیے جن کی بیماریوں میں اختلاف ہو پس جس پر خوف اتنا غالب آگیا ہو کہ دنیا بالکل ترک کر دی ہو اور اپنی جان طاقت سے زیادہ تکلیف میں ڈال رکھی ہو اور معیشت دنیا کو تنگ کر لیا ہو تو اس کے خوف کی شدت کو اسباب رجا اور فراخی رحمت الٰہی کے ذکر سے گھٹائے تاکہ وہ اعتدال پر آجائے اور ایسے ہی جو شخص گناہ پر اڑا ہوا ہو توبہ کا آرزومند ہو مگر اپنے گذشتہ گناہوں کو بہت بڑا سمجھ کر ناامید اور مایوس ہو کر توبہ نہ کرتا ہو تو ایسے کا علاج بھی اسباب رجا اور فراخی رحمت الٰہی کو بیان کر کے کیا جائے تاکہ اس کو توبہ کی قبولیت کی توقع ہو پس وہ توبہ کرے اور رہا فریب کھائے ہوئے معاصی میں پڑے ہوئے کا اسباب رجا اور فراخی رحمت الٰہی کے بیان سے علاج کرنا تو یہ ایسا ہے جیسے بخار والے کا شہد سے علاج کرنا

آج کل کے واعظوں کی حالت اور احیاء کی ایک اور جگہ میں مذکور ہے کہ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں خلقت کے سامنے اسباب رجا اور فراخی رحمت الٰہی کا بیان نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ بیان لوگوں کو سراسر ہلاک کر دے گا لیکن چونکہ یہ ذکر نفسوں پر ہلکا ہے اور ان کے دلوں میں زیادہ لذیذ ہے اور واعظوں کی غرض سوائے دلوں کے بہلانے اور خلقت سے اپنی تعریف کرانے کے اور کچھ نہیں اس لیے خواہ کچھ ہی ہو رجا ہی کی طرف جھکے رہتے ہیں یہاں تک کہ گناہ گار فساد میں اور سرکشی میں غرقاب ہونے والے سرکشی میں اور بھی بڑھ گئے۔

خوف اور مایوسی کی حقیقت اور ایک اور جگہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ میں جو خلقت موجود ہے ان کے لیے خوف کا غالب رہنا ہی بہتر ہے بشرطیکہ ناامیدی اور عمل چھوڑ دینے اور مغفرت کی امید نہ رہنے کی نوبت نہ آئے کہ یہ حالت عمل میں سستی اور معاصی میں غرقاب ہو جانے کا سبب بن جائے سو یہ ناامیدی ہے خوف نہیں ہے بلکہ خوف وہ ہے کہ عمل پر ابھارے اور تمام خواہشوں کو بے مزہ کر دے اور دل کو دھوکے کی جگہ (یعنی دنیا) کی رغبت سے اکھاڑ دے اور خوشی کی جگہ (آخرت) کی رغبت دلائے اور یہی خوف محمود ہے نہ وہ یاس جو ناامیدی کا سبب ہے۔

وعظ کا صحیح طریقہ پس جب یہ بات ہے تو وہ طریقہ جس پر واعظوں کو اپنے وعظ میں اس زمانہ کی خلقت کے ساتھ چلنا چاہیے جبکہ واعظ امام کی طرف سے مقرر شدہ ہو یہ ہے کہ قرآن میں سے وہ آیات بیان کرے جو گنہگاروں کو خوف دلاتی ہیں اور وہ احادیث اور آثار جو گنہگاروں کی مذمت اور توبہ کرنے والے اطاعت کرنے والوں کی تعریف میں ہیں اور اسی طرح کے وعظ کی کثرت رکھے اگر وہ رسول رب العالمین کا وارث ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے نہ دینار چھوڑے ہیں اور نہ درہم صرف علم اور حکمت چھوڑ گئے ہیں اور ہر عالم نے جس قدر علم حاصل کیا ہے وہ اس کا وارث ہے پھر اس کو یہ چاہیے کہ ان سے یہ بیان کرے کہ گناہ پر دنیا میں عذاب ہونا ممکن ہے اور بیان کرے کہ انسان پر دنیا میں جو مصیبت پڑتی ہے وہ سب

گناہوں کے وبال سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ "اور جو پڑتی ہے تم پر کوئی سختی سو اُسی سبب سے ہے جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے"۔

پس اس کو چاہیے کہ اُن کو اُس کا خوف دلائے کیونکہ بعضے آدمی دنیا کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور آخرت کے بارہ میں محض جاہل ہونے کی وجہ سے تساہل کرتے ہیں لہٰذا اُس کو لازم ہے کہ اُن سے کہے کہ سب گناہوں کی شامت اکثر دنیا ہی میں آجاتی ہے اور اُس کے سبب سے اس پر روزی تنگ ہو جاتی ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمی بر سبب گناہ کے جس کو وہ کرتا ہے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

پھر اُس کو چاہیے کہ وعظ اس طرح کہے جس سے اُس کی عظمت ہو اور اپنی آواز بلند رکھے اور جیسا وعظ بیان کرتا ہو ویسی ہی ترغیب یا ترہیب جیسی اپنی صورت بنالے جیسا کہ جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب وعظ فرماتے تو آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی گویا کہ فوج سے ڈراتے ہیں اور ایسے ہی اُس کو چاہیے کہ جب کوئی بات کہے تو تین بار مکرر سہ کرر کہے تاکہ سننے والے سمجھ لیں اور اُن کے دل میں بیٹھ جائے اور اُس کو یاد کرلیں کیونکہ انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب کوئی بات فرماتے تو تین بار دہراتے تاکہ خوب سمجھ لیں۔

لیکن اُس پر واجب ہے کہ اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش سے بچے کیونکہ احیاء میں مذکور ہے کہ واعظ جب کبھی بدعت کی بات ملائے تو اُس کا روک دینا واجب ہے اور اُس کی مجلس میں جانا جائز نہیں ہاں اگر قدرت ہو تو اُس پر رد کرنے کے قصد سے جائے اور اگر قادر نہ ہو تو اُس کی مجلس میں نہ جائے۔

اور ایسے ہی جب اُس کا کلام امید دلانے اور لوگوں کو معاصی پر جرأت دلانے کی طرف جھکتا ہو اور اس باعث سے خلق کو خوف سے زیادہ امید بڑھ جائے تو یہ بُرا ہے اُس کا روک دینا واجب ہے کیونکہ اس کا فساد بہت بڑا ہے بلکہ خلقت کے حال کے مناسب اور لائق یہ ہے کہ خوف کو امید پر غالب رکھے کیونکہ وہ خوف کے زیادہ تر محتاج ہیں۔

اور امام غزالیؒ کے رسالہ میں جس کا نام ایہا الولد ہے مذکور ہے کہ واعظ کو مناسب ہے کہ اُس کا قصد اور نیت وعظ سے یہ ہو کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف اور گناہ سے طاعت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف بلائے اور اُن میں آخرت کی محبت اور دنیا کا بغض پیدا کرے اور اُن کو عبادت اور پرہیزگاری سکھائے اس لیے کہ اُن کی طبیعتوں میں شرع کی راہ سے کجی اور اُس چیز کے بارہ میں کوشش ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشی نہیں پس اُن کے دلوں میں رعب ڈالے اور جو خوفناک چیزیں اُن کے آگے آنے والی ہیں اُن سے ڈرائے شاید کہ اُن کے صفاتِ باطنی بدل جائیں اور ظاہری معاملہ پلٹ جائے اور اُن سے طاعت کی حرص اور معصیت سے رجوع ظاہر ہو جائے۔

وعظ جو وبال ہے اور وعظ اور نصیحت کا یہی طریقہ ہے اور جس واعظ کا وعظ ایسا نہ ہو تو اُس کا وعظ کہنے والے اور سننے والے دونوں پر وبال ہے بلکہ بعضے کہتے ہیں کہ وہ انسان کی صورت میں شیطان ہے کہ خلقت کو حق کی راہ سے نکالتا ہے اور اُن کو ہلاک کرتا ہے پس اُن پر واجب ہے کہ اُس سے ایسا بھاگیں جیسے شیر سے بھاگتے ہیں کیونکہ یہ واعظ جتنا ان کے دین بگاڑنے پر قادر ہے شیطان بھی اتنا خراب نہیں کر سکتا اور جس شخص کو قابو اور قدرت ہو اُس کو واجب ہے کہ اُس کو مسلمانوں کے منبر سے اُتار دے اور وعظ کہنے سے روک دے کیونکہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

وعظ میں قصہ گوئی کی حقیقت اور ایسے ہی وہ واعظ جو قصہ گوئی میں مشغول ہو جاتے ہیں جس میں کمی زیادتی اور جھوٹ اور بہتان ہو جاتا ہے سو اُن کی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی اگلے لوگوں سے ممانعت ثابت ہے اس لیے کہ بعضے قصوں کا سُننا مفید ہوتا ہے اور بعضے قصوں کا سننا ضرر کرتا ہے خواہ وہ سچا ہی ہو پس جو شخص اپنے اوپر یہ دروازہ کھول لے گا اُس کو سچ جھوٹ کے ساتھ اور نافع مضر کے ساتھ مشتبہ رہے گا۔

اور امام احمد بن حنبل رح کہتے ہیں کہ اگر انبیاء ع اور صلحاء رح کا قصہ ایسی باتوں کے متعلق ہو جو امور دینی سے متعلق ہیں اور روایت بھی صحیح ہو تو اُس میں مجھ کو کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا پس جھوٹ اور ایسے احوال بیان کرنے سے بچے جس کا انجام لغزش اور تساہل ہو عوام کی سمجھ اُس کے معانی سمجھنے سے قاصر ہو کیونکہ عامی آدمی اس سے اپنے تساہل اور خطا کی سند کرے گا اور اپنے لیے ایک سند بنائے گا اور کہے گا کہ بعضے بعضے مشائخ اور بزرگوں سے ایسی ایسی باتیں ہو گئی ہیں تو ہمارا کیا پوچھنا ہم سب تو سراسر گنہگار ہیں پس اگر ہم سے کوئی گناہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے کیونکہ گناہ تو ایسوں سے ہو گیا ہے جو ہم سے بڑے تھے اور اس سے خدا پر ایسی جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو خبر نہیں ہوتی۔

اور ان دونوں باتوں سے بچنے کے بعد پھر کچھ خوف نہیں اور سب اُن اچھی حکایتوں کو لے جو قرآن میں آئی ہیں اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں صحیح طور پر ثابت ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں غلط سلط قصے بیان کرنے کی ممانعت اور رہے وہ قصے جو بعضی کتابوں میں ملتے ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسے قصے مذکور ہیں جو ان کے حال کے لائق نہیں سو اُن سے اُن کو پاک سمجھنا واجب ہے جیسے داؤد نبی علیہ السلام کا قصہ سو یہ قصہ جیسا کہ قصہ گویوں کی روایت ہے [ع۵]

داؤد علیہ السلام ایک روز اپنی محراب میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا اور نماز پڑھنے اور

[ع۵] یہ واقعہ اسی طرح بائبل کی کتاب سموئیل اول باب ۱۱ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

زبور کی تلاوت کرنے لگے وہ اسی حال میں تھے کہ اتنے میں شیطان سونے کا کبوتر بن کر آگیا پس انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے اُس کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا وہ اُڑ گیا پھر اور ہاتھ بڑھایا تو وہ اُڑ کر روشن دان میں گر پڑا اُس کے پیچھے انہوں نے نظر دوڑائی تو ایک خوبصورت عورت نظر پڑی کہ اُس نے اپنے بال کھول رکھے تھے اور بالوں نے سارا بدن ڈھنک لیا تھا اور وہ ایک شخص کی بی بی تھی جس کا نام اوریا تھا اور وہ بلقا کے غازیوں میں سے تھا پس آپ نے بلقا کے لشکر کے سردار یعنی ایوب بن صوریا کو لکھا کہ میں اوریا کو بھیجتا ہوں تم اُس کو تابوت کے آگے کر دینا۔ اور جو شخص تابوت کے آگے ہوتا تھا اُس کو لوٹنا جائز نہیں تھا تاوقتیکہ اللہ اُس کے ہاتھ پہ فتح دے یا شہید ہو جائے پس اللہ تعالےٰ نے اُس کے ہاتھ پہ فتح دی اور سلامت رہا اور آپ نے حکم دیا کہ اُس کو دوبارہ اور سہ بارہ بھیجو یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا اور اس کے قتل کی خبر آپ کے پاس آئی اور آپ کو کچھ رنج نہ ہوا جیسا کہ شہیدوں پہ ہوا کرتا تھا پھر آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

پس یہ اور اس جیسے اور قصے تہمت اور بنائے ہوئے قصے ہیں جس کے سننے سے کان انکار کرتے ہیں اور ایسے بیہودہ گھڑے ہوئے ہیں جن سے طبیعت نفرت کرتی ہے اس کا منشا اس بات کا نہ جاننا ہے کہ انبیاء کے حق میں کیا واجب ہے اور کیا محال ہے اور کیا جائز ہے پس ہلاکی ہے اُس شخص کے لیے جس نے اُس کو گھڑا اور مشہور کیا اور تباہی ہے اُس کے لیے جس نے اس کو بنایا اور پھیلایا کیونکہ اس بات کو تو کسی ایسے شخص کے متعلق بیان کرنا جو مسلمانوں میں نیک مشہور ہو بُرا ہے چہ جائیکہ بزرگ۔ انبیاء۔ اور پیغمبروں کے متعلق۔

اور اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام کا قصہ قصہ گویوں کی روایت کے موافق بیان کرے گا تو میں اُس کو ایک سو ساٹھ دُرّے ماروں گا اور پیغمبروں پر بہتان باندھنے کی یہی سزا ہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رح سے یہی قصہ بیان کیا گیا اور وہاں ایک بزرگ اہل حق موجود تھے پس انہوں نے اس قصے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ قصہ اگر کتاب اللہ تعالےٰ میں موجود ہے تو یہ اچھی بات نہیں ہے کہ اُس کے خلاف کی جستجو کی جائے اور خلاف واقعہ بیان کیا جائے۔ اور اگر یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا تو نے بیان کیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کا پردہ ڈھانکنے کے لیے اس کو بیان نہیں کیا پس اُس کا اظہار نہ چاہیے پس حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے فرمایا اس بات کا سننا مجھ کو اُن تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر آفتاب نکلے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کی حقیقت اور یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ اس قصے میں بہتیرے لوگوں کو لغزش ہو گئی ہے اور خدا کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی نسبت وہ باتیں کہی ہیں جو

انبیاء کی شان کے مناسب نہیں ہیں کیونکہ اصل قصہ جیسا کہ بعض تفسیروں میں مذکور ہے یوں ہے کہ داؤد پیغمبر نے اوریا نامی ایک شخص کی بیوی کو دیکھا اور اس پر آپ کا دل مائل ہو گیا آپ نے اوریا سے درخواست کی کہ اس کو طلاق دے دو اُس کو آپ کا سوال رد کرتے شرم آئی لہذا ایسا ہی کیا پس آپ نے اس سے نکاح کر لیا اور وہی حضرت سلیمان ؑ پیغمبر کی ماں ہیں اور یہ طریقہ اُن کی شریعت میں جائز تھا اُن کی امت میں رائج تھا اور خلاف مروت نہ تھا کیونکہ جب کسی کی بیوی کسی کو پسند آتی تھی تو وہ اُس کو چھوڑ دینے کی درخواست کرتا تھا پھر خود اس سے نکاح کر لیتا تھا اور آغاز اسلام میں انصار مہاجرین رضہ سے بے روک ٹوک ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے تھے البتہ داؤد علیہ السلام کو اپنے بلند مرتبے اور عظمت منزلت اور علو شان کے لحاظ سے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ کام کریں جو ان کی امت کے معمولی آدمی کرتے تھے اور ایک ایسے شخص سے درخواست کریں جس کی ایک ہی بیوی ہو کر میرے لیے چھوڑ دے پھر اپنی بہت سی بی بیاں ہوتے ہوئے اُس سے نکاح کریں بلکہ اُن کو چاہیے تھا کہ اپنی خواہش کو دباتے اور اپنے نفس کو مغلوب کرتے اور جس بات کا امتحان ہوا تھا اُس پر صبر کرتے۔

بعض انبیاء پر گرفت الٰہی کا سبب

پس اس بیان کے موافق حضرت داؤد ؑ کی نسبت صرف ترک اولےٰ لازم آتا ہے اس لیے کہ آپ کی نگاہ اس عورت پر پڑ جانا بلا قصد تھا پس یہ کچھ گناہ نہیں اور ایسے ہی دیکھنے کے بعد دل کا مائل ہو جانا بھی کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ اس سے بچنا آدمی کی قدرت میں نہیں اور اُن پر اس سب واقعہ کے متعلق عتاب ہوا یہاں تک کہ فرشتے ان کے سامنے ان کے حال کی مثال دینے اور اُس کو آپ کے سامنے واضح کرنے کے لیے جھگڑتے ہوئے بھیجے گئے کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے ادنیٰ بات پر بھی اگر ان سے ہو جائے مواخذہ ہوتا ہے کہ جس پر اوروں سے مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ اوروں سے وہ کام سب سے اعلیٰ اور برتر عمل سمجھا جاتا ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یونس ؑ پیغمبر نے جب اپنی قوم کو ایمان کی طرف بلایا اور انہوں نے اس کے ماننے سے انکار کیا اور کفر اور نافرمانی پر اڑے رہے اور دشمنی اور سرکشی حد کو پہنچا دی یہاں تک کہ آپ کو صبر کرنا دشوار ہو گیا اور ضبط کی طاقت نہ رہی تو آپ ان کے پاس سے غضب الٰہی کے خوف اور کفر کو برا جاننے کی وجہ سے چلے گئے۔ اور یہ کام اگرچہ اُن کے علاوہ مؤمنین میں سے اور کسی کے حق میں سب سے اعلیٰ اور برتر عمل شمار کیا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کے پاس سے آپ کا چلا جانا بدون اجازت الٰہی تھا اور آپ پر واجب تھا کہ صبر کرتے اور اجازت الٰہی کے منتظر رہتے لہذا عتاب کیا گیا اور مچھلی کے پیٹ میں جب تک اللہ کو منظور تھا قید رہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

اور حاصل یہ ہے کہ پیغمبر اپنی نبوت کے زمانہ میں گناہ کبیرہ سے تو مطلقاً معصوم ہوتے ہیں اور صغیرہ کے قصداً کرنے سے۔ لیکن اُن سے صغیرہ گناہوں کا سہواً یا بطور

نسیان یا تاویل میں خطا ہو جانے کی وجہ سے ہو جانا ممکن ہے اور اس کو (ذلت) لغزش کہتے ہیں اور لغزش وہ صغیرہ گناہ ہے جو بلا قصد ہو جانے جیسا کہ امام سرخسی کہتے ہیں کہ لغزش میں خود لغزش کا ارادہ نہیں پایا جاتا بلکہ اُس میں صرف اصل فعل کا ارادہ پایا جاتا ہے کیونکہ لفظ زلت عرب کے اس قول سے لیا گیا ہے زل الرجل فی الطین آدمی کیچڑ میں پھسل پڑا۔ جبکہ اُس کا ارادہ نہ گر پڑنے کا ہو اور نہ گرنے کے بعد پڑے رہنے کا اگرچہ اُس راستہ میں چلنے کا اُس کا ارادہ ضرور پایا جاتا ہو اور انبیاء سے لغزش پر بھی اس لیے مواخذہ ہوتا ہے کہ یہ ایک قسم کی کوتاہی سے خالی نہیں جس سے آدمی غور و فکر سے بچ سکتا ہے اور لیکن حقیقی گناہ پس وہ ایک فعل حرام ہے کہ اس کی حرمت کو جان بوجھ کر اُس کا قصد کیا جاتا ہے تو ایسی بات کا انبیاء سے سرزد ہونا محال ہے۔

قرآن و حدیث میں مذکور قصص انبیاء کی توضیح اور قرآن اور حدیث کے قصوں میں جو ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جس سے زمانہ نبوت میں اُن سے گناہ کے صادر ہونے کا وہم ہوتا ہے تو ان قصوں کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جو قصے اُن میں سے روایت آحاد سے ثابت ہیں اُن کا رد کر دینا واجب ہے کیونکہ راوی کی طرف خطا کا الزام انبیاء پر گناہ کے الزام لگانے سے بہتر ہے اور جو قصے بطریق تواتر منقول ہیں تو جب تک اُن کے کوئی اور معنی نکل سکیں اُس وقت تک وہی معنے لیں اور ان کی عصمت کی دلیلوں کی وجہ سے ظاہری معنے نہ لیں اور جس سے کوئی مخلصی کی صورت نہ ملے تو یہ خیال کریں کہ یہ ترک اولیٰ ہے یا ایسا صغیرہ گناہ ہے جو اُن سے سہو یا بھول چوک سے ہو گیا ہے اور ترک اولےٰ ہونا یا ایسا صغیرہ ہونا جو اُن سے سہو یا بھول چوک سے ہو گیا ہے اُس کے گناہ کہنے کے منافی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ "تاکہ بخش دے اللہ وہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو بعد میں ہوئے" اور اُس سے استغفار کرنے کے منافی ہے جیسا کہ داؤد نبی علیہ السلام کے قصے میں ہے اور نہ اُس کے ظلم ہونے کا اقرار کرنے کے منافی ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں ہے کیونکہ یہ سہو یا صغیرہ گناہ اگرچہ اوروں کے حق میں نیکی ہے لیکن انکے اعتبار سے گناہ ہی شمار کیا جاتا ہے اور وہ اُس سے استغفار کرتے ہیں اور اس نے ظلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کے لیے گناہ ہیں۔

قرب الٰہی کے مقام پر فائز شخص کے عمل کی نوعیت اور اسی لیے اہل عرفان نے کہا ہے کہ جو شخص قرب الٰہی کے مقام میں ہو اور اُس کی نیت کو دن میں اتنا پیدا کرنے کے لیے حرکت ہو جس سے رات کو روزہ افطار کرے تو یہ اس کے حق میں خطا لکھی جاتی ہے کیونکہ یہ بات اللہ تعالےٰ کے فضل پر کم بھروسا اور وعدہ کی ہوئی روزی پر کم یقین ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ رتبہ انبیاء اور صدیقین اور مقرب ولیوں کا ہے۔

تراسویں مجلس اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایسا شخص پیدا کرتا ہے جو دین کو تازہ کر دے

ہر صدی میں مجدد دین کی پیشین گوئی | رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا "بے شک اللہ اس امت کے ہر سو برس کے شروع میں ایسا شخص بھیجے گا جو امت کے لیے دین کو از سرِ نو تازہ کر دے"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ اس کے راوی ہیں اور ہر "سو برس کے شروع سے" ہجرت نبوی کے حساب سے صدی کا ابتدائی زمانہ مراد ہے۔

تجدید دین کا مطلب | اور امت کے لیے دین تازہ کر دینے سے اُس بات کا زندہ کر دینا مراد ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ م پر عمل مٹ گیا ہے اور اُن کے احکام کے موافق حکم دینا کیونکہ شروع صدی پر بھیجے ہوئے۔

مجدد دین کی پہچان | اور دین کے مجدد کے لیے علماء کہتے ہیں کہ ایسا شخص ہونا لازم ہے جو علم میں مشہور اور فضل میں معروف اور دین میں مشار الیہ ہو اور یہ کہ آخر صدی تک زندہ رہے اور مجدد بغیر اس کے اور کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا کہ اُس کے ہمعصر علماء میں سے اُس کی حالتوں اور اُس کے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچنے کے اعتبار سے اُس کے متعلق گمان غالب قائم ہو جائے اس لیے کہ دین کے مجدد کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام ظاہر اور باطنی علوم دینی کا عالم، سنت کا حامی اور بدعت کا کھونے والا ہو اور یہ کہ اُس کا علم تمام اہل زمانہ کو عام ہو۔

ہر سو برس کے لیے تجدید دین کی ضرورت | اور یہ تجدید ہر سو برس کے شروع میں اس لیے ہوتی ہے کہ اس وقت عموماً علماء کم ہو جاتے ہیں اور سنتیں مٹ جاتی ہیں اور بدعتیں پھیل جاتی ہیں اس لیے اب دین کو تازہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پس اللہ تعالےٰ اگلے بزرگوں کے عوض میں خلق میں سے ایک یا کئی شخص پیدا کر دیتا ہے۔

نو ہجری صدیوں کے مجدد دین | پس پہلی صدی کے مجدد تو عمر بن عبد العزیز رضؓ تھے اور دوسری صدی کے امام شافعی رحؒ اور تیسری صدی کے ابن شریح رحؒ اور اشعری رحؒ اور چوتھی صدی کے باقلانیؒ اور پانچویں صدی کے امام غزالی رحؒ اور چھٹی صدی کے امام فخر الدین رازی رحؒ اور رافعی رحؒ اور ساتویں صدی کے ابن دقیق العید رحؒ اور آٹھویں صدی کے بلقینی رحؒ اور حافظ زین الدین رحؒ اور نویں صدی کے امام سیوطی رحؒ۔ اور دسویں صدی میں ظاہر نہیں ہوا۔ کہ کون ہے۔

ہر صدی کے شروع میں ایک ظالم بادشاہ اور مجدد دین ہوگا امام سیوطی رح نے کہا ہے اور اس حدیث کی طرح وہ ہے جو ثابت ہے کہ ہر صدی کے شروع میں ایک بادشاہ ہوگا۔

پہلی صدی کا فتنہ حجاج پس پہلی صدی میں حجاج ہوا جس کا ظلم اور فساد عام پھیلا ہوا تھا پس اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز رح سے اس کی تجدید کی۔

دوسری صدی کا مامون کا فتنہ خلق قرآن اور دوسری صدی پر مامون کا فتنہ ہوا جس سے معتزلہ نے مل جل کر مخلوقیت قرآن اور اس کے علاوہ اور اعتقادی بدعتوں کو سنوار کر دکھایا یہاں تک کہ اُس نے اس بارہ میں تمام اطراف کے علماء کا امتحان لیا اور جس نے اس بات کو قبول نہ کیا پس کسی کو مارا اور کسی کو قید اور حبس کیا اور کسی کو قتل کر دیا اور اس امت میں یہ سب سے بڑا فتنہ ہوا اور اس سے پہلے کسی خلیفہ نے کسی بدعت کی طرف نہیں بلایا پس اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں امام شافعی رح کو مقرر کیا پس آپ نے اپنے علوم سے زمین کو بھر دیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایسے شخص کے قتل اور تکفیر کا فتوے دیا ہے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو۔

تیسری صدی میں قرامطہ کا فتنہ اور تیسری صدی میں قرامطہ کا فتنہ اکثر شہروں میں پھیلا یہاں تک کہ وہ مکے میں گھس آئے اور حاجیوں کو مسجد حرام میں بری طرح سے قتل کیا اور لاشوں کو چاہ زمزم میں ڈال دیا اور حجر اسود کو گرز لگائے اور توڑ ڈالا پھر اُس کو اکھاڑ کر اپنے ملک کو لے گئے اور ان کے پاس بیس برس سے زیادہ رہا پھر ان سے تیس ہزار دینار کو خرید کیا گیا اور مکے میں لاکر پھر اسی جگہ لگایا گیا۔

چوتھی صدی میں حاکم بامر اللہ کا فتنہ اور چوتھی صدی میں حاکم بامر اللہ کا فتنہ ہوا اور اس کے فساد کی کچھ حد نہیں بلکہ وہ جتنے پہلے گذر چکے ہیں ان سب سے بدرجہا برا تھا کیونکہ اس نے لوگوں کو جب خطبہ میں اس کا نام آئے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اس سے پہلے جو کوئی بھی گذرے اُن میں سے کسی نے جب اُنکا نام آئے اپنے لیے سجدہ کا حکم نہیں دیا تھا۔

پانچویں صدی میں بیت المقدس پر فرنگیوں کا غلبہ اور پانچویں صدی میں فرنگیوں کا شام کے بہت سے شہروں پر غلبہ ہوا یہاں تک کہ وہ لوگ بیت المقدس میں گھس آئے اور صرف بیت المقدس میں ستر ہزار سے زیادہ لوگ قتل کر ڈالے اور لوگ فرنگیوں کے ظلم سے فریاد کرتے ہوئے شام سے عراق کو بھاگ گئے اور بیت المقدس ان کے قبضہ میں اکیانوے برس رہا یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ابن ایوب کے ہاتھوں اُن کے پنجے سے چھڑایا۔

چھٹی صدی میں فتنہ تاتار اور چھٹی صدی میں تاتاریوں کا نکلنا اور ان کے فساد کا پھیلنا ہے یہاں تک کہ علماء نے ان کے کفر کا حکم دیا اور اُن شہروں کے بارہ میں جن پر وہ غالب آگئے تھے اختلاف کیا کہ آیا وہ بلاد اسلام ہیں یا نہیں اور فرمایا کہ جو شہر آج کل اُن کے قبضہ میں ہیں کچھ

شک نہیں کہ وہ بلادِ اسلام ہیں کیونکہ وہ نہ دارالحرب سے متصل ہیں اور نہ اُن میں انہوں نے احکام کفر جاری کیے ہیں بلکہ جس شہر میں اُن کی طرف سے مسلمان حاکم مقرر ہے اُس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور خراج لینا اور قاضیوں کا مقرر ہونا اور یتیموں کا نکاح کرنا اس لیے جائز ہے کہ اُس شہر پر مسلمان کا غلبہ ہے اور اُس مسلمان کا ان کافروں کا مطیع ہونا یا بطور سمجھوتہ ہے یا بطریق فریب۔

دارالاسلام اور دارالحرب | اور جن شہروں پر کفار حاکم ہیں اُن میں بھی جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجائے گا اس لیے کہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جب تک ذرا بھی علت باقی رہے حکم باقی رہتا ہے اور ہم یہ حکم لگا چکے ہیں کہ یہ ملک تاتاریوں کے غلبہ سے پہلے دارالاسلام تھا اور اُن کے غلبہ کے بعد بھی اذان اور جمعہ اور جماعتیں اعلان کے ساتھ اور شریعت کے مطابق حکم اور فتوے لے ان کے بادشاہ کی ممانعت کے بغیر برابر جاری رہے پس اُن کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہیں اور علانیہ شراب کا بکنا اور ٹیکس اور جنگی کا تیاریوں کی طرح لینا بنی قریظہ کے مدینہ میں یہودیت ظاہر کرنے اور بتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حکم لینے کے قائم مقام ہے اور باوجود اس کے مدینہ طیبہ بلاشبہ دارالاسلام تھا پھر بے شک جو شخص ان میں سے کہے کہ میں مسلمان ہوں اور دونوں شہادت کے کلموں کی گواہی دے تو اُس کے مسلمان ہونے کا حکم دیا جائے گا لیکن خلاصہ میں ایک مسئلہ ہے اُس سے آگاہ کردینا واجب ہے۔

کفار کے قبضے میں دارالاسلام کے شہریوں کا حکم۔ | اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شہر والے اسلام کا دعوےٰ کرتے ہوں اور نماز پڑھتے ہوں اور روزہ رکھتے ہوں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوں اور باوجود اس کے بتوں کو پوجتے ہوں پس مسلمان اُن پر حملہ کریں اور اُن کو گرفتار کر لائیں اور ان قیدیوں میں سے کسی کو کوئی خریدنا چاہے تو اگر وہ اپنے بادشاہ کے غلام ہونے کا اقرار کرتے ہوں تو خرید لینا جائز ہے اور اگر اپنے بادشاہ کی غلامی کا اقرار نہ کرتے ہوں تو عورتوں اور بچوں کا خریدنا جائز ہے بڑے مردوں کا نہیں۔

قاضی خان اپنے فتاوے میں کہتے ہیں یہ اس لیے کہ انہوں نے جبکہ اسلام کا اقرار کیا پھر بُت پرستی کی تو وہ مرتد ہوگئے لہٰذا اُن کی عورتوں اور بچوں کا غلام اور لونڈی کر لینا جائز ہے اور بڑوں کا غلام کرنا جائز نہیں ہاں اگر اپنے بادشاہ کی غلامی کے قائل ہوں تو اب اُن کا غلام بنانا بھی جائز ہے پس جب قید کرنے والا اُن کا مالک ہوگیا تو اُس کا اُن کو بیچنا بھی جائز ہے۔

ساتویں صدی کا قحط | اور ساتویں صدی میں قحط اور وبا مصر اور شام کے شہروں میں بہت ہوئی اس قدر کہ گدھے اور خچر اور کتے کھا لیے گئے۔

آٹھویں صدی میں تیمور لنگ کا فتنہ | اور آٹھویں صدی میں تیمور لنگ کا فتنہ ہوا۔

نویں صدی میں سلطان سلیم خاں کا فتنہ ہوا | رہی نویں صدی تو علامہ ناصری رح کہتے ہیں کہ مجھے نہ کچھ شک ہے اور نہ مجھ کو کچھ شبہ ہے کہ نویں صدی کا فتنہ سلطان سلیم خان کا فتنہ ہے اور اپنے بھائیوں سے اُس کی لڑائیاں اور اُن کا اور اُن کی اولاد کا قتل کرنا پھر صاحب الشرف سے اُس کی لڑائیاں اور اُس کی قوت کا توڑنا اور مار ڈالنا اور اُس کا ملک چھین لینا پھر مصر کے لشکر سے مقابلہ کرنا اور وہاں کے سلطان کو اور بڑے بڑے امیروں کو قتل کرنا پھر مصر میں جا کر وہاں کے باشندوں کے ساتھ اُس نے افعال جو جو کئے۔

دسویں صدی کے فتنے | اور دسویں صدی میں بہت سے فتنے لگاتار ہوئے جو آج تک ختم نہیں ہوئے یہاں تک کہ اہل اسلام ایک دوسرے کے ساتھ ایک کے دوسرے کو قتل کرنے میں کفار کا سا معاملہ کرتے ہیں حالانکہ حضرت جریر رضؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ نہ ہو جاؤ تم میرے بعد کافر کہ بعضے بعضوں کی گردنیں مارنے لگو یعنی یہ کفار کا چلن ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرے سوائے مومنوں تم ایک دوسرے کے قتل کرنے میں اُن کے مشابہ نہ ہو اور تمہارے افعال مسلمانوں کی گردنیں مارنے میں اُن کے افعال سے مشابہ نہ ہوں۔

مسلمان قاتل ومقتول کا حکم | اور ابو بکرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان مقابل ہوں پھر کوئی اُن میں سے اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے اندر کھڑے ہیں پس جب ایک اپنے یار کو قتل کر دے گا تو دونوں دوزخ میں جائیں گے قاتل تو اپنے فعل کی وجہ سے اُس میں جائے گا اور مقتول اپنے بھائی کے قتل کی کوشش کی وجہ سے اس میں جائے گا جیسا کہ یہی جواب نبی علیہ السلام نے ایک اور حدیث میں دیا ہے اُس کو بھی ابو بکرہ رضؓ ہی نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان تلواریں لے کر مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں ابو بکرہ رضؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم قاتل تو قاتل ہے لیکن مقتول کا کیا قصور ہے فرمایا یہ بھی اپنے بھائی کے قتل کرنے پر حریص تھا۔

فتنوں کا دور اور فتنوں کی صورتیں | اور ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اُن فتنوں سے پہلے ہی اعمال جلدی سے کر لو جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے صبح کو آدمی مسلمان ہو گا اور شام کو کافر۔ اور شام کو مسلمان ہو گا اور صبح کو کافر اپنا دین اسباب دنیا کے عوض بیچ ڈالے گا۔

پس گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا عنقریب ایسے فتنے آئیں گے جیسے اندھیری رات کہ کوئی اُس سے مخلصی کا طریقہ نہ معلوم کر سکے گا اور اُس میں صاحب وظیفہ کو وظیفوں اور اوقات کی محافظت

کی قدرت رہے گی لہذا نیک اعمال جلدی سے کر لو اس سے پہلے کہ تم پر فتنے آجائیں اس لیے کہ فتنے آجانے کے وقت دو حال سے خالی نہیں یا تو مؤمنین کی دو جماعتیں لڑیں گی اور ہر ایک دوسرے کے خون اور مال کو حلال سمجھے گا پس اس عقیدے سے کافر ہو جائے گا اور یا یہ کہ فاسق لوگ غالب ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی خونریزی کریں گے اور ناحق اُن کے مال چھین لیں گے اور زنا کریں گے اور شراب پئیں گے اور ریشم پہنیں گے اور یہ اعتقاد کریں گے کہ ہم حق پر ہیں اور بعضے برے علماء اُن کے افعال کے جواز کا فتوے دیں گے۔

اور بسا اوقات چور کو اس خیال سے قتل کریں گے اور سولی چڑھائیں گے کہ اُس کو قتل کرنا اور سولی دینا جائز ہے اور اس اعتقاد سے کافر ہو جائیں گے اس لیے کہ چور کی حد قتل اور سولی نہیں ہے بلکہ چور کی حد ہاتھ کاٹنا ہے اس لیے کہ اللہ تعالے کا قول ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا " اور چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو" اور یہ اُسی بات کا ظہور ہے جو اللہ تعالے علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا اور گمراہی پھیل جائے گی

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ علم یوں نہیں اٹھائے گا کہ آدمیوں کے دل ہی سے نکال لے بلکہ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے پس اُن سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم فتوے دیں گے پس آپ بھی گمراہ ہوں گے اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں میں سے اس طرح نہ اُٹھائے گا کہ علماء کے سینوں سے بھلا دے اور اُن کے اندر سے آسمان پر لے جائے کیونکہ یہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جائز ہے لیکن یہ حدیث اسی نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالے علماء کی روحیں قبض کر کے علم کو اُٹھالے گا اور جب اللہ تعالیٰ علماء کی روح قبض کرلے گا اور کوئی عالم نہ چھوڑے گا تو جاہل باقی رہ جائیں گے پس لوگ اُن ہی کو علماء کی صورت ہونے کی وجہ سے قاضی اور مفتی بنائیں گے پھر اُن کا قاضی بدون علم کے فیصلہ کرے گا اور اُن کا مفتی بغیر علم کے فتویٰ دے گا پس خود گمراہ ہونے والے اور اوروں کو گمراہ کرنے والے ہوں گے۔

دمیری رح کہتے ہیں کہ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ علم کا اُٹھ جانے سے جو اور مطلق حدیثوں میں آیا ہے عالموں کے سینوں سے مٹ جانا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عالم سب مرجائیں گے اور لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے وہ اپنی جہالت سے حکم دیں گے اور اپنی حماقت سے فتوے دیں گے لہذا خود بھی اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور قرطبی رح نے کہا ہے کہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالے علماء کو اٹھالے گا اور

جاہل باقی رہ جائیں گے جو علماء کی تعلیم اور فتوے کی جگہ اپنے آپ ایک دوسرے کو یں دیں گے پس بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور بغیر علم کے سکھائیں گے اور جہل پھیل جائے گا۔

اور بے شک یہ ظاہر ہو چکا اور نبی علیہ السلام نے جو خبر دی تھی پائی جا چکی علم و عمل اٹھائے جانے کی پیشین گوئی پوری ہو چکی اور یہ بھی آنحضرت صلعم کی نبوت کی ایک دلیل ہے

پس یہ بھی آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہے خاص کر اس زمانہ میں ہاں اتنی بات ہے کہ ترمذی میں ابوالدرداء رضہ سے روایت آئی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اٹھالی جائیگی وہ عمل ہو گا۔

چنانچہ ابوالدرداء رضہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس آپ نے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھائی پھر فرمایا یہ وہ وقت ہے کہ جس میں لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا یہاں تک کہ علم میں کچھ قدرت نہ رہے گی، پس زیاد بن لبید انصاری رضہ نے عرض کیا علم ہم سے کیونکر چھین لیا جائے گا حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور یقیناً ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھائیں گے پس نبی علیہ السلام نے فرمایا اے زیاد تیری ماں تجھ پر روئے یہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے پاس ہے پھر ان کو کیا فائدہ ہوتا ہے۔

اور اس حدیث کے ظاہری معنی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو چیز اٹھ جائے گی وہ عمل ہے خود علم نہیں برخلاف اس کے جو پہلی حدیث سے ظاہر ہوا کہ وہ علم اٹھ جانے میں صاف ہے۔

اور بعضے کہتے ہیں ان دونوں میں کچھ اختلاف نہیں کیونکہ جب علماء کے مرنے سے علم جاتا رہے گا تو ان کے بعد جاہل رہیں گے اور جہالت سے فتویٰ دیں گے اور اسی پر عمل ہو گا پس علم اور عمل دونوں جاتے رہیں گے اور اگرچہ قرآن اور کتابیں لوگوں کے ہاتھ میں ہوں گی جیسے کہ یہود اور نصاریٰ ایسے ہی تھے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے زیاد سے فرمایا تجھ کو تیری ماں روئے یہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے پاس ہیں پس ان کو کیا فایدہ ہے کیونکہ ان کے علماء جب گذر چکے تو ان کے بعد جاہل آئے اور انہوں نے کتاب کی مخالفت کی اور اس کو بدل ڈالا پس معنی سے ناواقف رہ گئے اور جہل پر عمل کیا اور بغیر علم کے فتویٰ دیا لہذا علم اور عمل دونوں جاتے رہے اور صرف کتابیں ان کے پاس رہ گئیں جن سے ان کو کچھ فائدہ نہیں۔

ہم پر اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل کرنا آسان فرمائے۔

چوراسویں مجلس سلام کے طریقہ اور جو پہلے سلام کرے اُس کے افضل ہونے کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اولی الناس باللہ تعالیٰ من بدأ بالسلام۔ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اس کو ابوامامہؓ نے روایت کیا ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ رحمت الٰہی کا مستحق اور سب سے زیادہ رحمت سے قریب وہ ہے جو سلام پہلے کرے۔

سلام پہلے کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے۔ اور ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنا جواب دینے سے افضل ہے اور اسی طرف بعض علماء گئے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ جواب دینا افضل ہے کیونکہ جواب فرض ہے اور ابتداءً سلام کرنا سنت ہے لہٰذا فرض کا ثواب سنت سے زیادہ ہے اور اس کی فرضیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ”اور جب دعا دیئے جاؤ سلام سے تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی الٹ کر کہہ دو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر قول فَحَيُّوْا اور رُدُّوْا امر ہے ظاہر وجوب ہی ہے لہٰذا جواب سلام واجب ہوا لیکن سلام پر رحمت یا برکت کا ذکر بڑھا دینے اور چھوڑ دینے میں اختیار ہے پس جو شخص دوسرے کو سلام کرے اور کہے السلام علیک تو دوسرا جواب میں مختار ہے خواہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ رحمت اور برکت دونوں بڑھا کر کہے یا صرف وعلیک السلام بغیر دونوں کے بڑھائے کہے اور اتنی مقدار فرض ہے اور اس سے زیادہ کہنا افضل ہے۔

اور ردِ سلام سے یہ مراد نہیں ہے کہ یوں کہے تیرا سلام میں نے تجھ پر پھیر دیا بلکہ سلام کے برابر جواب دینا مراد ہے۔

سلام کا صحیح طریقہ ہے کیونکہ جب کسی کو سلام کرے تو کم سے کم مقدار جس سے سلام کی سنت ادا ہو جاتی ہے یہ ہے کہ السلام علیک الف لام کے ساتھ کہے اور اگر سلام علیک بدون الف لام کے بلکہ میم کی تنوین کے ساتھ کہے تو بھی درست ہے کیونکہ ایک دوسرے کا قائم مقام بن جاتا ہے اور ان دو طریقوں کے سوا درست نہیں ہے اور سلام نہ ہوگا اور بہتر یوں ہے کہ ایک شخص پر بھی سلام کرنے میں السلام علیکم الف لام کے ساتھ یا سلام علیکم بدون حرف تعریف کے بلکہ تنوین کے ساتھ دونوں صورتوں میں ضمیر جمع کے ساتھ کہے تاکہ اس پر اور اُس کے فرشتوں پر بھی سلام ہو جائے اس لیے کہ مسلمان اکیلا کبھی نہیں ہوتا

بلکہ اس کے ساتھ اصح قول کے مطابق پانچ فرشتے ہوتے ہیں ایک تو داہنی طرف جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک اس کے بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے اور ایک سامنے جو نیکیوں کی ہدایت کرتا ہے اور ایک اس کے پیچھے جو مکروہات سے بچاتا ہے اور ایک اُس کی پیشانی کے پاس جو درود کو لکھتا ہے جو نبی علیہ السلام پر پڑھے اور اُس کو حضورؐ کے پاس پہنچاتا ہے پس اُن پر بھی سلام میں شامل کرنا چاہیے۔ اپنے گھر جاکر سلام کرنا مستحب ہے اور جو شخص اپنے گھر میں جائے تو مستحب ہے کہ اپنے گھر والوں کو سلام کرے کیونکہ وہ اوروں کی نسبت سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اے بچے جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو اُن پر سلام کر تجھ پر اور تیرے گھر والوں پر برکت ہوگی۔

کسی سے ملتے وقت سلام کرنے کی اہمیت اور فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ جو کوئی کسی شخص کے دروازے پر آئے تو اُس پر واجب ہے کہ سلام سے پہلے اجازت چاہے پھر جب اندر جائے تو پہلے سلام کرے پھر بات چیت کرے اور اگر میدان میں ہو تو پہلے سلام کرے پھر بات کرے اور کسی بزرگ کی حکایت ہے جیسا کہ بستان العارفین میں مذکور ہے کہ اُن کا ایک دوست اُنکے سامنے آیا اور کہا آج کیسے رہے تو اُس سے اُن بزرگ نے کہا افسوس ہے تجھ پر یہ کیا کہا یہ کیوں نہیں کہا السلام علیکم تاکہ تجھ کو دس نیکیاں ملتیں اور میں تجھ کو جواب دیتا تو مجھے دس نیکیاں ملتیں پس جب بیس نیکیاں جمع ہو جاتیں تو پھر اُس وقت رحمت کے اُترنے اور مغفرت کے حاصل ہونے کی امید ہوتی۔

سلام کے لیے جھکنا مکروہ تحریمی ہے نوویؒ نے کہا ہے یہ حدیث صحیح ہے اس کے مخالف کوئی حدیث نہیں آئی اور نہ اس کی مخالفت کی گنجائش ہے اور اس کے اُن کرنے والوں کی کثرت سے بھی فریب میں نہ آنا چاہیے جو کہ عالم اور نیک کہلاتے ہیں کیونکہ پیروی صرف نبی علیہ السلام ہی کی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا "اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو" اور ایک اور روایت میں فرمایا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ "چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کا کہ پہنچے اُن کو کچھ خرابی یا پہنچے اُن کو عذاب سخت"

اور فضیل بن عیاضؒ نے ایک بات کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ اختیار کر اور چلنے والوں کا کم ہونا تجھ کو کچھ مضر نہیں اور گمراہی کے راستہ سے بچتا رہ اور ہالکین کی کثرت سے دھوکا نہ کھا۔

ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے رہا مصافحہ سو ملاقات کے وقت سنت ہے جیسا کہ

براء سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا نہیں کوئی دو مسلمان کہ ملیں اور مصافحہ کریں مگر دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی دونوں بخشے جاتے ہیں اور مستحب ہے کہ اس کے ساتھ چہرے پر خوشی اور مغفرت کی دعا ہو جیسا کہ براءؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا بیشک دو مسلمان جب ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور محبت اور خیر خواہی سے جمع ہوتے ہیں تو دونوں کے گناہ دونوں کے درمیان جھڑ پڑتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان مل کر مصافحہ اور اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مغفرت مانگتے ہیں تو اللہ دونوں کو بخش دیتا ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جس کو انس رضؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا نہیں کوئی ایسے دو شخص جو خدا کے لیے محبت رکھتے ہیں ایک دوسرے کے سامنے آئے پس مصافحہ کریں پھر مجھ پر درود بھیجیں مگر جدا نہیں ہونے پاتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ جو ہو چکے ہیں اور جو آیندہ ہوں گے سب بخش دیتا ہے۔

اور یہ مصافحہ ان میں سلام ہی کا بقیہ ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہارے آپس کے تحیۃ (یعنی سلام) کا کمال مصافحہ ہے اور تحیۃ سے مراد سلام ہے۔

سلام کے مشروع ہونے کی دلیل اور سلام کی اصل باری تعالیٰ کا یہ قول ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ۔

"اے ایمان والو نہ داخل ہو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوا یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کر لو اُن گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے لیے"

یعنی اجازت لینا اور سلام کرنا تمہارے لیے اچانک چلے جانے سے بہتر ہے اور زمانہ جاہلیت کا سلام یہ تھا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر کے سوا اور کے گھر میں جاتا تو کہتا حییتکم صباحا وحییتکم مساءً "میں نے تم کو دعا دی تم کو صبح کو اور دعا کی شام کو" اور داخل ہو جاتا تو اکثر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی لحاف میں پاتا۔

اور روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے کہا کیا اپنی ماں سے بھی اجازت لیا کروں آپ نے فرمایا ہاں اُس نے عرض کیا اُس کے پاس تو میرے سوا اور کوئی خادم نہیں ہے تو کیا جب جایا کروں اجازت لیا کروں آپ نے فرمایا کیا تو اُسے پسند کرتا ہے کہ اس کو ننگا دیکھے اُس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا تو پس اجازت لے لیا کرو۔

لعلکم تذکرون اس کلمہ کا متعلق محذوف ہے یعنی اس کا متعلق انزل علیکم یا قیل لکم ہے اور اس کے ساتھ مل کر اس کے معنے یہ ہوں گے کہ یہ حکم تم پر اس لیے نازل کیا گیا ہے

یا اس وجہ سے تم سے کہا گیا ہے کہ تم جن باتوں کی تمہیں ضرورت ہے اُن کے متعلق نصیحت حاصل کرو اور اُنہیں سیکھو فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ "پھر اگر کوئی اُس میں نہ ہو کہ تم کو اجازت دے تو مت گھسو اُس میں یہاں تک کہ تم کو اجازت ہو"

یعنی یہاں تک ٹھہرو کہ وہ شخص آجائے جو تم کو اجازت دے کیوں کہ اندر جانے سے ممانعت صرف عیوب پر اطلاع کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس بات پر اطلاع ہونے کی وجہ سے بھی ہے جس کو لوگ عادۃً چھپاتے ہیں نیز یہ کہ غیر کی ملک میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام ہے اور ضرورت کا پیش آنا جیسے آگ لگ جانا یا ڈوبنے لگنا یا اُس جگہ خلاف شرع امور کا ہونا وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ "پس اگر تم کو کہا جائے کہ پھر جاؤ تو لوٹ آؤ یہی تمہارے لیے پاکیزہ ہے" یعنی پلٹ آنا تمہارے لیے پاکیزہ ہے اور تمہارے دین کو زیادہ مفید ہے۔

پس جو شخص کسی گھر میں جائے تو اُس کو چاہیے کہ اُن لوگوں کو سلام کرے جو اُس میں موجود ہوں پس اگر کوئی وہاں نہ ہو تو اپنے اوپر اس طرح سلام کرے کہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ "پس جب جاؤ تم گھروں میں تو سلام کرو اپنے اوپر" پس یہ آیت ان دونوں باتوں کو چاہتی ہے ایک اہل خانہ کو اگر وہاں موجود ہوں سلام کرنا۔ اور دوم اپنے آپ کو اگر ان میں سے کوئی نہ ہو سلام کرنا

سلام کا ضروری جواب اور کم سے کم جس سے سلام کا جواب ادا ہو جاتا ہے وعلیک السلام ہے واؤ عطف کے ساتھ یہاں تک کہ اگر واؤ کو چھوڑ دے گا تو جواب نہ ہوگا اس لیے کہ شریعت میں جواب واؤ ہی کے ساتھ آیا ہے پس اگر اس کو چھوڑ دیا تو صرف علیک السلام کا کچھ اعتبار نہیں اور بدون اس کے فرض ساقط نہ ہوگا۔

کامل سلام اور کامل سلام یہ ہے کہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص صرف السلام علیکم کہے اُس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اُس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان کر دیا کہ صرف سلام میں دس نیکیاں ہیں اور اُس کے ساتھ رحمت کے ملا لینے میں بیس نیکیاں ہیں اور اس کے ساتھ برکات کے ملا لینے میں تیس نیکیاں ہیں اور یہ انتہائی درجہ ہے کیونکہ یہ تمام قسم کے مقصدوں کو شامل ہے یعنی ضرر سے سلامتی اور منفعت کا پانا اور اُن کا ہمیشہ رہنا اور بڑھتا رہنا اور اس سے بڑھانا نہ چاہیے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ ہر چیز کی ایک انتہا ہے

اور سلام کی انتہا ذکر برکات ہے۔

سلام کرنے اور اس کا جواب دینے میں حقِ سنت پھر جاننا چاہیے کہ جو شخص کسی پر سلام کرے تو حق سنت جب ادا ہو گا کہ اس قدر آواز بلند کرے جس سے دوسرا سن لے اور اگر دوسرے نے اس کو نہ سنا تو حقِ سلام ادا کرنے والا نہ ہوا لہٰذا جواب دینا بھی واجب نہیں اس واسطے کہ کسی چیز کے لیے حکم ثابت ہونے میں اس چیز کا جاننا شرط ہے پس جب سلام کی خبر نہ ہوئی تو جواب فرض نہیں ایسے ہی جو شخص سلام کا جواب دیتا ہے تو وہ فرضیتِ جواب کا ادا کرنے والا جب ہی ہو گا کہ آواز اس قدر بلند کرے جس سے سنانا متحقق ہو پس اگر سنانا متحقق نہ ہوا تو فرضیتِ جواب ساقط نہ ہو گی کیونکہ جو شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو اس پر جواب فرض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہو گا۔

ایک جماعت کو سلام کیا گیا تو سب پر جواب دینا فرض ہو گیا اور جس نے ایک جماعت کو سلام کیا تو اُن سب پر جواب فرض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر سب نے جواب چھوڑ دیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے جواب دے دیا تو باقی لوگوں کے ذمہ سے فرض اتر گیا لیکن افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں اور اگر اُن میں کوئی لڑکا ہو اور اُس لڑکے کے سوا کسی نے جواب نہ دیا تو اُن سے فرض نہ اُترے گا اس لیے کہ لڑکے پر فرض نہیں ہے اور جواب میں شرط ہے کہ فوراً ہو یہاں تک کہ اگر دیر کرے گا تو جواب شمار نہ ہو گا اور اُس شخص کو جو کسی ایک شخص کو سلام کرے اور اُس کو سلام سُنا دے اور اُس کے ذمہ جواب شرائط کے موافق لازم آ جائے پھر بھی وہ جواب نہ دے یہ مستحب ہے کہ اپنی طرف سے معاف کر دے پس یہ کہے کہ میں نے اُس کو اپنا حق سلام کے جواب کا معاف کیا یا میں نے اپنی طرف سے اُس کو معاف کیا یا اسی طرح کے اور کلمات پس جب یہ کہہ دے گا تو اس شخص سے اُس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

سلام کرنا سنت کفایہ اور جواب دینا فرض کفایہ ہے اور جب کوئی جماعت کسی گروہ کے پاس آئے تو سب کے لیے مسنون یہ ہے کہ سلام کریں اور سلام کا چھوڑ دینا اُن کو مکروہ ہے پس اگر بعضوں نے سلام کر لیا تو باقی لوگوں سے کراہت ساقط ہو جائے گی کیونکہ سلام کرنا سنت کفایہ ہے جیسے کہ جواب دینا فرض کفایہ ہے، چنانچہ زید بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی جماعت کسی جماعت پر گزرے اور ایک شخص اُن میں سے سلام کرے تو سب کو کافی ہے اور اگر ایک شخص اُن میں سے جواب دیدے تو سب کی طرف سے کافی ہے۔

ایک چھوٹی جماعت کو سلام اور جواب اور جب کوئی شخص کسی ایسی چھوٹی جماعت کے پاس آئے کہ ایک سلام اُن سب کو پہنچ سکتا ہو تو ایک ہی سلام اُن سب کو کافی ہے اور اگر کسی خاص

شخص کو دوسرا سلام کرے تو یہ مستحب ہے اور جواب میں کافی ہے کہ ایک شخص اُن میں سے جواب دیدے پس اگر ان میں سے کسی نے دوسرا جواب بھی دیا تو یہ مستحب ہے۔

بڑی جماعت کو سلام کا طریقہ | اور اگر بڑی جماعت ہو کہ ایک سلام سب تک نہ پہنچ سکے جیسے جامع مسجد اور بڑی مسجد تو سنت یہ ہے کہ جن سے ملتا جائے اُن کو سلام کرتا جائے اور اس کو جو کوئی سن لے گا یہ اُن سب کا حق سلام ادا کرنے والا شمار ہوگا۔

جماعت میں بیٹھنے کے لیے سلام | پھر اگر ان لوگوں میں بیٹھنا چاہے تو اس کے ذمہ سے اُن بقیہ لوگوں کی سنت سلام ساقط ہوگئی جنہوں نے نہیں سُنا ہے اور اگر خود ان لوگوں میں بیٹھنا چاہے جنہوں نے سلام نہیں سُنا ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان پر سلام کرنے کی سنت پہلوں پر سلام کرنے سے ادا ہوگئی کیونکہ یہ سب ایک ہی جماعت ہے پس اگر اُس نے اُن کو بھی دوبارہ سلام کر لیا تو یہ مستحب ہے اور دوسری صورت یہ کہ اُن لوگوں کا حق سنت سلام جن تک اس کا سلام نہیں پہنچا ہے باقی ہے۔

سلام کا مسنون طریقہ | اور مسنون یہ ہے کہ سوار پیادہ کو سلام کرے اور چلتا ہوا بیٹھے کو اور چھوٹا بڑے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو اور اگر اس کے خلاف کیا اور پیادہ نے سوار کو سلام کیا یا بڑی جماعت نے چھوٹی جماعت کو اور بڑے نے چھوٹے کو تو مکروہ نہیں ہے بلکہ اپنے اس حق کا تارک ہوگا کہ دوسرا اس کو سلام کرتا۔

سلام کرنے سے ممانعت کے مواقع | اور جو شخص قرآن کی تلاوت کرنے والے پر گذرے تو اُس کو سلام نہ کرنا چاہیے تاکہ تلاوت سے اُس کا دل نہ بٹ جائے پس اگر اُس نے اُس کو سلام کر لیا تو بعضے کہتے ہیں اُس پر جواب دینا واجب نہیں اور بعضے کہتے ہیں واجب ہے اور اسی کو فقیہ ابو اللیث رحؒ نے اختیار کیا ہے۔

اور جس کا ایسے شخص پر گذر ہوا جو پاخانہ میں ہے اور پاخانہ پھرتا ہے یا پیشاب کرتا ہے تو چاہیے کہ اس حالت میں اُس کو سلام نہ کرے پس اگر اُس کو سلام کر لیا تو امام ابو حنیفہ رحؒ کہتے ہیں کہ وہ شخص دل سے جواب دے زبان سے نہ دے اور ابو یوسف رحؒ کہتے ہیں نہ دل سے جواب دے نہ زبان سے اور نہ فراغت کے بعد اور امام محمد رحؒ کہتے ہیں فراغت کے بعد جواب دے۔

اور خطبہ کے وقت کسی کو سلام نہ کرے پس اگر کسی نے خطیب کے خطبہ پڑھتے ہوئے سلام کیا تو سُننے والے پر جواب واجب نہیں ہے۔

جُدا ہوتے وقت سلام کا وہی حکم جو ملاقات کے وقت ہے | اور جو شخص کسی جماعت میں بیٹھا تھا پھر جانے کے لیے کھڑا ہوا تو سنت یہ ہے کہ اُن کو سلام کرے جیسا کہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے

کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے پھر جب اٹھنے لگے تو سلام کرے کیونکہ پہلے سلام کو دوسرے سے کچھ فوقیت نہیں۔

امام نووی رح کہتے ہیں کہ بظاہر یہ حدیث اس بات کو چاہتی ہے کہ اس جماعت پر اس شخص کو جواب دینا واجب ہے جسے سلام کیا ہے اور جدا ہوا ہے۔

اور بعضے علماء کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کو جماعت سے رخصت ہوتے وقت سلام کرنے کی عادت ہے اور رخصت ہوتے وقت سلام کرنا (سلام تو نہیں) دعا ہے جواب دینا مستحب ہے ورنہ سلام تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے نہ رخصت ہوتے وقت۔

اور امام ابوبکر شافعی رح نے اس بات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ سلام جیسے ملتے وقت سنت ہے ایسے ہی رخصت ہوتے وقت سنت ہے چنانچہ اس پر حدیث سابق دلالت کرتی ہے۔

خط یا قاصد کے ذریعہ سلام کا حکم | اور جس نے کوئی خط لکھا اور اس میں کسی کو سلام لکھ دیا یا کسی کو قاصد کی زبانی سلام کہلا بھیجا پس اس شخص کو خط یا زبانی سلام پہنچا تو اس پر فوراً جواب واجب ہے اس لیے کہ غائب کو سلام یا بذریعہ قاصد ہوتا ہے یا بذریعہ خط لہٰذا اس پر لازم ہے کہ ویسا ہی جواب دے یا اس سے بہتر۔

قاصد کے ذریعہ سلام پہنچنے کے جواب کا طریقہ | لیکن جاننا چاہیے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا سلام پہنچایا تو پہلے کو لازم ہے کہ دونوں کو سلام کا جواب دے اور یوں کہے علیک وعلیہ السلام جیسا کہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا باپ آپ کو سلام کہتا ہے سو نبی علیہ السلام نے فرمایا علیك وعلى ابيك السلام۔ تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام۔

کثرت سلام مستحب ہے | اور جس نے کسی کو سلام کیا پھر اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی یا دوبارہ دیکھا تو مستحب ہے کہ اس کو دوبارہ سلام کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب مسجد میں تشریف لاتے تو اپنے اصحاب کو سلام کرتے پھر جب منبر پر چڑھتے اور ان کی طرف متوجہ ہوتے تو دوبارہ سلام کرتے اور ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی سے ملے تو سلام کرے پھر اگر ان دونوں کے درمیان میں درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملے تو پھر سلام کرے اور رسول اللہ علیہ السلام کے اصحاب جب راستہ چلتے اور ان کے آگے کوئی درخت آجاتا تو اس سے گذر کر آپس میں سلام کیا کرتے۔

دو شخص بیک وقت سلام کریں تو دونوں پر جواب دینا واجب ہے | اور جب دو شخص ملیں اور دونوں میں سے ہر ایک دفعۃً یا بترتیب السلام علیکم کہے تو علماء کا مقولہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کو

سلام کیا اور یہ جواب کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ ہر ایک کو جواب دینا واجب ہے اور جیسا کہ نوویؒ نے بیان کیا ہے ٹھیک یہ ہے کہ ایک کا سلام اگر دوسرے کے سلام کے بعد ہو تو جواب ہو گیا اس لیے کہ اس لفظ میں جواب کی صلاحیت ہے ورنہ نہیں۔

زندوں کو مردوں والا سلام کرنے کی ممانعت اور جو شخص کسی سے ملا اور پہلے ہی کہا علیکم السلام تو یہ سلام نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ جواب کا مستحق نہیں کیونکہ یہ لفظ شرع میں جواب کے واسطے مقرر ہے ابتدائے سلام کے واسطے نہیں لہذا زندوں پہ سلام کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ یہ مردوں کا سلام ہے جیسا کہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا علیک السلام یا رسول اللہ پس نبی علیہ السلام نے فرمایا علیک السلام نہ کہو علیک السلام مُردوں کا سلام ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ لفظ ایسا نہیں ہے جس سے زندوں کو سلام کیا جائے بلکہ اس سے مُردوں پہ سلام کرتے ہیں کیونکہ زندوں کے واسطے شریعت نے سلام کی اور عبارت مقرر کی ہے اور جواب کے واسطے اور عبارت لہذا جو لفظ جواب کے واسطے مقرر ہوا ہے اُس کو سلام کی جگہ استعمال کرنا اچھا نہیں۔

مُردوں کو دونوں طرح سلام جائز ہے اور مردوں کے ذمہ چونکہ جواب نہیں ہوتا لہذا ان کے حق میں دونوں لفظوں سے سلام برابر ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام قبر والوں پہ اپنے اس لفظ سے سلام کرتے تھے کہ السلام علیکم دیار قوم مومنین۔

بہرے کو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کا طریقہ اور جو شخص بہرے کو سلام کرے تو اُس کو مستحب ہے کہ زبان سے سلام کرے کیونکہ یہ اس پر قادر ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرے تاکہ وہ سمجھ سکے اور جواب کا مستحق بنے اور اگر دونوں جمع کر کے سلام نہ کرے گا تو جواب کا مستحق نہ ہوگا اور اگر بہرہ اُس کو سلام کرے اور یہ اس کو جواب دینا چاہے تو لازم ہے کہ زبان سے جواب ہے کیونکہ یہ اس پر قدرت رکھتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کر دے تاکہ وہ سمجھ جائے اور اس کے ذمہ سے جواب اتر جائے

گونگے کو سلام اور جواب اور اگر گونگے کو سلام کیا اور اُس گونگے نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو اُس سے فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ اس پر قادر ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرے تاکہ وہ سمجھ سکے اور جواب کا مستحق بنے اور اگر دونوں جمع کر کے سلام نہ کرے گا تو جواب کا مستحق نہ ہوگا اور اگر بہرا اس کو سلام کرے اور یہ اس کو جواب دینا چاہے تو لازم ہے کہ زبان سے جواب کہے کیونکہ یہ اس پر قدرت رکھتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کر دے تاکہ وہ سمجھ جائے اور اس کے ذمہ سے جواب اتر جائے

گونگے کو سلام اور جواب اور اگر گونگے کو سلام کیا اور اُس گونگے نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو اُس سے فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ اُس کا اشارہ بولنے ہی کے قائم مقام ہے اور گونگا اُس کو

اشارہ سے سلام کرے تو وہ جواب کا مستحق ہے۔

عورتوں کے آپس میں اور مردوں کے ساتھ سلام اور اس کے جواب کا مسئلہ اور عورتیں آپس میں سلام کے بارے میں مردوں ہی کی طرح ہیں لیکن مرد جب کسی عورت کو سلام کرے تو اگر وہ عورت اُس کی بیوی یا لونڈی یا اُس کی محرم ہو جب تو اس عورت پر جواب دینا ضروری ہے اور اگر اجنبی ہے اور جوان تو اُس عورت کو جواب دینا جائز نہیں اور اُس مرد کا سلام اس پر بیجا ہے ایسے ہی عورت اگر کسی مرد کو سلام کرے تو اگر وہ عورت اس کی بیوی یا لونڈی یا اس کی محرم یا ایسی بوڑھی ہو جس سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے تو مرد پر جواب دینا فرض ہے اور اگر جوان ہے کہ جس کی طرف نفس مائل ہوتا ہو تو جواب دینا مکروہ ہے اور اُس مرد پر عورت کا سلام کرنا بیجا ہے۔

نابالغ لڑکوں کو سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے اور رہے نابالغ لڑکے پس سنت یہ ہے کہ اُن پر سلام کرے اس لیے کہ حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ چند لڑکوں کے پاس سے گذرے تو اُن کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی علیہ السلام بھی کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ کچھ لڑکوں کے پاس سے گذرے تو آپ نے اُن کو سلام کیا اور اگر کوئی لڑکا کسی بالغ کو سلام کرے تو صحیح یہ ہے کہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا کہ جب دعا دئے جاؤ سلام سے تو تم اُس سے بہتر جواب دو۔

بدعتی وغیرہ کو سلام کی ممانعت اور رہے بدعتی لوگ اور وہ جس نے کبیرہ گناہ کیا ہو اور اُس سے توبہ نہ کی ہو تو چاہیے کہ نہ اُن کو سلام کرے اور نہ اُن کے سلام کا جواب دے۔

شطرنج کھیلنے والے کو سلام کا مسئلہ اور بزازی رح نے کہا ہے کہ شطرنج کھیلنے والے کو امام صاحب کے نزدیک سلام کرے تاکہ تھوڑی دیر اُس کو شطرنج سے جدا رکھے اور صاحبین رح کے نزدیک ایسا نہ کرے اس لیے کہ کھلے طور سے اپنے اعتقاد کے فسق کو ظاہر کرنے والا اگرچہ مجتہد ہو عزت کا حق نہیں ہے۔

ظالم کو سلام کرنے کا طریقہ اور نووی رح نے کہا ہے جو شخص ظالموں کو جب اُن کے پاس جائے سلام کرنے پر مجبور ہو اور یہ ڈر ہو کہ سلام نہ کرے گا تو میرے دین یا دنیا کا کچھ نقصان ہو جائے گا تو اُن کو سلام کرے اور یہ نیت رکھے کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تاکہ یہ معنی ہو جائیں کہ اللہ تم پر نگہبان ہے لہٰذا تم جس کے مستحق ہو وہ سزا دے گا۔

ذمی کافر کو سلام کا مسئلہ اور رہے ذمی کافر لوگ پس مسلمان کو ان کو پہلے سلام کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کیا کرو۔ قاضی خان نے اپنے فتاوے میں کہا ہے یہ جب ہے کہ مسلمان کی اُس سے کوئی غرض نہ ہو اور اگر کوئی غرض ہے تو اُس کو سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

معلوم نہ ہونے کے سبب کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ اور جس نے کسی ایسے شخص کو سلام کیا جس کو پہچانتا نہ تھا پھر ظاہر ہوا کہ وہ کافر ہے تو مستحب یہ ہے کہ اُس سے اپنا سلام پھیر لے پس یوں کہے کہ میرا سلام مجھ کو واپس کر دے کیونکہ روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضہ نے ایک شخص کو سلام کیا پس کسی نے کہا کہ یہ تو یہودی ہے تو آپ اُس کے پیچھے گئے اور فرمایا کہ میرا سلام مجھ کو پھیر دے۔

ذمی کے سلام کا جواب دینے کا طریقہ اور اگر کوئی ذمی مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان کو چاہیے کہ اُس کے جواب میں لفظ علیک سے زیادہ نہ کہے اس لیے کہ انس رضہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو کہو وعلیکم۔

خطابی رحہ نے کہا ہے کہ تمام محدثین اُس کو اسی طرح وعلیکم واؤ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور سفیان بن عیینہ رحہ علیکم بلا واؤ کے روایت کرتے ہیں اور یہی ٹھیک ہے اس لیے کہ بغیر واؤ ہونے کی صورت میں جو کچھ انھوں نے کہا ہے بعینہ اُن پر لوٹ جائے گا اور واو کے ساتھ کہنے میں ان کے ساتھ شرکت ہو جائے گی اور جو کچھ انھوں نے کہا ہے اُس میں شمول ہو جائے گا اس لیے کہ واو حرف عطف دو چیزوں کو جمع کر دیتا ہے۔

اور نووی رحہ نے کہا ہے کہ اہل کتاب کو جواب دینا لازم ہونے پر سب علماء متفق ہیں لیکن سلام کا لفظ نہ کہے بلکہ بغیر اس کے وعلیکم واو کے ساتھ یا علیکم بغیر واو کے کہے اس لیے کہ حدیثیں واو کے ساتھ اور بدون واو کے دونوں طرح آئی ہیں اور واو کا قائم رکھنا زیادہ ثابت ہے تو اب اس کے معنی کی تاویل میں دو صورتیں ہیں ایک تو واو کا عطف اور شرکت کے لیے ہونا کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں کو السام علیکم کہا کرتے تھے اور سام کے معنی موت کے ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ ہم اور تم اس میں برابر ہیں سب ہی مریں گے اور دوسرے واو کا استیناف کے لیے ہونا نہ عطف اور شرکت کے لیے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہم بھی تم کو وہی کہتے ہیں جو تم نے کہا ہے یا جس کے تم مستحق ہو یا جو تم ہمارے لیے چاہتے ہو۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ اگر اُن کی طرف سے ہم پر بد دعا کا اشارہ نہ ہو تو اُن کے جواب میں واؤ کا قائم رکھنا اُن کے لیے اسلام کی دعا ہوگی کیونکہ دونوں جہان میں سلامتی اسی بات پر موقوف ہے۔

پچپاسویں مجلس اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دینے کے بیان میں

مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنے کی ممانعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیرھما الذی یبدء بالسلام "کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین رات سے زیادہ چھوڑ دے کہ دونوں ملتے ہیں تو یہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور وہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور ان دونوں میں سے اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کرے"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ اپنے صریح معنی کے لحاظ سے مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دینے کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے اور تین دن تک چھوڑنے کے جائز ہونے پر اپنے مفہوم سے دلالت کرتی ہے نہ صریح معنی سے پس جو شخص مفہوم کو حجت مانتا ہے اُس کو یہ کہنا جائز ہے کہ چونکہ غصہ اور بدخلقی انسان کی پیدائشی بات ہے لہٰذا تین دن کی اجازت کم مقدار ہونے کی وجہ سے دے دی گئی تاکہ اُس کا غصہ اُتر جائے اور اس سے زیادہ کی اجازت زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں دی گئی۔

پس نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ملتے ہیں تو یہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور وہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے یہ چھوڑ دینے کی کیفیت کا بیان ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ دونوں میں سے اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کرے یہ جدائی کے ترک پر ابھارتا ہے کیونکہ جمہور کے مذہب کے موافق سلام سے جدائی جاتی رہتی ہے۔

بھائی سے مراد دینی بھائی ہے اور لفظ بھائی کا خاص طور سے ذکر کرنا (ترک ہجران کی) علت بیان کرتا ہے اور بھائی سے مراد دین کا بھائی ہے قرابت کا نہیں جس کی دلیل دوسری حدیث میں نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ مسلمان کو حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو تین رات سے زیادہ چھوڑ رکھے پس بے شک یہ دونوں اس وقت تک حق سے علیحدہ ہیں جب تک جدائی پر ہیں اور اُن میں سے پہلے باز آنے والے کے لیے اُس کی سبقت ہی کفارہ ہو جائے گی۔

صلح کی اہمیت اور ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا پیر اور جمعرات کے روز جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں پس ہر ایک وہ بندہ بخش دیا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو سوائے اُس شخص کے کہ اُس میں اور اُس کے بھائی میں عداوت ہو پس ارشاد ہوتا ہے ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا لوگوں کے اعمال ہر جمعہ (یعنی ہفتہ) میں دو بار پیش کئے جاتے ہیں پیر کے دن اور جمعرات کے دن پس ہر بندۂ مومن بخش دیا جاتا ہے مگر وہ بندہ کہ اُس کے اور اس کے بھائی کے درمیان رنج ہو پس ارشاد ہوتا ہے اُن کو رہنے دو یہاں تک کہ رجوع کر لیں اور جمعہ سے ہفتہ اس دلیل سے مراد ہے کہ نبی علیہ السلام نے اُس کی تفصیل پیر اور جمعرات کے

دن سے اس طریقہ پر کی ہے جیسے کسی چیز کا آخری جزء بیان کیا جائے اور کل شئی مراد ہو۔
اور شحنا کے معنی دشمنی کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کی بخشش کو چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ دونوں دشمنی سے دوستی کی طرف لوٹیں کیونکہ دینی بھائی ہونا دوستی کو مقتضی ہے اور عداوت کے منافی ہے کیونکہ سب مومن اس لحاظ سے بھائی بھائی ہیں کہ وہ سب ایک اصل کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہ باپ ہے جو حیات فانی کا سبب ہے۔

دین کی بھائی بندی نسلی بھائی بندی سے قوی ہے

پس دین کی بھائی بندی نسب کی بھائی بندی سے زیادہ قوی ہے اس لیے کہ نسب کی بھائی بندی جب دینی بھائی بندی سے خالی ہو تو اُس کا اعتبار نہیں ہوتا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مسلمان اگر مر جائے اور اس کا بھائی کافر موجود ہو تو اس مسلمان کا مال مسلمانوں کو ملے گا کافر بھائی کو نہ ملے گا۔
پس اس بنا پر مسلمان پر واجب ہے کہ اُن باتوں کو چھوڑ دے جو اُس دینی بھائی ہونے کے منافی ہیں جو دوستی کو واجب اور دشمنی کو دور کرتی ہیں جیسا کہ۔

دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنے والا دوزخ میں جائے گا

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے اور جو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہا پھر وہ مر گیا تو دوزخ میں جائے گا یعنی وہ اس کا مستحق ہے کہ دوزخ میں جائے کیونکہ گنہگاری کی حالت میں بغیر توبہ کے مرا ہے اور اس طرح مرنا دوزخی ہونے کو چاہتا ہے۔

دینی سبب سے چھوڑ دینا واجب ہے

اور یہ جب ہے کہ چھوڑ دینا کسی دنیاوی سبب سے ہو جیسے ہم جلیسی اور آپس کے تعلقات کے حقوق میں کوتاہی کرنا لیکن اگر دینی حق یعنی فسق اور گناہ کی وجہ سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی جائز ہے کیونکہ گنہگاروں کا اُس وقت تک کے لیے چھوڑ دینا کہ وہ گناہ چھوڑ دیں جائز ہے اور اُن کی توبہ ظاہر ہو جائے کیونکہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ " تو نہ پائے گا اُن لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر (یعنی قیامت پر) کہ دوستی کرتے ہوں ایسوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں اُن کے گھرانے والے"۔
پس اس آیت نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ جو لوگ گناہ اور برائیاں کرتے ہوں اُن کا چھوڑ دینا واجب ہے اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں خاص کر ایسے لوگوں کو جو غیروں پر ظلم اور خدا کی نافرمانی

کرتے ہوں کیونکہ ایسے شخص سے اعراض نہ کرنا اُس پر احسان کرنا ہے اور ایسے پر احسان کرنا اچھا نہیں ہے کیونکہ اس پر احسان کرنا مظلوم کے ساتھ بدی کرنا ہے اور مظلوم کے حق کی رعایت کرنا اولیٰ ہے اور اُس کے دل کو ظالم سے اعراض کر کے قوی کرنا ظالم کا دل قوی کرنے کے بہ نسبت اللہ کو زیادہ پسند ہے اور خود نبی علیہ السلام نے اُن تین شخصوں کو چھوڑ دیا تھا جو جنگ تبوک سے بیٹھ رہے تھے اور اُن سے پچاس دن تک نہیں بولے تھے اور لوگوں سے بھی اُن کو چھوڑ دینے کو فرما دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ کی آیت نازل فرمائی۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے جب صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا تو زینب سے فرمایا تو اُس کو اونٹ دیدے اور اُن کے پاس اونٹ زیادہ تھے پس زینب نے کہا میں اُس یہودیہ کو دوں گی؟ پس نبی علیہ السلام عفصّہ ہو گئے اور ان کو تمام ذی الحجہ اور محرم اور چند روز سفر میں چھوڑے رکھا۔

چھوڑ دینے کی زیادہ سے زیادہ مدت جو بزرگوں سے ثابت ہے علماء کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ مدت ترک حدیث میں نہیں ملتی لیکن اگلے بزرگوں سے کسی دینی بُرائی پر اپنے مسلمان بھائی کو ایک برس اور دو برس چھوڑ دینا بھی پایا گیا ہے اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے ملاقاتی کو ایسی حالت میں تمام عمر کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو اس بارہ میں جب تک وہ شخص جس کو چھوڑ دیا ہے اپنی حرکتوں سے باز نہ آگیا بے قصور جانتے تھے۔

اور امام احمد رح بھی اُنہیں لوگوں میں سے ہیں جو گناہ کرنے والوں اور بُرے افعال کرنے والوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے ایک ہم جلیس کو جو اُن سے پڑھتا تھا چھوڑ دیا تھا اور وہ آتا جاتا تھا لیکن آپ اُس سے بات نہ کرتے تھے پس وہ ہمیشہ اپنے اس تغیر حال کو پوچھتا رہتا اور آپ کچھ نہ کہتے آخر ایک روز فرمایا کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ تو نے اپنے گھر کی دیوار شارع عام کی طرف لیپی ہے سو تو نے گارے کی موٹائی کے برابر مسلمانوں کے شارع عام سے لے لی ہے لہذا تو علم سیکھنے کے لائق نہیں ہے۔

اور ابن عمر رض نے اپنے ایک بیٹے کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

دین کے لیے چھوڑ دینے کی اصل وجہ اور اس کی اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی بری بات پر مطلع ہو اور اپنے ہاتھ اور زبان سے منع کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور بیزاری کے علامات ظاہر کر سکتا ہو تو اُس کو یہی لازم ہے اس لیے کہ مومن کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی کو بُری بات پر قرابت یا دوستی اور محبت کی وجہ سے رہنے دے کیونکہ اس کی دوستی اور محبت تو یہ بات واجب کرتی ہے کہ اُس کو نظر رحمت سے دیکھے اور بُرائی پر اُس کی پیش قدمی کو اپنے اوپر مصیبت سمجھے اور اُس کے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہونے سے مغموم اور رنجیدہ ہو اور منع کر کے اُس سے اُس کے بچانے کا قصد

کرے اس لیے کہ انکار نہ کرنا اور کچھ نہ بولنا اس پر رحمت کا مقتضا نہیں بلکہ اُس کے حق میں کمال رحمت ایسے کام سے منع کرنا اور طریق درست اور راہ راست پر اس کو لانا ہی ہے ورنہ اس کی یہ دوستی قیامت کے دن دشمنی بن جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ" دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ" کیونکہ خود غیر متقی دوست اُس دن کہے گا خرابی ہو میری کاش میں فلانے کو دوست نہ بناتا کاش میرے اور اس کے درمیان مشرق مغرب کے برابر دوری ہوتی۔

آدمی کا حقیقی دوست اور دشمن پس آدمی کا دوست وہ ہے جو اُس کی آخرت کی درستی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اُس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اُس کا دشمن وہ ہے جو اُس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے۔ اگرچہ اس میں اُس کی دنیا کا فائدہ ہو اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ " مدد کرو آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو گناہ اور زیادتی پر "

برائی سے نہ روکنے والے کا آخرت میں انجام اور اس میں شک نہیں کہ جس نے کسی اپنے مسلمان بھائی کو بُرے کام پر دیکھا اور اس سے اُس کو منع نہ کیا تو بے شک اس کو اُس بُرائی پر چھوڑ دیے اور اس پر اعتراض نہ کرتے سے اس کی اس بُرائی میں امداد کی اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی دوسرے آدمی کا دامن گیر ہوگا اور وہ اُس کو پہچانتا نہ ہوگا تو وہ اُس سے کہے گا تجھے کیا ہوا کہ مجھ سے اُلجھتا ہے میں نے تو تجھ کو کبھی دیکھا بھی نہیں تو وہ کہے گا ہاں تو نے بے شک مجھ کو ایک دن بُرے کام پر دیکھا تھا اور اصلاح نہیں کی تھی۔

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوگا اور اُس کے ہم نشینوں کے لیے بھی یہی حکم ہوگا پس وہ لوگ کہیں گے ہماری کیا خطا ہے تو اُن سے کہا جائے گا کیا تم اس کو اچھے کام کا حکم کیا کرتے تھے کیا اس کو بُرائی سے، منع کیا کرتے تھے تو وہ کہیں گے نہیں پس حکم ہوگا کہ اُس کے ساتھ اُن کو بھی دوزخ میں لے جاؤ اور یہ بڑی مشکل بات ہے اس سے بہت کم بچاؤ ہو سکتا ہے اس لیے کہ اکثر بُرائیاں ہر زمانہ میں ظاہر ہوا کرتی ہیں اور اُن کی اصلاح نہیں کی جاتی ہے بلکہ اُن سے اس لیے سکوت کیا جاتا ہے کہ نفس اُن سے مانوس ہو گئے ہیں۔

مومن کو مومنوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا حکم اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں جس کو ابوسعیدؓ نے روایت کیا ہے فرمایا ہے نہ اٹھو بیٹھو مگر مومن کے ساتھ اور نہ کھائے تمہارا کھانا مگر پرہیزگار پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں مومن کو ایسے شخص کے پاس بیٹھنے اور اُس سے ملنے جلنے سے منع فرما دیا ہے جو پرہیزگار نہ ہو کیونکہ صحبت اور میل جول سے دل میں الفت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا پھر یہ ضروری ہے کہ ویسا ہی ہو جیسا کہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے جو ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا لہذا دیکھ بھال لو کہ کس سے دوستی کرتے ہو یعنی جو شخص اپنا حال دریافت کرنا چاہے تو چاہیے کہ اپنے دوست کو دیکھ لے پس اگر اس کا دوست نیک ہو تو وہ بھی نیک ہے اور اگر اس کا دوست فاسق ہو تو وہ بھی فاسق ہے اس لیے کہ طبیعتوں کی پیدایش ہی مشابہت پیدا کر لینے اور پیروی کرنے لگ جانے کے مادہ کے ساتھ ہوئی ہے اور ایک طبیعت سے کوئی بات اس طرح چرا لیتی ہے کہ آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور ممنوعات کو دیکھتے دیکھتے معصیت پر جرأت ہو جاتی ہے اور اسکی نفرت دل سے چلی جاتی ہے۔

ایمان کی آخری حد پس ایسی حالت میں وہ ضعیف ایمان بھی نہیں رہتا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کو ابوسعیدرضؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص تم میں سے کسی گناہ کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے اور اگر قدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے پس جب اُس میں ضعیف ایمان بھی نہ پایا گیا تو پھر کس چیز کے پائے جانے کی امید کی جائے۔

چھیاسویں مجلس بدگمانی یعنی عیب جوئی سے ڈرانے کے بیان میں

بدگمانی اور عیب جوئی کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا "بچتے رہو گمان سے کیونکہ گمان بڑی جھوٹ بات ہے اور عیب جوئی نہ کیا کرو"۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں گمان سے ڈرانا اور عیب جوئی سے ممانعت ہے۔

گمان کی قسمیں اور گمان شریعت میں دو قسم کا ہے ایک اچھا اور ایک بُرا اور یہاں اس سے مراد وہی گمان ہے جو مذموم اور بُرا اور دل کی گرہ ہے اور کسی شخص پر بغیر کسی کھلی ہوئی علامت کے جو اُس کو مقتضی ہو بُرائی کا حکم کر دینا اور رہے خطرات اور نفس کے وہ خیالات جن کا دفع کرنا ممکن نہیں تو وہ اگر جم نہ جائیں اور قائم نہ رہیں تو وہ معاف ہیں کیونکہ بندہ کو اُسی بات کی تکلیف ہے جو اُس کے اختیار میں ہو نہ اُس کی جو اُس کے اختیار میں نہیں۔

بدگمانی کے معنی اور اس کی قسمیں اور بدگمانی کے معنی یہ ہیں کہ کسی مومن کے فعل کو باوجودیکہ اُس کو اچھی وجہ پر محمول کر سکتے تھے کسی خراب وجہ پر محمول کرنا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جس کا باعث اُس کے حق میں تمہاری بد اعتقادی ہو یہاں تک کہ اگر اُس سے کوئی ایسا کام ہو جس کی دو صورتیں ہوں تو اُس سے تمہاری بد اعتقادی بغیر کسی ایسی علامت کے جو اس کام کو برائی سے خاص کرتی ہو اس کام کو بُری صورت پر محمول کرے گی اور یہ اُس کے دل کا قصور ہے اور یہ ہر مؤمن کے حق میں حرام ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی علامت کی وجہ سے ہو کیونکہ علامت گمان کو بالضرور ایسی حرکت دیتی ہے کہ آدمی اُس کے ہٹانے پر قادر نہیں۔

حسن ظنی اور بدگمانی میں پہچان کا طریقہ | اور وہ قاعدہ جس سے اُن گمانوں کی جن سے بچنا واجب ہے ماسوا سے پہچان ہو جائے یہ ہے کہ جس گمان کی کوئی صحیح علامت ظاہر نہ ہو اور اس کا کوئی صاف سبب معلوم نہ ہو تو وہ حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے اور یہ اُس وقت ہے جبکہ جس کے حق میں بدگمانی کی ہے وہ ایسا شخص ہو کہ ظاہر میں اُس کی بہتری اور بھلائی دیکھی گئی ہو پس اُس پر برائی اور خرابی کا گمان حرام ہے برخلاف اُس شخص کے جو لوگوں میں شک پیدا کرنے والے کاموں کے کرنے اور کھلم کھلا گناہوں کے کرنے میں مشہور ہو تو اُس کے ساتھ نیک گمان جائز نہیں۔

گمان کی دو حالتیں اور ان کا حکم شرعی | کیونکہ گمان کی دو حالتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ دل میں کوئی بات پیدا ہو اور کسی علامت سے اُس کا علم ہو جائے اور شبہ قوی ہو جائے تو ایسی بات پر حکم لگانا جائز ہے اس لیے کہ شرع کے اکثر احکام گمان غالب ہی پر مبنی ہیں جیسے قیاس اور خبر واحد اور اس کے سوا تلف کی ہوئی چیزوں کی قیمتیں اور خطاؤں کا تاوان۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ نفس میں کوئی بات آئے بغیر اس بات پر کسی ثبوت کے کہ یہ پہلو اسکے خلاف سے اولیٰ ہے پس اس کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ اس سے باری تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ممانعت ہے، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا " اے ایمان والو بچتے رہو بہتیرے گمانوں سے کہ بے شک بعضے گمان گناہ ہیں اور نہ بھید ٹٹولو کسی کا اور نہ غیبت کرو ایک دوسرے کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اول بدگمانی سے ممانعت کی پھر بھید کی ٹوہ لگانے سے پھر غیبت سے کیونکہ اول جو بات انسان کے دل میں آتی ہے وہ بدگمانی ہے پھر اس کی ٹوہ لگانے کی حاجت پڑتی ہے پھر غیبت شروع کرتا ہے۔

بدگمانی کے حرام ہونے کا سبب | اور بدگمانی کے حرام کرنے کا سبب یہ ہے کہ آدمی کے بھید اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کسی کو یہ جائز نہیں کہ کسی غیر کے حق میں برا اعتقاد کرے مگر جب کہ اُس کا حال کسی ایسی طرح سے کھل جائے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو پس اب اس کو ممکن نہیں کہ اس

بات کا اعتقاد نہ کرے جس کو کسی علامت سے معلوم کیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سُنا ہے لیکن جب تک کسی علامت سے معلوم نہ کیا ہو اور اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے نہ سُنا ہو بلکہ بغیر کسی ظاہری سبب اُس کے دل میں آیا ہو تو یہ ایسا خطرہ ہے کہ شیطان نے اُس کے دل میں ڈالا ہے لہٰذا اُس کو مناسب ہے کہ اُس کو جھٹلائے کیونکہ شیطان تمام فاسقوں سے بڑھ کر فاسق ہے۔

بدگمانی کا نتیجہ مذمت ہے | اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْآ اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ہ "اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار کوئی خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نا پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر ہو جاؤ اپنے کیے پر نادم"۔

اُس آیت کی شانِ نزول میں مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ولید بن عقبہؓ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بنی مصطلق کے پاس بھیجا تھا پس جب بنی مصطلق نے سُنا تو وہ اُن کی پیشوائی کے لیے نکلے پس اُنہوں نے جانا کہ یہ لڑنے آتے ہیں کیونکہ اُن میں اور ان میں دشمنی تھی لہٰذا لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ تو مرتد ہو گئے لہٰذا زکوٰۃ نہیں دی پس رسول اللہ علیہ السلام نے اُن پر جہاد کا قصد کیا تب یہ آیت یہ بتانے کے لیے نازل ہوئی کہ فاسق کی بات پر بھروسا کرنے سے احتراز واجب ہے کیونکہ جو فسق سے نہیں بچتا جھوٹ سے بھی نہیں بچتا کہ وہ بھی اُسی کی ایک قسم ہے بلکہ لوگوں میں فتنہ ڈالنا چاہتا ہے۔

اور اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو کوئی شخص کوئی کام ناواقفیت سے بے حقیقت حال جانے کر بیٹھے گا وہ بالضرور شرمندہ ہوگا۔ اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو اور شرمندگی گذری ہوئی بات پر اس آرزو کے ساتھ کہ کاش یہ بات نہ ہوئی ایک دائمی غم ہے۔

کسی پر تہمت لگانا بدگمانی ہے | اور بعضے علماء کہتے ہیں کہ گمان سے جو آیت اور حدیث میں آیا ہے تہمت مراد ہے مثلاً کوئی کسی پر فحش یا شراب خواری یا ایسی ہی کسی اور بات کی تہمت لگائے حالانکہ اُس سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی جو اس کی مقتضی ہو پس بے شک جو شخص گمان سے غیر پر بُرائی کا حکم لگاتا ہے اُس کو شیطان اُبھارتا ہے کہ اُس کی غیبت اور بہتان میں زبان درازی کرے یا اُس کے حقوق کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے یا عزت کرنے میں سستی کرے کہ اُس کو نظرِ حقارت سے دیکھے اور اپنے آپ کو اُس سے بہتر سمجھے اور یہ سب ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں۔

مؤمن کے لیے تہمت سے بچنے کا حکم | اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے تہمت کی جگہ جانے سے منع کیا ہے پس فرمایا ہے بچتے رہو تہمت کی جگہ سے یہاں تک کہ خود نبی علیہ السلام اس سے احتراز فرماتے تھے

کیونکہ علی بن حسین رضہ سے روایت ہے کہ (ام المؤمنین) صفیہ بنت حیی کہتی ہیں کہ نبی علیہ السلام معتکف تھے پس میں اُن کے پاس آئی اور آپ سے باتیں کیں پھر جب میں وہاں سے لوٹی تو پیغمبر علیہ السلام اُٹھ کر میرے ساتھ چلے اتنے میں دو شخص انصار کے آگئے اور سلام کرکے چلے گئے پس نبی علیہ السلام نے اُن کو بلایا اور فرمایا یہ صفیہ بنت حیی رضہ ہیں اُن دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم ہم کو آپ پر سوائے خیر کے کچھ گمان نہیں ہے آپ نے فرمایا شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح پھرتا ہے اور مجھ کو خوف ہوا کہ تم پر دخل کرے۔

پس دیکھو نبی علیہ السلام اُن کی طرف سے کیسے ڈرے بلکہ تمام امت کی طرف سے اور اُن کو تہمت سے بچنے کا طریقہ سکھا دیا تاکہ کوئی عالم جو احوال میں نیکی کے ساتھ مشہور ہو تساہل کرے اور اپنی خود بینی سے یہ کہے کہ مجھ جیسے پر سوائے نیکی کے اور کوئی گمان نہیں ہو سکتا مسلمانوں میں جو کوئی سب سے بڑا پرہیزگار اور سب سے بڑا متقی اور سب سے بڑا عالم ہوتا ہے تو اس کو بھی سب لوگ ایک نظر سے نہیں دیکھتے ہیں بلکہ بعضے اعتقاد کی نگاہ سے اور بعضے ناراضی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پس اس بیان کے موافق مومن پر تہمت کی جگہ سے احتراز کرنا واجب ہے تاکہ لوگوں میں برائیوں کے ساتھ بدنام نہ ہو اور اس بات کی دلیل کہ آیت اور حدیث میں گمان بمعنی تہمت ہے۔

تجسس کی ممانعت اس کے بعد تجسس کی ممانعت کا آنا ہے کیونکہ آدمی کے دل میں بعضے وقت پہلے تہمت کا خطرہ آتا ہے پھر ٹوہ لگانے کا ارادہ ہوتا ہے تاکہ تہمت کا جو خطرہ پیدا ہوا ہے اُس کی تحقیق ہو جائے اس لیے کہ تجسس بدگمانی کا پھل ہے کیونکہ جس کے دل میں کچھ خطرہ آتا ہے تو وہ صرف گمان پر اکتفا نہیں کیا کرتا بلکہ تحقیق کرنا چاہتا ہے لہذا تجسس میں لگ جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم نے تجسس کی ممانعت کر دی۔

تجسس سے مراد اور تجسس لوگوں کے عیوب کو تلاش کرنا اور ایسی علامتیں تلاش کرنا ہے جن سے عیوب کا یقین ہو جائے۔

پس اگر کوئی علامت بلا جستجو کے حاصل ہو جائے اور اُس سے یقین ہو جائے تو اُس پر عمل جائز ہے رہی اس کی جستجو سو اُس کی بالکل اجازت نہیں ہے اور عبداللہ بن مبارک رضہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سہیل رضہ کے باپ علی رضہ سے کہا کیا تم سہیل سے خوش ہو پس سہیل نے اُن سے کہا کیا تم کو اللہ تعالیٰ نے تجسس سے منع نہیں کیا پس عبداللہ اپنے دل میں شرمندہ ہو گئے۔

پس ہر وہ بات کہ اگر تم اُس کی تفتیش کرو تو تمہارے دوست کو تمہاری آگاہی گراں گذرے اور وہ تم سے اُس کو چھپائے پس یہی تجسس ہے۔

ابن جوزی رحہ نے کہا ہے کسی کو نہیں چاہیے کہ غیر کے گھر پر پوشیدہ کان لگائے تاکہ باجوں کی

آواز سننے اور نہ سونگھنے کا قصد کرے تاکہ شراب کی بو پاوے اور نہ اُس چیز کو ٹٹولے جس کو کپڑے سے ڈھانک رکھا ہو کہ وہ کیا ہے نہ پڑوس کی خبر لیتا پھرے کہ اُن پر کیا گذری پس اگر اس میں سے کوئی بات بھی کرے گا تو وہ تجسس کی اور اس آیت کی مذمت میں آجائے گا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ” اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کیا ہو تو اُٹھایا انہوں نے بہتان اور صریح گناہ۔

تجسس کا انجام | اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے پھر بلند آواز سے پکار کر فرمایا اے اُن لوگوں کی جماعت جو صرف زبانی مسلمان ہوئے ہیں اور اُن کے دلوں میں ایمان کا اثر نہیں ہوا ہے مسلمانوں کو مت ستاؤ اور نہ عار دلاؤ اور نہ اُن کے پوشیدہ عیب ڈھونڈھو بیشک جو اپنے بھائی کے چھپے عیب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے چھپے عیب ظاہر کرتا ہے اور اللہ جس کے چھپے عیب کھولتا ہے اُس کو رسوا کر دیتا ہے اگرچہ گھر کے اندر کیا کرے۔

غیبت سے بچنے کا نسخہ | اور بعضے اگلے لوگوں کا قول ہے جو شخص چاہے کہ غیبت سے بچے تو اپنے اوپر گمان کا دروازہ بند کرے کیونکہ جو گمان سے بچ گیا وہ تجسس سے بچ گیا ہی اور جو تجسس سے بچا غیبت سے بچا اور جو غیبت سے بچا جھوٹ سے بچا اور جھوٹ سے بچا وہ بہتان سے بچا۔

مسلمان پر بلا سچی شہادت کے بدگمانی کرنا جائز نہیں | پس اگر کسی مسلمان سے ایسی علامت ظاہر ہو جائے جو خرابی پر دلالت کرتی ہو تو اس کو دل میں ٹھان لینا اور اُس کے سبب مسلمان پر بدگمانی کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون اور مال اور آبرو اور اُس کے حق میں بدگمانی کرنا حرام کر دیا ہے پس بدگمانی جائز نہیں مگر اسی طرح جس طرح کہ اُس کا مال جائز ہوتا ہے یعنی مشاہدہ سے یا عادل گواہوں سے یقین حاصل ہوا ہو اور اگر تمہارے دل میں بدگمانی کا خطرہ آئے اور تم کو اس کے متعلق یقین حاصل نہیں ہے تو تم کو چاہیے ہے کہ اُس کو دل سے دور کر دو اور اس کو یوں سمجھاؤ کہ اُس کا حال تم سے پوشیدہ ہے اور جو اُس کی علامت تم نے دیکھی اُس میں نیک اور بد دونوں کا احتمال ہے پس اس پر بُرائی کا کیسے حکم لگاتے ہو۔

ایک عادل آدمی کی شہادت سے بدگمانی کے بارے میں حکم | اور اگر کوئی عادل آدمی اس کی خبر دے اور تمہارا دل اس کی تصدیق کرنے پر مائل ہو تو تم معذور ہو اس لیے کہ اگر تم اُس کو جھوٹا سمجھو تو اُس کے گنہگار ہوتے ہو کہ اُس کے حق میں جھوٹ کا گمان کیا اور یہ بھی ایک بدگمانی ہے لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ ایک کے حق میں اچھا گمان کرو اور دوسرے کے حق میں بدگمانی کرو بلکہ تم کو چاہیے ہے کہ اُن دونوں کا حال دریافت کرو کہ آیا اُن دونوں میں دشمنی اور حسد اور سرکشی تو نہیں ہے پس اگر اُن دونوں میں ان میں سے کچھ بھی ہو تو اب تہمت نے راہ پائی اور شرع نے تو عادل باپ کی گواہی کو بھی تہمت کے لحاظ سے رد کر دیا

ہے لہٰذا اب تم کو چاہیے کہ توقف کرو اور کچھ حکم نہ لگاؤ نہ جھوٹ کا اور نہ سچ کا اور یوں کہو کہ اُس کا جو حال بیان کیا گیا ہے وہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی میں تھا اور اُس کا حال مجھ سے پوشیدہ تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا مجھ پر اُس کا حال کچھ نہیں کھلا۔

دو عادل گواہوں کی شہادت کا حکم یہ تعجب ہے کہ ایک عادل آدمی بیان کرے اور اگر تم کو دو عادل خبر دیں تو اب اُن کو سچ نہ جاننے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ دو عادل شرع میں حجت ہیں۔

نیک اور بد کا اصل معیار لیکن جاننا چاہیے کہ چونکہ کوئی آدمی خطا اور نقصان سے خالی نہیں لہٰذا مؤمنوں میں سے کوئی موجود نہیں مگر اُس کی بھلائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی پس جس کی خوبیاں برائیوں سے زیادہ ہیں اس کا صلحاء میں شمار ہے اسی لیے امام شافعی رحمۃ نے کہا ہے کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ سراسر اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو اور نافرمانی نہ کرتا ہو اور نہ کوئی ایسا مومن ہے جو سراسر گناہ کرتا ہو اور کچھ اطاعت نہ کرتا ہو پس جس کے طاعات گناہوں سے زیادہ ہوں تو وہ شرع کے حکم میں عادل ہے پس جب ایسا شخص حق اللہ میں عادل ہوا تو تمہاری نظروں میں اس کا عادل ہونا اولیٰ اور زیادہ لائق ہے۔

اور روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی پس جب کل ہوا تو اُس کی مذمت کی اور کہا قسم ہے خدا کی بے شک میں نے کل سچ عرض کیا تھا اور آج جھوٹ نہیں کہتا ہوں کیونکہ کل اُس نے مجھ کو خوش کیا تھا سو میں نے اُس کے حق میں جو نیک معلوم تھا کہہ دیا تھا اور آج اُس نے مجھے ناخوش کر دیا تو مجھ کو جو بُرائی معلوم تھی کہہ دی پس نبی علیہ السلام نے فرمایا بے شک بعضی تقریر جادو ہے پس گویا نبی علیہ السلام کو یہ بُرا معلوم ہوا اور جادو سے اس کو مشابہ فرمایا اس لیے کہ ایسا کوئی شخص نہیں جس کی حالت کی اُس کی اچھی اور بُری خصلتوں کی وجہ سے تحسین یا تقبیح نہ کی جا سکے۔

ستاسویں مجلس فاسق کی صحبت اور اُس کے ساتھ کھانا کھانے کی ممانعت کے بیان میں

پرہیزگار کی مجلس میں رہنے کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تصحب الا مؤمنا ولا یأکل طعامك الا تقی "مت صحبت رکھ مگر مومن سے اور نہ کھائے تیرا کھانا مگر پرہیزگار"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اس کو ابو سعید رضہ نے روایت کیا ہے اور مومن سے اس حدیث میں وہ خاص مومن مراد ہے جس کے مقابلہ میں فاسق ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُنَ "کیا جو شخص مومن ہو اُس کے مثل ہے جو فاسق ہے دونوں برابر نہیں" پس گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا مت صحبت رکھ مگر صالح کی اور مت دوستی کر مگر پرہیزگار

سے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں مومن کامل کو اُس شخص کی صحبت سے ڈرایا ہے جو پرہیزگار نہ ہو اور اُس سے میل جول اور اُس کے ساتھ کھانے پینے سے منع کیا ہے۔

آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا اس لیے کہ صحبت اور ملاقات دل میں الفت اور محبت ڈال دیتی ہے پس لازم آتا ہے کہ ویسا ہی ہو جیسا کہ نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا لہٰذا ہر ایک کو دیکھ بھال لینا چاہیے کس سے دوستی کرتا ہے یعنی جس کا دوست نیک ہوگا وہ بھی نیک ہوگا اور جس کا دوست فاسق ہوگا وہ بھی فاسق ہوگا پس اُس آیت کے عام مضمون میں داخل ہوگا اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ "دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار" کیونکہ ہر غیر پرہیزگار دوست قیامت کے دن کہے گا اے خرابی میری کاش نہ بناتا میں فلانے کو دوست اے کاش میرے اُس کے درمیان مشرق مغرب کے درمیان فاصلہ ہوتا۔

اچھے دوست کی خصلتیں پس اس بنا پر مومن کو چاہیے کہ دوست نہ بنائے مگر اُسی کو جس کے دین اور امانت پر اعتماد ہو اور اُس کی خوبی اور تقوے معلوم ہو اس لیے کہ ہر ایک شخص دوستی کے قابل نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ جس سے تم دوستی کرو اس میں کئی خصلتیں ہوں۔

اول عقل اس لیے کہ احمق کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ اُس کا اچھے سے اچھا حال یہ ہے کہ بھلائی کرنا چاہتا ہے اور تمہارا نقصان کر دیتا ہے اور اس کا انجام ترک تعلق اور وحشت ہو جاتا ہے اور اگرچہ ایک مدت گذر جائے اسی لیے کسی کا قول ہے عقلمند دشمن نادان دوست سے بہتر ہے اور عاقل سے وہ شخص مراد ہے جو امور کی حقیقت اور اصل کو خود بخود سمجھتا ہو یا سکھانے اور سمجھانے سے اور حسنؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں احمق سے ترک تعلق اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں مُردوں کے زندہ کرنے سے کبھی عاجز نہیں ہوا لیکن احمق کے علاج سے عاجز ہو گیا۔

دوسری خصلت حسن خلق ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں جس کو غصہ اور نفسانی خواہش کے وقت اپنے نفس پر قابو نہ ہو کیونکہ سمجھدار آدمی اگرچہ اشیاء کو اپنی اصلی حالت پر جان لے گا لیکن جب اُس پر غصہ اور شہوت غلبہ کرے گی تو نفس کی اطاعت کرے گا اور وہی کام کریگا جو اُس کی خواہش چاہتی ہے۔ اور

تیسری خصلت نیک ہونا ہے اس واسطے کہ فاسق کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ جو شخص گناہ کبیرہ کرتا ہے وہ خدا سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے اُس سے نقصان پہنچنے سے اطمینان نہیں ہو سکتا اور اُس کی دوستی کا بھروسا نہیں۔

اور چوتھی خصلت سچائی ہے اس لیے کہ جھوٹے کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ اُس کی مثال سراب کی سی ہے کہ دور کو تو تم سے نزدیک کر دیتا ہے اور نزدیک کو دُور کر دیتا ہے اور تم ہمیشہ اُس کے فریب میں رہتے ہو۔

پانچویں خصلت مردانگی ہے اس واسطے کہ ڈرپوک کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ سختی کے وقت وہ تمہاری امداد اور اعانت چھوڑ دے گا اور تم کو ڈرائے گا بلکہ چھپ رہے گا اور تم سے غائب ہو جائے گا

اور چھٹی خصلت وفاداری ہے اس واسطے کہ ایسے کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں جو وفادار نہ ہو۔

وفاداری کے معنی اور اس کے تقاضے اور وفاداری کے معنے محبت پر قائم اور دائم رہنا ہیں اور دائمی محبت وہی ہوتی ہے جو خدا کے واسطے ہو اس لیے کہ جو محبت کسی غرض کے سبب سے ہوتی ہے تو اُس غرض کے ساتھ وہ بھی جاتی رہتی ہے پس وفاداری نہیں ہونے پاتی کیونکہ جو وفاداری کے خلاف ہو وہ وفاداری میں داخل نہیں پس دوست کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اس کے تمام دوستوں اور اُس کے رشتہ داروں اور متعلقین کی رعایت کیا کرے کیونکہ ان لوگوں کی رعایت اُس کے دل میں بہ نسبت اپنی رعایت کے زیادہ اثر کرے گی پس اُس کی خوشی اُس کے متعلقوں کی خبر گیری سے اس لیے اور زیادہ ہوگی کہ اس سے اُس شخص کی محبت کا بڑھ کر متعلقوں تک پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں جو کتا دوست کے گھر کے دروازے پر ہو تو مناسب ہے کہ دل میں وہ بھی بہ نسبت اور کتوں کے متمیز ہو اور وفاداری میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے کیونکہ امام شافعی رح کہتے ہیں جب تیرے دوست نے تیرے دشمن کا کہا مانا تو دونوں تیری دشمنی میں شریک ہو گئے۔

اور وفاداری میں سے ایک یہ ہے کہ دوست کے ساتھ انکساری کی حالت نہ بدل جائے اگرچہ تیرا مرتبہ بلند اور حکومت زیادہ اور رتبہ بڑا ہو جائے اور وفاداری میں سے ایک یہ ہے کہ اُن چیزوں سے بچتا رہے جو دونوں میں جدائی کا سبب ہوں اس لیے کہ پوری وفاداری یہی ہے کہ مفارقت سے بہت گھبراتا ہو اور اسی لیے بعضے اگلوں نے کہا ہے میں نے زمانے کی تمام مصیبتوں کو دوستوں کی جدائی کے سوا آسان پایا۔

وفاداری کی حقیقت شرعی اور ابن مبارک رح کہتے ہیں سب سے مزہ دار چیز دوستوں کی ہم نشینی ہے اور وفاداری میں سے اُس چیز میں جو حق کے خلاف نہ ہو ساتھ دینا بھی ہے اور رہی وہ بات جو دینیات میں حق کے خلاف ہو تو اُس میں رفاقت کرنا وفاداری نہیں ہے بلکہ اس میں مخالفت کرنا ہی اور حق کا بتلا دینا ہی وفاداری ہے۔

چنانچہ امام شافعی رح سے حکایت ہے کہ وہ محمد بن حکم رح سے برادرانہ محبت رکھتے تھے اور انکو

پاس بٹھاتے اور ان کے پاس جایا کرتے اور کہتے تھے کہ مجھ کو مصر میں میرے قیام کا سبب یہی ہیں پس جب لوگوں نے ان دونوں کی سچی محبت دیکھی تو خیال کیا کہ اپنی وفات کے بعد اپنی گدی ان ہی کو سپرد کریں گے پس لوگوں نے مرض موت میں اُن سے پوچھا کہ اپنے بعد اپنی گدی کس کو سپرد کرتے ہو اور اُس وقت محمد بن حکمؒ بھی سرہانے موجود تھے اور وہ سامنے ہو گئے تاکہ ان کی طرف اشارہ کر دیں پس امام شافعی رحؒ نے کہا سبحان اللہ میری جگہ ابو یعقوب بویطی رحؒ بیٹھے گا اور امام شافعیؒ کے تمام شاگرد بویطیؒ کی طرف جھک پڑے پس محمد بن حکم رحؒ کو یہ بات باوجود یکہ انھوں نے امام شافعیؒ سے ان کے مذہب کے متعلق تمام علم حاصل کیا تھا بُری معلوم ہوئی مگر بات یہ ہے کہ بویطیؒ واقع میں افضل اور نہایت زاہد اور متقی تھے۔

کیونکہ بعضے لوگ اگرچہ مخلوق میں علم اور فضل کے ساتھ مشہور ہو جاتے ہیں مگر کبھی دوسرا شخص اُن سے افضل ہوا کرتا ہے یا تو ہر باب میں یا کسی خاص امر میں لیکن اس کو بہتیرے لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں اس لیے غیر مشہور کو چھوڑ کر جو اُن میں مشہور ہوتا ہے اُدھر متوجہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اُن سے اُس شخص کو حاصل کرنے کی فضیلت جاتی رہتی ہے جو اُن میں مشہور نہیں ہے۔

پس امام شافعی رحؒ نے اللہ کے واسطے اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے خیر خواہی کی اور اہل فضل کو اختیار کیا اور طرفداری کو ترک کیا اور خلقت کی رضامندی اللہ کی رضامندی کے مقابلہ میں اختیار نہ کی۔

پس جب امام شافعی رحؒ نے وفات کی تو محمد بن حکمؒ اُن کے مذہب سے پھر کر اپنے باپ کے مذہب پر ہو گئے اور امام مالکؒ کی کتابوں کا درس شروع کیا اور بویطی رحؒ نے زہد اور خلوت اختیار کی اور عبادت میں مشغول ہوئے اور اُن کو مجمع ہونا اور حلقہ میں بیٹھنا پسند نہ آیا۔

دوستی کے لائق شخص پس اس تمام بیان سے ظاہر ہوا کہ دوستی کے لائق وہی ہے جس میں یہ خصلتیں جمع نہ ہوں تو پھر سب لوگوں سے الگ ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ رہنے کو اپنے اوپر لازم کرے اس لیے کہ اس زمانے میں عقلمند کو سوائے خاموشی اور گھر میں پڑے رہنے کے اور کچھ نہ چاہیے۔

آجکل کے دوستوں کی حالت اور ابو سلیمان خطابی رحؒ نے کہا ہے کہ تمہاری صحبت اور تمہاری شاگردی کی رغبت کرنے والوں کو چھوڑ دو کیونکہ ان میں نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ رفیق ہے ظاہر کے بھائی ہیں باطن کے دشمن جب تم سے ملتے ہیں تعریف کرتے ہیں اور جب تم اُن سے جُدا ہو جاؤ تو غیبت کرتے ہیں جو کوئی اُن میں سے تمہارے پاس آتا ہے وہ تمہارا نگہبان ہوتا ہے اور جب تمہارے پاس سے چلا جاتا ہے تو تمہارے متعلق ایک بُرا لکچرار ہوتا ہے لہٰذا اپنے پاس ان کے جمع ہونے اور اپنے سامنے خوشامد کرنے سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ اُن کی غرض علم نہیں ہے بلکہ اُن کی غرض یہ ہے کہ تم کو اپنی حاجات کا زینہ اور اپنے مقاصد کا گدھا بنائیں اور اگر تم نے اُن کی کسی غرض میں ذرا کوتاہی کی

تو پھر تمہارے بڑے سخت دشمن ہیں اور تمہارے پاس اپنی آمدورفت کو تم پر احسان سمجھتے ہیں اور اسکو تمہارے اوپر ایک واجب حق سمجھتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ تم آبرو اور اپنا دین ان کے لیے کھودو اور ان کا ادنیٰ فرمانبردار بن جاؤ اس کے بعد کہ تم واقع میں حاکم اور سردار تھے۔

شیخ و مرشد کا مقام اور ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ شیخ اپنے گروہ میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں اور شیخ اپنی قوم میں ایسا اس لیے ہے کہ ان کو دین سکھاتا ہے جیسے ہر نبی نے اپنی امت کو دین سکھایا ہے۔

استاد کا مقام اور شاگرد کے فرض اور شاگرد پر اس شخص کا حق جس نے بھلائی سکھائی ہو اگرچہ ایک ہی حرف سہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اس کی عزت کرے کیونکہ وہ اس کے باپ کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بہتر ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے بیٹے کے لیے باپ۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اچھا باپ وہ ہے جو تم کو علم سکھائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ استاد آخرت کی آگ سے بچانا چاہتا ہے اور یہ دنیا کی آگ سے ماں باپ کے اپنے بچے کو بچانے سے زیادہ اہم ہے اور اسی واسطے استاد کا حق ماں باپ کے حق سے زیادہ ہے، کیونکہ ماں باپ اگرچہ وجود اور حیات فانی کے سبب ہیں لیکن اگر استاد اور اس کی وہ تعلیم نہ ہوتی جو حیات اخروی دائمی کا سبب ہے تو بے شک جو کچھ ماں باپ کی طرف سے حاصل ہوا ہے وہ ہمیشہ کی ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

استاد اور شاگرد کی ذمہ داریاں پھر وہ جب استاد بجائے باپ کے ہوا تو اس کو لازم ہے کہ شاگرد کو بجائے بیٹے کے سمجھے اور اس پر شفقت کرے اور اپنے مرتبہ سے ایسے مرتبہ کی طرف بڑھنے سے جس کا وہ ابھی مستحق نہیں ہوا اور اس کا ابھی وقت نہیں آیا منع کرے اور اس سے بیان کر دے کہ علم سے مقصود سعادت اخروی ہے نہ ریاست اور عزت کی طلب نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام یوسفؒ کی ایک حکایت چنانچہ حکایت ہے کہ ابو یوسفؒ نے جب ایک مدرسہ تدریس کے واسطے امام ابو حنیفہؒ کی اطلاع کے بغیر جاری کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے ان کے پاس کوئی آدمی بھیجا تاکہ ان سے چند مسئلے پوچھ آئے ان میں سے ایک یہ پوچھا تھا کہ ایک دھوبی کپڑے سے مکر گیا پھر دھو کرکے لایا تو آیا دھلائی کا مستحق ہے یا نہیں ابو یوسفؒ نے کہا مستحق ہے اس شخص نے کہا غلط ہے پھر انہوں نے کہا مستحق نہیں پھر اس شخص نے کہا غلط کہا پس ابو یوسفؒ حیران رہ گئے تب اس شخص نے کہا اگر انکار سے پہلے دھو چکا ہے تو اجرت کا مستحق ہے ورنہ نہیں اور اسی طرح جتنے مسائل کا جواب دیا سب میں غلطی پکڑی تو ابو حنیفہؒ نے کہا نہیں لایا تجھ کو مگر دھوبی کا

مسئلہ بے شک تو نے انگور پختگی سے پہلے توڑے سبحان اللہ ایک شخص مدرسہ قائم کرکے اللہ کے دین میں گفتگو کرے اور ہمارے کا ایک مسئلہ بھی ٹھیک طور سے نہیں جانتا اور پھر فرمایا جس کو یہ خیال ہو کہ علم سیکھنے کی مجھ کو حاجت نہ رہی تو وہ اپنے اوپر روئے۔

اور اُن کے الگ ہو جانے کا سبب جیسا کہ مناقب کردری میں مذکور ہے یہ ہوا تھا کہ ابو یوسفؒ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے پس امام صاحب اُن کی عیادت کو گئے تو فرمایا مجھ کو اپنے بعد تجھ سے مسلمانوں کے حق میں بڑی امید تھی بے شک اگر تم مر گئے تو بہت بڑا علم مر جائے گا پس جب وہ اچھے ہو گئے تو اپنے دل میں خوش ہوئے اور مدرسہ تیار کیا اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحبؒ کے اس قول میں کہ مجھ کو اپنے بعد مسلمانوں کے لیے تجھ سے بڑی امید تھی۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شاگرد کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے آپ استاد کے زمانہ میں بلا اُس کی اجازت کے مستقل ہو جائے پس جب اُن کو اپنا قصور ثابت ہو گیا تو وہ مجلس چھوڑ دی اور ابو حنیفہؒ کے پاس آکر اُن کی شاگردی شروع کی۔

علم کی راہ ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ آدمی اُس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک علم طلب کرتا رہے پس جب یہ گمان پیدا ہوا کہ میں سیکھ چکا تو اب جاہل ہو گیا اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کہا ہے جس شاگرد نے اپنی کوئی رائے قائم کی اور استاد کی رائے کے علاوہ ان کو اختیار کیا تو اُس پر نقصان پانے کا حکم لگاؤ۔

اٹھاسویں مجلس اس بیان میں کہ اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے عداوت سب اعمال سے عمدہ ہے

اللہ کے لیے محبت و دشمنی افضل اعمال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ "سب اعمال سے افضل دوستی ہے اللہ کے واسطے اور دشمنی ہے اللہ کے واسطے"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ذرؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے کچھ ایسے دوست ہوں جن سے اللہ کے واسطے محبت رکھتا ہو اور کچھ ایسے دشمن ہوں جن سے اللہ کے واسطے عداوت رکھتا ہو پس جب وہ کسی سے اللہ کا فرمانبردار ہونے کی وجہ سے محبت کرے گا تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے کے وقت اُس سے بغض رکھے گا۔

دوستی و دشمنی | کیونکہ جو شخص کسی سبب سے محبوب ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے مبغوض ہوگا اور یہ بات محبت اور بغض میں عام طور پر ہوتی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک دل میں دبی رہتی ہے اُس کا ظہور صرف غلبہ کے وقت ہوتا ہے اس لیے کہ محبت کے غلبہ میں دوستوں کے سے افعال ظاہر ہوتے ہیں یعنی ملنا جلنا اور آپس کا اتفاق اور اسی کو دوستی کہتے ہیں اور بغض کے غلبہ کے وقت عداوت کے سے افعال ظاہر ہوتے ہیں جیسے آپس کی علحدگی اور مخالفت اور اسی کا نام دشمنی ہے۔

اظہارِ بغض کے طریقے | پس اگر کوئی کہے کہ بغض کا ظاہر کرنا کس طرح ممکن ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کا اظہار دو حال سے خالی نہیں یا تو قول سے ہوگا یا فعل سے پس قول سے تو کبھی اس سے بات چیت اور کلام کرنے سے زبان روک لینے سے ہوتا ہے اور کبھی اُس کے ساتھ سخت کلامی سے رہا فعل سے اظہارِ دشمنی تو کبھی اُس کی امداد میں کوشش نہ کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی برائی اور اس کا مقصد خراب کرنے کے لیے اس بات میں کوشش کرنا جو اُس کے گناہ میں حارج ہو ایسی چیز کے خراب کرنے میں کوشش نہ ہو جس کا گناہ کے حارج ہونے میں کچھ اثر نہ ہو۔

گناہ اور ظلم کرنے والے کے بارے میں رویہ کا حکم | اور یہ جب ہے کہ گناہ اس سے قصداً ہو کبیرہ ہو یا صغیرہ لیکن وہ گناہ جو لغزش کے قائم مقام ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ اُس پر شرمندہ ہے اس پر اڑا ہوا نہیں ہے تو اُس میں چشم پوشی اور پردہ پوشی کرنا اولیٰ ہے خاص کر جب کہ وہ معصیت تمہارے یا تمہارے کسی متعلق کے حق میں تصور ہو تو اس پر اعتراض نہ کرنا اچھا ہے کیونکہ ایسے شخص سے درگزر کرنا جو تم پر ظلم کرے اور تمہارے ساتھ بُرائی کرے صدیقین کی عادت ہے۔

لیکن جس نے کسی اور پر ظلم کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو تو اُس پر اعتراض نہ کرنا اُس کے ساتھ احسان کرنا ہے اور ایسے پر احسان کرنا اچھا نہیں کیونکہ اُس کے ساتھ احسان کرنا مظلوم کے ساتھ بدسلوکی ہے اور مظلوم کے حق کی رعایت زیادہ بہتر ہے اور مظلوم کا دل ظالم سے اعراض کر کے قوی کرنا اللہ تعالیٰ کو ظالم کے دل کی تقویت سے زیادہ محبوب ہے اور تمام متقدمین ظالموں اور بدعتیوں اور ان لوگوں کے ساتھ بغض اور عداوت ظاہر کرنے پر متفق ہیں جو خدا کی ایسی نافرمانی کرتے ہوں جس کا اثر دوسرے تک پہنچے۔

خدا کی نافرمانی کرنے والے کے ساتھ طرزِ عمل | اور رہا وہ شخص جو اپنے حق میں خدا کی نافرمانی کرتا ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے پس بعضے اُس کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتے ہیں اور بیزار نہیں ہوتے ہیں اور بعضوں نے اس پر سخت انکار کیا ہے اور اُس سے اس آیت کی وجہ سے ترکِ تعلق اختیار کر لیا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ " تو نہ دیکھے گا کسی قوم کو جو ایمان رکھتے ہوں

اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کرتے ہوں وہ ایسے شخص سے جو مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا اگرچہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے"۔

پس اس آیت نے یہ بات بتلائی کہ جو شخص معاصی اور منکرات کرتا ہو اُس سے تعلق چھوڑ دینا واجب ہے اگر رشتہ دار ہو اور سزا اور تادیب کے طور پر چھوڑ دینا تعزیر کے قائم مقام ہے اور اُس کو نظر رحمت سے دیکھنا دین میں سستی پیدا کرتا ہے کیونکہ گناہ میں امداد کا اکثری سبب یہی سستی اور دلدلری اور دل میں نفرت اور وحشت پیدا ہو جانے سے خوف کرنا ہے پس اس حالت کو احمق ناسمجھ تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں اُس کو نظر رحمت سے دیکھتا ہوں لیکن یہ اس کے دین کی سستی ہے۔

اور اس کا امتحان یہ ہے کہ اگر اپنے حق میں قصور کرنے سے بھی رحم کرتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ تقدیر میں یوں ہی ہونا تھا پھر یہ کیونکر نہ کرتا اور تقدیر سے بھاگنا مفید نہیں تو ایسی حالت میں حقوق اللہ تعالیٰ میں اس کے قصور کرنے کے وقت اس کا رحم کرنا درست ہے اور اگر اپنی حق تلفی کے وقت غصہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے گناہ پر رحم کرتا ہو تو یہ شخص دین میں سست شیطان کے مکر میں پھنسا ہوا ہے۔

گنہگاروں اور فاسقوں کی قسمیں اور ان کا حکم پس اگر کوئی یہ کہے کہ گنہگار اور فاسق مختلف قسم کے ہیں تو کیا سب کے ساتھ ایک ہی طریقہ برتا جائے یا نہیں تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا مخالف دو حال سے خالی نہیں یا تو اعتقاد میں مخالف ہو گا یا عمل میں اور اعتقاد میں مخالف کی تین قسمیں ہیں۔

اول قسم کافر ہے اور وہ اگر حربی ہے تو قتل اور غلام بننے کا مستحق ہے اور اگر ذمی ہے تو اُس کا ستانا جائز نہیں مگر کم تو جہی اور میل جول اور معاملہ چھوڑ دینے سے اور اس کے ساتھ ہنسی کھیل اور دوستوں جیسی بے تکلفی برتنا ایسا مکروہ ہے کہ قریب بحرام ہے۔

اور **دوسری قسم** وہ بدعتی ہے جو اپنی بدعت کی رغبت دلاتا ہو پس اگر اُس کی بدعت ایسی ہے کہ اُس سے کافر ہو تا ہے تو اُس کا حال ذمی سے بھی بدتر ہے۔ اس لیے کہ اس کو نہ جزیہ لے کر رکھا جاتا ہے اور نہ ذمی بنا کر اُس کے ساتھ سہولت کی جاتی ہے اور اگر بدعت ایسی نہیں ہے جس سے کافر ہو جائے تو اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے بہ نسبت کافر کے تو ضرور سہل ہے مگر اس پر انکار بہ نسبت کافر کے زیادہ کرنا چاہیے اس لیے کہ کافر کا شر دوسرے تک نہیں پہنچتا کیونکہ مسلمان نہ اُس کی طرف متوجہ ہوتے اور نہ کافر ہونے کی وجہ سے اُس کا کہا مانتے ہیں لیکن وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف بلاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ جس کی میں رغبت دلاتا ہوں وہ حق ہے تو وہ خلقت کی گمراہی کا سبب ہے پس اس کی بدی دوسرے تک پہنچتی ہے پس اس لیے اُس سے بغض اور عداوت ظاہر کرنا اور اس سے ترک تعلق کر دینا اور بدعت کی وجہ سے اُس کو برا کہنا اور لوگوں کو اُس سے نفرت دلانا مستحب ہے اور اگر مجمع میں سلام کرے تو لوگوں کے نفرت دلانے اور بدعت کی برائی ظاہر کرنے کے لیے جواب

نہ دینا بہتر ہے اس لیے کہ سلام کا جواب اگرچہ واجب ہے لیکن کسی معمولی غرض سے بھی ساقط ہو جاتا ہے اور بدعت سے روکنا تو بہت ضروری غرض ہے۔

اور تیسری قسم وہ اَن پڑھ بدعتی ہے جو ترغیب دلانے پر قادر نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ اُس کے ساتھ سخت کلامی اور اہانت سے ابتدا نہ کریں بلکہ مناسب ہے کہ نصیحت میں اُس کے ساتھ نرمی کریں کیونکہ عوام کے دل جلد پلٹ جاتے ہیں پھر اگر نصیحت کارگر نہ ہو اور اُس سے اعراض کرنے سے اُس کی نظر میں بدعت کی بُرائی ظاہر ہو جائے تو اب اُس سے اعراض کرنا ہی مستحب ہے کیونکہ بدعت کو اگر بُرا ظاہر کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے تو مخلوق میں پھیل جائے گی اور اُس کا فساد عام ہو جاوے گا۔

بدعتی شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے کی ممانعت اور اسی لیے شیخ علاؤ الدین سمنانی رح نے کہا ہے کہ مسلمان آدمی کو لازم ہے کہ جب کسی کو کسی نفسانی خواہش اور بدعت کو کرتا ہوا یا کسی سنت میں سستی کرتا ہوا پائے تو اُس کو چھوڑ دے اور اُس سے جدا ہو جائے اور زندہ اور مردہ ہر طرح چھوڑ دے اور جب اُس سے ملے تو سلام نہ کرے اور اگر وہ سلام کرے تو اُس کا جواب نہ دے یہاں تک کہ بدعت سے باز آئے اور حق کی طرف متوجہ ہو اور اگر وہ مرجائے تو اُس کے جنازہ کے ساتھ نہ جائے اور تین دن سے زیادہ چھوڑ دینے کی ممانعت اُس صورت میں ہے کہ دو شخصوں میں حقوق ملاقات اور معاشرت میں کوتاہی کی وجہ سے ہو جائے نہ اُس صورت میں کہ دین کے حق میں ہو کیونکہ نفسانی خواہش پر عمل کرنیوالوں اور بدعتیوں کا چھوڑ دینا برابر اُس وقت تک کے لیے ہے کہ وہ توبہ کرلیں بیشک تمام صحابہ اور تابعین اور علمائے اہل سنت بدعتیوں کی عداوت اور اُن کو چھوڑ دینے پر متفق ہو چکے ہیں۔

بدعتی سے تعلقات رکھنے کا نتیجہ اور سہل رح سے اس آیت کی تفسیر میں لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ "تو نہ دیکھے گا کسی قوم کو جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اُس کے رسول کے"۔ منقول ہے اُنھوں نے کہا ہے کہ جس نے اپنے ایمان کو درست کیا ہے اور اپنی توحید کے دعوے کو خالص کیا ہے وہ بدعتی کے ساتھ نہ بیٹھے گا اور نہ اُس کے ساتھ کھانا پینا رکھے گا بلکہ اپنی طرف سے اُس کے حق میں دشمنی اور بغض ظاہر کرے گا اور جس نے بدعتی کے ساتھ سستی برتی ہے اللہ تعالیٰ اُس سے حلاوت یقین لے لیتا ہے اور جس نے بدعتی کی عزت اور تونگری دنیا کی وجہ سے کہا مانا تو اللہ تعالیٰ اُس کو اُس عزت کے بدلے ذلیل کرے گا اور اُس تونگری کے عوض مفلسی کردیگا اور جو شخص بدعتی کو دیکھ کر ہنس پڑے اللہ تعالیٰ اُس کے دل سے ایمان کا نور نکال لے گا۔

اور ثوری رح سے روایت ہے جس نے بدعتی کی بات سُنی اُس کو اللہ تعالیٰ اُس سُنی ہوئی بات سے کچھ فائدہ نہیں دے گا اور جس نے اُس سے مصافحہ کیا اُس نے اسلام کی رسّی کو توڑ دیا۔

اور فضیلؒ سے روایت ہے کہ جس نے بدعت والے کو دوست رکھا اللہ تعالیٰ اُس کے اعمال اکارت کر دیتا ہے اور اسلام کا نور اُس کے دل سے نکال دیتا ہے اور اُن ہی سے روایت ہے کہ جو شخص بدعتی کے پاس اُٹھتا بیٹھتا ہو اُس سے بچتے رہو اور اُن ہی سے روایت ہے جب تم بدعتی کو کسی راہ میں دیکھو تو تم دوسری راہ اختیار کرو اور فضیلؒ کہتے ہیں جو شخص بدعتی سے ملنے گیا ایمان کا نور اُس کے دل سے جاتا رہا۔

فعل و عمل کے گناہ گار سے تعلقات کے بارے میں شرعی حکم | لیکن وہ شخص جو اپنے فعل اور عمل کے اعتبار سے تو یہ وہ شخص ہے جو شراب پینے یا کسی واجب کے ترک کرنے یا ایسی ممنوع چیز کے کرنے سے جو اُسکے ساتھ خاص ہے اپنے لیے فسق کرتا ہے اور اُس کا اثر دوسرے تک نہیں پہنچتا پس ایسا شخص اگر خاص اس برے کام کو کرتا ہوا پایا جائے تو اُس کو جس طور سے وہ باز آئے منع کرنا واجب ہے اگرچہ قدرت ہو تو مار پیٹ یا قتل سے ہو اس لیے کہ بُری بات سے ممانعت واجب ہے اور اُس کا وجوب حاکموں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ رعایا میں سے ہر ایک کو طاقت کے موافق قول اور فعل سے اس کا کرنا جائز ہے خواہ آزاد ہو یا غلام یا عورت لیکن مناسب ہے کہ گناہ کے مطابق درجہ بدرجہ ہو پہلے کچھ سختی پھر زیادہ سختی جیسا کہ محیط میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی کو گھٹنا کھولے ہوئے دیکھے تو اُس کو نرمی سے منع کر دے اور اگر وہ نہ مانے تو اُس سے جھگڑا نہ کرے اور ران کے بارہ میں سختی سے منع کرے اور اگر وہ نہ مانے تو مارے نہیں اور شرمگاہ میں اُس کو مارے اور اگر نہ مانے تو قتل کرے اور تمام گناہوں میں قدرت ہوتے ہوئے یہی حکم ہے اور قدرت نہ ہونے کے وقت چاہیے کہ رنجیدہ اور مغموم ہو اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اُس میں مومن کا دل ایسا گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے کیونکہ معاصی کثرت سے دیکھے گا اور منع کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔

گناہوں سے نہ روکنے والوں کا اخروی انجام | اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کا قیامت کے دن دامنگیر ہوگا اور وہ اُس کو نہ پہچانتا ہوگا پس اُس سے کہے گا تجھے کیا ہوا کہ مجھ سے لپٹتا ہے میں نے تو تجھ کو کبھی دیکھا بھی نہیں وہ کہے گا ہاں تو نے مجھ کو ایک دن ایک گناہ پر دیکھا تھا لیکن اُس کی اصلاح نہیں کی تھی لہٰذا یہ بڑی مشکل بات ہے اس سے بہت کم بچاؤ ہو سکتا ہے اس لیے کہ ہر وقت اور ہر دم بہتیرے گناہ ظاہر ہوا کرتے ہیں اور اُن کی کچھ اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اُن سے سکوت کیا جاتا ہے کہ دل اُن سے مانوس ہو گئے ہیں۔

گناہوں سے صرف دلی نفرت ایمان کا آخری درجہ ہے | اور اسی لیے کسی عالم نے کہا ہے بخدا گناہوں اور بدعتوں کی کثرت کی مجھے کچھ پروا نہیں مجھ کو تو خوف اور ڈر دلوں کے اُن سے مانوس ہو جانے کا ہے کیونکہ جو چیزیں بار بار کی جاتی ہیں نفس اُن سے مانوس ہو جاتا ہے اور نفس جب کسی سے

مانوس ہو جاتا ہے تو کم اثر قبول کرتا ہے اور اُس کی وضاحت وہ حدیث کرتی ہے جو تغیر گناہ کے بارے میں آئی ہے اور وہ جو کہ ابو سعید رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی تم میں سے برا کام دیکھے تو لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اُس کی اصلاح کرے اور اگر اُس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ خبر دے دی کہ دل سے بیزار ہونا سب سے ضعیف ایمان ہے اور یہ وہ ہے جو مومن اپنے دل میں اُس دیکھے ہوئے کام سے بغض اور اُس سے باز رہنے اور دفع کرنے کی حالت پاتا ہے اور یہ بات اکثر اسی کام میں ہوتی ہے جو کبھی کبھی ہوتی ہو لیکن وہ کام جو ہر وقت اور ہر لحظہ دیکھے جاتے ہیں اُن سے دل مانوس ہو جاتا ہے لہذا دل میں وہ قلق اور نفرت جو کہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے نہیں پائی جاتی۔

جب گناہ سے نفرت بھی نہیں رہی تو ایمان نہ رہا | اور جب دل میں اضعف ایمان بھی نہ ہوا تو پھر کس چیز کے ہونے کی امید کی جائے۔

اور اس کی زیادہ توضیح اس واقعہ سے ہوتی ہے جو قوت القلوب میں مذکور ہے کہ حسن بصریؒ نے فرمایا پہلے پہل جو میں نے بدعت دیکھی تو میں نے خون کا پیشاب کیا پھر اس کے بعد زرد پیشاب کیا پھر ویسی ہی عادت کے موافق ہونے لگا کیوں کہ اُن کو ایمان کے قوی ہونے اور ایسے امر کو دیکھنے سے جس کی عادت نہ تھی بہت غصہ آیا یہاں تک کہ اُن کے مزاج میں تغیر ہو گیا اور اُس کا اثر پیشاب میں ظاہر ہوا کیونکہ آدمی کا مزاج جب بدلتا ہے تو اُس کا اثر پیشاب میں ظاہر ہو جاتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ طبیب لوگ بیمار کے مرض پر پیشاب سے استدلال کرتے ہیں پھر جب وہ بدعت ایسی ہوتی رہی اور اُس کے روکنے کی قدرت نہ ہوئی تو پہلی دفعہ کا سا غصہ نفس کے مانوس ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہوا اور صرف اُتنی ہی نفرت رہ گئی جتنی دل سے برا جاننے کو لازم ہے اس واسطے کہ دل سے انکار کسی طرح ساقط نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کا کوئی مانع نہیں جو اُس سے روکے۔

ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق ہی مکلف ہے | اور صرف اتنے پر وہی اکتفا کرتا ہے جو ضعیف الایمان ہو خواہ ہاتھ اور زبان سے انکار کرنے پر قادر ہو یا نہیں لیکن قادر نہ ہونے کے وقت گناہ نہیں ہوتا ایمان بدستور ضعیف رہتا ہے کیونکہ گناہ جب کثرت سے ہونے لگیں اور مومن ممانعت پر قادر نہ ہو اور وہ چپ ہو جائے اور کچھ نہ کہے تو گنہگار نہیں ہوتا اس لیے کہ تکلیف بقدر طاقت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اُس کی وسعت کے موافق)۔

نواسویں مجلس امر و نہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہونے اور مخالفت جائز نہ ہونیکے بیان میں

آنحضرتؐ کی اتباع کا حکم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما نھیتکم عنه فاجتنبوہ وما امرتکم به فافعلوا منه ما استطعتم فانما اھلك الذین من قبلکم کثرۃ مسائلھم واختلافھم علی انبیائھم "جس بات سے میں تم کو منع کردوں اُس سے پرہیز کرو اور جس کا میں تم کو حکم کروں اُس پر جہاں تک ہوسکے عمل کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو زیادہ پوچھنے اور انبیاءؑ کی مخالفت ہی نے ہلاک کردیا"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس حدیث کا خطاب رو در رو کا خطاب ہے اور رو در رو کا خطاب اُن ہی کے ساتھ خاص ہے جو اُس وقت موجود اور حاضر تھے اور دوسرے اُن لوگوں کو شامل ہونا جو غائب ہیں اور جو اُن کے بعد قیامت تک پیدا ہوں گے بطور حقیقت نہیں ہے بلکہ یا تو فریق اول کو دوم پر غائب فرض کرکے یا اُس حکم کو کسی خارجی دلیل سے عام کرکے۔

قیامت تک حلال و حرام وہی ہے جو آنحضرتؐ کی زبان پر آچکا | کیونکہ اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ اس امت کے آخر لوگوں کو بھی وہی حکم ہے جس کا اول لوگوں کو حکم تھا جیسا کہ نبی علیہ السلام کے اس قول میں اس کی طرف اشارہ ہے "قیامت تک کے لیے حلال وہ ہے جو میری زبان پر آچکا ہے اور قیامت تک کے لیے حرام وہ ہے جو میری زبان پر آچکا ہے" پھر وہ حدیث جو سابق میں مذکور ہے ہوئی جامع کلمات میں سے ہے۔ جو نبی علیہ السلام کو دئے گئے ہیں اور اسلام کے قاعدوں میں سے ایک بڑا قاعدہ ہے اس لیے کہ اسی پر سارے اُن احکام کا مدار ہے جو وجوب اور مستحب اور حرمت اور کراہت اور اباحت ہیں کیونکہ نہی حرمت اور کراہت کو شامل ہے جیسا کہ امر ان دونوں کے علاوہ کو شامل ہے

طاقت کے مطابق عمل کا حکم | پس یہ حدیث اس قول الٰہی کے موافق ہوئی فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "پس ڈرو اللہ سے جہاں تک ہوسکے" اس لیے کہ تقوے اگرچہ تمام ممنوعات سے بچنے اور تمام احکام کرنے کا نام ہے مگر قدرت کی قید سے رہا یہ قول الٰہی اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ "ڈرو اللہ سے حق ڈرنے کا" تو صحیح اور ٹھیک جو محقق لوگوں کا مختار یہ ہے کہ قول الٰہی فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "پس ڈرو اللہ سے جہاں تک ہوسکے" اس کی تفسیر ہے اور اُسی کی مراد کو ظاہر کرنے والا ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی چنانچہ فرمایا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی گنجایش کے موافق" اور ایک اور آیت میں فرمایا وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" اور نہیں کی تم پر دین میں تنگی"

ممانعت کی سب باتوں کا چھوڑنا ضروری ہے | پھر وہ ممانعت جو نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے کہ جس سے میں نے تم کو منع کیا اس سے پرہیز کرو اس بات کو چاہتی ہے کہ جتنی باتوں سے ممانعت ہے سب کو چھوڑ دے کیونکہ تعمیل اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

تعمیل حکم بقدر استطاعت ہے | برخلاف اس امر کے جو نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے وما امرتکم بہ فافعلوا منہ ما استطعتم" اور جس کا میں تم کو حکم کروں اس کو کرو جس قدر تم سے ہو سکے" کیونکہ یہ صرف اس قدر کرنے کو چاہتا ہے جتنے کی قدرت ہو جیسے کوئی بیمار ہو تو جب وہ نماز میں کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجود کے ساتھ پڑھ لے اور اگر رکوع اور سجدہ پر بھی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے پڑھے اور سجدہ بہ نسبت رکوع کے ذرا نیچا کرے تاکہ دونوں میں فرق ہو جائے اور اگر بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو اشارہ سے کروٹ پر یا چت لیٹ کر پڑھ لے اور ایسے ہی اگر سواری پر سوار ہو اور اترنے میں اپنی جان کا یا سواری کا کسی درندہ یا چور سے خوف ہو یا بہت بارش ہوتی ہو یا اتنی کیچڑ ہو کہ منہ اس میں دھنس جائے اور کوئی خشک جگہ نہ پائے یا سواری سے اترنے اور چڑھنے سے بڑھاپے یا ضعیف المزاجی کی وجہ سے عاجز ہو یا اس کا گھوڑا شریر ہو کہ بدون مددگار کے چڑھ سکنا اس کو ممکن نہ ہو یا قافلہ جنگل میں چلا جاتا ہو اور اترے تو اپنی جان کا یا کپڑوں کا خوف ہو تو سواری کے اوپر اشارہ سے نماز پڑھ لے جس طرح بن پڑے اور ایسے ہی عورت جب اس کا کوئی محرم نہ ہو اور وہ خود اتر چڑھ نہ سکتی ہو تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لے پس ان سب صورتوں میں اسی سے تعمیل حکم ہو جائے گی اور ایسے ہی اگر اتنا کپڑا نہ ملے کہ ستر ڈھک لے اور اتنا پانی نہ ملے جس سے وضو کے اعضا ایک ایک مرتبہ دھولے یا وضو اور غسل میں بعض اعضا پر پانی لگانے سے عاجز ہو یا نماز کے کسی رکن یا کسی شرط کے ادا کرنے سے مجبوری ہو تو بقدر ممکن کر لینے سے تعمیل حکم ہو جائے گی۔

پچھلی امتوں کی ہلاکت کا ایک سبب کثرت سوال تھا | اور نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ فانما اھلک الذین من قبلکم کثرۃ مسائلھم" تم سے پہلوں کو زیادہ پوچھنے نے ہلاک کر دیا" تو مسلم میں ابو ہریرہ رضی سے اس سے صاف مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے سامنے رسول اللہ علیہ السلام نے وعظ کہا پس فرمایا اے لوگو بے شک اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے لہذا حج کرو پس ایک شخص نے کہا کیا ہر سال پس نبی علیہ السلام چپ رہے یہاں تک کہ اس نے کئی بار کہا پس نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا مجھ کو چھوڑے

رکھو جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں کیونکہ تم سے پہلے لوگ بہت سوال کرنے اور اپنے انبیاءؑ کے
کے خلاف کرتے ہی سے ہلاک ہوئے پس جب میں تم کو کسی بات کا حکم کردوں تو اُس کو کرو
جتنا تم سے ہو سکے اور جب کسی چیز سے منع کردوں تو اُس کو چھوڑ دو۔

پس نبی علیہ السلام نے گویا یہ فرمایا مجھے یوں ہی رہنے دو جب تک میں تم کو کسی بات کے حکم یا
ممانعت میں چھوڑے رکھوں اور خواہ مخواہ مجھ سے پوچھا مت کرو اور زیادہ تحقیق نہ کیا کرو ورنہ تم پر
بھی اللہ تعالیٰ ویسی ہی سختی کرے گا جیسی بنی اسرائیل پر اُس وقت کی تھی جبکہ اُن میں ایک نعش ملی
اور یہ معلوم نہ ہوا کہ کس نے مارا ہے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم کو قاتل بتادو
پس موسیٰ نبی علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو فرماتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو اور اُس کا
ایک ٹکڑا مردہ سے لگادو وہ زندہ ہو جائے گا اور اپنا قاتل تم کو بتادے گا پس جب انہوں نے
موسیٰ سے یہ بات سنی تو تعجب کرنے لگے کہ مردہ گائے کا گوشت مردہ سے لگائیں تو مردہ زندہ
ہو جائے اور اپنے قاتل کا نام بتائے پس انہوں نے گائے کا حال اور قسم اور عمر اور رنگ پوچھنا شروع
کیا یہاں تک کہ اس طرح کی گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا جو اُس طرح کی ایک ہی گائے تھی اور اُس کے
مالک نے اُس کا چمڑا سونے سے بھروا کر اُس کے عوض میں بیچی پس اُتنے ہی داموں کو مول لینی پڑی
اور ذبح کرکے گوشت کا ٹکڑا مردے سے لگایا تو وہ زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا نام بتادیا پس
لوگ اگر پہلے ہی کوئی سی گائے ذبح کر دیتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے والے ہو جاتے
لیکن انہوں نے سوال زیادہ کرکے اپنے اوپر خود سختی کرلی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کردی۔

اور بے شک اسی طرف نبی علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ جو تم سے پہلے
تھے بہت سوال کرنے والے اور اپنے انبیاءؑ کے خلاف کرنے ہی سے ہلاک ہوئے ہیں۔

انبیاءؑ سے کثرت سوال کے سبب ہلاک ہونے کی وجہ

اور زیادہ سوال کرنا اور انبیاء کے خلاف کرنا
ہلاکی کا سبب اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو اسی لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو وہ باتیں بتلائیں
جن کی اُن کو اپنے دین میں ضرورت ہے اور اُن باتوں سے آگاہ کریں جن میں اُن کی دنیا اور دین کی
مصلحت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبیؑ کو امت کے کاروبار کا امین بنایا ہے اور اُن کو یہ جائز نہیں
ہے کہ ضرورت کے وقت چپ رہیں یا مصلحت کے خلاف کچھ کہیں اور جن کا یہ حال ہو اُن سے
بار بار پوچھنا اور اُس کے خلاف کرنا اُن کے قول پر بے اعتمادی کی نشانی اور ان پر بدگمانی کی علامت
ہے اور اس میں شک نہیں کہ نبی پر بدگمانی ہلاکت کا سبب ہے حالانکہ مشائخ کا قول ہے جس نے اپنے
اُستاد سے کہا یہ کیوں وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا پھر بھلا اُس کے حق میں کیا خیال ہے جو رسولؐ کے
سامنے بے ادبی کرے اور تسلیم اور قبولیت کے مقام سے بڑھ جائے۔

بقدر حاجت سوال کرنا ضرر نہیں کرتا | پھر نبی علیہ السلام نے کثرت سوال کا ذکر کر کے اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ بعضے سوال ضرر نہیں کرتے ہیں اور یہ وہ ہیں جو بقدر حاجت ہوں اور رہے وہ سوال جو بے فایدہ ہیں اور اُن کے کرنے کے لائق نہیں ہیں تو یہ عمر کا ضائع کرنا اور شک کی دلیل ہے اور کبھی ایسے سوال کرنے نافہمی اور ضعف بصیرت کی وجہ سے کجی اور بدعتوں میں پڑ جانے کا سبب ہو جاتا ہے اور اسی لیے تم سے پہلے جو امتیں تھیں گمراہ ہو کر لعنت اور صورت بگڑ جانے وغیرہ بلاؤں اور تکلیفوں کی مستحق ہو گئیں۔

انبیاءؑ کی اطاعت و پیروی ہی کا حکم ہے | اور حدیث کا لفظ واختلافھم کثرت پر معطوف ہے سوال پر معطوف نہیں اس لیے کہ انبیاءؑ کی مخالفت بالکل جائز نہیں تھوڑی ہو یا بہت اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت کے قابل اور اپنی وحی کا امین جب ہی کیا ہے کہ آپ اُن کے ٹھیک سمجھنے کا ذمہ دار ہو گیا ہے اور نیک اور اچھے کاموں میں ہدایت سے اُن کی تائید کی ہے لہذا امت کے ہر ایک شخص کو لازم ہے کہ اُن کی بات کان لگا کر سُنے اور دل سے اُن کے سامنے گواہی دے اور اُن کے کلام کو جب وہ کچھ فرمائیں اور اُن کی خاموشی کو جب وہ چپ رہیں غنیمت سمجھے اور اُن کے ساتھ اختلاف کا دروازہ بند کرے اور اعتراض کا دروازہ نہ کھولے بلکہ اُن کی پیروی کئے جائے اس لیے کہ طاعت کے بارے میں تمام انبیاءؑ ہمارے نبی محمد علیہ السلام ہی کے برابر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں فرمایا ہے وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ "اور اُن کے تابع رہو تاکہ تم راہ پاؤ"

صحابہ کرام کی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم | اور صحابہ رضؓ کے معاملات دینی سے یہ بات یقیناً معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ تمام افعال اور اقوال میں بلا کسی قسم کے توقف اور تردد کے آپ کی پیروی کرتے تھے مگر اُس فعل میں کہ حضورؐ کے ساتھ اُس کے خاص ہونے کی کوئی دلیل قائم ہو جائے پس انہوں نے اپنی جوتی اتار ڈالی جب حضورؐ نے اپنی جوتی اتاری اور اپنی انگوٹھیاں اُتار ڈالیں جب حضورؐ نے اپنی انگوٹھی اُتار دی اور آپ کی طرز نشست اور خواب اور کھانے اور پینے کے طریقے وغیرہ کی بہت تفتیش کیا کرتے تھے تاکہ آپ کی پیروی کریں اور انہوں نے جب دنیا کو چھوڑ دینے اور دن رات عبادت کے لیے الگ ہو جانے کا قصد کیا تھا تو آپ نے فرمایا میں تو کھاتا بھی ہوں اور پیتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے پھر جائے وہ مجھ سے نہیں ہے پس دیکھو نبی علیہ السلام نے صحابہ رضؓ کو اس ارادہ سے اپنا کام بتا کر کیوں کر روکا باوجودیکہ تامل سے پہلے معلوم ہوتا تھا کہ سب سے بڑی طاعت اور سب سے افضل عبادت ہے۔

اور اسی لیے ابو بکر صدیق رضؓ نے فرمایا ہے ہمارے دین کی بنیاد منقول پر ہے مناسبات عقلی پر نہیں ہے۔
اور امام غزالی رحؒ نے اصول الدین میں کہا ہے اس بات سے بچتے رہو کہ تم اپنی عقل سے کچھ تصرف

کرد اور کہو کہ جو چیز بہتر اور مفید ہے تو وہ جتنی زیادہ ہو گی اُتنی ہی زیادہ مفید ہو گی کیونکہ تمہاری عقل امور الٰہی کے اسرار کو نہیں پا سکتی اُن کو صرف قوت نبوی نے پایا ہے پس تم اتباع کو لازم رکھو کیونکہ خاص باتیں قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیوں کر تم نماز کے واسطے بلائے گئے ہو اور تمام دن اُس سے روکے گئے ہو کہ صبح اور عصر کے بعد اور عین طلوع اور غروب اور ٹھیک دوپہر کو اُس کے ترک کا حکم ہوا ہے اور اتنا زمانہ تہائی دن کے برابر ہوتا ہے کیوں کر نہ ہو تمہارے اسی قیاس میں فساد کا اثر کھلا ہوا ہے کیونکہ تمہارا یہ قول ایسا ہی ہے جیسے تم کہو کہ دوا بیمار کو مفید ہے تو جتنی زیادہ ہو گی اتنا ہی زیادہ فائدہ ہو گا اور یہ یقینی بات ہے کہ دوا کی کثرت بعضی دفعہ مار ڈالتی ہے اور اسیاء میں کہا ہے سمجھ لو کہ طبیب حاذق جس طرح معالجات میں ایسے ایسے اسرار جانتا ہے کہ ناواقف لوگ حیران ہو جاتے ہیں ایسے ہی انبیاء ؑ دلوں کے طبیب ہیں اور اُخروی زندگی کے اسباب سے واقف ہیں پس اُن کے طریقہ پر اپنی عقل سے کچھ حکم نہ لگاؤ کہ تم ہلاک ہو جاؤ کیونکہ ایسے شخص بہت ہیں کہ اُن کی اُنگلی میں کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے پس خود اُن کی عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس پر لیپ کرنا چاہیے یہاں تک کہ طبیب حاذق آگاہ کرتا ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ بدن کے دوسری طرف کے مونڈھے پر لیپ کریں پس اس کو وہ بعید سمجھتا ہے اس لیے کہ اُسے پٹھوں کی شاخوں کی کیفیت معلوم نہیں ایسا ہی حال آخرت کی راہ کا ہے اس کے باریک طریقے عقل کے احاطہ میں نہیں سما سکتے جیسے پتھروں میں بعضے ایسے خواص ہیں کہ ہم کو اُن کا علم نہیں۔ یہاں تک کہ ہم اُس سبب کو نہیں جانتے جس سے مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے اور عقائد اور اعمال کے عجائبات تو دواؤں سے بہت زیادہ ہیں پس جیسے کہ عقلیں دواؤں کی تاثیرات جاننے سے کوتاہ ہیں باوجودیکہ ان میں تجربہ کو دخل ہے ایسے ہی عقلیں اُس بات کے جاننے سے بھی کوتاہ ہیں جو حیات اخروی میں مفید ہے باوجودیکہ تجربہ کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں تجربہ تو جب ہوتا جب کچھ مُردے لوٹ کر ہمارے پاس آتے اور ہم کو وہ اعمال بتا دیتے جو اللہ تعالےٰ سے نزدیک کر دیتے ہیں اور جو دور کر دیتے ہیں اور ایسے ہی عقائد کو بتلا دیتے اور اس کی کوئی امید نہیں لہٰذا عقل سے اتنا ہی فائدہ تم کو بہت ہے کہ تصدیق نبی علیہ السلام کی تم کو ہدایت کرتی ہے اور آپ کے اشارات کے معنی سمجھا دیتی ہے پھر اس کے بعد عقل کو تصرف سے الگ رکھو اور اتباع کو لازم کر لو کیوں کہ اگر تمہاری سلامتی ہے تو اسی میں ہے۔

امور دینی میں عقل کی حیثیت کسی عالم کا قول ہے کہ عقل تم کو نبی علیہ السلام کی تصدیق تک پہنچا دیتی ہے اس کے بعد تم اُس کو چھوڑ دو اور جو کام نبی علیہ السلام نے کیے ہیں اور جن کو چھوڑ دیا ہے اس میں آپ کی پیروی کرو جیسے تمہارے ظاہری سفر میں گھوڑا کہ وہ تم کو دریا تک پہنچا دیتا ہے اس کے بعد

تم اس کو چھوڑ دیتے ہو اور کشتی میں سوار ہو جاتے ہو اور اس کے چلانے اور ٹھہرانے میں ملاح کی پیروی کرتے ہو۔

اور شیخ کلاباذی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امور دینی کی بنیاد بندوں کی عقل پر نہیں رکھی ہے اور نہ ان باتوں کے لحاظ سے وعدہ اور وعید کیا ہے جن کو ان کی عقلیں جان سکتی ہوں اور اپنی سمجھ سے وہ اسے معلوم کر لیتے ہوں یا اپنی رائے سے قیاس کر لیتے ہوں بلکہ وعدہ اور وعید اپنی مشیت اور ارادہ کے موافق کیا ہے اور امر اور نہی اپنی حکمت اور علم کے مطابق فرمایا ہے اور اگر ہر وہ امر جو عقل سے دریافت نہ ہو سکتا ہو مردود ہو تو اکثر احکام شرعی عقول عباد کے موافق محال ہو جائیں اور وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے منی کے نکلنے سے جو کہ بعض صحابہ اور اکثر فقہائے امت کے نزدیک پاک ہے نہانا واجب کر دیا ہے اور پاخانہ کے نکلنے سے صرف اعضائے وضو کا دھونا واجب کیا جس کی نجاست اور پلیدی اور بدبو میں اس امت میں سے کسی کو اس امت کے علاوہ کسی عاقل کو اختلاف نہیں ہے اور منع حدث سے ہوا کے نکلنے سے بھی وہی واجب کیا ہے جو کثیر اور بڑے پاخانہ کے نکلنے سے واجب کیا ہے پس کونسی عقل سے یہ درست ہو سکتا ہے اور کونسی رائے ہوا کو جس کی کچھ جسمیت بھی معلوم نہیں ہے اس کے ساتھ برابری واجب کرتی ہے جس کی جسمیت موجود ہے اور ہوا سے بدبو اور نجاست میں زیادہ ہے اور دس درہم کی چوری پر اور بعضوں کے نزدیک تین درہم کی چوری یا اس سے زیادہ پر مومن کا داہنا ہاتھ کاٹ دینا واجب کیا پھر مال کی اتنی مقدار میں (یعنی دس درہم یا تین درہم اور ان سے کم) اور لاکھ اشرفی میں برابری کر دی کہ دونوں میں ہاتھ کاٹنا برابر ہے اور ماں کو اولاد کے ترکہ سے تہائی دلایا ہے پھر اگر میت کے دو بھائی بہن ہوں تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہے بلا اس کے کہ وہ بھائی بہن میت کے کچھ وارث ہوں پس تسلیم اور اطاعت کے سوا کس عقل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے خداوند تعالیٰ ہم پر اپنے لطف و کرم سے تسلیم اور اطاعت آسان فرما دے۔

وے مجلس اللہ تعالیٰ کے غصہ پر اس کی رحمت کے غالب ہونے اور دونوں کی حقیقت کے بیان میں

اللہ کی رحمت غصہ پر غالب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لما قضی اللہ الخلق کتب کتابا فھو عندہ فوق عرشہ ان رحمتی سبقت غضبی وفی روایۃ ان رحمتی غلبت غضبی" جب اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا کر چکا تو ایک حکم لکھا پس وہ اس کے عرش کے اوپر اس کے پاس ہے کہ بے شک میری رحمت میرے غصہ پر سابق ہے اور ایک روایت میں ہے بے شک میری رحمت

میرے غصہ پر غالب ہے۔
یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہؓ نے اس کو روایت کیا ہے۔
اللہ کی رحمت کے غضب پر غالب ہونے کے معنیٰ اور اُس کے معنٰے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلقت کو پیدا کیا تو ایک یقینی حکم کیا اور ایک لازمی وعدہ فرمایا کہ اُس کی رحمت اُس کے غضب پر سابق اور غالب ہے پس رحمت سے مراد مطیع کو ثواب دینے کا ارادہ ہے اور غضب کا مطلب گنہگار کو بدلہ دینے کا ارادہ ہے۔
پس اس بیان کے موافق ان دونوں میں سے ہر ایک اللہ تعالےٰ کی صفات میں سے ایک ایسی صفت ہے جو ارادہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ صفاتِ الٰہی سب قدیم ہیں ایک کو دوسرے پر سابق اور غالب نہیں کہا جا سکتا پس یہ کہنا لازم ہے کہ اس کلام سے مقصود اللہ تعالےٰ کی وسعت رحمت اور تمام خلق کو اُس کے شامل ہونے کا بیان ہے کیونکہ رحمت فرمانبردار اور گنہگار اور چھوٹے اور بڑے سب پر ہوتی ہے اور رہا غضب تو وہ فقط گنہگار پر ہوتا ہے۔
پھر یہ کہ رحمت میں سے خلقت کا حصہ بہ نسبت غضب کے زیادہ ہے کیونکہ لوگ رحمت کو تو بدون استحقاق پاتے ہیں اور غضب بغیر استحقاق نہیں پاتے پس رحمت ایسی ہوگئی کہ گویا وہ بہ نسبت غضب کے سابق اور غالب ہے۔
رحمت کا تقاضا | پھر یہ کہ رحمت غیر سے مضرت کے دور کرنے اور اُس کو فائدہ پہنچانے کو چاہتی ہے اور اگرچہ خود اس غیر کا نفس اُس کو برا جانے اور اُس پر دشوار گذرے اور حقیقی رحمت یہی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ باپ کی رحمت بیٹے کے ساتھ یہی ہے کہ اُس کو شہوات سے منع کرے اور علم اور ادب پر مار مار کر مجبور کرے اور جب اس طریقہ میں بیٹے کے ساتھ لاپروائی کرے گا تو یہ اس پر بے رحمی ہوگی اگرچہ وہ یہی سمجھے کہ یہ میری شفقت ہے کیونکہ یہ شفقت جہالت کی ہے جیسے ماں کی شفقت اور اسی لیے اللہ تعالےٰ کی رحمت بندوں پر یہ ہے کہ اُن کو اوامر اور نواہی کے ذریعہ سے آزمائے یہ بات نہیں کہ خدا کی اُن کے ساتھ کوئی غرض ہے جس کی وجہ سے اُن کو حکم دیا ہے اور نہ یہ کہ جس بات سے اُن کو منع کیا اُس میں اُن کے ساتھ بخل ہے بلکہ اس لیے کہ سیدھی راہ چلیں اور دائمی عیش میں داخل ہوں۔
بندوں پر رزق کی تنگی اور مصیبت بھی رحمت ہے | اور یہ بھی اُس کی رحمت ہے کہ دنیا ان کو کم کر دی اور مکدر کر دی اور دنیا میں اُن پر بچانے کی غرض سے بلائیں مسلط کر رکھی ہیں تاکہ مطمئن ہو کر اُس سے غایت درجہ کی محبت نہ کریں اور اخروی مرتبوں سے الگ رہ جائیں پس چونکہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو مرتبوں کی طرف ابتلا کے کوڑوں سے چلایا ہے لہٰذا اُن کو اب اکثر باتوں سے روکا ہے تاکہ آئندہ

عطا کرے اور اب اس لیے مصیبت میں مبتلا کیا کہ آئندہ عافیت دے اور اب اس لیے موت دی کہ آئندہ ابدی زندگی عطا کرے اس لیے کہ بندہ جب مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس کے نفس کی تیزی گھٹ جاتی ہے اور بشری صفات جاتے رہتے ہیں اور ہوا و ہوس کا مادہ اور دنیا کی لذت منقطع ہو جاتی ہے اور ہر خوشی اور رنج کی حالت میں اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اُس کی طرف متوجہ رہنے سے مالوف ہو جاتا ہے اور اُس کے سامنے صبر اور رضا پر جم جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اولیا، اور احباب کے درجہ پر بلند کر دیتا ہے کیونکہ بلا بندہ کو پگھلا دیتی ہے پس گویا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کو بلا وتنگی آگ سے پگھلاتا ہے تاکہ اخلاق بشری کے میل کچیل سے اُس کو صاف کر دے اور اپنی ولایت اور محبت کے لائق بنا دے اور یہی بڑی سعادت اور بڑی کرامت ہے۔

دائمی نعمت صرف دین حق ہی ہے

لیکن بنی آدم سے نادانی ہوئی اور انہوں نے سعادت اور کرامت دین فاسد اور دنیائے فانی کے ذریعہ سے طلب کی حالانکہ فی الواقع یہ دونوں اُس چیز کے خلاف ہیں جس کو طلب کرتے ہیں لہذا اُن کا مطلوب جس طریقہ سے انہوں نے طلب کیا تھا اُسی سے فوت ہو گیا اور جس رنج سے بچنا چاہتے تھے اُس میں جا پڑے اور یہ اس واسطے کہ جو اعمال لوگ کرتے ہیں ان کو یا دین بنایا ہے یا نہیں اور جن کو دین بنایا ہے وہ یا دین حق ہے یا نہیں پس دائمی نعمت تو صرف دین حق ہی میں ہوتی ہے پس دائمی نعمتوں والے صرف دین حق کے لوگ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی جگہ اس کی خبر دی ہے۔

پرہیزگاروں کا انعام

منجملہ اُن کے پرہیزگار ہدایت والوں کے حق میں ایک یہ آیت ہے اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "یہی لوگ ہیں راہ پر اپنے رب کی اور یہی ہیں مراد کو پہنچنے والے" اور یہ آیت فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی "پھر جو چلا میری بتائی راہ پر وہ نہ بھٹکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا" اور یہ آیت فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ "تو جو کوئی چلا میرے بتائے پر نہ ڈر ہے اُن کو اور نہ اُن کو غم ہوگا" اور یہ آیت اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ "بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں اور بیشک گنہگار ہیں دوزخ میں" اور قرآن ہدایت اور نیک اعمال والوں کے لیے آخرت میں دائمی نعمت کے وعدوں اور گمراہوں اور بدکاروں کے واسطے آخرت میں دوزخ کی وعیدوں سے بھرا ہوا ہے اور اس پر تمام انبیاء علیہم السلام اول سے آخر تک متفق ہیں۔

نیک لوگوں پر مصیبتیں آخرت کی ترقی کا سبب ہیں

وہ مصیبتیں جو دنیا میں لوگوں کو ہوتی رہتی ہیں تو اگر وہ لوگ گنہگار نہ ہوں تو وہ مصیبتیں عقبیٰ میں رفع درجات کے لیے ہوتی ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی شخص کا اللہ کے یہاں کوئی خاص مرتبہ ہوتا ہے اور وہ بذریعہ عمل اُسے حاصل

نہیں کر سکتا ہے پس اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُس کو ایسی باتوں میں مبتلا رکھتا ہے جو اُس کو ناپسند ہیں یہانتک کہ اُس درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

گناہ گاروں کی مصیبت کا سبب اور اگر وہ لوگ خطا وار ہیں تو وہ مصیبتیں اُن کے گناہوں کے سبب سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ "اور جو پڑے تم پر کوئی مصیبت سو وہ اُس کے سبب سے ہے جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے"۔ پس وہ مصیبتیں جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اُن کے گناہوں کا کفارہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب آدمی کے گناہ زیادہ ہوجاتے ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی جو اُن کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اُس کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ اور ایک اور حدیث میں ہے جو ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہمیشہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت پر اُس کی جان اور مال اور اولاد پر بلا آتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملتا ہے کہ اُس پر کوئی گناہ نہیں رہتا لیکن بعضے باوجود گناہوں میں آلودہ ہونے کے یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم دین حق پر خوب قائم ہیں اور اپنی جہالت سے اپنے رب پر تہمت رکھتے ہیں اور اپنے ساتھ اُس کا احسان نہیں سمجھتے اور جب اُن پر کسی طرح کی بلا آتی ہے تو کہتے ہیں اے میرے پروردگار میری کیا خطا ہے جو تو نے میرے ساتھ ایسا کیا اور یوں اعتقاد کرتے ہیں کہ دنیا میں سلامتی اور آرام نیکوں کے لیے ہے اور دنیا میں محنت اور مشقت بدکاروں کے واسطے ہے اور اسی پر بھروسا کیے ہوئے ہیں۔

دین حق حقیقت سے ناواقفی کے نتائج اور یہ اعتقاد بہت بڑا فتنہ ہے اکثر خلقت کو اس دین حق پر قائم رہنے سے روک رکھا ہے اور اس کی بنیاد دین حق کی حقیقت سے ناواقفی ہے اور اس ناواقفیت سے دین حق پر قائم رہنے سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس اعتقاد سے اکثر وہ جاہل عابد بگڑ گئے ہیں جن کو امور دین سے کچھ واقفیت نہیں اور وہ نام کے عالم جن کو حقائق دین کی کچھ معرفت نہیں اس لیے کہ یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ آدمی اگرچہ نبی علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام پر ایمان رکھتا ہو مگر وہ اپنے لیے ضروریات یعنی نفع حاصل کرنے اور ضرر کے دفع کرنے کا محتاج ہے اور جب یہ اعتقاد کر لیا کہ دین حق پر قائم ہونا اس کے برخلاف ہے اور جس نے دین حق کو لیا اُس کو ایسی بلا کا سامنا ہوگا جس کی طاقت نہیں اور اُس کو لذتیں اور موجودہ فائدے نہ ملیں گے تو اس سے اس کا لگے مقرب لوگوں کے حال سے منہ موڑنا لازم آتا ہے بلکہ راہ راست والوں کے حال سے بھی جو داہنے ہاتھ والے ہیں بلکہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونا لازم آتا ہے بلکہ منافقوں کے زمرہ میں یہاں تک کہ بعضوں کو تم کہتے سنتے ہو کہ جب میں اللہ سے تو بہ اور

اعمال نیک کرتا ہوں تو میری روزی تنگ اور عیش مکدر ہو جاتا ہے اور جب میں معصیت کی طرف لوٹتا ہوں اور نفس کی مراد پوری کرتا ہوں تو میرا رزق فراخ اور عیش عمدہ ہو جاتا ہے اور یہ حالت اللہ کے دین اور اُس کے وعدہ اور وعید کو نہ جاننے سے ہے اور اس جہالت سے کہ کتنا دین حق میرے پاس ہے کیونکہ وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ میں دین حق پر قائم ہوں اور احکام کو بجا لاتا ہوں اور ممنوعات کو ترک کرتا ہوں حالانکہ وہ اکثر اوقات بہتیری باتیں جو اس پر واجب ہیں اس وجہ سے کہ وہ اُن کو نہیں جانتا ہے یا اُن کو واجب نہیں جانتا ہے چھوڑ دیتا ہے پس اس صورت میں علم میں کوتاہی کرنے والا ہوگا بلکہ اکثر اُن کو اور اُن کے واجب ہونے کو جانتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے یا تو سستی اور کاہلی سے یا کسی باطل بہانہ سے یا اس وہم سے کہ اُس سے ضروری کام میں لگا ہوا ہوں یا اور کسی وجہ سے بلکہ اکثر اوقات اللہ کی عبادت اُس چیز کو چھوڑ کر کرتا ہے جو اُس پر واجب ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو باوجود اس پر قادر ہونے کے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں بے فائدہ کاموں کو چھوڑ کر اللہ کا قرب حاصل کرتا ہوں اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں دین حق پر قائم ہوں اور یہ خبر نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مردود اور سب سے زیادہ مبغوض ہے بلکہ اکثر اوقات اُس چیز سے خدا کی عبادت کرتا ہے جو اللہ نے اُس پر حرام کی ہے اور یہ اعتقاد کرتا ہے کہ یہ طاعت اور عبادت ہے اور اُس کا حال اس عمل میں اُس شخص سے بدتر ہے جو اُس کو گناہ اور معصیت سمجھ کر کرتا ہے جیسے گانا سننے والے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست اور اُس کے محبوب ہیں اور اکثر لوگ جب اُن پر اُن کا دشمن غالب ہو جاتا ہے اور وہ اپنے نزدیک نیک ہوتے ہیں اور اُن کا دشمن فاسق اور اُن کے خیال میں یہ ہوتا ہے کہ میں بہر حال حق پر ہوں اور مظلوم ہوں اور میرا دشمن باطل پر ہے اور ظالم ہے تو کہتے ہیں کہ حق والے دنیا میں مغلوب اور مقہور ہوتے ہیں اور اہل باطل سربلند اور فتحیاب ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ کبھی خود اُس کی طرف ایک طرح کا ظلم اور باطل ہوتا ہے اور اُس کے دشمن کی طرف ایک طرح کا حق اور انصاف لیکن آدمی کی پیدائش چونکہ اپنی محبت اور دشمن کی عداوت پر ہوئی ہے اس لیے وہ بجز اپنی خوبیوں اور دشمن کی برائیوں کے کچھ نہیں دیکھتا بلکہ کبھی اپنی محبت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اپنی برائیوں کو بھی نیکیاں سمجھتا ہے اور دشمن کی عداوت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اُس کی خوبیوں کو برا جانتا ہے اور یہ بات اُس جہالت کی وجہ سے ہے جو ظلم اور نفسانی خواہش سے ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اُس کے وعید اور اس بات کے نہ جاننے سے ہے کہ میرے پاس کتنا دین حق ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں دین حق اور اُس پر علم اور عمل کے ساتھ قائم رہنے والوں کی مدد کا ضامن ہوا ہے اور باطل کی مددگاری کا ضامن نہیں ہوا ہے اگرچہ

باطل والا اپنے آپ کو حق پر جانے۔

عزت اور رفعت صرف دین والوں کے لیے ہے | اور اسی طرح عزت اور رفعت میں سے ہر ایک صرف دین والوں کے لیے ہے جس کو دیکر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور کتابیں اتاریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ "اور اللہ ہی کو عزت ہے اور اس نے رسول کو اور ایمان والوں کو" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ "اور تم ہی غالب رہو گے اگر ہو تم ایمان والے" پس بندہ کا عزت اور رفعت میں سے اسی قدر حصہ ہے جتنا اس کے پاس علم اور عمل کے اعتبار سے ایمان اور اس کے حقائق ہوں پھر اگر اس کی عزت اور رفعت میں سے کچھ جاتا رہا ہو تو وہ اس کے بدلے میں ہے جو علم اور عمل کے اعتبار سے حقائق ایمان اس سے جاتے رہے ہیں اور ایسے ہی پوری امداد اور کامل تائید صرف کامل ایمان والوں ہی کی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کا دنیا میں بھی مددگار ہے | اور کبھی اکثر لوگوں کے بارہ میں غلطی ہو جاتی ہے اور یہ اعتقاد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین حق والے کی تائید نہیں کرتا ہے اور نہ مدد کرتا ہے اور نہ اس کو کسی طرح کا دنیا میں آرام دیتا ہے بلکہ ایسا شخص دنیا میں مدت العمر مظلوم اور مغلوب ہو کر بسر کرتا ہے باوجودیکہ جس بات کا حکم ہے اس کو ظاہراً اور باطناً بجا لاتا ہے اور جس سے ممانعت کی گئی ہے اس سے ظاہراً اور باطناً بچتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ دین حق والے دنیا میں ذلیل اور مغلوب ہی ہوتے ہیں پس اگر ان باتوں کا ذکر ہوتا ہے جن کا قرآن میں وعدہ ہے تو کہتا ہے یہ صرف آخرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین نہیں لاتا کہ اپنے دین اور دینداروں کا دنیا اور آخرت میں مددگار ہے اور یہ کج فہمی کی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں مومنوں کی مدد کریگا فرمایا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ "ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں اور جس دن کھڑے ہونگے گواہ" اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ ... مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا "اور اگر لڑتے تم سے وہ جنھوں نے کفر کیا تو ضرور پھیرتے پیٹھ پھر نہ پائیں گے حمایتی اور نہ مددگار رسم پڑی ہے اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور نہ دیکھے گا تو اللہ کے طریقے کو بدلتے" اور یہ ان مومنوں کو خطاب ہے جو ایمانی حقائق ظاہر و باطن میں قائم ہیں۔

عاقبت سے مراد | اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ "اور آخر بھلائی ہے پرہیزگاروں کے لیے" اور عاقبت سے مراد آخرت سے پہلے دنیا کا آرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو سورۂ اعراف میں حضرت موسیٰ نبی علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا اسے نقل کرتے ہوئے

ذکر کیا ہے کہ اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿﴾ "مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اُس کا جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور آخر بھلائی ہے پرہیزگاروں کے لیے"

بلکہ اسی کی طرح سورۂ ہود میں نوح علیہ السلام کے قصہ اور اپنی قوم پر اُن کے فتحیاب ہونے کے بعد ذکر فرمایا ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَآ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿﴾ "یہ بعضی خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف اُن کو تو نہ جانتا تھا اور نہ تیری قوم اس سے پہلے پس صبر کر بے شک آخر بھلائی ہے پرہیزگاروں کیلیے"

لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ آخر کو نصرت تیرے لیے ہے اور تیرے ساتھیوں کے لیے جیسے نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے لیے تھی اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿﴾ "اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی" اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ﴿﴾ "پھر تائید کی ہم نے اُن کی جو ایمان لائے اُن کے دشمنوں پر پس ہو گئے وہ غالب"

اللہ کی تائید کم ہونے کی وجہ | اس جس کا عمل مقتضائے ایمان سے گھٹ گیا اُس کا حصہ بھی مدد اور تائید کا گھٹ جائے گا اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ آدمی پر جو مصیبت آتی ہے اُس کی جان پر یا مال پر یا دشمن کا اُس پر غالب آنا تو یہ سب اُس کے گناہوں کی وجہ سے ہے یا تو واجب ترک کرنے سے یا کسی حرام کے کرنے سے پھر یہاں کئی باتیں ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔

انسان پر مصیبت ارادۂ الٰہی سے ہی آتی ہے | اول یہ کہ آدمی پر بعضے وقت جو مصیبت آتی ہے دشمن کا اس پر غالب آنا اور اُس کا ایذا دینا سو یہ بات طبیعت بشری اور عالم انسانی کو ایسی ہی بمقتضائے ارادۂ الٰہی اور حکمت ربانی لازم ہے جیسے شدید گرمی اور سخت جاڑے اور بیماریاں اور فکر اور غم جو آدمی کو لاحق ہوتے ہیں یہاں تک کہ بچوں اور جانوروں کو بھی پس اگر خیر شر سے اور نفع ضرر سے اور لذت الم سے خالی ہوتا تو یہ عالم کے علاوہ کوئی اور ہی عالم ہو جاتا اور اس دنیا کے علاوہ کوئی دوسری دنیا ہو جاتی۔

مصیبت میں گرفتاری کا معاشرتی سبب | اور دوسرے یہ کہ آدمی خلقتاً تمدن پسند ہے اُس کو ممکن نہیں کہ اکیلا زندہ رہ سکے بلکہ اُس کے لیے ضروری ہے کہ اور لوگوں کے ساتھ رہے اور لوگوں کے اپنے اپنے ارادے اور مقاصد ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ یہ ان میں ہماری موافقت کرے اور اگر یہ موافقت نہیں کرتا ہے تو ایذا دیتے ہیں اور ستاتے ہیں اور اگر ان کی موافقت کی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ باطل میں اُن کی مخالفت کا رنج اُس رنج سے بہت سہل ہے جو اُن کی موافقت پر حاصل ہوتا ہے پس وہ تھوڑا سا رنج جس کے بعد بڑی دائمی لذت ہے اُٹھانا اولیٰ ہے بہ نسبت اُس تھوڑی سی لذت کے جس کے بعد ہمیشہ کا بڑا الم ہو۔

موت سے فرار ممکن نہیں | تیسرے یہ کہ جو بلا انسان پر راہ حق میں آتی ہے اس سے خالی نہیں کہ یا تو اُس کی جان پر ہو گی یا اُس کے مال پر یا اُس کی آبرو پر یا اہل پر اور ان قسموں میں سب سے سخت وہ ہے جو خود اُس کی جان پر ہو اور اُس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ مارا جائے اور شہید ہو جائے اور یہ سب موتوں میں اشرف اور سب سے سہل ہے اس لیے کہ شہید کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی مگر اتنی کہ جیسے چیونٹی کاٹ کھائے اور شہید کے قتل ہونے میں اس سے زائد تکلیف نہیں ہوتی جو بنی آدم کو بستر پر مرتے وقت معمولی ہوا کرتی ہے اور کوئی موت اجل سے پہلے نہیں ہوتی اس لیے کہ عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مقتول اپنی موت پر مرتا ہے پس جو شخص اپنی موت یا قتل سے بھاگے اور یہ گمان کرے کہ میرے بھاگنے سے میری عمر بڑھ جائے گی اور زیادہ زندگی سے فائدہ اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس خیال میں اس کو جھٹلایا ہے اور فرمایا ہے قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (تو کہہ دے ہرگز نہ فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگو گے تم مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر نہ پھل پاؤ گے مگر کم) پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا کہ موت یا قتل سے بھاگنا فائدہ نہیں دیتا مگر کچھ تھوڑا سا اس لیے کہ موت سے کسی کو رہائی نہیں بلکہ اس سے کوئی چارہ نہیں پس اس بھاگنے سے وہ بات جاتی رہے گی جو اُس کے لیے بہتر ہے یعنی ہمیشہ کی زندگی جو شہید کو اُس کے رب کے پاس ملتی ہے۔

جو اللہ کی اطاعت سے اعتراض کرتا ہے وہ مخلوق کی اطاعت پر مجبور ہوتا ہے | پس اس لیے جو شخص دنیا کے آرام کو اللہ کے راستے کی محنت کے بدلہ میں پسند کرتا ہے تو راہ خدا کے علاوہ جو محنت اُسکو ہوتی ہے اس سے بدرجہا زیادہ میں خداوند تعالیٰ اُسے ڈال دیتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابلیس جب آدم علیہ السلام کے سامنے ذلیل ہونے سے بچنے کے لیے سجدہ سے باز رہا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو سب سے زیادہ ذلیل کر دیا اور قیامت تک ان کی اولاد میں سے فساق اور فجار کا خادم بنا دیا اور ایسے ہی جو شخص اس سے باز رہتا ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے سامنے ذلیل کرے اور اپنے بدن کو اللہ کی طاعت اور مرضی کے لیے رنج میں ڈالتے ہیں تو ضرور ہے کہ اُس شخص کے سامنے ذلیل ہو گا جو تمام خلق اللہ میں زیادہ ظالم اور زیادہ مفسد ہو اور اپنی جان اور بدن کو اُس کی طاعت اور مرضی کے کاموں میں رنج میں ڈالے گا اللہ کی طرف سے یہ اُس کی سزا ہے اور اسی لیے کسی عارف نے کہا ہے جو شخص اپنے اختیار سے حق تعالیٰ کی بندگی نہ کرے گا وہ ناچار ہو کر خلق کی بندگی کرے گا پس خالق کی خدمت سے الگ ہو کر مخلوق کی خدمت کرے گا پس اس بنا پر آدمی کو واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُسکی طاعت میں مشغول ہو اور اُس پر اعتراض کرنا چھوڑ دے اور ہر بات میں جو اس کے پاس سے آئے اُس کی قضا پر راضی رہے نفع ہو یا نقصان صحت ہو یا مرض منع ہو یا عطا رنج ہو یا تکلیف اور

اللہ کے اس قول کا لحاظ رکھے عَسٰٓی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ "شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے لیے اور شاید تم پسند کرو کوئی چیز اور وہ بُری ہو تمہارے لیے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو"

گناہوں کے سبب آنے والی اکثر مصیبتوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے | اور یقین رکھے کہ اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہے جتنا ماں اپنے بچے پر اور اللہ تعالیٰ خود اس سے زیادہ اس کی مصلحت جانتا ہے پھر جب کوئی عطا اس کی طرف سے ظاہر ہو تو اللہ کا شکر بجا لائے اور جب بلا آئے تو اپنے نفس کا حساب لے کہ کیا خطا ہوئی جس سے اس بلا کا مستحق ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ۝ "اور نہیں آتی تم پر کوئی مصیبت مگر اسی وجہ سے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کر دیتا ہے"

پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادیا ہے کہ بندہ پر جو کوئی مصیبت آتی ہے اُس کے اُن گناہوں کی وجہ سے ہے جو خود اُس نے کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن میں سے اکثر معاف کر دیتا ہے لہٰذا اُن کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں کرتا۔

آخرت کی معافی کی صورت | اور عقبےٰ میں اگر توبہ نہ کی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے پس اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو معاف کر دے گا اور بلا عذاب جنت میں داخل کر دے گا اور اگر چاہے گا تو دوزخ میں گناہوں کے برابر عذاب دے گا پھر اُس سے نکالے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

مومن کے لیے پانچ سزائیں | حضرت علیؓ کہتے ہیں مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں پانچ سزائیں ہیں اوّل تو بیماری۔ پھر مصیبتیں۔ پھر اگر اُس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوئے تو قبر میں عذاب ہو گا پھر اگر اس سے بھی زیادہ ہیں تو پلصراط پر روک رکھا جائے گا اور اگر اس سے بھی زیادہ ہوئے تو اپنے گناہوں کے موافق دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ پھر توحید کی برکت سے اُس سے نکال لیا جائے گا۔

اکیانویں مجلس اس بیان میں کہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے

انسان کے اندر شیطان کے دوڑنے کا مطلب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم "بے شک شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ام المومنین صفیہؓ نے روایت کی ہے اور شیطان سے اس جگہ اُس کا وسوسہ مراد ہے خود شیطان نہیں پس اب لفظ مجری میں اس بات کا احتمال ہے کہ اسم ظرف ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ شیطان کا مکر اور اُس کا وسوسہ انسان میں وہاں وہاں

چلتا ہے جہاں جہاں خون چلتا ہے یا تمام رگوں میں اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصدر میمی ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ شیطان کا مکر اور اُس کا وسوسہ انسان کے اندر خون کی طرح چلتا پھرتا ہے کیونکہ خون جیسے انسان کے اعضاء میں پھرتا ہے بغیر اس کے کہ آدمی کو اُس کا چلنا کچھ معلوم ہوتا ہو ایسے ہی شیطان کا وسوسہ انسان کے اعضاء میں پھرتا ہے بلا اس کے کہ آدمی کو اُس کے چلنے کی خبر ہو اور بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ خود شیطان مراد ہو نہ اُس کا وسوسہ پس اس لیے کہ وہ چونکہ کثیف چیز نہیں ہے تو کچھ بعید نہیں کہ انسان کی رگوں میں پھرتا ہو کیونکہ غیر کثیف چیز کثیف میں گھس جاتی ہے جیسے ہوا بدن میں چلی جاتی ہے۔

انسان کو گمراہ کرنے کا شیطانی طریقہ پس اس صورت میں شیطان ہی انسان کے اندر خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اور اُس کے نفس سے ملتا ہے اور اُس کی محبوب اور مقصود باتیں پوچھتا ہے پس جب اُس کا مقصود اور مراد جان لیتا ہے تو اُس سے انسان کو بھٹکانے اور طریق مستقیم سے نکالنے میں مدد دیتا ہے پس وہ اُس کو ایسے گھاٹ لگاتا ہے جس کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ اس میں فایدہ ہے پھر ایسی جگہ لاتا ہے جہاں کچھ عطا ہاتھ آئے پھر اُس سے الگ ہو جاتا ہے اور اسی کے حوالے کر دیتا ہے اور آپ الگ ہو کر خوش ہوتا ہے اور اُس پر ہنستا ہے۔

انسان کو ذلیل کرنے کا شیطانی طریقہ پس وہ آدمی کو چوری اور زنا اور خون کرنے کا حکم کرتا ہے پھر ظاہر کر دیتا ہے اور رسوا کرتا ہے جیسے کہ اُس راہب کے ساتھ کیا تھا جس نے ایک عورت سے زنا کیا پھر جب اُس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو اُس کو اور اُس کے بچہ کو قتل کر ڈالنے کی زاہد کو صلاح دی عورت کے گھر والوں کو بتا دیا اور اُس کا سب حال کھول دیا پھر جب اُن لوگوں نے ان کو سولی دینا چاہا تو اپنے سجدہ کرنے کا حکم دیا کہ میں بچا لوں گا پس جب اُس نے سجدہ کیا تو اُس کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور اسی قصہ کے بارے میں یہ قولِ الٰہی اُترا ہے كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ جیسے کہاوت شیطان کی جب کہا انسان کو کہ کافر ہو جا پس جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا میں بری ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اور یہ مکر اسی شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے جس کا یہ قصہ بیان ہوا بلکہ ہر اُس شخص کو عام ہے جو شیطان کے کفر اور گناہ کرنے کے حکم کو اس لیے مانتا ہے کہ وہ اُس کی مدد کرے گا اور اس کی حاجت پوری کرے گا پھر اُس سے الگ ہو جائے گا اور اُسی کے حوالے کر دے گا جیسا کہ اپنے سارے دوستوں سے قیامت کے دن براءت کرے گا اور یہ کہے گا اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۔ میں انکار کرتا ہوں اُس کا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا۔ پس بے شک وہ اپنے دوستوں کو دنیا میں تو کسی گھاٹ لگا دیتا ہے پھر اُن سے قیامت کے دن

الگ ہو جائے گا۔

انسان پر شیطان کے غلبہ کی حقیقت پس اس بنا پر عاقل کو لازم ہے کہ اپنے دل سے اُس کے وسوسہ کے دور کرنے کی کوشش کرے اس لیے کہ انسان پر اس کا غلبہ قہر اور مجبور کر کے نہیں ہے بلکہ اُس پر اُس کا غلبہ گناہوں کے آراستہ کر کے دکھلانے اور بہکانے سے ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ابلیس زینت دینے کو پیدا ہوا ہے اور گمراہ کرنے کا کچھ اختیار اُسکو نہیں ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمایا کہ شیطان بنی آدم پر اس طرح مسلط نہیں کہ اُن کو معصیت کا حکم کرے اور اُس پر مجبور کر دے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُس کے شر سے کوئی نہ بچتا بلکہ اُس کا یہ حال ہے کہ اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور معصیت کو اُن کی نظروں میں اچھا بنا کر دکھاتا ہے اور اس سے زیادہ اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے نقل کیا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخیوں سے کہیگا وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ج فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط "اور نہ تھا مجھ کو تم پر کچھ غلبہ مگر اتنا کہ میں نے تم کو بلایا پس تم نے مان لیا پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنے آپ کو"

یعنی باطل کی طرف تم کو میرا بلانا کچھ بطور قہر اور جبر کے نہ تھا اور نہ کسی حجت اور دلیل سے تھا جو میری سچائی پر دلالت کرتی ہو بلکہ صرف زینت اور آرائش دینے سے تھا پس تم نے میرا کہا اپنی ہوا و ہوس اور غرضوں کے موافق ہونے کی وجہ سے تو مانا اور اپنے پروردگار کا کہنا نہ مانا جس نے حق کی طرف تمہیں اس طرح بلایا کہ وہ بلانا حجتوں اور دلائل کے ساتھ تھا کیونکہ تمہاری خواہشوں اور غرضوں کے موافق نہ تھا۔

شیطان کو انسانوں کو گمراہ کرنے کی مہلت پس چونکہ دشمن خدائے تعالیٰ جب آدم نبی علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے باز رہا اور مقرب ملائک کی جماعت سے یا جنت سے نکال دیا گیا اور اُس نے درخواست کی کہ اُس دن تک جس میں آدم نبی علیہ السلام اور ان کی اولاد جزا کے لیے اٹھائے جائیں گے مہلت دی جائے تو اُس کو اس وقت معلوم کے دن تک مہلت ملی اور وہ پہلے نفخہ کا وقت ہے کہ جس کی نسبت اللہ جانتا ہے کہ جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اُس وقت سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے تو شیطان نے کہا قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○ "اے رب اس وجہ سے کہ تو نے مجھ کو راہ سے کھویا میں اُن کو بہار دکھاؤں گا زمین میں اور بہکاؤں گا اُن سب کو مگر جو تیرے بندے اُس میں سے چنے ہوئے ہیں"

اللہ کی اطاعت وعبادت کرنے والے شیطان کے اثر سے پاک رہیں گے | اور اس نے ان بندوں کو الگ کر دیا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت اور عبادت کے لیے چن لیا ہے اور ان کو اس کے بہکانے کے اثر سے پاک رکھا ہے پس جب ان کو نکال دیا اور ان کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ "یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر قابو نہیں مگر وہی جو تیری راہ چلا بہکنے والوں میں سے"، پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دے دی ہے کہ اس کے وہ بندے جن کو اس نے اپنی طاعت اور عبادت کے لیے چن لیا ہے ان پر دشمنِ خدا کا کچھ قابو نہیں ہے بلکہ اس کا قابو ان ہی لوگوں پر ہے جو گمراہ اس کے تابع ہیں۔

اور دوسری آیت میں خبر دی ہے کہ اس کے مومن اور متوکل بندوں پر اس کا کچھ قابو نہیں ہے پس فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ "بے شک نہیں ہے اس کا کچھ قابو ان پر جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں اس کا قابو ان ہی پر ہے جو اس کو رفیق سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں"، اور یہ آیت دو باتوں کو شامل ہے ایک تو ایمان والوں پر اس کے قابو ہونے کی نفی کرنا اور ان لوگوں پر جو لوگ اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں جو کرتے ہیں یا جو چھوڑتے ہیں پس اس کا وسوسہ ان لوگوں میں اثر نہیں کرتا ہے اور اس کا بلانا ان کے پاس مقبول نہیں ہوتا ہے۔

شیطان کا قابو مشرکوں پر ہوگا | اور دوسرے مشرکوں پر اس کے قابو ہونے کو ثابت کرنا اور ان لوگوں پر جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے وسوسہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے بلانے کو مانتے ہیں۔

شیطان کے مسلط ہونے سے مراد | اور ان پر قابو ہونے سے مراد وسوسہ اور ایسا بلانا ہے جس کو وہ مان ہی لیں قہر اور مجبور کر کے مسلط ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا تسلط تو کسی پر نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول شیطان کی طرف سے بطور حکایت گذر چکا ہے وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ "اور مجھ کو تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر اتنی کہ میں نے تم کو بلایا پس تم نے میرا کہا مان لیا"،

اور چونکہ دشمنِ خدا جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں پر مجھ کو قابو نہ دے گا اس لیے کہا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ "قسم ہے تیری عزت کی میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر ان میں سے تیرے مقبول بندوں کو"۔

اور اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ جب دشمن خدا ابلیس اس قول الٰہی سے بھڑکا کیا وَمَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ "اور تجھ کو کس نے منع کیا سجدہ سے جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو بولا اس وجہ سے کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا البتہ ضرور بیٹھوں گا اُن کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر آؤں گا اُن کے پاس اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اُن میں سے اکثر کو شکر گذار"۔

تمام مفسرین اور نحوی کہتے ہیں کہ یہاں سے علیٰ کا لفظ محذوف ہے اور صراطک کا زبر حرف جر دُور کرنے سے ہے گویا عبارت یوں ہے لَأَقْعُدَنَّ عَلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيمِ پھر اُن کے پاس سب طرف سے آؤں گا۔

اور یہ اُس کی تفصیل ہے جو اُس نے اس قول میں مجملاً کہا تھا فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ "پس قسم ہے تیری عزت کی میں ضرور سب کو بہکاؤں گا"۔

شیطان کے وسوسہ کا انداز | اور اُس کے وسوسہ ڈالنے اور آرائش کرنے کی مثال ہے کہ جتنا اُسے ممکن ہوگا اور وہ قادر ہوگا کرے گا اس لیے کہ کوئی خیر کا راستہ نہیں ہے مگر شیطان اُس پر بیٹھا ہوا ہے طرح طرح کے مکر اور فریب سے چلنے والے کی راہ مارتا ہے کیونکہ وہ انسان کے نفس پر غور کیا کرتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں قوتوں میں سے اس پر کون سی قوت غالب ہے آیا پیش قدمی کی قوت یا باز رہنے کی قوت پس اگر دیکھتا ہے کہ اس باز رہنے کی قوت غالب ہے تو اُس کے سست کرنے اور مامور بہ کا قصد اور ارادہ ضعیف کر دینے میں لگ جاتا ہے اور وہ عمل اس پر دشوار کر دیتا ہے اور ترک کر دینے کو آسان بتلاتا ہے یہاں تک کہ وہ اُس کو سراسر چھوڑ دیتا ہے یا اُس میں کوتاہی کرتا ہے یا اس میں سستی کرتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ اُس پر قوت عمل غالب ہے تو مامور بہ کو اُس کی نظر میں گھٹانا شروع کرتا ہے اور وہم ڈالتا ہے کہ یہ مجھ کو کافی نہ ہوگا بلکہ مبالغہ اور زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور اول میں کوتاہی کرتا ہے اور دوسرے میں بڑھ جاتا ہے۔

اللہ کے حکم میں افراط و تفریط ہی گمراہی | اور کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے اُس میں شیطان کے دو جھٹکے ہیں یا تو کوتاہی اور تقصیر کی طرف یا زیادتی اور افزائش کی طرف اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دونوں میں سے کس میں کامیاب ہو اور اکثر لوگوں پر ان ہی دونوں میدانوں میں رہزنی کی ہے ایک تو کوتاہی اور تقصیر کا میدان اور ایک زیادتی اور حد سے بڑھ جانے کا میدان اور ان میں سے اُس راستہ پر قائم رہنے والے جس پر رسول اللہ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب تھے بہت ہی کم ہیں۔

ظلم کے ذریعہ ملنے والے مال سے نیکی کے کام کرنے کا شرعی حکم اس لیے کہ بعضے اُن میں سے ایسے شخص ہیں کہ مسجدیں اور مدرسے اور پل اور خانقاہیں اُن مالوں سے بناتے ہیں جو بذریعہ ظلم چھین جھپٹ اور رشوت اور بیجا طریقوں سے جمع کیے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اس کے بدلے میں اللہ کی طرف سے مغفرت اور بڑے ثواب کے مستحق ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اُس کے جمع کرنے اور خرچ کرنے میں غضب الٰہی کے سامنے آئے ہیں اس واسطے کہ اُن پر اس طرح مال جمع کرنے سے باز رہنا واجب تھا پس جب انہوں نے اس وجہ سے جمع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی تو اب توبہ اور خدا کی طرف رجوع کرنا اور اگر ممکن ہو تو اُس مال کا اُس کے مالکوں کو پھیر دینا واجب تھا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُن کے وارثوں کو اگر مل جائیں ورنہ اُس مال کو فقیروں کو اس نیت سے بانٹ دینا واجب تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں امانت رہے قیامت کے دن اُس کے مالکوں کو پہنچا دے اور انہوں نے چونکہ فقیروں کو تقسیم نہیں کیا اس لیے اُن کے ذمہ باقی رہا اور قیامت کے دن اُن کے اعمال میں سے لیا جائے گا۔

غیبت اور بیہودہ گوئی وغیرہ کا انجام اور بعضے اُن میں ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے ہیں اور زبان سے ہر روز سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھتے ہیں پھر ہمیشہ لوگوں کی غیبت کیا کرتے ہیں گالیاں دیا کرتے ہیں اور اُن کی بے آبروئی کیا کرتے ہیں اور دن بھر بے انتہا اور بیشمار ایسی باتیں بکا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اپنے نفس کا حساب نہ لینے اور اپنے گناہوں کی خبر گیری نہ کرنے کی وجہ سے یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہماری نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہیں اور اُن کی نگاہ اپنی تسبیح اور تہلیل کی گنتی پر تو ہوتی ہے اور اپنی بیہودہ گپ کو بھولے رہتے ہیں کہ اگر وہ لکھی جائے تو اُن کی تسبیح اور تہلیل سے سو گنی بلکہ ہزار گنی ہو جائے اور بے شک کراماً کاتبین نے اس کو لکھ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر کلمہ پر سزا کا وعدہ کر چکا ہے چنانچہ فرمایا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ "نہیں بولتا کوئی بات مگر اُس کے پاس ایک نگہبان ہے مقرر کیا ہوا۔"

زبان کی آفتوں سے نہ بچنے والوں کے لیے غور کا مقام پس وہ شخص ہمیشہ تسبیحات اور تہلیلات کے فضائل تو سوچا کرتا ہے اور اس بات کو خیال نہیں کرتا جو غیبت کرنیوالوں اور چغلخوروں اور جھوٹوں وغیرہ اور ان لوگوں کی سزا کے بارہ میں آیا ہے جو زبان کی آفتوں سے نہیں بچتے اور خدا کی قسم اگر کراماً کاتبین اس سے اس کی اُس واہیات گپ کی جو اس کی تسبیح اور تہلیل سے ہزار گونہ زیادہ ہے جسے وہ لکھتے رہتے ہیں مزدوری مانگتے تو بے شک اپنی زبان روک لیتا اور اُس کو اپنا ضروری کام سمجھتا اور جو بول چکا ہے اُس کو اپنی لغزش شمار کرتا اور اپنی تسبیحات سے اُس کو موازنہ کرتا تاکہ لکھنے کی مزدوری

زیادہ نہ دینی پڑے پس بڑا تعجب ہے اُس شخص سے جو اپنا حساب کرے اور مزدوری میں ایک کوڑی کے چلے جانے کے خوف سے تو احتیاط کرے اور آخرت میں فردوس اعلیٰ اور جنت الماویٰ کے جاتے رہنے کے خوف سے احتیاط نہ کرے اور یہ غفلت تو سمجھدار کے لیے بڑی مصیبت ہے اور ہم ایسی بلا میں پڑ گئے ہیں کہ اگر اُس میں شک کریں تو کافر ہوئے جاتے ہیں اور اگر اس میں تصدیق کریں تو جاہل مغرور بنتے ہیں اور یہ کام اُس شخص کا نہیں ہو سکتا جو احکام قرآن اور رسول ربّ العالمین کی تصدیق کرتا ہے۔

بانویں مجلس وسوسہ پر جبتک کہ اُس پر عمل نہ کیا جائے یا اُس کو زبان سے بولا نہ جائے کچھ مواخذہ نہ ہونیکے بیان میں

امت محمدیہ کو وسوسہ کی معافی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ تجاوز عن امتی ما توسوست به صدورها ما لم تعمل به او تتکلم "بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو معاف کیا ہے جو اُن کے دلوں میں خیالات آئیں جب تک اُن پر عمل نہ ہو یا زبان پر نہ لائے جائیں"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہ رضؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو اس امت کو معاف کر دیا گیا ہے وہ پہلی امتوں سے معاف نہ تھا اس لیے کہ خاص اس امت کے ذکر کا کوئی ضرور فائدہ ہونا چاہیے۔

وسوسہ اور الہام اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو وہ خیالات معاف کر دیے ہیں جو دل میں بُرے خیالات اور نفسانی منصوبے گذرتے ہیں کیونکہ دل میں جو نیکے اور بُرے خیالات آئیں اُن کو وسوسہ کہتے ہیں اور جو اچھے عمدہ خیالات دل میں آئیں اُن کو الہام کہتے ہیں۔

امت محمدیہ کو وسوسہ معاف ہونے کا مطلب پھر وسوسہ یا غیر اختیاری ہے یا اختیاری پس غیر اختیاری تو وہ خیالات ہیں جو دل میں بے اختیار آجاتے ہیں اور یہ وساوس تمام امتوں کو معاف ہیں اس واسطے کہ یہ حد قدرت سے باہر ہیں اور اختیاری وہ خیالات ہیں جو دل میں آتے ہیں اور طبیعت اُن کو کھینچ لاتی ہے اور نفس اُس کے پیچھے لگا رہتا ہے اور بار بار اُن کو لاتا ہے اور اُن سے لذت لیتا ہے پھر اُس پر عمل یا بیان کی رغبت کرتا ہے اور یہ وہ قسم ہے جو اسی امت کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے معاف ہے نہ اور امتوں کو۔

اعمال قلبی اور وسوسہ سے فرق اور رہے فاسد عقیدے اور بُری عادتیں اور دیگر قلبی اعمال

جو اسی کے مشابہ ہیں تو یہ امور وسوسۂ دل میں داخل ہونے سے الگ ہیں بلکہ یہ اُن اعمال قلوب میں سے ہیں جن پر انسان سے مواخذہ ہوگا۔

دل میں آنے والی بات کے پانچ درجے اور حاصل یہ ہے کہ جو بات دل میں آتی ہے اُس کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا ہاجس ہے اور یہ وہ ہے جو خیال اول اول دل میں آتا ہے۔ دوسرا خاطر اور یہ پیدا شدہ خیال کا جاری ہونا ہے۔ تیسرا حدیث النفس اور یہ پیدا شدہ خیال میں تردد کا ہونا ہے کہ کروں یا نہیں۔ چوتھا ھَمّ اور یہ کرنے کی جانب کو غالب کرنے کا نام ہے۔ پانچواں عزم اور یہ کرنے کا پکا ارادہ اور پورا قصد کرنا ہے۔

خیالات کے جن درجوں میں نہ مواخذہ ہے نہ ثواب اور یہ خیالات اگر گناہوں کے ہوں تو اُس میں تفصیل ہے مگر ہاجس پر تو بالاتفاق کسی سے مواخذہ نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بندہ کا فعل نہیں یہ تو ایسی بات ہے کہ خود بخود آگئی ہے نہ اُس کے دفع پر قدرت ہے اور نہ اُس کے روک دینے کی اور خاطر جو ہاجس کے بعد ہے تو اُس کے دفع کرنے پر آدمی کو قدرت ہے کہ ہاجس کو آتے ہی دفع کردے لیکن پھر بھی یہ اور اُس کے بعد والا یعنی حدیث النفس اس امت کو سب معاف ہیں اُس حدیث صحیح کی رو سے جو اس امت سے حدیث النفس کے معاف ہونے کے بارہ میں آئی ہے اور وہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے عفی عن امتی ما حدثت به نفوسهم "میری امت کو معاف کردیا گیا ہے جو اُن کے نفس خیالات پکائیں۔

پس جب حدیث النفس معاف ہوا تو اس سے پہلے کے دو درجہ بطریق اولیٰ معاف ہوں گے اور یہ تینوں اگر نیکیوں میں ہوں تو قصد نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا کچھ ثواب نہیں لکھا جاتا اور رہا ھَمّ سو حدیث صحیح میں بیان ہو چکا ہے کہ نیکی کے ہم کا ثواب ہوتا ہے اگرچہ بسبب کسی مانع کے رک جائے اور برائی کے ھم کا گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ ملتوی رہتا ہے پس اگر بندہ اُس کو اللہ کے واسطے ترک کردے تو اُس کی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر کر گذرا تو صرف عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے ھم کا نہیں کیونکہ ھم اس امت کو معاف ہے۔

عزم پر گناہ و ثواب ہوتا ہے اور رہا برائی کا عزم سو بعضے علماء نے اس کو اگرچہ ھم میں داخل کیا ہے مگر محققین اس پر ہیں کہ بندہ سے اس پر مواخذہ ہوگا لیکن اگر اپنے عزم پر نادم ہوا اور اللہ کے خوف سے وہ کام نہ کیا تو اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے کیونکہ گناہ کا عزم اگرچہ گناہ ہے لیکن اُس سے باز رہنا بھی نیک عمل ہے لہذا ایک نیکی لکھی جاتی ہے لیکن جس صورت میں کہ وہ کام کسی مانع کے سبب سے نہ ہونے پایا یا کسی عذر کی وجہ سے اُسے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔

عزم فعل قلب ہے اس پر مواخذہ ہوگا | کیونکہ عزم قلبی افعال میں سے ایک اختیاری فعل ہے لہذا اس پر گرفت ہوگی اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا یحشر الناس علی نیاتھم لوگوں کا حشر اپنی نیتوں پر ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص رات کو یہ عزم کرے کہ صبح ہوتے ہی مسلمان کو قتل کردوں گا یا کسی عورت سے زنا کروں گا یا شراب پیوں گا یا اس کے علاوہ اور کوئی گناہ کروں گا پس وہ اسی شب میں مرگیا تو گناہ پر اڑا ہوا گناہ گار مرے گا اور اپنی نیت پر اٹھے گا باوجودیکہ اس سے صرف معصیت کا عزم ہی واقع ہوا ہے نہ اس کا فعل اور وہ دلیل جو اس پر دلالت کرتی ہے یہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اذا التقی المسلمان بسیفھما فالقاتل والمقتول فی النار قیل یارسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال لانہ اراد قتل صاحبہ جب دو مسلمان تلوار لے کر مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں کسی نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو بھلا قاتل ہے اس مقتول نے کیا کیا فرمایا اس لیے کہ یہ بھی اپنے یار کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ مقتول صرف ارادہ سے جہنمی ہوا باوجودیکہ وہ مظلوم قتل ہوا ہے پھر بھلا کیونکر بندہ سے نیت کا مواخذہ نہ ہوگا اور عزم اور ہر اس بات پر جو آدمی کے اختیار میں داخل ہے اس کا مواخذہ ہوگا ہاں اگر نیک کام سے اس کا کفارہ کردے تو خیر اور ندامت سے عزم کا توڑ دینا بھی نیک کام ہے اسی لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے رہا کسی مانع سے مراد کا فوت ہوجانا تو یہ حسنہ نہیں ہے پس اسی واسطے ایک گناہ لکھا جاتا ہے لہذا اس پر مواخذہ ہوگا۔

اعمال قلوب اور ان پر مواخذہ کا ثبوت | تو بھلا کیونکر اعمال قلوب پر بندہ کی پکڑ دھکڑ نہ ہو حالاں کہ کبر اور خود پسندی اور ریا اور حسد اور نفاق اور سارے برے قلبی اعمال قلوب ہی سے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا

"بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے اس کی پوچھ ہوگی"

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کردیا کہ بندے سے ہر ہر عضو کے بارہ میں جو جو کام اسکے اختیار میں داخل ہیں پرسش ہوگی مثلاً اگر نامحرم عورت پر بے اختیار نگاہ پڑ گئی تو اس نگاہ کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا پھر اگر اس پر دوبارہ نظر دوڑائی تو اس دوسری نظر کا مواخذہ ہوگا کیونکہ اس میں اختیار تھا ایسے ہی دل کے خیالات بھی اسی حکم میں ہیں۔

اعمال قلب پر گناہ وثواب کی بعض صورتیں | بلکہ دل بدرجۂ اولیٰ گرفت کے قابل ہے کیونکہ یہی اصل ہے اس لیے کہ جس کا دل کسی بات کا حکم کرے اور اس میں خطاوار ہو تو اس کا بدلہ پائے گا اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد جیسے کسی نے گمان کیا کہ میں باوضو ہوں اور جاکر جمعہ پڑھا پھر یاد آیا کہ باوضو نہیں تھا تو بھی اپنے فعل کا ثواب پائے گا اور اگر جمعہ کو ترک کردیا پھر یاد آیا تو اس ترک پر عقاب

ہوگا اور جس نے اپنے بستر پر ایک عورت پائی اور سمجھا کہ میری بی بی ہے پس اُس سے جماع کیا تو اُس صحبت کرنے سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ غیر عورت ہو اور اگر اس کو غیر عورت سمجھا پھر اُس سے اسی خیال پر صحبت کی تو اُس کی صحبت سے گنہگار ہوگا اگرچہ اس کی بی بی ہو یہ سب کچھ دل ہی کے اعتبار سے تو ہے نہ اعضا کے لحاظ سے۔

عزم کے درجہ تک پہنچنے سے پہلے وسوسہ معاف ہے | کیونکہ وسوسہ تو اُس وقت تک اس امت کو معاف ہے جب تک عزم کے مرتبہ کو نہ پہنچے لیکن جب اس درجہ تک پہنچ جائے تو پھر معاف نہیں بلکہ اس پر بندہ کی گرفت ہوگی لہذا اُس کو ندامت اور استغفار سے توڑ دینا بندے کو لازم ہے تاکہ نیکی بن جائے۔

شیطان کی طرف سے وسوسہ اور اس کو دور کرنے کا طریقہ | لیکن جاننا چاہیے کہ وسوسہ بعض وقت ابلیس کے فریب دینے سے ہوتا ہے کیونکہ شیطان کبھی انسان کو دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی عمر بہت ہے اور تمام عمر خواہشوں کے ترک پر صبر کرنا سخت عذاب ہے پھر بھلا لذتیں اور خواہشیں کیسے چھوڑی جائیں لہذا ایسے وقت آدمی کو لازم ہے کہ اللہ تعالےٰ کا بڑا ثواب اور سخت عذاب اور اُس کے وعدے اور وعید یاد کرے اور اپنے ایمان اور یقین کو تازہ کرے اور کہے ہاں بے شک صبر کرنا خواہشوں سے سخت ہے لیکن آگ پر صبر کرنا اور بھی سخت ہے لہذا اس میں سے کم کو اختیار کرنا ضروری ہے پس جب آدمی یہ بات یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا اور بھاگ جاتا ہے کیونکہ اس کی قدرت نہیں کہ کہے آگ پر صبر کرنا معصیت پر صبر کرنے سے زیادہ سخت نہیں ہے اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ معصیت دوزخ تک نہ پہنچائے گی اس واسطے کہ آدمی کا ایمان اُس کو دفع کر دیتا ہے اور نورِ ایمان سے اس کا وسوسہ جاتا رہتا ہے کیونکہ جب آدمی کا ایمان حقیقی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں بلکہ دلی یقینی ہوتا ہے تو اپنے دل سے شیطانی وسوسہ دور کر دیتا ہے اور اُس کو اس قولِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا دشمن جانتا ہے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا "تحقیق شیطان ہے تمہارا دشمن پس بنائے رہو اُس کو اپنا دشمن"۔

پس اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا کہ شیطان بنی آدم کا دشمن ہے اور یہ اُن کو حکم دیا کہ وہ اُس کو اپنا دشمن سمجھتے رہیں کیونکہ وہ اُن کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے ساتھ اُنکو دوزخ میں کھینچ لیجائے۔

پس اس بیان کے موافق سمجھدار کو چاہیے کہ اپنا دشمن پہچانے اور اس کا وسوسہ دفع کرنے کی کوشش کرے اور اُس کا وسوسہ ہوا و ہوس کی مخالفت کے بغیر دفع نہیں ہوتا۔

نفس کو ہوا و ہوس سے روکنے والوں پر شیطان قابو نہیں پاتا۔ پس جو شخص اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روکے گا وہ اللہ کے بندوں میں سے ہو جائے گا جن پر شیطان قابو نہیں پاتا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے

اس کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ "تحقیق میرے بندے نہیں ہے اُن پر تیری حکومت"، پس اس آیت نے اس بات کو ثابت کیا کہ شیطان اُن پر قابو نہیں پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اُن ہی پر غلبہ پاتا ہے جو اللہ کے بندے نہیں ہیں۔

خواہش نفس کی اتباع کرنے والے پر شیطان قابو پالیتا ہے

پس جو شخص اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے بلکہ خواہش کا بندہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ "بھلا دیکھا تو نے اُس کو جس نے بنایا اپنی خواہش کو اپنا معبود" اُس کی خواہش کے معبود اور خدا ہونے کا بھی اشارہ کیا اور یہ بھی کہ وہ خواہش کا بندہ ہے اللہ کا بندہ نہیں پس جو شخص اللہ کا بندہ نہیں بلکہ خواہش کا بندہ ہے اُس پر شیطان بوسیلہ خواہش نفس جس سے مختلف شہوتیں پیدا ہوتی ہیں قابو پالیتا ہے پس جیسے کہ شہوتیں انسان کے گوشت پوست اور خون میں پھیلی ہوئی ہیں ایسے ہی شیطان کی سلطنت آدمی کے گوشت اور خون کے اندر گھسی ہوئی ہے اور ہر طرف سے اُس کو گھیرے ہوئے ہے۔

شیطان کا راستہ روکنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم

اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شیطان آدمی میں خون کی طرح پھرتا ہے لہذا تم اُس کا راستہ بھوک سے بند کرو اور نبی علیہ السلام نے شیطان کا راستہ بھوک سے بند کرنے کو اس لیے فرمایا کہ شیطان کا قابو انسان پر نہیں ہوتا مگر شہوت کے ذریعہ سے اور شہوت بھوک سے ٹوٹ جاتی ہے لہذا جو شخص چاہے کہ شیطان کے غلبہ سے سلامت رہے وہ روزے رکھنا اپنے اوپر لازم کرلے تاکہ شیطان کے غلبہ سے بچا رہے کیونکہ جو شخص شہوت کے پیچھے پڑا رہتا ہے جو ہوا کی ایک شاخ ہے تو اُس پر بوسیلہ ہوا شیطان قابو پا جاتا ہے کیونکہ ہوا وہوس شیطان کی چراگاہ ہے۔

ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہے

اور چونکہ کوئی شخص شہوت سے جو کہ ہوا وہوس کی شاخ ہے خالی نہیں ہے لہذا ایسا کوئی شخص نہیں پایا جاتا جس پر شیطان کا قابو نہ ہو اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے جو ابن مسعود رضہ نے روایت کی ہے کہ "تم میں سے کوئی نہیں مگر اُس کا ایک شیطان ضرور ہے۔" لوگوں نے عرض کیا اور آپ یا رسول اللہ فرمایا "اور میں بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس پر میری مدد کی کہ وہ مسلمان ہو گیا پس وہ سوائے خیر کے کچھ نہیں بتلاتا"

انسان پر شیطان کے تصرف نہ کرسکنے کا مطلب

اس کی تفصیل جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء میں ذکر کیا ہے یہ ہے کہ شیطان انسان میں بلا وسیلہ شہوت تصرف نہیں کرتا جس کی اللہ تعالیٰ نے شہوت توڑنے پر مدد کی یہاں تک کہ ایسا بن گیا کہ اسی طرف متوجہ ہو جہاں مناسب ہے اور اُسی حد تک جتنا مناسب ہے تو اُس کی شہوت بُرائی کی طرف نہیں بلاتی اور شیطان جو شہوت کا لباس پہنے ہونے سے سوائے خیر کے

کچھ حکم نہیں کرتا پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان کا آدمی سے جدا ہونا ممکن نہیں اور آپس میں ایک کی دوسرے سے شناخت بس اس کی موافقت کرے یا اس کی مخالفت کرنے سے ہوتی ہے پس جس پر شہوت کی خواہشیں غالب ہیں اس میں شیطان کو راستہ مل جاتا ہے پس وہ اس پر غلبہ کر لیتا ہے اور اسی لیے کہ انسان کو شہوات نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ابلیس نے کہا تھا جیسا کہ اللہ تعالٰے خبر دیتا ہے لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ "میں ضرور بیٹھونگا اُن کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر آؤں گا ان کے پاس اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اُن میں سے بہتیروں کو شکر گذار۔

شیطانی مکر و فریب کی صورت چنانچہ شیطان انسان کے پاس ہر ایک طرف سے طرح طرح کے مکر لاتا ہے اور وہ کام اُس کو مرغوب کر دیتا ہے جو اُس کو مضر ہو یہاں تک کہ اُسے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اُس کو مفید ہے اور وہ کام ناپسند کرا دیتا ہے جو اُس کو نافع ہو یہاں تک کہ اُسے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اُس کو مضر ہے اور اسی طریقہ سے اس نے بہتیرے لوگوں کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اُن لوگوں کو مختلف کھیلوں اور طرح طرح کے خیالات میں ڈال دیا اور اُن کو کفر اور گمراہی تک پہنچا دیا اور اُن کو گناہ اور وبال میں ڈال دیا اور اس پر بھی باوجود کفر اور بدکاری اور گناہوں کے اُن سے جنت کی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے۔

شیطان مومنوں کو خوف دلاتا ہے اور مومنوں کو اپنے لشکر اور دوستوں سے ڈراتا ہے یہاں تک کہ وہ اُن پر جہاد نہیں کرتے اور نہ اُن کو بھلی بات کا حکم کرتے ہیں اور نہ اُن کو برائیوں سے منع کرتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے یہ اُس کا بہت بڑا فریب ہے اللہ تعالٰے نے اپنی کتاب میں اس کی خبر دے دی ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۝ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو دھمکاتا ہے سو تم اُس سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اگر ہو تم ایماندار۔

اور تمام مفسرین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے مت ڈرو قتادہ رحمہ کہتے ہیں کہ شیطان اُن کو تمہارے دلوں میں بڑا کرکے دکھاتا ہے اور اسی واسطے کہا ہے پس تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اگر ہو تم ایماندار کیونکہ ایماندار کا ایمان جتنا قوی ہوگا اتنا ہی شیطان کے رفیقوں کا خوف جاتا رہے گا پس نیک باتوں کا حکم کیا کریگا اور بُری باتوں سے منع کرتا رہے گا اور جتنا ضعیف ہوگا اُتنا ہی شیطان کے دوستوں کا خوف زیادہ ہوگا پس نیک باتوں کا حکم نہ کرے گا نہ بُری باتوں سے روکے گا۔

اہل علم کے لیے شیطان کا فکر | اور ایک یہ بھی اُس کا مکر ہے کہ ایسے لوگوں کو فریب دیتا ہے جنہوں نے شرعی علمی اور عملی علوم خوب سیکھے ہیں یہاں تک کہ اسی میں مشغول رہتے ہیں اور غور کیا کرتے ہیں لیکن وہ لوگ اعضاء کی خبر گیری نہیں کرتے اور اُن کی معاصی سے حفاظت نہیں کرتے اور اُن کو عبادت میں نہیں لگاتے اور یوں سمجھتے ہیں کہ علم کے ذریعہ سے اللہ کے یہاں ایسے مرتبہ کو پہنچ گئے ہیں کہ عذاب نہ دیئے جائیں گے اور نہ گناہوں کی پرسش ہوگی بلکہ مخلوق کے حق میں ان کی شفاعت مقبول ہوگی۔

علم کی قسمیں | پس یہ لوگ اگر غور کریں تو جان لیں کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم معاملہ اور دوسرا علم مکاشفہ۔

علم شریعت حاصل کرنے والے کو شیطان کا فریب | پس علم معاملہ حلال اور حرام کا پہچاننا اور اچھے اور بُرے اخلاق کا پہچاننا ہے اور یہ وہ علوم ہیں جن سے صرف عمل مقصود ہے اور اگر عمل کی ضرورت نہ ہوتی تو یہ علوم بے کار ہوتے پس جو علم عمل کے لیے مقصود ہو بدون عمل کے اُس کی کچھ قدر نہیں پس جس نے عبادات کا علم خوب سیکھا اور خود عمل نہ کیا اور گناہوں کا علم خوب حاصل کیا اور خود اُن سے باز نہ رہا اور نیک اخلاق کا علم سیکھا اور اپنے آپ کو اُن سے آراستہ نہ کیا اور بُرے اخلاق کا علم یاد کیا اور اپنے آپ کو اُن سے پاک نہ رکھا تو وہ شیطان کے فریب میں پھنسا ہوا ہے اس لیے کہ شیطان اُس سے اس طرح کہتا ہے کہ تیری غرض تو قرب الٰہی اور ثواب حاصل کرنا ہے اور علم تجھ کو اللہ کے نزدیک کر دیتا اور ثواب تک پہنچا دیتا ہے اور اُس کی سند میں آیتیں اور حدیثیں جو علم کی فضیلت میں آتی ہیں سُنا دیتا ہے۔

شیطانی فریب پر علماء سوء اور علماء حق کا طرز عمل | پس جو شخص ہویٰ کا بندہ ہے وہ اس کو اپنی مرضی کے موافق پاتا ہے پس اُس کی دلجمعی ہو جاتی ہے اور عمل چھوڑ دیتا ہے اور جو شخص پرہیزگار ہوتا ہے وہ شیطان سے کہہ دیتا ہے کہ تو مجھے وہ باتیں تو یاد دلاتا ہے جو علم کی فضیلت میں آئی ہیں اور وہ باتیں نہیں یاد دلاتا جو عمل نہ کرنے والے علماء کے حق میں آئی ہیں۔

بُرے علماء کی مثال | کیونکہ جس نے علم کی فضیلت بتائی ہے اُسی نے بُرے علماء کا عذاب بھی بیان کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔" مثال ان لوگوں کی جن پر توریت لادی گئی پھر انہوں نے نہ اُٹھایا ایسی ہے کہ جیسے گدھا کتابیں لادے ہوئے ہے" اور دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ "اُسکی مثال کُتّے کی سی ہے" اور کُتّے اور گدھے کے ساتھ مثال دینے سے زیادہ اور کیا ذلت ہوگی۔

بے عمل عالم کا عذاب | اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اشد الناس عذابا یوم القیمۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ "کہ سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن اُس عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا ہو" اور ایک اور حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے مَنْ ازداد علما

ولم یزد دھدی لم یزدد من اللہ الا بعدا۔ "جو شخص علم میں بڑھ گیا اور ہدایت میں نہ بڑھا تو اللہ سے بڑھا مگر دوری میں۔" اور ایسی ایسی بے شمار سختیاں عالم بے عمل کے حق میں آنے کے بعد کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ نیک راہ پر ہے باوجودیکہ اس پر حجت الٰہی اچھی طرح قائم ہے۔

علم مکاشفہ اور شیطان کا فریب | رہا علم مکاشفہ سو وہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے ناموں کا علم ہے سو جس نے اس علم کو حاصل کیا پھر اس پر عمل نہ کیا اور حکم الٰہی کو ضائع کیا تو وہ بھی شیطان کے فریب میں ہے اور اس کے اس فریب میں آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو معرفت الٰہی سے صرف نام ہی نام حاصل ہوا ہے معنی حاصل نہیں ہوئے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پہچانتا تو اس سے ڈرتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ "اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علماء ہیں"

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

ترانویں مجلس اس بیان میں کہ آدمی کے ساتھ شیطان کو ایک تعلق ہوتا ہے اور ایک تعلق فرشتہ کو

انسان کے ساتھ شیطان اور فرشتہ کا تعلق اور اس کا اثر | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان للشیطان لمۃ بابن آدم وللملک لمۃ فاما لمۃ الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق و اما لمۃ الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق فمن وجد ذلک فلیعلم انہ من اللہ تعالیٰ فلیحمد اللہ تعالیٰ ومن وجد الاخر فلیتعوذ باللہ تعالیٰ من الشیطان الرجیم "بنی آدم کے ساتھ ایک تعلق شیطان کو ہے اور ایک تعلق فرشتہ کو پس شیطان کا لگاؤ تو برائی کا وعدہ کرنا اور حق کی تکذیب اور فرشتے کا لگاؤ بھلائی کا وعدہ کرنا اور حق کی تصدیق۔ پس جو شخص ایسا پائے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جس نے وہ دوسرا پایا تو شیطان راندے ہوئے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابن مسعود رضی نے اس کو روایت کیا ہے اور لفظ لمہ جو اس حدیث میں آیا ہے المام سے مشتق ہے اور المام کے معنے قرب ہیں پس اس لیے کہ فرشتہ اور شیطان میں سے ہر ایک ان دونوں کاموں کے لیے انسان کے قریب ہو جاتے ہیں اور وہ دونوں کام برائی کا وعدہ دینا اور بھلائی کا وعدہ کرنا ہیں۔

الہام اور وسوسہ اور ان کے اثرات | اور مراد ان دونوں سے وہ دونوں ہم ہیں جو دل میں آتے ہیں

ایک فرشتہ کے واسطے سے اور دوسرا شیطان کے ذریعہ سے اور جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اُس کا نام الہام ہے اور جو شیطان کے واسطہ سے ہوتا ہے اُس کا نام وسوسہ ہے اور دل دونوں کے درمیان میدان جنگ ہے اس لیے کہ وہ باعتبار اصل پیدائش فرشتوں اور شیطانوں کے اثر قبول کرنے کی برابر درجہ کی صلاحیت رکھتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر غلبہ نہیں مگر صرف ہوا و ہوس کی پیروی اور خواہشوں پر اوندھا گر پڑنے کے اعتبار سے یا باعتبار مخالفت ہوا اور شہوت سے مُنہ پھیر لینے کے کیونکہ انسان جب شہوت اور غصہ کی پیروی کرتا ہے تو اُس کے دل پر بواسطہ ہوا شیطان کا غلبہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اُس کا دل شیطان کا گھونسلا اور اُس کا مقام ہو جاتا ہے کیونکہ ہوا و ہوس شیطان کی چراگاہ اور اُس کی بیٹر ہے اور اگر اُس نے نفس کا مجاہدہ کیا اور خواہشات شہوت اور غضب کی پیروی نہ کی تو اُس کا دل ملائکہ کا مقام اور گذرگاہ ہو جاتا ہے۔

صرف ذکر الٰہی وسوسہ کو دور کرتا ہے لیکن چونکہ کوئی دل شہوت اور غضب اور حرص اور طمع وغیرہ صفات بشری سے جو ہوا کی شاخیں ہیں خالی نہیں ہے اس لیے کوئی ایسا دل نہیں پایا جاتا جو بذریعۂ وسوسہ شیطان کے گذر سے خالی ہو اور اُس کا وسوسہ بجز اس کے کبھی نہیں جاتا کہ جس بات کا اُس نے وسوسہ ڈالا ہے اس کے سوا کسی اور بات کا ذکر کیا جائے اس لیے کہ اور کسی چیز کا ذکر آنے کے وقت جو بات پہلے سے دل میں جمی جاتی رہے گی ہاں اتنی بات ہے کہ ذکر الٰہی اور جو کچھ اس سے متعلق ہے اُس کے سوا جو بھی ہے اُس میں یہ احتمال ہے کہ شاید وہ بھی گذرگاہ شیطان ہو لہٰذا صرف ذکر خدا ہی ایسی چیز ہے کہ جس کی طرف سے اطمینان ہے اور معلوم ہے کہ گذرگاہ شیطان نہیں۔

شیطانی حملوں سے دل کی حفاظت کا طریقہ کیونکہ دل کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قلعہ ہو جس کے کئی دروازے ہوں اور شیطان چاہتا ہے کہ ہر ایک دروازے سے اس میں آکر مالک اور غالب ہو جائے اب آدمی کو اُس کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اُس کی حفاظت پر بدون دروازوں کی نگہبانی اور راستوں اور رخنوں کے بند کرنے کے قدرت نہیں ہو سکتی اور شیطان کے راستے بُری صفات ہیں۔

پس آدمی کی کوئی صفت صفاتِ مذمومہ میں سے ایسی نہیں ہے کہ وہ شیطان کی غذاؤں میں سے کوئی غذا اور اُس کے ہتھیاروں میں سے کوئی ہتھیار اور اُس کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ اور اُس کے راستوں میں سے کوئی راستہ نہ ہو اور یہ دروازے اور راستے بہت ہیں بعضے ظاہر ہیں اور بعضے پوشیدہ اور شیطان کے لیے سب کے سب کُھلے ہوئے ہیں اور فرشتہ کے لیے اُس میں صرف ایک ہی دروازہ ہے اور کبھی وہ ایک بھی اُن سب میں مل کر مشتبہ ہو جاتا ہے پس آدمی کی اس بارہ میں ایسی مثل ہے جیسے مسافر جو اندھیری رات میں ایسے جنگل میں رہ گیا جہاں راستے بہت ہیں اور پوشیدہ ہیں وہ مسافر بغیر بصیرت کی آنکھ اور چمکنے والے سورج کے نکلنے کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور بصیرت کی آنکھ سے یہاں تقوے سے صاف کیا ہوا دل مراد ہے اور آفتاب روشن سے مراد وہ علم ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوا ہو کیونکہ ان ہی دونوں سے اس کے پوشیدہ راستے اور اُن کے دروازے اور ایسی راہیں معلوم ہوتی ہیں جس سے دل میں وہ بیماریاں آتی ہیں جو علاج کی محتاج ہیں اور ہر چیز کا علاج اُس کے خلاف ہی سے ہوتا ہے اور تمام شیطانی وساوس کے خلاف اللہ کا ذکر ہے اُس کی پناہ مانگ کر اور طاقت اور قوت سے بری ہو کر اس طرح سے کہ پڑھے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

اگر کوئی پوچھے آیا دفع کے لیے صرف ذکر الٰہی کافی ہے یا اس میں علاج کی بھی ضرورت ہے پھر اس کا علاج کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کا علاج صفات مذمومہ سے دل کو پاک کر کے اور تقوے سے آباد کر کے اُس کے راستہ کو بند کرنا ہے تاکہ اُس میں ذکر جگہ کرے۔

شیطان کے راستوں کو بند کرنے والے لوگ اور اس پر قادر نہیں ہوتے مگر وہی پرہیزگار جنہوں نے اپنے دل صفاتِ مذمومہ سے پاک کر لیے ہیں اور تقوے سے آباد کر رکھے ہیں اور اُن پر یادِ الٰہی غالب ہوگئی ہے کیونکہ ذکر الٰہی دل میں جب ہی جگہ کرتا ہے کہ تقوے سے آباد اور بُری صفات سے پاک ہو چکے لہٰذا اس کا پاک کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں ذکر جگہ کرے اس لیے کہ اگر ذکر نے دل میں جگہ نہ کی تو وہ حدیث النفس ہوگا لہٰذا وہ شیطانی وسوسہ کو دفع نہ کرے گا اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ۔ "بیشک جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں ہو گیا اُن پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر تب ہی اُن کو سوجھ آگئی۔"

پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پرہیزگاروں ہی سے خاص کیا ہے۔

شیطانی فریب کی ناکامی اور کامیابی کا سبب کیونکہ دل جب بُری صفات سے پاک ہو جاتا ہے تو اُس میں شیطان کا قیام نہیں ہوتا بلکہ صرف آمد و رفت ہوتی ہے اور آمد و رفت سے اُس کو ذکرِ الٰہی روک دیتا ہے پس اس کی مثال ایسی ہے جیسے بھوکا کتا تمہارے پاس آئے پس اگر تمہارے سامنے کچھ کھانا نہ ہو تو صرف اتنا کہہ دینے سے چلا جائے گا دُت۔ پس صرف زبانی دُتکار اس کو دفع کر دیتی ہے اور اگر تمہارے سامنے کوئی کھانے کی چیز ہو تو بیٹھا رہے گا اور صرف دُتکار سے نہ جائے گا پس جو دل ہوا سے خالی ہیں اُن سے تو شیطان صرف ذکر سے چلا جاتا ہے کیونکہ شیطان صرف غفلت اور ذکر الٰہی سے خالی ہونے کے وقت ہی دل میں آتا ہے پھر جب وہ ذکر کرنے لگا تو شیطان پچھلے پاؤں بھاگتا ہے رہا وہ دل جو ہوی میں لگا ہوا ہے تو چونکہ ہوا و ہوس شیطان کی خوراک ہے اس لیے وہاں شیطان جگہ پکڑ لیتا ہے اور ذکر سے بھی نہیں جاتا۔

دل میں شیطان اور فرشتہ کی جنگ خلاصہ یہ کہ دل پر جب ہوا کی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں تو شیطان

راستہ پا جاتا ہے پس اُس میں وسوسے ڈالتا ہے اور جب ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان وہاں سے چل دیتا ہے اور فرشتہ وہاں آتا ہے اور الہام کرتا ہے اور قلب کے معرکہ میں فرشتہ اور شیطان دونوں کے لشکر کے درمیان ہمیشہ جنگ و دھکا پیل رہتی ہے یہاں تک کہ کسی ایک کے لیے دل کی فتح ہو پس اکثر دلوں کو تو شیطان ہی نے فتح کر لیا اور مالک ہو گیا پس وہ ایسے وسوسوں سے بھر گئے ہیں جو دنیا کے اختیار کرنے اور آخرت سے الگ رہنے کی طرف بلاتے ہیں۔

اور وسوسہ کی ابتدا ہوا کی پیروی ہے اور اس کے بعد اُس کا فتح ہونا ممکن نہیں مگر ہوا سے خالی اور ذکر الٰہی سے مزین کر کے اور یہ بات بغیر اُن خیالات کی معرفت کے میسر نہیں ہو سکتی جو دل میں آتے ہیں۔

خیالات کی قسمیں اور ان کے اثرات کیونکہ آنے والے خطرات کی ایک تو وہ قسم ہے جس کے متعلق یقیناً معلوم ہے کہ وہ نیکی کی طرف بلاتے ہیں پس اُن کا الہام ہونا تو پوشیدہ نہیں دوسرے وہ ہیں جن کے متعلق یقیناً معلوم ہے کہ وہ بُرائی کی طرف بلاتے ہیں پس اُن کا وسوسہ ہونا چھپا نہیں تیسرے وہ ہیں جن میں تردد ہے کہ نہیں معلوم وہ فرشتہ کے اثر سے ہیں یا شیطان کے اثر سے کیونکہ شیطان کا ایک مکر یہ بھی ہے کہ بُرائی کو خوبی کے لباس میں پیش کرتا ہے اور اس کی تمیز بہت دشوار ہے اور اس مکر سے بہتیرے عابد اور زاہد اور عالم اور نیکوکار اور فقیر اور غنی اور تمام اُس قسم کے لوگ ہلاک ہو گئے ہیں جو بالکل ظاہر گناہ کو ناپسند کرتے ہیں اور اپنے لیے صریح گناہ میں پڑنا پسند نہیں کرتے ہیں پس شیطان بھی اُن کو صریح گناہ کی طرف بلانے پر قادر نہیں ہوتا لہٰذا گناہ کو خیر کی صورت بناتا ہے اور اس طرح کے اُس کے فریبوں کی کوئی انتہا نہیں۔

عقاید اور اعمال سے متعلق شیطانی مکر اور اس سے حفاظت کا طریقہ اور اس کے وہ مکر جو عقاید اور اعمال سے علاقہ رکھتے ہیں بیشمار ہیں پس اس لیے کہ اُس کے مکر اعتقادات اور عبادات کے بارے میں تو تمام شہروں میں پھیل گئے اور تمام خلقت میں منتشر ہو گئے ہیں لہٰذا بندہ کو چاہیے کہ ہر ہم پر جو اُس کے دل میں آئے ٹھہر جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ فرشتہ کا اثر ہے یا شیطان کا اثر اور بصیرت کے نور سے اُس میں خوب غور کرے ہوائے طبعی کی رُو سے نہیں اس لیے کہ وسوسہ دل کو کھینچتا ہے اور اُس سے جھگڑتا ہے اور اس کو اللہ کے ذکر سے بُھلا کر لہو میں ڈال دیتا ہے پس اس میں مجاہدہ کی ضرورت ہے اور اس مجاہدہ کا موت تک کہیں خاتمہ نہیں ہوتا اور زندگی بھر شیطان سے کوئی نہیں چھوٹتا کیونکہ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے شیطان کے لیے دل کے دروازے کُھلے رہتے ہیں بند نہیں ہوتے اور جب تک دروازہ کھلا رہے اور دشمن غافل نہ ہو تو بغیر نگہبانی اور مجاہدہ کے دفع نہ ہوگا اور اسی لیے جب کسی شخص نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اے ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کیا ابلیس سویا کرتا ہے تو مسکرا کے کہا اگر ابلیس سویا کرتا تو ہم آرام ہی نہ

پاتے پس اگر کوئی کہے کیا انسان سے تمام دلی وسوسوں اور خطروں کا مواخذہ ہوگا یا سب کا مواخذہ نہیں بلکہ بعض کا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ بات بہت باریک ہے جب تک پیدا ہونے کی ابتدا سے کر اعضا میں اُن کا اثر ہونے تک کی تفصیل معلوم نہ ہو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔

انسان کے دل میں آنے والی بات کے چار مرتبے | کیونکہ انسان کے دل میں جو بات آتی ہے اسکے جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے چار مرتبے ہیں۔

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں دفعۃً بے قصد کوئی بات آجائے اور یہ خاطر ہے اور اس کا حدیث النفس نام ہے جیسے انسان کے دل میں کسی عورت کے دیکھنے کا خیال آئے جو اس کی پیٹھ کے پیچھے راستہ میں ہے اس طرح کہ اگر منہ پھیرے تو دیکھ لے۔

اور دوسرا مرتبہ دل میں اُس کام یعنی اس کو دیکھنے کی رغبت کا جوش اٹھتا ہے اور یہ اُس شہوت کی حرکت ہے جو طبیعت میں ہوتی ہے اور خاطر سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کا نام میل طبع ہے۔

اور تیسرا مرتبہ حکم کرنا کہ یہ کام (یعنی اس عورت کے دیکھنے) کو کرنا چاہیے اور یہ مرتبہ خاطر اور میل دونوں کے بعد ہوتا ہے اور اس کو اعتقاد کہتے ہیں۔

اور چوتھا مرتبہ اُس کام یعنی اُس کے دیکھنے کا پختہ قصد کرنا اور اس کو ہم اور قصد اور نیت کہتے ہیں اور اس ہم کا مبدا کبھی ضعیف ہوتا ہے لیکن جب دل خاطر کو صاف کرتا ہے یہاں تک کہ نفس کے منصوبے دیر تک ہوتے رہتے ہیں تو یہ ہم مضبوط ہو جاتا ہے اور پختہ ارادہ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا مراتب میں سے پہلے دو پر مواخذہ نہیں | جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ان کا حکم یہ ہے کہ خاطر پر بندہ سے مواخذہ نہیں کیونکہ اختیار کے تحت میں داخل نہیں اور ایسے ہی میل یعنی شہوت کے جوش اٹھنے کا بندے سے مواخذہ نہیں کیونکہ اختیار میں نہیں ہے اور یہی نبی علیہ السلام کے اس قول میں مُراد ہے میری امت سے حدیث النفس معاف ہوا ہے اس لیے کہ حدیث النفس اُن خیالات کو کہتے ہیں جو دل میں آئیں اور اُن پر کچھ عزم نہ ہو کیونکہ ہم اور عزم حدیث النفس نہیں کہلاتا۔

اعتقاد اور ہم پر مواخذہ کی صورت | رہا تیسرا مرتبہ کہ وہ دل کا اعتقاد اور حکم ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا اختیاری ہوگا یا اضطراری پس اختیاری میں بندہ کی گرفت ہوگی اور اضطراری میں گرفت نہ ہوگی۔ رہا چوتھا مرتبہ یعنی ہم تو اُس میں بندہ سے مواخذہ ہوگا ہاں اپنے ہم پر نادم ہو کر اگر اُس کام کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دے تو اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی کیونکہ اس کا ہم اگرچہ گناہ ہے لیکن اُس کا باز رہنا اور اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا اُن نیکیوں میں سے ہے جس کے عوض میں وہ ثواب کا مستحق ہے۔

عمل قلب اور اس پر مواخذہ کا ثبوت اور اگر وہ کام کسی مانع اور عذر کے سبب سے نہ ہوسکا نہ خوف الٰہی کی وجہ سے تو ایک گناہ لکھا جائے گا کیونکہ یہ دل کا اختیاری فعل ہے لہٰذا اُس پر مواخذہ ہوگا پس اس لیے کہ جس نے کسی معصیت کا عزم کیا اور کسی سبب یا غفلت سے اس کا کرنا دشوار ہوگیا تو یہ خوفِ الٰہی سے باز رہنا نہیں ہوا لہٰذا اس کے لیے نیکی کیسے لکھی جائے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے، "لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اُٹھیں گے" اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص رات کو یہ عزم کرے کہ صبح ہوتے ہی کسی مسلمان کو قتل کردوں گا یا کسی عورت سے زنا کروں گا یا شراب پیوں گا یا کوئی اور گناہ کروں گا پھر اسی رات میں مرگیا تو گنہگار گناہوں پر اڑا ہوا مرے گا اور اپنی نیت پر اٹھے گا باوجودیکہ اُس سے صرف گناہ کا قصد ہوا ہے نہ اس کا کرنا۔

اور اُس کی دلیل یہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان تلوار لے کر مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو خیر قاتل ہے مقتول کی کیا خطا ہے تو آپ نے فرمایا اس لیے کہ اس کا یہ قصد تھا کہ اپنے بھائی کو قتل کرے اور آپ کا یہ قول مقتول کے صرف ارادہ سے جہنمی ہوجانے کے بارہ میں صاف ہے باوجودیکہ وہ مظلوم مارا گیا ہے۔

پھر بھلا بندہ سے نیت اور عزم پر کیوں کر گرفت نہ ہوگی اور عزم اور اس کے علاوہ جو بات اختیار میں داخل ہے اُس پر بندہ سے مواخذہ ہوگا مگر اس وقت کہ اُس کا عوض کسی نیکی سے کردے۔

اور عزم کا شرمندہ ہوکر توڑ دینا بھی نیکی ہے پس اسی لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے رہا کام کا کسی مانع سے نہ ہونے پانا یہ نیکی نہیں ہے لہٰذا ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور بندہ سے اس کا مواخذہ ہوگا

اور بندہ سے افعال قلوب پر بھلا کیسے مواخذہ نہ ہو حالانکہ کبر اور خود بینی اور ریا اور کینہ اور نفاق اور تمام خباثت یہ سب قلب کے اعمال ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماچکا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا "بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے اُس کی پرسش ہوگی" پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دے دی ہے کہ بندہ سے ہر اُس امر کے بارہ میں جو اس کے اختیار میں داخل ہو ان اعضاء کے متعلق پرسش ہوگی مثلاً اگر اس کی نگاہ کسی حرام پر بے اختیار پڑ جائے تو اُس نظر کا کچھ مواخذہ نہیں پھر اگر اس کے بعد دوبارہ نگاہ کی تو اس نگاہ ثانی کا مواخذہ ہوگا کیونکہ اس میں وہ اپنے اختیار میں تھا۔

اعمال قلب پر مواخذہ کی صورتیں اور ایسے ہی دلی خطرات کا یہی حکم ہے بلکہ دل پر مواخذہ اولیٰ ہے کیونکہ وہی جڑ ہے پس اس لیے کہ جس کے دل نے کسی بات کا حکم کیا اور اُس میں غلطی کی تو اس کا بدلہ پائے گا اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد جیسے کوئی خیال کرے کہ میں پاک ہوں اور جاکر نماز جمعہ ادا کرے پھر یاد آئے کہ میں پاک نہ تھا تو اپنے فعل کا ثواب پائے گا اور اگر نماز

چھوڑ دی پھر یاد آیا تو اُس کے چھوڑنے پر عقاب ہوگا اور جو شخص اپنے بستر پر کوئی عورت پائے اور سمجھے کہ یہ میری بی بی ہے پھر اسی خیال پر اُس سے جماع کرے تو اُس کے جماع سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ اُس کی بی بی ہی ہو یہ سب دل ہی کے اختیار سے ہے نہ اعضاء کے اعتبار سے۔

وسوسہ کی معافی کی صورت | پس بے شک وسوسہ اس امت کو جب ہی تک معاف ہے جبتک عزم کے درجہ کو نہ پہنچے اور جب اس درجہ کو پہنچ جائے تو پھر معاف نہیں بلکہ بندہ سے اُس پر مواخذہ ہوگا لہٰذا اُس کو واجب ہے کہ عزم کو ندامت اور استغفار سے توڑ دے تاکہ وہ نیکی بن جائے ورنہ شیطان دل کی سلطنت پر غالب ہو جاتا ہے۔

شیطان کو انسان پر قابو پانے کی مہلت | اور وہ مردود اپنا وعدہ پورا کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس سے نقل فرمایا ہے چنانچہ فرمایا لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا ٭ "اگر تو مجھ کو ڈھیل دے قیامت کے دن تک تو اُس کی اولاد کو لگام دے لوں گا مگر تھوڑوں کو" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو مجھ کو قیامت تک زندہ باقی رہنے دے تو البتہ میں اُن کو جہاں چاہوں گا کھینچ لے جاؤں گا اور اُن پر خوب قابو حاصل کر لوں گا مگر کچھ تھوڑے سے اور وہ تیرے چُنے ہوئے نیک بندے ہوں گے۔

شیطان کے فریب کا طریقہ | اور یہ اُس لعین کے اس قول کی طرح ہے لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ "البتہ میں اُن کو بہار دکھاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھوؤں گا سب کو۔"

شیطان کو اپنی کامیابی کے یقین کا سبب | اور اس مردود کو اس مطلب میں کامیابی کا علم باوجود غیب داں نہ ہونے کے اس دلیل سے معلوم ہو گیا کہ ان میں بدی کے راستے تو اُس نے بہت دیکھے اور بھلائی کا راستہ صرف ایک اس لیے کہ انسان میں چوپایوں جیسی شہوانی قوت بھی ہے اور درندوں جیسی غصہ کی قوت بھی ہے اور شیطانی وہمی قوت ہے اور یہ تینوں آدمی پر ابتداء پیدائش سے غالب ہوتی ہیں برائی کی طرف بلاتی ہیں اور ان تین کے بعد اُس میں فرشتوں جیسی عقل قوت پیدا ہوتی ہے اور یہ اگرچہ بھلائی کی طرف بلاتی ہے لیکن تینوں پہلی قوتوں کے دل پر غالب ہو چکنے کے بعد کامل ہوتی ہے پس جب اُس لعین نے یہ دیکھا تو جان گیا کہ جو میں چاہتا ہوں اُس کا حاصل ہو جانا ممکن ہے کیوں کہ شہوت اور غصہ کبھی تو انسان کے خوب پوری طرح مطیع ہو کر جس راستہ وہ چل رہا ہے اُس کی امداد کرتی ہیں اور وہ جس سفر کے درپے ہے اُس میں اُس کی خوب رفاقت کرتی ہیں اور کبھی اُس کی نہایت نافرمانی بغاوت اور سرکشی کرتی ہیں یہاں تک کہ خود اُس کی مالک ہو جاتی اور اس کو مطیع کر لیتی ہیں اور اس میں انسان کی ہلاکت اور اس سفر سے رہ جانا ہے جس سے سعادت ابدی تک پہنچ سکتا ہے۔

شیطان کا نفس انسانی پر حملہ اور عقل کی طرف سے دفاع | لہٰذا انسان کو چاہیے کہ ان دونوں پر عقل سے

مدد دے اور اگر اس سے مدد لینا چھوڑ دیا اور اپنے اوپر ان کو قابو دے دیا تو بے طرح مارا جائے گا اور بہت بڑا نقصان اٹھائے گا اور اکثر خلق کا یہی حال ہے کہ اُن کی عقلیں شہوت پوری کرنے کے لیے حیلے حوالے نکالنے کو شہوت کی مطیع ہوگئی ہیں حالانکہ اُن کو مناسب تو یہ تھا کہ اُن کی خواہشیں عقلوں کی مطیع ہوتیں جہاں عقل کو اُن کی حاجت ہے کیونکہ مومن کے دل میں کبھی ہوئی کا خیال آکر بُرائی کی طرف بلاتا ہے تو اُس سے ایمانی خیال جا ملتا ہے اور بدی سے روک کر خیر کی طرف بُلاتا ہے اس پر شیطان بُرے خیال کی مدد کے لیے اُٹھتا ہے اور خواہش کے تقاضے کو زور دیتا ہے اور دنیا کی لذتوں سے عیش اور چین اٹھانے کو اچھا کر کے دکھاتا ہے پس نفس ادھر مائل ہوتا ہے پھر عقل نیک خطرہ کی مدد کو اٹھتی ہے اور بُرائی پر گر پڑنے اور انجام کی پرواہ نہ کرنے میں اُس کو چوپایوں سے مشابہ بتلاتی ہے پس نفس کو عقل کی نصیحت کی طرف رغبت ہوتی ہے پس شیطان نفس پر ایک بار حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنے عیش سے باز رہتا ہے تیرے زمانہ میں کوئی ایسا پایا جاتا ہے جو اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہو کیا تو دیکھتا نہیں کہ تیرے زمانہ کے اکثر علماء اپنی خواہش سے پرہیز نہیں کرتے ہیں اور اگر یہ بُرا ہوتا تو وہ اس سے باز رہتے کیا عیش اور لذت دنیا کی اُن ہی کے لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس سے چین اُڑائیں اور تو مشقت میں اور محروم رہے کہ تجھ پر تیرے ہمسر ہنسیں اب نفس وسوسۂ شیطانی کی جانب رغبت کرتا ہے تو عقل نفس پر ایک حملہ کرتی اور کہتی ہے کہ کیا اُن کے علاوہ اور بھی کوئی ہلاک ہوا ہے جو اپنی ہوا کے پیچھے لگ گیا اور اپنی آخرت اور اپنے ٹھکانے کو بھول گیا کہ تو اس تھوڑی سی لذت پر قناعت کر کے جنت کی لذت کو چھوڑے دیتا ہے جس کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں کیا تو دوزخ کے عذاب کا مستحق بنتا ہے اور لوگوں کی غفلت سے اور اُن کے ہوا و ہوس کے پیچھے لگے رہنے سے دھوکے میں آتا ہے باوجودیکہ تجھ سے دوزخ کا عذاب اوروں کی معصیت کی وجہ سے ہلکا نہ ہوگا بھلا دیکھ تو سہی اگر تمام خلقت گرمی کے دن دھوپ میں کھڑی ہو جائے اور تیرا ایک سردابہ موجود ہو تو کیا تو اُن کے ساتھ دھوپ میں کھڑے ہونے میں موافقت کرے گا یا اُن کے خلاف کر کے تو دھوپ سے اپنے گھر کے سایہ میں چلا جائے گا پھر تو جب آفتاب کی گرمی سے بھاگنے میں اُن کے خلاف کرتا ہے تو آگ کی گرمی سے بھاگنے میں کیسے اُن کے خلاف نہیں کرتا اب اس وقت عقل کی رائے پر نفس ہوتا ہے۔

نفس پر شیطان اور عقل کی کشمکش پر تقدیر الٰہی کا فیصلہ اور نفس ہمیشہ اسی دودلی میں ان دونوں لڑائیوں میں کھینچا رہتا ہے آخر انسان کے دل پر وہ بات غالب آجاتی ہے جو اُس کے حال کے مناسب ہو پس اگر اُس پر صفاتِ شیطانی غالب ہیں تو بُرائی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اُس کے اعضاء سے گذشتہ تقدیر کے سبب وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے اور اگر اُس پر صفات ملکی غالب ہیں تو خیر کی طرف جھکتا ہے اور اُس کے جوارح سے نوشتۂ تقدیر کے موافق وہی ظاہر

ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کا سبب ہے اور یہ عبادات اور گناہ جب ظاہر ہوتے ہیں تو یہ نشانیاں ہیں کہ اُن سے گذشت و قضا و قدر کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ بات خزانۂ غیب سے خزانۂ دل کے ذریعہ سے ظاہر ہوا کرتی ہے کیونکہ دل عالم ملکوت کا خزانہ ہے پس جو شخص جنتی پیدا ہوا ہے اُس کے لیے عبادات اور اُس کے اسباب آسان ہو جاتے ہیں اور جو شخص دوزخی پیدا ہوا ہے اُس کے لیے گناہ اور اس کے اسباب سہل ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا ہے اور اُس کے واسطے لوگ پیدا کئے ہیں اور اُن کو طاعات میں لگا دیا ہے اور دوزخ کو پیدا کیا ہے اور اُس کے لیے بھی لوگ بنائے ہیں جن کو معاصی میں لگا دیا ہے پھر خلقت کو جنتی اور دوزخی کی علامت بتا دی ہے پس فرمایا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ "بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں۔"
اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ ہم کو جنتی کرے اور ہم کو دوزخی نہ بنائے۔

چورانویں مجلس اس بیان میں کہ اسلام جب شروع ہوا تو اجنبی تھا اور پھر عنقریب اجنبی ہو جائے گا

آخری زمانہ میں اسلام کے غریب ہونے کا معنی و مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا کما بدأ فطوبیٰ للغرباء "اسلام غریب شروع ہوا ہے اور پھر غریب ہو جائے گا جس طرح شروع ہوا تھا لہٰذا غرباء کو خوشی ہو۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ابتداء میں کسی کسی اور تھوڑے لوگوں میں ظاہر ہوا تھا پھر پھیل گیا اور مشہور ہوا اور قوی ہو گیا اور اس کے بعد پھر عنقریب اس میں اور خلل آئے گا یہاں تک کہ نہ باقی رہے گا مگر کسی کسی اور بہت تھوڑوں میں اور یہی لوگ غرباء (یعنی اجنبی) ہیں۔

"غرباء" کون لوگ ہیں؟ اور غرباء کی تفسیر ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ قبیلوں میں سے چھٹے ہوئے۔" یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو تھوڑے ہوں گے کہ ہر قبیلہ میں ان میں سے ایک یا دو کے سوا نہیں پایا جائے گا بلکہ ان میں کا ایک بھی بہت سے قبیلوں اور شہروں میں نہیں ملے گا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ایسا ہی تھا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے بگڑنے کے وقت اُن کی اصلاح کریں گے یعنی یہ نیک لوگ ہوں گے لوگوں کے بگڑ جانے کے زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے لوگ ہوں گے لوگوں کے بگڑ جانے کے زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے لوگ ہوں گے اور ایک اور

حدیث میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد لوگوں نے میری سنت کو بگاڑ دیا ہے اُس کی اصلاح کریں گے پس یہی لوگ وہ غرباء (اجنبی) ہیں جن کی تعریف ہوئی ہے اور جن کی حالت قابل رشک ہوگی اور لوگوں میں ان کے بہت کم ہونے کی وجہ سے ان کا نام غرباء (اجنبی) ہوا اور۔

غرباء کی قسمیں ان کی دو قسمیں۔ ایک تو وہ جو لوگوں کے بگاڑ کے وقت اپنے نفس کی درستی کریں۔ دوسرے وہ جو اور لوگوں کی بگاڑی ہوئی سنت کو درست کریں اور یہ دونوں میں اعلیٰ درجے کے ہیں اور یہی لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام پر قائم ہونے والے ہیں۔

غرباء اور ان کی فضیلت کا سبب پس ایسے لوگ آخر زمانہ میں بہت کم ہوں گے اور اسی لیے کہ وہ کم ہوں گے ان کو اجنبی کہا گیا ہے جیسا کہ بعض روایت میں آیا ہے کہ وہ بہت سی بُری جماعت میں تھوڑے سے نیک لوگ ہیں اُن سے بغض رکھنے والے بہ نسبت اطاعت کرنے والے لوگوں کے بہت زیادہ ہیں اور اس میں اُن کی کمی اور اُن کے توابع کی قلت کا اور اُن کے مخالفوں اور نافرمانوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ بڑی فضیلت جس کا اہل غربت کے لیے وعدہ ہوا ہے اس لیے ہے کہ وہ لوگ سب لوگوں میں کم اور ہوا و ہوس کی تاریکی میں سنت کو پکڑتے ہیں پس جب کوئی مومن ہے جس پر اس زمانے کے لوگ ہیں یعنی بدعتیں اور بے راہیاں اور اُس سیدھی راہ سے الگ چلنا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب تھے اور اُن کو اُس راہ مستقیم پر بلاتا ہے اور جن بُری باتوں پر وہ قائم ہیں اُن کا عیب ظاہر کرتا ہے تو اُس وقت اُن لوگوں کی قیامت برپا ہوجاتی ہے اور اُس مومن کے لیے طرح طرح کے جال بچھاتے ہیں اور اُس پر اپنے سوار اور پیادوں سے چڑھائی کرتے ہیں۔ (یعنی اُس کے خلاف ہر ممکن کوشش کرتے ہیں) پس اب وہ اس وجہ سے کہ لوگوں کے دین فاسد ہیں اپنے دین کے اعتبار سے بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ وہ بدعات سے تمسک کرتے ہیں سنتِ رسول اللہ سے تمسک کرنے میں بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ لوگوں کے عقیدے فاسد ہیں اپنے عقیدے کے اعتبار سے بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ لوگوں کے طریقے فاسد ہیں اپنے طریقہ میں بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ لوگوں کی نفسانی خواہشوں میں اُن کا ساتھ نہیں دیتا اپنی طرزِ معاشرت میں بھی اجنبی ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام دنیوی اور اخروی امور میں اجنبی ہے نہ کسی کو اپنا مددگار پاتا ہے اور نہ یاور اور بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ " آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ پر اور نہ زیادتی پر۔"

پس وہی ایک اپنے دین سے ناواقف قوم میں دین کا عالم ہے بدعتیوں میں متبع سنت ہے، گمراہوں اور بدعتوں کی طرف بلانے والوں میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلانے والا ہے ایسی جماعت میں

جن کے نزدیک اچھی بات بُری اور بُری اچھی ہے اچھی بات کا حکم کرتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے

دین پر صبر کرنے کی اہمیت

اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا جس میں اپنے دین پر صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے ہاتھ میں انگارا لیے ہوئے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرما دیا کہ جو شخص ہاتھ میں آگ لیلے جیسے اُس کو بغیر بے انتہا صبر کے آسانی سے لیے رہنا ممکن نہیں ہے۔

آخری زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے کا مرتبہ

ایسے ہی آخر زمانہ میں وہ شخص جو سنت سے تمسک کرے اور اُس پر عمل کرے اُس کو بغیر سخت صبر کے آسانی سے اپنے دین کی حفاظت ممکن نہیں ہے اور اسی واسطے اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے میری امت کے بگڑ جانے کے وقت میری سنت کو اختیار کیا اُس کو سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

دین کا کمال اور زوال

اور ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہر شے کا ایک کمال اور ایک زوال ہوتا ہے اور بے شک دین کا کمال ایک تو وہ تھا کہ تم دین کی طرف سے اندھے اور جاہل تھے اور مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دین دے کر بھیجا اور ایک دین کا کمال یہ ہے کہ سارا قبیلہ عالم ہو جائے یہاں تک کہ اس میں ایک یا دو فاسق سے زیادہ نہ پائے جائیں پس وہ دونوں مغلوب اور ذلیل ہوں گے۔

اور دین کا زوال یہ ہے کہ تمام قبیلہ کو ڈھونڈتے پھرو تو اس میں ایک یا دو فقیہوں سے زیادہ نہ ملیں اور وہ بھی مغلوب اور ذلیل ہوں گے نہ اس دین پر اپنا کوئی مددگار پائیں گے اور نہ کوئی یار۔

آخری زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے کی حالت

پس نبی علیہ السلام نے مومن کا وصف جو سنت پر عمل کرنے والا دین کا عالم ہو یہ بیان کیا ہے کہ وہ آخر زمانہ میں لوگوں کے نزدیک مغلوب اور ذلیل ہوگا نہ اپنا معین پائے گا اور نہ مددگار۔ اور اسی ثوریؒ نے کہا ہے جب تم کسی عالم کو کثیر الاحباب پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ گڑبڑ کرنے والا ہے کیونکہ اگر وہ حق بولے تو اُس کے سب دشمن ہو جائیں اور کعب احبارؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ بے شک تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں نصیحت بُری لگے گی یہاں تک کہ مومن اپنا ایمان لے کر ایسا چھپتا پھرے گا جیسے بدکار بدکاری لے کر چھپتا ہے اور مومن کو اُس کے ایمان پر ایسی عار دلائیں گے جیسے بدکار کو اُس کی بدکاری پر عار دلاتے ہیں۔

مومن کی ذلت اور اس کا سبب

اور مومن کی ذلت آخر زمانہ میں اسی لیے بڑھ جائے گی کہ فاسق اور ظالم اور بدعتی بہت ہو جائیں گے اور وہ ان میں تنہا ہوگا سب کے سب اُس کو بُرا سمجھیں گے اور اُس کو ستائیں گے کیونکہ اُس کا طریقہ اُن کے طریقہ کے خلاف اور اُس کا مقصود اُن کے مقصود کے مخالف ہے اور وہ اُن کے اُس کے اُس چلن سے موافق نہیں جس پر وہ لوگ قائم ہیں خاص کر اُس وقت جب کہ

وہ بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے جیسا کہ حذیفہ رضؓ یمانی نے کہا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اُن کو مردار گدھا ایسے مومن سے زیادہ پسند ہوگا جو اُن کو نیک بات بتائے اور گناہ سے منع کرے۔

اور ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ مؤمن کا دل ایسا گھل جائے گا جس طرح کہ پانی میں نمک گھل جاتا ہے کسی نے عرض کیا یہ کس لیے یارسول اللہ آپ نے فرمایا اس خرابی کی وجہ سے جس کو دیکھے گا اور اُس کے بدلنے کی قدرت نہ پائے گا بے شک بعضے مقتدین ایسے ہوئے ہیں کہ خرابی کو دیکھا اور اُس کے دور کرنے کی قدرت نہیں ہوئی تو خون کا پیشاب کیا اور بعضے کئی دن تک بیمار رہے۔

انبیاء و صلحاء کا طریقہ اور ان کے مصائب کی وجہ | اور بیشک نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے اس کے بعد صلحاء کا پس جیسے انبیاء منکروں میں پھنسنے سے خالی نہیں رہے اسی طرح علماء اور صلحاء اور بھلائی کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے اُن لوگوں میں پھنسنے سے خالی نہیں رہ سکتے کہ جو گناہوں پر اڑے ہوئے ہیں پس اس لیے کہ جو شخص اس زمانہ میں بھلی بات بتاتا اور برائی سے منع کرتا ہے وہ دین کے بہت بڑے رکن اور اُس ضروری کام کو سنبھالے ہوئے ہے جس کے لیے اللہ تعالےٰ نے سارے رسولوں کو بھیجا ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے بھلائی کا حکم کیا اور برائی سے منع کیا وہ دنیا میں اللہ کا خلیفہ اور اُس کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کا خلیفہ ہے اور یہ اس لیے ہے کہ انبیاء صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے بھیجے گئے ہیں اور یہی اُن کا معمول تھا جس کو لے کر وہ آئے تھے پس جو شخص اس میں اُن کا پیرو ہوا اور اُس نے حکم کیا اور منع کیا وہ اس بہت بڑے کام میں اُن کا نائب ہوا اور اُس کا مرتبہ اُن کے مرتبہ سے اس بڑے ضروری کام میں قریب ہوگیا چنانچہ اس کا اشارہ اس قول الٰہی میں کردیا اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ "بے شک جو لوگ کرتے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور مار ڈالتے ہیں نبیوں کو ناحق اور مار ڈالتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے سو اُن کو خوشخبری سُنا دُکھ والے عذاب کی"

بنی اسرائیل نے تینتالیس انبیاء اور ایک سو بارہ عابدوں کو ایک دن قتل کر ڈالا | پس اللہ تعالےٰ نے اُن لوگوں کو جو عدل کا حکم کرتے ہیں ترتیب کے اعتبار سے انبیاء عم کے بعد ذکر کیا ہے اور اس آیت کی تفسیر کے متعلق مذکور ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے پہلے ہی پہر میں ایک ساعت میں قتل کر ڈالا پس ایک سو بارہ شخص بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے اٹھ کھڑے ہوئے

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگے پس دن کے آخر حصہ میں اُن سب کو قتل کر ڈالا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ "اور مار ڈالتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی تلقین | کیونکہ دیندار بھلائی کا حکم کرنے والے اور بُرائی سے منع کرنے والے بہت کم قسم قسم کی تکلیفوں اور طرح طرح کی بلاؤں سے بچتے ہیں شہر وغیرہ سے نکالا جانا اور بادشاہو اور حکام کے وہاں اُن کی چغلی ہونا کفر اور دین سے خارج ہونے کی اُن پر گواہی گزرنا اور ایسے کاموں کا بہتان رکھنا جس سے اُن کا فسق لازم آئے یعنی بدعتیں اور گناہ اور اس کے علاوہ اور وہ باتیں جو کہ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہیں۔

تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم | پس اس بنا پر بھلائی کے بتلانے والے اور بُرائیوں سے منع کرنے والے کو چاہیے کہ خلق کی اُن ایذاؤں پر اپنے نفس کو مضبوط کرے جو اُس کو پہنچیں گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صبر کا کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور بعض جگہ صبر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ "اے ایماندارو صبر کرو اور ثابت قدم رہو اور جمے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم فلاح پاؤ۔" اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ "اور صبر بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" اور اللہ نے صبر کرنے والوں کے لیے اتنا ثواب جمع کر دیا ہے جو اوروں کے لیے نہیں جمع کیا اور فرمایا ہے أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ط وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ "انہیں پر ہیں اللہ کی رحمتیں اور مہربانی اور یہی لوگ ہیں راہ پر" علماء کہتے ہیں کہ صبر کا یہی اجر کافی ہے کہ کل اعمال کا ثواب تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ہے مگر صبر کہ اُس کا ثواب بے حساب دیا جانے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ "بے شک دیئے جائیں گے صبر کرنے والے اپنا ثواب بے حساب" اور صبر کا حکم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ اس قول الٰہی میں صاف آیا ہے وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ "بھلی بات سکھا اور بُری باتوں سے روک اور صبر کر اُس چیز پر جو تجھ کو پہنچے یہ بڑی اولوالعزمی کی بات ہے"

اور اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص نیک باتیں سکھاتا ہے اور بُری باتوں سے منع کرتا ہے کبھی اس کو اذیت پہنچتی ہے پس جب اُس کو ایذا پہنچے تو اُس کو واجب ہے کہ صبر کرے اور سمجھے کہ مخلوقات کی طرف سے اُس کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اللہ کی مشیت اور اس کے حکم اور مقدر کرنے سے ہے پس اُس کو ایسا سمجھے جیسے جاڑے گرمی اور مرض کی تکلیف پس جب یہ سمجھے گا تو آرام

پائے گا اور یقین کرے گا کہ یہ بات تو ضرور ہونے والی تھی کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اُس کا ہونا ضروری ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اُس کا ہونا محال ہے پس گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اس میں صبر کرنا چاہیے۔

مصیبت پر صبر کرنے اور معاف کرنے کے فائدے | کیونکہ جو شخص آئی ہوئی مصیبت پر اختیار سے صبر نہیں کرتا حالانکہ یہ اچھی بات ہے تو اُس کو اُس سے زیادہ پر مجبوراً صبر کرنا پڑے گا اور یہ بُرا ہے لہٰذا اُس کو چاہیے کہ صبر کرے اور بدلہ لینے کا خیال چھوڑ دے اس لیے کہ اگر بدلے کا خیال نہ چھوڑے گا بلکہ اُسی میں مشغول ہو جائے گا تو اس کے بعد اُس کو خوف اور ذلت اور ندامت ہوگی اس لیے کہ اُس کے سبب سے عداوت پیدا ہو جائے گی اور عاقل اپنے دشمن سے بے کھٹکے نہیں رہتا اگرچہ وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو اور جب بخش دے گا اور معاف کر دے گا اور بدلہ لینے میں مشغول نہ ہوگا تو عداوت پیدا ہونے سے بے خوف رہے گا اور ندامت میں پڑنے سے چھوٹ جائے گا باوجودیکہ معافی میں عزت بھی بہت ہے اس لیے کہ صحیح طور سے ثابت ہے کہ حضور پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بندہ کی عزت بڑھاتا ہے بلکہ اُس کو چاہیے کہ اس کے عوض میں اُس کے ساتھ احسان کرے اس لیے کہ تکلیف دینے والے نے اس کو اپنی نیکیاں ہدیہ دی ہیں اور اپنے نامۂ اعمال میں بدلوا دی ہیں اور یہ سمجھے کہ اُس کی بُرائی میرے حق میں اللہ کی طرف سے نعمت ہے کہ مجھ کو مظلوم بنایا کہ دنیا میں بدلہ کا اور آخرت میں ثواب کا امیدوار ہوں اور مجھ کو ظالم نہیں بنایا کہ دُنیا اور آخرت میں عذاب کا منتظر رہتا۔

مخلوق سے تکلیف گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے | اور عاقل کو اگر ان دونوں حالتوں میں مختار بنایا جائے تو مظلوم ہونا ہی پسند کرے کیونکہ اُس کو مخلوق سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اس لیے کہ مومن کو جو مصیبت رنج یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے اور یہ حقیقت میں اُس کی دوا ہے کہ اُس سے گناہوں کی بیماری دُور کی جاتی ہے کیونکہ اس کو خلقت سے جو اذیت پہنچتی ہے وہ اُس کے لیے کڑوی اور ناگوار دوا کی طرح ہے لہٰذا اُس کو چاہیے کہ دوا کی تلخی اور بدمزگی کو نہ دیکھے اور نہ اُس شخص کو جس کی طرف سے اُس کو پہنچی ہے بلکہ اُس کے نفع کو دیکھے اور اُس ذات کی طرف سے سمجھے جو اُس کو اس اذیت کے نقصان سے نفع پہنچائے گا۔

پچپانویں مجلس تندرستی اور فراغت کی نعمت اور ان نعمتوں والوں کے نقصان میں ہونے کے بیان میں

تندرستی اور فراغت نعمتیں ہیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نعمتان مغبون فیھما

کثیر من الناس الصحۃ والفراغ" دو نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان میں رہتے ہیں یعنی تندرستی اور فراغت
یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عباس رضؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے
معنے یہ ہیں کہ تندرستی اور فراغت دو بڑی نعمتیں ہیں۔

فراغت اور تندرستی کی نعمتوں کی قدر اور نا قدری۔ لیکن اکثر لوگ جب تک انہیں یہ حاصل ہوتی ہیں ان کی قدر نہیں جانتے ہیں کہ نہ تو نیک اعمال کرتے ہیں اور نہ موت کے دن کا کچھ سامان کرتے ہیں کیوں کہ آدمی تندرستی کی حالت میں اپنے بدن اور مال سے نیکیاں کمانے کی قدرت رکھتا ہے اور جب بیمار ہوا تو اس کا بدن عمل سے لاچار ہو جاتا ہے اور اس کا ہاتھ مال کی طرف سے تہائی سے زائد میں کوتاہ ہو جاتا ہے پس نہ اپنے بدن سے طاعت پر قادر ہوتا ہے اور نہ اپنے مال میں تہائی سے زیادہ پر تصرف کر سکتا ہے پس اس لیے اس کو چاہیے کہ اپنی تندرستی کو غنیمت سمجھے اور اپنی جان اور مال سے نیکیاں حاصل کرنے میں کوشش کرے۔

اور ایسے ہی فراغت کے زمانہ میں عبادت پر بے روک ٹوک قدرت ہوتی ہے پھر جب فراغت مشغولیت سے بدل گئی تو موانع پیدا ہو جاتے ہیں لہذا طاعت پر قدرت نہیں رہتی کیوں کہ انسان کبھی بھلا چنگا تو ہوتا ہے لیکن فارغ نہیں ہوتا بلکہ معاش کے کاروبار میں لگا ہوتا ہے اور کبھی تو انگر تو ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں ہوتا پس جب اس کو صحت اور فراغت دونوں حاصل ہوں پھر بھی طاعت کرنے سے سستی اس پر غالب آجائے تو وہ نقصان میں ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس کو یوں سمجھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس میں ایسی تجارت ہوتی ہے جس کا فائدہ آخرت میں ظاہر ہوتا ہے پس جس نے اپنی فراغت اور تندرستی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کیا تو وہ محفوظ ہے اور جس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف کیا تو وہ نقصان پانے والا ہے اس لیے کہ فراغت کے بعد مشغولی اور تندرستی کے بعد بیماری لگی ہوئی ہے اور جس شخص نے صحت کی حالت میں اپنے برائی کا حکم کرنے والے ہمیشہ آرام طلب نفس کو ڈھیل دے دی اور حدود اللہ کی نگہبانی اور طاعات پر مداومت کو چھوڑ دیا وہ نقصان اٹھائے گا اور ایسے ہی جب فارغ ہو کیونکہ کاروباری آدمی کو تو کبھی کوئی عذر ہوتا ہے برخلاف فارغ کے کہ اس سے تمام عذر اٹھ جاتے ہیں اور اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے لہذا اس کو چاہیے کہ فراغت کو غنیمت سمجھے اور نیک اعمال حاصل کرنے میں سعی کرے اور اپنی عمر کو بیہودہ کاموں میں برباد نہ کرے کیونکہ عمر کا ہر سانس ایک نفیس بے بہا جوہر ہے اس واسطے کہ اس میں قابلیت ہے کہ اس کو سعادت ابدی تک پہنچا دے اور ہمیشہ کی بدبختی سے نجات دے پس اس جوہر سے بڑھ کر کونسا جوہر ہوگا پھر اگر اس کو غفلت میں کھو دیا تو بہت بڑا نقصان اٹھایا اور اگر اس کو معصیت میں لگایا تو بے طرح ہلاک ہوا۔

انسان کو اس کی کوشش کے مطابق سعادت ملے گی | پس اس لیے کہ آدمی کی عمر نیک اعمال کے لیے ایک میدان ہے جو اللہ تعالےٰ سے نزدیک کرنے والے اور قیامت کے دن بہت بڑے ثواب کے باعث ہیں اور یہی وہ سعادت ہے جس میں سے انسان کے لیے اسی قدر ہے جتنی وہ کوشش کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَن لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی" اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کے لیے مگر وہی جتنی کوشش کی۔

قیامت کے دن انسان کی ندامت و حسرت | پس جو دم اُس کی عمر کا نیک عمل سے خالی جاتا ہے اُس پر قیامت کے روز افسوس اور ندامت ہوگی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے مامن ساعۃ یأتی علی العبد لا یذکر اللہ تعالیٰ فیھا الا کانت علیہ حسرۃ" کہ نہیں گذرتی انسان پر ایسی کوئی ساعت کہ اُس میں اللہ کی یاد نہ کی ہو مگر اُس پر حسرت ہوگی اور ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا مامن احد یموت الا ندم قالوا وما ندامتہ یا رسول اللہ قال ان کان محسنا ندم ان لا یکون ازداد وان کان مسیئا ندم ان لا یکون نزع۔ نہیں کوئی مرتا مگر وہ نادم ہوتا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس کی ندامت کیا ہوگی آپ نے فرمایا اگر وہ نیکوکار ہے تو یوں نادم ہوگا کہ زیادہ نہ کیا اور اگر بدکار ہے تو یہ ندامت ہوگی کہ باز نہ آیا۔

اور ابن عباس رضہ سے روایت ہے نفس لوامہ کی تفسیر میں انہوں نے کہا ہے کہ ہر شخص کا نفس قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرے گا محسن کو تو اس کا نفس یہ ملامت کرے گا کہ حسنات زیادہ کیوں نہ کیے اور بدکار کو اُس کا نفس یہ ملامت کرے گا کہ بدی سے باز کیوں نہ آیا پس اے عاقل اپنی عمر کو غفلت میں ضائع نہ کر اور آخرت کا سامان حاصل کرنے میں کوشش کر اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس روز تم کچھ حاصل کرنے پر قادر نہ ہوگے کیونکہ عنقریب اُس دن کو دیکھ لوگے پس اپنے رب کی عبادت کے بغیر گذری ہوئی عمر پر شرمندہ ہوگے اور ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دنیاوی کام مشغولیت سے نیک عمل میں کوتاہی کا نتیجہ | کیونکہ جب آدمی دنیا کے کسی دہندے میں لگا ہو اور وہ مشغلہ اُس کو عمل سے باز رکھے اور اُس عمل کو فراغت کے وقت پر ملتوی رکھے اور کہے جب فرصت ہوگی تو کروں گا سو یہ دو وجہ سے اُس کی حماقت ہے ایک تو دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اور یہ عقلمندوں کی شان نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی" بلکہ مقدم رکھتے ہو تم زندگی دنیا کو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی۔
اور دوسری وجہ عمل کو فراغت کے وقت تک ٹالنا پس کبھی فرصت ملتی ہی نہیں بلکہ فرصت سے پہلے ہی موت اُس کو آدباتی ہے یا کام بڑھ جاتا ہے کیونکہ دنیا کے کاروبار آپس میں ایک دوسرے کو لازم ہوتے ہیں پس ایسا شخص قیامت کے دن کے لیے بے سامان رہ جاتا ہے۔

نیک اعمال میں سستی نہ کرنے کی ہدایت پس بندہ پر واجب ہے کہ نیک اعمال میں جس حال میں ہو موت سے پہلے اور فوت ہونے سے قبل جلدی کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ دوڑو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے تیار ہوئی ہے پرہیزگاروں کے واسطے۔

دنیا کی محبت کا نتیجہ کیونکہ جس کا دل دنیا میں اٹک گیا اور دنیا میں اُس نے حاجت سے زیادہ کھایا پیا اور لباس حاصل کیا تو یہ بات اُس کے حق میں مضر ہوتی ہے مگر اُس صورت میں کہ طاعتِ الٰہی میں اس سے مدد لے کیونکہ ہر وہ چیز جس کو آدمی پسند کرتا ہے اور اُس پر کامیاب ہو جاتا ہے اُس سے جدا ہونا ضروری ہے پس اگر اُس سے غیر اللہ کے لیے محبت رکھتا تھا تو اُس کا فوت ہونا بھی اس پر عذاب ہوگا اس لیے کہ جس قدر اس کے دل کو اُس سے تعلق ہوگا اسی قدر رنج ہوگا پس جس کے پاس سرمایہ اسی قدر موجود ہو جو اس کو کافی ہو وہ تو فارغ دل ہے پھر اگر سو اشرفیاں پا جائے تو اُس کے دل میں دس خواہشیں اُٹھ کھڑی ہوں گی جن میں سے ہر ایک خواہش کے لیے سو سو اشرفیوں کی حاجت ہو پس جو ہاتھ آیا ہے کافی نہ ہوگا بلکہ اور نو سو کی حاجت پڑے گی حالانکہ ان سو کے پانے سے پہلے مستغنی تھا پس انہیں پایا اور گمان کیا کہ غنی ہو گیا حالانکہ اُس کو یہ خبر نہیں کہ وہ اور نو سو کا محتاج ہو گیا تاکہ مکان خریدے یا اُس کو بنوائے اور لونڈی مول لے اور اُس کے اور اپنے لیے قیمتی پوشاک خریدے اور ہر ایک کے لیے اُن لوازم کی ضرورت ہے جو اُس کے مناسب اور لائق ہوں جن کی کہیں انتہا نہیں پس ایسے گڑھے میں پڑ جائے گا جس کا انجام دوزخ کا گھڑا ہے اور سوا اس کے کوئی اس کی انتہا نہیں۔

ایک حکایت اور حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے پاس ایک فیروزہ کا پیالہ کوئی لایا اور وہ پیالہ جواہرات سے جڑا ہوا تھا اور اُس جیسا دیکھنے میں نہیں آیا تھا پس بادشاہ اُس سے بہت خوش ہوا اور بادشاہ کے پاس ایک حکیم تھا بادشاہ نے اُس سے کہا تم اس کو کیسا جانتے ہو اُس نے عرض کیا مجھ کو یہ تمہارے لیے مصیبت اور فقر معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے کہا کیونکہ اُس نے عرض کیا اس لیے کہ جس چیز کا بھی انسان دنیا میں مالک ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتی پس یہ پیالہ اگر جاتا رہا یا ٹوٹ گیا تو تم کو اس کی حاجت ہوگی اور ایسا ملے گا نہیں اور تمہارے لیے ایسی مصیبت ہوگی جس کا کچھ علاج نہیں حالانکہ اس سے پہلے کہ یہ پیالہ تمہارے پاس لایا جائے تم مصیبت اور احتیاج سے امن میں تھے پھر ایک روز اتفاق سے وہ پیالہ ٹوٹ گیا تو بادشاہ کو بہت بڑا رنج ہوا اور اُس نے کہا حکیم نے جو کہا تھا ٹھیک تھا کاش وہ میرے پاس نہ لایا جاتا۔

اور اسی جیسے رنج بلکہ اس سے بہت زیادہ ہر ایسے شخص کو پہنچتے رہتے ہیں جس کو دنیا سے تعلق ہے

پس ان لوگوں کو دنیا کی حرص کرنے اور اُس کے لیے سخت محنت اُٹھانے اور اُس کے جاتے رہنے کے وقت حسرت میں تڑپانے کا عذاب دیا گیا ہے۔

دنیا کو دوست بنانے والے کی مصیبت اور اسی لیے بعض متقدمین نے کہا ہے جس نے دنیا کو دوست بنایا وہ اپنی جان کو مصیبتوں کے لیے تیار رکھے کیونکہ دنیا کا دوست تین مصیبتوں سے خالی نہیں رہتا۔ ہر وقت کی فکر اور ہمیشہ کی محبت اور ایسی حسرت جو کبھی ختم نہ ہو۔

دنیا کو دوست رکھنے والے کو پہلا عذاب پس اگر دنیا کے دوست کو موجودہ عذاب کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُس کے لیے کافی مصیبت تھی پھر اُس وقت کیا حال ہوگا جب کہ اس کے اور اس کے تمام محبوب چیزوں اور لذتوں میں موت حائل ہو جائے گی اور جس چیز سے لذت اٹھاتا تھا خود اُسی سے اُس لذت کے برابر جس نے روز قیامت کے لیے توشہ کی سعی سے روک رکھا تھا عذاب پائے گا اس لیے کہ اگر کسی کے ہزار محبوب ہوں تو مرتے وقت ایک دم میں اُس پر ہزار مصیبتیں پڑ جائیں گی کیونکہ وہ سب کو دوست رکھتا تھا اور ایک ہی لحظہ میں سب کے سب اُس سے چھن جائیں گے اور موت کے بعد حسرت اور ندامت میں پڑا رہ جائے گا اور یہ تو وہ پہلا الم ہے جو مرتے ہی پیش آئے گا چہ جائیکہ وہ دوزخ کا عذاب جو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو دنیا کی زندگی کو دوست رکھتے ہیں اور اُس کو پسند کرتے ہیں۔

دنیا سے محبت کرنے والوں کی حالت زار اور خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کو دوست بنایا اور اس سے محبت اللہ کے لیے نہ ہوئی اور نہ اس کے لیے کہ وہ طاعت الٰہی پر معین ہے تو اس کو اُس سے ضرر حاصل ہوگا خواہ وہ شے حاصل ہو یا نہ ہو کیونکہ اگر وہ نہ ملی تو رنج میں بسر ہوگی اور تعب سے فرصت نہ پائے گا اور اگر مل گئی تو جو رنج میسر آنے سے پہلے ہوا ہے اور جو حسرت اُس کے جانے کے بعد ہوگی وہ اُس لذت سے کئی حصہ زیادہ ہے جو اُس کو حاصل ہوئی ہے اور اگر بندہ دنیا کے تمام عیش اور اُس کی ساری لذتیں پا جائے اور اُس کی عمر اسی میں کٹ جائے اور سعادت اُخروی کی تحصیل میں سعی نہ کی ہو تو مرتے وقت وہ ایسا ہو جائے گا جیسے نہ کوئی عیش کیا اور نہ کوئی لذت پائی اور وہی عیش اور لذت عذاب بن جائیں گے اور خود انہیں سے جن کی وجہ سے اُسے عیش تھا دو وجہ سے عذاب ہوگا ایک تو باوجود دل کے اُس کے ساتھ سخت تعلق ہونے کے اُس کا جاتا رہنا اور دوسرے جو اس کے لیے بہت نافع اور ہمیشہ رہنے والا تھا اُس کا حاصل نہ ہونا پس جو محبوب حاصل تھا وہ جاتا رہے گا اور بڑا محبوب حاصل نہ ہوگا پس یہ وہ پہلا عذاب ہے جو مرتے ہی دوزخ کے عذاب سے بھگتے گا

موت کی حقیقت اس لیے کہ موت عدم محض اور صرف فنا نہیں ہے بلکہ موت دنیا کی مفارقت اور

اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔

علم اور عمل ہیں بندہ کے ساتھ رہنے والی دو چیزیں ہیں۔ اور بندہ کے ساتھ مرتے دم دو ہی چیزیں رہتی ہیں علم اور عمل اور یہی دونوں بندہ کے لیے نجات دینے والی اور باقی رہنے والی نیکیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے دیدار کی لذت تک پہنچا دیتی ہیں اور یہی وہ سعادت ہے جو مرنے کے بعد جلدی سے اُسے حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی گور اُس وقت تک کے لیے بہشت کا ایک چمن بن جاتی ہے کہ دیدار کے وقت جنت میں جائے اور علم سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات اور افعال اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں کا علم ہے اور اس کے سوا اُن اعتقادی اور عملی باتوں کا علم جن کا جاننا واجب ہے اور عمل سے مراد عبادت ہے جو خالص اللہ کے لیے اُس کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کے موافق ہو۔

علم و عمل میں معاون دنیاوی آسائشیں مذموم نہیں پھر علم اور عمل میں سے ہر ایک بغیر بدن کے باقی رہنے اور بغیر اس کی تندرستی کے حاصل نہیں ہوتا اور بدن کی بقا اور اُس کی تندرستی میسر نہیں ہوتی مگر کھانے اور کپڑے اور گھر کی مدد سے اور یہ سب باتیں اسباب کی محتاج ہیں پس اُس مقدار کو جو ان تینوں میں سے ضروری ہے اگر بندہ دنیا میں سے آخرت کے لیے لے لے تو یہ شخص دنیاداروں میں سے نہ ہو گا بلکہ دنیا اس کے حق میں آخرت کی کھیتی ہوگی کیونکہ دنیا اور آخرت انسان کی دو حالتوں کا نام ہے پس نزدیک والی کا دنیا نام ہے اور نزدیک ہر وہ چیز ہے جس کی لذت موت سے پہلے ختم ہو جانے اور آخر والی پچھلی حالت کا آخرت نام ہے اور آخرت ہر وہ چیز ہے جس کی لذت موت کے بعد تمام نہ ہو جائے۔

پس اس بنا پر تمام وہ چیزیں جس کی طرف آدمی کو رغبت ہو اور اُس کو ان میں اس وقت لذت ہو وہ مذموم نہیں ہیں بلکہ جن میں اس وقت موت سے پہلے تو لذت ہو اور اُس کا کچھ پھل موت کے بعد باقی نہ رہے وہ اس کے حق میں دُنیا ہے اور جن میں اس کو اس وقت موت سے پہلے بھی لذت ہو اور اُس کا کچھ پھل موت کے بعد بھی باقی رہے جیسے طاعات اور عبادات اور وہ چیزیں جو طاعت میں معین ہیں وہ اُس کے حق میں دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت میں داخل ہیں اس واسطے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میری محبوب بنائی گئی ہیں خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے پس نبی علیہ السلام نے نماز کو دنیا کی لذتوں میں سے قرار دیا ہے اور اسی لیے دنیا کی طرف اُسے منسوب کیا ہے کیونکہ رکوع اور سجدہ میں ہاتھ پاؤں ہلانے کی لذت دنیا ہی میں ہوتی ہے اور تمام وہ چیزیں جو محسوس اور مشاہدہ ہوتی ہیں وہ ظاہری عالم کی ہیں لہٰذا دنیا ہی کی ہوئیں لیکن دنیا میں شمار نہیں ہوتیں بلکہ چونکہ اس کا پھل باقی رہتا ہے آخرت میں شمار ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی پسند کے موافق عمل آسان فرمائے۔

چھیانویں مجلس اُس شخص کے مسجد میں جانے سے ممانعت کے بیان میں جس نے بدبودار چیز کھائی ہو

بدبودار چیز کھاکر مسجد میں جانے کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اکل من هذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا فان الملٰئکة تتأذی مما یتأذی منه الانس "جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے نزدیک ہرگز نہ آئے کیونکہ فرشتے ایسی چیز سے ایذا پاتے ہیں جس سے آدمیوں کو ایذا ہوتی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اسم اشارہ سے جو اس حدیث میں واقع ہے اُس جنس کی طرف اشارہ ہے جس میں بدبو ہو اور معنی یہ ہیں کہ جو شخص ایسی چیز کھائے جس میں بدبو ہو تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور مسجد کی اپنی طرف اضافت کرنے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مسجد سے مراد نبی علیہ السلام کی مسجد ہو لیکن تمام علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم سب مساجد کے لیے عام ہے اس لیے کہ ایک اور حدیث میں حضور صلعم نے یوں فرمایا ہے وہ مسجدوں کے پاس نہ جائے۔

یہاں ہر نیک مجلس مسجد کے حکم میں ہے۔ بلکہ علماء نے علت یعنی ملائکہ اور آدمیوں کا تکلیف پانا موجود ہونے کی وجہ سے ہر نیک مجلس کو اسی کے حکم میں داخل کیا ہے جیسے علم کی مجلس اور عید گاہ اور جنازہ وغیرہ۔

بدبودار چیز کھاکر مسجد میں آنے کی ممانعت کا مطلب پھر یہ کہ یہ حکم مسجد میں آنے اور جماعت میں ملنے سے ممانعت نہیں ہے کیونکہ جماعت سے سنت مؤکدہ واجب کے مشابہ ہے لہٰذا ایسی چیز کے استعمال سے جو جماعت میں حاضر ہونے سے مانع ہو اُس کا چھوڑنا مناسب نہیں بلکہ یہ ایسی چیز کے کھانے سے ممانعت ہے جو مسجد میں آنے اور جماعت کی حاضری سے منع کرے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب کسی شخص کے پاس مسجد میں پیاز یا لہسن کی بُو پاتے تو حکم کرتے پس وہ بقیع کی طرف نکال دیا جاتا اور اسی لیے فقہاء کہتے ہیں جس کے پاس ایسی بدبو پائی جاتی ہو جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو اُس کا مسجد سے نکال دینا لازم ہے اگرچہ ہاتھ یا پاؤں سے کھینچ کر داڑھی اور سر کے بال نہ کھینچے۔

حقہ پینے والے کو مسجد سے روکنا پس اس بنا پر لازم ہے کہ مسجد کے پاس اُن لوگوں کو آنے سے منع کریں جو حقہ پیتے ہیں جس کا آجکل کفار کی طرف سے جو اہل ایمان کے دشمن ہیں رواج ہوا ہے اور تمام خلقت خاص اور عام اُس میں مبتلا ہو گئی ہے کیونکہ اس کی بو پیاز اور لہسن کی بو سے بہت زیادہ بُری ہے بلکہ ایسے

شخص کا مسجد سے نکال دینا لازم ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں سے کھینچ کر ہو جیسا کہ فقہاء کی ہر ایسے شخص کے بارے میں یہی رائے ہے جس کے پاس ایسی بدبو آتی ہو جس سے خلقت کو ایذا ہو۔

حقہ کے نقصانات اور اس کے پینے کا حکم شرعی | اور مسجد میں نہ آنے کی صورت میں آیا اس کا استعمال حلال ہے جیسے کہ پیاز لہسن کھانا حلال ہے یا نہیں تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حقہ پیاز اور لہسن کی طرح نہیں ہے کیونکہ پیاز لہسن تو کھانا درست کرنے والی چیزیں ہیں اور غریب لوگوں کی غذا اور رسالن ہیں اور یہ حقہ ان میں سے کسی بات کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کے بارے میں لوگوں کے بہت سے قول ہیں۔

اور حق بات جس پر اعتماد ہے یہ ہے کہ ہر اختیاری کام جو مکلف سے سرزد ہوا گر اس پر کوئی دینی یا دنیوی فائدہ مرتب نہ ہو تو وہ یا عبث ہے یا لعب ہے یا لہو ہے اور لغت کی کتابوں میں تو ان تینوں میں کچھ فرق نہیں کیا ہے لیکن فرق ہونا ضرور چاہیے کیونکہ قرآن میں ایک کو دوسرے پر عطف کیا ہے اور وہ فرق جیسا کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے اور قبول کے قابل بھی ہے یہ ہے کہ عبث وہ کام ہے جس میں نہ لذت ہو اور نہ فائدہ اور جس میں لذت ہو فائدہ نہ ہو وہ لعب ہے اور لہو بھی ایسا ہی ہے لیکن اس میں نفس کو زیادہ لذت ہوتی ہے کہ اس میں مشغولی سے ضروری کام رہ جاتا ہے اور یہ سب حرام ہیں اس واسطے کہ قرآن میں ان سب کا ذکر صرف بطریق ہجو ہے پس جب لعب اور لہو اور عبث کی حرمت معلوم ہو گئی تو حقہ کے استعمال کی حرمت بھی معلوم ہو گئی کیونکہ حقہ لعب میں داخل ہے یا عبث میں یا لہو میں بلکہ اس کو عبث سے زیادہ مناسبت ہے کیونکہ لہو و لعب میں جو لذت ہے حقہ اس لذت سے خالی ہے یا الٰہی مگر شاید بعض حقہ پینے والوں کے نفس شیطانی تزئین کے سبب اس کو لذیذ جانتے ہوں تو اب لعب میں داخل ہوگا یا لہو میں باوجودیکہ دینی فائدہ سے بھی خالی ہے اور یہ تو ظاہر ہے۔

اور دنیاوی فائدہ سے بھی کیونکہ حقہ غذا یا دوا بننے کی کچھ بھی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ مضر ہے کیونکہ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دھواں مطلقاً مضر ہے ابن سینا کہتا ہے اگر دھواں اور گرد و غبار نہ ہوتا تو آدمی ہزار برس جیا کرتا۔

اور جالینوس کہتا ہے کہ تین چیزوں سے بچو اور چار چیزیں اپنے اوپر لازم رکھو تو تم کو طبیب کی حاجت نہ ہوگی دھویں اور غبار اور بدبو سے بچو اور یہ چکنائی اور مٹھائی اور خوشبو اور حمام کو لازم کرلو۔

اور قانون میں مذکور ہے کہ تمام قسم کا دھواں اپنے زمین کے اجزاء کی وجہ سے تو خشکی پیدا کرتا ہے اور کچھ اس میں آگ کے اجزا بھی ہوتے ہیں۔

کسی بزرگ کا مقولہ ہے جب کہ تمام قسم کے دھویں خشکی کرتے ہیں تو حقہ بھی رطوبات بدنیہ کو خشک کرتا ہوگا لہذا بہت سے امراض پیدا ہونے کا سبب ہوگا اس لیے اس کا پینا جائز نہیں اس لیے کہ ضرر سے جان کا بچانا واجب ہے اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ مضر شے کا استعمال حرام ہے۔

پس اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بعضے طبیب کبھی کبھی بعضے مریضوں کا بعض قسم کے دھویں سے علاج کیا کرتے ہیں اور اُس کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے پھر تمام قسموں کے دھویں سے کیوں کر ممانعت درست ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے علاج کرتے ہیں نہ ہمیشہ کے لیے تا کہ اُس میں وہ خشکی پیدا ہو جس کا ذکر ہوا۔

پھر اگر کوئی کہے کہ خشکی بلغمی مزاج والے کو ضرر نہیں کرتی کیونکہ رطوبت بہت ہوتی ہے اور اُس کی خشکی سے نفع ہوتا ہے پس اس حقہ سے ممانعت کی کیا وجہ ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ نفع کی حد مجہول ہے پس اس کا ایسے طبیب حاذق سے اس کا معلوم کرنا ضروری ہے جو مزاجوں سے اور اُس مقدار سے واقف ہو جو نافع ہو۔ ورنہ سلامتی اور عدم سلامتی میں تردد ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔

کیونکہ عادل لوگ جو حقہ پیتے ہیں اس میں اختلاف کرتے ہیں بعضے اُس کے ضرر کے قائل ہیں اور بعضے ضرر نہ کرنے کے اور بعضے اس میں شک کرتے ہیں لیکن فریق غالب جن کی طرف ان کے زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے حق پایا جاتا ہے یہی کہتا ہے کہ یہ اول اول تو جسم میں قوت اور بینائی میں دُھند اور اعضاء میں بوجھ اور ہاضمہ میں رکاوٹ اور بدن میں ضعف پیدا کرتا ہے۔

اس لیے کہ حقہ جیسا کہ اطباء نے کہا ہے ایک قسم کی حرارت کے ساتھ خشکی کرتا ہے لہذا اول اول تو وہ اثر کرتا ہے جو انہوں نے پہلے بیان کیا ہے (یعنی خشکی) اور انجام کو وہ اثر کرتا ہے جو آخر میں بیان کیا ہے (یعنی حرارت) علاوہ ازیں یہ کہ اگر حقہ کا نفع ثابت بھی ہو جائے تو نفع کے بعد بھی اُس کا پینا منع ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ دوا ہوگا اور دوا کا استعمال بیماری جاتے رہنے کے بعد جائز نہیں ہے اس لیے کہ جب حقہ بدن میں کوئی مرض نہ پائے گا جسے دور کرے تو بدن میں اثر کرے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب جو آیت سے حرام کی گئی ہے قرآن نے اُس کے نفع کی بھی خبر دی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا " تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوے کا تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدہ بھی ہے لوگوں کو اور اُن کا گناہ فائدے سے بڑا ہے "۔

لیکن نفع کی جانب سے جب ضرر کا مقابلہ ہو تو ضرر کا لحاظ کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ فقہاء نے کہا ہے جب ایک چیز میں کئی وجہیں حلال ہونے اور جواز کی ہوں اور ایک وجہ حرام ہونے اور ناجائز ہونے کی تو بنا براحتیاط جانب حرمت کو مقدم رکھیں گے۔

اشیاء کی حرمت اور اباحت کی پہچان کا طریقہ

پھر اشیاء کی حرمت اور اباحت کی پہچان کا ایک عمدہ طریقہ ہے جس کا مرجع اصول ہے اور وہ یہ کہ حق یہ ہے کہ اشیاء میں نبوت سے پہلے کوئی حکم نہیں اور نبوت کے بعد اس میں علماء کے تین مختلف قول ہیں۔

اوّل یہ کہ سب چیزیں حرام ہیں مگر وہ جن کے مباح ہونے پر دلیل شرعی قائم ہو۔

دوسرا یہ کہ تمام چیزیں جائز ہیں مگر وہ جن کی حرمت پر دلیل شرعی دلالت کرے۔

اور تیسرا قول جو صحیح ہے یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ ضرر کی چیزیں حرام ہیں یعنی اصل ان میں حرمت ہے اور نفع دینے والی چیزیں مباح ہیں یعنی اصل ان میں جائز ہونا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا "وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو احسان کی جگہ فرمایا ہے اور احسان صرف حلال جائز سے ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا کہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کے سارے منافع پیدا کر دیئے تاکہ تم اس سے فایدہ لو۔

کیا حقہ پینا حرام ہے؟

اور اسی تیسرے صحیح قول کی بناء پر حقہ کا حکم بھی نکل آتا ہے کیونکہ اگر وہ مفید ہوتا تو اصل اس میں جواز ہوتا لیکن حاذق طبیبوں کے بیان سے ثابت ہوا ہے کہ وہ مضر ہے اگرچہ آیندہ چل کر ہو لہذا اصل اس میں حرمت ہے بلکہ اگر اس میں شک ہوتا جب بھی حرمت کی جانب کو غلبہ ہوتا جیسا کہ یہی شرعی قاعدہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچتا رہا اس نے اپنا دین اور عزت بچائی اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو حاطہ کے گرد چراتا ہو کہ عنقریب اس میں جا گھسے گا۔

اور علماء نے ان شبہات کے حکم میں اختلاف کیا ہے پس بعضے تو ان کی حرمت کی طرف گئے ہیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں خبر دے دی ہے کہ جس نے ایسی چیز کو چھوڑ دیا جس کا حکم اس پر مشتبہ ہو اور حقیقت حال اس کی معلوم نہ ہوئی ہو تو اس کا دین خراب کر دینے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے اور اس کا نفس عیب اور ملامت کی چیزوں سے بچا رہیگا اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ کر گزرا تو حرام میں پڑ جائے گا اور یہ حقہ ان ہی چیزوں میں سے ہے جن کا حکم مشتبہ ہے اور اس کی حقیقت حال نہیں کھلی پس جس نے چھوڑ دیا اور نہ پیا تو اس کا دین فساد اور نقصان سے اور اس کا نفس عیب اور خلقت میں ملامت سے بچا رہا اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ پیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔

حقہ کا پینا مکروہ ہے

اور بعضے علماء مکروہ ہونے کی طرف گئے ہیں کیونکہ ایک اور حدیث میں

آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ امور تین طرح کے ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہو گیا ہے پس اُس کو اختیار کرو اور ایک وہ جن کا گمراہی ہونا تمہیں ظاہر ہو گیا پس اُس سے بچتے رہو اور ایک وہ امر جس میں اختلاف ہو پس شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو تم کو شک میں نہ ڈالے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حقہ کے حکم نے شک اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے لہٰذا کم سے کم اس کا مرتبہ کراہت ہے۔

اور یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ اکثر حقہ نوشوں کی اس دلیل سے یہ اباحت کے درجہ تک آجائے گا کہ حقہ فایدہ کرتا ہے اور ہر بیماری کی دوا ہے اور ہم نے استعمال میں اس کو اپنے امراض کے لیے مفید پایا ہے اس لیے کہ یہ سب باتیں شیطانی تلبیس اور اس کی تزئین کی وجہ سے ہیں تاکہ آخر کو اس کی کثافت سے بیماریاں پیدا ہو جائیں کیونکہ اُس کا باربار پینا اپنے مقابل کو ایذا دیتا ہے لہٰذا اُس سے حرارت پیدا ہو گی پس آخر کو مرض ہو جائے گا نہ کہ دوا پھر ان کے قول کے موافق لازم آتا ہے کہ تمام لوگ بیمار ہی ہوں اور اُن کا مرض چاروں فصلوں میں ایک ہی طرح کا ہو اور ان کا علاج بھی تمام فصلوں میں ایک ہی شے سے ایک ہی طرح پر ہو اور اس کا بطلان کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔

پھر اس میں مال کا ضایع کرنا ہے کیونکہ گراں داموں سے خریدا جاتا ہے لہٰذا اسراف حرام میں داخل ہو گیا۔

حقہ کے حرام ہونے کی ایک توجیہہ اور کسی مالکی مذہب والے نے ملک حجاز میں ایک سوال کا جواب لکھا ہے جو حقہ کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ حقہ کا استعمال بھی اُس کی اصل کی طرح حرام ہے کیونکہ اُس کی اصل لکڑی اور آگ ہے اس لیے کہ دھوئیں میں لکڑی کے اجزاء آگ کے اجزاء میں ملے ہوئے ہیں اور دھوئیں کا اپنے اجزائے ناری کے اعتبار سے جو اُس میں ہیں استعمال حرام ہے کیونکہ باری تعالے کا قول ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کے مال ناحق وہ بھرتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ ٭ پس اس آیت نے آگ کا حرام ہونا بتلایا لہٰذا دھواں بھی حرام ہوا جو آگ سے نکلتا ہے اور نیز یہ کہ اللہ تعالے نے اس کو عذاب کی چیز بتایا ہے چنانچہ یونس نبی علیہ السلام کی قوم کے حق میں فرمایا ہے لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ٭ جب ایمان لائے وہ تو کھول دیا ہم نے اُن پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں ٭ پس اس لیے کہ جو عذاب اُن پر سے دفع ہوا تھا وہ دھواں ہی تھا اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ یَّغْشَی النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٭ پس راہ دیکھ تو اُس دن کی کہ لائے گا آسمان صریح دھواں جو گھیرے گا

لوگوں کو یہ ہے دردناک عذاب ہے اور دخان سے جو اس آیت میں مذکور ہے ایک قول کے موافق حقیقی معنی مراد ہیں اور اس قول کے مطابق مضمون آیت اس بارہ میں صریح ہے کہ دھواں سخت عذاب ہے اور جس شئے سے تعذیب ہو اس کا استعمال حرام ہے کیونکہ فقہا محل عذاب سے بھاگنے کے واجب ہونے پر متفق ہیں جیسے بطن محسر اور محسر اسم فاعل کے وزن پر ہے باب تحسیر سے ایک میدان کا نام ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تھا اور جب محل عذاب سے بھاگنا واجب ہوا تو جس شئے سے عذاب ہوا ہو اس سے بدرجۂ اولےٰ بھاگنا واجب ہے۔

حقہ پینے والوں کی حالت پھر حقہ پینے والوں کو تم دیکھتے ہو کہ ان کے حلق اور ناک سے دھواں نکلتا ہے اور اس میں دوزخیوں اور اُن شریر لوگوں سے مشابہت ہے جو آخر زمانہ میں ہلاک ہوں گے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں دھواں پیدا ہوکر تمام زمین کو بھر دے گا لوگوں پر چالیس دن تک رہے گا مومن کو تو صرف اُس کا اتنا اثر پہنچے گا جیسے زکام کی حالت لیکن کافر سو اُس کی ناک اور کانوں اور آنکھوں سے نکلے گا یہاں تک کہ ایک ایک کا سر جلی بھنی ہوئی سری کی طرح ہو جائے گا۔

عذاب والوں کی طرح بناوٹ سے مسلمانوں کو ممانعت پس مومن کو مناسب نہیں کہ عذاب والوں کی طرح بنے اور نہ یہ کہ ایسی چیز استعمال کرے جو ایک قسم کا عذاب ہو اور نہ وہ چیز جو اہل عذاب کے لوازم میں سے ہو اور اکثر علما نے اسی وجہ سے لوہے اور تانبے کی انگوٹھی پہننے کو مکروہ کہا ہے کہ حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دونوں دوزخیوں کے زیور ہیں اور یہ صحیح طور سے ثابت ہے جیسا کہ بلالی نے مختصر الاحیاء میں ذکر کیا ہے کہ نبی علیہ السلام گرم کھانا ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ کھانے کو نہیں بتایا اور یہ دھواں تو بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں اجزائے ناریہ بھی ملے ہوئے ہیں جیسا کہ گذر چکا پھر اگر اس کے استعمال میں ان کفار کے طریقے کو رواج دینے کے سوا اور کچھ نہ ہوتا جنہوں نے اسے ایجاد کر کے بلادِ اسلام میں پھیلا دیا ہے تاکہ ایمان والوں کو نقصان پہنچے تو عقلمند کے لیے خود یہی امر پرہیز کرنے کا ایک بڑا سبب اور اختیار کرنے سے ایک بڑا مانع موجود تھا بلکہ اگر اس کے استعمال میں کپڑے اور بدن سیاہ ہونے اور بدبو اور سڑاہند کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو خود بھی عاقل کو اسکے استعمال سے مانع تھا۔

لیکن اس زمانے کے لوگوں کی طبیعتیں اکثر مشکل سے مطیع ہونے والی ہیں ہمیشہ بیہودہ کام کی طرف مائل رہتی ہیں اگر بھلی بات کہو تو نہیں مانتے اور اگر سکھاؤ تو نہیں سیکھتے اور اگر سمجھاؤ تو نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو اُس کے موافق کبھی عمل نہیں کرتے اور اُن لوگوں میں سے ہیں جو وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا "اگر دیکھتے ہیں راہ ہدایت کی تو نہیں بناتے ہیں اُس کو راہ اور اگر دیکھتے ہیں راہ گمراہی کی تو اُس کو بناتے ہیں راہ"

الٰہی ہم پر اپنی رضا کے موافق اعمال اپنے لطف اور فضل اور کرم سے آسان کر۔

ستانویں مجلس بیکار قول اور فعل ترک کر دینا لازم ہونے کے بیان میں

آدمی کے اسلام کے کامل ہونے کی شرط | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه "آدمی کے اسلام کی خوبی ہے بیہودہ کام کا ترک کر دینا"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ اسلام آدمی کا کامل اور خوب نہیں ہوتا مگر جب وہ اقوال و افعال چھوڑ دے جن میں بالکل کوئی فائدہ نہ ہو نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

حقہ بے فایدہ کاموں میں سے ایک ہے | اور جن کاموں میں بالکل کوئی فایدہ نہیں اُن میں سے ایک حقہ بھی ہے جو آجکل کفار کی طرف سے جو اہل ایمان کے دشمن ہیں نکلا ہے اور اُس کے پینے میں تمام خلقت خاص و عام مبتلا ہے چنانچہ حقہ گیارھویں قرن کے اول میں نکلا اور تمام لوگوں کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ ہو گیا کہ اُس کا استعمال تمام شہروں میں مردوں اور عورتوں اور بچوں میں پھیل گیا ہے لہذا علماء دین پر مسلمانوں کے لیے اس کا حکم بیان کرنا لازم ہوا کہ آیا اس کا پینا حلال ہے یا اس سے پرہیز واجب ہے۔

پس اے ہوش والو جو کچھ اس بارہ میں کہا جاتا ہے اس کو سنو اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف قول ہیں۔

بے فایدہ کام کی حقیقت | اور وہ حق بات جو اعتماد کے قابل ہے یہ ہے کہ ہر فعل اختیاری جو کسی عاقل بالغ سے صادر ہو اگر اس میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو تو وہ عبث ہے یا لعب یا لہو اور لغت کی کتابوں میں تو ان تینوں میں کچھ فرق نہیں کیا ہے لیکن فرق کرنا ضرور چاہیے کیونکہ قرآن میں ایک کو دوسرے پر عطف کیا ہے اور فرق جیسا کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے اور قبول کرنے کے قابل ہے یہ ہے کہ عبث وہ فعل ہے جس میں نہ کچھ فایدہ ہو اور نہ لذت اور جس میں لذت ہو بغیر کسی فایدہ کے وہ لعب ہے اور ایسا ہی لہو ہے ہاں اتنی بات ہے کہ لہو میں نفس کو زیادہ لذت ہوتی ہے کہ اس میں مشغول ہو کر ضروری کام سے رہ جاتا ہے اور یہ تینوں حرام ہیں کیونکہ قرآن میں ان کا ذکر صرف بطور ہجو کیا گیا ہے۔

حقہ کا حکم شرعی | پس جب ان تینوں کی حرمت معلوم ہو گئی تو حقہ پینے کی بھی حرمت معلوم ہو گئی اس لیے کہ حقہ یا لعب میں داخل ہے یا لہو میں یا عبث میں بلکہ عبث سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ حقہ اُس لذت سے خالی ہے جو لعب اور لہو میں ہوتی ہے یا الٰہی مگر شاید کہ بعضے پینے والوں کو شیطان کے اُسے مزیدار ثابت کرنے سے مزہ آتا ہو تو اس صورت میں لعب یا لہو میں داخل ہو جائے گا اور بہر صورت حقہ دینی فایدہ سے تو خالی ہے اور یہ ظاہر ہے۔

اور دنیا کے فایدے سے بھی خالی ہے کیونکہ غذا اور دوا میں سے بالکل کسی کام کا نہیں ہے بلکہ وہ مضر ہے کیونکہ تمام طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دھواں مطلقاً مضر ہے ابن سینا کہتا ہے اگر دھواں اور گرد وغبار نہ ہوتا تو یقیناً آدمی ہزار برس جیا کرتا اور جالینوس کہتا ہے تین چیزوں سے بچتے رہو اور چار چیزیں دل کو لپٹنے اوپر لازم کرلو تو تم کو طبیب کی کچھ حاجت نہیں ہے دھویں اور غبار اور بدبو سے بچتے رہو اور چکنائی اور مٹھائی اور خوشبو اور حمام کو لازم کرلو اور قانون میں مذکور ہے کہ تمام قسم کا دھواں اپنے اجزاء ارضی کی وجہ سے خشکی پیدا کرتا ہے اور کچھ اس میں آگ کے اجزا بھی ہوتے ہیں کسی بزرگ کا مقولہ ہے پس جبکہ دھویں کے تمام اقسام خشکی پیدا کرتے ہیں تو یہ حقہ بھی بدنی رطوبات کو خشک کرے گا لہٰذا بہت سے امراض پیدا ہو جانے کا سبب ہوگا لہٰذا اس کا پینا اس لیے جائز نہیں کہ مضر شئے سے اپنے آپ کو بچانا واجب ہے اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ مضر شئے کا استعمال کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ بعضے طبیب کبھی کبھی بعضے بیماریوں کا علاج بعض قسم کے دھویں سے کیا کرتے ہیں اور اس سے نفع اٹھاتے ہیں لہٰذا تمام قسم کے دھویں سے ممانعت کیونکر درست ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے علاج کرتے ہیں نہ ہمیشہ کے لیے تاکہ خشکی جس کا ذکر ہوا پیدا ہو۔

پھر اگر کوئی یہ کہے کہ خشکی مذکور بلغمی مزاج والے کو اس لیے ضرر نہیں کرتی کہ اس میں رطوبات بہت ہوتے ہیں اور اس کو حقہ کی خشکی پیدا کرنے سے فائدہ ہوتا ہے لہٰذا حقہ سے ممانعت کی کیا وجہ ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ نفع کی حد معلوم نہیں لہٰذا کسی ایسے طبیب حاذق سے جو مزاجوں کو اور اس مقدار کو جانتا ہو جو مفید ہے معلوم کرنا ضروری چاہیے ورنہ اس وجہ سے ادھر قدم رکھنا مطلقاً حرام ہے کہ صحت اور مرض میں تردد ہے۔

کیونکہ حقہ پینے والے عادل لوگ اس میں مختلف ہیں بعضے تو اس کے ضرر کے قائل ہیں اور بعضے ضرر نہ کرنے کے قائل ہیں اور بعضوں کو اس میں شک ہے لیکن وہ فریق اغلب جو قریب بحق ہیں یہ کہتے ہیں کہ حقہ پہلے پہلے تو جسم میں قوت اور نظر میں تیزی اور اعضاء میں نشاط اور کھانے میں ہضم پیدا کرتا ہے پھر جب ہمیشگی ہو جاتی ہے تو بدن میں ناتوانی اور اعضاء میں بوجھ اور آنکھ میں دھند اور ہاضمے میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ حسب قول اطباء حقہ خشکی کرتا ہے مع ایک قسم کی حرارت کے اول میں تو وہ اثر کرتا ہے جو پہلے بیان کیا (یعنی خشکی) اور آخر کو وہ اثر جو بعد کو بیان کیا (یعنی حرارت) بنا۔ برین اگر نفع ثابت بھی ہو جائے تو نفع کے بعد پینے سے بھی ممانعت ہوگی اس لیے کہ اس صورت میں حقہ دوا ہوا اور بیماری جاتے رہنے کے بعد دوا کا استعمال کرنا جائز

نہیں اس لیے کہ دواجب کوئی بیماری نہیں پاتی جس کو دور کرے تو بدن میں اثر کرتی ہے پس ضرر کا سبب بن جاتی ہے۔

نقصان دہ چیز سے ممانعت اور جو چیز نقصان کرتی ہو اُس کے استعمال سے ممانعت ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب جو آیت سے حرام ہے قرآن نے اُس کے نفع کی خبر دی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ "تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوے کا تو کہہ کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو"۔ لیکن نفع کی جانب سے جب نقصان کی جانب کا مقابلہ ہوتا ہے تو نقصان کا لحاظ کرتے ہیں یہاں تک کہ فقہا کہتے ہیں اگر کسی شے کو کئی دلیلیں جائز اور حلال ثابت کرتی ہوں اور ایک وجہ اُس کی حرمت اور ناجائز ہونے کو لازم کرتی ہو تو حرمت کی جانب کو احتیاطاً غلبہ دیں گے۔

پس اگر کوئی یہ کہے کہ حقہ پینے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ پینے کے بعد وہ اپنے بدن میں خفت پاتے ہیں تو نفع نہ ہونے کا قول کیونکر صحیح ہے۔

تو اُن لوگوں کے بیان کے موافق جنہوں نے نفع و ضرر کا تجربہ کرنے کے لیے اس کو استعمال کیا ہے جواب یہ ہے کہ حقہ پینے والوں کو حقہ پیتے ہوئے تو ایک قسم کا سخت الم ہوتا ہے اور پی چکنے کے بعد اُس الم سے نجات پاتے ہیں اور راحت ملتی ہے سو یہ بیچارے یوں سمجھتے ہیں کہ یہ راحت اس کے پینے سے ملی ہے حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کا پینا چھوڑنے سے حاصل ہوئی ہے۔

اشیاء کی حرمت واباحت کی پہچان کا ایک طریقہ پھر یہ کہ اشیاء کی حرمت اور اباحت کی پہچان کا ایک عمدہ قاعدہ ہے جس کا مرجع اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ حق یوں ہے کہ نبوت سے پہلے اشیاء میں کوئی حکم نہیں ہے اور نبوت کے بعد علماء تین قول پر مختلف ہیں۔

قول اول یہ ہے کہ اُن کے علاوہ سب چیزیں حرام ہیں جن کا شرعی دلیل نے جائز ہونا بتلایا ہے۔

اور دوسرا یہ کہ اُن کے سوا سب چیزیں مباح ہیں جن کا دلیل شرعی نے حرام ہونا بتلایا ہے۔

اور تیسرا قول اور یہی صحیح ہے یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ نقصان کی چیزیں اس معنے کو سب حرام ہیں کہ اصل ان میں حرمت ہے نفع اور نفع کی چیزیں سب مباح ہیں اس اعتبار سے کہ اصل ان میں اباحت ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا قول ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ "وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں سب"۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو احسان جتانے کی جگہ ذکر فرمایا ہے اور احسان صرف نافع اور مباح سے ہو سکتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لیے تمام چیزیں

جو زمین میں ہیں پیدا کیں تاکہ تم اُن سے نفع اٹھاؤ۔

کیا حقہ پینا حرام ہے؟ اور اسی تیسرے صحیح قول کی بنا پر حقہ کا حکم بھی نکلتا ہے پس اس لیے کہ حقہ اگر نافع ہوتا تو اصل میں اباحت ہوتی لیکن حاذق طبیبوں کے بیان سے ثابت ہوا ہے کہ حقہ مضر ہے اگرچہ آیندہ چل کر ہو لہذا اصل اس میں حرمت ہی ہوگی۔ بلکہ اگر اس میں شک بھی ہوتا تو بھی حرمت ہی کی جانب کو غلبہ ہوتا جیسا کہ یہی شرعی قاعدہ ہے اس واسطے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا حلال بھی ظاہر اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان میں مشتبہ چیزوں میں اکثر لوگ اُنہیں نہیں جانتے ہیں پس جو شخص شبہات سے بچتا رہا اُس نے اپنا دین اور عزت بچالی اور شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑا جیسے احاطے کے گرد چرانے والا کہ عنقریب اُس کے اندر گھس جائے گا۔

اور اُن شبہات کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے بعضے تو اس لیے حرمت کی طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں خبر دے دی ہے کہ جس نے ایسی چیز کو چھوڑ دیا جس کا حکم مشتبہ ہے اور اُس کی حقیقت حال اُس کو معلوم نہیں ہوئی تو اُس کا دین مفاد اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے اور اُس کی جان عیب اور ملامت سے سلامت بچ گئی اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ کر گذرا تو وہ حرام میں پڑ گیا اور حقہ بھی اُن ہی چیزوں میں سے ہے جن کا حکم مشتبہ ہے اور جن کی حقیقت حال معلوم نہیں لہذا جس نے اُس کو چھوڑ دیا اور نہ پیا تو اُس کا دین فساد اور نقصان سے پاک اور اُس کی جان خلقت میں عیب اور ملامت سے سالم رہی اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ پینے لگا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔

حقہ پینا مکروہ ہے اور بعضے اس کے مکروہ ہونے کی طرف گئے ہیں اس لیے کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہوگیا ہے پس تم اُس کو اختیار کرو اور ایک وہ جن کا گمراہی ہونا ظاہر ہوگیا ہے پس اُس سے پرہیز کرو ایک وہ جن میں اختلاف ہے پس شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے۔

اور اس میں شک نہیں ہے کہ حقہ نے بھی شک اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے اور ایسی صورت میں کم سے کم اُس کا درجہ کراہت کا ہے۔

اور یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ اکثر پینے والوں کی اس دلیل گھڑنے سے کہ یہ نافع ہے اور ہر مرض کی دوا ہے اور ہم نے اس کے پینے میں اپنی بیماریوں کے لیے دوا پائی اباحت کی حد کو پہنچ جائیگا کیونکہ یہ تمام دلیلیں شیطان کے شبہات اور اُس کی فریب دہی سے ہیں تاکہ آخر کو اُس کی کثافت

سے بیماریاں پیدا ہو جائیں اس لیے کہ اس کے بار بار پینے کے جو حصہ اس کے مقابل ہو سیاہ ہو جاتا ہے
پس اس سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کو مرض ہو جاتا ہے نہ کہ دوا پھر اُن کے دعوے
کے موافق یہ لازم آتا ہے کہ سب لوگ بیمار ہی ہوں اور اُن کا مرض بھی تمام چاروں فصلوں میں ایک ہی طرح
کا ہو اور اُن سب کا علاج ان فصلوں میں ایک چیز سے ایک ہی پر ہو اور اس کا بطلان کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر اُس میں مال کا ضائع کرنا ہے کیونکہ مہنگی قیمت سے خریدا جاتا ہے لہذا اسراف حرام میں داخل
ہوا باوجودیکہ بدبودار اور نہ پینے والوں کے دماغ کو تکلیف دہ ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ہر ایذا دینے
والا دوزخی ہے اور کمنا ی رح فرماتے ہیں کہ بدبو نتھنوں کو پھاڑتی ہے اور دماغ تک پہنچ جاتی ہے اور
آدمی کو ایذا دیتی ہے۔

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی شدید ممانعت | اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے
اس درخت میں سے کھایا وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کیونکہ وہ ہم کو اپنی بدبو سے ستاتا ہے اور
ھذہ الشجرۃ سے مراد وہ جنس ہے جس میں ایسی بدبو ہو کہ آدمی اُس سے ایذا پائیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام
نے وجہ بیان کر دی ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس نے ایسی چیز کھائی جس میں ایسی بدبو ہو کہ آدمیوں کو تکلیف
ہوتی ہو تو وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اس لیے کہ وہ ہم کو بدبو سے ستاتا ہے اور صحیح مسلم میں ثابت
ہو چکا ہے کہ نبی علیہ السلام اگر مسجد میں کسی شخص سے پیاز یا لہسن کی بُو پاتے تو اُس کے لیے حکم دیتے پس وہ
بقیع کی طرف نکال دیا جاتا اور اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ جس شخص میں ایسی بدبو آتی ہو کہ آدمیوں کو
اُس سے تکلیف ہوتی ہو تو اُس کا مسجد سے نکال دینا لازم ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں سے کھینچ کر ہو ڈاڑھی
اور سر کے بال پکڑ کر نہیں۔

پس اس بنا پر آج کل اکثر امام اور مؤذنوں کا مسجد اور جامع مسجد سے نکال دینا لازم آتا ہے
کیونکہ ان کے پاس ہمیشہ اس بدبودار حقہ نوشی کے سبب سے بدبو پائی جاتی ہے بلکہ یہ لوگ
کبھی کبھی مسجد اور جامع مسجد کے اندر اُس کو پیتے ہیں پس اُن کے حق میں کراہت زیادہ سخت
اور بہت زیادہ ہے۔

حقہ کے حرام ہونے کی ایک توجیہ | اور کسی مالکی المذہب نے ملک حجاز میں ایک سوال کا جواب لکھا
ہے جو حقہ کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ حقہ کا استعمال جیسے اس کی اصل حرام ہے کیونکہ اس کی
اصل لکڑی اور آگ ہے اس لیے کہ اس کے اجزاء لکڑی کے کچھ اجزاء ہیں جو اجزائے ناری سے
بنے ہوتے ہیں پس اُن ناری اجزاء کے اعتبار سے جو اس میں ملے ہیں اس کا استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ کا قول ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ
نَارًا۔ بے شک جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کے مال ناحق وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ۔

پس اس نص نے آگ کی حرمت ثابت کی لہٰذا دھواں بھی حرام ہوا جو آگ سے پیدا ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود دھوئیں کو ذریعہ عذاب کا ٹھہرایا ہے چنانچہ یونس نبی علیہ السلام کی قوم کے حق میں کہا ہے لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا "جب ایمان لائے وہ تو کھول دیا ہم نے اُن پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں" کیونکہ جو عذاب اُن پر سے دور ہوا تھا وہ دھواں ہی تھا اور ایک اور روایت میں فرمایا ہے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ " پس تو راہ دیکھ اُس دن کی کہ لائے گا آسمان دھواں صریح کہ گھیرے گا لوگوں کو یہ ہے دُکھ کا عذاب۔

اور ایک قول کی بنا پر دخان سے جو اس آیت میں مذکور ہے دخان کے حقیقی معنے مراد ہیں اور اس قول پر آیۂ کریمہ کا مضمون اس بارہ میں صریح ہے کہ دخان عذاب الیم ہے اور جس شے سے عذاب واقع ہو اُس کا استعمال حرام ہے کیونکہ فقہاء نے محل عذاب سے بھاگنے کے واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے جیسے بطن محسر اور یہ لفظ اسم فاعل کے وزن پر باب تحسیر سے اُس میدان کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تھا پس جب محل عذاب سے بھاگنا واجب ہوا تو عذاب کی چیز سے بھاگنا اولیٰ اور زیادہ لائق ہے۔

حقہ پینے والوں کی حالت پھر اس کے پینے والوں کو دیکھو تو اُن کی ناک اور حلق سے دھواں نکلتا ہے اور اس میں دوزخیوں کی اور اُن شریر لوگوں کی جو آخر زمانہ میں ہلاک ہوں گے مشابہت ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں ایسا دھواں پیدا ہوگا کہ زمین کو بھر دے گا اور لوگوں پر چالیس روز تک رہے گا مومن کو تو صرف اتنا اثر ہوگا جیسے زکام کی حالت اور رہا کافر سو اُس کے نتھنوں اور کانوں اور آنکھوں سے نکلے گا یہاں تک کہ ایک ایک کا سر ایسا ہو جائے گا جیسے جلی جھلسی ہوئی سری۔

مومن کے لیے اہل عذاب سے مشابہت مناسب نہیں لہٰذا مومن کو مناسب نہیں کہ اہل عذاب سے مشابہت پیدا کرے اور نہ یہ کہ ایسی چیز استعمال کرے جو عذاب کی قسم سے ہو اور نہ اُس کو جو اہل عذاب کے لوازمات سے ہو اور علماء کے ایک گروہ نے اتفاق کیا کہ لوہے اور تانبے کی انگوٹھی مکروہ ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ یہ دوزخیوں کا زیور ہے اور جیسا کہ ہلالی نے مختصر الاحیاء میں ذکر کیا ہے صحیح طور پر ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام گرم کھانے کو مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ کھانا نہیں بتایا پس یہ حقہ بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے کیونکہ اجزائے ناری سے ملا ہوا ہے جیسے گذر چکا پس اگر اس کے استعمال میں بجز کپڑوں اور بدن کے سیاہ ہونے اور بدبو اور سڑاند کے اور کچھ نہ ہوتا تو بھی عاقل کے باز رہنے کے لیے کافی تھا بلکہ اگر اُس کے پینے میں سوا اُن کفار کے طریقہ کو رواج دینے کو جنہوں نے اس کو بلاد اسلام میں اہل اسلام کے ضرر دینے کی غرض سے ایجاد کیا ہے

اور کچھ نہ ہوتا تو یہی عاقل کے لیے اس کے اجتناب کرنے اور اس کے کرنے سے باز رہنے کو کافی تھا۔
لیکن اس زمانے میں اکثر طبیعتیں کند بمشکل اطاعت قبول کرنے والی ہیں ہمیشہ فضول کاموں کی طرف مائل رہتی ہیں اگر اُن کو نصیحت کیجیے کبھی نہ مانیں اور اگر سکھاؤ کبھی نہ سیکھیں اور اگر سمجھاؤ تو کبھی نہ سمجھیں اور اگر سمجھیں تو کبھی عمل نہ کریں اور وہ اُن لوگوں میں سے ہیں کہ اگر دیکھیں ہدایت کی راہ تو نہ بنائیں اُس کو راہ اور اگر دیکھیں گمراہی کی راہ تو اُس کو بنائیں راہ۔

اٹھانویں مجلس عورتوں کیساتھ گذران کرتے ہوئے انکے حق میں وصیت کا بیان

اپنی عورتوں کو ستانے کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذ تموھن بامان اللہ و استحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ و لکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہ فان فعلن ذلک فاضربوھن ضربا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔

ترجمہ "اللہ سے ڈرو عورتوں کے حق میں تم نے اُن کو اللہ کی امن میں لیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو کلمۃ اللہ سے حلال کر لیا ہے اور تمہارا حق ان پر یہی ہے کہ تمہارے بستر پر کسی ایسے کو قدم نہ رکھنے دیں جس سے تم بیزار ہوں اگر وہ ایسا کریں تو اُن کو مارو اتنا کہ ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور اُن کا حق تمہارے اوپر اُن کو دستور کے موافق کھانا اور کپڑا دینا ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جابرؓ نے روایت کی ہے پس گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ سے عورتوں کے بارے میں ڈرو پس اُن کو ناحق نہ ستاؤ بلکہ اُن کے ساتھ اچھی طرح بسر اوقات کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ "اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ عمدہ طرح۔"

عورتوں کے بارے میں انسان کا اللہ سے عہد کیونکہ تم نے اُن کو اپنے قبضہ میں اللہ کے اُس عہد پر لیا ہے جو اللہ نے اُن کے بارہ میں تم سے اُن کے ساتھ نرمی اور اُن پر شفقت کرنے کا عہد لیا ہے اور تم نے اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کے امر اور اُس کے حکم سے حلال کیا ہے پس اگر تم نے اُس کے اُس عہد کو جو تم سے لیا ہے توڑ ڈالا اور اُس کی امانت میں تم نے خیانت کی تو اُن کے لیے تم سے بدلہ لے گا اور یہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں پس جب کہ تم نے اُن کو اللہ کے امر اور اُس کے حکم سے اپنا جوڑا بنایا ہے تو وہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف امانت ہیں پس جب تم نے اُن کو ناحق ستایا اور اچھی طرح گذران نہ کیا تو گویا تم نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ ڈالا اور اُس کی امانت میں تم نے خیانت کی پس اُن کے لیے وہ تم سے بدلہ لے گا۔

مرد کا عورت پر حق | اور تمہارا حق اُن پر یہ ہے کہ وہ کسی کو یہ اجازت نہ دیں کہ تمہارے گھروں میں تمہاری بے اجازت آئے اور اگر وہ ایسا کریں تو اُن کو اس طرح مارو تاکہ زیادہ تکلیف وہ نہ ہو کہ اُن کو تکلیف تو ہو اور ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور اُن کا بدن لہولہان نہ ہو جائے اور تم پر اُن کا حق اچھی طرح کھانا اور کپڑا دینا ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں کچھ ایک دوسرے کے ایسے حقوق ہیں جن کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

مرد پر عورت کے حقوق | لیکن عورتوں کا جو حق مردوں پر ہے وہ اُن پر اچھی طرح خرچ کرنا ہے اسلیے کہ فقہا نے کہا ہے کہ مرد پر بی بی کا نفقہ واجب ہے خواہ اُس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو اور وہ مسلمان ہو یا کافرہ یا فقیر ہو یا دولتمند اس لیے کہ اُس کی توانگری اُس کے نفقہ کا حق جو خاوند پر ہے باطل نہیں کر دیتی خواہ جوان ہو یا نابالغہ صحبت کے قابل ہو اور اگر صحبت کے قابل نہ ہو تو اُس کا نفقہ واجب نہیں ہے اور نفقہ واجب جیسا کہ ہشام نے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے کھانا اور کپڑا اور رہنے کا گھر ہے رہا کھانا تو وہ آٹا اور پانی اور ایندھن اور نمک اور روغن ہے پس اگر عورت کہے کہ میں نہ پکاؤں گی اور نہ روٹی بناؤں گی تو قاضی خان نے اپنے فتاوے میں کہا ہے کہ روٹی سالن پکانے پر مجبور نہ کی جائے گی اور مرد پر لازم ہے کہ اُس کو تیار کھانا لادے یا ایسا آدمی جو سالن روٹی پکا دیا کرے یہ حکم تو قضا کا ہے۔

اپنے گھر کا کام کرنا عورت پر واجب ہے | اور از روئے فتویٰ اُس پر واجب ہے کہ گھر کے اندر کا ہر کام کیا کرے جیسے پکانا اور روٹی بنانا اور کپڑے دھونا وغیرہ یہاں تک کہ اگر ان میں سے ایک کام بھی نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اگرچہ اُس پر مجبور نہ کی جائے گی۔

عورت کے خادم کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہونے کی صورت | اور اگر عورت کا کوئی خادم ہو تو خاوند پر اُس کے خادم کا بھی خرچ واجب ہے بشرطیکہ سالن روٹی پکاتا ہو اور اگر وہ نہ سالن پکائے اور نہ روٹی تو اُس کا خرچ واجب نہیں اس لیے کہ خادم کا خرچ خدمت کے بدلے تھا تو جب وہ سالن روٹی نہیں پکاتا تو خرچ بھی واجب نہیں بخلاف بی بی کے کیونکہ اُس کا خرچ خدمت کے بدلے میں نہیں ہے بلکہ اپنے گھر روک رکھنے کے بدلے میں ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو خاوند کے حق کے لیے روک رکھا ہے لہٰذا اُس کا خرچ شوہر پر ہے۔

بیوی کے نفقہ میں وسعت کی ترغیب | اور مرد کو چاہیے کہ خرچ میں اگر خدا وسعت دے تو بی بی پر فراخی کرے اور اس میں اعتدال رکھے نہ کمی ہو نہ زیادتی جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ اور پیو اور مت اڑاؤ۔

رزق حلال کی اہمیت | اور سب سے زیادہ ضروری بات جو مرد پہ واجب ہے یہ ہے کہ بی بی کو کسب حلال سے کھلائے اور اُس کے لیے بڑے طریقوں میں پڑے کیونکہ یہ اُس کے حق میں خیانت ہے اُس کے حق کی رعایت نہیں ہے۔

بیوی کو کھانے کی چیزیں خیرات کرنے کا حکم دینا چاہیے | اور شوہر کو چاہیے کہ بی بی کو بچے ہوئے کھانے اور اُس چیز کے خیرات کر دینے کا حکم دے جو رکھنے سے بگڑ جائے۔

بیوی کے لیے کپڑوں کا مسئلہ | اور رہا کپڑا سو اس کا اندازہ امام محمدؒ نے دو کرتے اور دو اوڑھنیاں اور ایک لحاف ہر سال میں مقرر کیا ہے اور دو کرتے اور دو دوپٹے سے مراد گرمی جاڑے کے ہیں پس گرمی کے دنوں کا ایک باریک ہو جو گرمی کے زمانہ کے لائق ہو اور جاڑے کا موٹا جو سردی دفع کرنے کے لائق ہو اور موزے اور جوتے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی حاجت باہر نکلنے کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے ذمہ باہر پھرنے کا سامان نہیں ہے اور پائجامہ کا بھی ذکر نہیں کیا حالانکہ جاڑوں میں پاجامہ کا ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ قاضی خان نے اپنے فتاوے میں کہا ہے کہ یہ لباس اُن کے دستور کا ہے اور رہا ہمارا ملک سو پائجامہ اور دوسرے اور کپڑے بھی واجب ہیں جیسے کرتا۔ اور بستر جس پر سوتے ہیں اور لحاف اور جو چیز گرمی اور سردی کو دفع کرے۔

عورت کے خادم کے لیے کپڑوں کا مسئلہ | اور عورت کے خادم کے لیے کرتا اور تہمد اور چادر اور موزہ واجب ہے کیونکہ اُس کو باہر کے کاروبار کے لیے نکلنے کی ضرورت ہے جیسے کہ بی بی اپنے ماں باپ کے پاس کچھ کہلا بھیجے یا اور کسی کام کو بھیجے اور اُس کی لونڈی کے لیے اوڑھنی واجب نہیں اس لیے کہ اُس کے بال عورت نہیں ہیں۔

عورت کے لیے علیحدہ گھر فراہم کرنے کا مسئلہ | اور رہا رہنے کا گھر تو اس بارے میں بی بی کا حق احاطہ کے اندر ایک علیحدہ کوٹھڑی ہے جس میں اپنے اسباب سے اُسے اطمینان ہو اور اپنے خاوند کے ساتھ رہنے میں غیر سے شرمائے نہیں اور اگر شوہر کا کوئی اخیافی بھائی ہو یا بہن ہو اور دوسری بی بی کی کوئی اولاد ہو پس بی بی کہے کہ مجھ کو علیحدہ گھر میں رکھو تو بی بی کو حق پہنچتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ اپنے اسباب کے گم ہو جانے سے بے خوف نہیں ہے اور اپنے خاوند کے ساتھ رہنے میں شرمائے گی بشرطیکہ احاطہ کے اندر ایک ہی حجرہ ہو اور اگر کئی حجرے ہوں اور اُس کو ایک حجرہ دے دیا کہ جب چاہے بند کرے اور جب چاہے کھولے تو اب اُس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اور حجرہ مانگے اور احاطہ کے اندر خاوند کے بھائی بند ایسے نہ ہوں جو اُس کو ستاتے ہوں۔

ہاں مگر اس صورت میں کہ خاوند اُس کو مارتا ہو اور ستاتا ہو اور وہ قاضی کے پاس نالش کرے اور درخواست کرے کہ مجھ کو ایسے نیک لوگوں میں بسائے جو خاوند کی بھلائی بُرائی کو دیکھتے رہیں

پس قاضی اگر یہ جان لے کہ عورت جو کچھ کہتی ہے بات یوں ہی ہے تو اُس کو جھڑکے اور ظلم سے اُس کو منع کرے اور اگر قاضی کو یہ نہ معلوم ہو کہ عورت جس طرح کہتی ہے اُسی طرح ہے تو اب اُس گھر کے ہمسایوں کو دیکھے اگر وہ نیک لوگ ہوں تو اُن سے دریافت کرے کہ آیا واقعی یوں ہی بات ہے جیسا عورت کہتی ہے پس اگر وہ کہیں کہ وہی بات ہے جو عورت نے کہی تو خاوند کو جھڑکے اور ظلم سے منع کرے اور اگر وہ کہیں کہ عورت نے جیسا کہا ہے ویسا نہیں ہے تو اُس کو اسی گھر میں رہنے دے اور اگر ہمسایہ نیک لوگ نہ ہوں یا شوہر کے طرفدار ہوں تو اُس کو حکم دے کہ عورت کو نیک لوگوں میں رکھے تاکہ بی بی کے حق میں وہ لوگ اُس کا معاملہ دیکھیں اور حاکم کو اُس کی خبر کریں۔

اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے طرز عمل کا حکم | اس واسطے کہ مرد کو جائز نہیں کہ عورتوں کے حق میں ظلم کرے بلکہ مرد کو عورتوں کے ساتھ خوش خلقی کرنی اور اُن کی ایذا کی برداشت کرنی چاہیے اور اُن کے بعض عیبوں کی طرف جب تک کہ وہ گناہ نہ ہوں اُن کی بے عقلی کی وجہ سے اُن پر رحم کرتے ہوئے کچھ توجہ نہ کرے بلکہ اُس کو چاہیے کہ ایذا کی برداشت پر ہنسی کھیل اور بڑھا دے پس اُن کے ساتھ ایسی طرح کھیلے کودے جس میں گناہ نہ ہو۔

اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود جائز ہے | کیونکہ بی بی کے ساتھ مرد کا کھیل کود اُس لہو باطل میں داخل نہیں ہے جو دین میں ممنوع ہے بلکہ یہ جائز لہو ہے دین میں اس کی اجازت ہے کیونکہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اور اُن کی عقلوں کے موافق کام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں کے ساتھ سب سے زیادہ ظریف تھے یعنی سب سے زیادہ خوش مزاج ہنسی کرنے والے تھے۔

مومن کامل کی علامت | اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان میں سب سے کامل مومن وہ ہے جو اپنی بیوی سے سب سے زیادہ خوش خلق اور سب سے زیادہ مہربان ہو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

بیوی سے خوش خلقی میں اعتدال کی راہ | لیکن مرد کو یوں چاہیے کہ خوش خلقی اور کھیل میں اتنا نہ کھیل پڑے کہ اُن کی عادت بگڑ جائے اور اُن سے اس کی ہیبت بالکل جاتی رہے بلکہ اس میں اعتدال کا لحاظ رکھے پس جب کبھی کوئی بُرائی دیکھے ہیبت اور انقباض کو نہ چھوڑے اور بُری باتوں میں امداد کا دروازہ ہرگز نہ کھول دے بلکہ اُن سے جب کوئی بات شرع کے خلاف دیکھے تو منع کر دے اور غصہ کرے اس لیے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حاکم بنایا ہے چنانچہ فرمایا ہے

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" مرد حاکم ہیں عورتوں پہ"
لہذا مرد کو لازم ہے کہ بی بیوں پر امر اور نہی کرتا رہے اور ایسے ابتدائی کاموں میں غفلت نہ کرے جن کے انجام کی برائی کا خوف ہو بلکہ اُس کو یوں چاہیے کہ غیرت دار بنا رہے لیکن عیب جوئی اور بد گمانی اور باطن کی تلاش بھی زیادہ نہ کرے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کے عیوب ڈھونڈھنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ کے ہاں ناپسندیدہ غیرت اور دوسری عبارت میں یہ ہے کہ عورتوں کے عیب کی تلاش سے منع کیا کیونکہ اپنی بیوی پر بغیر کسی شک کے مرد کی غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک ایسی غیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ناپسند فرماتا ہے اور وہ بلا کسی شک کے اپنی بیوی پہ مرد کا غیرت کرنا ہے کیونکہ یہ بدگمانی ہے جس کی ممانعت آئی ہے اس لیے کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور رہی وہ غیرت جو اپنے موقع پہ ہو وہ تو ضرور چاہیے اور وہ اچھی ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ بھی غیرت کرتا ہے اور مومن بھی غیرت کرتا ہے اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن ایسا کام کرے جو اللہ نے اُس پر حرام کیا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں بڑا غیرت والا ہوں اور جو مرد کہ غیرت نہ کرتا ہو وہ اوندھے دل والا ہے۔

بے عزتی سے بچانے والی راہ اور وہ راہ جو بے عزتی سے بچائے یہ ہے کہ اُن کے پاس نہ کوئی مرد آئے اور نہ راستوں میں وہ نکلیں کیونکہ عورتوں کا باہر نکلنا بے عزتی میں شمار ہے پس مرد کو لازم ہے کہ اپنی بی بی کو گھر سے نکلنے سے منع کرے اور چند خاص جگہوں کے سوا اُس کو نکلنے کی اجازت نہ دے اور وہ یہ ہیں جو مصنف خلاصہ نے مجموع النوازل سے نقل کر کے لکھا ہے۔

عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دینے کا مسئلہ مرد کو جائز ہے کہ اپنی بی بی کو سات جگہ جانے کی اجازت دے ماں باپ کی ملاقات اور اُن کی بیمار پرسی اور دونوں کی یا ایک کی تعزیت اور محرموں کی ملاقات کے لیے اور ان سات جگہ کے بیان کرنے کے بعد کہا ہے پس اگر وہ عورت دائی ہو یا مردہ کے غسل دینے والی یا اس کا کسی پر حق آتا ہو یا کسی اور کا اُس پر حق آتا ہو تو اجازت اور بے اجازت نہ دے اور اگر مرد نے اجازت دی اور وہ گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔
اور اجازت کبھی چپ رہنے سے بھی ہوتی ہے اور وہ زبانی اجازت ہی کی طرح ہے اس لیے کہ ممانعت بری بات سے فرض ہے۔
اور اگر عورت مجلس علم میں بغیر رضامندی خاوند جانا چاہے تو اُس کو یہ حق نہیں مگر اس صورت میں کہ عورت کو کوئی ضرورت پیش آئے اور خاوند خود اُس کی طرف سے نہ پوچھے تو اب اُس کو جائز ہے

کہ بغیر مرضی خاوند چلی جائے اس لیے کہ ضروری باتوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے لہٰذا یہ خاوند کے حق پر مقدم ہوگا اور اگر خاوند نے کسی عالم سے پوچھ کر اُس کو بتا دیا تو اب اُس کا نکلنا جائز نہیں۔

اور اگر اُس کو کوئی ضرورت تو نہیں پیش آئی لیکن مجلس علم میں اس لیے جانا چاہتی ہے کہ کچھ مسئلے وضو اور نماز کے سیکھ لے تو اگر اُس کا خاوند مسائل جانتا ہو اور اُس کو بتا دیتا ہو تو خاوند کو منع کرنے کا اختیار ہے اور اگر اُس کو مسائل نہیں آتے تو بہتر ہے کہ کبھی کبھی اس کو اجازت دے دیا کرے اور اگر نہ اجازت دے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔

خاوند کے گھر سے بلا اجازت نکلنے والی عورت پر لعنت

اور عورت کو جب تک کوئی ضرورت پیش نہ آئے جانا درست نہیں ہے اور اگر وہ خاوند کے گھر سے اس کی بغیر اجازت چلی گئی تو آسمان و زمین کا ہر فرشتہ اور جس جس چیز کے پاس سے وہ گذرے گی انسان اور جن کے سوا سب اُس پر لعنت کریں گے پس عورت کا خاوند کے گھر سے بلا اجازت نکلنا حرام ہے۔

عورت کے لیے باہر نکلنے کے آداب و شرائط

ابن ہمام نے کہا ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں جانے کی اُس کو اجازت ہے تو اس شرط سے اجازت ہے کہ بغیر بناؤ سنگھار کئے ہوئے اور ایسی صورت بدل کر جائے کہ جس سے مردوں کو اُدھر دیکھنے کی رغبت اور چاہ نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ "اور نہ نکلیں وہ پہلی جاہلیت کے نکلنے کی طرح" اور تبرج جیساکہ صحاح میں مذکور ہے عورت کا اپنی زینت اور خوبی کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے پس عورت جب تک مردوں سے پوشیدہ ہے اُس کا دین بچا ہوا ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بیٹی فاطمہ رضہ سے پوچھا کہ عورت کے لیے کیا بات بہتر ہے تو انہوں نے عرض کیا یہ کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اُس کو دیکھے اور آپ نے اُن کا قول پسند فرمایا۔ اور سینہ سے اُن کو لگا لیا اور فرمایا اولاد ایک ایک سے ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دیواروں کے سوراخ اور جھروکے بند کر دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاویہ رضہ نے اپنی بی بی کو دیکھ لیا کہ روشن دان سے جھانک رہی تھی تو اُس پر اس کو مارا پس مرد کو چاہیے کہ ایسا ہی کیا کرے اور اپنی بی بی کو ایسی باتوں سے منع کرے۔

عورت کے عقائد و اعمال درست کرنے کا حکم

پھر اگر عورت کے دل میں کوئی بدعت ہو تو اُس کو دفع کرے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اُس کو بتانے اور نماز اور حیض اور نفاس کے احکام جس کی اُس کو حاجت ہوتی ہے بتلا دے۔

عورت کو ادب سکھانے کا حکیمانہ طریقہ

اور اگر دین کے کام میں سستی کرے یا بے نماز ہو تو اس کو ادب سکھائے لیکن اُس کے ادب سکھانے میں رفتہ رفتہ کام لے کہ پہلے سمجھائے اور اللہ تعالےٰ سے

ڈرائے پس اگر کامیابی نہ ہو تو سوتے میں اُس کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ کر دے یا اُس سے جُدا
بچھونے پر سوئے اور تین رات تک چھوڑے رکھے پھر بھی اگر وہ نہ مانے تو اُس کو اتنا مارے
کہ ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور منہ پر نہ مارے کہ اس کی ممانعت آئی ہے پھر بھی اگر نہ مانے تو اُس کو طلاق
دیدے جیسا کہ قاضی خان رحمہ نے اپنے فتاوے میں کہا ہے کہ جس مرد کی عورت نماز نہ پڑھتی ہو تو اُسکو
طلاق دیدے اگرچہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ مہر ادا کر سکے اور بزازی رحمہ کہتے ہیں عورت کے
مہر کا بوجھ گردن پر لیے ہوئے اللہ تعالٰے سے ملنا بے نماز عورت سے محبت کرنے سے بہتر ہے
اور اللہ تعالٰے نے بھی اسمٰعیل نبی علیہ السلام کی اس قول سے تعریف کی ہے وَكَانَ يَأْمُرُ
أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ "اور حکم کرتے تھے اپنی گھروالی کو نماز اور زکوٰۃ کا اور بزرگ لوگ
کہتے ہیں کہ اپنی گھروالی کو نماز پر آمادہ کرنا رزق کا دروازہ کھل جانے کا سبب ہے۔

چار صورتوں میں عورتوں کو مارنے کی اجازت اور صاحب خلاصہ نے کہا ہے خاوند کو حق ہے
کہ بی بی کو چار باتوں پر اور جو ان چار کے حکم میں ہوں مارے ایک تو مہر دے دینے کے بعد خاوند کے
گھر سے بے اجازت نکلنا اور دوسرے جب خاوند سنگار کو چاہتا ہو سنگھار نہ کرنا اور تیسرے جب
خاوند صحبت کا ارادہ کرے اور وہ عورت پاک بھی ہو تو قبول نہ کرنا اور چوتھے نماز نہ پڑھنا اور نماز چھوڑنے
کے قائم مقام جنابت یا حیض سے غسل نہ کرنا ہے۔

صرف ایک بیوی پر اکتفاء کرنے کا ثواب پھر اگر مرد چاہے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے
اور یہ یقین ہو کہ میں دونوں میں برابری کر سکوں گا تو اُس کو جائز ہے لیکن اگر نہ کرے تو اُس لیے
ثواب پائے گا کہ اپنی بی بی کو غم میں ڈالنے سے باز رہا خاص کر جبکہ وہ نیک عورت ہو کیونکہ عورت کی
نیک بختی اور پاکدامنی بڑی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا۔

دوسرا نکاح شرط عدل کے ساتھ مشروط ہے اور اگر خوف ہو کہ میں دونوں میں برابری نہ کر سکوں گا
تو ایسا کرنا جائز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالٰے نے اگرچہ اُس کے لیے یہ حلال کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ "پس نکاح کرو جو تم کو اچھی معلوم ہوں
عورتیں دو دو، تین تین، چار چار" لیکن اللہ تعالٰے نے اسی کے بعد فرمایا ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا
تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً "پھر اگر ڈرو اس سے کہ برابری نہ رکھو گے تو ایک ہی"

تعدد ازواج کی صورت میں عدل وانصاف کا تقاضا پس اس لیے کہ جس کی دو عورتیں یا دو سے زیادہ
ہوں تو اُس پر واجب ہے کہ اُن میں وقت کی تقسیم اور برابری کرے خواہ تندرست ہو یا بیمار لہٰذا
اُن میں سے ہر ایک کے پاس ایک دن رات یا تین دن رات رہا کرے اور اُن میں سے کسی کے
پاس اس سے زیادہ بلا اُن کی اجازت کے نہ رہا کرے اور کنواری اور غیر کنواری اور جو جوانی کے

قریب ہو اور جوان اور ہوش و حواس والی اور دیوانی اور مسلمان اور کتابیہ اور تندرست اور بیمار تقسیم میں برابر ہیں اور ایسے ہی نئی اور پرانی تقسیم میں ہمارے مذہب میں برابر ہیں خواہ وہ نئی کنواری ہو یا غیر کنواری پس اگر وہ نئی کے پاس تین دن یا سات دن رہے تو پرانی کے پاس بھی اتنا ہی رہے اور کسی ایک کی طرف (طرز عمل میں) زیادہ میلان نہ رکھے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کی دو عورتیں ہوں پس وہ ایک کی طرف مائل ہو دوسری کی طرف نہیں اور ایک روایت میں یوں ہے اور دونوں میں برابری نہ کرے تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک جانب گرا ہوا ہوگا یعنی دو پہلوؤں میں سے ایک پہلو اس طرح زخمی گرا ہوا ہوگا کہ اس کو میدان قیامت والے سب دیکھیں گے تاکہ اس سے اس کے عذاب میں اور زیادتی ہو جائے کیونکہ رسوائی بہت سخت عذاب ہے۔

برابری صرف اختیاری امور میں ضروری ہے لیکن جاننا چاہیے کہ تقسیم اور برابری صرف خرچ دینے اور سونے میں واجب ہے نہ محبت اور صحبت میں اس لیے کہ محبت اختیاری نہیں ہے اور صحبت کرنا نشاط پر موقوف ہے لہذا ان دونوں میں برابری پر قدرت نہیں ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں میں انصاف سے تقسیم کرتے تھے پھر فرماتے تھے الٰہی یہ میری تقسیم ہے ان باتوں میں جن میں میں مختار ہوں پس مجھ کو ملامت نہ کر نا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔

علماء کہتے ہیں اس سے مراد محبت ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ رضؓ آپ کو سب بی بیوں سے زیادہ پیاری تھیں اور آپ کی سب بی بیاں اس کو جانتی تھیں لیکن نبی علیہ السلام سب کو دینے اور سونے میں برابری کے ساتھ تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ اس مرض میں بھی جس میں وفات پائی اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام حالت مرض میں روزانہ گود میں اٹھا کر پہنچائے جاتے تھے اور آپ ہر ایک کے یہاں رات کو سورہا کرتے تھے اور پوچھا کرتے تھے کل میں کہاں رہوں گا پس آپ کی بی بیاں سمجھ گئیں کہ اس سے حضرت عائشہ رضؓ کی باری کا پوچھنا مقصود ہے پس سب نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں پس آپ نے فرمایا تم سب اس امر پر راضی ہو سب نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا مجھ کو عائشہ رضؓ کے گھر لے چلو پس عائشہ رضؓ ہی کے گھر رہے یہاں تک کہ ان ہی کے پاس وفات پائی۔

خاوند پر عورت کا حق مہر اور اس کی ادائیگی کا شدید حکم اور ایک حق بی بی کا جو خاوند پر واجب ہے یہ ہے کہ اس کا مہر اگر ادا پر قادر ہو پورا ادا کر دے اور اگر اس کے ادا پر قدرت نہ رکھتا ہو تو نیت رکھے کہ جب قدرت ہوگی اس کو ادا کر دوں گا اس لیے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط "اور دو عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے" یعنی اللہ کی طرف سے فرض ہے کیونکہ عورتوں کو ان کا مہر دینا اللہ تعالٰے نے مذہب اور دین میں فرض کیا ہے پس

جس نے یہ نیت کی کہ عورت کا مہر اُس کو نہ دوں گا تو قیامت کے دن زنا کار ہو کر آئے گا جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے کم مہر پر یا زیادہ پر اس کے دل میں یہ بات نہ ہو کہ اُس کا حق اُس کو دے دے تو قیامت کے دن خدا سے زنا کاری کی حالت میں ملے گا۔

ادائیگی مہر میں مہلت یا اس کی معافی کا مسئلہ | اور بی بی سے اُس کا مہر ادا کرنے کے لیے مہلت نہ مانگے ہاں مگر اس صورت میں کہ فقیر ہو یا بی بی اپنی خوشی سے اُس کو مہلت دیدے زبردستی سے نہیں اور نہ اُس کو یہ تکلیف نہ دے کہ مجھے اپنا مہر بخش دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کہنے کے بعد وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً "اور دو عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے" یہ فرمایا ہے۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا "پھر اگر وہ اُس میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیں تم کو خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا پچتا" پس جیسا کہ تیسیر اور انوار التنزیل میں مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگر تم کو اس میں سے کچھ اپنی نہایت رضامندی اور دل کی خوشی سے بغیر زبردستی کیے ہوئے اور بلا بد معاملگی کے خوف کے بخش دیں تو اس سے فائدہ اٹھاؤ بلا اس کے کہ تمہارے ذمہ کچھ باقی رہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بہت کہہ کہہ کر بخشوانا مکروہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کہ عقد نکاح کو بغیر عورت کے کسی طرح اختیار کے خاوند کے اختیار میں رکھا ہے چاہے اُس کو رکھے اور چاہے چھوڑ دے ایسے ہی مہر کی زنجیر کا حلقہ مرد کی گردن میں اور اُس کے ذمہ رکھا ہے پس عقد نکاح تو عورت کو خاوند کی طرف کھینچتا ہے اور مہر کی زنجیر خاوند کو عورت کی طرف کھینچتی ہے پس تمام مہر کا بخشوا لینا اُس کی حق تلفی اور اپنا حق باقی رکھنا ہے اور اس میں بے انصافی ہے اور یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔

بلا ضرورت شرعیہ طلاق کی ممانعت | اور بے ضرورت اُس کو طلاق نہ دے مگر اسی صورت میں کہ بدخو بے دین بے نماز ہو اس لیے کہ طلاق اگرچہ جائز ہے لیکن سب مباح باتوں سے زیادہ ناپسند ہے اس لیے کہ اس میں غیر کو ایذا دینا ہے اور بے ضرورت کسی کو ایذا دینا جائز نہیں مگر جبکہ اُس کی طرف سے کچھ خطا ہوئی ہو۔

پس جب کسی ضرورت سے اُس کی طلاق کا ارادہ کرے تو اُس کو چاہیے کہ کئی باتوں کا لحاظ رکھے۔

طلاق دینے کا حرام طریقہ | ایک تو یہ کہ اُس کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو اس لیے کہ حیض میں اور ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کر چکا ہو حرام ہے۔

بیک وقت تین طلاق کے مفاسد اور اس سے ممانعت | اور دوسرے یہ کہ ایک ہی طلاق پر اکتفا

کرے اور تین طلاق جمع نہ کر دے کہ ایسی طلاق بدعی قبیح ہے اور ایک طلاق بھی عدت گزر جانے کے بعد مقصود کو مفید ہے باوجود یکہ ایک طلاق ندامت سے بہت دور ہے کیونکہ عدت کے اندر رجعت سے اور عدت کے بعد از سر نو نکاح کر لینے سے تدارک پر قادر ہے اور اگر اس کو تین طلاقیں دے دیں تو شاید نادم ہو اور اس کا تدارک حلالہ کے بغیر نہیں ہو سکتا اور عقد حلالہ ممنوع ہے اور یہی اس کا کوشش کرنے والا بنتا ہے اور ایک مدت تک صبر کی حاجت ہے باوجودیکہ اس کا دل اب غیر کی بی بی سے اس امید پر لگا رہے گا کہ وہ طلاق دے دے تو عدت کے بعد میرے پاس واپس آئے اور یہ سب کچھ تین طلاق ایک دم دینے کا پھل ہے اور ایک طلاق میں بلا کسی خرابی کے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

طلاق کی صورت میں عورت سے بھلائی کرنے کا حکم اور تیسرے یہ کہ اس کے طلاق دینے میں نرمی برتے بغیر کسی قسم کی سختی اور حقارت کے اور کچھ مہر سے زیادہ بطور متعہ دے کہ اس کا دل خوش کر دے اور وہ زیادتی ایک کرتا اور ایک دوپٹا اور ایک چادر عورت کو وحشت اور غم میں ڈالنے کا بدلہ ہے۔

خلع کی صورت میں شریعت کا حکم اور چوتھے یہ کہ اس کا بھید ظاہر نہ کرے پھر اگر مرد نے مال کے بدلہ طلاق دی اور یہ خلع ہے تو مرد کو اگر بدخوئی خود اس کی طرف سے ہوئی ہو اس مال کا لینا مکروہ ہے اس لیے کہ اس نے اسے وحشت میں ڈالا ہے لہٰذا اس کا مال لے کر زیادہ وحشت میں نہ ڈالے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

"اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو ڈھیر مال کا تو نہ لے لو اس میں سے کچھ۔"

پس اللہ تعالیٰ نے بڑے ڈھیر میں سے جو بہت مال ہوتا ہے تھوڑے سے لینے کو بھی منع کیا ہے چہ جائیکہ بہت لینا اور اگر نافرمانی عورت کی طرف سے ہو تو جتنا اس کو دیا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔

پھر اگر مرد نے اس کو خلع پر مجبور کیا اور عورت نے اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کو مال دینا مان لیا یا جو مہر وغیرہ خاوند کے ذمہ ہے اس کو معاف کر دیا تو بغیر اس مال کے لازم ہوئے جو اس نے اپنے ذمہ لیا ہے اور بغیر اس مہر وغیرہ کے معاف ہونے کے جو خاوند کے ذمہ ہے طلاق پڑ جائے گی اس لیے کہ مال لازم ہونے اور معاف ہونے میں رضامندی شرط ہے اور زبردستی میں رضامندی نہیں ہوتی چنانچہ اپنی جگہ میں بیان ہو چکا ہے یہ جو کچھ یہاں تک مذکور

ہوا ہے وہ ہے جو بی بی کے خاوند کے ذمہ حقوق ہیں۔

عورت پر خاوند کے حقوق اور رہے وہ حقوق جو بی بی پر خاوند کے واجب ہیں پس شافی بیان اُس میں یہ ہے کہ نکاح ایک قسم کی غلامی ہے اور زوجہ خاوند کی باندی ہوتی ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ نکاح غلامی ہے پس ہر ایک دیکھ بھال لے کہ اپنی پیاری بچی کو کہاں دیتا ہے۔ پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ عورت کے حق میں اس لیے احتیاط بہت ضروری ہے کہ وہ نکاح سے لونڈی ہو جاتی ہے جس سے خاوند کے طلاق دئے بغیر اور کسی طرح چھٹکارا ممکن نہیں اور رہا خاوند سو وہ طلاق دے کر اُس سے غلامی پانے پر قادر رہے۔

عورت کا جہاد پھر جب عورت خاوند کی لونڈی ہوئی تو اُس کو لازم ہے کہ خاوند کی غیرت پر صبر کرے اور اس پر اللہ تعالٰے سے ثواب کی امید وار رہے کیونکہ یہی اُس کا جہاد ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ عورت کا جہاد حسن تبعّل ہے یعنی خاوند کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا پس اُس کو لازم ہے کہ ہر وہ بات جس میں گناہ نہ ہو خاوند حکم کرے تو اُس کی اطاعت کرے اس لیے کہ عورت پر خاوند کا بہت بڑا حق ہونے کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں منجملہ اُن کے ایک روایت یہ ہے کہ۔

عورت پر خاوند کی اطاعت کی انتہار نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو اس لیے سجدہ کیا کرے کہ عورت پر خاوند کا بہت بڑا حق ہے۔

اور عائشہ رض کہتی ہیں ایک جوان عورت نبی علیہ السلام کے پاس آئی اور عرض کیا اے نبی اللہ میں جوان عورت ہوں پیغام آیا کرتے ہیں سو خاوند کا بی بی پر کیا حق ہے اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر خاوند کے سر سے پاؤں تک پیپ بہتی ہو اور عورت اُس کو چاٹ لے تو بھی اُس کا شکر ادا نہیں کیا۔

اور ابن عباس رض کہتے ہیں ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا یا نبی اللہ میں بے خاوند کی عورت ہوں اور میں نکاح کرنا چاہتی ہوں پس خاوند کا بی بی پر کیا حق ہے اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک حق خاوند کا بی بی پر یہ ہے کہ اگر خاوند اُس کی طرف رغبت کرے اور وہ اونٹ کی پیٹھ پر ہو تو انکار نہ کرے۔

خاوند کے گھر کی حفاظت اور نیز خاوند کا ایک یہ حق ہے کہ اُس کے گھر سے اُس کی بلا اجازت کچھ نہ دے پس اگر دے گی تو اُس پر گناہ ہوگا اور خاوند کو ثواب ملے گا۔

بلا اجازت نفلی روزہ نہیں رکھے اور خاوند کا ایک حق یہ ہے کہ نفل روزہ اُس کی بغیر اجازت

نہ رکھے پس اگر ایسا کرے گی تو بھوکی اور پیاسی مرے گی اور قبول نہ ہو گا۔

بلا اجازت گھر سے باہر نہ جائے

اور خاوند کا ایک حق یہ ہے کہ اُس کے گھر سے اُس کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے اگر ایسا کرے گی تو جب تک اپنے گھر لوٹ کر نہ آئے اس کو فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔

عورتوں کے لیے تنبیہ

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس رات مجھے معراج کو لے گئے میں نے ایک عورت دیکھی کہ زبان سے لٹک رہی ہے تو میں نے پوچھا اے جبرئیلؑ اس کی کیا حالت ہے، انہوں نے عرض کیا یہ اپنی زبان سے اپنے خاوند اور ہمسایوں کو ستاتی تھی اور ایک اور عورت دیکھی کہ اس کے پستان باندھ کہ لٹکائی گئی ہے اور یہ عورت ہے کہ خاوند کی بغیر اجازت دودھ پلاتی تھی اور ایک اور دیکھی کہ اپنے پاؤں کے بل لٹکائی گئی ہے اور یہ خاوند کے بے اجازت گھر سے نکلا کرتی تھی اور ایک اور عورت دیکھی کہ اپنے ہاتھ کے بل لٹک رہی ہے اور یہ وہ تھی کہ اپنے خاوند کا مال خراب کرتی تھی۔

لعنت کی مستحق عورت

اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی مرد اپنی بی بی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے پس وہ مرد خفا ہو کر سو رہے تو صبح تک سب فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسا کوئی مرد نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے تو یقیناً وہ ذات جو آسمان پر ہے اس وقت تک اُس سے بیزار رہتی ہے جب تک کہ خاوند راضی نہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو لازم ہے کہ خاوند کی رضا جوئی کرتی رہے اور اپنے آپ کو اس سے روکے نہیں اور حیض کا بہانہ نہ کرے اور اُس کے حکم کو ٹالے نہیں بلکہ فوراً اس کے چاہتے ہی اگر حیض سے پاک ہو اطاعت کرے اور حیض کی حالت میں اپنا حال بتا دے اور پرانے کپڑے پہن لے تاکہ خاوند کا میلان اُدھر کم ہو۔

حائضہ عورت کے لیے عبادت کی صورت اور اس کا ثواب

اور حائضہ کو مستحب ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو وضو کر کے گھر میں نماز کے چبوترے پر بیٹھ کر جتنی دیر نماز میں لگتی ہے سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ پڑھتی رہے تاکہ عبادت کی عادت نہ جاتی رہے اور روایت ہے کہ نبی علیہ وسلم نے فرمایا جب حائضہ عورت ہر نماز کے وقت ستر بار استغفار پڑھ لے تو اُس کے لیے ہزار رکعتیں لکھی جاتی ہیں اور ستر گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اُس کا درجہ بڑھ جاتا ہے اور اُس کو استغفار کے ہر ہر حرف کے بدلے ایک نور ملتا ہے اور بدن کی ہر ہر رگ کے عوض حج اور عمرہ لکھا جاتا ہے۔

عورت کے لیے صحیح راہ عمل

اور حیض کے سوا اور حالت میں اچھا لباس پہنا کرے اور جہاں تک ہو سکے خاوند سے محبت ظاہر کیا کرے اور خوشبو لگا اور پاک صاف رہے اور ہر وقت خاوند کے نفع اٹھانے کے

لیے تیار رہے جب وہ چاہے اور گھر کے اندر گھسی بیٹھی رہے اور جس دن سے کہ خاوند کے یہاں گئی ہے جب تک کہ قبر میں جائے چرخہ کاتتی رہے اور اپنے گھر سے اپنے خاوند کی بے اجازت نہ نکلے اور اگر اجازت سے جائے تو چھپ کر بری صورت بنا کر اور خالی اجاڑ رستے سے جائے سڑک اور بازاروں میں سے نہ جائے اور خوشبو لگا کر بن سنور کر نہ جائے اور رستے میں کسی مرد سے بات نہ کرے جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو ایک مرد کے ساتھ رستہ میں بات کرتے ہوئے دیکھا تو دونوں کو دُرّے لگائے اُس مرد نے عرض کیا یا امیر المومنین یہ میری بی بی ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا اگر تیری بی بی ہے تو اپنے گھر میں تو کیوں نہیں لے گیا تاکہ رستہ میں تجھ پر کوئی تہمت نہ لگائے۔

حمام میں جانے کی ممانعت اور حمام میں نہ جائے اگرچہ خاوند اُس کو اجازت دے دے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا حمام میری امت کی عورتوں پر حرام ہے اور اگر کسی مرض یا نفاس کی وجہ سے کوئی ضرورت حمام میں جانے کی مقتضی ہو تو شرط یہ ہے کہ تہ بند باندھ کر جائے اور حمام میں کوئی عورت ننگی نہ ہو اور سنگار کر کے نہ نکلے پس اگر ان شرطوں میں سے شرط بھی نہ ہو تو اُسے حمام میں جانا حلال نہیں ہے۔

قبرستان جانے کی ممانعت اور ایسے ہی عورت کو گورستان میں جانا حلال نہیں جیسا کہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ قاضی سے عورت کے قبرستان میں جانے کے جواز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس بارہ میں جواز کو کیا پوچھتے ہو یہ پوچھو کہ اُس پر کس قدر لعنت پڑتی ہے کیونکہ عورت جب جانے کی نیت کرتی ہے تو خدا کی اور فرشتوں کی لعنت میں ہو جاتی ہے اور جب نکلتی ہے تو ہر طرف سے شیطان اُس کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور جب قبر پر پہنچتی ہے تو مردہ کی روح لعنت کرتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے یہاں تک کہ اپنے گھر میں پہنچے۔

اور حدیث میں ہے جو عورت قبرستان کو جائے اُس کو ساتوں آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں چلتی ہے اور جو عورت گھر میں بیٹھی ہوئی مُردے کے لیے دعائے خیر کرے اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

اور سلمانؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ایک روز مسجد سے نکلے اور اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو رہے اتنے میں حضرت فاطمہؓ آ گئیں پس آپ نے اُن سے فرمایا تم کہاں سے آئیں انہوں نے عرض کیا فلانی عورت کے گھر سے جو مر گئی ہے اس پر نبی علیہ السلام نے پوچھا کیا تم اُس کی قبر پر بھی گئی تھیں انہوں نے عرض کیا خدا کی پناہ کیا آپ سے جو کچھ سُنا ہے اُس کے سننے کے بعد بھی ایسا کرتی اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر تم اُس کی قبر پر جاتیں تو

جنت کی خوشبو نہ سونگھنے پائیں۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک جنازہ کے ساتھ گئے پس آپ نے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ آتے دیکھا تو آپ نے اُن سے پوچھا کیا تم سب کے ساتھ جنازہ اٹھاؤ گی انہوں نے عرض کیا کہ نہیں پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تم سب کے ساتھ نماز پڑھو گی انہوں نے عرض کیا کہ نہیں اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا جاؤ گنہگار بے ثواب لوٹ جاؤ۔
اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو نہ گورستان میں جانا جائز ہے اور نہ جنازہ کے ہمراہ۔

خاوند سے عورت کے تعلق کی نوعیت بلکہ اُس کو لازم ہے کہ اُس کی ساری فکر اپنے حال کی درستی اور گھر کے کاروبار میں صرف ہو اور خاوند کے گھر میں کسی ایسے مرد یا عورت کو نہ آنے دے جس کا آنا خاوند ناپسند کرتا ہو اور خاوند کے حق کو اپنے اوپر اور اپنے تمام عزیزوں کے حق پر مقدم رکھے اور اپنی آواز خاوند کی آواز پر بلند نہ کرے اور اُس سے چلا کر نہ بولے۔

عورت رزق حلال کی متمنی رہے اور اس کی کمائی حرام سے نفع نہ اُٹھائے کیونکہ اگلی عورتیں ایسی تھیں کہ جب مرد اپنے گھر سے باہر نکلتا تو اس کی بیوی اور بیٹی کہہ دیتی کہ حرام کمائی سے بچے رہنا ہم بھوک پر صبر کر سکتے ہیں آگ پر صبر نہیں کر سکتے اور جو خدائے تعالےٰ نے اُس کے خاوند کو رزق دیا ہے اُس پر قناعت کرے اور خاوند کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے اور اپنے خرچ کا غم اُس پر نہ ڈالے بلکہ صابر متوکل رہے چنانچہ حکایت ہے کہ اگلے لوگوں میں سے کسی شخص نے سفر کا ارادہ کیا تو اُس کے ہمسایوں کو اُس کا سفر بُرا معلوم ہوا اور اس پر سب لوگوں نے اس کی بی بی سے کہا تو اُس کے سفر پر کیوں راضی ہوگئی حالانکہ وہ تیرے لیے کچھ خرچ نہیں دے جاتا اُس نے جواب دیا کہ میں اُس کو کھانے والا جانتی ہوں رزاق نہیں جانتی ہوں اور میرا رزاق اور ہے پس کھانے والا جاتا ہے اور رزاق باقی ہے۔

عورت اپنے جمال پر ناز نہ کرے اور اپنے جمال پر ناز نہ کیا کرے بلکہ ایسی رہے جیسے صمعی رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جنگل میں گیا تو میں نے ایک عورت نہایت خوبصورت ایک نہایت بدصورت مرد کے پاس دیکھی اس پر میں نے کہا تعجب ہے تجھ سی عورت ایسے کے پاس رہے وہ بولی اے شخص تو نے بیجا کہا شاید کہ اُس نے اپنے خالق کی کوئی عبادت کی ہو پس اللہ نے مجھ کو اُس کے لیے اُس عبادت کا ثواب بنایا اور شاید مجھ سے اپنے خالق کی کوئی خطا ہوگئی ہو جو اللہ نے اُس کو میرے لیے عذاب مقرر کیا تو کیا میں اللہ سے راضی نہ رہوں۔

گھر کا کام واجب ہے اور ایک خاوند کا حق جو بی بی پر فتوے کی رو سے واجب ہے کہ گھر کے اندر کا تمام کاروبار جیسے سالن روٹی پکانا کپڑے دھونا وغیرہ کیا کرے یہانتک کہ اگر اس میں سے

کوئی کام نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اگرچہ اس پر مجبور نہ کی جائے گی اور لازم ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو کوتاہ سمجھتی رہے۔

عورت کے لیے اپنی سوتن اور خاوند کے دوسرے نکاح کی صورت میں قابل عمل | اور اپنی سوتن کے طلاق کی درخواست نہ کرے کیونکہ اس کو وہی ملتا ہے جو اُس کی قسمت کا ہے اور خاوند کو اپنے علاوہ تین نکاح سے منع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُس کے لیے بشرط انصاف ایسا کرنا حلال کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

"پس نکاح کرو جو تم کو خوش آئیں عورتیں دو دو تین تین چار چار پس اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی"

اور سوکنوں کے رشک پر صبر کر کے اللہ تعالےٰ سے ثواب کی امید وار رہے جیسے کہ نبی علیہ السلام کی بی بیوں نے صبر کیا یہاں تک کہ حضرت سودہ رضہ جب بوڑھی ہوگئیں اور عائشہ رضہ سے نبی علیہ السلام کی محبت معلوم ہوگئی تو اپنی باری عائشہ رضہ کو دے دی۔

عورت کو طلب طلاق کی ممانعت | اور بناہ سے بغیر ناامیدی ہوئے طلاق نہ مانگے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس عورت نے اپنے میاں سے طلاق مانگی تو اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

عورت کو زینت کرنے کے بارے میں شریعت کا حکم | اور اپنے خاوند اور محرموں کے سوا کسی کو اپنا سنگار نہ دکھائے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے ایماندار عورتوں کے حق میں فرمایا ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ۔

"اور نہ کھولیں اپنے سنگار کو مگر اپنے خاوند کے سامنے یا اپنے باپ کے یا سسرے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے سوتیلے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے"

اور زینت وہ ہے جو عورت کپڑوں اور زیور وغیرہ سے سنگار کرتی ہے اور زینت ایک ظاہری ہے اور ایک باطنی ظاہری زینت کا چھپانا بھی واجب نہیں اور اجنبی کو اُس کا دیکھنا بھی حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کا قول ہے وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا "اور نہ دکھائیں اپنا سنگار مگر وہی جو کھلی چیز ہے"۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ ظاہری زینت صرف کپڑے ہیں اور یہ قول ابن مسعود رضہ کا ہے اور کوئی کہتا ہے سرمہ اور انگوٹھی اور یہ قول ابن عباس رضہ کا ہے اور ہمارے علماء یعنی حنفیوں سے روایت ہے کہ ان دونوں چیزوں سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں اس لیے کہ سرمہ چہرے کی زینت ہے

اور انگوٹھی ہاتھ کی زینت ہے پس جب چہرہ اور ہاتھ کی زینت کا دیکھنا مباح ہوا تو یہی چہرہ اور ہاتھ دیکھنے کی اباحت ہے اور یہ اُس وقت ہے کہ بغیر شہوت نگاہ ہو اور جب شہوت سے ہو تو جائز نہیں۔

عذر کے وقت عورت کو دیکھنے کا حکم شرعی

مگر عذر کے وقت اور وہ عذر قاضی کی قضا قاضی اور گواہ کی گواہی اور طبیب کا علاج ہے اور ایسے ہی جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اُس کو اُس عورت کا دیکھ لینا جائز ہے لیکن اُس کو ننگا دیکھنا جائز نہیں اور نہ ایسا عضو جو اُس کے حق میں عورت ہو بلکہ اُس کو بھی مباح ہے کہ صرف اُس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ دیکھ لے کیونکہ یہ اس کے حق میں عورت نہیں ہے۔

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا شرعی حکم

اور شرح کرخی میں مذکور ہے کہ اجنبی عورت کا منہ دیکھنا حرام تو نہیں ہے لیکن بے ضرورت مکروہ ہے اس لیے کہ شہوت سے اطمینان نہیں ہو سکتا اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ آزاد عورت کو منہ اور ہاتھ اور پاؤں کھولنے سے جس پر اجنبی کی نظر پڑتی ہے منع کرنا چاہیے کیونکہ اُس کو بعضے دیکھنے والوں کی شہوت سے اطمینان نہیں ہو سکتا ہاں مگر اس وقت کہ بڑھیا ہو تو اب اُس کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا جائز ہے اور شہوت سے امن ہونے کے وقت اُس سے مصافحہ کرنا بھی حلال ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ تنہا رہنا مکروہ تحریمی ہے

لیکن کسی مرد کے ساتھ تنہا نہ رہے جوان ہو یا بوڑھا اس لیے کہ تنہا رہنا کسی اجنبی عورت کے ساتھ اگرچہ اس کے ساتھ اور عورتیں بھی ہوں مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہا نہ رہے مگر اُس وقت کہ عورت کے ساتھ کوئی محرم ہو۔

باطنی زینت اور مومن عورتوں کے لیے حکم شرعی

اور باطنی زینت، بالی اور ہار اور بازو بند اور پازیب ہے اور کنگن میں اختلاف ہے حضرت عائشہ رضؓ سے تو روایت ہے کہ کنگن باطنی زینت ہے اور یہی رائے اس لیے حق معلوم ہوتی ہے کہ کنگن ہتھیلی سے دور ہے اور اس زینت باطنی کا اجنبی مردوں کو دیکھنا حرام ہے محرم کو نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں خاوند اور اُس کے ساتھ آیت میں جو مذکور ہیں سب کو برابر فرمایا ہے پس یہ بات اُن لوگوں کا موضع زینت کو دیکھنا جائز ہونے کو چاہتی ہے جیسے کہ خاوند کو جائز ہے اور نسائھن سے مراد مومن عورتیں ہیں ابن عباس رضؓ کہتے ہیں مسلمان عورت کو جائز نہیں کہ کافر عورتوں میں کپڑے اتارے اور کافر عورت کے سامنے اتنا ہی ظاہر کرے جتنا اجنبی مرد کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔

لونڈی اور اس کے حکم میں دوسری عورتوں کی باطنی زینت کا حکم شرعی

ہاں اگر لونڈی ہو تو اُس کو جائز ہے

کہ اپنی باطنی زینت اجنبی مرد کے سامنے ظاہر کر دے کیونکہ لونڈی اگر باطنی زینت اجنبی مرد کو دکھا دے تو اُس کے لیے حرام نہیں ہے جیسا کہ ابو بکر اعمش رضہ سے روایت ہے کہ وہ کسی گاؤں میں گئے اور وہاں عورتیں نہر کے کنارے ننگے سر اور ہاتھ کھولے ہوئے تھیں اور یہ ان میں گھسنے لگے اور اُن پر نظر پڑنے سے کچھ احتیاط نہیں کی تو اس پر کسی نے اُن سے کہا یہ تم کیا کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ان کی کوئی حرمت نہیں ہے مجھ کو تو اُن کے ایمان ہی میں شک ہے یہ سب کی سب حربی عورتیں ہیں اور حضرت عمر رضہ سے منقول ہے کہ آپ مدینہ میں ایک نوحہ گر عورت پر گھس پڑے اور اس کو درہ سے مارا یہاں تک کہ اس کی اوڑھنی اتر گئی اس پر اُن سے کسی نے کہا اے امیر المومنین اس کی اوڑھنی اتر پڑی ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ شریعت میں اس کی کچھ حرمت نہیں ہے پس اُن کا یہ کہنا کہ اُس کی شریعت میں کچھ حرمت نہیں علماء کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ جب یہ عورت ایسے کام میں مشغول ہوئی جو شریعت میں حلال نہیں ہے تو اُس نے اپنی حرمت آپ کھو دی اور لونڈیوں کے حکم میں ہو گئی لہٰذا اُس کے دیکھنے سے احتراز ضروری نہیں ہے۔

ننانویں و سو مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کے بیان میں کہ عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت حاصل کرو آخر حدیث تک

عورتوں کے بارے میں حضورؐ کی وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استوصوا بالنساء خیرا فان المرأۃ خلقت من ضلع فان اعوج شئی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسوتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج "عورتوں کے بارہ میں اچھی وصیت حاصل کر و کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے پس اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی"

یہ حدیث آپ سے ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے اور وصیت حاصل کرنے کے معنی وصیت قبول کرنے کے ہیں پس گویا نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں تم کو عورتوں کے بارہ میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور تم ان کے حق میں میری وصیت پوری کرو اور اُن کے ساتھ بھلائی کرو اور جب تمہاری خلاف مرضی کوئی کام کر بیٹھیں تو جب تک اُس کام میں کوئی گناہ نہ ہو تم اُن پر غصہ نہ کرو کیونکہ وہ ٹیڑھی چیز سے پیدا ہوئی ہیں یعنی پسلی سے۔

اس لیے کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ پہلی عورت یعنی حوا آدم نبی علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور پیدا کیا

تم کو ایک جان سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا۔"

عورت سے نفع اٹھانے کا طریقہ پس اب اس حدیث میں یہ اشارہ ہوگا کہ عورت اس طرح پیدا کی گئی ہے کہ اس میں کجی ہے کسی کو اُس کے سیدھی کرنے یا اُس کی اس عادت بدلنے پر جس پر وہ پیدا ہوئی ہے طاقت نہیں پس اُس کی کجی کو بُرا نہ جانے کیونکہ ابتدائے پیدائش اور اصل فطرت سے عورت کی ذات میں کجی داخل ہے پس عورت سے نفع اٹھانا بلا اُس کی مدارات اور اُس کی کجی پر صبر کئے ممکن نہیں اس لیے کہ اگر تم اس کو سیدھا اور اُس کے تمام افعال اور اقوال میں اُسے سیدھا کرنے لگو تو اُس سے تمہارا نفع اٹھانا ممکن نہیں بلکہ اُس کے ٹوٹ جانے یعنی اُس کی طلاق کا سبب ہو جائیگا

مرد کے ذمہ عورت کا نفقہ پس جب اس حدیث سے عورتوں کی ابتدائی پیدائش کا حال معلوم ہو گیا تو مرد کو اُن کے ساتھ نیک معاملہ کرنا اور ان کے حقوق کی رعایت رکھنا اور ان کا خرچ اچھی طرح اُٹھانا لازم ہے اس واسطے کہ فقہا کہتے ہیں خاوند پر بی بی کا خرچ واجب ہے خواہ اُس سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کی ہو اور خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا کافرہ فقیر ہو یا توانگر اس لیے کہ توانگری سے اُس کے نفقہ کا حق باطل نہیں ہوتا خواہ جوان ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ صحبت کے قابل ہو گئی ہو اور اگر صحبت کے قابل نہ ہو تو اس کا خرچ واجب نہیں اور وہ نفقہ جو واجب ہے کھانا اور کپڑا اور رہنے کا گھر ہے جیسا کہ ہشام رح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمدؒ سے نفقہ کی بابت پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نفقہ سے مراد کھانا اور کپڑا اور رہنے کا گھر ہے لیکن کھانا تو اُس میں آٹا۔ پانی۔ لکڑی۔ نمک۔ تیل داخل ہیں۔

اپنے گھر کا کام کاج عورت پر واجب ہے پس اگر بی بی کہے کہ میں سالن روٹی نہیں پکاتی تو قاضیخان اپنے فتاوے میں کہتے ہیں سالن۔ روٹی۔ پکانے کے لیے اُس پر جبر نہ کیا جائے گا بلکہ خاوند کے ذمے ہے کہ پکا پکایا لاوے یا ایسا آدمی لاوے جو اُس کا سالن روٹی پکانے کا کام کر دیا کرے یہ حکم تو قضاءً کا ہے اور رہا از روئے فتوے تو عورت پر واجب ہے کہ گھر کے اندر کے تمام کاروبار سالن روٹی پکانا کپڑے دھونا وغیرہ سب کیا کرے یہاں تک کہ ان میں سے اگر کوئی کام نہ کریگی تو گنہگار ہو گی اور مگر اس بارہ میں اُس پر زبردستی نہ کریں گے۔

شوہر پر بیوی کے خادم کا نفقہ اور اگر بی بی کے پاس کوئی خادم ہو تو خاوند پر اُس کا خرچ بھی واجب ہے اگر وہ خادم سالن روٹی پکاتا ہو اس لیے کہ اُس کا خرچ خدمت کے مقابلہ میں ہے اور اگر سالن روٹی نہ پکائے تو اُس پر اُس کا خرچ واجب نہیں بخلاف بی بی کے کیونکہ اُس کا خرچ خدمت کے بدلہ میں نہیں ہے بلکہ روک رکھنے کے مقابلہ میں ہے کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو خاوند کے لیے روک رکھا ہے تو اس کا خرچ بھی خاوند کے ذمے ہو گا۔

عورت پر خرچ کرنے میں وسعت کی ترغیب اور مناسب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وسعت دے تو عورت پر خرچ کرنے میں وسعت سے کام لے اور اُس میں اعتدال رکھے نہ کمی کرے نہ زیادتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ اور پیو اور مت اُڑاؤ اور سب سے زیادہ ضروری بات جو شوہر پر واجب ہے یہ ہے کہ اُس کو حلال کمائی سے کھلائے اور اُس کے خرچ کے لیے بُرے طریقوں میں نہ پڑے کیونکہ یہ اُس کے حق میں خیانت ہے اُس کے حق کی رعایت نہیں ہے۔

بیوی کو خیرات کی عادت ڈالنے کا حکم اور اُس کو چاہیے کہ عورت کو بچے ہوئے کھانے اور ایسی چیز کے خیرات کر دینے کی اجازت دیدے جو رکھے رکھنے بگڑ جائے۔

بیوی کے لیے کپڑوں کا مسئلہ اور رہا کپڑا سو امام محمدؒ نے اُس کی مقدار دو کرتے اور دو اوڑھنیاں اور ایک چادر ہر سال میں مقرر کی ہے اور دو کرتوں اور دو اوڑھنیوں سے مراد گرمی جاڑے کے ہیں پس گرمی کے لیے وہ ہے جو باریک ہو گرمیوں کے قابل ہو اور جاڑے کے لیے وہ جو گاڑھا ہو سردی دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور موزے اور جوتے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اس کی ضرورت تو باہر جانے کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے ذمے باہر نکلنے کا سامان مہیا کرنا نہیں ہے اور پائجامہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ جاڑوں میں یہ ضروری چیز ہے یہاں تک کہ قاضی خانؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے یہ اُن کے دستور کے موافق تھا اور ہمارے ملک میں پائجامہ اور دوسرے اور کپڑے بھی واجب ہیں جیسے جبہ اور بچھونا جس پر سوئے اور لحاف اور جو چیز گرمی سردی کو دفع کرے۔

عورت کے خادم کے لیے لباس اور اس کے خادم کے لیے ایک کرتا اور تہمد اور کمی اور موزہ واجب ہے کیونکہ باہر کی مصلحتوں کے لیے اُس کے نکلنے کی حاجت ہے مثلاً ماں باپ کے پاس کچھ کھلا بھیجنا اور ایسے ہی اور کام اور عورت ہو تو اُس کے واسطے اوڑھنی واجب نہیں کیونکہ لونڈی کے بال عورت نہیں ہیں۔

عورت کے لیے علیحدہ گھر کا مسئلہ رہا رہنے کا گھر تو اُس میں احاطہ کے اندر ایک علیحدہ حجرہ کا حق ہے کہ اپنے اسباب سے مطمئن رہے اور اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سہنے میں کسی غیر سے شرمائے نہیں پس اگر شوہر کے اخیافی بھائی بہن ہوں یا دوسری بی بی سے کوئی اولاد ہو اور ایسی حالت میں عورت کہے کہ مجھ کو الگ گھر میں رکھو تو اُس کو یہ حق پہنچتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اُس کو اپنے اسباب پر اطمینان نہیں ہو سکتا نیز اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سہنے میں شرمائے گی بشرطیکہ حجرہ اُس احاطہ میں ایک ہی ہو اور اگر کئی ہوں اور اُس نے اس کو ایک حجرہ دے دیا ہو کہ جب چاہے کھولے بند کرے اور گھر میں شوہر کے ایسے رشتہ دار نہ ہوں جو اُسے ستاتے ہوں تو اُس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے حجرہ کی درخواست کرے۔

ہاں مگر اُس وقت کہ شوہر اُس کا مارتا اور ستاتا ہو تو بس اُس نے قاضی کے پاس شکایت کی اور اس سے درخواست کی کہ مجھ کو نیک لوگوں میں بسائے کہ وہ اس کی بھلائی برائی کو جان لیں تو قاضی اگر یہ جان لے کہ بات یوں ہی ہے جیسا اُس نے کہا ہے تو مرد کو اس سے روکے اور ظلم سے اُس کو منع کر دے اور اگر یہ یقین نہ ہو کہ عورت جیسا کہتی ہے ویسا ہی ہے تو اُس گھر کے پڑوسیوں کو دیکھے پس اگر وہ نیک لوگ ہوں تو اُن سے پوچھے کیا یہ بات یوں ہی ہے جس طرح عورت کہتی ہے پس اگر وہ لوگ کہیں ہاں بات یوں ہی ہے جیسا اُس نے کہا ہے تو مرد کو اس سے ڈانٹ دے اور ظلم سے اس کو منع کر دے اور اگر وہ نیک لوگ کہیں کہ ایسا نہیں ہے جیسا اُس نے کہا ہے تو اسی گھر میں رہنے دے اور اگر پڑوسی نیک لوگ نہ ہوں یا مرد کے طرفدار ہوں تو اُس کو حکم دے کہ عورت کو نیک لوگوں میں بسائے جو اُس کی بھلائی اور بُرائی کی قاضی کو اطلاع کریں۔

اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے طرزِ عمل کا حکم اس لیے کہ مرد کو جائز نہیں کہ عورتوں کے حق میں ظلم کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو عورتوں کے بارے میں کہ وہ تمہاری مددگار ہیں تم نے ان کو اللہ کے عہد سے لیا ہے اور اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمے سے حلال بنایا ہے پس نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو اس حدیث میں اپنی عورتوں کے ساتھ بُری طرح بسر کرنے سے ڈرایا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد اللہ اللہ فی النساء اس قول کے قائم مقام ہے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو پس اُن کو ناحق نہ ستاؤ کیونکہ وہ تمہارے قبضہ میں قیدیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن کے ساتھ اچھا معاملہ رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور معاملہ رکھو اُن کے ساتھ اچھا، کیونکہ تم نے اُن کو اللہ کے اُس عہد کے ساتھ لیا ہے جو اللہ نے تم سے اُن کے ساتھ نرمی اور اُن پر شفقت کرنے کا لیا ہے اور تم نے اُن کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال بنایا ہے پس اگر تم اللہ کا عہد توڑ دو گے جو اُس نے تم سے اُن کے بارہ میں لیا ہے اور اُس کی امانت میں خیانت کرو گے تو اللہ اُن کی طرف سے تم سے بدلہ لے گا اور یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں پس جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور اُس کے حکم سے اُن کو اپنا جوڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اُس کی امانت اور سپردگی میں ہو گئیں پس جب اُن کو ناحق ستایا اور اچھا معاملہ اُن کے ساتھ نہ رکھا تو ایسا ہوا کہ گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ دیا اور اس کی امانت میں خیانت کی لہٰذا وہ اُس سے اُن کا بدلہ لے گا پس اس بنا پر مرد کو اُن کے ساتھ خوش خلقی اور اُن کی ایذا کی برداشت اور اُنکے بعضے عیبوں پر جب تک کہ گناہ کی بات نہ ہو اُن کی کم عقلی کی وجہ سے اُن پر رحم کرتے ہوئے توجہ نہ کرنا لازم ہے اور بعضے علماء کہا کرتے تھے کہ ایک عورت کی ایذا پر برداشت کرنا حقیقت میں بہت سی اذیتوں سے نجات پانا ہے اس لیے کہ اُس ایک برداشت میں بچہ کے طمانچے سے اور ہانڈی کے

ٹوٹنے سے اور کپڑے کے پھٹنے سے نجات ہے

اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود پسندیدہ ہے بلکہ اس کو چاہیے کہ ایذا کی برداشت پر اُن کے ساتھ ہنسی کھیل کو اور زیادہ کر دے پس اُن سے ایسا کھیل کھیلا کرے جس میں گناہ نہ ہو کیونکہ مرد کا اپنی بی بیوں سے کھیلنا بیہودہ کھیل نہیں ہے جس کی دین میں ممانعت ہے بلکہ یہ جائز کھیل ہے جس کی دین میں اجازت ہے کیونکہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں سے خلق کیا کرتے تھے اور اُن کی عقلوں کے موافق کام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑتے تھے کہ آگے کون نکل جائے اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں کے ساتھ سب سے ظریف تھے یعنی ان کے ساتھ سب سے زیادہ خوش مزاجی اور ہنسی کرتے تھے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بی بی کے ساتھ اچھا ہو۔

مومن کے ایمان کامل کی علامت اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مومنوں میں ایمان میں سب سے زیادہ کامل وہ ہے جو اپنی بی بی کے ساتھ زیادہ خوش خلق اور زیادہ مہربان ہو۔

بیوی سے خوش خلقی میں اعتدال کی راہ لیکن اُس کو یہ مناسب نہیں کہ خوش خلقی اور ہنسی دل لگی میں اتنا کھل پڑے کہ اُن کے اخلاق بگڑ جائیں اور اس کی ہیبت اُن کے دل سے بالکل جاتی رہے بلکہ اس میں اعتدال کی رعایت رکھے کہ جب اُن سے کوئی برائی دیکھے تو ہیبت اور کشیدگی کو نہ چھوڑے اور اُن کی موافقت کا دروازہ بالکل نہ کھول دے بلکہ جب اُن سے کوئی ایسی بات دیکھے جو خلاف شرع ہو تو غصہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُن کا سرپرست بنایا ہے چنانچہ فرمایا ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ "مرد سرپرست ہیں عورتوں کے" پس اس کو لازم ہے کہ بھلی بات کو بتا کر اور برائی سے منع کر کے اُن کی سرپرستی کرے اور اُن ابتدائی باتوں سے غفلت نہ کرے جن کے انجام کی برائی کا اندیشہ ہو بلکہ اس کو چاہیے کہ باغیرت رہے لیکن عیب جوئی اور بدگمانی اور بھید کی تلاش میں زیادتی نہ کرے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کی چھپی باتوں کے تلاش کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ غیرت اور ایک روایت میں ہے ان یتعنت النساء یعنی عورتوں کی عیب جوئی سے یعنی کیوں کہ مرد کا بلا کسی شبہ کے اپنی بی بی پر غیرت کرنے کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے جیساکہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک غیرت ایسی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور یہ وہ غیرت ہے جو اپنی بی بی پر بلا کسی شبہ کی بات کے ہو کیونکہ یہ بدگمانی میں داخل ہے جس سے ممانعت آئی ہے اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہیں رہی وہ غیرت جو اپنے موقع پر ہو تو ضرور چاہیے اور وہ پسندیدہ ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدا بھی غیرت دار ہے

اور مومن بھی غیرت دار ہے اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن ایسا کام کرے جو اللہ نے اس پر حرام کیا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بہت بڑا غیرت دار ہوں اور ایسا کوئی مرد نہیں جو غیرت نہ کرتا ہو مگر اوندھے دل کا۔

بے عزتی سے بچانے والی راہ اور وہ طریقہ جس سے کبھی غیرت نہ آئے یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ آنے پائے اور نہ وہ راستہ گلیوں میں جائیں کیونکہ ان کا نکلنا بے عزتی سمجھی جاتی ہے پس مرد کو لازم ہے کہ اپنی بی بی کو گھر سے نکلنے سے منع کرے اور چند خاص جگہوں کے سوا کہیں جانے کی اجازت نہ دے۔

عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت دینے کا مسئلہ اور وہ خاص جگہیں وہ ہیں جو صاحب خلاصہ نے مجموع النوازل سے نقل کر کے لکھی ہیں کہ مرد کو جائز ہے کہ سات جگہ عورت کو جانے کی اجازت دے ماں باپ کی ملاقات اور ان دونوں کی بیمار پرسی اور ان دونوں کی یا ایک کی ماتم پرسی اور محرموں کی ملاقات کے لیے اور ان سات کے بیان کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ عورت دائی ہو یا مردہ کی نہلانے والی ہو یا کسی پر اس کا حق آتا ہو یا کسی اور کا اس پر حق آتا ہو تو با اجازت اور بلا اجازت بہر حال جا سکتی ہے اور اس کے علاوہ اجنبی لوگوں کی ملاقات اور ان کی بیمار پرسی اور ولیمہ کی اجازت اس کو نہ دے اور اگر اجازت دی اور وہ گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے اور اجازت کبھی چپ رہنے سے بھی ہوتی ہے اور چپ رہنا زبان سے کہنے ہی کی طرح ہے اس لیے کہ بری بات سے منع کرنا فرض ہے۔

اور اگر مجلس علم میں بلا رضامندی شوہر کے جانا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں مگر اس وقت کہ اس کو کوئی ضرورت پیش آئے اور شوہر اس کو پوچھ نہ دے تو اب بلا مرضی شوہر اس کے جانے میں گنجایش ہے اس لیے کہ حاجت کی باتوں میں علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے پس شوہر کے حق پر مقدم ہے اور اگر خاوند کسی عالم سے دریافت کر کے اس کو بتلا دے تو اس کو جانے کی گنجایش نہیں۔

اور اگر اس کو کوئی ضرورت تو پیش نہیں آئی لیکن چاہتی ہے کہ مجلس علم میں اس لیے جائے کہ وضو اور نماز کے مسئلوں میں سے کوئی مسئلہ سیکھ لے تو اگر خاوند کو مسائل آتے ہوں اور وہ اس کو بتلاتا رہتا ہو تو اس کو جائز ہے کہ عورت کو منع کرے اور اگر اس کو نہ آتے ہوں تو بہتر یہ ہے کہ اس کو کبھی کبھی اجازت دے دیا کرے اور اگر اجازت نہ دے تو نہ اس پر کچھ گناہ ہے اور نہ عورت کو اس وقت تک نکلنا درست ہے جب تک کہ اس کو کوئی واقعہ پیش نہ آئے۔

خاوند کے گھر سے بلا اجازت نکلنے والی عورت پر لعنت اور اگر اپنے شوہر کے گھر سے بلا اس کی اجازت کے گئی تو آسمان کا ہر فرشتہ اور ہر وہ چیز جس پر اس کا گذر ہوگا انسان اور جن کے سوا لعنت کرے گی اور حاصل یہ کہ اپنے شوہر کے گھر سے بلا اس کی اجازت کے اس کو نکلنا

حرام ہے اور جب اُس کی اجازت سے نکلے تو چھپ کر بُری ہیئت بنا کر نکلے اور خالی راہ ڈھونڈھ کر جائے سڑکوں اور بازاروں میں نہ جائے اور خوشبو لگا کر بن سنور کے نہ جائے اور نہ راستہ میں کسی آدمی سے باتیں کرے اس لیے کہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضہ نے ایک عورت کو ایک مرد کے ساتھ دیکھا کہ دونوں باتیں کر رہے ہیں پس دونوں کو کوڑے لگائے اس پر مرد نے کہا اے امیر المومنین یہ تو میری عورت ہے تو آپ نے اُس سے کہا اگر تیری عورت تھی تو اس کو اپنے گھر کیوں نہ لے گیا کہ رستہ میں کوئی تجھ کو تہمت نہ لگائے۔

عورت کے لیے حمام میں جانے کی ممانعت۔ اور نہ حمام میں نہ جائے اگرچہ شوہر اُس کو اجازت دیدے کیونکہ حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حمام میری امت کی عورتوں پر حرام ہے پس اگر حمام میں جانے کی مرض یا نفاس کی وجہ سے کوئی ضرورت پڑے تو شرط یہ ہے کہ لنگی پہن کر جائے اور اس میں کوئی عورت ننگی نہ ہو اور نہ بناؤ سنگھار سے جائے پس اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اُس کو حمام میں جانا حلال نہیں۔

عورت کو قبرستان میں جانے کی ممانعت اور وعید اور اسی طرح اُس کو قبرستان میں جانا بھی حلال نہیں کیونکہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ قاضی سے کسی نے عورت کے قبرستان جانے کے جواز کو پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسی بات کے جائز ہونے کو نہ پوچھو اور یہ پوچھو کہ اس پر کیسی لعنت برستی ہے کیونکہ عورت جب نکلنے کی نیت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی لعنت میں آجاتی ہے اور جب نکل کھڑی ہوتی ہے تو ہر طرف سے اُس کے ساتھ شیطان ہو لیتے ہیں اور جب قبر کے پاس آتی ہے تو مردہ کی روح اُس پر لعنت کرتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی لعنت میں رہتی ہے یہاں تک کہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

اور حدیث میں ہے جو عورت گورستان جانے کو نکلی اُس پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں چلتی رہتی ہے اور جو عورت مردہ کے لیے دعائے خیر کرے اور اپنے گھر سے نہ نکلے اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

اور سلمان رضہ اور ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ایک دن مسجد سے نکل کر اپنے گھر کے دروازے پر ٹھہر گئے اتنے میں حضرت فاطمہ رضہ آگئیں آپ نے اُن سے فرمایا کہاں سے آئی ہو انہوں نے عرض کیا فلانی عورت کے گھر سے جو مر گئی ہے پس آپ نے فرمایا کیا تم اُس کی قبر پر گئی تھیں انہوں نے عرض کیا خدا کی پناہ جو کچھ میں نے آپ سے سُنا ہے، اُس کے سننے کے بعد بھی میں ایسا کرتی پس آپ نے فرمایا اگر تم اُس کی قبر پر جاتیں تو جنت کی خوشبو نہ پاتیں۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک جنازہ کے ساتھ نکلے وہاں دیکھا کہ عورتیں جنازہ کے پیچھے آ رہی ہیں پس آپ نے اُن سے کہا کیا تم بھی سب کے ساتھ جنازہ اُٹھاؤ گی انہوں نے کہا کہ نہیں پس حضور علیہ السلام نے فرمایا تو کیا سب کے ساتھ نماز پڑھو گی انہوں نے کہا کہ نہیں پس حضور نے فرمایا جاؤ گنہگار بے ثواب پائے لوٹ جاؤ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو نہ جنازہ کے ساتھ جانا جائز ہے اور نہ قبرستان جانا۔

گھر سے نکلنے کی صورت میں عورت کے لیے حکم بلکہ اُس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے گھر کے اندر جب سے کہ شوہر کے گھر آئی ہے اُس وقت سے لے کر قبر میں جانے تک اپنا چرخہ لیے بیٹھی رہے اور اپنے گھر سے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے۔

ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ جہاں کہیں اور جس وقت اس کو نکلنے کی اجازت ہے تو بناؤ سنگار نہ ہو اور اس طرح بدلنے کی شرط پر ہے کہ مردوں کے دیکھنے اور اُن کے میلان کا سبب نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور دکھائی نہ پھرو پہلے نادانوں کے دکھانے کی طرح۔

اور تبرج جیسا کہ صحاح میں مذکور ہے عورت کا اپنے سنگار اور خوبیوں کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے اور اول جاہلیت کی عورتوں کی یہ عادت تھی اور بعضوں کے قول کے موافق اول جاہلیت سے مراد آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ ہے پس اللہ نے مومن عورتوں کو اُن کے ساتھ مشابہت کرنے سے منع کر دیا اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کا اُن کو حکم دیا کیونکہ عورت جب تک مردوں سے چھپی رہے گی اُس کا دین بچا رہے گا اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بیٹی فاطمہؓ سے فرمایا کہ عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے انہوں نے عرض کیا یہ کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ اُس کو کوئی مرد دیکھے آپؐ نے اُن کی بات کو پسند فرمایا اور اُن کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور فرمایا ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ اولاد ایک کا ایک جزو ہے۔

عورتوں کو ادب سکھانے اور تعلیم کا حکم اور نبی علیہ السلام کے اصحاب دیواروں کے جھروکوں اور سوراخوں کو بند کر دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاویہؓ نے اپنی عورت کو روشندان میں جھانکتے دیکھا تو مارا پس مرد کو چاہیے کہ ایسا ہی کرے اور اپنی عورت کو ایسی باتوں سے منع کرے پھر اگر اُس کے دل میں کوئی بدعت ہو تو اُس کو دور کرے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اُس کو بتلائے اور نماز اور حیض اور نفاس کے احکام جن کی حاجت ہوتی رہتی ہے اس کو سکھائے اور اگر دین کے کام میں سستی کرے یا بے نماز ہو تو اس کو ادب سکھائے لیکن ادب سکھانے میں آہستگی سے کام لے پس اول نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرائے اور اگر نہ مانے تو سونے میں اس کی طرف سے پیٹھ پھیرے یا اس سے الگ بچھونے پر سوئے اور تین دن رات اُس کو چھوڑے رکھے

پھر اگر نفع نہ ہو تو اس طرح مارے کہ زیادہ تکلیف دہ نہ ہو چوٹ تو لگے مگر ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ اُس کا بدن لہولہان ہو اور نہ اُس کے چہرے پر مارے کیونکہ اس سے ممانعت آئی ہے پھر بھی اگر فائدہ نہ ہو تو اُس کو طلاق دیدے جیسا کہ قاضی خان نے اپنے فتاوے میں کہا ہے کہ جس مرد کی عورت نماز نہ پڑھتی ہو اُس کو طلاق دیدے اگرچہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اُس کا مہر ادا کر سکے اور بزازی نے کہا ہے کہ بے شک اس حال میں اللہ تعالے سے ملنا کہ عورت کا مہر مرد کی گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ بے نمازی عورت سے صحبت کرے اور اللہ تعالے نے بھی اسمٰعیل نبی علیہ السلام کی اس قول سے تعریف کی ہے وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ اور حکم کرتے تھے اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا" اور علماء کہتے ہیں کہ اپنی گھر والی کو نماز پر آمادہ کرنا دروازۂ رزق کھل جانے کا سبب ہے۔

شوہر کے لیے عورت کو مارنے کی اجازت کی صورت اور صاحب خلاصہ نے لکھا ہے شوہر کو حق ہے کہ اپنی عورت کو چار باتوں پر مارے ایک تو مہر دے دینے کے بعد بلا اُس کی اجازت کے اُس کے گھر سے نکلنے پر اور دوسرے جس وقت شوہر زینت کو چاہے اُس کا بناؤ سنگار نہ کرنا اور تیسرے جب شوہر صحبت کرنا چاہے تو اُس کا کہنا نہ ماننا حالانکہ وہ پاک ہو اور چوتھے نماز نہ پڑھنا اور نماز نہ پڑھنے ہی کی طرح جنابت اور حیض سے غسل نہ کرنا ہے۔

ایک بیوی پر قناعت کرنے والے کا ثواب پھر اگر مرد دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ جانتا ہو کہ دونوں میں انصاف کر سکے گا تو اُس کو جائز ہے لیکن اگر نہ کرے گا تو اس وجہ سے ثواب پائے گا کہ اس نے اس کو غم میں نہیں ڈالا خصوصاً اس کے نیک عورت ہونے کے وقت کیونکہ عورت کی نیک بختی بہت بڑی نعمت ہے اس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔

تعدد ازدواج سے ممانعت کی صورت اور اگر یہ خوف ہو کہ دونوں میں برابری نہ کر سکے گا تو اُس کو ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس کے لیے ایسا کرنا اس ارشاد سے حلال کیا ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ "پس نکاح کرو جو اچھی لگیں تم کو عورتیں دو دو تین تین چار چار" مگر اللہ تعالے نے اُس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً "پس اگر خوف کرو تم کہ انصاف نہ کرو گے تو ایک ہی سے"۔

تعدد ازدواج میں عدل و انصاف کا تقاضا کیونکہ جس کی دو عورتیں یا زیادہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ سب میں تقسیم اور انصاف سے کام کرے خواہ مرد تندرست ہو یا بیمار پس ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک دن رات یا تین دن رات رہے اور کسی کے پاس اس سے زیادہ اُن کی اجازت کے بغیر نہ رہے اور کنواری اور غیر کنواری اور جوانی کے قریب عورت اور جوان ہوش و حواس والی اور دیوانی اور مسلمان اور کتابیہ اور تندرست اور بیمار تقسیم میں سب برابر ہیں اور ایسے ہی نئی اور پرانی خواہ وہ نئی کنواری ہو یا بیاہی پس اگر نئی کے

پاس تین یا سات دن رہا تو پرانی کے پاس بھی اتنا ہی رہے اور کسی ایک کی طرف طرز عمل میں جھک نہ پڑے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کی دو عورتیں ہوں پس وہ دونوں میں سے ایک کی طرف جھک پڑے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کا ایک جانب گرا ہوا ہوگا یعنی اس کا ایک پہلو زخمی گرا ہوا ہوگا کہ سارے میدان قیامت والے اُس کو دیکھیں گے تاکہ یہ حالت اُس کے لیے زیادہ عذاب بن جائے کیونکہ رسوائی بہت سخت عذاب ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ تقسیم اور انصاف کا اعتبار خرچ دینے اور رات کے رہنے میں ہے محبت اور صحبت میں نہیں کیونکہ محبت اختیاری نہیں۔ ہے اور صحبت کرنا نشاط پر موقوف ہے لہذا ان دونوں میں برابری کی قدرت نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں میں تقسیم اور عدل کیا کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے یا اللہ یہ میری تقسیم ہے اُس بات میں جس کا میں مالک ہوں پس مجھ کو ایسی بات کے بارہ میں ملامت نہ کرنا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں کہتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد محبت ہے کیونکہ حضرت عائشہ رض سب بی بیوں سے زیادہ آپ کو پیاری تھیں اور سب بی بیاں بھی اس کو جانتی تھیں لیکن پھر بھی نبی علیہ السلام خرچ دینے اور رات کو رہنے میں برابر کی تقسیم اور عدل کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے اس مرض میں بھی جس میں وفات ہوئی۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اپنے مرض میں ہر دن رات گود میں اٹھا کر پھرائے جاتے تھے پس اُن میں سے ہر ایک کے پاس رات کو رہا کرتے تھے اور فرماتے تھے میں کل کہاں ہوں گا میں کل کہاں ہوں گا پس اس سے آپ کی بی بیاں سمجھ گئیں کہ حضرت عائشہ رض کی باری کو پوچھنا مقصود ہے لہذا سب نے اجازت دے دی کہ آپ کا جہاں جی چاہے رہیں پس آپ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو سب نے کہا ہاں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا مجھ کو عائشہ رض کے گھر لے چلو پس اُن ہی کے گھر رہے یہاں تک کہ اُن ہی کے پاس وفات پائی۔

عورت کا حق مہر اور اس کی ادائیگی کا شدید حکم اور ایک حق عورت کا جو مرد پر ہے یہ ہے کہ اگر ادا کرنے پر قدرت ہو تو اس کا مہر پورا اُس کو دیدے اور اگر اُس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ نیت رکھے کہ جب قدرت ہوگی ادا کر دوں گا کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔ اور دو تم عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کے طریقہ پر کیونکہ عورتوں کو اُن کا مہر دینا اُن چیزوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے مذہب اور دین فرض کیا ہے پس جس نے یہ نیت کی کہ اُس کا مہر اُس کو نہ دوں گا تو قیامت کے دن زنا کار ہو کر آئے گا کیوں کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو مرد کسی عورت سے تھوڑے یا زیادہ مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں اُس کا حق ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالےٰ سے زنا کار ہو کر ملے گا۔

مہر میں مہلت یا معافی کا مسئلہ اور ادائے مہر کے لیے عورت سے مہلت نہ مانگے مگر اُس وقت،

کہ فقیر ہو یا عورت خوشی سے اُس کو مہلت دے دے کہ زبردستی سے نہیں اور اس پر دباؤ نہ ڈالے کہ اپنا مہر بخش دے اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے اس کہنے کے بعد اور دے دو عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے یہ فرمایا ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا پس اگر وہ خوش دلی سے مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں تو کھاؤ اُس کو رچتا پچتا، پس اس کے معنے جیسے کہ تیسیر اور انوار التنزیل میں مذکور ہے یہ ہیں کہ وہ اگر تم کو کچھ مہر نہایت رضامندی اور خوش دلی سے بخش دیں و باؤ اور بد معاملگی سے فدیہ کے طور پر دے کر نہیں تو اُس سے نفع اُٹھاؤ بلا اس کے کہ تمہارے ذمہ کچھ حق باقی رہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بہت کہہ کہہ کر بخشوانا مکروہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے جس طرح عقد نکاح کو مرد کے قبضے میں کیا ہے کہ چاہے عورت کو رکھے اور چاہے اُسے چھوڑ دے بغیر اس کے کہ عورت کا کچھ اختیار ہو اسی طرح مہر کی زنجیر کا حلقہ مرد کی گردن اور ذمہ میں ڈالا ہے لہٰذا عقد نکاح تو عورت کو مرد کی طرف کھینچتا ہے اور مہر کی زنجیر مرد کو عورت کی طرف پس سارے مہر کا بخشوالینا اُس کے حق کو باطل کرنا اور اپنے حق کو باقی رکھنا ہے اور اس میں بے انصافی اور ایک طرح کا ظلم ہے۔

بلا ضرورت شرعیہ طلاق کی ممانعت اور بلا ضرورت اُس کو طلاق نہ دے مگر اُس صورت میں کہ بد خلق بد دین بے نمازی ہو کیونکہ طلاق اگرچہ مباح ہے لیکن اللہ تعالٰی کے نزدیک سب سے بُرا مباح ہے کیونکہ اس میں ایذا دینا ہے اور بلا ضرورت غیر کو ستانا جائز نہیں ہاں عورت کی طرف سے کوئی خطا ہو تو اور بات ہے۔

طلاق کا حرام طریقہ پس جب کسی ضرورت سے عورت کو طلاق دینے کا قصد کرے تو اُس کو چاہیے کہ چند باتوں کی رعایت رکھے ایک تو یہ کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو اس لیے کہ حیض میں اور ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کر چکا ہو حرام ہے۔

تین طلاق کا مسئلہ اور دوسرے یہ کہ ایک ہی طلاق پر اکتفا کرے اور ایک دم میں نہ دیدے کہ ایسی طلاق بدعی قبیح ہے حالانکہ ایک طلاق بھی عدت گزر جانے کے بعد مقصود کو مفید ہے باوجودیکہ ایک طلاق ندامت سے بھی دور ہے کیونکہ عدت کے اندر رجعت سے اور عدت کے بعد نئے سرے سے نکاح کر لینے سے تدارک پر قدرت رہتی ہے اور جب اُس کو تین طلاق دے دیں تو بعضی دفعہ نادم ہوتا ہے اور بلا حلالہ کے اُس کا تدارک ممکن نہیں اور عقد حلالہ سے ممانعت ہے اس میں لعنت آئی ہے اور یہی اُس کا سبب بنے گا اور ایک مدت تک صبر کرنے کی حاجت پڑے گی باوجودیکہ اُس کا دل غیر کی بی بی سے اُس امید پر اٹکا رہے گا کہ وہ طلاق دے تو عدت گذر جانے کے بعد میرے پاس واپس آئے اور یہ سب کچھ اکٹھا تین طلاق دینے کا پھل ہے اور ایک میں بلا کسی خرابی کے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

طلاق کی صورت میں بیوی سے بھلائی کرنے کا حکم

اور تیسرےؔ یہ کہ اُس کے طلاق دینے میں نرمی برتے سختی اور حقارت نہ کرے اور اُس کا دل خوش کر دے کہ بطور متعہ مہر سے کچھ زائد اُس کو دیدے اور وہ زیادتی ایک کرتا اور ایک دوپٹہ اور ایک چادر اُس کو وحشت میں ڈالنے کا عوض ہے۔

عورت کے خلع کا شرعی حکم

اور چوتھےؔ یہ کہ اُس کا بھید ظاہر نہ کرے پھر اگر مال کے بدلے میں اُس کو طلاق دے اور یہ صورت خلع ہے تو جب کہ بدمزاجی مرد کی طرف سے ہو تو ایسا مال لینا مرد کو مکروہ ہے کیوں کہ اس نے اُسے اول تو چھوڑ کے وحشت میں ڈالا ہے تو اب مال لے کر زیادہ وحشت میں نہ ڈالے اور اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا " اور اگر چاہو تم بدلنا ایک بی بی کا بجائے دوسری بی بی کے اور دے چکے ہو تم ان میں سے کسی کو مال کا ڈھیر تو تم اُس میں سے کچھ نہ لو"

پس اللہ تعالیٰ نے ڈھیر میں سے جو بہت مال ہوتا ہے کچھ تھوڑا سا لینے کو بھی منع کیا ہے یہ جائیکہ زیادہ اور اگر بدمزاجی عورت کی طرف سے ہو تو جو مہر اُس کو دے چکا ہے اُس سے زائد لینا مکروہ ہے۔

پھر اگر مرد نے عورت کو خلع پر مجبور کیا اور اُس نے اپنی جان چھڑانے کے لیے مرد کو مال دینا منظور کر لیا یا جو مہر وغیرہ مرد کے ذمہ ہے اُس کو معاف کر دیا تو طلاق پڑ جائے گی بغیر اس کے کہ جو مال اُس نے اپنے ذمہ منظور کیا ہے لازم ہو اور بغیر اس کے کہ جو مہر مرد کے ذمہ ہے معاف ہو کیونکہ رضامندی مال کے لازم ہونے اور معاف ہونے میں شرط ہے اور زبردستی نارضامندی ہے جیسا کہ اپنی جگہ بیان ہو چکا ہے۔

بیوہ کے لیے نکاح کا مسئلہ

اور اگر کسی عورت کا شوہر مر گیا اور وہ چاہے کہ میں آخرت میں اسی کی بی بی ہوں تو اُس کو چاہیے کہ اور خاوند نہ کرے کیونکہ عورت آخرت میں پچھلے شوہر کو ملے گی چنانچہ روایت ہے کہ ابوسفیان رضؓ نے ام درداء کو ابو درداء رضؓ کی وفات کے بعد نکاح کا پیغام بھیجا سو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا میں نے ابو درداء رضؓ سے سُنا ہے وہ نبی علیہ السلام سے حدیث بیان کرتے تھے کہ آخرت میں عورت اپنے پچھلے شوہر کو ملے گی اور مجھ سے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو آخرت میں میری بی بی بنے لہذا میرے بعد نکاح نہ کرنا اور بعضے کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ خوش اخلاق شوہر کو ملے گی کیونکہ روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس عورت کے دو شوہر ہوں وہ دونوں میں سے کسی کو آخرت میں ملے گی پس آپ نے فرمایا کہ اُس کو اختیار دیا جائے گا پس وہ دونوں میں سے اپنے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے کو پسند کرے گی۔

عربی زبان و لغت پر شاہکار تصانیف

المنجد
عربی سے اردو جامع لغت

پوری دنیا میں مشہور و مستند عربی جدید لغت المنجد الکبیر کا نہایت مستند ترجمہ جس میں ساٹھ ہزار عربی الفاظ کی اردو تشریح کی گئی ہے جدید اضافوں کے ساتھ عکسی ایڈیشن بڑا سائز ۳۰×۲۰ کل صفحات ۱۲۰۰ مجلد اعلیٰ قیمت۔

بیان اللسان
عربی سے اردو ڈکشنری

چالیس ہزار عربی الفاظ کی مستند اردو تشریح ممالک عربیہ میں مستعمل جدید الفاظ کے اضافوں کے ساتھ۔ عکسی طباعت سفید کاغذ سائز ۳۰×۲۰ صفحات ۹۴۴ قیمت مجلد

المعجم
اردو سے عربی ڈکشنری

پینتیس ہزار عربی الفاظ کی اردو تشریح اردو کے ذریعہ عربی سیکھنے والوں کے لئے نہایت ضروری اور جامع لغت ممالک عربیہ میں جانے والوں کے لئے ہر قدم پر رہبر عکسی طباعت سفید کاغذ سائز ۳۰×۲۰ صفحات ۶۰۰ قیمت مجلد

القاموس المدرسی
عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی

یہ چالیس ہزار الفاظ کی دو ڈکشنریاں عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی ایک جلد میں شائع کی گئی ہیں جو انگریزی کے ذریعہ عربی اور عربی کے ذریعہ انگریزی سیکھنے کے لئے نہایت شاندار پیشکش ہے جو عربی انگریزی کے خوبصورت ٹائپ میں چھاپی گئی ہیں۔ سفید اعلیٰ کاغذ کل صفحات ۸۱۶ سائز ۳۰×۲۰ مجلد اعلیٰ قسم

عربی بول چال
عربی اردو انگریزی

ڈاکٹر سید محمد امین المصری کی مشہور کتاب طریقہ جدیدہ کی اردو انگریزی زبانوں میں شرح جس کے ذریعہ انگریزی و اردو خواں حضرات بغیر استاد کے جدید عربی بول چال سیکھ سکتے ہیں عکسی طباعت سفید کاغذ قیمت کامل سیٹ

عربی کے جدید لغات
عربی سے اردو

ایسے جدید دو ہزار الفاظ کی عربی اردو ڈکشنری جو ممالک عربیہ میں عام بول چال اور دفاتر میں مستعمل ہیں۔ عکسی طباعت سفید کاغذ قیمت

عربی آسان نصاب
از مولانا مشتاق احمد چرتھاولی

بالکل ابتداء سے اردو کے ذریعہ عربی زبان سیکھنے کے لئے یہ بہترین اور آزمودہ نصاب ہے اس نصاب میں عربی صرف و نحو اور عربی کے اسباق کو نہایت سہل انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اور اس میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔

عربی زبان کا آسان قاعدہ ــــــــ	عوامل النحو ــــــــ
علم الصرف اول دوم ــــــــ	عربی گفتگو نامہ ــــــــ
علم الصرف سوم چہارم ــــــــ	عربی صفوۃ المصادر مع لغات جدیدہ ــــــــ
علم النحو مع ترکیب ــــــــ	روضۃ الادب مع عربی خطوط ــــــــ

کامل سیٹ ۷۵/-

معارفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

مولانا محمد منظور نعمانی

جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی علمی ذہنی اور فکری سطح اور عصرِ حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر کیا گیا ہے جس نے اُردو خوانوں اور علومِ جدیدہ کے حامل حضرات پر علمِ حدیث کے حصول کے لیے حجت تمام کر دی ہے۔ ہر حدیث کے عربی متن کے ساتھ آسان اُردو زبان میں ایسی دل نشین تشریح کی گئی ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مکمل کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

قیمت کامل سیٹ
اعلیٰ کاغذ مجلد

قیمت کامل سیٹ انگریزی

دار الاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

بہترین اسلامی کتابیں

قصص القرآن مولانا محمد حفظ الرحمٰن ۴ جلد
مظاہر حق جدید (شرح مشکوٰۃ اردو) ۵ جلد
معارف الحدیث۔ مولانا محمد منظور نعمانی ۶ جلد
تجرید صحیح بخاری مترجم عربی اردو کامل مجلد
شرح حصن حصین مترجم مولانا محمد عاشق الٰہی
شرح اربعین، امام نوویؒ " " مجلد
حجۃ اللہ البالغہ اردو، شاہ ولی اللہ دہلوی مجلد
بہشتی زیور مدلل مکمل مولانا اشرف علیؒ مجلد
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مفتی محمد شفیعؒ ۲ جلد
علم الفقہ کامل مولانا عبدالشکور لکھنویؒ
عقائد علمائے دیوبند و حسام الحرمین مجلد
احیاء العلوم اردو، امام محمد غزالیؒ ۴ جلد
کیمیائے سعادت اردو " " مجلد
مجالس الابرار، اردو، شیخ احمد رومی مجلد
مجالس حکیم الامت مفتی محمد شفیعؒ
مومن کے ماہ و سال اردو، شیخ عبدالحقؒ دہلوی مجلد
اسلام کا نظام مساجد، مولانا ظفیر الدین مجلد
اسلام کا نظام عفت و عصمت " "
اسلام کا نظام اراضی و عشر و خراج، مفتی محمد شفیعؒ
علمی کشکول منتخب مضامین " " "
احکام اسلام عقل کی نظر میں، مولانا اشرف علی

مستند اسلامی کتابیں

ارواح ثلاثہ (حکایات اولیا) مولانا اشرف علیؒ
آیات بینات، محسن الملک (تردید شیعہ) ۲ جلد
تحفۂ اثنا عشریہ اردو، شاہ عبدالعزیزؒ (تردید شیعہ) مجلد
تاریخ ارض القرآن، سید سلیمان ندویؒ مجلد
تاریخ فقہ اسلامی اردو، شیخ محمد خضریؒ مجلد
تذکرۂ غوثیہ، سید غوث علی شاہ قلندرؒ مجلد
تذکرۂ مجدد الف ثانی، مولانا محمد منظور نعمانی "
عیسائیت کیا ہے؟ مولانا محمد تقی عثمانی
مسلمانوں کا نظم مملکت، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مجلد
لطائف علمیہ ترجمہ کتاب الاذکیا، ابن جوزی "
کلیات امدادیہ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ "
المنجد عربی اردو، جامع لغات مجلد
المعجم اردو عربی " " "
بیان اللسان عربی اردو مستند لغات مجلد
قاموس القرآن (مکمل قرآنی لغات) "
جامع اللغات (اردو کی مستند لغت) "
شمس المعارف (تعویذات) ابن علی بونی مجلد
اصلی جواہر خمسہ کامل (تعویذات) "
بیاض یعقوبی (تعویذات) مولانا محمد یعقوب "
علاج الغربا حکیم غلام امام
بیماریوں کا گھریلو علاج، طبیبہ ام الفضل

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

مکمل فہرست کتب مفت طلب فرمائیں